مورخ آلِ محمدؑ، سلطان الواعظین

حضرت علامہ محمد علی لکھنویؒ

کی شہرۂ آفاق تاریخی کتاب

بُحُورُ الغُمَّہ

مرتبہ

حجۃ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ سخاوت حسین سندرالوی دام ظلہ،

(پی۔ایچ۔ڈی، فاضل قم)

(سرپرست ادارہ اہتمام، نیوجرسی، امریکہ)

مورخ آل محمدؐ، سلطان الواعظین

حضرت علامہ محمد علی لکھنویؒ

کی شہرۂ آفاق تاریخی کتاب

بحور الغمہ

مُرتّبہ

حجۃ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ سخاوت حسین سندرالوی دام ظلہٗ

(پی۔ایچ۔ڈی، فاضل قم)

(سربراہ: بیت القائم، نیو جرسی، امریکہ)

ملنے کا پتہ

نظامی پریس بکڈپو، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ

☆ نام کتاب : بحور الغمّہ

☆ تقاریر : حضرت علامہ محمد علی لکھنویؒ

☆ مطبوعہ : نظامی پریس لکھنؤ

☆ سن اشاعت : April-2005

☆ قیمت Rs. -/180/-

ملنے کا پتہ

Nizami Press Book Depot

Victoria Street, Lucknow

Tel: 2267964, 2240672

فہرست

حرف ناشر

تاریخ اہل بیتؑ پر مشتمل مستند ترین، معتبر ترین کتاب "بُحُورُ الْغَمَّہ"، ایک عظیم تحفہ کے طور پر ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، اس اُمید کے ساتھ کہ وہ اس سے استفادہ کریں گے۔

"بُحُورُ الْغَمَّہ" یعنی غموں کا سمندر، واقعی یہ اسم با مسمّٰی کتاب ہے۔ آیات و احادیث اور ایمان افروز واقعات کی روشنی میں فضائل اہل بیتؑ کو اس انداز و اسلوب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ ان کے مطالعہ سے اذہان وقلوب کو جلا ملتی ہے۔ خصوصاً مصائب آل محمدؐ کو جس نئے انداز سے تحریر کیا گیا ہے، وہ دوسری کتابوں میں موجود نہیں ہے۔

اس کتاب کو اُردو زبان میں مصائب کے موضوع پر سب سے بڑی اور مستند کتاب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ سرزمین لکھنؤ سے ڈیڑھ صدی قبل شائع ہونے والی یہ کتاب آج بھی ذاکرین وواعظین کی پسندیدہ ترین کتاب ہے۔ ہندو پاک میں چند علماء و ذاکرین کے پاس اس کی فوٹو کاپیاں اور پرانے نسخے موجود ہیں ورنہ یہ کتاب امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ تقریباً ناپید و نایاب ہو چکی ہے۔

ہمارے محترم واعظین وذاکرین مدت سے اس انتظار میں تھے کہ "بُحُورُ الْغَمَّہ" کو نئے انداز اور جدید اسلوب کے ساتھ شائع کیا جائے تا کہ وہ اس منفرد و معتبر کتاب سے استفادہ حاصل کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے علمائے کرام اور مؤرخین نے مختلف دینی موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے، تاہم "بحور الغمہ" ایسی اہم ترین کتاب کی طرف کوئی متوجہ نہ ہو سکا۔ بھلا ہو علامہ ڈاکٹر سخاوت حسین سندرالوی صاحب قبلہ کا جنہوں

نے تدریس وتقریر کی مصروفیات کے باوجود اس کیلئے وقت نکالا اور بحور الغمہ کو نیا ادبی لباس پہنا کر اور اسے نئے زاویوں اور تقاضوں کے مطابق مرتب کیا ہے اور اس عظیم الشان کتاب کو آنے والی نسلوں کیلئے محفوظ کر دیا ہے۔

علامہ سندرالوی صاحب قبلہ کی اس مجاہدانہ ومخلصانہ کاوش پر اُن کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ موصوف انتہائی قابل ترین، لائق ترین شخصیت ہیں۔ عالمی سطح پر منعقد کی گئی مجالس عزا کے اجتماعات سے خطاب کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے انداز سخن، طرز تکلم، ادائیگی بیان کو سن کر سامعین پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ کی تقریر کا انداز انتہائی سادہ اور آسان ہوتا ہے جس سے ہر عام وخاص مستفید ہوتا ہے مگر جب آپ لفاظی اور دلائل کی وادیوں میں اُترتے ہیں تو فصاحت وبلاغت کے پھول کھلنے لگتے ہیں۔

آپ کی تقریر استدلالی اور خطاب انتہائی مدلل ہوتا ہے۔ چونکہ آپ فقہ، فلسفہ، تاریخ، اصول اور کلام ومنطق ونحو پر مکمل عبور رکھتے ہیں، اس لئے جب گفتگو کو شروع کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ علامہ صاحب اس پھیلی ہوئی گفتگو کو کس طرح سمیٹیں گے مگر آپ اپنی مہارت وقابلیت کے بل بوتے پر خلاصہ مضمون اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ تمام سامعین وحاضرین داد وتحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

کتاب "بُحُورُ الْغُمَّه" واقعات وروایات کے اعتبار سے دوسری کتب سے نہ صرف منفرد ہے بلکہ مستند بھی ہے۔ بزرگ علماء اور ذاکرین اپنی اکثر مجالس میں اس کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے تقریر کرتے ہیں۔

مصنفِ کتاب سرزمین لکھنؤ کے بہت بڑے عالم، مؤرخ ومفسر انسان تھے۔ انہوں نے اُس دور میں اتنا زبردست کام کیا ہے کہ ہم اس ترقی یافتہ دور میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اس مقام پر محترم آغا عابد عسکری، فاضل قم کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو

نا انصافی ہوگی۔ انہوں نے علامہ سندرالوی صاحب قبلہ سے ایک تو ہمیں مسودہ لے کر دیا ہے، دُوسرا اس پر نظر ثانی کر کے ہماری مشکل کو کافی حد تک آسان کیا ہے۔

پہلی جلد کی اشاعت کے بعد ہم دُوسری جلدوں کو بھی شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اُمید ہے قارئین کرام ہماری اس کاوش کو پسند کریں گے۔ دُعا ہے کہ رب العزت ہماری اس ناچیز کاوش کو قبول فرمائے۔ اِس کتاب کے مصنف سلطان الواعظین علامہ محمد علی صاحب قبلہ کے درجات عالیہ میں اضافہ فرمائے اور علامہ سندرالوی صاحب قبلہ کو آباد وشاد رکھے (آمین ثم آمین)۔

سید وصی ظہیر نقوی

فضائلِ رسولِ خدا، آپؐ کی وفات اور حسنینؑ کو وفات کے بعد آغوش میں لینا

"اَیُّھَاالنَّاسُ فَضَائِلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَمُعْجِزَاتُہٗ کَثِیْرَۃٌ لَایُحْصِیْھَاالْاِنْسَانُ وَمَنَاقِبُہٗ غَزِیْرَۃٌ لَایُحِیْطُھَا الْمَلَائِکَۃُ وَالْجَانُّ".

"آگاہ ہوں مومنین کہ فضائل و معجزات جنابِ رسولِ خدا کے اس قدر ہیں کہ ہرگز اُن کا احاطہ کسی انسان سے، بلکہ تمام فرشتوں اور جنات سے بھی ممکن نہیں"۔

"فَمِنْھَااِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَیْہِ وَھُوَلَا یَمُرُّعَلٰی شَیْءٍ مِنَ الشَّجَرِوَالْحَجَرِاِلَّاوَھُوَ یُصَلِّیْ وَیُسَلِّمُ عَلَیْہِ".

بعض فضائل میں سے یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اور تمام فرشتے آپؐ پر درود اور سلام بھیجتے ہیں اور تمام اہلِ مکہ نے اکثر دیکھا کہ جب آنحضرتؐ کسی درخت اور پہاڑ کی طرف ہو کر گزرتے تھے، وہ بآوازِ بلند کہتا تھا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ وَمِنْھَااَنَّہٗ کُلَّمَا کَانَ یَمُرُّ فِیْ الشَّمْسِ کَانَتِ الْغَمَامَۃُ تَسِیْرُ بِمَسِیْرِہٖ وَتَقِفُ بِوُقُوْفِہٖ وَمِنْھَااَنَّہٗ یُبْصِرُ وَرَائَہٗ کَمَا یُبْصِرُ اَمَامَہٗ وَتَنَامُ عَیْنُہٗ وَلَایَنَامُ قَلْبُہٗ".

فضائلِ آنحضرتؐ میں سے مختصر یہ ہے کہ جب آپؐ دھوپ میں کہیں تشریف لے

جاتے تھے تو ایک ابرِ سفید آپؐ کے سرِاقدس پر چھتری کی مانند سایہ فگن ہوتا تھا اور آنحضرتؐ کے ہمراہ چلتا تھا۔ جس جگہ آپؐ ٹھہر جاتے تھے، وہ ابر بھی وہاں ٹھہر جاتا تھا۔

نیز آپؐ کے فضائل میں سے ہے کہ جو چیز پس پشت آپؐ کے ہوتی تھی، اُس کو آپؐ اس طرح دیکھتے جس طرح سامنے کی چیز کو ملاحظہ فرماتے تھے اور بظاہر آنکھیں سونے کے وقت بند ہو جاتی تھیں مگر قلبِ مبارک بیدار رہتا تھا"۔

"وَمِنْهَا أَنَّهُ كُلَّمَا كَانَ يَسِيرُ فِي الطُّرُقِ وَالْمَسَالِكِ تَفُوحُ رِيحُهُ كَالْمِسْكِ لِكُلِّ مَارٍّ وَسَالِكٍ".

"آپ کی ذاتِ اقدس کے بعض فضائل میں سے یہ ہے کہ جب آپ کسی راہ سے گزر فرماتے تھے تو کئی روز تک اُس راہ میں اعلیٰ مشک و عنبر کی خوشبو آتی تھی"۔

"وَيَتَنَوَّرُ بِنُورِ جَمَالِهِ الْآفَاقُ وَالْأَرْجَاءُ وَيَسْتَضِيئُ بِوَجْهِهِ الْأَرْضُ وَالسَّمَاءُ".

"اور آنحضرتؐ کے بعض فضائل میں سے یہ ہے کہ جب آپؐ شبِ تاریک میں کہیں تشریف لے جاتے تھے تو وہ رات چہرۂ انور کے نور سے روزِ روشن کی طرح ہو جاتی تھی اور نورِ آفتاب روبروئے نورِ جمال جنابِ رسالت مآبؐ کے مغلوب ہو جاتا تھا"۔

آنحضرتؐ کے رحم کا یہ حال تھا کہ جانور کی بھی تکلیف آپؐ دیکھ نہ سکتے تھے۔ چنانچہ حیات القلوب میں ابن شہر آشوب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جنابِ رسولِؐ خدا کسی صحرا میں تشریف لے گئے۔

"اِذْ نَادٰى مُنَادٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ".

ناگاہ سنا کہ کوئی کہتا ہے: یارسولؐ اللہ! میری مدد کو پہنچئے۔

جب یہ صدا محبوبِؐ خدا کے کانوں تک پہنچی، آپؐ نے دائیں اور بائیں دیکھا۔

اُس مقام پر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ آگے بڑھے، دوبارہ آواز آئی، پھر ملاحظہ کیا، کسی کو نہ دیکھا۔ تیسری بار پھر آواز آئی۔ آپؐ نے متعجب ہو کر چاروں طرف نگاہ کی، دیکھا:

"فَاِذَا هُوَ ظَبْيَةٌ مَوْثُوْقَةٌ".

کہ ایک ہرنی فریاد کر رہی ہے اور شکاری اُسے باندھے لئے جاتا ہے۔

آپؐ اُس شکاری کے قریب آئے اور فرمایا: اے ہرنی! کیا حاجت رکھتی ہے؟

اُس نے اپنی زبانِ بے زبانی میں عرض کی: یارسولؐ اللہ! اس یہودی شکاری نے مجھے اسیر کیا ہے اور اس پہاڑ کے دامن میں میرے دو بچے بھوکے ہیں۔ میں نے اُنہیں دودھ نہیں پلایا۔ آپ کی ذات بابرکات رحمۃ للعالمین ہے، اُمیدوار ہوں کہ سفارش فرما کر مجھے کھلوا دیں کہ میں اپنے بچوں کو ایک نظر دیکھ کر اور دودھ پلا کر واپس حاضر ہو جاؤں گی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ہرنی! تو اپنے قول پر ثابت قدم رہے گی؟

اُس نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! اگر میں آپؐ سے اقرار کر کے حاضر نہ ہوں گی تو غضبِ خداوندِ قہار میں گرفتار ہو جاؤں۔

حضرتؐ نے شکاری سے ارشاد فرمایا کہ میں اس کا ضامن ہوتا ہوں، اسے کھول دے کہ یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر ابھی چلی آئے گی۔

اُس نے حضورؐ کا اخلاق اور رحم دلی دیکھ کر فوراً کھول دیا اور وہ ہرنی خوشی خوشی دعائیں دیتی ہوئی صحرا کو روانہ ہوئی۔ جب وہ ہرنی اپنے بچوں میں پہنچی اور اس حال سے اُن کو آگاہ کیا تو انہوں نے اپنی ماں سے کہا کہ اگر محبوبِؐ خدا ضامن ہوئے ہیں تو ہم ہرگز دودھ نہ پئیں گے۔ جلد حاضر ہو کہ وہ حضرتؐ منتظر ہوں گے۔

الغرض وہ ہرنی بچوں کو لئے ہوئے حاضر ہوئی۔ بچے اپنی آنکھیں آپؐ کے قدم مبارک پر ملنے لگے اور اشک بہانے لگے۔ یہ اعجاز و کرامت دیکھ کر وہ یہودی شکاری جس کا نام اہیب بن سامع تھا، کچھ تصور کر کے زار و قطار رونے لگا اور صدقِ دل سے مسلمان ہو گیا

اور ہرنی کو راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔

جنابِ رسولؐ خدا نے ایک زنجیر بطور نشانی اُس ہرنی کی گردن میں باندھ دی اور ارشاد فرمایا کہ سب شکاریوں پر تیرا گوشت حرام ہے۔

زید بن ثابت کہتا ہے کہ واللہ! میں نے اُس ہرنی کو دیکھا کہ بیابان میں تسبیح و ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں مشغول ہے۔

وفاتِ رسولِؐ کریم

افسوس ہزار افسوس کہ ایسے شفیق و رحیم پیغمبرؐ نے 28 رصفر، سال 10 ہجری کو اس دارِ ناپائیدار سے دار القرار کی طرف انتقال فرمایا۔ منقول ہے کہ جب سرورِ کائنات کا وقتِ وفات قریب پہنچا، اُس وقت آپؐ حضرت اُمِ سلمیٰؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ جب اُمِ سلمیٰؓ نے حضرتؐ کا حال نہایت ہی متغیر پایا، عرض کی:

''آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، یا رسولؐ اللہ! میں آپ کا حال نہایت متغیر پاتی ہوں''۔

حضرتؐ نے فرمایا: ''اب میرا وقتِ وفات قریب ہے اور سہ پہر کے بعد کبھی محمدؐ کی آواز نہ سنو گی''۔

جب اُمِ سلمیٰؓ نے آنحضرتؐ سے ایسے کلمات حسرت آمیز سنے تو رونے لگیں۔

اب جلدی میری پارۂ جگر اور نورِ نظر فاطمہ زہراؑ کو بلاؤ کہ میں اُس سے رُخصت ہولوں۔

جب جنابِ سیدہؑ حاضر ہوئیں تو دیکھا کہ رسولؐ خدا پر غشی طاری ہے اور حال متغیر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی ساعت کے مہمان ہیں۔ دیکھتے ہی بے تاب ہو کر سینہ اقدس سے لپٹ گئیں اور منہ سے منہ ملاتی تھیں اور روتی تھیں:

"فَنَادَتْ وَاَبَتَاهُ وَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْسِيْ لِنَفْسِکَ

اَلْفِدَاءُ''۔

جب اُن معصومہؑ نے دیکھا کہ غش سے آنحضرتؐ کو افاقہ نہیں ہوتا، زور سے پکاریں: اے بابا! میری جان قربان ہو، غش سے آنکھیں کھولئے اور باتیں کیجئے کہ میں بیقرار ہوں۔

غرض جب رسولؐ خدا کو غش سے افاقہ ہوا تو جنابِ سیدہؑ کو زیرِ چادر لے کر دیر تک کچھ باتیں کیں۔ معصومہؑ نے کافی دیر بعد اپنا سر سینہ اقدس سے اُٹھایا مگر رقت کم نہ ہوتی تھی۔ حضرتؐ نے فرمایا:

''اے پارۂ جگر! مضطر نہ ہو کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے میری دُعا تیرے لئے قبول فرمائی یعنی عنقریب سب سے پہلے تو ہی مجھ سے آ کر ملے گی''۔

''اے فاطمہؑ! اب جلد حسنینؑ کو بلاؤ کہ میں اُن سے بھی رخصت ہولوں اور وہ مجھ سے رُخصت ہولیں''۔

جب نواسے ناناؐ کے قریب پہنچے تو حضرتؐ نے ہاتھ پھیلا کر سینہ اقدس سے لگایا اور بار بار ہر ایک کو چومتے اور پیار کرتے تھے اور اس قدر روئے کہ حضرتؐ کو پھر غش آ گیا۔

جنابِ امیر المومنین علیہ السلام نے اس خیال سے کہ حضرتؐ بہت ضعیف اور ناتواں ہیں، ایسا نہ ہو کہ تکلیف ہو، چاہا کہ صاحبزادوںؑ کو سینہ اقدس سے اُٹھالیں۔ دفعتاً جنابِ رسولؐ خدا نے چشمِ مبارک کھولی اور فرمایا:

''علیؑ! ابھی میرے دونوں نورِ چشموں کو میرے سینہ سے جدا نہ کرو تا کہ میں اُن کو خوب پیار کرلوں اور اُن کی خوشبو سونگھ لوں اور یہ میری خوشبو سونگھ لیں''۔

اس کے بعد پھر حضرتؐ غش فرما گئے۔ منقول ہے کہ جنابِ سیدہؑ بار بار جنابِ رسولؐ خدا کے غش فرمانے سے بہت بے تاب ہوئیں اور باوازِ بلند رونے لگیں۔ ناگاہ ایک مردِ عرب نے دروازے کے پیچھے سے آواز دی:

"یارسولؐ اللہ! آپؐ پر سلام ہو، میں مردِ مسافر کسی کا پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں، اُمیدوار ہوں کہ اجازت ہو کہ اندر حاضر ہو جاؤں"۔

جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا: "اے مردِ غریب! یہ وقتِ ملاقات نہیں، حضرتؐ غش میں ہیں"۔

تھوڑی دیر کے بعد پھر اُس نے اِذن چاہا، وہی جواب پایا۔ تیسری مرتبہ ایسی مہیب آواز سے پکارا کہ جنابِ سیدہؑ ڈر گئیں اور مثل بید کے کانپنے لگیں۔ جنابِ رسولِ خدا نے غش سے آنکھیں کھولیں، بیٹی کا اضطراب دیکھ کر پوچھا کہ کیا بات ہے؟

جنابِ سیدہؑ نے اعرابی کی حقیقت بیان کی۔ حضرتؐ نے فرمایا:

"اے نورِ نظر! یہ وہ شخص ہے کہ عورتوں کو بیوہ کرتا ہے اور بچوں کو یتیم بناتا ہے۔ اگر اندر آنے کا قصد کرے تو کوئی منع نہیں کر سکتا۔ اے فاطمہؑ! یہ فرشتہ ملک الموت ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے تیرے دروازے کو یہ رُتبہ عطا فرمایا ہے کہ ملک الموت بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہو سکتا۔ اجازت دو کہ چلا آئے"۔

غرض جب ملک الموت اذن پا کر حاضر ہوئے، بعد تسلیم عرض کی:

"اے حبیبِ خدا! باری تعالیٰ نے بعد تحفہ سلام کے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کو اختیار ہے کہ اگر ہماری ملاقات منظور ہو تو اپنی موت پر راضی ہوں کہ تمام حور و غلمان اور رضوان آپؐ کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ اگر اپنی موت منظور نہ ہو تو جب تک جی چاہے، دُنیا میں رہیں کہ ہمیں آپؐ کی خوشی بہر صورت منظور ہے"۔

حضرتؐ نے فرمایا: "اے ملک الموت! مجھے اتنی مہلت دو کہ جبرئیلؑ میرے پاس آئیں اور کچھ خوشخبری سنائیں"۔

ناگاہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی: "یارسولؐ اللہ! تمام فرشتہ ہائے مقرب اور حاملانِ عرش آپؐ کی زیارت کے مشتاق ہیں اور جنابِ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپؐ کی

اُمت سے ہم اس قدر بخش دیں گے کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے"۔

یہ مژدہ سن کر ملک الموت سے فرمایا: "اے عزرائیلؑ! اب خدا کا حکم بجالاؤ"۔

راوی کہتا ہے کہ جب حضرتؐ بہشت کو تشریف لے گئے، اہل بیتؑ کی نظروں میں عالم سیاہ ہو گیا۔ بیت الشرف میں قیامت برپا ہوئی۔ ہر طرف سے "وَا مُحَمَّدَاہ وَا نَبِیَّاہ" کا شور بلند ہوا اور جنابِ امیر علیہ السلام نے آنحضرتؐ کو غسل دے کر کفن پہنایا۔

سید ابن طاؤس لکھتے ہیں کہ جنابِ امیر علیہ السلام جب رسولؐ خدا کو کفن دے کر بند کفن باندھ چکے تو حسنینؑ بے تاب ہو کر فریاد کرنے لگے:

"کیوں نانا! آپ تو کبھی ہم کو دیکھے بغیر نہ رہتے تھے۔ جب دیکھتے تھے تو پیار کرتے تھے، اس وقت کیا ہوا کہ ہم سرہانے کھڑے روتے ہیں اور آپؐ منہ چھپائے ہوئے ہیں، بات بھی نہیں کرتے؟"۔

جنابِ امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حسنینؑ کے اس بین پر تین مرتبہ لاشِ مبارک حرکت میں آئی اور ایک روایت میں ہے شہزادوں نے اصحابِ رسولؐ سے ایک ایک کے پاس جا کر کہا کہ نانا کے چہرہ سے ذرا چادر ہٹا دو کہ ہم ایک مرتبہ زیارت کر لیں لیکن سب نے کہا کہ ہماری مجال نہیں کہ خدا و نبی کے حکم کے بغیر منہ سے چادر ہٹائیں۔

جب وہ صاحبزادے نا اُمید ہوئے تو خود جنازہ کے قریب جا کر کہنے لگے:

"نانا جان! ہم نے کیا کیا؟ کسی کو منظور نہیں کہ ہم آپ کی زیارت کریں اور آپؐ بھی نہ اپنا منہ کھولتے ہیں، نہ ہم سے باتیں کرتے ہیں؟"

منقول ہے کہ نواسوں کے بین سے حضرتؐ کی لاشِ مبارک تڑپ گئی۔ خود بخود کفن کے بند کھل گئے اور دونوں ہاتھ پھیلا کر صاحبزادوں کو سینہ سے لگا لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہجوم میں کہرام برپا ہوا۔ کچھ دیر بعد جنابِ امیر علیہ السلام نے نواسوں کو نانا کے سینے سے سمجھا کر تسلی دے کر جدا کیا۔

اُمِ ایمن کے واسطے پانی کے ڈول کا نازل ہونا اور وفاتِ جنابِ فاطمہ زہرؑا

"رُوِیَ فِی الْمَنَاقِب عَنْ عَلِیِّ بْنِ مُعَمَّرٍ اَنَّهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَتْ فَاطِمَةُ حَلَفَتْ اُمُّ اَيْمَنَ اَنْ لَا تَكُوْنَ بِالْمَدِيْنَةِ".

کتابِ مناقب میں بااسنادِ معتبر علی بن معمر سے منقول ہے کہ جب مخدومۂ کونین جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اس دارِ فنا سے عالمِ بقا کی طرف رحلت فرمائی، اُس وقت اُمِ ایمنؓ نے، جو اُن معصومہؑ کی خادمہ تھیں، قسم کھائی کہ میں ہرگز اب مدینہ میں نہ رہوں گی اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ مکان جس میں جنابِ سیدہؑ تشریف رکھتی تھیں، وہ خالی گھر اُمِ ایمنؓ سے نہ دیکھا جاتا تھا۔

غرض مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اثنائے راہ میں تشنگی نے غلبہ کیا، نوبت ہلاکت تک پہنچی۔

"فَرَفَعَتْ رَاسَهَا اِلَى السَّمَآءِ وَقَالَتْ يَارَبِّ تَقْتُلُنِيْ عَطْشًا وَاَنَا خَادِمَةُ بِنْتِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى".

"اُس وقت اپنا سر آسمان کی طرف کیا اور عرض کی: پروردگار! میں پیاس سے مرتی ہوں، تجھے گوارہ ہے کہ میری روح حالتِ تشنگی میں بدن سے مفارقت کر جائے، حالانکہ میں دخترِ رسولؐ کی خادمہ ہوں"۔

راوی کہتا ہے کہ ابھی دُعا تمام نہ ہوئی تھی کہ ایک ڈول آبِ بہشت سے بھرا

آسمان سے نازل ہوا۔ اُمِ ایمنؓ نے پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر سات برس تک کبھی خواہش آب و طعام نہ ہوئی۔ ہر چند اہل مکہ امتحان کے واسطے اُن کو شدتِ گرما میں جابجا بھیجتے تھے لیکن اُمِ ایمن کو بالکل ہی پیاس نہ لگتی تھی۔

"وَلَقَدْ رُوِیَ عَنْ وَرَّقَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْاَزْدِيِّ اَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ حَاجًّا اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ".

کتاب بحارالانوار، جلد 43 میں ورقہ بن عبداللہ ازدی سے منقول ہے کہ ایک سال میں حج کو گیا، طواف میں تھا کہ دیکھا کہ ایک ضعیفہ گندم گوں، خوش رو، شیریں کلام، فصاحت و بلاغت سے جنابِ اقدسِ الٰہی میں مناجات کر رہی ہے:

اے مالکِ کعبہ محترم و مقام و زمزم! تیرے فضل و کرم سے اُمیدوار ہوں کہ مجھے میرے آقاؤں کے ساتھ، جو طاہر و پاک ہیں، محشور کرنا۔

ورقہ کہتا ہے کہ میں نے کہا: اے ضعیفہ! تمہارے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کنیزانِ اہل بیتؑ اطہار سے ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟ ضعیفہ نے کہا: میں جنابِ فاطمہ زہراؑ کی کنیز ہوں، میرا نام فضہ ہے۔

ورقہ کہتا ہے کہ طواف کے بعد میں نے ملاقات کی اور کہا: اے فضہ! کچھ حال جنابِ سیدہؑ کا بیان کرو کہ بعد سرورِ کائنات اُن معصومہؑ پر کیا گزری؟

فضہ نے کہا: اے ورقہ! بعد وفات سیدِ کائنات کے ستائیس روز اُنؑ معصومہ کو گریہ اور زاری اور نالہ و بیقراری میں گزرے۔ اس کے بعد وہ بیماری لاحق ہوئی کہ پھر صحت نہ پائی۔ غرض جنابِ رسولِ خدا کی وفات سے چالیسویں دن جب جنابِ امیر علیہ السلام نمازِ ظہر کے بعد مسجد سے واپس آئے تو دیکھا کہ کنیزیں روتی پیٹتی دولت سرا سے چلی آتی ہیں۔

پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟

اُنہوں نے عرض کی: جلدی چلئے، بی بیؑ کا حال بہت متغیر ہے۔ گمان ہے کہ آپؑ

اُنہیں زندہ نہ پائیں۔

یہ سنتے ہی جناب امیر علیہ السلام فوراً بیت الشرف میں داخل ہوئے، دیکھا کہ معصومہؑ بیماری کی وجہ سے بیہوشی کی حالت میں ہیں۔ حضرتؑ بیتاب ہوگئے، عمامہ سراقدس سے زمین پر پھینک دیا اور معصومہ کا سر اُٹھا کر زانو پر رکھ کر بآوازِ بلند فرمایا:

''اے مادرِ حسنینؑ! آنکھیں کھولو''۔

معصومہؑ نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر فرمایا: ''اے اُس برگزیدہ ہستی کی دُختر جو مالِ زکوٰۃ کو اپنے گوشہ چادر میں لے کر فقراء و مساکین پر تقسیم فرماتے تھے، کچھ بولو''۔

اس پر بھی کچھ نہ بولیں۔ پھر حضرتؑ نے آواز دی:

''اے فاطمہؑ! جواب دو کہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں''۔

اُن معصومہؑ نے جب حضرتؑ کا نام سنا تو آنکھیں کھولیں اور آپؑ کو دیکھ کر رونے لگیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا:

''اے فاطمہؑ! اس وقت کیا حال ہے؟''

سیدہؑ نے فرمایا: ''اس وقت میں اپنے آپ میں آثارِ موت پاتی ہوں، یا ابوالحسنؑ! میں جانتی ہوں کہ میرے بعد عورت کے بغیر گھر کا نظام نہیں چل سکے گا، اس لئے اگر آپؑ کسی عورت سے عقد کریں تو ایک شبانہ روز اُس کے یہاں رہنا اور ایک شبانہ روز میری اولاد کے پاس رہنا۔ میرے دونوں فرزند حسنؑ اور حسینؑ سے بآوازِ ناراضگی کلام نہ کرنا، اس لئے کہ یہ دونوں میرے مرنے سے یتیم اور شکستہ خاطر ہوں گے۔ کل کی بات ہے کہ یہ دونوں اپنے نانا کی مصیبت میں مغموم ہو چکے ہیں اور آج اپنی ماں سے جدا ہوں گے''۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: اے فاطمہؑ! تمہیں اپنی وفات کا حال کیونکر معلوم ہوا؟ حالانکہ جس دن سے جناب رسالت مآبؐ نے وفات پائی ہے، اُس روز سے وحی کا آنا موقوف ہوگیا ہے۔ جناب سیدہؑ نے عرض کی:

''یا امیرالمومنینؑ! میں ابھی سوگئی تھی، دیکھا کہ جناب رسالت مآبؐ مجھ سے فرماتے ہیں: اے بیٹی! جلد آؤ کہ میں نہایت مشتاق ہوں۔ میں نے عرض کی: اے پدرِ عالی مقام! بخدا میں زیادہ تر آپ کی مشتاق ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا: اے بیٹی! آج کی شب تو میرے پاس ہوگی۔

اس لئے مجھے یقین ہے کہ آج اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں پہنچوں گی۔ پس یا ابوالحسنؑ! آپؑ ہی مجھے غسل دینا اور وقتِ غسل میرا لباس نہ اُتارنا کہ میں پاک و پاکیزہ ہوں اور آپؑ ہی میرے عزیز و اقرباء کے ساتھ مجھ پر نماز پڑھنا اور میرا جنازہ رات کو اُٹھانا۔

جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ جب معصومہؑ نے وفات پائی، میں نے حسب وصیت تجہیز و تکفین کی اور اُس کافورِ بہشت سے حنوط کیا جو جناب رسولِ خداؐ کے حنوط سے باقی رہ گیا تھا۔ جب میں نے چاہا کہ بندِ کفن باندھوں، اہل بیتؑ کو آواز دی:

''یَااُمَّ کُلْثُوْمِ یَازَیْنَبُ یَافِضَّۃُ یَاحَسَنُ یَاحُسَیْنُ هَلُمُّوْا تَزَوَّدُوْامِنْ اُمِّکُمْ فَهٰذَاالْفِرَاقُ وَاللِّقَاءُ فِی الْجَنَّۃِ''.

''اے اُمِ کلثومؑ و زینبؑ و فضہؑ و اے حسنؑ و حسینؑ! آؤ اور اپنی مادرِ گرامی کا آخری دیدار کرلو کہ پھر قیامت تک ملاقات نہ ہوگی''۔

یہ سنتے ہی دوڑ کر سب نے جنازہ کے گرد ہجوم کرلیا اور رونا پیٹنا شروع کردیا۔ حسنینؑ رو رو کر کہنے لگے:

''اے اماں! جب آپؑ نانا کے پاس جایئے تو ہماری طرف سے کہیۓ گا کہ ہم نے آپؐ کے بعد بڑے بڑے ظلم سہے، دو مہینے بھی نہ گزرے کہ ہم یتیم ہوگئے''۔

''فَقَالَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ اِنِّیْ اُشْهِدُاللّٰهَ اَنَّهَاقَدْ حَنَّتْ وَاَنَّتْ وَمَدَّتْ یَدَیْهَاوَضَمَّتْهُمَااِلٰی صَدْرِهَامَلِیًّا''

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اُس وقت سیدہؑ کی لاش نے حرکت کی اور حسنینؑ کی طرف میلان کیا اور آوازِ ضعیف سے آہ کی اور دونوں ہاتھ پھیلا کر حسنینؑ کو دیر تک سینے سے لگائے رہیں۔ ناگاہ ہاتف نے آواز دی:

"یا علیؑ! جلد حسنینؑ کو ہٹاؤ کہ ملائکہ آسمان پر رو رہے ہیں اور رسولؐ خدا اپنی بیٹی کے بہت مشتاق ہیں"۔

غرض جناب امیر علیہ السلام نے تسکین اور دلاسے دے کر بیٹوں کو ماں سے جدا کیا اور بند کفن باندھ کر جنازہ ہاتھوں پر اُٹھا کر عرض کی:

"یا رسولؐ اللہ! میری طرف سے اور آپ کی اس صاحبزادی کی جانب سے، جو روضہ مقدس میں حاضر ہے، سلام پہنچے۔ یہ آپ کی امانت مجھ سے لے لی گئی"۔

پھر اُسی مقام پر حضرت امیر علیہ السلام نے خدام اور اصحاب خاص کے ساتھ نماز پڑھ کر دفن کر دیا اور چند اشعار جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے ماتم میں ایسے پڑھے کہ سننے والوں کے دل دہلنے لگے۔

جنابِ فضہؑ کی زبانی جنابِ سیدہؑ کی وفات

"فِی الْبِحَارِ عَنْ مَالِکِ بْنِ دِیْنَارٍ اَنَّهٗ قَالَ رَاَیْتُ فِیْ مُوَدَّعِ الْحَجِّ اِمْرَاَۃً ضَعِیْفَۃً عَلٰی دَابَّۃٍ نَحِیْفَۃٍ وَالنَّاسُ یَنْصَحُوْنَهَا لِلتَّنَکُّصِ وَهِیَ لَا تَنْکُصُ".

کتاب بحار الانوار میں مالک بن دینار سے منقول ہے کہ ایک سال میں نے حج کا قصد کیا۔ جب میں اُس جگہ پہنچا جہاں حاجیوں کو وداع کرتے ہیں تو ایک ضعیفہ کو دیکھا کہ وہ ایک مرکب لاغر پر سوار ہے اور اُس کے اردگرد بہت سے آدمی جمع ہیں۔ ہر ایک اُس ضعیفہ کو سمجھاتا ہے کہ گھر واپس چلو، حج کا قصد نہ کرو۔ تمہارا مرکب اس دُور دراز مسافت کو طے نہ کر سکے گا لیکن وہ کسی کا کہنا نہ مانتی تھی۔ آخر قافلہ کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئی۔ ایک صحرا میں پہنچ کر اُس کا گھوڑا نہ چل سکا اور گر پڑا۔

"فَرَفَعَتْ رَاْسَهَا اِلَی السَّمَآءِ وَقَالَتْ یَارَبِّ لَا فِیْ بَیْتِیْ تَرَکْتَنِیْ وَلَا اِلٰی بَیْتِکَ حَمَلْتَنِیْ فَوَعِزَّتِکَ وَجَلَالِکَ لَوْفَعَلَ بِیْ هٰذَا غَیْرُکَ لَمَا شَکَوْتُهٗ اِلَّا اِلَیْکَ".

"اُس ضعیفہ نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور عرض کی: پروردگارا! تو نے نہ مجھے میرے گھر میں رہنے دیا اور نہ اپنے گھر آنے دیا۔ تیری عزت اور جلال کی قسم! اگر کوئی شخص مجھ سے اس طرح پیش آتا تو میں اس کا شکوہ تجھ سے کرتی لیکن تیرا شکوہ کس سے کروں؟ سوائے اس کے کہ تجھ ہی سے عرض کروں"۔

مالک بن دینار کہتا ہے کہ وہ ضعیفہ جناب باری تعالیٰ میں ابھی عرض کر رہی تھی کہ

ناگاہ ایک شخص مہار ناقہ پکڑے ہوئے سامنے آیا اور ناقہ کو بٹھایا۔ کہا کہ سوار ہو جاؤ۔

پس وہ ضعیفہ اُس ناقہ پر سوار ہوئی اور میں نے دیکھا کہ وہ ناقہ چشم زدن میں مثل برق جہندہ کے نظروں سے غائب ہو گیا۔ جب میں منازل طے کر کے مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور طواف کے واسطے خانہ کعبہ میں گیا تو دیکھا کہ وہی ضعیفہ طواف کر رہی ہے۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا:

''تمہیں اُس خدا کی قسم جس نے تمہیں یہ رُتبہ عطا فرمایا ہے، کچھ بیان کرو کہ تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟''

ضعیفہ نے کہا: ''اے شخص! میں مکہ کی بیٹی، شہرہ نام، مشہور فضہ، دُختر رسولؐ خدا کی کنیز ہوں''۔

مؤمنین! گریہ و بکاہ کا مقام ہے کہ جس مخدومۂ کونین کی کنیزوں کے یہ مرتبے ہوں، افسوس صد افسوس کہ وہ بی بی بعد رحلت جناب رسالت مآب مصائب عظیمہ میں مبتلا ہوئیں اور اشقیائے اُمت نے اُس مخدومۂ عالم کو ایسی ایذائیں و تکالیف دیں کہ وہ معصومہؑ متحمل نہ ہو سکیں اور دُنیا سے گزر گئیں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مفارقت جناب رسولؐ خدا میں سیدہؑ اس قدر ضعیف اور ناتواں ہو گئی تھیں کہ اُٹھنا بیٹھنا دُشوار تھا۔ ضعف و ناتوانی کے سبب ایک عصابہ سر اقدس پر بندھا رہتا تھا اور برابر آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔ درد کی شدت سے ایسی بیقرار تھیں کہ ہر گھڑی غش پر غش آتا تھا۔

"وَتَقُولُ وَا اَبَتَاهُ زَالَتْ قُوَّتِي وَفَقَدْتُ بَعْدَكَ كَافِلًا وَمُوَالِيًا صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا".

''جب غش سے افاقہ ہوتا تھا تو اپنے پدر بزرگوار کی یاد میں فریاد کر کے کہتی تھیں:

ہائے بابا جان! آپؐ کی جدائی نے فاطمہؑ کو ایسا ضعیف و ناتواں کر دیا کہ طاقت بالکل جاتی رہی اور آپؐ کے بعد اس ناتواں کا کوئی حامی و مددگار باقی نہ رہا۔

اے پدر بزرگوار! آپؐ کے بعد وہ وہ مصیبتیں پڑیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو اندھیری رات میں بدل جاتے''۔

جناب امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب سیدۂ کائنات نے دُنیا سے رحلت فرمائی، میں نے اُن کو انہی کے پیراہن میں غسل دیا اور وہ پیراہن مطہر میرے پاس تھا۔ فاطمہ زہراؑ ہر روز مجھ سے کہتی تھیں: یا علیؑ! وہ پیراہن جس میں آپؑ نے میرے بابا کو غسل دیا تھا، وہ مجھے دکھا دیجئے لیکن میں نہ دکھاتا تھا۔ جب بہت اصرار کیا تو ایک روز وہ پیراہن مطہر لا دیا۔ جناب فاطمہؑ نے اُس پیراہن سے اپنے بابا کی خوشبو پا کر آہ کی اور غش کر گئیں۔ میں نے اُس پیراہن کو اُسی وقت چھپا دیا اور پھر کبھی نہ دیا۔

کتاب محرق القلوب میں منقول ہے کہ بعد وفات سرورِ کائنات، وہ معصومہؑ 75 روز زندہ رہیں۔ جب جناب سیدہؑ کی حیات کی آخری شب آئی تو آپؑ کو بالہام معلوم ہوا کہ آپؑ کی وفات قریب ہے۔ جب صبح ہوئی تو حسنینؑ کے کھانے، نہلانے اور پوشاک تبدیل کروانے کا سامان مہیا کیا۔ اسی اثناء میں جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام بیت الشرف میں داخل ہوئے اور فرمایا:

''اے دختر رسولؐ! بہترین زنانِ عالم، اوّل روز سے میں نے آپؑ کو دُنیا کے دو کام ایک وقت میں کرتے اب تک نہ دیکھا تھا، آج کیا بات ہے کہ آپؑ باوجود ضعف و ناتوانی تین کاموں میں معروف ہیں؟''

جناب سیدہؑ رونے لگیں اور عرض کی ''یا اباالحسنؑ! ہنگامِ مفارقت قریب ہے، چاہتی ہوں کہ بچوں کو نہلا دُھلا کر کھانا کھلا دوں کیونکہ جب میں دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں گی تو آپؑ میرے غم میں رہیں گے، ان اطفال کی کون خبر لے گا؟''

یہ کلماتِ حسرت و یاس سن کر جنابِ امیر علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا:

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"۔

"اے دُخترِ رسولؐ! جب سے تمہارے پدرِ بزرگوار نے انتقال فرمایا ہے، فی الجملہ آپؑ سے تسکین تھی۔ اب آپؑ بھی دُنیا سے جاتی ہیں، مجھے غم بالائے غم ہوگا، کیونکر تحمل ہو سکے گا؟"

معصومہؑ نے عرض کی: "اے ابوالحسنؑ! جس طرح آپؑ نے مصیبتِ رسولؐ خدا میں صبر کیا، اسی طرح میری مصیبت میں بھی صبر کرنا کہ سوائے صبر کے کچھ چارہ نہیں ہے"۔

راوی کہتا ہے کہ آپؑ مخدومہ یہ فرما رہی تھیں کہ حال متغیر ہوا اور نقاہت وضعف غالب ہوا۔ مگر محبتِ مادری سے اپنے فرزندوں کے کام میں اُسی طرح مشغول رہیں۔ بار بار بچوں کو دیکھتی تھیں اور روتی تھیں۔ اس کے بعد وصیِ پیغمبرؐ سے فرمایا:

"یہ وصیت کا وقت ہے۔ چاہتی ہوں کہ آپؑ سے کچھ بیان کروں۔ ایک یہ کہ میں سالہا سال آپؑ کے ساتھ رہی ہوں، اگر کوئی قصور ہوا ہو تو معاف فرما دیجئے"۔

آپؑ نے فرمایا: "اے فاطمہؑ! تم زنانِ عالم سے بہتر، رسولؐ کی بیٹی، خدا کی برگزیدہ و معصوم ہو، آپؑ سے کیونکر کوئی خطا ہو سکتی ہے؟"

سیدہؑ نے دوسری وصیت فرمائی: "میرے بعد اگر حسنینؑ سے آپؑ کے خلافِ طبع کوئی امر واقع ہو تو آپؑ یتیم جان کر رحم کریں اور اُنؑ کی خطا سے درگزر کریں۔

تیسری عرض یہ ہے کہ گھر میں تنہا کبھی نہ رہی اور اب اس غیر مکان میں جاتی ہوں جہاں کوئی انیس و ہمدم نہیں، اُس عالمِ تنہائی میں کون ساتھ دے گا؟ چاہتی ہوں کہ آپؑ مجھے بھول نہ جائیں۔ میری قبر کو فاتحہ خوانی سے محروم نہ رکھیں۔

چوتھی التماس یہ ہے کہ اگر آپؑ میرے بعد کوئی عقد کرنا چاہیں تو امامہ، دُخترِ زینب سے نکاح کیجئے گا کہ وہ میری اولاد سے بہت محبت رکھتی ہے"۔

جنابِ امیر علیہ السلام حسرت آمیز باتیں سن کر باآوازِ بلند رونے لگے اور فرمایا:

"جب آپؑ خدمتِ رسولؐ خدا میں پہنچیں تو میری طرف سے تسلیم عرض کرنا اور جو مصائب مجھ پر گزرے ہیں، بیان کر دینا"۔

اس کے بعد جنابِ سیدہؑ غش کر گئیں۔ حسنینؑ دیکھتے ہی چلا چلا کر رونے لگے۔ معصومہؑ نے بیٹوں کی آواز سن کر آنکھیں کھولیں اور ہاتھ پھیلا کر سینے سے لگا لیا۔ جب جنابِ امیر علیہ السلام نے دیکھا کہ بچے ماں سے لپٹے رو رہے ہیں تو حسنینؑ کو کسی طرح جدا کر کے اپنے ساتھ رسولؐ خدا کے روضے پر چلے گئے۔

معصومہؑ نے اسماء کو بلا کر کہا کہ میرے پاس نہ آنا اور ایک ساعت کے بعد مجھے پکارنا، اگر آواز نہ آئے تو سمجھنا کہ میں دُنیا سے رُخصت ہو چکی ہوں۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں حجرے سے باہر آئی تو سنا کہ فرماتی ہیں:

"خداوندا! میرے شیعوں کو بخش دے"۔

غرض میں نے ایک ساعت کے بعد آواز دی، کچھ جواب نہ سنا۔ حجرہ میں جا کر چہرۂ مبارک سے گوشۂ چادر اُٹھایا تو دیکھا کہ وہ معصومہؑ انتقال فرما گئی ہیں۔ میں رونے پیٹنے لگی۔ ناگاہ حسنینؑ حجرہ میں داخل ہوئے۔ پوچھا کہ ہماری اماں کا کیا حال ہے؟

اسماء کہتی ہیں کہ مجھے تابِ ضبط باقی نہ رہی۔ عرض کی:

"اے شہزادو! تمہاری والدہ خدمتِ رسولؐ میں پہنچ گئیں"۔

صاحبزادوں نے چھوٹے چھوٹے عمامے سروں سے پھینک دیئے اور روتے ہوئے مسجدِ رسولؐ خدا کی طرف روانہ ہوئے اور جنابِ امیر علیہ السلام کو خبر دی۔ سنتے ہی حضرتؑ کو غش آ گیا۔ جب افاقہ ہوا تو روتے ہوئے بیت الشرف میں آئے اور حسبِ وصیت اُن معصومہ کو شبِ تاریک میں غسل دیا اور بعد تکفین کے تابوت میں رکھ کر ایک جانب ابوذرؓ نے اور ایک جانب خود حضرت امیر علیہ السلام نے اُٹھا کر جہاں وہ معصومہؑ نماز

پڑھا کرتی تھیں، رکھا اور نماز پڑھی۔

جنابِ امیر علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی: "خداوندا! یہ فاطمہؑ، تیرے رسولؐ کی دُختر حاضر ہے۔ اُمیدوار ہوں کہ اس کو ظلمتِ دُنیا سے نورِ آخرت کی طرف پہنچا دے"۔

راوی کہتا ہے کہ ابھی حضرتؑ یہ دعا کر رہے تھے، ناگاہ ایک میل کے طول اور عرض میں روشنی ہوگئی۔ جب حضرتؑ نے چاہا کہ دفن کریں، جنت البقیع کے ایک طرف سے آواز آئی: "یہاں لاؤ"۔

حضرتؑ نے جو اُس طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک قبر کھدی ہوئی تیار ہے۔ آپؑ نے چاہا کہ سیدہؑ کو قبر میں اُتاریں، اُس وقت دو ہاتھ جو دست ہائے رسولؐ خدا سے مشابہ تھے، ظاہر ہوئے اور نعشِ مبارکِ جنابِ سیدہؑ کو لے لیا اور قبر میں اُتارا۔

غرض جنابِ امیرؑ اُس نورِ خدا کو خاک میں چھپا کر روتے ہوئے دولت سرا کو مراجعت فرما گئے۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، ہامان کا جہنم سے آنا، جنابِ امیرؑ کی شبِ ضربت کا حال اور جنابِ ربابؑ کا شبِ عاشور خواب دیکھنا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَاتِيْنِىْ جِبْرَئِيْلُ بِخَزْمَتَيْنِ خَزْمَةٌ مِنْ مَفَاتِيْحِ النَّارِ وَ خَزْمَةٌ مِنْ مَفَاتِيْحِ الْجَنَّةِ وَكَانَ عَلٰى مَفَاتِيْحِ الْجَنَّةِ اَسْمَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ شِيْعَةِ آلِ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى مَفَاتِيْحِ النَّارِ اَسْمَاءُ الْمُبْغِضِيْنَ مِنْ اَعْدَائِهِ فَيَقُوْلُ يٰا مُحَمَّدُ هٰذَا الْمُبْغِضِيْكَ وَهٰذَا الْمُحِبِّيْكَ فَادْفَعْهُمَا اِلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ فَيَحْكُمُ فِيْهِمْ بِمَا يُرِيْدُ".

کتابِ مناقب میں حضرت جابر انصاریؒ سے مروی ہے کہ مختارِ روزِ جزاء جنابِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب روزِ قیامت ہوگا تو جبرئیلؑ بحکم ربِ جلیل حلقے میرے پاس لائیں گے، ایک میں کلید ہائے جنات النعیم، دوسرے میں مفاتیح نارِ جحیم ہوں گے۔ بہشت کی کنجیوں پر نامِ دشمنانِ آئمہ ہدیٰ مرقوم ہوں گے۔ پس میں اُن دونوں حلقوں کو اپنے بھائی اور وزیر جنابِ امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں دوں گا کہ جس کے حق میں جیسا مناسب جانیں، ویسا کریں۔

"فَوَالَّذِىْ قَسَّمَ الْاَرْزَاقَ لَايَدْخُلُ مُبْغِضُهُ الْجَنَّةَ وَ لَامُحِبُّهُ النَّارَ اَبَدًا".

''پس واللہ! کبھی محبّ و دوست دارِ حیدرِ کرار داخلِ نار اور مبتلائے عذاب نہ ہوگا اور اُن کا دشمن کبھی نعماتِ بہشت سے کامیاب نہ ہوگا''۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ عَلِيًّا قَائِدًا الْمُسْلِمِيْنَ اِلَى الْجَنَّةِ وَبِهٖ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَبِهٖ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقُلْنَا كَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ مُحِبُّوْهُ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَمُبْغِضُوْهُ يَدْخُلُوْنَ النَّارَ

کتابِ مناقبِ مرتضوی میں محمد بن خلیفہ سے منقول ہے کہ جنابِ شفیع المذنبین، خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پروردگارِ عالم نے علیؑ کو مسلمانوں کے واسطے سببِ دخولِ جنت قرار دیا ہے اور روزِ قیامت لوگ اُسی سبب سے داخلِ بہشت اور واصلِ نارِ جحیم ہوں گے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: ''یا مولاؑ! یہ امر کیونکر ہوسکتا ہے؟''

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا جو علیؑ کا دشمن ہوگا، اُس کا مقام نارِ سقر ہے اور جو دوست ہوگا، اُس کیلئے فردوسِ اعلیٰ میں جگہ مقرر ہے۔

ایک عربی کا شعر ہے:

مُحِبُّهٗ مَبْدَاءُ خُلْدٍ وَنَعِيْمٍ
بُغْضُهٗ مَنْشَاءُ نَارٍ وَ سَقَرْ

'شاعر کہتا ہے کہ دوستی و محبت شاہِ ولایت موجبِ رحمتِ رب العزت اور سببِ کامیابی نعمت ہائے جنت ہے اور اُن حضرتؑ کا بغض و عناد عذابِ الیم اور دخولِ نارِ جحیم ہے'۔

خَصْمُهٗ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ وَلَوْ
حَمِدَاللّٰهُ وَاَثْنٰى وَشَكَرَ

''دشمنانِ علیؑ ابن ابی طالبؑ سے حق تعالیٰ روزِ معاد دشمنی اور عناد سے پیش آئے

گا، اگرچہ وہ لوگ حمد و ثنائے باری اور شکر گزاری میں اپنی زندگی بسر کریں''۔

ایک اور شعر ہے:

حُلَّهٗ بَشَّرَهُ اللّٰهُ وَلَوْ
شَرِبَ الْخَمْرَ وَغَنّٰى وَفَجَرَ

''دوستانِ جنابِ امیر علیہ السلام اگرچہ تمام عمر فسق و فجور اور مے خواری اور معصیتِ خدا میں مبتلا رہیں، روزِ قیامت اُن لوگوں کو رب العزت نے بشارت نعمت ہائے جنت دی ہے اور ثوابِ آخرت عطا فرمایا ہے''۔

صاحبِ اسرار الشہادة لکھتے ہیں کہ ایک روز شفیعِ روزِ جزا محمد مصطفیٰؐ مع جناب امیرؑ و اصحاب کثیر مسجد میں رونق افروز تھے۔ ناگاہ ایک اژدھا دروازۂ مسجد سے نمودار ہوا اور جوتے اُتارنے کی جگہ پر بہ مودت کھڑا ہو کر بولا:

''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ''.

اس کے بعد رُخ جنابِ رسولِ خداؐ کی طرف کر کے کہنے لگا

''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَبِيْبِهٖ''.

پیغمبرِ خداؐ نے ارشاد فرمایا ''اے اژدھے! کیا وجہ ہے کہ تو نے ہم سے پہلے علیؑ پر سلام بھیجا اور تیرا کیا حال اور کیا سوال ہے؟''

اژدھے نے عرض کی: ''اے خاتم النبیینؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، میں ہامان، وزیرِ فرعون ہوں۔ آپؐ سے جنابِ امیرؑ پر سلام میں سبقت کی وجہ یہ ہے کہ جب میں داخلِ مسجد ہوا اور چہرۂ انورِ جنابِ حیدرِ صفدرؑ پر میری نظر پڑی تو مجھ پر ایک ایسا رُعب طاری ہوا کہ میرا بند بند کانپنے لگا کیونکہ میں ان جنابؑ کی صورت اور سیرت سے خوب واقف ہوں''۔

حضرتؐ نے فرمایا: ''کیونکر؟''

اژدھے نے عرض کی: ''جب جنابِ موسیٰ و ہارونؑ ہم پر اتمامِ حجت میں فائق ہوتے تھے اور معجزے دکھاتے تھے تو اس جوانؑ کو ہر مقام پر اُن کی پشت پر ممد و معاون پاتا تھا حتیٰ کہ فرعون کے وقتِ غرقاب انہی جنابؑ کو دیکھا تھا۔

حضورؐ! میں ایک التجا لایا ہوں۔ میں اہلِ تابوتِ جہنم سے ہوں۔ جب میرے تابوت کا سرپوش اُٹھتا ہے تو اُس میں سے انواع و اقسام کے عذاب نکلتے ہیں جس سے اہل دوزخ پناہ مانگتے ہیں اور فریاد و واویلا کرتے ہیں۔ آج کے روز میں نے ملائکہ عذاب سے منت کی کہ برائے خدا تھوڑی دیر مجھ پر تخفیفِ عذاب کرو کہ میں خدا سے فریاد کروں، وہ ٹھہر گئے۔ میں نے درگاہِ قاضی الحاجات میں مناجات کی کہ بارالہا! بحق سید المرسلین اور بحرمت امیر المومنینؑ و بہ تصدقِ آئمہ معصومینؑ، مجھے تو اتنی قوت عطا فرما کہ میں تیرے حبیبؐ جنابِ رسول آخر الزماںؐ تک جاؤں۔

میں تجھ سے آزادیٔ جہنم کی درخواست نہیں کرتا کیونکہ خوب جانتا ہوں کہ یہ امر شدنی نہیں، اس لئے کہ تیرا حکم ناطق کفار کی نسبت میں خلودِ جہنم کا ہو چکا ہے مگر تو ارحم الراحمین ہے۔ میری یہ دعا قبول کر۔ جنابِ باری تعالیٰ نے میری دُعا قبول کی۔ لوگوں کی عبرت اور اپنی حاجت کے واسطے اس شکل سے حاضر ہوا ہوں۔

اے رسولؐ خدا! فریاد ہے کہ مجھے اس عذابِ جہنم سے امان دیجئے، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اب میری آتشِ جہنم سے خلاصی محال ہے مگر آپؐ سے مستغیث ہوں کہ آپؐ درگاہِ خدا میں دُعا فرمائیں کہ میں اس تابوتِ عذاب سے نجات پاؤں اور مثل اور اہل نار کے جہنم میں جگہ پاؤں''۔

یہ سن کر جنابِ رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں گوارا کرتا کہ ارادۂ الٰہی میں تغیر ہو۔ تو اپنے مقام پر چلا جا''۔

یہ سن کر وہ نا اُمید ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

پس حضرات! منقول ہے کہ جنابِ رسولؐ خدا نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں تجھ سے:

''بِمُخَالَفَتِکَ بَعْدِیْ اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ اَمِیْرِالْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ''.

''کہ شاید تو میرے بعد میرے بھائی اور وصی علیؑ ابن ابی طالبؑ سے مخالفت کرے اور اسی طرح اہل تابوت سے ہو جائے۔ نہیں گمراہ ہوئی اُمت کسی نبی کی، بعد وفات اُس کے مگر مخالفت سے اپنے نبی کے اور اُس نبی کے وصی و خلیفہ کے''۔

وہ شخص یہ سن کر اپنے گھر چلا گیا اور اپنی زوجہ سے کہنے لگا کہ کوئی تلوار یا چھری مجھے لادے کہ میں اپنے تئیں ہلاک کروں گا، ایسا نہ ہو کہ بعد رسولؐ میں کہیں اہل تابوت سے ہو جاؤں۔ اُس کی زوجہ نے سبب پوچھا۔ اُس نے سب کیفیت بیان کی مگر بعد وفاتِ جنابِ رسولؐ خدا اُس دشمنِ خدا نے ارشادِ پیغمبرؐ کو بھلا دیا۔ باوجودیکہ اُس کی زوجہ اُس کے کردارِ بد پر مطلع کرتی جاتی تھی مگر اُس کو کچھ اثر نہ کرتا تھا، تاآنکہ وہ مخالف اپنے کردارِ بد سے مستحق و مستوجب اُس تابوت کا ہو کے دُنیا سے گیا۔

افسوس ہزار افسوس! اس فلک کج رفتار نے بعد وفاتِ جنابِ رسولؐ خدا اہل بیتؑ اطہار سے کیسی روگردانی کی۔ عجب عجب طرح کے ظلم خاندانِ رسولؐ پر اکثر دشمنانِ دین نے کیے۔ مطلق پاسِ رسولؐ خدا نہ کیا اور وصیت اور ارشادِ حبیب الٰہ کو بالکل اپنے دلوں سے بھلا دیا۔ ابتدائے ظلم و جور وصی برحق و خلیفہ مطلق جنابِ امیر علیہ السلام پر ہوئے جن کی اطاعت اور فرمانبرداری کے بارے میں بارہا جنابِ رسولؐ خدا نے تاکید پر تاکید فرمائی تھی۔

پس ہمیشہ اشقیائے اُمت درپے آزارِ جنابِ حیدرِ کرار رہے۔ ایک لمحہ بھی حضرتؑ کو چین و آرام سے رہنے نہ دیا۔ کیسی کیسی لڑائیاں حضرتؑ سے کیں۔ آخر کار اُس شیر کردگارؑ کو عین سجدۂ پروردگار میں 40 ہجری میں 10 ر رمضان کو جبکہ حضرتؑ کا سن شریف

63 برس تھا، تیغِ ظلم سے زخمی کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شب 19 رمضان جنابِ امیر علیہ السلام نمازِ شب میں مصروف تھے لیکن بار بار مضطر ہو کر اندر سے باہر تشریف لاتے تھے اور آسمان کو دیکھتے تھے۔ حضرت اُمِ کلثومؑ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی:

"اے پدرِ بزرگوار! میری جان آپؑ پر فدا ہو، کیا سبب ہے کہ آج کی شب آپؑ نے آرام نہیں فرمایا؟"

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا: "اے نورِ دیدہ! تیرے باپؑ نے کیسے کیسے شجاعانِ عرب کو قتل کیا اور بڑے بڑے معرکوں کو سر کیا لیکن خوف طاری نہ ہوا مگر آج کی شب مجھے نہایت اضطراب معلوم ہوتا ہے کہ اب میرا وقتِ وفات قریب پہنچ گیا ہے"۔

جنابِ اُمِ کلثومؑ فرماتی ہیں کہ جب ایک ثلث شب رہ گئی، حضرتؑ نے تجدیدِ وضو کی اور مکان سے صحن میں تشریف لائے۔ اُس وقت مرغابیوں نے حضرتؑ کے اردگرد حلقہ کیا اور آوازِ نوحہ وبکاہ بلند کی۔ آپؑ نے فرمایا:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه".

یہ وہ آوازیں ہیں جن کے بعد گریہ و ماتم کی آواز بلند ہوگی اور کل جو امر ظاہر ہونے والا ہے، وہ ظاہر ہوگا۔ اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا:

"اے نورِ چشم! ان جانوروں کو دانا اور پانی دینا اور ان کے حال سے خبر رکھنا۔ یہ بے زبان اور اسیر ہیں اور اگر یہ امر تم سے نہ ہو سکے تو ان کو چھوڑ دینا۔ خدا جس طرح چاہے گا، ان کو رزق دے گا"۔

یہ کہہ کر حضرتؑ گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ جنابِ اُمِ کلثومؑ فرماتی ہیں کہ میں جلدی سے اپنے بھائی امام حسنؑ کے پاس آئی اور کہا کہ شب کو بابا کا یہ حال رہا کہ مطلق آرام نہ فرمایا۔ کبھی صحن میں آتے تھے اور کبھی اندر تشریف لے جاتے تھے اور کلماتِ حسرت و یاس ارشاد فرماتے تھے۔ اب اس شبِ تاریک میں گھر سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔

یہ سنتے ہی امام حسنؑ دوڑے اور راہ میں حضرتؑ سے ملاقات کر کے عرض کی:

"اے پدرِ بزرگوار! آپؑ اس وقت گھر سے باہر کیوں نکلے ہیں؟"

"قَالَ يَا قُرَّةَ عَيْنِي خَرَجْتُ لِرُؤْيَا رَأَيْتُهَا فِي هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اَهَالَتْنِي وَاَقْلَقَتْنِي".

"اے نورِ نظر! میں نے ایسا ہولناک خواب دیکھا ہے کہ مضطر ہو کر گھر سے باہر نکل آیا ہوں"۔

امام حسنؑ نے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ خواب میں بھی سنوں۔ ارشاد فرمایا

"اے فرزند! میں نے دیکھا ہے کہ گویا جبرئیلؑ آسمان سے کوہِ ابوقبیس پر نازل ہوئے اور دو پتھر وہاں سے اُٹھا کر کعبہ کی طرف لے گئے اور پشتِ خانۂ کعبہ پر اُن دونوں پتھروں کو چھوڑ دیا اور ایک کو دوسرے پر دے مارا کہ وہ دونوں خاکستر ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے خاکستر کو ہوا میں متفرق کیا، کوئی گھر مکہ و مدینہ میں باقی نہ رہا مگر یہ کہ وہ خاک اُس گھر میں پہنچی"۔

امام حسنؑ نے عرض کی کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

فرمایا "اگر یہ خواب سچا ہے تو تمہارا باپؑ شہید ہوگا اور کوئی گھر مکہ اور مدینہ میں ایسا نہ ہوگا کہ اس مصیبت پر اُس گھر میں ماتم نہ ہو۔

اے حسنؑ! تم اپنے فرشِ خواب پر جا کر آرام کرو"۔

یہ فرما کر حضرتؑ داخلِ مسجد ہوئے اور موافقِ معمول بعد ادائے تہجد گلدستے پر تشریف لے جا کر اس طرح اذان دی کہ کوفہ کے ہر گھر میں آواز پہنچی۔

ناگاہ قطامہ ملعونہ ابنِ ملجم کے فرشِ خواب کے قریب آ کر کہنے لگی: عجب ہے کہ جس کو ایسا امرِ عظیم پیش ہو، وہ اس طرح غافل ہو۔

یہ سن کر وہ بے حیا بیدار ہوا اور شمشیر زہر آلود لے کر مسجد میں آیا، جہاں لوگ

سوتے تھے، یہ بھی آ کر سونے والوں کی طرح لیٹ گیا۔ حضرت بعد فراغت اذان، حسبِ
معمول سونے والوں کو جگاتے ہوئے ابن ملجم کے قریب تشریف لائے اور جگا کر فرمایا کہ تو
جس فعل کا ارادہ رکھتا ہے، میں خوب جانتا ہوں۔

یہ فرما کر محرابِ عبادت میں تشریف لائے اور خضوع و خشوع سے نمازِ صبح میں
مشغول ہوئے۔ ابن ملجم اُٹھ کر قریب محراب آیا اور ستونِ مسجد سے چھپ کر کھڑا ہو رہا۔
جب حضرتِ امیر علیہ السلام رکعت اولیٰ کے رکوع اور سجدۂ اوّل سے فارغ ہوئے اور سر
اُٹھایا، اُس وقت ابن ملجم مرادی نے تلوار تول کر اس زور سے فرقِ مبارک پر لگائی کہ پیشانیِ
اطہر تک شگافتہ ہوگئی۔

منقول ہے کہ وہ تلوار سرِ اقدس پر وہاں لگی جس مقام پر عمرو بن عبدود عامری کی
ضربت روزِ خندق واقع ہوئی تھی۔ ہر چند کہ جنابِ امیر علیہ السلام کو صدمہ ضربت پہنچا لیکن
آپ نے آہ نہ بھری۔ تحمل کیا مگر صدمہ سے سنبھلا نہ گیا، زمین پر جھک گئے اور فرمایا

"بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فُزْتُ
بِرَبِّ الْكَعْبَةِ".

خون سرِ اقدس سے جاری تھا۔ اُسے اپنے چہرۂ مبارک اور ریش مطہر پر ملتے تھے
اور خاک زخم پر ڈالتے تھے۔

"ثُمَّ تَلٰى قَوْلَهٗ تَعَالٰى مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ
وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى".

اس کے بعد اس آیت کریمہ کو تلاوت فرمایا کہ اُس کا مضمون یہ ہے کہ اس زمین
سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لے جائیں گے اور اُسی سے پھر تمہیں نکالیں
گے۔ جب یہ امرِ عظیم واقع ہوا اور دروازہ ہائے مسجد آپس میں ٹکرانے لگے، آسمان کے
فرشتے گریاں ہوئے، عالم میں اندھیرا ہوگیا۔ جبرئیلؑ نے مابین زمین و آسمان باآوازِ بلند ندا

کی۔ قسم بخدا ستونِ ہدایت منہدم ہوئے اور قسم ہے خدا کی کہ ستارہ ہائے روشن بے نور ہو
گئے۔ ایمان کی مضبوط رسیاں ٹوٹ گئیں یعنی محمد مصطفیٰؐ کا ابن عم مقتول ہوا۔ برگزیدۂ خدا
حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام شہید ہوئے۔

قسم بخدا کہ جو بہترین اوصیاء تھا، اُس کو بدترین اشقیاء نے قتل کیا۔ جب آواز:

"قَدْ قُتِلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ"

کی حضرت اُمِ کلثومؑ نے سنی، اپنا منہ پیٹ لیا اور رو رو کر صدائے "وا اَبتاہ، وا غلیاہ" بلند کی
اور اپنے بھائی حسنؑ اور حسینؑ کو آواز دی۔ افسوس! تمہارے پدرِ بزرگوار قتل ہوئے۔

حسنینؑ، ہائے بابا، ہائے بابا کہہ کر خوب روئے اور مقامِ حسرت میں کہتے تھے کہ
کاش! ہمیں موت آتی اور ہم آپ کے قتل کی خبر نہ سنتے۔ پھر اپنی بہنؑ سے فرمایا کہ ابھی نہ
روؤ اور اپنا حال غیر نہ کرو، جب تک ہم صحیح خبر دریافت نہ کریں۔

یہ کہہ کر دونوں شہزادے محزون اور مغموم روتے ہوئے مسجد کی طرف روانہ
ہوئے۔ افسوس صد افسوس! 19 رمضان کو جنابِ امام حسینؑ نے اپنے پدرِ عالی مقام کی
ضربت کی خبر سن کر جب اپنی خواہر اُم کلثومؑ کو مضطر و پریشان دیکھا تو فرمایا:

"اے بہنؑ! ابھی اس قدر نالہ و زاری نہ کرو، میں جا کر تحقیق کرتا ہوں"۔

اور شبِ عاشور خود اپنی شہادت کی خبر دے کر ایک ایک بی بی کو صبر کی تلقین فرماتے
تھے۔ مؤمنین! خیال فرمایئے کہ ایسے عالمِ غربت اور مصیبت میں ایسے وارث اور سرپرست
کی شہادت کا جب یقین ہو تو کیونکر دل کو صبر و قرار ہو۔ اُس شبِ غم کا حال اضطرابِ اہلِ حرم
قابلِ بیان نہیں۔ کوئی بی بی بیقرار ہو کر اپنے فرزند دلبند کو گلے سے لگائے وقتِ گیر و دار سرفدا
کرنے کا اقرار لیتی تھی، کوئی اپنے فرزند کا چہرۂ نورانی شمع کی روشنی میں حسرت و یاس سے
دیکھ رہی تھی کہ آہ آہ! کل یہ رشکِ ماہ خاک و خون میں مل جائے گا۔ کوئی گردنِ برادر میں
ہاتھوں کو حمائل کر کے زار زار روتی تھی۔ کوئی صاحبزادی دامنِ پدر کو تھامے کھڑی تھی۔ گویا

مراد یہ تھی کہ کل جہاں آپ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، میں آپ کو اکیلا نہ جانے دوں گی۔

حضرات! احمد رضا خان ذاکر ہندی سے میں نے سنا ہے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ دسویں کی شب اسی اضطراب اور طلاطم میں جنابِ ربابؑ، مادر علی اصغر جو روتی روتی سو گئیں تو عالم خواب میں ملاحظہ کیا کہ ایک دریائے نور زیر آسمان رواں ہے اور اُس میں انواع و اقسام کی مچھلیاں تڑپ رہی ہیں۔ ناگاہ سامنے سے ایک سگ ابلق نمودار ہوا اور اُس دریا پر جا کر ایک ایک مچھلی کو چن چن کر کھانے لگا۔

اُس وقت دریائے نور میں عجب تہلکہ و تلاطم پیدا ہوا کہ وہ مچھلیاں اِدھر اُدھر تڑپتی پھرتی ہیں اور اُس سگِ ناپاک سے مفر نہیں پاتی ہیں۔ اُس دریا کا یہ جوش و خروش دیکھ کر جنابِ ربابؑ کے ہوش جاتے رہے اور ایسی پریشان ہوئیں کہ چونک پڑیں اور خدمت امامؑ میں حاضر ہو کر خواب بیان کیا اور تعبیر چاہی۔

آہ، آہ! حضرتؑ نے فرمایا: ''اے ربابؑ! وہ دریائے نور صحرائے کربلا کی ریت ہے اور اس میں وہ مچھلیاں ہم اہل بیتِ رسولؐ ہیں کہ کل کے روز عجب تلاطم اور اضطراب میں ہوں گے اور تمام حرمِ رسولِ خداؐ اشقیاء کے ظلم سے ادھر اُدھر بیتاب ہو کر تڑپتے پھریں گے اور کوئی اُن کی حمایت اور اعانت نہ کرے گا۔ مجھ غریب کے سب عزیز و انصار اشقیائے جفا کار کے ہاتھوں سے شہید ہوں گے اور چھوٹے چھوٹے بچے صدمہ عطش سے بلبلاتے پھریں گے۔ وہ سگ ابلق شمر ناپاک ہے کہ وہ میری ریش مطہر تھام کر عجب سنگدلی سے مجھے ذبح کرے گا اور ہمارے خون کو ملائکہ شیشیوں میں بھر کے لے جائیں گے۔ جب وہ شقی ہمارے خون کو نہ دیکھے گا تو خنجر سے مخاطب ہو کر کہے گا۔ اے خنجر! خونِ حسینؑ کا تو ایسا پیاسا تھا کہ ایک قطرہ نکلنے نہیں دیتا اور پیتا چلا جاتا ہے۔''

خواب کی یہ تعبیر سن کر حرم محترم رسولؐ میں عجب ہنگامہ گریہ و بکاء برپا ہوا کہ کوئی بی بی ہوش میں نہ رہی۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، سلمان کا مرتبہ یہودی دیکھنا اور شہادتِ جنابِ امیرؑ

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَصْطَفَانِىْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَاَخْتَارَنِىْ وَاصْطَفٰى عَلَى الْاَوْصِيَاءِ وَصِيِّىْ وَجَعَلَهُ ابْنَ عَمِّىْ وَصِهْرَنِىْ لَهُ وَشَدَّ بِهٖ عَضُدِىْ كَمَا شَدَّ عَضُدَ مُوْسٰى بِاَخِيْهِ هَارُوْنَ وَهُوَ خَلِيْفَتِىْ وَوَزِيْرِىْ وَلَوْ كَانَ بَعْدِىْ نَبِىٌّ لَكَانَتِ النُّبُوَّةُ لَهٗ".

کتابِ مناقب میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ سلطان الانبیاء جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو تمام انبیاء میں برگزیدہ کیا اور سارے اوصیاء میں میرے وصی اور جانشین امیر المومنینؑ کو مقبول گردانا اور اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالبؑ کے زور سے میرے بازوؤں کو قوت دی، جس طرح کہ حضرت ہارونؑ کو جنابِ موسیٰؑ کا قوتِ بازو قرار دیا تھا اور وہ میرے بعد میرا خلیفہ اور وزیر ہے۔ اگر میرے بعد نبوت منقطع نہ ہوتی تو کوئی نبی دوسرا سوائے علیؑ کے نہ ہوتا۔

"قَالَ النَّبِىُّ حَدَّثَنِىْ جِبْرَئِيْلُ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَلِيًّا مَالَا يُحِبُّ الْمَلَائِكَةَ وَلَا النَّبِيِّيْنَ وَلَا الْمُرْسَلِيْنَ وَمَا مِنْ تَسْبِيْحَةٍ يُسَبِّحُ اللّٰهَ اِلَّا يَخْلُقُ اللّٰهُ مِنْهُ مَلَكًا يَسْتَغْفِرُ لِمُحِبِّيْهِ وَشِيْعَتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ".

اسی کتاب میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ جناب سرورِ کائنات، فخر موجودات نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے خداوند جلیل کی طرف سے مجھ سے کہا کہ اے محمدؐ! حق تعالیٰ محبانِ علی ابن ابی طالبؑ کو اس قدر دوست رکھتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء اور مرسلین سے کسی کو عزیز نہیں رکھتا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے، ہر تسبیح سے خلاقِ عالم ایک فرشتہ خلق فرماتا ہے کہ وہ دوست دارانِ علیؑ کے واسطے روزِ قیامت تک استغفار کرتا ہے۔

صاحب اسرار شہادۃ مجیب الدعوات میں ان کلمات کے ساتھ دُعا فرماتے تھے:

"یَاسَیِّدِیْ اِنَّ حُبَّ حَیْدَرِ الْکَرَّارِ جُنَّۃٌ یَارَبِّ
خَفِّفْ بِہٖ اَوْزَارِیْ اَوْزَارَ اُمَّتِیْ فِیْ ذُنُوْبِھِمْ".

"اے پروردگار، اے مالک! بہ تحقیق علیؑ کی محبت گنہگاروں کیلئے سپر ہے۔ اے غفار! بحق حیدرؑ کرار میری اُمت کی پشت کو بارِ گناہ سے سبک کر دے کیونکہ اُمت کے بار گناہ سے میں گرانبار ہوں"۔

حضرت سلمانؓ، جو اس وقت حاضر تھے، عرض کرنے لگے:

"بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ".

یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، ان کلمات سے تو ہم گنہگار دُعا کرتے ہیں، نہ کہ آپؐ اس طرح جنابِ احدیت میں عرض کریں۔ چاہتا ہوں کہ آپؐ اس وقت اپنی زبانِ معجز بیان سے جنابِ امیر علیہ السلام کے فضائل بیان فرمائیے۔

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: "اے سلمانؓ! اگر فضائل و مراتب علیؑ سے آگاہ ہونا چاہتے ہو تو مقبرۂ یہود میں جا کر ندا کرو 'یَابِنْدَارُ'، جب وہ روح مجسم ہو کر آگے حاضر ہو، اُس سے جو سوال چاہو، کر لینا"۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے جب مقابرِ یہود پر جا کر پکارا 'یَابِنْدَارُ' تو ایک شخص حاضر ہوا۔ میں نے پوچھا: اے بندار! تو کس دین پر دُنیا سے گیا؟ اُس نے کہا کہ میں

دینِ یہود پر مرا ہوں۔ پوچھا کہ تیرا درجہ و مقام کیسا ہے؟ راحت میں بسر ہوتی ہے یا عذاب میں؟ اُس نے کہا:

"اے سلمانؓ! میں بدولت محبت شاہِ ولایت کے نہایت بشاشت سے بسر کرتا ہوں۔ میں اپنی زندگی میں جنابِ حیدرؑ کرار کو بہت دوست رکھتا تھا اور اُنؑ کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا، حتیٰ کہ ایک لحہ کیلئے بھی جنابِ امیر علیہ السلام سے جدا ہونا شاق تھا۔ مگر اس محبت کے باوجود میں نے دینِ اسلام قبول نہ کیا۔ جب میں نے دارِ فنا سے عالم جاودانی کو کوچ کیا تو مجھے ملائکہ عذاب نے جہنم میں ڈال دیا۔ ناگاہ اُسی شدید عذاب میں ایک قبہ نور نے کہ اُس کا طول و عرض میری حدِ نگاہ ہے، جہنم کو احاطہ کر لیا۔ پس میں اُس قبہ نور میں جہنم کے عذاب سے محفوظ ہوں"۔

صاحب سرور کونین لکھتے ہیں کہ اُس یہودی نے یہ جواب دیا کہ جب میں جہنم میں ڈالا گیا تو ایک ایسی آواز آئی، گویا کوئی کہتا ہے کہ اس یہودی نے دُنیا میں علیؑ کے ایک شیعہ کے ساتھ احسان کیا ہے، اسے راحت و آرام سے رکھنا چاہئے۔ اسی اثناء میں ایک قبہ نور ہمارے سر پر نصب ہو گیا اور آتشِ دوزخ ہم سے دُور ہو گئی۔ پس میں اُس میں بہت آرام سے ہوں اور نعمتِ خدا سے روزی پاتا ہوں۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں خدمتِ جنابِ رسالت مآبؐ میں حاضر ہوا اور کیفیت عرض کی۔ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ نعمت میں نے تم کو اُس چیز سے زیادہ دی جو تم نے مجھ سے طلب کی تھی۔

اے سلمانؓ! تم میری زبانی لوگوں سے بیان کرو کہ جس کافر کے دل میں بھی علیؑ کی محبت ہو گی، اللہ تعالیٰ اُس کیلئے اسی طرح ایک قبہ نور جہنم کے درمیان بنا دے گا جیسا کہ اُس یہودی کو ملا ہے۔

افسوس! جس بزرگوار کی محبت کا نتیجہ ایک کافر کو یہ حاصل ہو کہ اُسے آتشِ جہنم

اذیت نہ پہنچا سکے، اُسی برگزیدۂ خدا کو عین عبادتِ خدا کی حالت میں ابن ملجم ملعون نے شمشیرِ ظلم ماری۔

منقول ہے کہ جب ابن ملجم ملعون نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے سرِ اطہر پر شبِ قدر کو زہر آلود تلوار ماری، اُس وقت آسمان اور زمین کے درمیان جبرئیلؑ امین نے غم انگیز آواز میں ندا کی:

تَهَدَّمَتْ وَاللّٰهِ اَرْكَانُ الْهُدٰى وَانْطَمَسَتْ اَعْلَامُ التُّقٰى وَانْفَصَمَتِ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى قُتِلَ الْاِمَامُ الْمُرْتَضٰى قُتِلَ الْوَصِيُّ الْمُجْتَبٰى قُتِلَ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰىؐ".

''خدا کی قسم! ستونِ ہدایت منہدم ہوئے اور نشانِ ہدایت سرنگوں ہوئے اور ہدایت کی رسی ٹوٹ گئی۔ وہ امام کہ جو برگزیدۂ خدا ہیں، شہید ہوئے اور وصیِ رسولؐ قتل ہوئے اور ابن عمِ محمد مصطفیؐ مقتول ہوئے''۔

اس آواز کے سنتے ہی حسنینؑ بیتابانہ دولت سرا سے مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرتؑ پر غشی طاری ہے اور خون سرِ اقدس سے جاری ہے۔ یہ دیکھ کر وہ شہزادے بہت روئے، یہاں تک کہ حضرتِ امیر علیہ السلام کو غش سے افاقہ ہوا۔ اُس وقت صاحبزادوں نے عرض کی:

''اے پدرِ بزرگوار! آپؑ کو کس نے شہید کیا؟''

فرمایا: ''پسرِ یہود عبدالرحمٰن بن ملجم نے تلوار ماری''۔

عرض کی: ''وہ ملعون کس طرف گیا ہے؟''

فرمایا ''تم میں سے کوئی اُس کے پیچھے نہ جائے، عنقریب وہ ملعون اس دروازہ سے داخل ہوگا''۔

ناگاہ حذیفہ یمانی، ابن ملجم کے ہاتھوں کو پس گردن سے باندھے اُسی دروازے سے آئے اور جنابِ امیر علیہ السلام کے سامنے لاکھڑا کیا۔ آپؑ نے فرمایا:

''اے شخص! تو ایسے عظیم فعل کا مرتکب ہوا، کیا میں تیرا اچھا امام نہ تھا جس کی تو نے یہ جزا دی؟ کیا میں تجھ پر احسان نہ کرتا تھا؟ حالانکہ جن لوگوں کو تو اپنے نزدیک مجھ سے بہتر جانتا ہے، میں اُن سے زیادہ تجھ پر مہربان تھا، اس کے باوجود کہ میں تجھ کو اپنا قاتل جانتا تھا اور مجھے علم تھا کہ تیرے ہاتھ سے قتل ہوں گا۔ اس پر بھی احسان اور نیکیاں جو تیرے ساتھ کیں، اس سے مقصود اتمامِ حجت تھا''۔

یہ سن کر وہ ملعون رونے لگا اور کہنے لگا: ''یا امیرالمؤمنینؑ! جس کی قسمت میں یہ ہو کہ فسق و فجور کے سبب جہنم میں داخل ہو تو حضرتؑ کیونکر اُس کو آتشِ دوزخ سے بچا سکتے ہیں؟''

جنابِ امیرؑ امام حسن مجتبیٰؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ''اپنے اسیر پر شفقت اور مہربانی کرو، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور دل کانپ رہا ہے؟''

شہزادوں نے عرض کی: ''اے پدرِ بزرگوار! اس جفاکار نے آپؑ کو شہید کیا اور آپ اس کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنے کو ارشاد فرما رہے ہیں؟''

حضرتؑ نے فرمایا: ''اے فرزند! ہم اہل بیتؑ رحمت و شفقت ہیں۔ تمہیں لازم ہے کہ جو تم کھاؤ، وہ اس کو بھی کھلاؤ اور جو پیو، اس کو بھی پلاؤ۔ اگر میں دُنیا سے رحلت کر جاؤں تو اے حسنؑ! تم اس طرح قصاص لینا کہ فقط ایک ضربِ شمشیر لگانا کیونکہ اس نے بھی مجھے ایک ہی ضرب لگائی ہے۔ اگر میں نے صحت پائی تو مجھے اختیار ہے کہ جیسا مناسب سمجھوں گا، کروں گا بلکہ تقصیر پر معاف کر دینا بھی مجھ سے بعید نہیں ہے، اس واسطے کہ ہم لوگ وہ ہیں کہ اپنے گناہگاروں سے بھی عفو اور احسان سے پیش آتے ہیں''۔

اس کے بعد مولاؑ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو گھر میں اُس مقام پر لے چلو جہاں میں نماز پڑھتا تھا۔ پس حضرت امیر علیہ السلام کو فرزندؑ دولت سرا کی طرف لے چلے اور لوگ حضرتؑ کے گرد نالہ و فریاد کرتے ہوئے ساتھ ساتھ تھے۔

حدیث میں ہے کہ وہ شہزادے اپنے پدرؑ عالی مقام کو مسجد سے حرم سرا میں اس طرح لائے کہ ایک چادر کو زمین پر بچھایا اور جناب امیر علیہ السلام کو اس پر لٹایا۔ ایک جانب سے امام حسنؑ اور دُوسری جانب سے امام حسینؑ اُس چادر کو اُٹھائے ہوئے گھر میں حضرتؑ کی عبادت گاہ تک لائے۔ جب اہلِ حرم نے امام کو اس شکل سے آتے دیکھا تو بیتابانہ برہنہ سر دوڑ کر حضرتؑ کے گرد حلقہ بنالیا۔ کوئی بی بی خون چہرۂ مبارک سے پونچھتی تھی، کوئی معظمہ تلووں سے منہ ملتی تھی۔ غرض اُس وقت عجب قیامت عظیم حضرتؑ کے گھر میں برپا تھی کہ ہر در و دیوار سے فریادِ "وَاعَلِیَّاهُ، وَاِمَامَاهُ" بلند تھی۔

منقول ہے کہ اُس وقت قطامہ ملعونہ اپنے برآمدے میں بیٹھی تھی۔ جب جناب امیر علیہ السلام کے غم میں لوگوں کے گریہ و زاری کی آواز سنی تو نہایت خوش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت اُس برآمدے کو اُلٹ دیا کہ وہ ملعونہ اُس کے نیچے دب کر واصل جہنم ہوگئی۔

حضرت محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ جب اکیسویں شب آئی، زہر کا اثر تمام بدن مبارک میں پھیل گیا۔ اس وقت ہم جناب امیر علیہ السلام کی حیات سے نا اُمید ہوگئے۔

صبح کو لوگ حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرتؑ نے سب کو امرِ نہی الٰہی سے آگاہ کیا اور سب کو صبر کی وصیت فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں نے حضرتِ امیرؑ کی خدمت میں ایک دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ آپؑ نے نوش فرمالیا۔ اس کے بعد حضرتؑ نے ابن ملجم ملعون کی پیاس کی طرف توجہ دلوائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر کچھ بچا ہو تو اس قیدی کو پلا دو۔

"فَقَالَ اِنَّ اَمْرَاللّٰهِ کَانَ قَدَرًامَقْدُوْرًا"

بالتحقیق حکم تقدیر بدلتا نہیں کہ میں نے یہ تمام دودھ پیا اور تمہارے قیدی کیلئے باقی

نہ رکھا، اس لئے کہ یہ بالکل میرا آخری رزق تھا۔ پھر حسنینؑ سے فرمایا کہ تمہیں خدا کی قسم کہ جس طرح کا دودھ میرے لئے لائے تھے، اُسی طرح کا دودھ ابن ملجم کیلئے لے جاؤ۔

منقول ہے کہ جب وقتِ وفاتِ حضرتؑ قریب آیا، اُس وقت حسنین علیہما السلام کو وداع کیا اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ امر خیر میں مصروف رہنا۔ میرے بعد تم پر ظلم ہوں گے، بس صبر کرنا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اُن ظالموں سے تمہارے ظلم کا انتقام لے۔

اس کے بعد جناب امیر علیہ السلام اپنی باقی اولاد کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں وصیت فرمائی کہ تم کبھی اولادِ جنابِ سیدہؑ کی مخالفت نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو میری مصیبت میں تسلی عطا کرے۔

آگاہ رہو کہ اب میں تم سے رُخصت ہوتا ہوں اور اپنے حبیب رسولؐ خدا کی خدمت میں جاتا ہوں۔

صاحبِ خلاصۃ المصائب لکھتے ہیں کہ جب امیر المؤمنین علیہ السلام سفر جنت کو عازم ہوئے تو تمام اولاد کا ہاتھ امام حسنؑ کے ہاتھ میں دیا مگر جناب عباسؑ کو حضرت امام حسنؑ کے سپرد نہ کیا۔ حضرت عباسؑ کی والدہ ماجدہ جنابِ اُم البنینؑ گھبرائیں اور عرض کی:

"اے آقا! اس کنیز سے کچھ خطا ہیں یا عباسؑ نے کچھ قصور کیا ہے جو اس کے حق میں آپؑ نے کچھ ارشاد نہ فرمایا اور اس کا ہاتھ امام حسنؑ کے ہاتھ میں نہ دیا؟"

جنابِ امیر علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا: "اے اُم البنینؑ! اگر تم عباسؑ کا وہ حال جانتیں جو میں جانتا ہوں تو کبھی یہ بات نہ کہتیں۔ اے مادرِ عباسؑ! تیرا عباسؑ تو مجھے سب فرزندوں سے زیادہ عزیز ہے اور میرے دل کو تاب نہیں کہ اس کا حال بیان کروں"۔

جنابِ اُم البنینؑ نے عرض کی: "یا مولاؑ! کچھ تو ارشاد فرمایئے کہ اس کنیز کی دلجمعی ہو اور عباسؑ کا ہاتھ جناب امام حسنؑ کے ہاتھ میں دیجئے کہ میری ناموری کا موجب ہو"۔

جب یہ سنا تو مولا علی علیہ السلام نے امام حسینؑ کو قریب بلایا اور عباسؑ کا ہاتھ جناب امام حسینؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا:

''اے فرزندؑ! یہ تیرا علمدار ہے۔ جب تو کربلا میں نرغۂ اعداء میں گھر جائے گا تو عباسؑ اپنی جان نثار کرے گا''۔

یہ سن کر سب رونے لگے۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ جب حضرتؑ ہم سب کو وداع کر چکے تو دیکھا کہ لب ہائے مبارک ذکرِ خدا میں ہل رہے ہیں اور پیشانی اقدس سے پسینہ جاری ہے۔ حضرتؑ پسینہ کو پونچھتے جاتے ہیں۔ میں نے عرض کی:

''اے پدرِ بزرگوار! کیا وجہ ہے کہ پیشانی مبارک کو آپؑ پونچھتے ہیں؟''

ارشاد فرمایا: ''اے فرزند! میں نے جنابِ رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ جب مؤمن کی موت کا وقت نزدیک ہوتا ہے تو اُس وقت اُس کی پیشانی پر مثل مروارید کے پسینہ آتا ہے اور گردشِ دل کم ہو جاتی ہے''۔

''فَتَوَجَّهَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَقَالَ اَشْهَدُاَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه''.

یہ فرما کر قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور زبانِ مبارک سے کلمہ شہادتین جاری کیا اور حضرتؑ کا رنگ مبارک مائل بہ سفیدی ہوا، یہاں تک کہ حضرتؑ نے وفات پائی۔

اُس وقت حضرتؑ کی بیٹیاں بی بی زینبؑ اور بی بی اُمِ کلثومؑ اور سب اہل بیت علیہم السلام بآوازِ بلند رونے لگے، رخساروں پر طمانچے مارے اور گھر سے صدائے گریہ و بکا بلند ہوئی۔ بعض اہل کوفہ سے منقول ہے کہ ہم نے فرشتوں اور جنوں کے نوحہ کی آواز سنی اور سنا کہ کوئی آسمان سے کہہ رہا ہے:

فَقَدْمَاتَ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ
وَاَكْرَمُهُمْ فَضْلاً وَّاَوْفَاهُمْ عَهْدًا

''اُس شخص نے وفات پائی جو رسولؐ خدا کے بعد تمام خلق سے بہتر تھا اور اُس نے انتقال کیا جو فضل اور شرف و ایفائے وعدہ میں سب سے زیادہ تھا''۔

جب اہل کوفہ کو معلوم ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام نے وفات پائی تو سب مرد و زن روتے پیٹتے گروہ در گروہ حضرتؑ کے گھر پر حاضر ہوئے اور ہر شخص دھاڑیں مار مار کر روتا تھا اور کثرتِ بکا سے تمام کوفہ ہل رہا تھا۔

جب جناب امیر علیہ السلام نے وفات پائی تو تمام اہل کوفہ مضطرب اور پریشان ہو کر گریاں و نالاں دولت سرائے آلِ رسولؐ میں آئے اور اہل بیتِ رسولؐ کو پرسہ دیا۔

مگر افسوس! ایک وہ دن کہ اُنہی نے حضرت امیرؑ کے پارۂ جگر کو روزِ عاشور میدانِ کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کر دیا۔ وہی کوفی تھے کہ بجائے پرسہ کے دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ کو سر برہنہ، رسن بستہ قید کر کے شہر بہ شہر، دیار بہ دیار پھرایا اور لاشِ امام حسینؑ کے ساتھ بھی ظلم و ستم سے باز نہ آئے اور جسم مطہر کو بے کفن گرم ریت پر دھوپ میں پڑا رہنے دیا۔ بدنِ اقدس کا لباس ایک جفا کار اُتار کر لے گیا۔ کسی نے ذوالفقار حیدری لے لی، کسی ملعون نے اُنگلیاں کاٹ کر انگوٹھی اُتار لی، کوئی عمامہ اور زرہ اُتار کر لے گیا۔

صاحب سرور المؤمنین لکھتے ہیں کہ زرہ ذات الفصول جو رسولؐ خدا کے تبرکات میں سے تھی، وہی زرہ امام حسینؑ نے روزِ عاشور پہن رکھی تھی۔ آپؑ کی شہادت کے بعد یزید بن رکاب علیہ اللعن والعذاب اُتار کر لے گیا۔ جب وہ نابکار مختار کی قید میں آیا تو انہوں نے وہ زرہ ذات الفصول اُس لعین سے طلب کی۔ اُس نے انکار کیا کہ میں نہیں جانتا۔

آخر مختار نے حکم دیا کہ اس کا نجس گوشت ریزہ ریزہ کرو۔ جب اُس لعین کا ناپاک گوشت کترا جانے لگا، اُس وقت وہ شقی کہنے لگا کہ وہ زرہ فلاں مقام پر زمین میں دفن ہے۔ عبداللہ کامل حسب الحکم اُس زرہ کو لینے گیا تو دیکھا کہ وہ زرہ واقعی اُسی مقام پر دفن ہے۔ عبداللہ کامل اُس زرہ کو ایک طبق میں رکھ کر مختار ثقفیؒ کے پاس لایا۔ سب نے دیکھا کہ

باوجود اتنی مدت گزرنے کے وہ زرہ اُسی طرح خون آلود ہے اور خونِ امامِ مظلوم سے خشک ہوکر ایک کڑی دوسری کڑی سے چپٹ گئی ہے۔

یہ دیکھ کر مختارؒ اور تمام ساتھی زاروقطار رونے لگے۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، یھودی تاجر کے ساتھ شفقت فرمانا، حضرتؑ کے دفن کا حال اور نابیناشخص کی روایت

"عَنْ اَبِی ھُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَجَبَتْ وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ قَالَ النَّبِیُّ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ اللّٰہُ آدَمَ وَیُنْفَخُ الرُّوْحُ فِیْہِ وَقَالَ اِذْاَخَذَرَبُّکَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَاتِھِمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْابَلٰی فَقَالَ اَنَارَبُّکُمْ اَلاَّ عَلٰی وَ مُحَمَّدٌ نَبِیُّکُمْ وَعَلِیٌّ اَمِیْرُکُمْ"۔

کتابِ مناقبِ مرتضوی میں ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رحمۃ للعالمین جنابِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ امرِ نبوت آپؐ کی ذاتِ بابرکات کے واسطے کب قرار پایا؟

آپؐ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنابِ آدمؑ کو خلق نہ فرمایا تھا اور اُن کے قالبِ خاکی میں روح حلول نہ ہوئی تھی۔

ایک عربی کا شعر ہے:

نَبِیًّا کُنْتَ یاخَتَمَ النَّبِیِّیْنَ
وَآدَمُ کَانَ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ

''اے خاتم النبیین! آپؐ اس وقت مسندِ نبوت پر رونق افروز تھے کہ ابھی آدمؑ کی خلقت آب وگل کے درمیان تھی''۔

حضرت محمد مصطفٰےؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب پروردگار عالم نے عالم ذر میں بنی آدمؑ کی ارواح سے شہادت طلب کی اور انہوں نے کہا کہ تو خالق کائنات ہے، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں اور محمدؐ تمہارے رسولؐ اور علیؑ تمہارے امیر اور سردار ہیں۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَاعَلِیُّ بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُکَ وَ
الْمَلَائِکَۃُ تَشْتَاقُ اِلَیْکَ وَالْجَنَّۃُ لَکَ اِنَّہٗ اِذَا
کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ یُنْصَبُ لِیْ مِنْبَرٌمِنْ نُوْرٍوَلِلْخَلِیْلِ
مِنْبَرٌ مِنْ نُوْرٍوَلَکَ مِنْبَرٌ مِنْ نُوْرٍ فَنَجْلِسُ عَلَیْھَا
اِذَامُنَادٍ یُنَادِیْ بَخٍ بَخٍ مِنْ وَصِیٍّ بَیْنَ حَبِیْبٍ وَ
خَلِیْلٍ ثُمَّ یُؤْتٰی بِمَفَاتِیْحِ الْجَنَّۃِ وَالنَّارِفَاَدْفَعُھَا
اِلَیْکَ".

کتاب مناقب مرتضوی میں زید بن ارقم سے منقول ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ! تمہیں مبارک ہو، تمہارے مثل کون شخص ہے۔ بہ تحقیق کہ ملائکہ اور بہشت تمہارے مشتاق ہیں۔ جب روزِ قیامت ہوگا تو ایک منبر نور میرے واسطے اور ایک ابراہیم خلیلؑ اللہ کے واسطے اور ایک تمہارے لئے میدانِ حشر میں نصب ہوگا اور ہم لوگ انہی منبرہائے نور پر قیام کریں گے اور منادی ندا کرے گا: مبارک ہو، یہ نبیؐ اور یہ وصیؑ اور یہ خلیلؑ کس طرح رونق افروز ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بہشت اور دوزخ کی کنجیاں مجھے دے گا اور میں تمہیں دوں گا۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ سُمِیَّ النَّاسُ مُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَجْلِ
عَلِیٍّ لَوْلَمْ یُؤْمِنْ عَلِیٌّ لَمْ یَکُنْ مُؤْمِنٌ فِیْ اُمَّتِیْ وَ
سُمِیَّ مُخْتَارًالِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اِخْتَارَہٗ وَسُمِیَّ

الْمُرْتَضٰی لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اِرْتَضَاہُ وَسُمِیَ عَلِیًّا
لِاَنَّہٗ لَمْ یَسُمَّ اَحَدٌ قَبْلَہٗ بِاِسْمِہٖ".

کتابِ مناقب مرتضوی میں اُمِ سلمیٰؓ سے منقول ہے کہ جنابِ خیر البشر، فخر ابوالبشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کا نام مؤمن علیؑ کے سبب قرار پایا یعنی اگر کوئی علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ ایمان نہ لاتا تو ہماری اُمت سے کوئی شخص مؤمن نہ کہلاتا اور حق تعالیٰ نے علیؑ کا نام مختار اس واسطے رکھا کہ تمام خلائق میں پروردگار عالم نے اُس کو اختیار دیا اور مرتضیٰ اس واسطے نام رکھا کہ ساری مخلوقات سے اُس کو برگزیدہ کیا اور علیؑ اس لئے نام ہوا کہ آپ کا مرتبہ سب پر بلند ہے۔ کوئی شخص بھی اس سے قبل اس نامِ عالی سے موسوم نہ ہوا۔

عربی کا ایک شعر ہے:

وُدُّہٗ اَوْجَبَ مَافِی الْقُرْآن
اَوْجَبَ اللّٰہُ عَلَیْنَاوَاَمَرَ

شاعر کہتا ہے کہ جو جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہم لوگوں پر واجب کی ہیں، اُن سب سے دوستی اور محبت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو واجب گردانا ہے۔

کُلُّ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفُہٗ
مَوْتُہٗ مَوْتُ حِمَارٍ وَ بَقَرٍ

جو منحرف جادہ دین اور گمراہ طریقہ یقین، بے معرفت ذاتِ بابرکات اور بے ولائے وصیِ رسولِؐ کائنات مرجائے تو اُس کی موت ایسی ہے جیسے گائے، گدھا یا دیگر حیوانات بے معرفت دینِ اسلام دُنیا سے گزر جاتے ہیں۔

مَنْ لَہٗ صَاحِبَۃٌ کَالزَّھْرَآءِ
اَوْ سَلِیْلٌ کَشُبَیْرٍ وَ شَبَرٍ

دُنیا میں سوائے جنابِ امیر علیہ السلام کے کون ایسا ہے جس کی زوجہ مثل فاطمہ زہراؑ، شفیعہ روزِ جزاء، بنتِ جنابِ محمد مصطفیٰؐ ہے اور ایسا کون ہے جس کے فرزند مثل سبطین رسول الثقلین جنابِ امام حسنؑ اور جنابِ امام حسینؑ کے ہیں۔

مَنْ کَمَنْ هَلَّلَ فِیْ مَهْدِ صِبًا
اَوْ کَمَنْ کَبَّرَ فِیْ عَهْدِ صِغَرٍ

کون شخص ایسا ہے جو مثل جنابِ امیر علیہ السلام کے گہوارۂ طفولیت اور بچپن میں تہلیل اور تکبیر خداوند قدیر کی بجالایا ہو۔

عِنْدَهٗ دِیْوَانُ عُلُوْمٍ وَحِکَمٍ
فِیْهِ طُوْمَارُ عِظَاتٍ وَ عِبَرٍ

دفترہائے علوم اور حکمت جن میں وعظ و نصیحت اور مضامین پند و عبرت اور اہل خبر کے واسطے ہیں، حضرتؑ کی ذاتِ فائض البرکات سے جاری اور نافذ ہوئے۔

بُوْتُرَابٍ وَکُنُوْزُ الْعَالَمِ
عِنْدَهٗ نَحْوُ سِفَالٍ وَمَدَرٍ

آپؑ جناب کی کنیت ابوتراب اور خزانہ ہائے عالم مثل سفال اور ریزہ ہائے خاک کے حضرتؑ کے سامنے بے حقیقت اور بے وقار ہیں۔

قَوْسُهٗ قَوْسُ نُزُوْلٍ وَعُرُوْجٍ
سَهْمُهٗ سَهْمُ قَضَاءٍ وَ قَدَرٍ

وقتِ کارزار اور ہنگامہ جنگ و جدل میں دستِ حق پرست میں کمان کا خم اس طرح نمایاں ہے جیسے کمانِ قدرتِ حق تعالیٰ میں نزول و عروج ہوتا ہے یعنی جس کو چاہے اپنے مرتبہ سے گرادے اور جس کو چاہے مرتبہ ادنیٰ سے پایۂ اعلیٰ پر پہنچائے۔ آپؑ کا تیر مثل تیر قضاء و قدر بے پناہ و بے سپر ہے۔

مَا رَمٰی رَمْیَةً اِلَّا وَ کَفٰی
مَا غَزَا غَزْوَةً اِلَّا وَظَفَرَ

جس جنگ میں حضرتِ امیرؑ نے ایک تیر بھی چلایا، اُس لڑائی کو حضرتؑ نے فتح کر لیا اور کوئی معرکہ ایسا نہ ہوا کہ حضرتِ امیرؑ حملہ آور ہوئے اور اُس میں نصرت و ظفر نہ پائی۔

اَغْمَدَ السَّیْفَ مَتٰی قَابَلَهٗ
کُلُّ مَنْ جَرَّدَ سَیْفًا وَشَهَرَ

جو نابکار شمشیر آبدار کھینچ کر حیدرِ کرار کے مقابل آیا، اُس کو شیر کردگار نے ایک دم اپنی ذوالفقار کا مزا چکھا کر دارالبوار میں پہنچایا۔

ظَلَّ مَا عَاشَ بِجُوْعٍ وَصِیَامٍ
بَاتَ مَا حَیَّ بِدَمْعٍ وَسَهَرٍ

حضرتِ امیر المومنینؑ نے تمام عمر اس طرح بسر کی کہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور راتوں کو شام سے سحر تک شب بیداری اور گریہ و زاری اور خوفِ الٰہی میں بسر کیا کرتے تھے۔

کُلَّمَا اَحْزَنَهُ الدَّهْرُ سَلَا
اَیْنَمَا اسْتَضْعَفَهُ الْقَوْمُ صَبَرَ

جب غدار زمانہ والے منحرف ہو کر حضرتؑ کو محزون اور مغموم کرتے تو حضرتؑ مشیتِ ایزدی اور رضائے پروردگار پر توکل کر کے اپنی تشفی اور تسکین فرماتے اور جب جفاکار قوم ظلم و ستم کرتی تو آپؑ صبر فرماتے تھے۔

نَاقَةُ اللّٰهِ فَیَا شَقْوَةَ مَنْ
مَا رَعَاهَا فَتَعَاطٰی وَعَقَرَ

اور منجملہ القابِ طیبہ کے آپؑ کا ایک لقب مبارک ناقۃ اللہ ہے۔ پس افسوس شقاوت اور ظلم پر اُس ظالم کے جس نے اُس صالح المومنین اور ناقہ ربّ العالمین کی کچھ

رعایت اور حرمت نہ کی اور مثل ناقہ حضرت صالح اُنیس رمضان کو شہید کر دیا۔

اَسَدُاللّٰہِ اِذَاصَالَ وَصَاحَ
اَبُوالْاَیْتَامِ اِذَاجَادَ وَبَرٌّ

جس وقت جناب امیر علیہ السلام معرکہ جنگ میں حملہ فرماتے تھے، اُس وقت اُس شیر کردگار میں شانِ اسداللہ ہی نمودار ہوتی تھی اور جب یتیموں اور بے وارثوں کے ساتھ جود و کرم فرماتے تھے، اُس وقت آپؑ کی رحم دلی اور شفقت کا یہ حال تھا کہ جیسے ماں باپ اپنے فرزندوں پر نوازش کرتے ہیں۔

آپؑ کی رحم دلی اور غرباء پروری ایسی تھی کہ بہت سے غرباء اور مسافر آپؑ کی شہادت کے بعد لاوارث اور بے وسیلہ ہو گئے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب جناب امیرؑ نے اکیسویں رمضان کو شہادت پائی تو راوی کہتا ہے کہ میں نے مسجدِ کوفہ میں دیکھا کہ ایک ضعیف آدمی زار و قطار رو رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے غم دیدہ! تو کون ہے اور تو اپنے کس غم میں روتا ہے؟ کیا تیرا کوئی عزیز فوت ہو گیا ہے؟

اُس آدمی نے کہا کہ میں قومِ یہود سے تھا اور میری عمر تقریباً ایک سو دو برس ہو چکی ہے لیکن اس عمر میں صرف ایک دفعہ چند ساعت شب و روز میں باوجود ایک سیاح اور زمانہ بین ہونے کے ایک مردِ بزرگ سے وہ وفا اور مروّت ظہور میں آئی کہ اُس بزرگِ باوفا کی جدائی مجھ کو رُلاتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ اُس بزرگ نے تجھ سے کیا وفا و مروّت کی؟

اُس نے کہا کہ میں قریہ سودا کا رہنے والا ہوں۔ میرا پیشہ غلہ فروشی ہے۔ ایک دن حسبِ معمول غلہ خچروں پر لادے ہوئے اس شہر کوفہ میں پہنچا تو رات ہو گئی۔ باوجودیکہ آگے آگے اُن جانوروں کے میں اور پیچھے پیچھے جانوروں کا نگہبان انہیں ہنکاتا ہوا چلا آتا تھا، یکایک وہ تمام جانور مع بارِ غلہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں نے انہیں تلاش کیا

مگر کہیں سراغ نہ پایا۔ میں حیران و پریشان حارث ہمدانی کے پاس آیا کہ وہ میرے مہربانوں میں سے تھے۔ میں نے اپنی سرگزشتِ تمام و کمال بیان کی۔ انہوں نے تقاضائے محبت کے تحت مجھے جنابِ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں لے جا کر میری پریشان حالی سے حضرت امیرؑ کو آگاہ کیا۔

حضرتؑ نے حارث ہمدانی کو تو رخصت فرمایا اور مجھے اپنے پاس بٹھایا اور باکمالِ خلق کھانا کھلایا اور کلماتِ تسلی و تشفی فرمائے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے قنبر سے ذوالفقار طلب کی اور میرے ہمراہ روانہ ہوئے اور پوچھا کہ کس مقام پر تیرے جانور گم ہوئے ہیں؟

میں نے حضرتؑ کو وہ مقام دکھایا۔ حضرتؑ نے وہاں جا کر باآوازِ بلند ارشاد فرمایا:

''اے قومِ بنی جان! آگاہ ہو اور خبردار ہو کہ صاحبِ ذوالفقار، قاتلِ قومِ اشرار علی حیدرِ کرار تم کو حکم دیتا ہے کہ اس شخص کے بار برداری کے جانور بمعہ غلہ جلد حاضر کرو ورنہ یہ ذوالفقار پھر بلند ہو کر مثل بیر العلم ایک ایک کا سر قلم کرے گی''۔

امامؑ کا یہ کلامِ معجز نما ابھی ناتمام تھا کہ میں نے دیکھا کہ وہ سب جانور بمعہ بارِ غلہ یکایک موجود ہو گئے۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے مجھے ارشاد فرمایا:

''یہ تیرے جانور حاضر ہیں، آگے بڑھ، میں عقب سے ہانکتا ہوں یا میں آگے چلتا ہوں، تو انہیں عقب سے ہانک''۔

میں نے عرض کی کہ میں عقب سے ہانکتا ہوں، آپؑ آگے تشریف لے چلیں۔

پس حضرتؑ آگے ہوئے اور مجھے بازارِ غلہ فروشاں میں لا کر فرمایا:

''اگر تو بار اُتارے تو میں جانوروں کی نگہبانی کروں ورنہ میں بار اُتارتا ہوں اور تو جانوروں کی پاسبانی کر''۔

میں نے عرض کی کہ میں بار اُتارتا ہوں، آپؑ جانوروں کو دیکھتے رہیں۔

غرض میں نے تمام بار اُتارا اور حضرتؑ میرے جانوروں کو ملاحظہ فرماتے

رہے۔ جب بار اُتار چکا تو سب خچروں کو میں نے ایک مقام پر لا کر باندھ دیا۔ پھر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:

''اب تو آرام کر کہ مسافتِ راہ سے تھک گیا ہے۔ میں تیرے مال کی حفاظت کرتا ہوں''۔

حسب الارشاد میں سو رہا اور وہ جنابؑ تمام رات نماز و مناجات میں مصروف رہے۔ صبح صادق ہوئی، اُسی وصی، مخبر صادق نے مجھے بیدار کیا اور فرمایا کہ تو اپنا مال دیکھ، میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔

میں اُس وقت بیدار ہو کر اپنا مال دیکھنے لگا۔ حضرتؑ نماز کے بعد پھر تشریف لائے۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو آپؑ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو غلہ بیچ، میں تیری رقم جمع کرتا ہوں یا میں غلہ بیچتا ہوں، تو رقم جمع کر۔

میں نے عرض کی کہ میں غلہ بیچتا ہوں، آپؑ رقم جمع کریں۔

جب غلہ بک چکا تو حضرتؑ نے وہ تمام رقم مجھے مرحمت فرمائی اور مجھ سے رُخصت ہونے لگے۔ اُس وقت میں صدقِ دل سے اُس امامِ عادل کے دستِ حق پر ایمان لایا اور حضرتؑ کے روبرو اظہار کیا:

''یا مولاؑ! میں خدا کی وحدانیت اور رسالتِ خاتم الانبیاءؐ کی گواہی دیتا ہوں اور آپؑ کی ولایت اور امامت کا اقرار کرتا ہوں۔ اب مجھے عقائدِ دین تلقین فرمایئے''۔

حضرتؑ نے مجھے اس وقت ارکان و ضروریاتِ دین تعلیم فرمائیں۔ اس کے بعد میں امام علیہ السلام سے رُخصت ہو کر اپنے وطن لوٹ گیا اور اپنے تمام عزیز و اقارب کو مذہبِ حق سے ممتاز کیا۔ پھر حضرتؑ کی خدمت میں باقی عمر بسر کرنے کی نیت سے جو یہاں آیا تو اُنؑ کو دشمنوں کے ہاتھوں شہید پایا۔

آہ! اُس آقا کے غم میں سر پٹختا ہوں اور روتا ہوں۔

مؤمنین! جب اُس سلطانِ عراق و حجاز اور آقائے غرباء نواز نے شہادت پائی تو جنابِ محمد حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ جنابِ امیرؑ کی وصیت کے مطابق امام حسنؑ آپؑ کو غسل دیتے تھے اور امام حسینؑ پانی ڈالتے تھے اور تیسرے شخص کی حاجت نہ تھی بلکہ آپؑ کی نعش مبارک خود بخود ایک جانب سے دُوسری جانب حرکت کرتی تھی اور جسم مطہر سے اعلیٰ مشک کی خوشبو آتی تھی۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بھائی! آپ دیکھتے ہیں کہ لاشِ مطہر کس قدر سبک ہے؟

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: اے بھائی! اس وقت ہمارے ساتھ ایک گروہ فرشتوں میں سے ہے کہ وہ حضرتؑ کو غسل دینے میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔

اس کے بعد امام حسنؑ نے جنابِ امیر علیہ السلام کو اُس کافور جنت سے حنوط کیا جو جنابِ رسولِ خداؐ کے حنوط سے بچ گیا تھا۔

راوی کہتا ہے کہ کوفہ کے ہر کوچہ و بازار سے ایک مدت تک اُس کافور کی خوشبو باقی رہی۔ پھر امام حسن علیہ السلام نے پانچ پارچوں سے آپؑ کا کفن بنایا اور نماز جنازہ پڑھی اور جنابِ امیر علیہ السلام کا جنازہ لے کر چلے۔

منقول ہے کہ جس کوچہ و بازار سے نعش مطہر کا گزر ہوتا تھا، اُس طرف کے مکانات اور اشجار تعظیم میں جھکتے تھے اور پھر سیدھے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ بعض دیواریں جو اُس وقت خم ہوئیں، اُسی حالت پر خمیدہ رہیں۔ غرض وہ عجب وقت تھا کہ ہر در و دیوار سے آثارِ حزن و ملال ظاہر تھے۔

حافظ رجب برسیؒ نے کتاب ''مشارق الانوار'' میں محدثین اہلِ کوفہ سے نقل کیا ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام تابوت جنابِ امیرؑ لئے ہوئے اُس راہ پر پہنچے جس راہ سے لوگوں کی آمد و شد نجف کی طرف کثرت سے تھی، ایک سوار کو دیکھا کہ اُس سے اعلیٰ قسم کے

مشک وعنبر کی خوشبو آتی تھی، قریب آیا اور حسنینؑ پر سلام کیا اور کہا کہ یہ تابوت مجھے دو۔

امام حسنؑ نے فرمایا: ''اے شخص! ہمارے پدرِ بزرگوار نے وصیت کی ہے کہ اس تابوت کو سوائے جبرئیلؑ یا خضرؑ کے کسی اور کو نہ دینا، تم کون ہو؟''

یہ سن کر اُس سوار نے نقاب چہرۂ انور سے اُٹھادی۔ دیکھا کہ خود جنابِ امیر المؤمنینؑ ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حسنینؑ جنابِ امیر علیہ السلام کے غسل و کفن سے فارغ ہوئے اور تابوت کو پیچھے سے اُٹھایا تو آگے سے تابوت خود بخود بلند ہوا اور اُٹھانے والا کوئی بھی نظر نہ آتا تھا، اس لئے کہ اس کے حامل جبرئیلؑ اور میکائیلؑ تھے۔ پس تابوتِ اقدس جس درخت کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا، وہ تعظیم کے واسطے جھک جاتا تھا اور تمام کوفہ میں شورِ ماتم برپا تھا۔

امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضرتؑ کے مقامِ دفن پر پہنچے اور قبر کھودنا شروع کی تو ایک لوح پائی جس پر لکھا تھا: ''یہ وہ قبر ہے جس کو نوحؑ پیغمبر نے بندۂ صالح، طاہر و مطہر، علیؑ ابن ابی طالبؑ کے واسطے بنایا''۔

جب ہم نے چاہا کہ امیر المؤمنینؑ کو قبر میں اُتاریں، ہاتف کی آواز سنی۔ کہتا تھا کہ حضرتؑ کو قبر میں جلد اُتارو کہ دوست اپنے دوست کا نہایت مشتاق ہے۔

بہر کیف جب ہم حضرت امیر علیہ السلام کو قبر میں اُتار چکے تو حکم کے مطابق قبر کے اندر نگاہ کی تو دیکھا کہ تمام قبرِ مطہر سندسِ بہشت سے مستور ہے۔ جب اُس پارچۂ بہشت کو سرہانے کی جانب سے اُٹھایا تو اپنے نانا رسولِ خداؐ اور جنابِ آدمؑ و ابراہیمؑ کو دیکھا کہ میرے پدرِ بزرگوار سے باتیں کر رہے ہیں اور امام حسینؑ نے پاؤں کی جانب سے اُس پارچۂ بہشتی کو اُٹھایا تو دیکھا کہ جنابِ سیدہ فاطمہ زہراؑ، جنابِ حواؑ، جنابِ مریمؑ اور جنابِ آسیہؑ رو رہی ہیں۔

پس امام حسنؑ نے حضرت علی علیہ السلام کو دفن کیا اور وہاں سے محزون و مغموم دولت سرا کی جانب پلٹے۔

مجالس مفجعہ میں منقول ہے کہ گھر کی جانب لوٹتے وقت ایک ویران جگہ سے اُن شہزادوں کا گزر ہوا۔ اُس جگہ سے آوازِ گریہ و بکا آتی تھی۔ حسنین علیہم السلام آواز کا حال دریافت کرنے کے واسطے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص یکہ و تنہا نہایت ضعیف و ناتواں فرشِ خاک پر تکیہ کی بجائے اینٹیں سر کے نیچے رکھے شدتِ مرض میں مبتلا پڑا رو رہا ہے۔ صاحبزادوں نے پوچھا:

''اے شخص! ہمیں اپنے حال سے آگاہ کر''۔

اُس نے کہا: ''میں آوارہ وطن، علیل و محتاج ہوں اور کوئی میرا یار و مددگار نہیں''۔

حسنینؑ نے فرمایا: ''اے شخص! اگر تیرا کوئی مونس و مددگار نہیں تو پھر کون تیمار پرسی کرتا ہے؟''

یہ سن کر وہ شدت سے رونے لگا اور کہنے لگا: ''اے بندگانِ خدا! میں ایک سال سے اسی مقام پر رہائش پذیر ہوں۔ ہر روز ایک مردِ صالح میرے پاس آیا کرتا تھا اور میرے سرہانے بیٹھ کر مثل پدرِ شفیق مجھ پر شفقت کرتا تھا۔ کھانا اور پانی اپنے ہاتھ سے کھلاتا اور پلاتا تھا''۔

حسنینؑ نے پوچھا: ''تو نے اُس کا نام دریافت کیا تھا؟''

اُس نے کہا: ''ایک دن پوچھا تھا، ارشاد فرمایا کہ تجھے میرے نام سے کیا کام ہے، میں تیری اعانت فقط خوشنودیٔ خدا کیلئے کرتا ہوں''۔

حسنینؑ نے فرمایا: ''اے شخص! آیا تو اُنؑ کی صورت پہچانتا ہے؟''

وہ بولا کہ میں اندھا ہوں، کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن افسوس ہے کہ وہ میرا شفیق تین دن سے میرے پاس نہیں آیا۔ معلوم نہیں کہ اُس پر کیا گزر رہی ہے؟

شہزادوںؑ نے فرمایا کہ اگر اُنؑ کا کچھ کلام یا خصائلِ حمیدہ تجھے معلوم ہوں تو بیان کردے؟"

اُس نے کہا کہ ہر وقت تسبیح وتہلیل زبان پر جاری رہتی تھی اور جب میرے پاس بیٹھتے تھے تو فرماتے تھے:

'مِسْكِيْنٌ جَالَسَ مِسْكِيْنًا وَغَرِيْبٌ جَالَسَ غَرِيْبًا'

''مسکین کے پاس مسکین بیٹھتا ہے اور غریب ہی غریب کا ہم نشین ہے''۔

''فَقَالَ يَاشَيْخُ هُوَ اَبُوْنَا عَلِيُّ اَبِیْ طَالِبٍ وَصِیُّ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى''.

حسنینؑ نے فرمایا:''اے شخص! وہ ہمارے پدرِ بزرگوار علیؑ ابن ابی طالبؑ، وصیِ جنابِ رسالت مآبؐ تھے''۔

اُس مردِ غریب و مریض نے کہا:''پھر کیا سبب ہے کہ وہ تین دن سے میرے پاس تشریف نہیں لائے''۔

صاحبزادوںؑ نے فرمایا:''ایک ملعون نے آنحضرتؑ کے سرِ مبارک پر حالتِ نماز میں تلوار ماری کہ اُس کے صدمہ سے حضرتؑ نے دُنیا سے رحلت فرمائی''۔

اُس نابینا نے یہ سانحہ عظیم سنا تو فریاد کرنے لگا اور زمین پر لوٹتا تھا اور تڑپ تڑپ کر کہتا تھا کہ ہائے افسوس! یا امیرالمومنینؑ! آپؑ کے بعد اب کوئی مجھ بیکس کا خبر لینے والا نہ رہا۔

حسنینؑ ہر چند اُسے تسلی دیتے تھے مگر اُس کا تڑپنا موقوف نہ ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ اے شہزادو! تمہیں تمہارے نانا محمد مصطفیؐ اور بابا علیؑ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے حضرتؑ کی قبر مبارک پر لے چلو کہ میں زیارت کروں۔

پس حسنینؑ نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور قبرِ مطہر پر لائے۔ اُس مردِ نابینا نے اپنے

آپ کو قبر پر گرا دیا اور روتا تھا اور یہ کہتا تھا:

''اے پروردگار! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میری روح کو ابھی قبض کر لے اور مجھے ابھی دُنیا سے اُٹھا لے کہ ایسے آقا کی وفات کے بعد زندگی میں لطف باقی نہ رہا''۔

پس پروردگار نے اُس کی دُعا قبول فرمائی اور اُس مردِ دیندار نے اُسی وقت انتقال کیا۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، فضائل و مصائبِ جنابِ امام حسنؑ اور آپؑ کی وفات

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَاعَلِیُّ لَوْاَنَّ عَبْدًا عَبَدَاللّٰہَ حَقَّ عِبَادَتِہٖ ثُمَّ شَکَّ فِیْکَ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ اَفْضَلُ النَّاسِ کَانَ فِی النَّارِ".

کتابِ مناقب میں جابر انصاریؓ سے منقول ہے کہ جنابِ سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ! اگر کوئی بندۂ خدا عبادتِ حق تعالیٰ بجالائے اور جوحق اطاعت گزاری اور فرمانبرداری جنابِ باری تعالیٰ کو ادا کرے اور اپنے زمانہ میں وہ شخص تمام انبیاء سے افضل اور اشرف ہو، باوجود ان سب اوامر کے تمہاری امامت میں یا ہمارے اہل بیتؑ کے مراتب میں ذرہ برابر بھی شک کرے تو قیامت کے دن رب العباد اُس کا کوئی عمل قبول نہیں فرمائے گا اور اُس کا مقام آتشِ جہنم ہوگا۔

"قَالَ خَیْرُ رِجَالِکُمْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَخَیْرُ شَبَابِکُمْ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ وَخَیْرُ نِسَاءِ کُمْ فَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ".

کتابِ مناقب میں ابن عباس سے منقول ہے کہ سلطان الانبیاء، جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ بہترین مردانِ روزگار حیدرؑ کرار ہیں اور سردارانِ جوانانِ عالم حسنؑ وحسینؑ اور بہترین نسوانِ جہاں فاطمہ زہراؑ اُم السبطین ہیں۔

مومنین! فضائل جنابِ حیدرؑ کرار اور مراتبِ اہل بیتؑ اطہار کی کوئی حدوانتہا نہیں ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ھَـاعَلِـیٌّ بَشَـرٌ کَیْفَ بَشَـرٌ
رَبُّ فِیْـہِ تَـجَـلّٰـی وَظَھَـرَ

"تمام مخلوقات اور پوری کائنات میں اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالبؑ وہ بندۂ خدا ہیں جن کی ذاتِ بابرکات میں قدرتِ حق تعالیٰ کا جلوہ وظہور ہے"۔

فَلَکٌ فِـیْ فَـلَکٍ فِیْـہِ نُجُوْمٌ
صَـدَفٌ فِـیْ صَـدَفٍ فِیْـہِ دُرَرٌ

"آپؑ جناب اور آپؑ کی اولادِ پاک اس طرح سے ہیں کہ جیسے آسمان زیر آسمان اور اُس میں ستارے تابندہ و درخشاں ہیں یا صدف کے اندر صدف ہے اور اس میں گہر ہائے شاہوار بصد آب وتاب نمایاں ہیں"۔

مَـنْ لَـہٗ صَاحِبَۃٌ کَـالزَّھْرَا
اَوْسَلِیْـلٌ کَشُبَیْـرٍ وَ شَبَـرٍ

"دُنیا میں سوائے جنابِ امیر علیہ السلام کے کون ایسا ہے، کس کی زوجہ مثل مریم کبریٰ جنابِ فاطمہ زہراؑ کے ہے اور کون ایسا ہے جس کی پارۂ جگر مثل سبطین پیغمبرؐ حضرت شبیرؑ اور شبرؑ کے ہیں"۔

مومنین! جنابِ امیر علیہ السلام اور اُن کے گیارہ اولادِ کرام نورِ واحد ہیں۔ زہد وعبادت اور علم وحکمت میں سب برابر ہیں اور مراتب اور کمالات اُن حضراتؑ کی قلتِ عمر یا کبرسن پر موقوف نہیں۔ چنانچہ امام حسنؑ نے چھوٹی عمر میں بڑے بڑے مشکل ترین سوالات کا ایسی آسانی سے جواب دیا کہ علمائے زمان اور حکیمانِ جہان ششدر وحیران ہوگئے۔

چنانچہ خرائج میں منقول ہے کہ جنابِ امیر علیہ السلام کوفہ میں تشریف رکھتے تھے، ناگاہ ایک شخص آیا اور عرض کی: یا امیر المومنینؑ! میں آپؑ کے اہل شہر اور رعایا سے ہوں۔

جنابِ امیرؑ نے فرمایا: "نہ تو میرے رعایا سے ہے اور نہ اس شہر کا رہنے والا ہے

بلکہ ابن اصغر نے تجھے کچھ سوالات پوچھنے کو معاویہ کے پاس بھیجا تھا اور معاویہ نے میرے پاس بھیجا ہے"۔

اُس نے عرض کی: "یا حضرتؑ! آپؑ نے سچ فرمایا ہے۔ واقعی اُس نے مجھے پوشیدہ آپؑ کی خدمت میں بھیجا ہے اور کوئی شخص سوائے خدا کے اس راز سے واقف نہ تھا"۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا: "جو تجھے پوچھنا ہو، میرے فرزند حسنؑ سے پوچھ"۔

وہ حسبِ ارشاد خدمت امام حسن علیہ السلام میں حاضر ہوا۔

امام حسنؑ نے فرمایا: "کیا تو یہ سوال کرنے کو آیا ہے کہ کس قدر حق و باطل میں فاصلہ ہے اور زمین و آسمان کے درمیان کس قدر بُعد ہے اور مشرق و مغرب کے درمیان کتنی مسافت ہے اور قوس و قزح کیا چیز ہے اور مؤنث کیا ہے وہ دس چیزیں کونسی ہیں کہ اُن کی بعض، بعض سے غالب ہیں؟"

اُس شخص نے عرض کی: "یا ابن رسول اللہؐ! آپؑ نے بجا ارشاد فرمایا ہے۔ واقعی میں انہی اُمور پر سوال کرنے کو حاضر ہوا تھا"۔

"قَالَ الْحَسَنُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ اَرْبَعُ اَصَابِعَ".

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: "حق و باطل کے درمیان بقدر چار انگشت کے فاصلہ ہے یعنی آنکھ اور کان کے درمیان فاصلہ چار انگشت ہے۔ پس جو چیز کہ تو اپنی آنکھ سے دیکھے، وہ حق ہے اور جو امر تو اپنے کان سے سنتا ہے، وہ کبھی باطل ہوتا ہے"۔

"وَبَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَمَدُّ الْبَصَرِ".

"اور آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ دعائے مظلوم کے پہنچنے اور نگاہِ چشم کے لئے ہے"۔

'وَبَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مَسِيْرَةُ يَوْمِ الشَّمْسِ'

"اور مشرق و مغرب کے درمیان مسافت بقدر اس کے ہے کہ آفتاب صبح سے شام اُسے طے کر لیتا ہے"۔

"وَقَزَحُ اِسْمُ الشَّيْطَانِ"

"اور قزح شیطان کا نام ہے"۔

پس وہ قوس ارزانی کا نشان اور اس زمین کیلئے غرق سے امان ہے۔

مؤنث، کہ معلوم نہ ہو کہ آیا مرد ہے یا عورت، پس بلوغ کا انتظار کیا جائے گا۔ اگر وہ خنثی مرد ہے تو اُسے احتلام ہوگا اور اگر عورت ہے تو احتلام نہ ہوگا۔

وہ دس چیزیں کہ بعض اُن کی بعض سے سخت ہیں، پس آگاہ ہو کہ سب مخلوقات خدا سے سخت تر پتھر ہے اور پتھر سے سخت آہن (لوہا) ہے کہ پتھر کو کاٹ ڈالتا ہے اور اُس پر غالب آگ ہے کہ اُسے نرم کر دیتی ہے اور آگ پر غالب پانی ہے اور پانی پر غالب ابر ہے اور ابر پر غالب ہوا ہے اور ہوا پر غالب وہ فرشتہ ہے کہ ہوا کو پھراتا ہے اور فرشتے پر غالب ملک الموت ہے اور موت پر غالب خدا کا حکم ہے کہ موت کو دفع کرتا ہے۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے پچیس حج پا پیادہ کئے اور دو مرتبہ اپنا تمام مال راہِ خدا میں تقسیم کیا۔

منقول ہے کہ جب وصی جناب محمد مصطفیٰؐ جناب علی مرتضیٰؑ نے 21 رمضان کو شہادت پائی اور تمام اہل بیتؑ طاہرین و فرزندانِ امیر المومنینؑ تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو صبح کو جناب امام حسن مجتبیٰؑ نے مسجد میں منبر پر رونق افروز ہو کر ایک خطبہ مشتمل حمدِ الٰہی و درود و رسالت مآبؐ نہایت فصیح و بلیغ دیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! آج کی رات ہم لوگوں سے وہ بزرگوار اُٹھ گئے ہیں کہ پہلے والوں نے جن کا مثل نہیں دیکھا تھا اور آخرین تا قیامت اُن کا مثل نہ پائیں گے۔ وہ جناب اُس شب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے ہیں کہ جس شب جناب موسیٰؑ نے وفات پائی ہے اور اُسی

شب کو جناب عیسیٰؑ آسمان پر تشریف لے گئے ہیں۔

بہت فضائل حضرت امیرؑ کے بیان فرمائے اور امام حسنؑ اور حاضرین مجلس جناب امیر علیہ السلام کے غم میں بہت روئے۔

منقول ہے کہ اُس وقت چار ہزار اشخاص آپؑ کی بیعت سے سرفراز ہوئے۔ جب یہ خبر معاویہ کو پہنچی تو ساٹھ ہزار اہل نفاق کو لے کر جنگ کے ارادہ سے عراق کی طرف متوجہ ہوا۔

ادھر امام حسن مجتبیٰؑ لشکرِ معاویہ کی آمد کی خبر سن کر جنگ کے عزم سے کوفہ سے روانہ ہوئے۔ منازل طے کرتے ہوئے دونوں لشکر مقابل ہوئے مگر کوفیوں کے مکر و دغا کی وجہ سے آپؑ کے اکثر رفقاء معاویہ سے مل گئے، حتیٰ کہ آپؑ کے لشکر نے حضرتؑ کے گھر کا تمام اثاثہ لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ ردائے مبارک دوشِ مقدس سے کھینچ لی اور مصلی، جس پر آپؑ رونق افروز تھے، اُس تک کو نہ چھوڑا۔

پس حضرت امام حسنؑ نے اپنے لشکر کی بیوفائی دیکھ کر وہاں سے کوچ فرمایا اور مدائن کی طرف تشریف لے چلے۔ ناگاہ اثنائے راہ میں ابن سنان ملعون نے، جو کمین گاہ میں بیٹھا ہوا تھا، ایک خنجر حضرتؑ کی ران مبارک پر ایسا مارا کہ استخوانِ مبارک تک اُتر گیا۔ اس کے صدمہ سے حضرت امام حسنؑ نہایت بے حال ہو گئے اور مدائن میں داخل ہو کر علاج کے بعد صحت پائی۔

راوی کہتا ہے کہ چند ماہ بعد حضرتؑ نے انصار کی بیوفائی کے سبب معاویہ سے صلح کر کے مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی مگر معاویہ نے اپنے عہد پر وفا نہ کی اور پھر ایذا رسانی کیلئے مستعد ہوا۔

اُس وقت اُس مکارِ زمانہ نے ظاہراً انکار کیا اور عذر پیش کیا۔ حضرتؑ پھر بڑے اصرار سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ جب موصل میں داخل ہوئے تو ایک شخص کے گھر میں،

جو ظاہراً دعوائے محبت اور باطن میں ارادۂ ہلاکت رکھتا تھا، کے ہاں قیام فرمایا، یہاں تک کہ اُس نے بھی ایک روز موقع و محل پا کر آپؑ کو زہر دیا۔

جب زہر کے آثار آپؑ پر نمایاں ہوئے تو حضرت امام حسنؑ نے باری تعالیٰ سے دُعا کی۔ اُس دُعا کے سبب سے زہر کی تاثیر جاتی رہی اور آپؑ صحت یاب ہو گئے۔ اُس نابکار بے ایمان کو، جس کے ہاں آپؑ مہمان تھے، چند جاں نثاروں نے قتل کر دیا۔

غرض وہاں سے بھی حضرتؑ مغموم و محزون مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اُس وقت والیِ مدینہ مروان بن حکم تھا۔

منقول ہے کہ معاویہ نے کچھ عرصہ کے بعد زہر ہلاہل کی ایک شیشی مروان کے پاس بھیجی اور اس مضمون کا خط لکھا کہ یہ زہر شاہِ روم کے یہاں سے آیا ہے۔ اگر اس کا ایک قطرہ دریائے عمان میں گر پڑے تو سب ذی حیاتِ آبی ہلاک ہو جائیں۔ جس طریقہ سے ممکن ہو، حسن مجتبیٰؑ کو پلا کر اُنؑ کے آباء و اجداد سے اُنؑ کو ملحق کر کہ میری سلطنت کا خدشہ جاتا رہے۔

پس مروان نے بذریعہ الیسونیہ دلالہ کے جعدہ بنت اشعث جو اسماء کے نام سے مشہور ہے، کو ملایا اور اُس کو یہ فریب دیا کہ یزید پلید پسر معاویہ تیرے حسن و جمال کا شہرہ سن کر تجھ پر عاشق ہوا ہے اور شب و روز تیری آرزوئے وصال میں مدہوش رہتا ہے۔ لیکن یہ امر جناب حسن مجتبیٰؑ کی زندگی میں ممکن نہیں۔ ہاں! کسی طرح اُن حضرتؑ کو شہید کر تو گلِ تمنا سے تیرا دامن مقصود بھرے۔

وہ ملعونہ طمعِ دُنیا اور شہرت میں راضی ہوئی اور مروان نے اُسی زہر میں سے تھوڑا بھیج دیا۔ اُس ملعونہ نے تھوڑا زہر شہد میں ملا کر حضرت امام حسنؑ کو کھلایا کہ تمام روز اور ساری رات کرب و بے چینی میں دردِ شکم سے بیتاب رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرتؑ نے اپنے جد امجد سرورِ کونینؐ کے روضہ منور پر جا کر دُعا کی اور شکم مبارک کو مزارِ اقدس پر ملا۔ اُس وقت

آپؑ کو افاقہ ہوا۔

پھر چند روز کے بعد اُس ملعونہ نے رطب میں تھوڑا زہر ملا کر دیا۔ حضرتؑ وفورِ تاثیر سے اُس مرتبہ بھی حد درجہ بیتاب ہوئے کہ شام سے سحر تک نالہ وفریاد میں بسر کی اور روضہ اقدس میں جاکر تربت سے شفا پائی، یہاں تک کہ بروایتِ مشہور 28 رصفر 50ء ہجری جبکہ آپؑ کا سن شریف 48 برس کا تھا، جعدہ ملعونہ نے دودھ میں وہی زہر ہلاہل ملا کر دیا کہ روزے کے افطار کے وقت شدتِ تشنگی میں آپؑ نے اُس دودھ کو نوش فرمایا۔ دودھ پیتے ہی اُس زہر کا اثر گلو تا نافِ مبارک پھیل گیا۔

آپؑ نے اُس ملعونہ سے فرمایا: ''اے دشمنِ خدا! تجھ پہ خدا کی لعنت ہو، تو نے مجھے ناحق قتل کیا''۔

پس حضرتؑ کو خون کی قے آنے لگی اور جگرِ اقدس ٹکڑے ٹکڑے ہوکر منہ سے نکلنے لگا۔ جب حال بہت متغیر ہوا، اسمِ اعظم اور تبرکاتِ انبیائے سلف، جو جنابِ امیر علیہ السلام نے آپؑ کے حوالہ کئے تھے، وہ امام حسینؑ کے سپرد کئے اور دونوں بھائی گلے مل کر خوب روئے۔ امام حسنؑ کی شہادت ہوتے ہی اہلِ بیتِ رسولؐ میں عجب قیامت برپا ہوئی۔

جنابِ امام حسین علیہ السلام نے خود بنفسِ نفیس اپنے برادرِ مسموم کو غسل دیا اور حنوط وکفن سے فارغ ہوکر خود جنابِ سیدّ الشہداء اور سب بھائی روتے اور ماتم کرتے ہوئے نعشِ مطہر کو روضہ رسولؐ کی طرف لے چلے۔

مگر مسلمانوں کو یہ گوارا نہ ہوا اور جنازۂ امام حسنؑ راستے ہی سے واپس لوٹ آیا۔ دوبارہ کفن کے بعد جنت البقیع لے چلے اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

مؤمنین! جب امام حسن علیہ السلام نے شہادت پائی تو سب بھائیوں نے حضرتؑ کی تجہیز وتکفین اور مشایعت کی مگر افسوس! جب امام حسینؑ نے مظلومی کی حالت میں شہادت پائی تو اس غریب وبیکس کی لاشِ مطہر کئی شب وروز بے گور وکفن کربلا کی گرم ریت پر

پڑی رہی اور کوئی عزیز ایسا قریب نہ تھا جو کفن دے کر دفن کرے، لاش پر نوحہ وماتم کرے، اس لئے کہ جو باقی بچ گئے تھے، وہ برہنہ سر، رسن بستہ قید ہوکر شام روانہ ہو چکے تھے۔

آخر قبیلہ بنی اسد کی چند عورتوں نے اپنے مردوں کو غیرت دلائی اور آمادۂ دفن کیا۔ چنانچہ امامِ زمانہ علیہ السلام زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں:

''اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنْ تَوَلّٰی دَفْنَهُ اَهْلُ الْقُرٰی''۔

''میرا سلام ہو اُس غریب اور بیکس پر جس کو اہلِ قریہ نے رحم کھا کر دفن کیا''۔

فضائل و مصائبِ امام حسنؑ، پسرِ پیرزن کا زندہ ہونا، مفلوج کا صحت پانا، شامی کے ساتھ اخلاق اور جنابؑ کی شہادت

"رُوِیَ عَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاضِعًا لِلْحَسَنِ عَلٰی عَاتِقِهٖ وَیَضَعُ فَمَهٗ عَلٰی فَمِهٖ وَیَقُوْلُ مَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیُحِبَّهٗ".

براء بن عازب سے منقول ہے کہ میں نے دیکھا کہ جنابِ رسالت مآبؐ جنابِ امام حسنؑ کو شانۂ اقدس پر لئے منہ پر منہ رکھے ہوئے تھے اور فرماتے تھے جو شخص مجھے دوست رکھے، چاہئے کہ وہ حسنؑ کو دوست رکھے۔

مناقبِ ابن شہر آشوب میں ابن عباس سے روایت ہے کہ میں ایک دن فرزندِ رسولؐ جنابِ امام حسنؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت آئی اور رو رو کر عرض کرنے لگی:

"اے مسیحائے عالم! میں نے تمام عمر آپؑ کے آبائے طاہرین اور اجدادِ معصومینؑ کی محبت میں بسر کی اور اپنی جوانی آپؑ کی دوستی اور وِلا میں صرف کی۔ اب مجھ پر ایک ایسی مصیبت آن پڑی ہے کہ سوائے آپؑ کی توجہ اور عنایت کے اُس کا کوئی چارہ و علاج نہیں"۔

حضرت امام حسنؑ نے فرمایا کہ وہ مصیبت کیا ہے؟

اُس نے عرض کی: "میری تمام عمر کی بضاعت ایک جوان بیٹا تھا، آج بارہ دن گزرے کہ اُس نے رحلت پائی اور اب کوئی دوسرا آسرا اُس کے سوا نہیں رہا۔ زندگی اُس کے بغیر مجھ پر حرام ہے۔ چاہتی ہوں کہ حضرتؑ دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ مجھ کو اُس سے کسی

طرح ملا دے، میرا رشتہ حیات منقطع کر دے کہ میں زیرِ خاک اُس راحتِ جان سے ملوں یا آپؑ کی مسیحائی سے اُس پارۂ جگر کو زندگی عطا فرمائیے کہ مجھ سے آ کر ملے"۔

حضرتؑ نے اُس مؤمنہ کا جو قلق اور اضطراب دیکھا تو فرمایا: "انشاء اللہ تیرا فرزند تجھ سے آ کر ملتا ہے"۔

یہ کہہ کر اُس ضعیفہ کے ساتھ قبر پر تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی اور اُس جوان کے قبر کے سرہانے آ کر کچھ ایسی باتیں کہیں کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئیں اور پیر سے ٹھوکر لگائی۔ اُس وقت ہاتف نے غیب سے آواز دی کہ اس جوان کی روح کو اس کے جسم میں داخل کرو کہ امامِ عصر حسن مجتبیٰ مجھ سے زندہ طلب کرتے ہیں اور خود اس جوان کی قبر پر کھڑے ہیں۔

وہ قبر شگافتہ ہو گئی اور وہ جوان کفن پہنے باہر نکل آیا اور قدم مبارک پر گر کر کہنے لگا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ"

مشکوٰۃ الانوار میں منقول ہے کہ ایک دن فرزندِ رسولؐ جنابِ امام حسن علیہ السلام مدینہ منورہ میں کسی بازار سے تشریف لے جا رہے تھے۔ ناگاہ آپؑ کا تازیانہ مبارک زمین پر گر پڑا۔ اُسی مقام پر ایک مردِ مفلوج، جس کے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے تھے، موجود تھا۔ اُس نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ کاش میرے دست و پا صحیح و سالم ہوتے کہ میں فرزندِ رسول کا تازیانہ اُٹھا کر دیتا اور آدابِ خدمت گزاری بجا لاتا۔

جونہی یہ خیال اُس جوان کے دل میں گزرا، امامؑ نے علمِ امامت سے دریافت کیا اور اُس شخص کی طرف متوجہ ہو کر تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ تازیانہ اُٹھا دو۔ اُس جوان نے فوراً اپنے آپ میں آثارِ صحت پائے۔ دیکھا کہ سب بیماری دفع ہو گئی ہے۔ اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا اور دوڑ کر تازیانہ اُٹھایا اور خدمتِ امامؑ میں سعادت مندی سے لے کر حاضر ہوا۔

راوی کہتا ہے کہ جب تک وہ جوان زندہ رہا، کسی مرض اور بیماری میں، سوائے

مرض الموت کے، جتلانہ ہوا۔

منقول ہے کہ ایک روز امام حسن علیہ السلام سواری پر کہیں تشریف لے جارہے تھے، ناگاہ ایک شامی نے حضرتؑ کو دیکھا اور کلمات سخت و درشت کہنے شروع کئے۔ آپؑ نے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ شخص چپ ہوا تو امام حسن علیہ السلام نے سلام کے بعد ارشاد فرمایا:

''اے شخص! معلوم ہوتا ہے کہ تو مسافر ہے۔ شاید تجھے اشتباہ ہوا کہ تو نے مجھے اس طرح کہا۔ پس اگر تو مجھ سے کسی چیز کا طالب ہے تو میں تجھے دوں، اگر تو طالبِ ہدایت ہے تو میں تجھے ہدایت کروں۔ اگر تو بھوکا ہے تو سیر کروں۔ اگر تجھے لباس کی حاجت ہے تو لباس دوں اور اگر فقیر ہے تو غنی کر دوں، اس لئے کہ ہم صاحبِ جاہ وحشمت اور صاحبِ مال ہیں''۔

جب اُس شامی نے امام حسنؑ کا یہ اخلاق دیکھا تو رونے لگا اور کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ خدا کی جانب سے زمین پر حجت ہیں۔ اے فرزندِ رسولؐ! اس سے پہلے میں آپؑ اور آپؑ کے پدرِ بزرگوار کو نہایت دشمن رکھتا تھا اور اب آپؑ سے زیادہ مجھے کوئی دوست نہیں ہے''۔

اس کے بعد وہ شامی آپؑ کے درِ دولت پر حاضر ہوا اور حضرتؑ کا مہمان رہا، یہاں تک کہ با اعتقادِ نیک دُنیا سے رحلت کر گیا۔

افسوس ہزار افسوس کہ ایسے امامِ معجز نما وصاحبِ اخلاق کے ساتھ معاویہ نے کیا کیا سلوک کئے اور ہمیشہ درپے ہلاکت رہا، یہاں تک کہ اسماء ملعونہ، جو حرمِ امام حسنؑ تھی، کو اپنے ساتھ ملا کر چند مرتبہ حضرتؑ کو زہر دلوایا مگر اُس مظلوم مسموم نے بسبب مس تربت جنابِ رسولِ خداؐ کے شفا پائی۔

بعد میں حضرتؑ آب وہوا کی تبدیلی کیلئے اپنے چند اصحابِ خاص کے ہمراہ موصل

تشریف لے گئے۔ راوی کہتا ہے کہ شام میں ایک نابینا جو دشمنِ خاندانِ رسولؐ تھا، رہتا تھا۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ اِن دنوں امام حسن علیہ السلام موصل میں ہیں۔ وہ نابینا کورِ باطن جنابِ امام حسنؑ کے قتل کے قصد سے موصل میں آیا اور آپؑ کی بیعت کر کے کمالِ محبت بڑھائی۔ اتفاقاً ایک روز آپؑ مسجد میں نماز کے بعد تشریف لائے اور ایک دکان پر ایک جوان کے پاس بیٹھ گئے۔ آپؑ اپنا دایاں پاؤں بائیں پاؤں پر رکھے کچھ حدیث فرمارہے تھے کہ اچانک وہ نابینا مسجد کے دروازے سے نکل کر آپؑ کے قریب آیا اور عصا ٹیک کر کھڑا ہوگیا۔ اچانک عصا کی نوک، جو زہر آلود تھی، امام حسنؑ کے پاؤں کی پشت پر پڑی۔ تیز ہونے کے باوجود اُس کورِ باطن نے پوری قوت سے اُس عصا پر زور دیا، حتیٰ کہ نوکِ عصا حضرتؑ کے تلوے سے پار ہوگئی۔

حضرت امام حسنؑ ایک آہ کھینچ کر بیہوش ہوگئے اور حضرتؑ کے پائے اقدس سے خون جاری ہوا اور ورم آگیا۔ یہ دیکھ کر شیعوں نے اُس نابینا دشمنِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کو گرفتار کر لیا۔ جب حضرتؑ کو ہوش آیا تو ارشاد فرمایا کہ یہ نابینا ظاہر و باطن کا کورا ہے۔ اسے چھوڑ دو کہ روزِ قیامت یہ قاتلانِ آلِ رسولؐ میں محشور ہوگا۔

حسب الارشاد مؤمنین نے اُسے چھوڑ دیا۔ دردِ زخم نے وہ شدت اختیار کی کہ آپؑ بیقرار ہوگئے۔ جب جراح کو بلا کر زخم دکھایا گیا تو اُس نے دیکھ کر ایک آہ بھری اور کہا کہ اس لوہے کو زہر میں بجھا کر اُس ظالم نے عمداً یہ زخم لگایا ہے۔ مؤمنین نے جب یہ سنا تو بولے کہ ناحق اُس روسیاہ کو چھوڑ دیا۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ غم نہ کرو، عنقریب وہ اپنے کردارِ بد کی سزا کو پہنچے گا۔ چنانچہ منقول ہے کہ چند روز کے بعد آپؑ کے برادرِ حق شناس جنابِ عباسؑ موصل میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ وہ شقی وہی عصا لئے ہوئے شہر کے دروازہ سے باہر نکلنے لگا ہے۔ آپؑ نے بڑھ کر اُس عصا کو چھین کر اُس کے سر پر ایسا مارا کہ اُس کا سر شگافتہ ہوگیا۔

جناب عباسؑ نے غلاموں سے ارشاد فرمایا کہ اس نابکار کا سر قلم کر ڈالو۔ الغرض جب وہاں کے شیعوں نے سنا کہ وہ لعین واصلِ جہنم ہو گیا ہے تو اُس نجس لاش کو جلا دیا۔

اُس جراح نے حضرتؑ کا ایسا علاج کیا کہ آپؑ کی رگوں سے زہر نکل گیا اور آپؑ نے بہت جلد شفا پائی۔ اس کے بعد حضرتؑ وہاں سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے مگر اسماء ملعونہ کے گھر نہ رہے۔

جب مروان بے ایمان نے سنا کہ جناب امام حسن علیہ السلام پھر تشریف لائے ہیں تو وہی زہر جو روم سے معاویہ نے منگوا کر اُس کے پاس بھیجا تھا، مع ایک مالا مروارید کے اسماء کو دیا اور اشتیاقِ وصالِ یزید پلید ظاہر کیا۔

جب 28 رصفر 50 ہجری، شبِ جمعہ آئی تو اسماء ملعونہ مع اُس زہر کے حضرتؑ کے ہلاک کرنے کے ارادے سے خانۂ اہل بیتِ رسالت میں داخل ہوئی۔ دیکھا کہ تمام اہل بیتِ طاہرین دائیں بائیں آرام فرما رہے ہیں اور کنیزیں پائینِ فرش سو رہی ہیں اور ایک کوزۂ آب سر بمہر رکھا ہے۔ یہ موقع محل پا کر اُس ملعونہ نے تھوڑا سا زہر اُس کوزے کے منہ پر رکھ کر چھان دیا اور اپنے گھر واپس چلی گئی۔

جنابِ امام حسنؑ جو خواب سے بیدار ہوئے تو سب کو جگا کر ارشاد فرمایا:

"ابھی میں نے خواب میں جدِ نامدار، پدرِ عالی مقام اور مادرِ غمگسار کو دیکھا ہے"۔

پھر ارشاد فرمایا کہ وضو کیلئے پانی لاؤ۔ حسب الارشاد حضرتؑ کے سرہانے سے کوزہ اُٹھایا تو دیکھا کہ وہ کوزہ سر بمہر رکھا ہے۔ حضرت امام حسنؑ نے وہ کوزہ ہاتھ میں لے کر تھوڑا سا اُس میں سے نوش فرمایا۔ حلق سے پانی اُترا تھا کہ زہر کی تاثیر سے کلیجہ چاک ہو گیا۔

آپؑ نے کوزہ رکھ کر فرمایا: "آہ، آہ! کیسا پانی تھا کہ جس نے حلق سے ناف تک پارہ پارہ کر ڈالا"۔

جب اہل بیتؑ نے یہ حال دیکھا تو بے اختیار سر و سینہ پیٹنے لگے۔ جب امام حسین

علیہ السلام کو معلوم ہوا تو بیتابانہ دوڑے۔ آ کر کیا دیکھتے ہیں کہ جناب امام حسنؑ بستر پر تڑپ رہے ہیں اور جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ بھائی کے گرد بیٹھی رو رہی ہیں۔

جونہی امامِ مسموم کی نظر اپنے بھائی حسینؑ پر پڑی، بیتابانہ گلے سے لپٹ گئے اور ارشاد فرمایا:

"اے بھائی! اب یہ دیدار ہمارا آخری دیدار ہے کیونکہ ابھی میں نے اپنے جدِ بزرگوار اور پدرِ عالی مقام کو خواب میں دیکھا ہے کہ ایک طرف بہشت میں میرا ہاتھ تھامے وہ حضراتؑ ٹہل رہے ہیں اور جدِ نامدار مجھ سے فرماتے ہیں: 'اے فرزند! شاد ہو کہ دشمنوں کے ہاتھ سے تو نے رہائی پائی اور شب کو تو میرے پاس ہوگا'۔ دوسری طرف بہشت میں مَیں نے اپنی مادرِ گرامی کو دیکھا کہ بے حال و پریشان میری جدۂ معظمہ کے پاس کھڑی ہیں اور خازنانِ بہشت و حورانِ پاک سرشت صف بہ صف سامنے دست بستہ حاضر ہیں۔ مجھے دیکھ کر میری مادرِ معظمہ نے فرمایا: 'اے فرزند! یہ قصرِ زمردی تیرے واسطے آراستہ ہے۔ اے جانِ مادر! تو کل رات میرے پاس ہوگا'۔

پس اے بھائی! جب یہ خواب دیکھ کر میں بیدار ہوا تو اُس کوزے سے میں نے تھوڑا سا پانی پیا۔ اُس پانی نے حلق سے نیچے اُترتے ہی ناف تک کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے"۔

یہ سن کر امام حسینؑ نے چاہا کہ اُس پانی کا ذائقہ دریافت کریں۔ یہ دیکھتے ہی جنابِ زینبؑ بے اختیار ہو کر ایسا دوڑیں کہ گر پڑیں اور امام حسنؑ نے وہ کوزہ دستِ امام حسینؑ سے لے کر زمین پر پٹخ دیا۔

راوی کہتا ہے کہ زہر کی تاثیر سے زمین جوش کھانے لگی اور شق ہو گئی۔ امام حسنؑ دردِ جگر سے ایسے بیتاب تھے کہ کبھی بہنوں پر تکیہ کرتے تھے اور کبھی بھائیوں کی آغوش سے لپٹ جاتے تھے۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب طلوع ہوا، آپؑ نے قے کی تو باختلافِ روایات 70 یا 170 جگر کے ٹکڑے منہ سے طشت میں گرے۔ جب آفتاب بلند ہوا تو

رنگ مبارک مائل بہ سبزی ہو گیا۔

آپ نے اپنے بھائی سے پوچھا کہ میرے چہرے کا رنگ اس وقت کیسا ہے؟

امام حسینؑ نے عرض کی کہ آپ کا رنگ سبزی مائل ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے بھائی! اس وقت مجھے شب معراج کی حدیث یاد آئی یعنی جب جدِ نامدار شب معراج بہشت بریں تشریف لے گئے تھے تو دو قصر یاقوت و زمرد کے ملاحظہ فرمائے تھے۔ وہ ایک قصر زمردی میرا ہے کہ دمِ آخر میرا رنگ اُس قصر کے ہم رنگ ہو گیا اور دوسرا قصر یاقوت تمہارا ہے کہ تمہارا رنگ تمہارے خون سے گلنار ہو جائے گا''۔

اس کے بعد حضرتؑ نے دونوں ہاتھ گردنِ برادر میں ڈال دیئے اور دونوں بھائی منہ پر منہ رکھ کر بے اختیار زار زار رونے لگے اور تمام گھر میں بھی آپ حضرات کے رونے سے ہنگامۂ بکا برپا ہوا۔

پھر امام حسن علیہ السلام نے اہل بیتؑ طاہرین کو بلا کر ایک ایک کو الوداع فرمایا اور اپنی بہن جنابِ اُمِ کلثومؑ سے ارشاد فرمایا کہ میرے فرزند قاسمؑ کو بلا لاؤ۔ جب جنابِ قاسمؑ حاضر ہوئے تو آپؑ نے اپنے فرزند کو گلے سے لگایا اور رخساروں پر بوسے دے کر زار زار رونے لگے اور اُنؑ کا ہاتھ امام حسینؑ کے ہاتھ میں دے کر ارشاد فرمایا:

''اے بھائی! یہ اپنا فرزند تم کو سپرد کرتا ہوں، اس پر ہمیشہ نظر لطف رکھنا اور ہم نے فاطمہ کبریٰ کو اس سے نامزد کیا ہے، جب وہ وقت آئے تو اس کی امانت اس کو دے دینا''۔

یہ سن کر جنابِ امام حسینؑ نے عرض کی: ''اے بھائی! انشاء اللہ آپؑ کا یہ ارشاد بشرطِ امکان بجالاؤں گا''۔

مؤمنین! یقین ہے کہ جنابِ امام حسنؑ نے اپنے فرزند کو بھی یہ وصیت فرمائی ہو گی کہ اے فرزندِ مہ لقا! یاد رکھنا، اپنے چچا کو اپنا آقا اور امام سمجھنا اور جب کوئی مصیبت کا وقت تمہارے چچا مظلوم پر آئے تو اپنی جان کو عمِ نامدار پر نثار کرنا۔

الغرض اس بیان پر حرمِ رسولؐ خدا میں ایک شور و واویلا اور ہنگامہ برپا ہوا۔ امام حسین علیہ السلام نے رو کر عرض کیا: ''اے بھائی! آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟''

فرمایا: ''جس نے یہ کام کیا ہے، وہ اپنی سزا کو پہنچے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے روبرو وہ رسوا ہو''۔

پھر خلوت میں اسماء کو بلا کر فرمایا: ''اے ملعونہ! میں نے تجھ سے کیا برا سلوک کیا تھا کہ تو نے میرے بچوں کو یتیم کیا۔ میرے سامنے سے دُور ہو جا کہ تو اپنے مطلب کو نہ پہنچے گی۔ میں نے تیری اس حرکتِ بد کی اپنے بھائی کو خبر نہیں کی''۔

مؤمنین! جب شب 29 صفر آئی تو آپؑ کا حال دگرگوں ہو گیا اور بار بار بیہوش ہو جاتے تھے۔ ایک بار غش سے آنکھیں کھولیں اور تمام اہل بیتؑ کو حسرت سے ملاحظہ فرمایا اور سب پر آخری سلام بھیجا۔ امام حسین علیہ السلام سے فرمایا:

''اے بھائی! تمام بھائیوں اور بہنوں اور فرزندوں کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اگر انجانے میں ان سے کوئی تقصیر سرزد ہو تو ہماری خاطر معاف کرنا''۔

اس کے بعد کلمہ طیبہ زبانِ مبارک پر جاری کیا اور اشارہ آسمان کی طرف کر کے رحلت فرمائی۔

اہل بیتؑ میں گریہ و ماتم کا ایک کہرام برپا ہوا۔ منقول ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے امام حسینؑ سے یہ وصیت فرمائی تھی:

''اے بھائی! اگر خوفِ خونریزی نہ ہو تو میری میت کو نانا کے روضہ میں دفن کرنا ورنہ جنت البقیع میں دفن کرنا''۔

پس اپنے برادرِ مسموم کی وصیت کے مطابق جنابِ امام حسینؑ غسل و کفن کے بعد تمام بنی ہاشم کے ہمراہ تابوتِ مبارک لے کر جنابِ رسولؐ خدا کے روضہ مبارک کی طرف روانہ ہوئے۔ اُس وقت مروان بے ایمان نے ممانعت کی اور چند تیر اندازوں کو لے کر

سدِراہ ہوا اور تیر برسانے لگا۔

اُس وقت امام حسینؑ نے فرمایا: "بھائی کی وصیت سے مجبور ہوں ورنہ دشمنانِ دین کو اس کی کیفیت معلوم ہو جاتی"۔

جب لاشِ اطہر تابوت سے نکالی تو سات تیر جسدِ اقدس میں تابوت کو توڑ کر پیوست ہو گئے تھے۔ الغرض امامِ مسموم کی میت کو جنت البقیع میں دفن کیا اور سب بنی ہاشم نے قبرِ مطہر کے گرد حلقہ باندھ کر گریہ وزاری شروع کی۔

مؤمنین! جناب امام حسنؑ کی وفات کے بعد سات تیر جسمِ اطہر میں پیوست ہو گئے تھے۔ اُس پر امام حسن علیہ السلام کے بھائیوں نے رو رو کر اپنا حال تباہ کیا۔ آہ، آہ! کہاں تھے وہ برادرانِ خیر خواہ کہ روزِ عاشورا اپنے آقا اور بھائی جناب سید الشہداء علیہ السلام کو اس حال سے دیکھتے کہ شہادت کے بعد تابوت ہی تیروں کا میسر ہوا۔

منقول ہے کہ جب امامِ مظلوم نیزوں، تلواروں، خنجروں اور تیروں کے زخموں کی کثرت کی وجہ سے پشتِ زین سے زمین پر تشریف لائے تو اس قدر تیر جسمِ مبارک پر لگے ہوئے تھے کہ کئی ساعات جسدِ مطہر تیروں پر معلق رہا اور کچھ دیر کے بعد حضرتؑ زمین پر تشریف لا سکے تھے۔

چنانچہ امامِ صاحب العصر والزمان علیہ السلام اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں:

"اَلسَّلَامُ عَلَی مَنِ السِّہَامُ نَعْشُہٗ"

"سلام ہو اُس شہیدِ مظلوم پر جس کو تیروں کا تابوت نصیب ہوا"۔

مادرِ معاویہ کا خواب، امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی و بیانِ مصائب اور اہلِ بیتؑ کی مدینہ میں مراجعت

"رُوِیَ اَنَّ ھِنْدَاُمَّ مُعَاوِیَۃَ جَاءَ تْ اِلٰی دَارِ رَسُوْلِ اللّٰہِ عِنْدَالصُّبْحِ وَدَخَلَتْ وَجَلَسَتْ اِلٰی جَنْبِ عَایِشَۃَ"

روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک دن صبح معاویہ کی ماں ہندہ جنابِ رسولؐ خدا کے دولت سرا میں حاضر ہوئی اور حضرت عائشہؓ سے کہنے لگی: اے دُخترِ ابی بکر! میں نے رات کو ایک عجیب وغریب خواب دیکھا ہے، چاہتی ہوں کہ جنابِ رسولؐ خدا سے بیان کروں اور یہ ماجرا معاویہ کے اسلام لانے سے قبل کا ہے۔ عائشہ نے کہا کہ تو مجھ سے بیان کر، میں رسولؐ خدا سے ذکر کروں گی۔

"فَقَالَتْ اِنِّیْ رَأَیْتُ فِیْ نَوْمِیْ شَمْسًا مُشْرِقَۃً عَلَی الدُّنْیَا کُلِّھَا"

ہندہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ ایک آفتابِ تابندہ مہرِ درخشندہ آسمان پر بلند ہوا اور تمام عالم اُس کے نور سے روشن ہو گیا۔

"فَوَلَدَ مِنْ تِلْکَ الشَّمْسِ قَمَرٌ فَاَشْرَقَ نُوْرُہٗ عَلَی الدُّنْیَا"

پھر اُس آفتابِ جہاں تاب سے ایک چاند ظاہر ہوا کہ اُس کے نور سے ساری دُنیا منور ہو گئی۔ نور بالائے نور عالم میں زیادہ ہوا۔

"ثُمَّ وَلَدَ مِنْ ذٰلِکَ الْقَمَرِ نجْمَانِ زَاهِرَانِ قَدْ اَزْهَرَمِنْ نُوْرِهِمَاالْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ".

اس کے بعد دو ستارے تابندہ ظاہر ہوئے کہ اُن کے نور سے مشرق ومغرب روشن ہو گئے۔

"فَبَيْنَمَااَنَاكَذٰلِکَ اِذْبَدَتِ السَّحَابَةُ السَّوْدَآءُ مُظْلِمَةً كَاَنَّهَااللَّيْلُ الْمُظْلِمُ".

میں اُن سورج، چاند، ستاروں کو دیکھ رہی تھی کہ ایک طرف سے ابرِ سیاہ پیدا ہوا۔

'فَوُلِدَ مِنْ تِلْکَ السَّحَابَةِ السَّوْدَآءِ حَيَّةٌ رَقْطَاءُ'

اور اُس ابرِ سیاہ سے ایک دو رنگا سانپ ظاہر ہوا۔

"فَدَبَّتِ الْحَيَّةُ اِلَى النَّجْمَيْنِ فَابْتَلَعَتْهُمَا".

وہ سانپ اُن دونوں ستاروں کو نگل گیا۔

"فَجَعَلَ النَّاسُ يَبْكُوْنَ وَيَتَاَسَّفُوْنَ عَلَى ذٰلِکَ النَّجْمَيْنِ".

اُس وقت لوگوں کا عجب حال ہوا، بیقرار ہو کر اُن ستاروں کیلئے رونے اور افسوس کرنے لگے اور سر پر خاک اُڑانے لگے۔ ہر طرف عظیم ماتم برپا ہوا۔

حضرت عائشہؓ نے رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ خواب بیان کیا۔

"فَلَمَّاسَمِعَ النَّبِيُّ مِنْهَا تَغَيَّرَلَوْنُهُ وَاسْتَعْبَرَ".

جب وہ خواب آنحضرتؐ نے سنا، فرطِ غم سے رنگِ مبارک متغیر ہو گیا۔

"فَقَالَ عَايِشَةُ اَمَّاالشَّمْسُ الْمُشْرِقَةُ فَاَنَا".

آنحضرتؐ نے رو کر فرمایا: اے عائشہؓ! وہ آفتابِ جہاں تاب میں ہوں۔

"وَاَمَّاالْقَمَرُفَهُوَفَاطِمَةُ ابْنَتِيْ".

اور وہ ماہِ منیر میری لختِ جگر فاطمہ زہراؑ ہے۔

"وَاَمَّاالنَّجْمَانِ فَهُمَاالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ".

اور دونوں ستارے حسنینؑ میرے نواسے، میری آنکھوں کے تارے ہیں۔

"وَاَمَّاالسَّحَابَةُ السَّوْدَآءُ فَهُوَمُعَاوِيَةُ".

اور وہ ابرِ تاریک معاویہ پسرِ ہند ہے۔

"وَاَمَّاالْحَيَّةُ الرَّقْطَآءُ فَهُوَ يَزِيْدُ".

اور وہ ابلق سانپ یزید ہے کہ میرے فرزند پر حملہ آور ہوگا۔ جس وقت فاطمہؑ دُنیا سے رحلت فرما گئی ہوں گی اور علیؑ بھی جامِ شہادت نوش فرما چکے ہوں گے۔ اُس وقت لوگ میرے حسنینؑ کے دشمن بن جائیں گے، حتیٰ کہ حسنؑ کو بھی زہر سے شہید کریں گے۔ اس کے بعد میرے حسینؑ پر فوجوں کی چڑھائی ہوگی اور وہ مظلوم میرے روضہ سے جدا ہو کر دشمنوں کے ظلم وستم سے مکہ میں بھی آرام نہ پائے گا، یہاں تک کہ اعداء اُسے پیاسا شہید کریں گے۔ اس غم میں تمام محب اور شیعہ پریشان حال اور سوگوار ہوں گے اور اپنی جانیں قربان کریں گے۔

"فَاَشْفَعُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

"اے عائشہؓ! روزِ قیامت میں اُن شیعوں کی شفاعت کروں گا اور انہیں جنت میں داخل کروں گا"۔

مؤمنین کرام! جس کی خبر جنابِ رسالت مآبؐ نے دی تھی، جب وہ وقت آیا، معاویہ مر گیا اور یزید پلید تختِ نشین ہوا تھا تو اُس لعین نے ولید بن عتبہ والیِ مدینہ کو نامہ لکھا کہ حسینؑ بن علیؑ سے بیعت طلب کرنا۔ اگر انکارِ بیعت کریں تو اُن کا سرِ اقدس میرے پاس روانہ کرو۔

جس وقت جنابِ مظلومؑ کربلا حکمِ یزید سے مطلع ہوئے، ناچار مکہ کے سفر کیلئے

روضہ رسولِ مختار پر تشریف لائے۔

"وَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ".

"اور عرض کی: یارسول اللہ! آپ پر میرا سلام ہو"۔

"اَنَا الْحُسَيْنُ ابْنُ فَاطِمَةَ فَرْخُكَ وَابْنُ فَرْخَتِكَ".

"میں حسینؑ آپ کی بیٹی فاطمہؑ کا بیٹا ہوں"۔

تمام شب بیقرار ہو کر گریہ فرماتے رہے۔ صبح کے قریب آنکھ لگ گئی۔ رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھا کہ حضرتؐ تشریف لائے اور سینے سے لگا کر فرمایا: "بیٹا! میں عنقریب دیکھتا ہوں کہ تو زمینِ کربلا پر اپنے خون میں لوٹتا ہے"۔

امام حسینؑ نے عرض کی: "اے نانا جان! مجھے دُنیا کی کوئی حاجت نہیں، بس آپؐ مجھے اپنی قبر میں سلا لیں"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "ضروری ہے کہ تو جائے اور شہادت پائے کہ پروردگار نے تیرے لئے درجاتِ عالی مقرر فرمائے ہیں۔ اُن درجات کو نہ پہنچے گا جب تک کہ شہید نہ ہو جائے"۔

جب حضرت امام حسینؑ خواب سے بیدار ہوئے تو گھر تشریف لائے اور اسبابِ سفر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اپنے ہمراہ سب کو لے چلے، سوائے اپنی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ کے، کیونکہ وہ صاحبزادی بیمار تھیں، اُسے گھر میں چھوڑا۔

جب امام حسین علیہ السلام ذوالجناح پر سوار ہوئے اور سب عزیز و رفیق ہمراہ ہوئے تو درودیوار سے آواز "اَلرَّحِيْلُ اَلرَّحِيْلُ" کی بلند ہوئی۔

"فَلَمَّا اَرَادَ الْمَسِيْرَ تَبِعَتْهُ فَاطِمَةُ الصُّغْرٰى اِلٰى ظَاهِرِ الْمَدِيْنَةِ"

جب امام حسینؑ روانہ ہوئے، فاطمہ صغریٰ ضعف و ناتوانی کے باوجود عصا تھام کر گھر سے امامِ مظلوم کے پیچھے نکلیں۔ بخار کی شدت سے غش آجاتا تھا، پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ دو قدم چلتی تھیں، پھر بیٹھ جاتی تھیں۔

کسی نے امامؑ سے عرض کی کہ فاطمہ صغریٰ آپ کے پیچھے روتی چلی آتی ہیں۔

"فَبَكَى الْحُسَيْنُ بُكَاءً شَدِيْدًا"

امام حسینؑ بے اختیار رو دیئے اور آوازِ گریہ و زاری کی وہ ہائے اہلِ حرم سے بلند ہوئی۔ حضرتؑ نے جنابِ عباسؑ اور جنابِ علی اکبرؑ سے فرمایا کہ جاؤ اور میری پیاری بیٹی صغریٰ کو میرے پاس لے آؤ۔ جب بیٹی سامنے آئی تو امام حسینؑ باآوازِ بلند روئے۔ ادھر فاطمہ صغریٰ بیقرار ہو کر حضرتؑ کے دامن سے لپٹ گئیں اور گریہ فرمانے لگیں۔ کہنے لگیں:

"اے بابا! بیمار کے دل کو خالی گھر میں آپ کے بغیر کیسے صبر آئے گا؟"

حضرتؑ نے بیٹی کو بہت بیقرار پایا تو دلاسا دے کر فرمایا:

"يَافَاطِمَةُ اذْهَبِيْ اِلٰى دَارِكِ".

اے فاطمہ بیٹی! تو بیمار ہے، گھر جا کر آرام کر۔ انشاء اللہ جس وقت میں عراق کی سرزمین پر پہنچوں گا تو تیرے بھائی علی اکبرؑ اور چچا عباسؑ کو بھیج کر تجھے وطن سے بلوالوں گا۔

غرض حضرتؑ تسلی کے کلمات کہہ کر دوبارہ ذوالجناح پر سوار ہوئے۔ جب فاطمہ صغریٰ کو یقین ہوا کہ بابا مجھے ساتھ نہ لے جائیں گے تو صبر نہ کر سکی اور باآواز بلند گریہ فرمایا

"يَااَبَاهُ يَااَخَاهُ قِفُوْا سَاعَةً لِلضَّعِيْفَةِ الْعَلِيْلَةِ"

اے بابا جان، اے بھائی علی اکبرؑ! کچھ دیر توقف کرو کہ فاطمہ صغریٰ تمہاری زیارت کر لے اور علی اصغرؑ کو پیار کر کے وداع کرے۔

امامِ مظلوم نے رو کر فرمایا: اے عباسؑ! فاطمہ صغریٰ کہیں مر نہ جائے۔ اونٹوں کو بٹھا دو کہ فاطمہ پھر بہنوں اور اہلِ خانہ سے مل لے۔

آہ! جب ساربان اونٹ بٹھانے لگے تو بی بی شہر بانو اور بی بی زینبؑ نے اپنے آپ کو مارے بیتابی کے کجاووں سے گرا دیا۔ سب اہل حرم اُترے اور ہر ایک فاطمہ صغریٰؑ کو گلے لگا کر روتا تھا۔

جب بہنوں کی ملاقات کی باری آئی تو فاطمہؑ دوڑ کر سکینہؑ سے اس بیقراری سے لپٹیں اور روئیں کہ کسی کو دیکھنے کی تاب نہ رہی۔ مولا امام حسین علیہ السلام سے بھی نہ دیکھا گیا۔ دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے دُور جا کر کھڑے ہو گئے اور لشکرِ حسینؑ میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔

جب اہل بیتؑ نے بہت سمجھایا، اُس وقت فاطمہ صغریٰؑ نے فرمایا: میرے بھائی علی اصغرؑ کو میری گود میں دو کہ اُس سے وداع ہو لوں۔ جب چاہا کہ اصغرؑ کو فاطمہؑ کو دیں، اصغرؑ بہن کو دیکھ کر مسکرائے اور اس کی طرف لپکنے لگے۔ فاطمہؑ نے بھی بکمالِ اشتیاق دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے ننھے سے بھائی کو گود میں لیا اور مثل کلیجہ کے سینے سے لگایا۔

"ثُمَّ قَالَتْ لِلنِّسَآءِ اِمْضُوْا سَالِمِیْنَ بِحِفْظِ اللّٰہِ وَ یَبْقٰی اَخِیْ عِنْدِیْ".

پھر فاطمہ صغریٰؑ نے اہل حرم کو سوار ہونے کی اجازت دی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہونے کو کہا اور دعا دی کہ اللہ آپ کو خیر و عافیت سے پہنچائے اور کہا کہ اصغرؑ بھائی کو میرے پاس چھوڑ جایئے کہ یہ ابھی چھوٹا ہے، سفر کی سختی اور مشکلات برداشت نہ کر سکے گا۔

اہل حرم نے کہا: اے صغریٰؑ! یہ معصوم بغیر ماں کے کیسے جی پائے گا؟

صغریٰؑ نے کہا: میں ماں سے زیادہ اس کی خدمت کروں گی۔ اس کے گہوارے سے کبھی جدا نہ ہوں گی اور دودھ بھی زنانِ بنی ہاشم کا پلواؤں گی اور اس کیلئے رات بھر جاگوں گی۔ یہ تنہائی میں میرا مونس و غمخوار ہو گا۔

سب حیران و پریشان تھے۔ صغریٰؑ کی ماں گریہ فرماتی تھیں۔ بی بی صغریٰؑ ننھے علی

اصغرؑ کو سینے سے لپٹائے ہوئے تھیں اور کسی کی گود میں نہ دیتی تھیں۔ جب اہل حرم نے بہت سمجھایا، پیار کیا تو لاچار ہو کر فرمانے لگیں: اگر کسی کی گود میں چلا جائے تو لے جائیں۔ آپ زبردستی اصغرؑ کو مجھ سے نہ چھینیں۔ یہ سن کر ہر بی بی اصغرؑ کو لینے آتی تھی مگر وہ معصوم منہ پھیر کر بہن کے گلے سے چمٹ جاتا تھا۔ گویا اُس امام زادے کو معلوم تھا کہ پھر فاطمہ صغریٰؑ سے ملاقات نہ ہو گی کہ میں کربلا میں تیر کھا کر شہید ہو جاؤں گا۔

بہر حال اہل بیتؑ نے بڑی مشکل سے اُس صغیر کو فاطمہ صغریٰؑ کی گود سے لیا اور سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ فاطمہ صغریٰؑ نے اس قدر گریہ کیا کہ بیہوش ہو گئیں۔

"فَلَمَّا اَفَاقَتْ مَارَاَتْ اَحَدًا"

کافی دیر بعد جب غشی سے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ نہ فوج ہے، نہ سردار، نہ اکبرؑ ہے، نہ علمدارؑ ہے، نہ ہی سکینہؑ ہے اور نہ ہی ماں، نہ اصغرؑ اور پھوپھیاں ہیں۔ جنابِ اُم سلمیٰؓ نے آسرا دے کر اُٹھایا اور بمشکل اُس خانہ ویران و برباد تک پہنچایا۔

آہ! جب اُس بیمار کو وہ خالی گھر نظر آیا تو بیقرار ہو کر آواز دی۔ اے پھوپھی زینبؑ! آپ کہاں ہیں؟ اے پھوپھی اُم کلثومؑ! آپ کس حجرے میں ہیں؟ اے بھائی علی اکبرؑ! آپ کس ایوان میں تشریف فرما ہیں؟ جواب دیجئے۔

اُس دن سے فاطمہ صغریٰؑ عراق کے مسافروں کو یاد کر کے کبھی روضہ رسولؐ پر اور کبھی قبرِ بتولؑ پر رویا کرتی تھیں۔

فضائلِ حج، جبرئیلؑ کا امام حسینؑ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا، امامؑ کا حج سے محروم رہنا، منزلِ سوق اور جنابِ مسلمؑ کی شہادت کی خبر

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ"

صاحب خلاصۃ المنہج اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جنابِ رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ جو شخص سوار ہو کر حج کو جائے، جتنے قدم اُس کی سواری اُٹھائے، ہر قدم پر پروردگارِ عالم ستر نیکیاں اُس کے نامہ اعمال میں درج فرمائے گا اور جو شخص پیادہ حج کو جائے اور اعمالِ حج بجالائے، ہر قدم پر سات سو نیکیاں حسناتِ حرم سے پروردگارِ عالم عطا فرمائے گا۔

راوی نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! حسناتِ حرم سے کیا مراد ہے؟

فرمایا کہ ہر نیکی حسناتِ حرم کی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے جو سوائے حسناتِ حرم کے ہیں۔

دوسرے مقام پر پروردگارِ عالم اسی سورۃ میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ".

یعنی "یاد کرو نامِ خدا کو روزہائے معلومہ میں"۔

مفسرین نے روزہائے معلومہ سے مراد عشرۂ اوّل ذی الحجہ لیا ہے اور پھر اسی سورۃ میں حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ"

"جس شخص نے خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی، اُن کے قلوب رستگار اور مصفا و

پاکیزہ ہیں"۔

مؤمنین! وہ کون لوگ تھے جو فرزندِ رسولؐ کو خدا کی نشانیوں میں سے نہ سمجھے۔ تعظیم تو دُور کی بات ہے، جہاں حقیر سی چیز کو تکلیف پہنچانا ناجائز ہو، وہاں اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کردیں!!

ابن عباس فرماتے ہیں:

"رَاَیْتُ الْحُسَیْنَ قَبْلَ اَنْ یَتَوَجَّهَ اِلَی الْعِرَاقِ عَلٰی بَابِ الْكَعْبَةِ"

"میں نے امام حسینؑ کو کربلا کے سفر سے پہلے خانہ کعبہ میں دیکھا کہ آپؑ دروازۂ کعبہ پر کھڑے ہیں"۔

"وَكَفُّ جِبْرَئِیْلَ فِیْ كَفِّهٖ وَجِبْرَئِیْلُ یُنَادِیْ هَلُمُّوْا اِلٰی بَیْعَةِ اللّٰهِ".

"اور جبرئیلؑ امین کا ہاتھ فرزندِ رسولؐ کے ہاتھ میں ہے اور جبرئیلؑ ندا کرتے ہیں: اے لوگو! جس نے خدا کی بیعت کرنا ہو، وہ آ کر حسینؑ ابن علیؑ کی بیعت کرے کیونکہ انؑ کی بیعت خدا کی بیعت ہے"۔

کسی نے کہا: اے ابن عباس! تم کیوں شہادت کی سعادت سے محروم رہے؟

ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ میں نے حسینؑ کے ساتھیوں کے نام ایک خط میں لکھے ہوئے دیکھے تھے جو وہ سند بہشت سے آئی تھی۔ اُس میں میرا نام نہ تھا۔

مؤمنین! یہاں تو جبرئیلؑ امامِ عالی مقام کے حق میں یہ فرما رہے تھے اور منافقین اُمت کو یہ فکر تھی کہ کسی طرح فرزندِ رسولؐ کو خانۂ خدا میں ہی قتل کردیا جائے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس خیال سے کہ کہیں میرے قتل سے خانہ کعبہ کی حرمت برباد نہ ہو، حج کو عمرے میں تبدیل کیا، آٹھ ذی الحجہ کو عراق کی طرف روانہ

ہوئے اور 9 ذی الحجہ، جو ایامِ معلومات سے ہے، ان ایام میں پروردگارِ عالم عبادت کی تاکید فرماتا ہے، اہلِ کوفہ نے جنابِ مسلمؑ کو شہید کیا اور اُس مظلوم اور غریب کی لاش کو پاؤں میں رسی باندھ کر بازارِ کوفہ میں گھسیٹتے رہے۔

فرزندِ رسولِؐ خدا کو اس کی خبر نہیں دی گئی تھی کیونکہ آپؑ حضرت مسلمؑ کے بلانے پر کوفہ کی طرف آرہے تھے۔ جب منزلِ سوق پر پہنچے تو تمام قافلے سے جدا ہو کر ایک تنہا گوشے میں محزون و مغموم تشریف فرما تھے۔ اچانک ایک شخص کوفہ کی جانب سے نمودار ہوا۔ حضرتؑ نے اُس کے نزدیک جا کر پوچھا:

''اے شخص! تمہیں میرے بھائی مسلمؑ بن عقیلؑ کی بھی کچھ خبر ہے کہ وہ کس حال میں ہیں؟''

''فَبَكَى الرَّجُلُ وَرَمَى الْعِمَامَةَ عَنْ رَاسِهِ''.

جونہی اُس نے مسلمؑ بن عقیلؑ کا نام سنا، اپنا عمامہ سر سے پھینک دیا اور بے اختیار رو رو کر کہنے لگا:

''يَاسَيِّدِيْ مَاخَرَجْتُ مِنَ الْكُوْفَةِ حَتّٰى رَأَيْتُ هَانِيًا وَمُسْلِمًامَقْتُوْلَيْنِ''

''آپؑ اپنے بھائی کی کیا خبر پوچھتے ہیں، میں کوفہ میں موجود تھا کہ مسلمؑ اور ہانیؒ دونوں شہید ہوئے۔ اُن کے سر جدا کر کے یزید کی طرف بطورِ تحفہ روانہ کیے گئے''۔

''فَلَمَّاسَمِعَ ذٰلِكَ الْحُسَيْنُ بَكٰى بُكَآءً شَدِيْدًا''

''حضرت امام حسینؑ یہ خبر سنتے ہی دھاڑیں مار مار کر روئے اور کہا:

''اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ''.

اجل رسیدہ و من مبروم بکرب و بلا
گذشت نوبت مسلم رسید نوبت ما

اُن پر جو گزرنا تھا، گزر گیا اور ہم پر جو گزرنے والا ہے، وہ بھی ضرور گزرے گا۔

پھر اُس شخص سے فرمایا کہ اس خبر کو میرے لشکر میں ظاہر نہ کرنا کہ سب پریشان ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ غمگین اور ملول خیمہ میں تشریف لائے اور مسلمؑ کی گیارہ سالہ یتیم بیٹی رُقیہ کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ بچی قریب آئی تو دیکھتے ہی آپؑ بے اختیار رونے لگے اور زانو پر بٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور دونوں کانوں میں اپنے ہاتھوں سے گوشوارے پہنائے۔

''وَكَانَ يَمْسَحُ يَدَهُ الشَّرِيْفَ عَلٰى نَاصِيَتِهَاوَ رَاسِهَا''.

''اور بار بار اُس کی پیشانی اور سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے تھے''۔

''فَقَالَتْ يَاعَمِّ مَارَاَيْتُكَ قَبْلَ هٰذَالْيَوْمِ فَعَلْتَ بِيْ مِثْلَ مَافَعَلْتَ الْيَوْمَ''.

''وہ بچی بولی: اے چچا جان! آج کیا بات ہے، ایسی شفقت تو آپؑ میرے ساتھ کبھی نہ فرماتے تھے؟ ایسی عنایت تو کوئی کسی پر اُس وقت کرتا ہے جب اُس کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ جاتا ہے۔ کیا میں یتیم ہو گئی ہوں؟''

حضرتؑ کو ضبط کرنے کی سکت نہ رہی، نہایت شدت سے روئے۔

''قَالَتْ يَاابْنَتِيْ اَنَااَبُوْكِ وَبَنَاتِيْ اَخَوَاتُكِ''.

''فرمایا: اگرچہ تیرا بابا مسلمؑ شہید ہوا مگر حسینؑ تو زندہ ہے۔ آج سے مجھے اپنا باپ سمجھنا۔ تو میری بیٹی ہے اور میری بیٹیاں تیری بہنیں ہیں''۔

جب مسلمؑ کی بچی کو معلوم ہوا کہ یتیم ہو گئی ہے تو بے اختیار چلا چلا کر رونے لگی اور فرزندانِ مسلمؑ نے عمامے سر سے پھینک دیئے اور دھاڑیں مار مار کر روئے۔ حضرت امام حسینؑ نے اُنہیں بھی گلے سے لگایا اور کلماتِ تسلی و تشفی ارشاد فرمائے۔

مؤمنین کرام! غور کرنے کا مقام ہے۔ حضرت امامِ مظلوم نے تو مسلمؑ کی شہادت کی خبر سن کر اُنؑ کے یتیموں پر شفقت کی، دلاسا دے کر فرمایا کہ میں مسلمؑ کی جگہ ہوں۔ لیکن ایسے یتیم پرور کی شہادت کے بعد اُس کے یتیموں پر کسی نے رحم نہ کیا۔ کون تھا جس نے کہا ہو کہ میں باپ کی جگہ ہوں!

ایک بیمار فرزندؑ بچا، اُسے گلے میں طوق، پیروں میں بیڑیاں پہنا کر کھینچتے ہوئے خیمہ گاہ سے مقتل میں لائے۔ مسلمؑ کی بیٹی کو تو امام علیہ السلام نے گوشوارے پہنائے اور شفقت بھرا ہاتھ سر پر رکھا تھا، ہائے سکینہؑ کے کانوں سے دُر چھینے گئے، طمانچے مارے گئے۔ کوئی تسلی و تشفی دینے والا نہ تھا بلکہ دلاسے کے بدلے میں اذیتیں دیتے تھے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آپؑ کی بیٹی سکینہؑ جس کی عمر چار سال تھی، اپنے بابا کی بے سر لاش سے لپٹی فریاد کرتی تھی:

''بابا! آپؑ کے بعد ہم پر کیا کیا ظلم اور ستم ہوئے، خیمے جل گئے، ماؤں اور بہنوں کے سروں سے چادریں اُتر گئیں، بازوؤں میں رسیاں بندھیں۔ یتیم سمجھ کر کسی نے طمانچہ مارا اور کسی نے گوشوارے چھین لیے''۔

بیمارؑ کربلا فرماتے ہیں کہ ایک سنگدل نے چاہا کہ اُس بچی کو لاش سے جدا کرے مگر وہ بچی کسی طرح اپنے باپ کی لاش کو نہ چھوڑتی تھی۔ غصے میں آ کر اُس ملعون نے تازیانہ اُٹھایا کہ جس کے صدمے سے میری معصوم بہن تڑپ کر جدا ہوئی۔ اُس وقت میری آنکھوں میں خون اُتر آیا اور چاہا کہ اُس قوم کیلئے بددعا کروں مگر اپنے پدرِ بزرگوار کی وصیت یاد آ گئی اور صبر کر کے رہ گیا۔

فضائلِ گریہ، جنابِ رسولِؐ خدا، علی مرتضیٰؑ اور امام حسینؑ کا کربلا پہنچنا، زمین خریدنا اور بنی اسد سے وصیّت کرنا

"عَنِ الرِّضَاؑ قَالَ اِنَّ الْمُحَرَّمَ شَهْرٌ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يُحَرِّمُوْنَ فِيْهِ الْقِتَالَ"

''حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ ماہِ محرم وہ مہینہ تھا کہ کافر تک اُس میں جنگ و جدال حرام سمجھتے تھے''۔

"فَاسْتُحِلَّتْ دِمَائُنَا وَهُتِكَتْ حَرِيْمُنَا وَسُبِیَ فِيْهِ ذَرَارِيْنَا".

''اُس اُمتِ رسولؐ نے، جو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے، ہمارا خون حلال جانا اور ہماری ہتکِ حرمت کی اور دُخترانِ فاطمہؑ زہرا کو قید کیا۔ خیموں میں آگ لگائی اور ہمارے ساتھ نبیؐ کی نسبت سے رعایت نہ کی''۔

"اِنَّ يَوْمَ قَتْلِ الْحُسَيْنِ اَقْرَحَ جُفُوْنَنَا وَاَسْبَلَ دُمُوْعَنَا وَاَذَلَّ عَزِيْزَنَا".

''روزِ شہادتِ امام حسینؑ وہ دن ہے کہ ہماری آنکھیں زخمی ہو گئیں اور ہمارے آنسو بہے اور ہمارے عزیزوں کو ذلیل کیا گیا''۔

"يَا اَرْضَ كَرْبَلَاءَ اَوْرَثْتِنَا الْكَرْبَ وَالْبَلَاءَ"

''اے زمین کربلا! تو ہمارے غم و اندوہ اور مصیبت کی موجب بنی''۔

پس رونے والو! میری طرح حسینؑ پر آنسو بہاؤ۔

"لِاَنَّ الْبُكَاءَ عَلَيْهِ يَحُطُّ الذُّنُوْبَ الْعِظَامَ".

"کہ اُس مظلوم پر رونا کبیرہ گناہوں کو کم کرتا ہے"۔

منقول ہے کہ ایک جگہ آنحضرتؐ کا گھوڑا ٹھہر گیا۔

"فَبَكٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ بُكَاءً شَدِيْدًا وَاسْتَرْجَعَ".

آنحضرتؐ بہت زیادہ روئے اور "اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔

اصحابِ رسولؐ نے عرض کی: "یا حضرتؐ! اس مقام پر اس قدر رونے کا سبب کیا ہے؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا: "جبرئیلؑ نے مجھے ابھی خبر دی ہے کہ یہ وہی زمین ہے جس پر میرا نواسہ حسینؑ ذبح ہوگا اور اسی کا نام کربلا ہے"۔

"كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِلٰى مَصْرَعِهٖ وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِلٰى اَصْحَابِهٖ حَوْلَهٗ مَطْرُوْحِيْنَ".

"گویا اپنے نواسے کو دیکھتا ہوں کہ بے سر درمیان میں خاک پر پڑا ہے اور اردگرد عزیز و انصار ٹکڑے ٹکڑے خون میں غلطاں پڑے ہیں"۔

"وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى السَّبَايَا عَلٰى اَقْتَابِ الْمَطَايَا".

"اور گویا دیکھتا ہوں کہ میری نواسیاں اور عترت کو اونٹوں پر بٹھا کر اور حسینؑ کا سر نیزے پر بلند کر کے شام کو روانہ ہوئے ہیں اور میرے حسینؑ کا سر یزید پلید کیلئے بطور تحفہ لئے جاتے ہیں"۔

پس جو اُسے دیکھ کر خوش ہوگا، خدا اُسے جہنم میں داخل کرے گا۔

پھر آنحضرتؐ اُس سفر سے مغموم واپس لوٹے۔

امالی میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام جنگِ صفین کیلئے جا رہے تھے تو میں آپؑ کے ہمراہ تھا۔ جب زمین کربلا میں فرات کے قریب پہنچے تو

آپ نے رونا شروع کیا اور باآوازِ بلند پکارے: اے عباس! اس مقام کو پہچانتے ہو؟

میں نے عرض کی: مولا! نہیں پہچانتا۔

فرمایا: اگر میری طرح تم بھی اسے جانتے تو بغیر گریہ کے نہ گزرتے۔

پس جنابِ امیر علیہ السلام دیر تک روتے رہے، یہاں تک کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی اور سینہ اقدس پر بھی آنسو گرنے لگے۔ اس عالم میں یہ فرماتے تھے:

"آہ، آہ، مَالِيْ وَلِآلِ اَبِيْ سُفْيَانَ مَالِيْ وَلِآلِ حَرْبٍ حِزْبِ الشَّيْطَانِ".

"آہ، آہ! مجھے آلِ ابوسفیان اور آلِ حرب سے، کہ لشکرِ شیطان ہے، کیا کام؟"

"صَبْرًا يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ فَقَدْ لَقِيَ اَبُوْكَ بِمِثْلِ الَّذِيْ تَلْقٰى مِنْهُمْ".

"صبر کر اے ابوعبداللہ! کہ تیرے باپ کو وہ غم و اندوہ پہنچا جو تجھے ظالموں سے پہنچے گا"۔

پھر حضرتِ امیرؑ نماز پڑھ کر سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو فرمایا: اے پسر عباس! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کئی آدمی سفید علم لئے نازل ہوئے اور ایک خط اس زمین کے گرد کھینچا۔ میں نے دیکھا کہ اُس صحرا کے درختوں کی شاخیں جھک گئیں اور تازہ خون یہاں موج مارنے لگا۔

"وَكَاَنِّيْ بِالْحُسَيْنِ مُهْجَتِيْ وَفَرْخِيْ وَمُضْغَتِيْ قَدْ غَرِقَ فِيْهِ يَسْتَغِيْثُ فَلَا يُغَاثُ".

"اور اپنے جگر گوشہ اور پارۂ دل حسینؑ کو میں نے دیکھا کہ اُس خون کے دریا میں ڈوبتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور فریاد کرتا ہے مگر اُس کی فریاد پر کوئی نہیں پہنچتا"۔

اور وہ لوگ میرے حسینؑ سے کہتے ہیں: اے آلِ رسولؐ! صبر کرو کہ تم بدترین

مخلوق کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ یہ جنت تمہاری مشتاق ہے۔

اے اباعبداللہ! پھر وہ لوگ مجھے پرسہ دیتے ہیں۔

مؤمنین! گریہ کیجئے کہ یہ محرم کے وہ دن ہیں کہ خامس آلِ عبا اُس سرزمین پر پہنچ چکے ہیں اور ایسی مصیبتیں پیش آئیں کہ جن کو سب یاد کر کے روتے تھے۔

"وَكَانَ ذٰلِكَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ مِنَ الْمُحَرَّمِ"

محرم کی دو تاریخ کو جب امام حسینؑ کربلا میں داخل ہوئے تو آپؑ کا گھوڑا رُک گیا۔ حضرتؑ اُس گھوڑے سے اُتر کر دوسرے پر سوار ہوئے، اُس نے بھی قدم نہ اُٹھایا، اسی طرح مولا حسینؑ نے چھ گھوڑے تبدیل کئے، کوئی بھی نہ چلا۔

عربی کا شعر ہے:

فَقَالَ وَمَااسْمُ الْاَرْضِ فَاهُوَ بِكَرْبَلَا
هُوَالْمَقْصَدُالاقْصٰى مَنَاخُ رِكَابِنَا
فَقَالَ لَهَاشَانٌ خَطِيْرٌ مُعَظَّمٌ
بِذٰلِكَ اَدْرَانِي النَّبِيُّ الْمُكَرَّمُ

آپؑ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس زمین کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اسے نینوا کہتے ہیں۔ آپؑ نے پوچھا کہ اس کا کوئی اور بھی نام ہے؟ وہ بولے کہ اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ کربلا کا نام سنتے ہی امام حسین علیہ السلام گھوڑے سے اُتر پڑے اور فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جس کی خبر میرے نانا رسولؐ خدا نے دی ہے۔ اس کے بڑے مرتبے ہیں۔ بچپن سے میں اس کا مشتاق تھا۔ اسی زمین کے شوق میں گھر چھوڑ کر یہاں تک آیا ہوں۔

میرا سفر تمام ہوا۔ اب یہاں سے قیامت تک کہیں نہیں جاؤں گا۔

وَهٰذَامَقَامٌ قَدْ بَكٰى فِيْهِ خَيْلَمٌ
وَمِنْ قَبْلِهٖ نُوْحٌ وَحَوَّاوَآدَمُ

وَهٰذَامَقَامٌ فِيْهِ سَفْكُ دِمَآئِنَا
فَلَاضَيْرَ فَلْيُوْضَعْ هُنَالِكَ مُخَيَّمٌ

اور یہ وہ جگہ ہے جہاں جناب امیرؑ اور گزشتہ انبیائے کرام حضرت آدمؑ، حضرت حوا اور حضرت نوحؑ جیسے بزرگ بھی آئے۔ سب نے کچھ نہ کچھ صدمے اُٹھائے ہیں اور میری مصیبتوں کو یاد کر کے بے اختیار روئے ہیں۔ اسی جگہ ہمارے عزیز اور انصار مثل گوسفند قربانی ذبح کئے جائیں گے۔ قبروں کی جگہ یہی ہے۔ خیمے یہیں نصب کر دو۔

منقول ہے کہ اُس وقت ایک ایسی سرخ ہوا چلی اور غبار اُٹھا کہ اندھیرا ہو گیا۔ اہل بیتؑ یہ دیکھ کر مضطرب اور پریشان ہوئے اور عرض کی کہ یہ زمین کونسی ہے کہ اس مقام پر ہمارے دل دہلتے جاتے ہیں۔

امام حسینؑ نے تمام واقعہ بیان فرمایا۔ ایک عجیب طرح کا شور بلند ہوا، گویا وہی دن روزِ عاشور بن گیا۔ اس کے بعد آپؑ نے زمین کے مالکوں کو بلا کر فرمایا کہ مجھے اس زمین کی آب و ہوا بہت پسند آئی ہے۔ اگر تم ہمیں اسے فروخت کر دو تو ہم اسے بسائیں گے اور یہاں پر بود و باش اختیار کریں گے۔

انہوں نے عرض کیا: ''اے فرزندِ رسولؐ! ہم بھی حاضر ہیں اور یہ زمین بھی حاضر ہے لیکن اس زمین پر اکثر انبیاء اور اوصیاء مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ آپؑ بھی کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم پر بہت شاق اور ناگوار گزرے گا''۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ''تم نے تقاضائے محبت کے تحت جو مناسب تھا، ہمیں بتا دیا مگر میں اس لئے مجبور ہوں کہ جس روز سے خالق کائنات نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، اُسی دن سے اس صحرا کو ہمارا مسکن قرار دیا ہے۔ ضروری ہے کہ میں اسے آباد کروں''۔

غرض آپؑ نے چار میل تک کا علاقہ ساٹھ ہزار درہم میں خرید لیا۔ پھر فرمایا:

''تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ چند قبریں جو یہاں ہم غریبوں، بیکسوں اور بے وطنوں کی ہوں گی، انہیں بچا کر باقی میں زراعت کرنا مگر اس کی دو شرائط ہیں: اوّل یہ کہ جو میرا زائر یا شیعہ میری قبر کا نشان پوچھتا ہوا یہاں آئے تو اُسے مجھ تک پہنچا دینا اور اُن سے اخلاق سے پیش آنا، اس لئے کہ اکثر دُور دراز جگہوں سے ہماری زیارت کو حاضر ہوں گے اور بہت سے یہیں کی مجاوری اختیار کریں گے۔ بعض مرنے کے بعد بھی میرے جوار کو نہ چھوڑیں گے، یہاں کی خاک پر سجدہ کریں گے، آنکھوں سے لگائیں گے، بوسے دیں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ میرے زائر کو تین دن رات اپنا مہمان رکھنا۔ اُسے ہر طرح کا آرام دینا اور میرے زائر کو میرے جوار میں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دینا''۔

اُنہوں نے عرض کیا: ''ہمیں منظور ہے''۔

پس وہ زمیندار رُخصت ہوئے اور آپؑ خیمہ میں تشریف لے گئے۔ مگر افسوس کہ ابھی اُن مسافروں نے آرام نہ کیا تھا کہ کوفہ و شام کی فوجیں صحرائے کرب و بلا میں اُترنا شروع ہو گئیں اور آتے ہی اُن ملاعین نے پہلے فرات پر قبضہ کیا اور سادات کے خیمے وہاں سے ہٹا دیئے اور اہلِ بیتؑ پر پانی بند کر دیا۔

حضرت امام حسینؑ نے عمر سعد ملعون سے گفتگو کی اور فرمایا: ''میں تیرے پیغمبرؐ کا نواسا ہوں، ہماری خونریزی میں تیری دُنیا اور آخرت دونوں خراب ہوں گی''۔

مگر اُس ملعون نے حضرتؑ کے کلام کو قابلِ غور نہ سمجھا۔ جب آپؑ نے دیکھا کہ یہ ملعون مجھے ضرور شہید کریں گے تو بروایت 9 رمحرم کو جنابِ امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے ارشاد فرمایا: ''اے بھائی! یہ قوم جفا کار ضرور مجھے قتل کرے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ قومِ بنی اسد کو بلاؤ کہ انہیں کچھ وصیتیں کر دوں''۔

حسب الارشاد جنابِ عباس علیہ السلام اُس قوم کے پاس تشریف لے گئے اور

کچھ عورتوں، بچوں اور مردوں کو لے کر حاضر ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام نے آنکھوں میں آئے آنسو رومال جنابِ فاطمہؑ سے صاف کئے اور خیمہ سے برآمد ہوئے۔

فرمایا: ''اے بھائی! انہیں تین گروہوں میں تقسیم کرو۔ مردوں کو جدا، عورتوں کو علیحدہ ایک طرف اور بچوں کو الگ دوسری طرف''۔

حضرت عباسؑ نے تین جماعتوں میں انہیں جدا کر کے کھڑا کر دیا۔ پہلے امامؑ مردوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''اے قومِ بنی اسد! تمہارے نبیؐ کا نواسا تم سے ایک حاجت چاہتا ہے''۔ انہوں نے عرض کی کہ ارشاد فرمایئے۔

فرمایا: ''بھائیو! یہ قومِ جفا کار ہمارے خون کی پیاسی ہے۔ کل یقیناً مجھے اور میرے عزیزوں اور اصحاب کو قتل کر کے بے غسل و کفن کربلا کی گرم ریت پر چھوڑ دے گی اور اپنے مقتولوں کو دفن کر دے گی۔ ہمارے اہلِ بیتؑ کو قید کر کے اور ہم مظلوموں کے سروں کو نیزوں پر بلند کر کے شام روانہ ہو گی۔ کوئی وارث نہ رہے گا کہ ہماری لاشوں کو دفن کرے۔ اُس وقت حسینؑ تم سے یہ اُمید رکھتا ہے کہ ہمارے لاشوں کو دفن کرو''۔

اس کے بعد بنی اسد کی عورتوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''اگر تمہارے مرد حاکم کے خوف سے ہمارے لاشوں کو دفن کرنے میں تامل کریں تو تم انہیں غیرت دلا کر ہم بے یار و مددگاروں کے لاشے دفن کرنے پر آمادہ کرنا''۔

پھر اُس طرف متوجہ ہوئے جدھر بچے کھڑے تھے۔ اُن سے آبدیدہ ہو کر فرمایا:

''اے بچو! اگر تمہارے ماں باپ ہمارے دفن کرنے میں غفلت برتیں تو تم سب ایک ایک مٹھی خاک لے کر ہمارے بے سر لاشوں پر اتنی ڈالنا کہ ہم غریبوں کی لاشیں چھپ جائیں، اس لئے کہ بچوں سے کسی کو تعرض نہیں ہوتا''۔

جب بنی اسد نے یہ کلامِ غربت اور مظلومیت سنا تو بے اختیار رو پڑے اور شورِ گریہ بلند کیا۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، امام حسینؑ کا لشکرِ حُر کو سیراب کرنا اور جنابِ عباسؑ کا کنواں کھودنا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ زَيِّنُوْا مَجَالِسَكُمْ بِذِكْرِ فَضَائِلِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فَاِنَّ ذِكْرَهُ ذِكْرِيْ وَذِكْرِيْ ذِكْرُ اللّٰهِ".

"شفیعِ روزِ جزا جنابِ احمدِ مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مجالس کو ذکرِ فضائل علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے زینت دو کہ علیؑ کے فضائل کا ذکر میرا ذکر ہے اور میرا ذکر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر عبادت ہے"۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَعْرِفُ اللّٰهَ اِلَّا اَنَا وَعَلِيٌّ وَلَا يَعْرِفُنِيْ اِلَّا اللّٰهُ وَعَلِيٌّ وَلَا يَعْرِفُ عَلِيًّا اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَا"

"پھر جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: نہیں پہچانا کسی نے ذاتِ باری کو لیکن میں نے اور علیؑ نے اور نہیں پہچانا کسی نے مجھ کو مگر اللہ نے اور علیؑ نے اور نہیں پہچانا کسی نے علیؑ کو مگر اللہ نے اور میں نے"۔

"رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ اَنَّهُ قَالَ اَنَا شَجَرَةٌ وَفَاطِمَةُ فَرْعُهَا وَعَلِيٌّ لِقَاحُهَا وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ثَمَرَتُهَا وَشِيْعَتُنَا وَرَقُهَا"

"جنابِ پیغمبرِ خداؐ نے فرمایا کہ میں درخت کی مانند ہوں اور فاطمہؑ اُس کی شاخ اور علیؑ شگوفہ اور حسنینؑ میوے ہیں اور ہمارے شیعہ اُس درخت کے پتے ہیں"۔

فَالشَّجَرَةُ اَصْلُهَا فِيْ جَنَّةِ عَدْنٍ وَالْفَرْعُ وَ اللِّقَاحُ

وَالثَّمَرَةُ وَالْوَرَقُ فِي الْجَنَّةِ".

پس اُس کی جڑ جنتِ عدن میں ہے اور شاخ وشگوفہ، میوے اور پتے سب بہشت میں ہیں۔ یعنی روزِ قیامت ہم سب مع اپنے شیعوں کے بہشت میں داخل ہوں گے۔

مؤمنین کرام! انسان کی کیا مجال کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے فضائل اور فضائل اہل بیتِ نبوت کو احاطہ کر سکے۔

"رَوَى الْمُحَقِّقُ الْمَجْلِسِيُّ فِي الْبِحَارِ بِاِسْنَادِهٖ عَنْ نَضْرِ بْنِ مُزَاحِمٍ لَمَّا ارْتَحَلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْمَدَائِنِ وَبَلَغَ وَقْتَ الْعَصْرِ فِي الْبَيْدَاءِ الْخَالِيْ عَنِ الْمَاءِ وَالْحَشِيْشِ نَزَلَ عَنْ نَاقَتِهٖ وَاَمَرَ بِنَصْبِ الْخِيَامِ".

کتاب بحار الانوار میں نضر بن مزاحم سے منقول ہے کہ جب جنابِ امیرؑ نے مدائن سے کوچ کیا تو وقتِ عصر ایک بے آب وگیاہ صحرا میں رونق افروز ہوئے اور حکم فرمایا کہ لشکر یہیں اتر جائے اور یہاں خیمے نصب ہوں۔ مگر حضرتِ امیر علیہ السلام کا تمام لشکر ایسے بے آب وگیاہ صحرا میں قیام کرنے پر سخت متعجب تھا۔ جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی اور حضرت علی علیہ السلام نے وہاں سے کوچ نہ فرمایا، اُس وقت عدی بن حاتم نے عرض کی:

آپ پر میرے ماں باپ قربان، مولاؑ! کیا سبب ہے کہ آپ نے ایسے صحرا میں قیام فرمایا ہے، جس میں مطلق آب وگیاہ کا نام نہیں ہے؟

جنابِ امیر المؤمنینؑ اُس وقت تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول تھے۔ فرمایا کہ خاموش رہو، اور مزید کچھ نہ فرمایا۔

جب سورج بلند ہوا تو چند جاں نثاروں نے متفقہ عرض کی: اے آقا! اگر اس صحرا میں اس سے زیادہ قیام ہوگا تو لشکر پیاس سے ہلاک ہو جائے گا۔

آپؑ نے فرمایا کہ میرے نورِ نظر حسینؑ کو بلاؤ۔ جب امام حسینؑ حاضر ہوئے:

"وَكَانَ بِيَدِهٖ عَصَا يَتَّكِئُ عَلَيْهِ قَائِمًا وَكَانَ مِنْ عَادَتِهٖ اَنَّ اَبَاهُ مَالَمْ يَلْتَفِتُ اِلَيْهِ لَمْ يَنْطِقُ بِحَرْفٍ وَاحِدٍ تَعْظِيْمًا وَاِجْلَالًا لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ".

اُس وقت ایک عصا دستِ مبارک جنابِ امام حسینؑ میں تھا اور آپؑ کی یہ عادت تھی کہ جب تک حیدرِ کرار آپؑ کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے، ازراہِ تعظیم سامنے ساکت کھڑے رہتے تھے۔

کمیل بن زیاد نخعی جو امیر المؤمنین علیہ السلام کے اصحابِ خاص میں سے تھے، عرض کی:

"يَا اَمِيْرَ كُلِّ اَمِيْرٍ اِنَّ الْحُسَيْنَ نُوْرَ حَدْقَةِ عَيْنَيْكَ حَاضِرٌ وَمَا تَاْمُرُهٗ لِلْجُلُوْسِ".

"اے تمام امیروں کے امیرؑ! آپؑ کی آنکھوں کا نور حسینؑ کافی دیر سے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہے، آپؑ نے کیوں یاد فرمایا ہے؟"

"فَقَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلْحُسَيْنِ يَا نُوْرَ اللّٰهِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ اسْقِ هٰذِهِ الْعَسَاكِرَ كُلَّهَا فَقَالَ الْحُسَيْنُ سَمْعًا وَطَاعَةً".

جنابِ امیر علیہ السلام نے اپنا سرِ مبارک بلند کر کے فرمایا: اے حسینؑ، نورِ ربّ المشرقین! تمام لشکر پیاس سے ہلاک ہوتا ہے، سیراب کرو۔

آپؑ نے، جو عصا دستِ مبارک میں تھا، اُسے زمین میں گاڑ دیا۔

میں معجزۂ امام حسینؑ پر قربان، وہ عصا فوراً درختِ طوبیٰ کی طرح بڑھ کر تمام لشکر پر سایہ فگن ہوا اور ثمر آور ہوا۔ درخت کے نیچے ایک چشمہ جاری ہوا اور اُس سے بہت سی نہریں

رواں ہوئیں اور لشکر کی ہر جانب بہنے لگیں۔

قدرتِ خدا اور اعجازِ امامؑ سے اُس درخت پر مختلف انواع و اقسام کے میوے پیدا ہوئے۔ تمام لشکر نے پیٹ بھر کر کھائے اور پانی پیا۔ اس کے علاوہ میوے جمع کر لئے اور مشکوں کو پانی سے بھر لیا۔ اس کے بعد ساقیِ کوثرؑ لشکر کے ہمراہ اُس صحرا سے روانہ ہوئے۔ وہ درخت بھی ساتھ چلنے لگا۔ اس اعجاز سے تمام لشکر متعجب تھا۔

جنابِ امیر علیہ السلام نے فرمایا: "اے فرزند! عصا زمین سے نکال لو"۔

امام حسین علیہ السلام نے عصا نکال لیا۔ پس وہ درخت، نہریں اور چشمہ غائب ہو گیا۔ سارے لشکر میں صدائے تکبیر و تہلیل بلند ہوئی۔

مؤمنین کرام! اس کی کیا وجہ تھی کہ جنابِ امیرؑ نے امام حسینؑ سے فوج کو سیراب کرنے کیلئے فرمایا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس فوج میں اہلِ کوفہ بہت تھے۔ اپنے فرزندؑ کے وقتِ شہادت کو خیال کرتے ہوئے آپؑ نے چاہا کہ اُسی حسینؑ کے ہاتھ سے اِن کوفیوں کو سیراب کروائیں۔ شاید اتنے آدمیوں میں سے کسی کو یہ احسان یاد رہے اور جب میرا نورُالعین پیاس کی شدت سے صحرائے کربلا میں اپنی زبان ہونٹوں پر پھیرے تو کوئی رحم کھا کر پانی پلا دے۔

یہ احسان تو سیدُالشہداءؑ نے اپنے شفیق بابا کے کہنے پر کیا تھا۔ ایک دن خود مظلومِ کربلاؑ نے انہی کوفیوں کے ساتھ احسان کیا۔ چنانچہ حدیثِ صحیح میں وارد ہے کہ جب امامؑ نے انہی کوفیوں کے بلانے پر عراق کا سفر اختیار کیا اور راستے میں حُر امام حسین علیہ السلام کے مقابل آیا، اُس وقت حر کی فوج کا پیاس کی شدت سے برا حال تھا۔ ہر شخص پیاس کی شدت سے نڈھال تھا اور گھوڑوں کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ جب یہ آثارِ تشنگی فرزندِ ساقیِ کوثرؑ نے دیکھے تو بیتاب ہو کر فرمایا:

"ان کی اور ان کے گھوڑوں کی پیاس دیکھتے ہو، انہیں سیراب کرو"۔

اس کے بعد خود حضرت امام حسینؑ ، جناب عباسؑ اور جناب علی اکبرؑ پانی پلانے میں مشغول ہوئے۔ حضرتؑ کے اصحاب بڑے بڑے پانی سے بھرے برتن کوفیوں کے گھوڑوں کے آگے لے جاتے تھے اور جب جانور سیراب ہو کر پانی سے منہ موڑ لیتے، تب دوسرے گھوڑوں کے پاس لے جاتے، یہاں تک کہ جتنا پانی منزل شراف سے لیا تھا، سب ختم ہو گیا۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے:

"هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ"

فرمایا ہے۔ کوفی مسلمان بھی تھے اور قاریٔ قرآن بھی تھے۔ امامِ مظلوم کے اُن پر احسانات بھی تھے اور انہوں نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو مہمان بھی بلایا تھا:

از آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں
خوش داشتند حرمت مہمانِ کربلا

بودند دیو و دد ہمہ سیراب و می مکید
خاتم ز قحط آب سلیمانؑ کربلا

حالانکہ نہر فرات جناب فاطمہؑ کی مہر تھی اور سامنے فرات موجیں مار رہا تھا مگر پانی کا ایک قطرہ اُس مظلومؑ کو کسی ظالم نے نہ دیا اور چھوٹے چھوٹے بچے خیموں میں العطش العطش کی صدائیں بلند کرتے رہے اور خالی کوزے ہاتھوں میں لئے اصحاب کے خیموں میں جاتے تھے۔

امام حسین علیہ السلام نے بچوں کی بیتابی دیکھ کر بیقرار ہو کر فرمایا: "اے بھائی عباسؑ! اب بچوں کا اضطراب دیکھا نہیں جاتا، اصحاب کو جمع کر کے کنواں کھودو۔ امام حسینؑ کے ارشاد پر عباسؑ کنواں کھودنے میں مشغول ہوئے۔ سب بچے اُس کنویں پر جمع ہو گئے۔ جب یہ خبر اشقیاء نے سنی، گروہ در گروہ دوڑے آئے اور کنویں کو بند کر دیا۔ حتیٰ کہ چار کنویں

کھودے گئے اور اُن ظالموں نے بند کر دیئے۔

پس جب پانچواں کنواں کھدا اور اُس میں سے پانی نکلا، بی بی سکینہؑ ہاتھ میں کوزہ لئے دوڑیں اور چچا کو پکارا:

"يَا عَمَّاهُ اسْقِنِیْ شَرْبَةً مِنَ الْمَآءِ".

"اے چچا! تھوڑا پانی مجھے پلایئے"۔

"فَقَدْ نَشِفَتْ كَبِدِیْ مِنْ شِدَّةِ الظَّمَآءِ".

"کہ پیاس کے مارے میرا دل جل گیا ہے"۔

جناب عباسؑ بہت روئے اور پہلے سکینہؑ کو پانی کا پیالہ بھر کر دیا۔ جونہی اُس معصومہؑ نے جام لبوں سے لگایا، دفعتاً وہ ملعون شور کرتے آپہنچے۔ وہ معصومہؑ اُن ملعونوں کے خوف سے روتی ہوئی خیمہ کی طرف دوڑی اور اُس شہزادیؑ کا پاؤں خیمے کی طناب سے اُلجھ گیا اور بچی منہ کے بل زمین پر گر پڑی اور سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔

اُس وقت بچی جناب زینبؑ کو دیکھ کر رونے لگی اور بکمال حسرت دیاس فرمایا:

"اے پھوپھی جان! آپ نے دیکھا کہ پانی آ کر ہاتھ سے جاتا رہا"۔

مؤمنین! اُس بچی کی حسرت بھری بات سن کر جناب زینبؑ بھی رو پڑیں اور بیتاب ہو کر بھتیجی کو گلے سے لگا لیا کیونکہ شہزادیؑ کو بین کا چارہ نہ تھا۔

معجزاتِ امام حسینؑ، ضعیفہ کو زندہ کرنا، دُعائے باراں، کربلا میں پہنچنا، فوجوں کا آنا، پانی بند ہونا اور بُریر ہمدانی کا پانی لانا

''رُوِیَ اَنَّ رَجُلًا یُسَمّٰی عَبْدُالرَّحْمٰنِ کَانَ مُعَلِّمًا لِاَوْلَادِالْمَدِیْنَۃِ فَعَلَّمَ وَلَدَالْحُسَیْنِ یُقَالُ لَہٗ جَعْفَرٌ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ''۔

علامہ محمد باقر مجلسی کتاب ''بحارالانوار'' میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص عبدالرحمٰن جو معلم تھا اور عرب کے بچوں کو مدینہ میں پڑھاتا تھا۔ حضرت امام حسینؑ کے ایک فرزند کو، جس کا نام جعفر تھا، اُس نے پڑھایا ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ''۔ جب صاحبزادے نے حضرتؑ کے سامنے پڑھا تو حضرت امام حسینؑ نے معلم کو بلایا اور اُسے ہزار دینار اور ہزار خلعے عنایت فرمائے اور اُس معلم کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔

کسی نے عرض کی کہ یا حضرتؑ! آپؑ نے اس پڑھانے کے عوض بہت زیادہ عنایت کیا؟

امامؑ نے ارشاد فرمایا: ''میرا عطیہ اُس کے ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ '' کے سکھانے کے کہاں برابر ہوسکتا ہے؟

یحیٰی بن اُمّ الطویل کہتا ہے کہ ایک روز میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھا:

''اِذْدَخَلَ عَلَیْہِ شَابٌّ یَبْکِیْ''۔

اچانک ایک جوان روتا ہوا امامؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی:

''یا حضرتؑ! میری ماں وفات پاگئی ہے اور مال چھوڑ گئی ہے لیکن اُس مال کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی''۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ''اُٹھو، اُس مؤمنہ کے گھر چلیں''۔

جب حضرتؑ وہاں پہنچے تو دروازے پر کھڑے ہوکر ہاتھ قاضی الحاجات کی بارگاہ میں اُٹھا کر دعا کی:

''خداوندا! دوبارہ حکم فرما کہ اس مؤمنہ کی روح جسم میں داخل ہوتا کہ جو وصیت اُسے کرنا ہو، کرلے''۔

وہ ضعیفہ فوراً زندہ ہوئی اور کلمہ طیبہ پڑھتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔ اُس ضعیفہ نے عرض کی:

''اے مولاؑ! آپؑ اس فقیر خانہ میں تشریف لائے، اگر اجازت ہو تو جو مجھے کہنا ہے، عرض کروں؟''

امامؑ نے فرمایا: ''جو تجھے عرض کرنا ہو، وہ کر''۔

اُس نے عرض کی: ''یا حضرتؑ! میرے مال کے تین حصے تو آپؑ کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں، خرچ فرمائیں اور دوثلث مال میرے اس بیٹے کا ہے، اگر یہ آپؑ کا سچا محب ہو اور اگر یہ آپؑ کا مخالف ہو تو یہ مال بھی حضور کا ہے، جسے چاہیں، اُسے عنایت کریں۔ اس لئے کہ مؤمن کے مال میں مخالف کا کوئی حق نہیں''۔

پھر عرض کی: ''یا حضرتؑ! آپؑ میری نمازِ جنازہ پڑھائیں اور میری تجہیز و تکفین بھی کریں''۔

یہ کہہ کر وہ عورت مرگئی۔

''وَعَنِ الصَّادِقِ اَنَّہٗ قَالَ جَاءَ اَھْلُ الْکُوْفَۃِ اِلٰی عَلِیٍّ فَشَکُوْااِمْسَاکَ الْمَطَرِ''

عیونُ المعجزات میں جناب صادق آلِ محمدؐ سے منقول ہے کہ ایک بار اہل کوفہ

جنابِ امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارشوں کی کمی کی شکایت کی اور عرض کی: "یا مولاؑ! دُعا کیجئے کہ بارانِ رحمت ہو"۔

"فَقَالَ لِلْحُسَیْنِ قُمْ وَاسْتَسْقِ".

پس حضرت علی علیہ السلام نے فرزندِ رسولؐ الثقلین امام حسینؑ سے فرمایا کہ اے فرزند! اہلِ کوفہ کیلئے پروردگار سے بارانِ رحمت طلب کرو۔

"فَقَامَ وَحَمِدَاللّٰهَ وَصَلّٰی".

امام حسین علیہ السلام بابا کا ارشاد سنتے ہی اُٹھے اور نماز پڑھی اور ایک خطبہ جو حمد اور نعت پر مشتمل تھا، پڑھا اور اپنے ہاتھ دُعا کیلئے بلند فرمائے:

"اے نیکیوں کے عطا کرنے والے اور اے برکتوں کے نازل کرنے والے! ہم پر ایسا بارانِ رحمت نازل فرما جو تمام شہروں کو سیراب کرے۔ ایسا باران جس کے سبب تو اپنے بندوں سے ضعف و ناتوانی کو زائل کرے اور اُس کی برکت سے مردہ زمین کو زندہ فرما"۔

ابھی یہ دُعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ ایک بادل کا ٹکڑا نمودار ہو کر برسنے لگا۔ ایک اعرابی کوفہ کے نواحی علاقہ سے آیا اور خبر دی کہ میں نے تمام جھیلیں اور تالاب پانی سے لبریز اور موجیں مارتے ہوئے دیکھے ہیں۔

عربی کا شعر ہے:

قَوْمٌ بِهِمْ مَطَرَ السَّمَآءُ وَاِنَّهُمْ
ذُبِحُوْا عِطَاشًا لَمْ يُصِبْهُمْ مَآءٌ

مؤمنین! جس حسینؑ ابن علیؑ کے یہ احسانات خلقِ خدا پر ہوں اور خصوصاً اہلِ کوفہ پر، افسوس! انہی کوفیوں نے اُس برگزیدۂ خدا سے اُن احسانات کے بدلے میں یہ سلوک کیا کہ جب وہ جنابؑ اُن کے بلانے پر کربلا کی زمین پر تشریف لائے تو اُنؑ کے قتل پر کمر

باندھی اور حضرتؑ کو پیاسا شہید کیا۔

منقول ہے کہ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ دو محرم کو امام حسینؑ کربلا پہنچ گئے ہیں تو اس ملعون نے ایک خط حضرت امام حسینؑ کو لکھا:

"مجھے یزید کا حکم آیا ہے کہ یا تو حسینؑ سے بیعت لو ورنہ جنگ و جدال کرو"۔

حضرتؑ نے اُس خط کو پڑھ کر پھینک دیا۔ جب قاصد اُس خط کا جواب لینے آیا تو فرمایا کہ اس کا جواب سوائے کلمۂ عذاب کے اور کچھ نہیں۔

امام حسین علیہ السلام کا یہ جواب پا کر وہ دشمنِ خدا بہت برافروختہ ہوا اور عمر سعد کو بلا کر لالچ دے کر امامؑ کے قتل پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ جب ابن زیاد نے 20 سال رَے کی حکومت کرنے کا لالچ دیا، تب ابن سعد نے ایک رات کی مہلت طلب کی اور کامل سے، جو کہ ولائے علیؑ رکھتا تھا، مشورہ طلب کیا۔

اُس نے بہت سمجھایا کہ تو اپنے آپ کو خونِ امام حسینؑ میں آلودہ نہ کر دینا۔ یہ زندگی چند روزہ ہے، کل قیامت کے دن جنابِ رسولؐ خدا، علی مرتضیٰؑ اور جنابِ فاطمہ زہراؑ کو کیا جواب دے گا؟ حتیٰ کہ عمر سعد کے ایک بیٹے نے بھی منع کیا لیکن اُس نے قبول نہ کیا۔

صبح کو ابن زیاد سے کہا کہ مجھے تیری خوشی منظور ہے۔ پس ابن زیاد ملعون نے پانچ ہزار جرار سواروں کے ہمراہ پسر عمر سعد کو کربلا روانہ کیا۔ اس کے بعد محمد بن اشعث چار ہزار سواروں کے ہمراہ روانہ ہوا اور شبث بن ربعی چار ہزار سواروں کا تیسرا دستہ لے کر کربلا روانہ ہوا۔ حصین بن نمیر ملعون چار ہزار سواروں کے ہمراہ امام حسینؑ کا راستہ روکنے کیلئے روانہ ہوا۔

پھر ایک مظلوم کے قتل کے واسطے بالترتیب فوجیں آنا شروع ہوئیں۔ چنانچہ شمر بن ذی الجوشن چار ہزار سواروں کی جمعیت، ابن رکاب دو ہزار سوار لے کر اور عامر بن خزیمہ چھ ہزار سوار، خولی کے ساتھ تین ہزار اور سنان ابن انس کے ہمراہ چار ہزار سوار۔ اسی طرح

عروہ بن قیس دو ہزار اور ابوقدار الباہلی نو ہزار سوار لے کر، یہ سب ملاعین کربلا داخل ہوئے۔

یہاں تک کہ محرم کی ساتویں تاریخ تک ستر ہزار اشقیاء جمع ہوئے اور اُن میں دس ہزار فقط تیرانداز تھے اور اس میں کوئی شامی، حجازی اور بصری نہ تھا، یہ سب ملعون کوفی تھے۔

اس کے بعد عاشور تک کئی لاکھ فوج جمع ہوئی اور کربلا کی زمین بھر گئی۔ امامؑ مظلوم کے ہمراہ فقط 72 عزیز و اصحاب تھے۔ عمر سعد ملعون نے آتے ہی عمرو بن الحجاج کو نہر فرات پر متعین کیا کہ ایک قطرہ پانی کا خیام امامؑ تک نہ جانے پائے۔

جب امامؑ مظلوم نے فوج کی یہ کثرت ملاحظہ فرمائی تو پوچھا کہ یہ فوجیں کہاں سے آئی ہیں اور کس سے لڑنا چاہتی ہیں؟

لوگوں نے عرض کی: یا ابن رسولؐ اللہ! یہ یزید کا لشکر ہے۔ ابن زیاد نے آپ سے لڑنے کیلئے بھیجا ہے۔

مؤمنین! اس وقت حضرتؑ کا کیا حال ہوگا اور کیا صدمے دل پر گزرے ہوں گے! الغرض جب امامؑ پر پانی بند ہوا تو چھوٹے چھوٹے بچے خالی کوزے لئے العطش العطش کا شور بلند کرنے لگے۔

"قَالَ الشَّيْخُ الْاَجَلُّ ابْنُ نَمَا عَنْ سَكِينَه بِنْتُ الْحُسَيْنِؑ"

ابن نما نے جناب سکینہؑ سے روایت کی ہے کہ وہ مظلومہؑ فرماتی ہیں کہ ہمارے خیمہ میں نویں محرم کو پانی بالکل ختم ہوگیا اور پیاس کی شدت سے عجب حال ہوا۔ جب پیاس سے تمام بچے پریشان ہوئے، میں اپنی پھوپھی جنابِ زینبؑ کے پاس گئی کہ انہیں اپنی پیاس سے آگاہ کروں۔ لیکن پھوپھی کو خیمے میں عجب حال میں پایا:

"فِيْ حِجْرِهَا اَخِيْ رَضِيْعٌ وَهِيَ تَارَةً تَقُوْمُ وَتَارَةً تَقْعُدُ وَهُوَ يَضْطَرِبُ اِضْطِرَابَ السَّمَكِ وَ

يَصْرَخُ".

کہ آپؑ کی گود میں میرا چھوٹا بھائی علی اصغرؑ ہے اور وہ اُس کی بیتابی سے کبھی کھڑی ہوتی ہیں، کبھی بیٹھ جاتی ہیں اور علی اصغرؑ پیاس سے مثل ماہی بے آب تڑپتا ہے اور روتا ہے۔ آپؑ فرماتی ہیں: صبر کر، صبر کر اے بھتیجے! بہت دُشوار ہے تیری پھوپھی پر کہ تجھے اِس حال میں دیکھے اور پانی کی کچھ تدبیر نہ کر سکے۔

جب میں نے یہ سنا تو علی اصغرؑ کے حال پر چیخ مار کر رونے لگی۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: اے سکینہؑ! تو کیوں روتی ہے؟

میں نے کہا علی اصغرؑ کے حال پر۔ اپنی پیاس سے آگاہ نہ کیا کہ اس کا رنج اور زیادہ ہوگا۔ پھر میں نے عرض کی اے پھوپھی! انصار کہاں ہیں؟ اُن میں سے کسی کو بھیجئے، شاید کچھ پانی مل جائے۔

وہ صاحبزادیؑ فرماتی ہیں کہ میں نے اصغرؑ کو اُن کی گود سے لے لیا اور اپنے چچا کے خیمہ میں گئی۔ وہاں بھی پانی نہ پایا۔ خالی پھری اور وہاں کے بعض بچے اس اُمید پر میرے پیچھے پیچھے چلے کہ شاید میں پانی پاؤں تو ان کو بھی پلاؤں۔ پھر آ کر اولادِ امام حسینؑ کے خیمہ میں بیٹھی اور اصحاب کے خیمہ میں کسی کو بھیجا کہ شاید وہاں پانی ملے۔ وہاں بھی نہ ملا۔ جب سب طرف سے نااُمید ہوئی تو اپنے خیمہ میں چلی اور میرے ساتھ تقریباً 20 بچے اور بچیاں تھیں۔

ہم سب رونے لگے اور واویلا کرنے لگے۔ افسوس! ہم لوگ جان سے مر جائیں گے اور پانی نہ ملے گا۔ ناگاہ اُدھر سے بریر ہمدانی، میرے والد بزرگوار کے صحابی گزرے اور ہم بچوں کا یہ حال و اضطراب دیکھ کر روتے روتے زمین پر گر پڑے اور خاک سر پر ڈالنے لگے۔

"وَنَادٰى يَا اَصْحَابِيْ مَا عِنْدَكُمْ مِنَ الرَّاْىِ

"اَیَسُرُّکُمْ اَنْ نَمُوْتَ بَنَاتُ فَاطِمَةَ عَطْشَانًا فِیْ اَیْدِیْنَا"

اور رو رو کر پکارے: "اے اصحاب! تمہاری رائے کیا ہے؟ آیا تمہیں آسان معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں پیاس سے مرجائیں، حالانکہ ہمارے ہاتھوں میں تلواروں کے قبضے ہیں۔ قسم بخدا کہ ان بچوں کے بعد ہم لوگوں کی زندگی ہیچ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اپنی جانوں کو ان پر نثار کریں۔

اے اصحاب! تم لوگ ایک ایک بچہ کا ہاتھ پکڑ کر دریا پر لے چلو قبل اس کے کہ یہ پیاس سے ہلاک ہوں"۔

یحیٰی بن مازنی نے کہا کہ وہ ظالم قتال پر آمادہ ہیں۔ اگر کوئی تیر یا نیزہ ان بچوں کو لگا تو گویا ہم ان کی موت کا سبب ہوں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ ایک مشک پانی ان بچوں کیلئے کسی طرح بھر لائیں۔ اگر وہ ملاعین ہم سے لڑیں گے تو ہم بھی اُن سے لڑیں گے۔

"وَاِنْ قُتِلَ مِنَّا اَحَدٌ یَکُوْنَ فِدَاءً لِبَنَاتِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ"

اگر ہم میں سے کوئی مارا گیا تو ہم دُخترانِ فاطمہ زہراؑ پر فدا ہوئے۔

جناب بریر نے کہا کہ تمہاری رائے خوب ہے۔

یہ کہہ کر اُن لوگوں نے ایک مشک اُٹھائی اور چار اشخاص فرات کی جانب روانہ ہوئے۔ دریا کے نگہبانوں نے جب ان لوگوں کو آتے دیکھا تو پوچھا کہ تم کون ہو؟

کہا کہ میں بریر ہوں اور یہ میرے اصحاب ہیں۔ چونکہ پیاس سے ہم لوگ قریب ہلاکت پہنچ چکے ہیں، پانی پینے کیلئے فرات پر جاتے ہیں۔ وہ بولے کہ ٹھہرو، ہم اپنے رئیس کو خبر کریں۔

بریر میں اور اُس رئیس میں قرابت تھی۔ اس نے حکم دیا کہ بریر کو پانی پینے دو۔

غرض جب یہ اصحاب باوقار دریا پر پہنچے اور پانی کی خنکی پائی تو بے اختیار رو کر کہنے لگے: لعنت خدا کی عمر سعد پر کہ یہ پانی جاری ہے اور آلِ رسولؐ ایک ایک قطرہ کے واسطے ترس رہے ہیں۔

پس بریر نے اصحاب کو آواز دی: چلو، مشک بھر لو اور امامؑ کے خیمہ تک پہنچا دو کہ دل و جگر اطفالِ امام حسینؑ پیاس سے پگھل گئے ہیں۔

"وَلَا تَشْرَبُوْا حَتّٰی وَاَکْبَادُ بَنَاتِ فَاطِمَةَ"

لیکن بھائیو! قبل اس کے کہ دُخترانِ فاطمہؑ سیراب ہوں، کہیں تم لوگ پانی نہ پینا۔ اصحاب بولے: واللہ! اطفالِ امام حسینؑ کے پانی پلائے بغیر ہم ہرگز نہ پئیں گے۔

ناگاہ ایک نگہبان نے، جو یہ باتیں سنیں، بولا کہ تم لوگ اپنا پانی پینا غنیمت نہیں سمجھتے جو خارجیوں کے واسطے لئے جاتے ہو؟ ہم ابھی جا کر امیر اسحٰق کو خبر کرتے ہیں۔

یہ سن کر اسحٰق ملعون نے حکم دیا کہ اُن سے پانی کی مشک چھین لو۔ چنانچہ بہت سے ملعونوں نے انہیں آکر گھیر لیا اور کہنے لگے کہ پانی گرا دو ورنہ اس پانی کے عوض تمہارا خون کریں گے۔

بریر نے کہا کہ پانی سے اپنا خون بہنا آسان ہے۔ آخر ملاعین نے ہر جانب سے گھیر لیا۔ بریر اُن سے لڑنے لگے اور روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ پیاس پر افسوس ہے۔

دُخترانِ فاطمہؑ کے ایک بزرگوار نے مشک اپنے کاندھے پر اُٹھالی کہ ایک تیر آکر مشک کے تسمہ پر لگا اور اُن کی گردن مجروح ہوئی اور خون مشک پر ٹپکنے لگا۔ انہوں نے جلدی سے مشک کو دیکھا کہ کہیں اُس میں رخنہ تو نہیں پڑ گیا لیکن انہوں نے مشک کو سالم پایا۔

'قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ رَقَبَتِیْ وِقَاءَ قِرْبَتِیْ'.

کہنے لگے: شکر خدا کا میری گردن مشک کی سپر ہوئی۔

جب بریر نے دیکھا کہ یہ اشقیا ہمیں پانی نہیں لے جانے دیں گے تو فرمایا:

''اے اعوانِ سفیان! فساد نہ کرو اور بنی ہمدان کا مقابلہ نہ کرو۔

ناگاہ یہ گفتگو امام حسین علیہ السلام نے سنی اور اصحاب کو حکم دیا کہ جلد جا کر بریر کی مدد کرو۔ جب کفار نے مزید اصحاب کو آتے دیکھا تو اپنے لشکر کی طرف بھاگ گئے۔ بریر نے پانی کی مشک لا کر درِ خیمہ پر رکھ دی اور پکارے:

''اِشْرَبُوْا یَا آلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ هَنِیْئًا مَرِیْئًا''.

اے آلِ رسولؐ! یہ پانی حاضر ہے۔

''فَتَبَادَرَتْ اَطْفَالٌ وَصِحْنَ صَیْحَةً وَاحِدَةً هٰذَا بُرَیْرٌ جَآئَنَا بِالْمَاءِ''.

یہ آواز سن کر سب بچے دوڑے اور خوشی سے سب نے چلا کر کہا: بریر پانی لائے ہیں، بریر پانی لائے ہیں۔

خوشی اور بیتابی کے مارے سب نے اپنے تئیں مشک پر گرا دیا۔ کوئی بچہ مارے خوشی کے اُسے ہلاتا تھا اور کوئی مارے بیتابی کے رُخسار اُوپر رکھتا تھا۔

''وَمِنْهُنَّ مَنْ تُلْقِیْ فُؤَادَهَا عَلَیْهَا''

اور کوئی مارے پیاس کے اپنا سینہ اوپر لگاتا تھا۔ جب بچوں کا ہجوم ہوا:

'اِنْفَكَّتِ الْوِكَاءُ وَاُرِیْقَ الْمَاءُ فَتَصَارَخَتِ الْفِتْیَانُ وَصِحْنَ اُرِیْقَ الْمَآءُ یَا بُرَیْرُ'.

ناگاہ مشک کا منہ کھل گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ اُس وقت سب بچے کس درد و یاس سے رو کر پکارے: ہائے اے بریر! پانی بہہ گیا اور ہم سب پیاسے رہ گئے۔

بریر سر پیٹ کر رونے لگے اور بولے:

''وَالَهْفَاهُ عَلٰی اَكْبَادِ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ''.

''ہائے افسوس، ہائے ذریتِ رسولؐ کی تشنگی''۔

فضائلِ گریہ اور شہادتِ جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ

عَنِ الصَّادِقِ شِیْعَتُنَا لَقَدْ شَارَكُوْنَا فِی الْمُصِیْبَةِ بِطُوْلِ الْحُزْنِ وَالْحَسْرَةِ عَلٰی مُصَائِبِ الْحُسَیْنِؑ

مصحفِ ناطق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا رحم کرے ہمارے شیعوں پر کہ انہوں نے ہمارے جد بزرگوار امام حسین علیہ السلام کے ماتم میں حزن و ملال کو طول دے کر ہمارا ساتھ دیا۔ یعنی جس طرح ہم اُن کو یاد کر کے روتے ہیں، اسی طرح ہمارے شیعہ بھی انہیں یاد کر کے رویا کرتے ہیں۔

ابن عباس سے منقول ہے:

''قَالَ عَلِیٌّ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ اِنَّكَ لَتُحِبُّ عَقِیْلًا''.

ایک دن جناب امیر علیہ السلام نے خدمتِ رسولؐ خدا میں عرض کی: آپ عقیلؑ کو دوست رکھتے ہیں؟

فرمایا: واللہ! میں عقیلؑ کو دو محبتوں سے دوست رکھتا ہوں، ایک تو اُس کی محبت ہے اور دوسری محبت عقیلؑ سے عم بزرگوار ابی طالبؑ کے سبب سے ہے۔

پھر فرمایا:

''وَاِنَّ وَلَدَهٗ مَقْتُوْلٌ فِیْ مَحَبَّةِ وَلَدِكَ''.

اے علیؑ! بہ تحقیق کہ مسلمؑ فرزندِ عقیلؑ تمہارے فرزند کی محبت میں قتل کیا جائے گا۔ یعنی اعدائے دین حسینؑ کو مکر و دغا سے وطن سے جدا کر کے ایک جنگل میں دریا کے کنارے تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کریں گے اور سب سے پہلے جو اس غریب پر اپنی جانِ عزیز کو نثار کرے گا، وہ مسلمؑ بن عقیلؑ ہوگا۔

"فَتَدْمَعُ عَلَيْهِ عُيُوْنُ الْمُؤْمِنِيْنَ".

مسلمؑ اس مظلومی سے پردیس میں یکہ وتنہا قتل کیا جائے گا کہ قیامت تک مؤمنوں کی آنکھیں اُس کی مصیبت پر رویا کریں گی۔

یہ فرما کر خود بھی اس شدت سے روئے کہ آنسو ریش مبارک سے سینہ اقدس پر ٹپکنے لگے۔ پھر ارشاد فرمایا: خدا سے اُن مصیبتوں کا شکوہ کرتا ہوں جو میرے بعد میری عترت پر اُمت کے ہاتھ سے گزرنے والے ہیں۔

مؤمنین! رسولؐ خدا کی پیروی کیجئے اور روییٔے اُس بے وطن پر جو امام حسینؑ کے عزیز، انصار میں سے پہلے شہید ہوا اور اُس ایلچی پر جس کے سوا کسی کا کوئی ایلچی کبھی قتل نہ کیا گیا۔

منقول ہے کہ جب جنابِ سید الشہداء علیہ السلام نے دشمنوں کے خوف سے پیغمبرؐ کے روضہ کو چھوڑ کر خدا کے گھر میں پناہ لی، کوفیانِ پُر دغا کے خطوط متواتر اس کثرت سے آئے کہ دو ٹوکریاں بھر گئیں۔ بعض نے لکھا کہ بارہ ہزار خطوط تھے۔ سب ایک ہی مضمون تھا کہ ہم سب غلام ہیں اور آپ آقا اور امامؑ ہیں۔ یہاں کوئی ہماری ہدایت کے واسطے نہیں، جلد تشریف لائیے کہ یہاں کے درخت شاداب اور میوے باردار، ساکنانِ شہر خادم و فرمانبردار ہیں۔

بہر کیف حضرتؑ نے خط کا جواب اس مضمون کا لکھ کر مسلمؑ بن عقیلؑ کو اُن بیوفاؤں کی طرف بھیجا:

''امابعد! واضح ہو کہ تمہارا اشتیاق تمہارے مضمون سے ظاہر ہے۔ پہلے میں اپنے بھائی مسلمؑ بن عقیلؑ کو، کہ خلعت، زہد، تقویٰ سے آراستہ ہیں، تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ انؑ کی اطاعت عین میری اطاعت ہے۔ جب یہ تمہارا اخلوص، اعتقاد اور حسن سلوک لکھ بھیجیں گے، اس وقت انشاءاللہ ہم بھی وہاں آئیں گے''۔

جنابِ مسلمؑ یہ خط لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص نے ایک آہو (ہرن) کو شکار کیا۔ آپ شگونِ بد سمجھ کر لوٹ آئے اور امامؑ سے ماجرا بیان کیا اور عرض کی: شاید یہ سفر ہم کو مبارک نہ ہوگا۔ فال خوب نہ ہوئی۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے بھائی! کیا تم موت سے ڈر گئے؟ اگر تمہارا قصد نہ ہو تو اور کسی کو روانہ کروں؟

جنابِ مسلمؑ نے عرض کی: یا ابن رسولؐ اللہ! میری ہزار جانیں آپؑ پر فدا ہوں۔ میں فالِ بد تصور کر کے لوٹ آیا۔ ہرگز مجھ کو اپنے مرنے کا خوف نہ ہے۔ البتہ وسواس ہوتا ہے کہ شاید آپؑ کی زیارت سے پھر مشرف نہ ہو سکوں، اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک مرتبہ اور آپؑ کے جمالِ باکمال کو دیکھ لوں۔

یہ کہہ کر زار زار رونے لگے۔ مظلومِ کربلا بھی گلے مل کر بہت روئے اور بھائی کو رخصت کیا۔ وہ جنتؑ کا مسافر روتا ہوا پہلے مدینہ کو روانہ ہوا، زیارتِ روضۂ رسولؐ کی، بعد میں اقارب واحباب سے رُخصت ہوئے۔ پھر اپنے دونوں صاحبزادوں محمد اور ابراہیم کو اور قبیلہ بنی قیس سے دو راہروں کو ہمراہ لے کر کوفہ میں تشریف لائے اور خانۂ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی میں فروکش ہوئے۔

جب اہل شہر کو خبر ہوئی، گروہ در گروہ حاضر ہونے لگے، یہاں تک کہ اٹھارہ ہزار کوفیوں نے آپؑ سے بیعت کی۔ عبداللہ حضرمی نے یزید کو تمام کیفیت مخفی طور پر لکھ بھیجی۔ اس شقی نے عبیداللہ ابن زیاد، والیٔ بصرہ کو لکھا کہ تو ایسا انتظام کر کہ اہل کوفہ بیعتِ حسینؑ سے باز رہیں اور مسلمؑ کا سر کاٹ کر جلد میرے پاس روانہ کر۔

ابن زیاد فوراً کوفہ میں آیا اور یہ منادی کی کہ جو شخص مسلمؑ سے بیعت کرے گا عتابِ یزید میں گرفتار ہوگا۔ یہ حکم سنتے ہی ان دغابازوں نے بیعت توڑنا شروع کردی اور حق سے منحرف ہو گئے اور یہ نوبت آگئی کہ وہ جنابؑ مجبور ہو کر ہانی بن عروہؓ کے گھر میں

چھپے۔ آخر ابن زیاد نے ہانیؓ کو شہید کر دیا۔

خدا کسی کو عالم مسافت میں بے یار و آشنا نہ کرے۔ اب حضرت مسلمؑ کا وہاں کون دوست تھا جس کے گھر جاتے! اکیلے کوفہ کے بازاروں میں اور کوچوں میں ایک جانب سے دوسری جانب پھرتے تھے، یہاں تک کہ خانۂ طوعہ تک پہنچے اور سلام میں سبقت کر کے فرمایا:

"یَاَامَةَ اللّٰهِ اسْقِنِی الْمَآءَ فَسَقَتْهُ"

"اے کنیزِ خدا! مجھے تھوڑا پانی پلا"۔

اُس مؤمنہ نے رحم کھا کر پانی پلایا اور کہا: "اے بندۂ خدا! جلد اپنے گھر جا کہ شہر پُر آشوب ہو رہا ہے"۔

آپؑ نے کہا: "میں تو اپنے وطن سے مہینوں کی راہ پر مسافر ہوں اور اس شہر میں وارد ہوں۔ نہ کوئی عزیز و غمخوار ہے، نہ کہیں گھر بار ہے، کہاں جاؤں، کیا کروں اور کس سے کہوں؟! اگر تو آج کی شب اپنے گھر جگہ دے تو قیامت کے روز رسولؐ خدا تجھ کو بہشت میں جگہ دیں گے"۔

وہ عورت حیران ہو کر بولی: "تم کون ہو؟"

فرمایا: "میں غریب الوطن مسلمؑ بن عقیلؑ ہوں"۔

وہ سنتے ہی آپؑ کو اپنے گھر میں لے گئی اور ایک کمرے میں فرش کر دیا۔ پھر آب و طعام جو کچھ موجود تھا، پیش کیا۔

جس پر یہ صدمے اور بلائیں گزریں، اُس سے کھانا کیا کھایا جائے گا! آپؑ نے کچھ نوش نہ کیا۔ غرض جب صبح ہوئی، طوعہ وضو کیلئے پانی لائی اور عرض کی:

"آج کی رات آپؑ نے آرام کیوں نہ کیا؟"

فرمایا: "ذرا آنکھ جھپک گئی تھی:

"فَرَاَیْتُ عَمِّیْ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَهُوَ یَقُوْلُ اَلْعَجَلُ

اَلْعَجَلُ".

"اُسی عالم میں خواب میں دیکھا کہ چچا امیر المؤمنینؑ ارشاد کرتے ہیں: اے مسلمؑ جلد آؤ کہ میں تمہارا منتظر ہوں۔ اے طوعہ! یقین ہے کہ دوسری رات دُنیا میں مجھے نہ ہوگی۔ آج ضرور شہید ہو جاؤں گا"۔

یہاں تو آپؑ یہ فرما رہے تھے، وہاں طوعہ کے بیٹے نے ابن زیاد کو حالِ مسلمؑ کی خبر دی۔ وہ ملعون نہایت خوش ہوا اور ایک طوقِ طلا مثلِ طوقِ لعنت اُس کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر محمد بن اشعث کو ہزار سوار اور پانچ سو پیادوں کے ساتھ جنابِ مسلمؑ کی گرفتاری کے واسطے روانہ کیا۔ جب وہ اشقیاء خانۂ طوعہ کے پاس پہنچے، جنابِ مسلمؑ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سن کر آمادۂ مرگ ہوئے، زرہ پہن لی، کمر باندھ کر مسلح ہو گئے۔

طوعہ نے کہا: "اے آقا! کیا آپؑ نے اپنی موت پر مستعد ہو کر جنگ کا سامان کیا ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: "ہاں! یہ قدم میرے سوا اور کسی کے واسطے نہیں آئے۔ ڈرتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ اشقیاء گھر میں گھس آئیں۔ اس وقت مجھے لڑنے کی بھی جگہ نہ ملے گی"۔

یہ کہہ کر آپؑ شیرِ غضبناک کی طرح خانۂ طوعہ سے باہر نکل آئے اور اُن روباہوں پر حملہ کر کے 150 کافروں کو واصلِ جہنم کیا۔ سالارِ لشکر یہ شجاعت دیکھ کر منتشر ہوا اور سوار مدد کے واسطے طلب کیے۔ جنابِ مسلمؑ نے دیکھا کہ مزید فوج کمک کے واسطے آئی ہے۔ دوبارہ حملہ کیا اور جماعتِ کثیرہ کو قتل کر کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ خود بھی بہت مجروح ہوئے اور جسمِ اقدس چھلنی ہو گیا۔

جب اشقیاء نے دیکھا کہ کسی طرح آپؑ پر غلبہ نہیں ہوتا، مکاری سے اثنائے راہ میں ایک کنواں کھود کر اُس کا منہ چھپا دیا اور خود پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت مسلمؑ لڑتے لڑتے آگے چلے جاتے تھے۔ ناگاہ آپؑ کا پاؤں اُسی کنویں میں چلا گیا اور آپؑ منہ کے بل گرے،

سب مکار ٹوٹ پڑے اور ابن اشعث نے ایسی تلوار دہن اقدس پر ماری کہ لب بالا کٹ گیا اور صدمہ ضرب سے دانت بھی ٹوٹ گئے۔

آخر اشقیاء آپؑ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے چلے۔ شب کا فاقہ، لڑنے کی حرارت، دھوپ کی حدت، زخموں کی کثرت سے اس وقت پیاس نے حضرتؑ پر نہایت شدت کی۔

آپؑ نے فرمایا: ''اے قوم! پیاسا ہوں، تھوڑا پانی مجھے پلا دو''۔

عمر بن حریث نے ایک جامِ آب بھیج دیا۔ جونہی آپؑ نے چاہا کہ پیوں، تمام جام خون سے بھر گیا۔ فرمایا:

''الحمد للہ! اب رزقِ دُنیا میری قسمت سے اُٹھ گیا ہے''۔

مومنین! اس روز تو ہزار دو ہزار آدمیوں میں ایک عمر بن حریث نے کچھ رحم کھا ہی لیا کہ جنابِ مسلمؑ کو جامِ آب بھیج دیا۔ مگر کربلا کے معرکہ کو خیال کیجئے جہاں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا، اُن میں کوئی ایسا نہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام اور اولادِ حسینؑ پر رحم کھا کر ایک گھونٹ پانی کا دے دیتا۔

''اَلْمَاءُ جَارٍ وَابْنُ سَاقِیِ الْکَوْثَرِ فِیْ شِدَّةِ الْعَطَشِ یَلُوْکُ لِسَانَهٗ''

اللہ، اللہ! آبِ فرات آنکھوں کے سامنے لہریں مار رہا تھا اور فرزندِ ساقیِ کوثر ہونٹوں پر بار بار سوکھی زبانِ مبارک پھیرتا تھا اور ایک ایک سے پانی مانگتا تھا۔

''یَاقَوْمِ اِسْقُوْنِیْ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ فَاِنَّ کَبِدِیْ نَشِفَتْ مِنَ الظَّمَاءِ''۔

اے قومِ مہمان کش! تھوڑا پانی پلا دو کہ میرا کلیجہ شدتِ تشنگی سے خشک ہو گیا ہے۔

مگر کوئی سوائے آبِ تیغ و پیکان جواب نہ دیتا تھا۔

بہرکیف جنابِ مسلمؑ جب ابن زیاد کے سامنے گئے اور اُس شقی کو سلام نہ کیا۔ کسی نے کہا کہ آپؑ نے امیر کو سلام نہیں کیا؟

''فَقَالَ وَاللّٰهِ مَالِیْ اَمِیْرٌ سِوَی الْحُسَیْنِؑ''۔

فرمایا: ''قسم بخدا! سوائے حسینؑ ابن علیؑ میرا کوئی امیر نہیں''۔

ابن زیاد نے کہا کہ سلام کرو یا نہ کرو، قتل ضرور کیے جاؤ گے۔

فرمایا: ''اگر تجھے میرا قتل ہی منظور ہے تو کسی شخص کو قومِ قریش سے بھیج دے کہ میں اُس سے کچھ وصیتیں کروں''۔

غرض عمر سعد سامنے آیا، آپؑ نے فرمایا: ''اے پسر سعد! تجھ کو مجھ سے کچھ قرابت بھی ہے۔ چاہتا ہوں کہ چند وصیتیں کروں۔ اوّل یہ کہ گواہ رہنا کہ میں وحدانیتِ خدا اور رسالتِ خاتم الانبیاءؐ کا اقرار کرتا ہوں:

''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰهِ''

دوسری یہ کہ میں نے سنا ہے کہ امام حسین علیہ السلام مع اہل بیتِ اطہار کوفہ کی طرف تشریف لاتے ہیں، میری طرف سے حضرتؑ کو لکھ بھیجنا کہ آپؑ وطن کو واپس چلے جائیں، ادھر تشریف نہ لائیں۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح کوفیوں نے مجھ سے بدسلوکیاں کیں، حضرتؑ کے ساتھ بھی دغا سے پیش آئیں''۔

جب ابن زیاد نے یہ وصیتیں سنیں تو کہنے لگا: ''اے مسلمؑ! اگر آپ اقرارِ شہادتین کرتے ہیں تو ہم بھی مسلمان ہیں اور قرض ادا کرنے نہ کرنے کا ہم کو اختیار ہے۔ آپؑ نے حسینؑ ابن علیؑ کے بارے میں جو کہا ہے، یہ کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ وہ بھی ضرور ہمارے پاس آئیں اور آپؑ کی طرح قتل کیے جائیں''۔

اس کے بعد ایک شقی ابن زیاد کے حکم سے جنابِ مسلمؑ کو بالائے قصر لے گیا اور

اُس نے یہ ستم کیا کہ اتنے زور سے نیچے گرادیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آئے اور طائرِ روح عالم اقدس کو پرواز کرگیا۔

مومنین! شریعتِ نبویؐ میں ہے کہ اہل اسلام بعد موت ایک دوسرے کو دفن کریں۔ مگر افسوس! مسلمؑ کے حال پر کہ وہ قوم جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے، اس میں سے کسی نے اُس مظلومؑ کو اس قابل بھی نہ جانا بلکہ کئی دن تک پاؤں میں رسی باندھ کر آپؑ کی لاش شہر کی گلیوں اور بازاروں میں کھینچتے پھرے۔

ایک امر اس جگہ اور قابل غور ہے کہ حضرت مسلمؑ نے تو ابن سعد سے امام حسینؑ کے واسطے وصیت کی تھی مگر یہ نہ جانتے تھے کہ کربلا کے معرکہ میں لشکرِ امام حسینؑ کی طرف پہلا تیر جو لگائے گا، وہ یہی ملعون ابن سعد ہوگا۔ اسی کے حکم سے فوجِ خدا پر پانی بند ہوگا۔ ننھے ننھے بچے یتیم ہوجائیں گے۔ سیدانیاں بے وارث و والی ہوکر رسن بستہ، سر برہنہ اونٹوں پر سوار ہوکر جنگلوں اور پہاڑوں کا راستہ طے کرکے کوفہ روانہ ہوں گے۔ امام حسین علیہ السلام کی لاشِ مقدس پر گھوڑے دوڑائے جائیں گے۔

اَلْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلاءَ مُضَرَّجٌ
وَالرَّاْسُ مِنْهُ عَلَى الْقَنَاةِ يُدَارُ

آپؑ کا جسم اطہر تلواروں سے، نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے، گھوڑوں کے سموں سے ریزہ ریزہ، خاک و خون میں غلطاں زمین کربلا پر پڑا ہوگا اور سرِ انور بدن سے جدا ہوکر، اس طرح کہ پیاس کی شدت سے ہونٹ سوکھے، آنکھوں میں حلقے پڑے، پیشانی تیر ستم سے مجروح، محاسن مبارک خونِ علی اصغرؑ سے رنگین، نوکِ نیزہ پر چڑھا کر اسی کوفہ میں ابن زیاد کے واسطے ہدیہ بھیجا جائے گا۔

فضائلِ محبتِ اہلِ بیتؑ وحدیثِ ثقلین اور شہادتِ فرزندانِ مسلمؑ بن عقیلؑ

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَعْرِفَةُ آلِ مُحَمَّدٍ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَحُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ اَمَانٌ مِنَ الْعَذَابِ".

سید الانبیاء جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم اہل بیتؑ کے حق کا پہچاننا آتش جہنم سے آزاد ہونے کا باعث ہے اور میری اولاد کی دوستی ومحبت عذاب آخرت سے امان دینے والی ہے۔

"وَمَنْ مَاتَ عَلٰى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيْدًا".

"اور جو مومن محبتِ اہل بیتؑ میں مرے، اگرچہ اس کی موت بستر خواب پر ہو، وہ شہید مرتا ہے"۔

"وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَبَيْتِيْ اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ وَاِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِيْ فِيْهِمَا".

حدیثِ فریقین میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں تم لوگوں میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر دنیا سے جاتا ہوں: ایک قرآن اور دوسرے اپنی اولاد کو۔ اگر ان دونوں کے ساتھ تمسک رکھو گے، ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں۔ دیکھو! ان کی مخالفت نہ کرنا، نہ معلوم میرے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کروگے؟

مؤمنین! رسولِ خدا کو کتنے دن گزرے تھے کہ اُمت نے وصیت بھلا دی۔ انہی کے پارۂ جگر کو حق نہ دیا۔ پہلو شکستہ کیا۔ انہی کے فرزندوں میں سے کسی کو زہر دغا سے، کسی کو مہمان بلا کر بھوکا پیاسا شہید کیا اور محبت و حرمتِ اہل بیتؑ کی خوب حیا رکھی کہ ان کو اسیر کر کے شترانِ برہنہ پشت پر سوار شہر بہ شہر، دیار بہ دیار پھرایا اور پانی سے ترسایا، حتیٰ کہ بچوں پر بھی رحم نہ کیا۔

چنانچہ فرزندانِ مسلمؑ کس بیکسی کے عالم میں قید ہوئے اور کس مظلومی سے شہید ہوئے۔ روایت میں وارد ہے کہ وہ دونوں بیکس و مظلوم سفرِ کوفہ میں اپنے بابا کے ساتھ تھے۔ جب مسلمؑ بن عقیلؑ ظالموں کے ظلم سے شہید ہو گئے، کوئی ان یتیموں کا پوچھنے والا نہ رہا۔ قاضی کے گھر میں چھپ گئے۔ اس نے بھی ابن زیاد کے خوف سے شب کو شہر سے باہر نکال دیا۔ وہ بچے کمسنی کے باعث راہ بھول گئے۔

بروایتِ کتاب "امالی" روزِ عاشور جب امام حسینؑ شہید ہوئے اور اشقیاء نے اہل بیتؑ اطہار کے خیموں کو آگ لگا دی، تمام اہل حرم مضطر و بیقرار خیموں سے نکل پڑے اور کسی بی بی کو اُس عظیم تلاطم میں اپنے فرزند کی خبر نہ رہی۔ اس وقت یہ دونوں فرزندانِ مسلمؑ جن کا سن سات یا آٹھ برس کا تھا، اپنی مادرِ گرامی سے جدا ہو گئے اور اس صحرائے پُر بلا میں حیران و سرگرداں پھرتے رہے۔ ناگاہ کوئی شخص اُس قومِ جفاکار سے انہیں پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ اُس شقی نے مشکور نامی ناظرِ مجلس کے سپرد کیا اور کہا کہ اِن کو کبھی اچھا کھانا اور ٹھنڈا پانی نہ دینا۔

وہ شخص جو کی دو دو روٹیاں اور گرم پانی کے دو کوزے ہر روز دیا کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک سال کا عرصہ گزرا۔ کبھی اُن معصوموں نے آرام نہ پایا۔ جب بہت تنگ ہوئے تو ایک روز ایک بھائی نے دوسرے سے کہا کہ اتنی مدت گزر گئی اور کیا عجب کہ اسی قید خانہ میں مر جائیں۔ مناسب ہے کہ آج اپنے نام و نسب نگہبان سے بیان کریں۔ شاید رحم کھا کر ہمیں

چھوڑ دے۔

غرض جب وہ آیا تو ان یتیموں نے کہا:

"یَاشَیْخ! اَتَعْرِفُ مُحَمَّدَنِ الْمُصْطَفٰیؐ".

"اے شیخ! آیا تو جنابِ محمد مصطفےؐ کو بھی جانتا ہے؟"

اُس نے کہا: "کیونکر نہ جانوں، وہ جناب تو ہمارے نبیؐ اور شفیعِ قیامت ہیں"۔

فرمایا "آیا تو علیؑ ابن ابی طالبؑ کو بھی جانتا ہے؟"

کہا: "وہ میرے آقا اور امام ہیں؟"

پھر پوچھا: "آیا تو مسلمؑ بن عقیلؑ سے بھی واقف ہے؟"

اُس نے کہا: "ہاں، وہ جنابِ رسولِ خدا کے چچا زاد بھائی ہیں"۔

"قَالَ فَنَحْنُ مِنْ عِتْرَتِ مُسْلِمِ ابْنِ عَقِیْلٍ".

فرمایا "اے شیخ! ہم دونوں بھائی انہی مسلمؑ بن عقیلؑ کے فرزند ہیں۔ اگر تو ہمارے حال پر رحم کرے تو رسولِ خدا تیرے شفیع ہوں گے"۔

یہ سنتے ہی وہ قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر عرض کی: "قید خانہ کا دروازہ کھلا ہے، آپ کو اختیار ہے، جہاں چاہیں چلے جائیں"۔

بہرکیف وہ بچے زندان سے تو باہر نکلے مگر پرایا دیس، غیر شہر، راہ سے ناواقف، رات کا وقت، لوگ دشمن، کہاں جاتے، کیا کرتے؟ تمام شب گلیوں میں پھرتے رہے۔ صبح کو دشمنوں کے خوف سے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ ناگاہ حارث کی بیوی کی ایک کنیز اُسی درخت کے نیچے پانی بھرنے آئی، دیکھا کہ دن کو دو چاند ایک شاخ پر تابندہ ہیں۔

پوچھا کہ تم کون ہو؟

فرمایا: "ہم فرزندانِ مسلمؑ ہیں"۔

وہ کنیز اپنی بی بی کے گھر لے آئی۔ وہ بی بی بھی مومنہ تھی۔ ایک الگ حجرہ میں فرش

کر کے بٹھایا اور خود لونڈیوں کی طرح خدمت کرنے لگی۔ ان بچوں نے، جو ایک زمانہ کے بعد اتنی راحت پائی، ایک دوسرے سے لپٹ کر سو رہے۔ رات کے وقت جب حارث گھر میں آیا، زوجہ نے پوچھا کہ آج اتنی دیر کیوں ہوئی اور پریشان کیوں ہے؟

کہنے لگا کہ مسلمؑ کے دو بچے قید خانہ سے بھاگ گئے ہیں۔ حاکم نے ان کی گرفتاری کا عام حکم دیا ہے اور انعام کا وعدہ بھی کیا ہے۔ میں اُن کی تلاش میں اس وقت تک اتنا پریشان رہا ہوں کہ میرا گھوڑا ہلاک ہو گیا۔

ضعیفہ نے کہا: ''وائے ہو تجھ پر، خدا کا خوف نہیں کہ اولادِ رسولؐ کے در پے قتل ہوتا ہے؟''

وہ شقی کچھ نہ بولا اور برہم ہو کر سو رہا۔ ابھی غافل نہ ہوا تھا کہ حجرہ سے صدائے تنفّس آئی۔ زوجہ سے پوچھا کہ یہ کیسی آواز آتی ہے؟ اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ناگاہ بڑے صاحبزادے محمد بیدار ہوئے اور ابراہیم سے کہا:

''بھائی! اُٹھو، کیا سوتے ہو کہ موت ہمارے قریب آ پہنچی''۔

ابراہیم نے پوچھا: ''آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟''

کہا: ''ابھی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جنابِ رسولِ خدا مع علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ کے تشریف لائے ہیں اور میرے پدر بزرگوار سے فرماتے ہیں: اے مسلمؑ! تم کو کیونکر گوارا ہوا کہ ان دونوں کو دشمنوں میں چھوڑ دیا؟ انہوں نے عرض کی کہ آج کی شب یہ میرے پاس آئیں گے''۔

یہ سنتے ہی چھوٹے بھائی نے کہا کہ میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔

اس کے بعد دونوں بھائیوں نے بانہیں گلے میں ڈال دیں اور بے اختیار ہو کر رونے لگے۔ آوازِ گریہ سن کر حارث ملعون حجرہ میں داخل ہوا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟

انہوں نے جواب دیا: ''اے شیخ! اگر سچ کہیں تو امان دے گا؟'' بولا ہاں۔

فرمایا: ''نَحنُ مِن عِترَةِ نَبِیِّکَ هَرَبنَا مِنَ السِّجنِ''۔

ہم تیرے نبیؐ کی عترت مسلمؑ کے فرزند ہیں۔ قید خانہ سے نکل کر جان کے خوف سے تیرے گھر میں پناہ لی ہے۔

وہ پیمان شکن بولا: ''خدا کا شکر ہے، تم میرے ہی گھر میں مجھے مل گئے''۔

طمانچہ مار کر وہ ظلم کیا کہ دونوں صاحبزادے صدمہ سے زمین پر منہ کے بل گر پڑے اور بلبلا کر کہنے لگے:

''تیری زوجہ نے ہم کو مہمان کیا اور تو ہمارے ساتھ یہ بدسلوکی کرتا ہے؟ کیا تجھے خدا کا خوف نہیں اور ہم کو رسولِ خدا سے جو قرابت ہے، تجھے اس کا بھی پاس نہیں؟''

اُس نے کچھ خیال نہ کیا۔ رات بھر اُسی طرح باندھے رکھا۔ صبح کو کھینچتا ہوا فرات کی طرف لے چلا۔ پیچھے پیچھے اُس کی زوجہ پیٹتی ہوئی، فریاد کرتی ہوئی چلی آتی تھی اور بار بار کہتی تھی۔ او ظالم! خدا سے خوف، پیغمبرؐ سے شرم کر۔ یتیم بچوں کو قتل نہ کر۔ اگر انعام ہی لینا ہے تو زندہ ابن زیاد کے پاس لے جا۔ وہ کب سنتا تھا، کشاں کشاں دریا کے کنارے لایا اور غلام کو تلوار دی کہ ان کے سر جدا کر۔ جب وہ قریب آیا تو ایک صاحبزادے نے کہا:

''اے حبشی! تیرا رنگ بلالؓ کے رنگ سے کس قدر مشابہ ہے؟''

اُس نے کہا: ''تم کون ہو؟''

فرمایا: ''ہم بلالؓ کے آقا زادے ہیں۔ تیرے نبیؐ کی عترت سے ہیں''۔

یہ سنتے ہی وہ پاؤں میں گر پڑا اور تلوار پھینک دی۔ حارث نے جو یہ حال دیکھا تو برہم ہو کر غلام کو قتل کر دیا۔ پھر اپنے بیٹے سے کہا کہ تو ان بچوں کے سر کاٹ ڈال۔ جب وہ نزدیک آیا، یتیموں نے فرمایا:

''اے جوان! تو اپنی جوانی پر رحم نہیں کرتا کہ اس رعنائی میں جہنم میں داخل ہو؟''

وہ متعجب ہو کر بولا: ''تم کون ہو؟''

"نَحنُ عِترَةُ نَبِیِّکَ".

فرمایا: "تو جس نبیؐ کی اُمت سے ہے، ہم اُنہی کی ذریت سے ہیں اور بے جرم قتل ہو رہے ہیں"۔

وہ بھی پاؤں پر گر پڑا اور قتل سے باز رہا۔ وہ ملعون تلوار کھینچ کر خود آگے بڑھا۔ زوجہ مانع ہوئی اور اُس شقی سے لپٹ گئی۔ اُس نے ایسی تلوار ماری کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑی۔ بیٹے نے کہا: وائے ہو تجھ پر، خدا تیرا منہ سیاہ کرے۔

اُس بے رحم نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ اب حارث نے بچوں کو بالوں سے پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچا۔ ان یتیموں نے ڈرتے ڈرتے آہستہ آہستہ رو کر کہا کہ ہم تو تیرے مہمان ہیں، کیا مہمان نوازی کا یہی دستور ہے۔ ہماری غریبی اور بیکسی پر رحم نہیں کرتا؟

وہ بولا: "میرے دل میں رحم پیدا ہی نہیں ہوا ہے"۔

فرمایا: "اگر مالِ دُنیا کی غرض ہے تو ہمارے بالوں کو کاٹ کر غلاموں کی طرح بازار میں بیچ ڈال کہ ہمارے خریدار بہت ہوں گے اور تجھے زیادہ قیمت ملے گی"۔

اُس شقی نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ جب بچنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو فرمایا:

"اگر تجھے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل منظور ہے تو ہمیں زندہ ہی اُس کے پاس لے چل۔ وہ ہمارے حق میں جو چاہے گا، کرے گا"۔

وہ بولا: "کیونکر ہو سکتا ہے، شاید راستے میں تمہارے شیعوں میں سے کوئی چھین لے تو میں کیا کروں گا؟"

جب ہر طرف سے نا اُمیدی ہوئی اور وہ سنگدل کسی امر پر راضی نہ ہوا تو کہا:

"اتنی مہلت دے کہ وضو کر کے نماز پڑھ لیں"۔

اللہ، اللہ! کیا شقاوت تھی کہ نماز کی بھی مہلت نہ دی اور قتل پر آمادہ ہو گیا۔

بروایت "حزن المؤمنین"، جب صاحبزادوں کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو

فرمایا: "اے حارث! اگر تو مجھے قتل ہی کرتا ہے تو ایک وصیت یاد رکھنا۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ جب والدہ کو وطن میں معلوم ہوگا کہ میرے بچے پردیس میں یتیم ہو کر قتل کیے گئے تو یقین ہے کہ روتے روتے وہ اپنے کو ہلاک کر ڈالے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم دونوں کا خون آلودہ پیرہن وطن بھیج دینا۔ شاید ہمارے خون کی بو سونگھ کر مادرِ غم دیدہ کو تسکین ہو"۔

پھر ننھے ننھے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور رو رو کر عرض کی: "خداوندا! تو عادل ہے، ہم ناحق قتل کیے جا رہے ہیں۔ ہمارے اور قاتل کے درمیان فیصلہ فرما"۔

جب حارث ایک بھائی کو شہید کرنے لگا تو دوسرے نے کہا کہ مجھ سے دیکھا نہ جائے گا، پہلے مجھ کو قتل کر۔ میرا سر کاٹ لے، پھر اختیار ہے۔ بہر کیف ظالم نے پہلے بڑے بھائی کو تلوار ماری کہ سر جدا ہو کے بدن خاک پر گر کر تڑپنے لگا۔

مؤمنین! بھائی جب بھائی کا یہ حال دیکھے گا تو دل پر کیا گزرے گی۔ ابراہیم کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ آسمان کی طرف دیکھ کر ایک آہ بھری اور جوشِ محبت سے بھائی کے خون میں لوٹنے لگا اور وہی لہو منہ پر مل مل کر کہتا تھا:

"هٰكَذَا اَلْقَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ".

"میں اللہ اور پیغمبرؐ سے اسی طرح ملاقات کروں گا"۔

حارث نے ایک دوسرے کی لاش پر جی بھر کر رونے بھی نہ دیا۔ محمد کے بے سر جسم کو دریا میں پھینک دیا۔ پھر ابراہیم کے سر کو جدا کر کے وہ چھوٹی سی لاش بھی بہا دی۔

منقول ہے کہ جب تک حارث نے ابراہیم کو قتل نہ کیا تھا، اُس وقت تک بڑے بھائی کی لاش چھوٹے بھائی کی منتظر پانی پر ٹھہری رہی۔ جب ابراہیم کا جسدِ اطہر بھی دریا میں پہنچا تو ایک نے دوسرے کے بغل میں ہاتھ ڈال دیا اور دونوں لاشیں دریا میں ڈوب گئیں۔

آواز آئی: خداوندا! تو خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس شقی نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ روزِ قیامت اس ظلم کا انصاف تیرے ہاتھ ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ان مظلوموں کی دُعا اتنی جلد قبول ہوئی کہ جب وہ لعین سروں کو ابن زیاد کے پاس لے کر گیا اور ندا دے کر کہا: اے امیر! تیرے دشمنوں کے سر حاضر ہیں۔

ابن زیاد نے اُن سروں کو دھلوا کر سامنے طشت میں رکھوایا۔ جونہی اُن کے خوبصورت چہروں اور چھوٹے چھوٹے بالوں پر نظر پڑی، تین مرتبہ اُٹھا اور بیٹھا اور باوجود شقاوت کے بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ سب حاضرین بھی بچوں کی بھولی بھالی صورتیں دیکھ کر رونے لگے۔ اس کے بعد ابن زیاد نے پوچھا کہ ان بچوں کو کیونکر قتل کیا اور انہوں نے قتل کے وقت کچھ کہا بھی تھا؟ حارث بولا کہ بہت منتیں کیں۔ میں کسی طرح راضی نہ ہوا۔ آخر میں کہا کہ دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے۔ میں نے اُسے بھی قبول نہ کیا۔

یہ سنتے ہی ابن زیاد مع حاضرین بآوازِ بلند رونے لگا۔ پھر مقاتل نامی ایک شیعہ وہاں موجود تھا۔ اس سے کہا کہ ان سروں کو لے جا کر فرات میں بہا دے اور حارث کو اُسی مقام پر جہاں اس نے ان صاحبزادوں کو شہید کیا ہے، قتل کر دے۔

مقاتل بہت خوش ہوئے اور حارث کی مشکیں باندھ کر کھینچتے چلے اور کہتے تھے:

"قسم بخدا!! اگر ابن زیاد مجھے اپنی سلطنت دیتا، جب بھی اتنا خوش نہ ہوتا"۔

غرض دریا کے کنارے آئے اور اُن سروں کو پانی میں چھوڑ دیا۔ لکھا ہے کہ لاشیں پانی کے اوپر آئیں اور اپنے سروں سے ملحق ہو گئیں، پھر ڈوب گئیں۔ اس کے بعد حارث کی زوجہ نے اپنے شوہر کو دیکھ کر کہا کہ شکر خدا کا کہ میں نے اپنی زندگی میں تجھے اس حال میں دیکھا۔

الغرض مقاتل نے حارث کے عضو عضو قطع کر کے اس کی شکم میں بھر دیئے اور پانی میں ڈال دیا مگر دریا نے قبول نہ کیا، باہر پھینک دیا۔ اسی طرح تین مرتبہ اتفاق ہوا۔ پھر زمین میں دفن کیا، اس نے بھی تین مرتبہ قبول نہ کیا۔ آخر جلا کر خاک کیا اور خاک کو ہوا میں اُڑا دیا۔

سرخ رنگ کا موتی ظاہر ہونا، امام حسینؑ کی حُر کے ساتھ گفتگو اور حُر کی بیٹی کے ساتھ شہادت

"فِیْ مُحْرِقِ الْقُلُوْبِ عَنْ بَهَآءِ الدِّیْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَدْ وُجِدَ فِیْ عَصْرِنَا فِیْ مَسْجِدِ الْکُوْفَةِ دُرٌّ اَحْمَرُ اللَّوْنِ عَلَیْهِ مَکْتُوْبٌ"

کتاب محرق القولب میں ملا مہدی نراقی نے بہاء الدین محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کی ہے کہ ہمارے عصر میں مسجد کوفہ میں ایک سرخ رنگ کا موتی کسی شخص کو ملا۔ اُس پر یہ اشعار لکھے تھے:

"اَنَا دُرٌّ مِنَ السَّمَآءِ نَثَرُوْنِیْ یَوْمَ تَزْوِیْجِ وَالِدَةِ السِّبْطَیْنِ"

"میں وہ موتی ہوں کہ روزِ عقدِ جنابِ فاطمہ زہرا ملائکہ نے مجھے آسمان سے نثار کیا تھا"۔

"کُنْتُ اَصْفٰی مِنَ اللُّجَیْنِ بَیَاضًا، صَبَغَتْنِیْ دِمَآءُ نَحْرِ الْحُسَیْنِ".

وقتِ نثار میرا رنگ ایسا شفاف و نورانی تھا کہ نقرۂ خام کی اُس کے آگے کچھ حقیقت نہ تھی مگر جب سے انہیں فاطمہؑ کے گود کے پالے حسینؑ ابن علیؑ کے سوکھے گلے پر خنجر چلایا گیا، میرا جگر لہو ہو لیا اور اُسی خونِ ناحق کے غم نے میرا رنگ سرخ کر دیا۔

مؤمنین! پتھر کی یہ تاثیر ہو، وہ کونسے انسان تھے، اُن کے دل کیسے تھے جنہوں نے

حضرتؑ کو ایسی مصیبتوں میں مبتلا کیا اور ان ایام میں جن دنوں جانور بھی اپنے آشیانوں کو نہیں چھوڑتے، ظلم اعداء سے امامؑ اپنے ننھے ننھے بچوں کو ساتھ لے کر وطن سے جدا ہوئے۔ بھوک کی شدت، منزلوں کی صعوبت اُٹھائے مہینوں کا سفر اختیار کیا۔

منقول ہے کہ جب آپؑ منزلِ شراف سے آگے بڑھے، اثنائے راہ میں حر سے ملاقات ہوئی۔ ظہر کے وقت جب لشکر میں اذان ہوئی تو حضرتؑ ایک چادر اوڑھے ہوئے خیمہ سے برآمد ہوئے اور حمد و نعت کے بعد فوجِ حر کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا:

"اے اہلِ کوفہ! ہم گوشہ نشینوں کو دولتِ دُنیا اور ثروتِ چند روزہ سے کچھ غرض نہیں۔ میں فقط تمہارے بلانے پر یہاں تک آیا ہوں۔ اگر اپنے عہد پر قائم ہو تو دوبارہ بیعت کرو کہ مجھے اطمینان ہو"۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرتؑ نے اقامت کا حکم دیا اور نماز میں مشغول ہوئے۔ حر بھی معہ فوج کے شریکِ جماعت ہوا۔ اللہ اللہ! لوگوں کے قلب کیسے پھر گئے تھے اور طمعِ دُنیا نے کس طرح آنکھیں بند کر دی تھیں کہ امامؑ نے خود اپنی زبان سے کلماتِ وعظ اور نصیحت مکرر فرمائے لیکن انہوں نے کوئی خیال نہ کیا۔

چنانچہ نمازِ عصر کے وقت بھی خطبہ میں فرمایا: "اے ساکنانِ کوفہ! دُنیا گزرگاہ ہے۔ یہاں عیش و عشرت کا انجام فنا ہے۔ آگاہ ہو کہ میں امامؑ ابن امامؑ اور تمہارا مہمان ہوں۔ تمہارے لکھنے سے ہدایت کے واسطے آیا ہوں۔ اگر اب بھی میرا آنا ناگوار ہو تو یہیں سے واپس چلا جاؤں؟"

حر نے عرض کی:

"اَنَاوَ اللّٰہِ مَا تَقُوْلُ وَلَامَاھٰذِہِ الْکُتُبُ وَالرُّسُلُ الَّتِیْ تَذْکُرُ"

واللہ! میں نہیں جانتا کہ آپؑ کیا فرماتے ہیں؟ کیسا خط، کس نے لکھا، کس کو بلایا؟

آپؑ نے اشارہ فرمایا، اصحاب نے دو خرجیاں خطوط سے بھری ہوئی سامنے رکھ دیں۔ حر دیکھ کر حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں اس سے کچھ واقف نہیں۔ مجھے تو ابن زیاد کا حکم ہے کہ آپؑ جب تک کوفہ میں داخل ہوں، میں ہمرکاب رہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا:

"اَلْمَوْتُ اَوْلٰی مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ".

میں امامؑ ہو کر ایک فاسق کی بیعت کروں، اس ننگ و عار سے تو موت بہتر ہے۔

اس کے بعد اصحاب سے خطاب فرمایا کہ واپس چلو۔ حر مانع ہوا۔

حضرتؑ نے فرمایا:

"ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ مَا تُرِیْدُ".

"اے حر! تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، کیا قصد رکھتا ہے؟"

وہ کانپ کر عرض کرنے لگا: "اگر آپؑ کے سوا کوئی اور میری ماں کا نام اس توہین سے لیتا تو میں بھی اس کی ماں کا نام اسی طرح سے لیتا"۔

"وَلٰکِنْ وَاللّٰہِ مَالِیْ اِلٰی ذِکْرِ اُمِّکَ مِنْ سَبِیْلٍ اِلَّا بِاَحْسَنِ مَانَقْدِرُ عَلَیْہِ"

"مگر آپؑ کی مادرِ گرامی تو دُخترِ رسولؐ، مریمِ کبریٰ ہیں، سوائے درود کے کچھ زبان سے نکل ہی نہیں سکتا"۔

غرض حر حضرتؑ سے جدا ہوا۔ محرم کی دُوسری تاریخ کو جنابؑ مع اہل و عیال اس منزل پر پہنچے جہاں سے سوائے موت سب راہیں مسدود تھیں۔ ساتویں سے پانی بھی بند ہو گیا۔ دسویں کو صبح سے دشمنوں نے ناحق پیاسوں کے خون پر کمریں باندھیں۔

لکھا ہے کہ عمر سعد نے ایک مظلوم، بھوکے پیاسے کے قتل کے واسطے کئی لاکھ سوار اور پیادوں کی صف بندیاں کیں۔ عمر بن حجاج کو میمنہ پر، شمر ذی الجوشن کو میسرہ پر، عروہ بن

قیس کو سواروں پر، شیث بن ربعی کو پیادوں پر افسر مقرر کیا اور اپنی فوج کا پرچم غلام ذرید کو دے دیا۔

فَلَمَّا تَبَدّیٰ فِی ذَوِیْهِ وَمِنْهُمْ
عَلِیٌّ وَعَبَّاسٌ وَعَوْنٌ وَقَاسِمٌ
وَفِیْ عُصْبَةٍ مِنْ صَحْبِهٖ کَانَ فِیْهِمْ
زُهَیْرُ بْنُ قَیْنٍ وَحَبِیْبٌ وَمُسْلِمٌ

ادھر امام حسین علیہ السلام بھی اپنی فوج قلیل کو لے کر میدان میں کھڑے ہوئے۔ ساتھ بیاسی پیادے اور بتیس سوار تھے۔ اس میں بھی سب جوان نہ تھے۔ کچھ بچے، کچھ بوڑھے اور وہ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے۔ عزیزوں میں علی اکبرؑ، عباسؑ، عونؑ و قاسمؑ، اصحاب میں زہیر بن قینؓ، حبیب ابن مظاہرؓ، مسلم ابن عوسجہؓ، یہ سب بزرگوار چاروں طرف سے سینوں کو سپر کئے ہوئے حضرتؑ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔

اَضَاءَتْ عِرَاصُ الطَّفِ مِنْهُ وَمِنْهُمْ
کَاَنَّ هُنَا بَدْرًا حَوَالِیْهِ اَنْجُمٌ

امامؑ فوج کے درمیان اس طرح تشریف رکھتے تھے جس طرح ماہ شب ستاروں کے حلقہ میں ہو۔

حضرتؑ نے میمنہ فوج پر زہیر بن قین کو، میسرہ پر حبیب ابن مظاہر کو، قلب لشکر پر شہزادہ علی اکبرؑ کو متعین فرمایا اور علَمِ سعادت اپنے بھائی عباسؑ کو عطا کیا اور خود بنفس نفیس دشمنوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور وہ کلمات وعظ و نصیحت اور مضامین درد و حسرت ارشاد فرمائے کہ اگر پتھر کا دل ہوتا، وہ بھی پگھل جاتا۔

ان ظالموں کے دل کیا تھے کہ رحم کے بدلے مزید ظلم پر آمادہ ہوئے۔ لکھا ہے کہ پہلے عمر سعد نے لشکر حسینؑ کی طرف تیر پھینکا اور کہا: اے پیروانِ یزید! گواہ رہنا کہ پہلے اسی شقی

نے فوج امامؑ پر تیر پھینکا ہے۔

جب حر نے یہ ظلم دیکھا تو خوف خدا سے بید کی طرح کانپنے لگا اور مضطربانہ اپنے بیٹے سے کہنے لگا کہ مجھے تاب نہیں ہے کہ آتش جہنم میں جاؤں۔ میں تو آقا پر نثار ہونے جاتا ہوں۔ تیرا کیا ارادہ ہے؟

وہ بولا: کیونکر ہوسکتا ہے کہ باپ اس سعادت سے کامیاب ہو اور بیٹا محروم رہے؟ میں بھی ساتھ ہوں۔

غرض دونوں سعادت مندوں نے گھوڑوں کی باگ موڑی اور فوجِ خدا میں داخل ہوئے۔ حر ہاتھوں کو جوڑے ہوئے، سر جھکائے ہوئے روتا ہوا آگے بڑھا اور پائے مبارک پر سر رکھ کر عرض کی:

"یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ".

"یہ جاں نثار وہی گناہگار ہے جو آپؑ کا سدِ راہ ہوا تھا۔ میں کیا جانتا تھا کہ یہ قوم آپؑ کے ناناؐ کا کلمہ پڑھ کر بیوفائی سے پیش آئے گی۔ اپنے نبیؐ کی اولاد کو قتل کرے گی۔ اُمیدوار ہوں کہ میری توبہ قبول ہو، میدان کی اجازت دے دیجئے"۔

"فَقَالَ الْحُسَیْنُ یَاحُرُّ اَنَا اَسْتَحْیِیْ مِنْکَ لِاَنَّکَ ضَیْفِیْ".

حضرتؑ نے فرمایا: "توبہ تو قبول ہے مگر تو مہمان ہے، شرمندہ ہوں کہ کس طرح مرنے کی اجازت دوں؟"

وہ بولا کہ سب سے پہلے میں گناہگار ہوں، چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے میں ہی قربان ہو جاؤں۔

بہرکیف جب آپؑ نے بہت مصر پایا تو اذنِ جہاد دیا۔ حکم پاتے ہی ان بہادروں کے چہرے فرطِ مسرت اور جوشِ شجاعت سے سرخ ہو گئے۔ کس خوشی سے میدان میں جان

دینے آئے۔ حر نے فوج اعداء سے مخاطب ہو کر کہا: "تمہاری مائیں تمہارے ماتم میں بیٹھیں، کچھ جانتے ہو کہ تم نے کس کے قتل پر کمر باندھی ہے؟ یہ سید مسافر عزیزوں سے دور، بے وطن، بھوکا پیاسا کون مظلوم ہے؟ کس کی گود میں پلا ہے؟ اے غافلو! یہ عرش کا تارا، اللہ کا پیارا، تمہارے نبی کا نواسا ہے۔ تمہارے بلانے پر تمہارے پاس آیا ہے۔ مہمان نوازی کے بدلے یہ غضب ہے؟

جس نہر سے یہود و نصاریٰ سیراب ہوں، اُس نہر کا پانی اپنے نبیؐ زادہ پر بند کیا ہے؟

وہ اشقیاء کیا جواب دیتے، ہر طرف سے تیر اندازوں نے تیر مارنے شروع کیے۔ اُدھر ان دونوں دلیروں کو بھی غیظ آ گیا۔ تلواریں کھینچ کر شیر غضبناک کی طرح حملہ آور ہوئے۔ چشم زدن میں کشتوں کے پشتے، لاشوں کے انبار لگا دیئے۔ میمنہ اور میسرہ لشکر کو تہ و بالا کر دیا۔ اس طرح وہ دونوں شیر باہم لڑتے تھے۔ قریب تھا کہ ساری فوج بھاگ کھڑی ہو۔ ناگاہ ایک غول بیچ میں آ کر حائل ہو گیا۔ باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا اور یہاں تک تلواروں اور نیزوں کے زخم لگائے کہ بکیر (حر کا بیٹا) زخموں کی کثرت سے گھوڑے پر سنبھل نہ سکا اور زمین پر گرا۔

حر نے دُور سے جو بیٹے کے گھوڑے کو سوار سے خالی دیکھا تو آنکھوں میں خون اُتر آیا اور اسی جانب حملہ کیا۔ فوج کو ہٹا کر بیٹے کے قریب پہنچا اور وہ حال دیکھا کہ خدا کسی باپ کو نہ دکھائے۔ سر اُٹھا کر کہا: خداوندا! شکر ہے کہ تو نے اپنے حبیبؐ کے فرزند کی محبت میں مجھے مبتلائے بلا کیا۔

اس کے بعد چاہا کہ لڑتا ہوا خدمتِ امامؑ میں حاضر ہو۔ ناگاہ غیب سے آواز آئی:

"یَا حُرُّ اَیْنَ تَذْهَبُ"

"اے حر! کہاں جاتا ہے؟ حوریں بہشت میں تیری منتظر ہیں"۔

یہ بشارت سن کے اس مشتاقِ جنت نے آواز دی:

"یا ابن رسول اللہ! آپؐ کا یہ غلام آپؐ کے جدِ بزرگوار کی خدمت میں جاتا ہے۔ اگر کچھ پیغام ہو تو ارشاد کیجیے۔

حضرتؑ نے فرمایا: خدا جزائے خیر دے، تو آگے چل، میں بھی آتا ہوں۔

اسی اثناء میں دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تیر پر تیر برسانے لگے۔ نیزہ پر نیزہ لگانے لگے۔ ایک دلیر کہاں تک زخموں کا متحمل ہو سکتا ہے! سراپا زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر گرا اور پکارا:

"یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَدْرِكْنِيْ".

غلام نے جان آپؐ پر قربان کی۔ بندہ نوازی سنتے ہی حضرتؑ بے چین ہو گئے۔ خود لاشِ حر پر تشریف لائے اور اپنے جاں نثار کا سر اپنے زانوئے اقدس پر رکھ لیا اور بکمالِ شفقت اپنی آستین مبارک سے اس کے چہرہ کا خون صاف کرنے لگے۔

حر نے جو اپنے آقا کی خوشبو محسوس کی، غش سے آنکھیں کھول دیں۔ یہ غلام نوازی دیکھ کر تبسم کیا، پھر عرض کیا:

"مولاؑ! آپؐ مجھ سے راضی ہوئے؟"

فرمایا: "ہاں، بلکہ خدا اور رسولؐ تجھ سے رضامند ہوئے"۔

یہ بشارت سن کر حر کا طائرِ روح گلشنِ جنت کو پرواز کر گیا۔

مشہور ہے کہ امامؑ اس تازہ مہمان کے ماتم میں اس طرح روئے جیسے کوئی اپنے عزیز کو روتا ہے۔

مؤمنین! خیال کیجیے کہ مہمانِ حسینؑ جو دُنیا سے گیا تو وقتِ رحلت اس کا سر آپؐ کے زانوئے مبارک پر رکھا تھا مگر جب خود مہمانِ کربلا زخموں سے چور ہو کر پشتِ ذوالجناح سے زمین پر تشریف لائے تو کون تھا کہ اس مظلومؑ کا سر زانو پر رکھتا۔ جنت سے جنابِ سیدہؑ،

خیمہ سے جنابِ زینبؑ روتی پیٹتی دوڑیں۔ ماں نے بیٹے کا سر گود میں لے لیا۔ فوج کی کثرت سے بہن بھائی کے قریب نہ پہنچ سکیں۔ ایک بلندی پر جا کر پچھاڑیں کھانے لگیں۔ جب حرؑ نے غش سے آنکھیں کھولی تھیں تو امامؑ کا چہرۂ منور نظر آیا تھا۔

آہ، آہ! حضرتؑ نے جب تھوڑی دیر کے بعد غش سے آنکھیں کھولیں تو قاتل کو سینہ پر خنجر بکف آمادۂ قتل پایا۔ بہن کو سامنے سر پیٹتے، خاک پر لوٹتے دیکھا۔ آنکھوں کو کبھی ضعف سے بند کر لیتے تھے، کبھی زخموں کی کثرت سے کھول دیتے تھے اور بار بار نگاہِ حسرت سے جنابِ زینبؑ کو دیکھتے تھے، یہاں تک کہ بھائی بہن کو دیکھتا رہا اور بہن بھائی کو دیکھتی رہیں اور سرِ امامِ مظلوم بدن سے جدا ہو گیا۔

فضائلِ امام حسینؑ، جنابِ رسولِ خداؐ کا جنابِ فاطمہؑ کو شہادتِ امام حسینؑ کی خبر دینا، امام حسینؑ کا ایک شب کی مہلت طلب کرنا اور جون غلام ابی ذر کی شہادت

"فِیْ اَلامَالِیْ عَنْ حُذَیْفَۃِ الْیَمَانِیْ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ اَخَذَ بِیَدَی الْحُسَیْنِ ابْنِ عَلِیٍّ وَھُوَیَقُوْلُ"

کتاب "امالی" میں حذیفہ یمانی سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ جنابِ رسولِ خداؐ حسینؑ ابن علیؑ کے ہاتھ تھامے ہوئے فرماتے تھے:

"اَیُّھَاالنَّاسُ ھٰذَاالْحُسَیْنُ ابْنُ عَلِیٍّ فَاعْرِفُوْہُ".

"اے گروہِ مردم! یہ حسینؑ ابن علیؑ ہے، اسے پہچانو"۔

"فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہٗ لَفِی الْجَنَّۃِ وَمُحِبِّیْہِ فِی الْجَنَّۃِ وَمُحِبِّیْ مُحِبِّیْہِ فِی الْجَنَّۃِ".

قسم ہے اُس خالق کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ میرا فرزند اہلِ بہشت سے ہے اور جو کوئی اسے دوست رکھے، وہ بھی اہلِ جنت سے ہے اور جو اس کے دوستوں کو دوست رکھے گا، وہ بھی اہلِ بہشت سے ہے۔

معتبر سند کے ساتھ روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"کَانَ الْحُسَیْنُ مَعَ اُمِّہٖ تَحْمِلُہٗ فَاَخَذَہُ النَّبِیُّ وَقَالَ".

ایک روز جنابِ فاطمہ زہراؑ امام حسین علیہ السلام کو اپنی گود میں رکھتی تھیں کہ رسولؐ

خدانے آپؑ کی گود سے اپنی آغوش میں لے لیا اور فرمایا:

"لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَکَ وَلَعَنَ اللّٰهُ سَالِبَکَ وَاَهْلَکَ اللّٰهُ الْمُتَوَازِرِیْنَ عَلَیْکَ وَحَکَمَ اللّٰهُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَنْ اَعَانَ عَلَیْکَ"

اے حسینؑ! خدا لعنت کرے تیرے قاتل پر اور لعنت کرے اُن لعینوں پر جو بعدِ شہادت تجھے بے لباس کریں اور خدا لعنت کرے اُن پر جو اعانت کریں تیرے قتل پر اور خدا حکم کرے میرے درمیان اور اُن کے جو تیرے قاتلوں کی یاری کریں۔

"قَالَتْ فَاطِمَةُ یَااَبَتِ اَیُّ شَیْءٍ تَقُوْلُ"

جنابِ فاطمہؑ یہ خبرِ وحشت اثر سن کر پریشان ہوئیں اور عرض کی: بابا جان! میرے حسینؑ کے حق میں کیا فرماتے ہیں؟

حضرتؐ نے فرمایا: "اے فاطمہؑ! تمہیں وہ ظلم اور آزار یاد آئے جو میرے بعد تمہارے اور حسینؑ پر اس اُمت کے ہاتھ سے پہنچیں گے۔ ایک دن وہ ہوگا کہ یہ فرزند بیچ میں کھڑا ہوگا اور چند انصار جاں نثاری پر آمادہ، زندگی سے سیر، موت کے اشتیاق میں اردگرد کھڑے ہوں گے۔ اِس وقت وہ معرکہ میری آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ گویا دیکھتا ہوں کہ یہ لشکر گاہ ہے، وہ خیمہ گاہ ہے۔ یہ وہ زمین ہے جہاں ان کی قبر بنائی جائے گی"۔

معصومہؑ نے پوچھا: "وہ کونسی جگہ ہے؟"

فرمایا: "ایک مقام ہے جس کا نام کربلا ہے"۔

"وَهِیَ دَارُ کَرْبٍ وَبَلَاءٍ عَلَیْنَا وَعَلَی الْاَئِمَّةِ"

اور وہ زمین ہم اہل بیتؑ کیلئے باعثِ اندوہ ہے۔

"قَالَتْ یَااَبَتِ فَیُقْتَلُ"

جنابِ فاطمہؑ نے عرض کی: "بابا جان! کیا میرا حسینؑ قتل کیا جائے گا؟"

"قَالَ نَعَمْ وَمَاقُتِلَ قِتْلَةً اَحَدٌ کَانَ قَبْلَهُ وَلَابَعْدَهُ"

حضرتؐ نے فرمایا: اے فاطمہؑ! تیرا حسینؑ شہید ہوگا اور ایسی مظلومیت سے شہید ہوگا کہ کوئی اس مظلومیت سے دُنیا میں قتل نہ ہوا ہوگا اور اس پر آسمان وزمین اور ملائکہ اور جانورانِ وحشی و ماہیانِ دریا اور پہاڑ روئیں گے۔

جنابِ فاطمہؑ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" کہہ کر بے اختیار حالِ حسینؑ پر رونے لگیں۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: اے بیٹی! کیا تم راضی نہیں کہ حسینؑ کی شہادت کے عوض تاجِ شفاعت اُمتِ عاصی خدا تمہارے باپ کے سر پر رکھے اور کیا تم نہیں چاہتیں کہ جب تمام خلق تشنہ بلب ہو تو تمہارا شوہر ساقیِ کوثر ہو اور کیا تم راضی نہیں کہ ملائکہ روزِ قیامت تمہارے حکم کے منتظر کھڑے رہیں؟

اس طرح کے کلمات جب حضرتؐ نے ارشاد فرمائے، اس وقت جنابِ فاطمہؑ نے عرض کی: بابا جان! اگر میرے فرزند کی شہادت میں یہ ثواب ہیں کہ روزِ قیامت ہمارے ماننے والے بخشے جائیں گے تو میں خوب راضی ہوں۔

جنابِ رسولؐ خدا نے جنابِ سیدہؑ کے آنسو پونچھ کر شفقت سے پیشانی پر دستِ مبارک پھیرا اور فرمایا کہ ہم، علیؑ، تم اور حسینؑ اور تمہارے سب شیعہ ایسے مکان میں ہوں گے کہ ان کے دیکھنے سے تمہاری آنکھیں روشن اور تمہارا دل ٹھنڈا ہوگا۔

مومنین! خوشا حال شیعانِ علیؑ ابن ابی طالبؑ و غلامانِ سیدہؑ کا، خدا ہم عاصیوں کو اُن کی غلامی میں محسوب کرے۔ غلامی کی علامت یہ ہے کہ جب مصائبِ اہل بیتؑ بیان ہوں تو بے ساختہ اشک آنکھوں سے جاری ہوں۔

سبحان اللہ! عاشق جاں نثار و غلامِ صادق وہ بزرگوار تھے جنہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا، اہل و عیال سے منہ موڑا اور روزِ عاشورہ کس جرأت اور خندہ پیشانی سے فرزندِ رسولِ مختار پر نثار ہوئے۔

لَقَدْ عَانَقُوا الْبِيْضَ سُرُوْرًا وَفَرْحَةً
لَهُمْ مِثْلُ يَوْمِ الْعِيْدِ يَوْمُ الشَّهَادَةِ

''وہ جرأت مند انصار اور اصحاب باوفا کس خوشی سے تلواروں سے گلے ملتے تھے، گویا وہ روزِ شہادت اُن کے واسطے روزِ عید تھا''۔

فَقَدْ جَاهَدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِمْ
وَقَدْ قُوْتِلُوْا حُبًّا لِرَبِّ الْبَرِيَّةِ

ایسے دیندار کہاں ہوتے ہیں، مرتے دم تک راہِ خدا میں جو دینداری کا حق تھا، اسی طرح جان و مال سے آمادہ رہے اور خوشنودیٔ حق تعالیٰ کے واسطے بھوکے پیاسے قتل ہو گئے۔

منقول ہے کہ جب جنابِ امام حسین علیہ السلام زمین کربلا پر زغۂ اعداء میں گھر گئے، براہِ چارہ مسدود ہو گئی اور ان حضرات پر پانی بھی بند ہوا، اس وقت شمر لعین فوجِ خدا کے سامنے آ کر پکارا:

''اَنْتُمْ يَابَنِيْ اُخْتِيْ اٰمِنُوْنَ''

کہاں ہیں میرے بھانجے عباس، جعفر، عبداللہ و عثمان۔ یہ سن کر فرزندانِ حیدرؑ کرار اُس مکار کے سامنے تشریف لائے۔ شمر نے کہا: تمہاری مادرِ گرامی میری قوم سے ہیں، اس لئے میں تمہیں امان دیتا ہوں۔ اپنے بھائی حسینؑ کی بیعت سے ہاتھ اُٹھاؤ، ناحق اُن کی رفاقت میں قتل ہوتے ہو۔

''فَقَالَ لَهُ الْفِتْيَةُ لَعَنَكَ اللّٰهُ وَلَعَنَ اَمَانَكَ''۔

ایک صاحبزادہ نے فرمایا: خدا کی لعنت تجھ پر اے شمر اور تیرے امان دینے پر۔

''اَتُؤْمِنُنَا وَابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا اَمَانَ لَهٗ''

اے شقی! ہمیں تو رعایت سے امان دیتا ہے اور فرزندِ رسولؐ کو امان نہیں دیتا؟

پس شمر لعین بے دین نادم و ذلیل ہو کر پھر گیا اور وقتِ عصر عمر سعد نے اپنی فوجِ شیطانی کو پکار کر کہا: فرزندِ رسولؐ کے قتل پر آمادہ ہو۔

اس وقت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی عباسؑ سے فرمایا: جا کر عمر سعد سے ایک شب کی مہلت طلب کرو کہ آج کی رات ہم عبادتِ خدا میں بسر کر لیں۔

جنابِ عباسؑ گئے اور فرمایا ''اے عمر سعد! فرزندِ رسولؐ ایک شب کی مہلت طلب کرتے ہیں''۔

اُس لعین نے کہا: ہرگز مہلت نہ دیں گے، اسی وقت لڑیں گے۔

عمر بن حجاج نے کہا: ''اے عمر! اگر کافر ترک و دیلم تجھ سے سوال کرتا تو بھی تجھے لازم نہ تھا کہ ایسا صاف جواب دیتا، حیف ہے کہ فرزندِ رسولؐ ایک شب کی مہلت طلب کریں اور تو نہ دے''۔

اس وقت اُس لعین نے مجبور ہو کر ایک شب کی مہلت دی۔ پس تمام شب حضرتؑ نے عبادتِ خدا میں بسر کی اور سب اصحابِ باوفا کو جمع کیا۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا:

''میں اپنے اصحاب سے زیادہ کسی کے اصحاب کو وفادار نہیں جانتا اور نہ کسی کے اہل بیت کو اپنے اہل بیتؑ سے پاکیزہ تر جانتا ہوں۔ خدا تمہیں میری جانب سے جزائے خیر دے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ بلا مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ تم سب کو میں رخصت کرتا ہوں، اپنے گھروں کو جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے لئے برباد ہو۔ یہ قومِ جفاکار میرے ہی درپے قتل و آزار ہے۔ جب یہ اشقیاء مجھے قتل کریں گے، ہرگز تمہارے درپے نہ ہوں گے۔

سب اصحاب نے یک زبان ہو کر عرض کی:

''لَا اَرَانَا اللّٰهُ ذٰلِكَ اَبَدًا''

خدا ہمیں وہ وقت نہ دکھائے کہ ہمارا ایسا امامؑ و آقا شہید ہو اور ہم سب دیکھیں۔

یابن رسولؐ اللہ! آپؑ پر ہم سب اپنی جانیں نثار کریں گے، جب تک تلوار کا قبضہ
ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اگر ہتھیار بھی لڑنے کیلئے باقی نہ رہے تو پتھروں سے ماریں گے
مگر آپؑ سے جدا نہ ہوں گے۔

قسم بخدا! اگر ہم قتل کئے جائیں اور پھر زندہ کئے جائیں اور پھر قتل ہو کر جلائیں
جائیں، ستر بار بھی اگر ایسا ہو تو بھی ہم سب غلام آپؑ سے جدا نہ ہوں گے۔

لَهُمْ عِيْدُ عَاشُوْرَاءَ اَمْ عِيْدُ اُضْحِيَةِ
فَقَدْ ذُبِحُوْا فِي الطَّفِ مِثْلَ الذَّبِيْحَةِ

روزِ عاشورہ شوقِ شہادت میں کیا خوش ہوتے تھے۔ گویا وہ دن اُن کیلئے عید
قربان تھا مگر فرق یہ تھا کہ عید قربان پر جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، اُس دن وہ لوگ خود مثل
حیواناتِ قربانی ذبح ہو گئے۔

وَهُمْ صَاحَبُوْا سِبْطَ الرَّسُوْلِ الْمُكَرَّمِ
بِاَنْفُسِهِمْ فِيْ كُلِّ وَقْتِ الْمُصِيْبَةِ
فَكَانُوْا عِطَاشًا جَائِعِيْنَ لَيَالِيًا
وَقَدْ قُطِعَتْ اَعْضَاءُهُمْ فِي الْمَعِيَّةِ

دوست و انصاران کو کہتے ہیں کہ محبت اور جاں نثاری کے معنی یہ ہیں کہ کسی وقت
مصیبت اور عالم شدت میں اپنے آقا جنابِ سید الشہداء کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہر حال میں
شریک رہے۔ رفاقت میں وطن چھوڑا، مسافرت اختیار کی، تین دن بھوکے پیاسے رہے۔
آخر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر حضرتؑ کے قدموں پر نثار ہو گئے۔

منقول ہے کہ صبح کو جون، غلامِ وفادار ابوذر غفاری نے حضرتؑ سے رخصت
جنگ چاہی۔ آپؑ نے اُسے بہت سمجھایا اور فرمایا: اے جون! میں نے تجھے رخصت کیا، تو
ہمارے ساتھ آیا تھا کہ نعمت ہائے دُنیا سے سیر ہو اور ہم اس بلا میں گھر گئے۔ جیسا کہ تو دیکھتا

ہے کہ پانی تک دو دن سے نہیں ملا۔ پس تو ہماری طرح اس بلا میں مبتلا نہ ہو۔

اُس نے عرض کی، اے فرزندِ رسولؐ! یہ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ یا حضرتؑ! اس
غلام نے آپؑ کی بدولت ایمان کی دولت پائی اور کاسہ ہائے نعمت کھا کر پلا۔ زندگی ہمیشہ
عیش و آرام سے بسر کی۔ حیف ہے جون پر کہ ایسے وقتِ مصیبت میں اپنی جانِ ناچیز نثار نہ
کرے اور ترکِ رفاقت کرے۔ روزِ جزا جنابِ رسولِ خداؐ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟

یابن رسولؐ اللہ! آپؑ نہیں چاہتے کہ یہ بدبودار اور کالے رنگ کا غلام شہید ہو؟

"وَاللّٰهِ اُفَارِقُكُمْ"

یا حضرتؑ! خدا کی قسم ہے کہ یہ غلام آپؑ سے جدا نہ ہوگا، یہاں تک کہ اپنے خونِ
سیاہ کو آپؑ کے خون ہائے طیب و نورانی پر نثار نہ کرے۔

ناچار اس دیندار کو حضرتؑ نے رُخصتِ جہاد عطا کی اور وہ میدانِ قتال میں آیا
اور یہ اشعار رجز میں پڑھنے لگا:

كَيْفَ تَرَى الْكُفَّارُ ضَرْبَ الْاَسْوَدِ
بِالسَّيْفِ ضَرْبًا عَنْ بَنِيْ مُحَمَّدٍ
اَذُبُّ عَنْهُمْ بِاللِّسَانِ وَالْيَدِ
اَرْجُوْ بِهِ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْمَوْرِدِ

آج دیکھو اے کفارِ جنگ کہ غلام حبشی نصرتِ فرزندِ حیدرِ کرار کیسی تلواریں مار کر
خون کے دریا بہاتا ہے اور تم کو جہنم کی طرف پہنچاتا ہے۔ اپنی جانِ ناچیز قومِ مبارک فرزندِ
رسولِ خداؐ پر نثار کرتا ہے۔

شر اعداء کو فرزندِ رسولؐ سے دفع کروں گا، جب تک میرے ہاتھ سلامت ہیں اور
زبان باقی ہے۔ اس کے عوض رحمتِ پروردگار کا اُمیدوار ہوں کہ جنت میں داخل ہوں۔

ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ".

یہ رجز پڑھ کر وہ غلام مصروفِ جہاد ہوا اور تیغِ ابدار سے بہت سے کفار فی النار کیے۔ آخرالامر وہ دیندار شربتِ شہادت، جامِ سعادت نوش کرکے راہیِ جنت ہوا۔

امام حسینؑ بیتابانہ جون کی لاش پر تشریف لائے اور دستِ مناجات بلند کرکے عرض کی:

"اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھَهٗ وَطَیِّبْ رِیْحَهٗ وَعَرِّفْ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ آلِ مُحَمَّدٍ".

خداوندا! اپنی رحمت سے میرے جون کا منہ نورانی فرما اور اس کی بو کو خوشبو میں بدل دے۔ جون اور آلِ محمدؐ میں جدائی نہ ڈال۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: جب اہلِ قریہ لاش ہائے شہداء دفن کرنے لگے تو دس روز تک جون کا چہرہ نورانی تھا اور بوئے مشک و عنبر جون کے بدن سے آتی تھی، سبحان اللہ!

کیا کیا جاں نثار و وفادار فرزندِ حیدرِ کرارؑ کو پروردگار نے عطا فرمائے تھے کہ جناب صاحب الزمان علیہ السلام زیارتِ سائرِ شہداء میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلسَّلَامُ عَلٰی جَوْنٍ مَوْلٰی اَبِیْ ذَرِّ الْغِفَارِیِّ"

"میرا اسلام ہو جون، غلامِ ابوذر غفاریؓ پر"۔

اب مقامِ تاسف ہے کہ فرزندِ رسولؐ خدا سب کی لاشوں پر آئے اور جب وہ جنابؑ شہید ہوئے تو کوئی نہ تھا کہ انؑ کی لاش پر آکر روتا، دفن کرتا، حتیٰ کہ چالیس روز تک لاشِ فرزندِ فاطمہ زہراؑ بے کفن خاک پر پڑی رہی۔

فضائلِ بکاء اور شہادتِ غلام ترکی

"عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ اَنَّهٗ قَالَ کُلُّ الْجَزْعِ وَالْبُکَاءِ مَکْرُوْهٌ سِوَی الْجَزْعِ وَالْبُکَاءِ عَلَی الْحُسَیْنِؑ"

مخبرِ صادق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سب رونا اور بیقراری کرنا مکروہ ہے مگر امام حسینؑ کے غم میں رونا اور بیقراری کرنا ثوابِ عظیم پر مشتمل ہے۔

"وَقَالَ مَنْ ذُکِرْنَا عِنْدَهٗ فَفَاضَ مِنْ عَیْنَیْهِ وَلَوْ مِثْلَ رَاسِ الذُّبَابَةِ".

اور فرمایا کہ جس کے سامنے ہمارا ذکرِ مصائب ہو اور اُس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہوں،

"غَفَرَ اللّٰہُ ذُنُوْبَهٗ وَلَوْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ".

تو خداوندِ کریم اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے، اگرچہ کفِ دریا کے برابر ہوں۔

مسمع بن عبدالملک نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرتؑ نے مجھ سے پوچھا: اے مسمع! تو اہلِ عراق سے ہے، زیارتِ امام حسینؑ کو بھی جاتا ہے؟

"فَقُلْتُ لَا اَنَا رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ"

میں نے عرض کی: یا مولا! میں اہلِ عراق میں نہیں رہتا، بصرہ کا رہنے والا ہوں اور میرے پاس کچھ ناصبی ہوا خواہِ خلیفہ رہتے ہیں۔ اسی سبب سے میں زیارت سے محروم رہتا ہوں۔

"قَالَ اَتَذْکُرُ کُرُمَا صُنِعَ بِهٖ قُلْتُ بَلٰی".

حضرتؑ نے فرمایا: جو میرے جد پر مصائب گزرے ہیں، انہیں یاد بھی کرتا ہے؟

میں نے عرض کی: جی ہاں۔

"قَالَ اَفَتَجْزَعُ قُلْتُ اِیْ وَاللّٰہِ"

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا: تو پھر روتا بھی ہے؟

میں نے عرض کی: خدا کی قسم! میں روتا بھی ہوں۔

"وَاسْتَعْبِرُ لِذٰلِکَ حَتّٰی یَرٰی اَھْلِیْ اَثَرَ ذٰلِکَ عَلَیَّ".

اس قدر رنج وصدمہ دل پر گزرتا ہے کہ میرے عیال اثرِ حزن مجھ میں پاتے ہیں اور کھانا اور پانی مجھے ناگوار ہو جاتا ہے اور غم واندوہ میرے چہرے پر معلوم ہوتا ہے۔

"قَالَ رَحِمَ اللّٰہُ دَمْعَکَ اَمَا اَنَّکَ مِنَ الَّذِیْنَ یُعَدُّوْنَ فِیْ اَھْلِ الْجَزْعِ لَنَا"

حضرتؑ نے فرمایا: خدا رحم کرے تیرے رونے پر اے مسمع! تو ہمارے رونے والوں میں شمار کیا جائے گا۔

اے مسمع! قریب ہے کہ تیرے وقتِ موت ہمارے آبائے طاہرین تشریف لائیں گے اور تیری ملک الموت سے سفارش کریں گے اور تجھے ایسی بشارت دیں گے کہ تیری آنکھیں روشن ہوں گی۔

"فَمَلَکُ الْمَوْتِ اَرَءَفُ وَاَشَدُّ رَحْمَۃً لَکَ مِنَ الْاُمِّ الشَّفِیْقَۃِ عَلٰی وَلَدِھَا"

پس ملک الموت تجھ پر شفیق ماں کی مانند مہربان ہوں گے۔

"وَمَارَقَاْتُ دُمُوْعُ الْمَلَائِکَۃِ مُنْذُ قُتِلْنَا".

اور جس روز سے ہم اہل بیتؑ شہید ہوئے ہیں، فرشتوں کا رونا موقوف نہیں ہوا۔

"فَاِذَا سَالَ دُمُوْعُہُ عَلٰی خَدِّہٖ فَلَوْ اَنَّ قَطْرَۃً مِنْ دُمُوْعِہٖ سَقَطَتْ فِیْ جَھَنَّمَ لَاَطْفَاءَتْ حَرَّھَا"

جس کی آنکھوں سے اشک ہماری مصیبت سن کر رخساروں پر رواں ہوں، ان آنسوؤں کا یہ رُتبہ ہے کہ اگر ایک قطرہ آتش جہنم میں ڈال دیا جائے تو حرارتِ آتش ٹھنڈی ہو جائے گی۔

پس مومنین! عظیم ترین مصائب اہل بیتؑ سے مصیبت جناب امام حسینؑ ہے۔ اس مظلوم پر روئیں جس پر رونا مرنے کے بعد کام آئے گا۔ خیال کیجئے کہ حضرتؑ نے ہماری خاطر دوپہر میں اپنا گھر لٹا دیا۔ کیسے کیسے عزیز واقرباء، جن کا دو عالم میں نظیر نہ تھا، اُن کے داغ اُٹھائے۔

لَوْلَمْ یَکُنْ قَتْلُ الْبَنِیْنَ کَفٰی بِہٖ
اَنْ فَاتَہُ اَصْحَابُہُ الشُّرَفَاءُ
اَلصَّائِمُوْنَ الْقَائِمُوْنَ الْعَابِدُوْ
نَ السَّاجِدُوْنَ الرُّکَّعُ الْقُرَّاءُ

اگر حضرتؑ کے عزیز واولاد کی شہادت نہ بھی ہوتی تو کیا یہ کم تھا کہ آپؑ کے ایسے ایسے اصحابِ لاجواب آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے کہ ہر شخص ان میں صائم الدہر اور قائم اللیل، قاریٔ قرآن، عبادتِ خدا پر آمادہ اور سجدۂ خالق میں اُفتادہ رہتا تھا۔

مَا اِنْ سَقَوْا کَاسَ الْحُتُوْفِ مَرَارَۃً
بَلْ تِلْکَ فِیْ اَذْوَاقِھِمْ حَلْوَاءُ
وَالْبِیْضُ بِیْضٌ عَانَقُوْھَا رَغْبَۃً
وَمِنَ الْحِمَامِ اِلَی الْحِمَامِ فَجَاءُوْا

اور ان بزرگانِ خدا نے شربتِ موت کو تلخی سے نہ پیا بلکہ ملاقاتِ پروردگار کے

شوق میں موت کی چاشنی کو لذیز شیرینی کے مثل سمجھے اور جوانانِ حسینیؑ تلواروں کے دہانوں سے معشوق سمجھ کر بشوق و رغبت گلے ملے اور گلے کٹوا کر آغوشِ آسائش میں بسترِ استراحت پر آرام کیا۔

زُفُّوا اِلٰی دَارِ النَّعِیْمِ عَرَائِسًا
بِدِمَائِھِمْ لَاکَفِّھِمْ حِنَّاءُ
لَاتَحْسَبَنَّ الْقَوْمَ اَمْوَاتًا فَاِنْ
ھُمْ لَعِنْدَ مَلِیْکِھِمْ اَحْیَاءُ

اللہ اللہ! یہ شہدائے کربلا دولہا بنے ہوئے اور اپنے خون کی مہندی اپنے ہاتھوں میں لگائے ہوئے باغ بہشت میں پہنچے۔ شہیدوں کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ ہم لوگوں کی طرح زندہ ہیں۔ پروردگار کے پاس انواعِ نعمت سرمدی سے کامیاب ہوتے ہیں۔

"رُوِیَ اَنَّہُ لَمَّا اشْتَدَّ الْقِتَالُ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ جَاءَ الْعَبْدُ التُرْکِیُّ اِلَی الْحُسَیْنِؑ وَکَانَ حَافِظًا لِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْتَاذَنَ مِنْہُ"

منقول ہے کہ جب روزِ عاشورا موت کا بازار گرم ہوا، ایک غلامِ ترکی، حافظ قرآن، صاحبِ ایمان امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں دیکھتا ہوں کہ آج اس لشکر سے کوئی زندہ نہ بچے گا۔ باری باری سب شہید ہوتے ہیں۔ غلام کو بھی اجازت ہو کہ اپنی جانِ ناچیز ان قدموں پر نثار کرے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ میں نے تجھے غلام نہیں سمجھا۔ ہمیشہ بیٹوں کی طرح پالا ہے، کیونکر مرنے کی اجازت دوں؟ اس امر میں مجھے کوئی اختیار نہیں کہ میں تجھے اپنے فرزند امام زین العابدینؑ کے سپرد کر چکا ہوں۔ وہی تیرے مالک ہیں اور انہی سے اجازت لینا لے۔

"فَجَآءَ عِنْدَ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِؑ".

یہ سن کر وہ ترکی غلام امام زین العابدینؑ کے پاس آ کر کہنے لگا: میں نے میدان کی اجازت چاہی تھی، امامؑ نے فرمایا ہے کہ اس امر میں میرے فرزندِ علیل کو اختیار ہے۔ میں آپؑ کی خدمت میں اجازت کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔

لکھا ہے کہ حضرتؑ بسترِ بیماری پر ضعف سے آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ فرمایا:

"افسوس! بیماری نے مجھے اس سعادت سے محروم رکھا، تو خوش قسمت ہے کہ اس امر پر آمادہ ہوا ہے۔ اب میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا۔ اپنے فعل کا مختار ہے"۔

وہ دیندار خوشی خوشی رُخصت ہوا اور خیمہ عصمت کے قریب آ کر آواز دی:

"یَا اَھْلَ الْبَیْتِ النُّبُوَّةِ اِعْفُوْنِیْ مَاقَصُرْتُ مِنْ خِدْمَتِکُمْ".

اے اہلِ بیتِ رسولؐ، ذریتِ بتولؑ! رُخصتِ آخر کو حاضر ہوا ہوں۔ جو قصور ہو، معاف کیجئے اور قیامت کے دن اس غلام کو نہ بھولئے گا۔

مومنین! دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ کی غلام نوازی دیکھئے کہ رونے لگیں اور فرمایا: خدا تجھے جزائے خیر دے۔ جو وفاداری کا حق تھا، تو نے ادا کیا۔

غرض وہ ترکی غلام دوبارہ امامِ مظلوم کی خدمت میں آ کر رُخصت ہوا اور عرض کی:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ".

حضرتؑ نے فرمایا:

"وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ وَنَحْنُ خَلْفَکَ".

تجھ پر بھی خدا کی رحمت، حسینؑ کا سلام ہو۔ بھائی تو آگے چل، ہم بھی آتے ہیں۔

اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ اُدھر بیمارِ کربلا نے خیمہ کے پردہ کو میدان کی طرف سے اُٹھا دیا کہ اپنے غلام کی جنگ ملاحظہ کریں۔ اُدھر وہ ترکی غلام میدان میں آ کر یہ رجز

پڑھنے لگا:

حُسَیْنٌ اَمِیْرِیْ وَنِعْمَ الْاَمِیْرُ
سُرُوْرُ فُؤَادِ الْبَشِیْرِ النَّذِیْرِ

اے اہلِ کوفہ وشام، اے فوجِ بدانجام! مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ مالکِ دین ودُنیا جنابِ رسولِ خدا کا فرزند میرا سردار ہے۔ میں حسینؑ ابنِ علیؑ کا غلام ہوں۔

عَلِیٌّ وَفَاطِمَۃُ وَالِدَاہُ
فَھَلْ تَعْلَمُوْنَ لَہٗ مِنْ نَظِیْرِ

میرے آقا کا مثل ونظیر کون ہے؟ کس کا باپ علی مرتضیٰؑ ہے، کس کی ماں فاطمہ زہراؑ ہے؟

یہ رجز پڑھ کر سرگرمِ کارزار ہوا اور جو شقی منہ پر چڑھتا تھا، تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتا تھا، یہاں تک کہ بہت سے ظالموں کو داخلِ جہنم کیا اور خود بھی زخموں سے چور چور ہوا۔ اپنے آقا کی رفاقت میں تین دن کا تو پیاسا تھا۔ لڑتے لڑتے زخم کھائے اور پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ہائے مجھے پیاس نے ہلاک کیا۔

"فَقَالَ مَرْحَبًا یَا تُرْکِیُّ وَبَشَّرَہٗ بِالْکَوْثَرِ"

حضرتؑ نے فرمایا: مرحبا اے ترکی! کچھ دیر نہیں کہ تو کوثر کے پانی سے سیراب ہوگا۔

یہ بشارت سن کر اس کا چہرہ خوشی سے لال ہوگیا۔ پھر قدمِ مبارک چوم کر میدان کو روانہ ہوا۔ بہت سے ناریوں سے تو جنگ میں مضمحل ہو چکا تھا، اس مرتبہ اور بھی قریبِ ہلاکت ہوگیا۔ آخر کیا کرتا، ہر طرف سے فوج نے گھیر لیا۔ کس کس کو مارتا، کس کس سے اپنے کو بچاتا۔ زخم کھاتے کھاتے طاقت ہی نہ رہی۔ گھوڑے سے زمین پر گرا اور آواز دی:

"یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ اَدْرِکْنِیْ".

یہ سنتے ہی حضرتؑ خود بنفسِ نفیس بیتابانہ دوڑے، دیکھا کہ ابھی جان باقی ہے۔ خیمہ میں اُٹھالائے اور محبت سے اس فدائی کا سر زانوئے مبارک پر رکھ لیا۔ پھر منہ پر منہ رکھ کر اس طرح رونے لگے جس طرح باپ بیٹے کو روتا ہے۔

امام زین العابدینؑ نے جو اپنے غلام کا یہ حال سنا تو وہ حضرتؑ باوجود ضعف و نقاہت کے بسترِ بیماری سے ہاتھ ٹیک کر اُٹھ بیٹھے اور کانپتے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے قریب آکر پہلو میں بیٹھ کر رونے لگے۔

اس ترکی غلام کے دماغ میں جو گلدستہ امامت کی خوشبو پہنچی، غش سے آنکھیں کھول دیں۔ ایک آقا کو سرہانے اور ایک آقا کو پہلو میں پایا۔ یہ غلام نوازی دیکھ کر متبسم ہوا اور اس کا طائرِ روح جسم سے پرواز کر گیا۔

مؤمنین! فوجِ حسینیؑ میں دُنیا سے رحلت کی تو اس کے آقا پاس موجود تھے۔ مگر جب اس فوج کے سردار نے اسی دن عصر کے وقت رُخصتِ شہادت پائی تو غلاموں سے، رفیقوں سے، عزیزوں سے کوئی لاش پر موجود نہ تھا۔

اس وقت تو بیمارِ کربلا بھی بھائیوں اور عزیزوں کو دیکھ کر اپنے غلام کو دیکھنے کیلئے آئے اور روئے لیکن اس وقت کون زندہ تھا جس کی وجہ سے دل کو طاقت ہوتی! یہ توانائی کہاں تھی کہ بسترِ بیماری سے اُٹھ کر بابا تک جاتے! غش میں پڑے تھے۔ یہ خبر بھی نہ ہوئی کہ بابا کب شہید ہوئے، کب سر کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا گیا اور شہادت کے بعد جب قید ہو کر ماں بہنوں کو لئے اس جسم بے سر تک پہنچے تو لاش پر رونا نصیب نہ ہوا۔

آہ، آہ! امام حسینؑ نے تو اپنے فرزندؑ کے غلام پر یہ شفقت کی کہ خیمہ میں اُٹھا لائے، کیا حال ہوتا آپؑ کا جو یہ دیکھتے کہ اعداء نے اسی خیمہ میں آگ لگا دی ہے اور اسی فرزندِ علیل کو بستر پر ستاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے:

"اُقْتُلُوْہُ عَلٰی فِرَاشِہٖ"

یعنی اس مریض کو اس کے فرش پر ہی قتل کرو۔

وہ فرش جس پر آپ لیٹے تھے، اُٹھا کر لے جایا جاتا ہے۔ کوئی دوہری زنجیریں اور طوق پہنانے لاتا ہے۔

اللہ، اللہ! وہ ناتواں جس سے آنکھ کھولی نہ جاتی تھی، وہ زنجیریں پہن کر کیونکر منزلوں پیادہ گیا ہوگا۔ مشہور ہے کہ بیمارِ کربلا کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اونٹوں کی مہار تھامے، لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں سے آہستہ آہستہ کانٹوں اور سنگریزوں پر چلے جاتے تھے۔ جب ضعف سے غش کھا کر گرتے تھے تو اعداء اس طرح بے ادبی کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کے دل ہل جاتے تھے۔ بیبیوں میں ''وَاوَلَدَاہ، وَامُصِیبَتَاہ'' کا شور بلند ہوتا تھا۔

فضائلِ شیعہ، شہادتِ وہب بن عبداللہ کلبی

"عَنِ الصَّادِقِ اَنَّهُ قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ شِيْعَتَنَا اِنَّهُمْ يَتَاَلَّمُوْنَ مِنْ اَعْدَائِنَا فِيْ مَحَبَّتِنَا وَلَا نَتَاَلَّمُ بِهِمْ".

مصحفِ ناطق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا ہمارے شیعوں پر رحمت نازل کرے۔ وہ لوگ ہماری محبت میں دشمنوں کے ہاتھ سے رنج و تکلیف اُٹھاتے ہیں اور ہمیں اپنے شیعوں سے کسی طرح کا رنج والم نہیں پہنچتا۔

"فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ ذَرٍّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ وَصْفِ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ قَالَ لَوْ اَنَّ اَحَدًا مِنْهُمْ وَضَعَ جَبِيْنَهُ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَقُوْلُ آهْ فَتَبَاكَى مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ السَّبْعِ لِرَحْمَتِهِمْ عَلَيْهِ".

ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے کہ رسولِ خدا نے وصفِ مؤمن کے بارے میں فرمایا کہ جب بندۂ مؤمن حالتِ سجدہ میں ظالم کے ظلم سے آہ و زاری کرتا ہے تو ملائکہ ساتویں آسمان پر اس کی حالتِ زار پر بیقرار ہوتے ہیں۔

"قَالَ اللّٰهُ يَا مَلَائِكَتِيْ لِمَا تَبْكُوْنَ فَيَقُوْلُوْنَ يَا اِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا فَكَيْفَ لَا نَبْكِيْ وَوَلِيُّكَ عَلَى الْاَرْضِ يَقُوْلُ فِيْ وَجْعِهِ آهْ"

اس وقت خطابِ ارحم الراحمین ہوتا ہے۔ اے ملائکہ! کیوں روتے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے مالک و آقا! کیونکر آہ و زاری نہ کریں کہ فلاں تیرا دوست بندہ سجدہ میں ظالم کے ظلم سے بیقرار ہے اور آہ و زاری کر رہا ہے۔

"فَيَقُوْلُ اللّٰهُ يَامَلَا ئِكَتِيْ اِشْهَدُوْا اَنْتُمْ اَنِّيْ رَاضٍ
عَنْ عَبْدِيْ بِالَّذِيْ يَصْبِرُ بِالشِّدَّةِ وَلَا يَطْلُبُ
الرَّاحَةَ"

جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ملائکہ! گواہ رہنا کہ میں اپنے بندہ کے اس فعل پر بہت راضی وخوشنود ہوا کہ وقتِ مصیبت طالبِ راحت نہیں ہوتا۔

"فَيَقُوْلُ الْمَلَا ئِكَةُ يَا اِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا لَا تَضُرُّ الشِّدَّةُ
بِعَبْدِكَ وَوَلِيِّكَ بَعْدَ اَنْ تَقُوْلَ هٰذَا الْقَوْلَ"

ملائکہ عرض کریں گے: اے آقا! جب تو بندے سے راضی ہوا تو کوئی مصیبت اس بندہ کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

"فَيَقُوْلُ يَامَلَا ئِكَتِيْ اِنَّ وَلِيِّ عِنْدِيْ كَمِثْلِ نَبِيٍّ
مِنْ اَنْبِيَائِيْ وَلَوْدَعَانِيْ وَاسْتَشْفَعَ فِيْ خَلْقِيْ
شَفَّعْتُ فِيْ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا"

پروردگار ارشاد فرمائے گا: اے فرشتو! میرے ولی کا رُتبہ میرے نزدیک مثل ایک نبی کے رُتبہ کے ہے۔ اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے اور خلق کی شفاعت چاہے تو میں اُس کی خاطر ستر ہزار عاصیوں کو بخشوں گا۔

پس مؤمنین! اگر تامل کریں اور بنظرِ غور دیکھیں تو شیعانِ علیؑ اور ولی کامل وہی بزرگوار تھے جن دینداروں نے روزِ عاشور معرکہ کربلا میں امام حسینؑ پر جان دے دی۔ خدا کے عجیب سعادت مند تھے کہ محبت کے نشہ میں اپنے آقا کے ایسے سرشار تھے کہ وقتِ کارزار ان کو مطلق اپنے عیال واطفال کی ہلاکت یا بربادی کا خیال نہ تھا۔

باوصف اس کے کہ چوبیس پہر کے بھوکے اور پیاسے تھے لیکن کسی کی زبان بھوک اور پیاس کی شکایت سے آشنا نہ تھی اور ہر ایک باشتیاقِ ملاقاتِ پروردگار بڑھ بڑھ کر نیزہ و

تیر اپنے سینہ پر روکتا تھا اور شمشیر کے ہر زخم پر خوش ہوتا تھا۔

قَوْمٌ اِذَا حَضَرُوا النِّزَالَ تَرَسُّوْا
بِصُدُوْرِهِمْ وَسُيُوْفِهِمْ لَا تُنْكَرُ
وَتَقَدَّمُوْا نَحْوَ الْجُنُوْدِ كَاَنَّهُمْ
اَسَدٌ تَصُوْلُ عَلَى الشِّيَاتِ فَتَنْفِرُ

سبحان اللہ! کیا بہادر جوان تھے رفقائے حیدرؑ کرار کے کہ جب ان کو معرکہ کربلا میں چھ لاکھ پیادے اور سواروں سے مقابلہ آن پڑا، سب نے اپنے ہتھیار مثل زرہ وبکتر، خود وسپر زمین پر پھینک دیئے اور اپنے سینے سامنے کر دیئے اور مثل شیر غضبناک اس لشکر ناپاک پر حملہ کیا۔ پس ہزاروں کفار نے راہِ فرار اختیار کی اور ہزاروں کے سرتنوں سے اُتار کر انبار لگا دیئے۔

غرض انصارِ امام حسین علیہ السلام نے اس روز وہ تلوار چلائی کہ تا قیامت وہ جنگ یادگار رہے گی۔

منقول ہے کہ جب روزِ عاشور بازارِ موت گرم ہوا اور انصارِ امامؑ باری باری اپنی جانیں نثار کرنے لگے، یہاں تک کہ بریرؓ ہمدانی بھی درجہ شہادت پر فائز ہو چکے، اس وقت وہب بن عبداللہ کلبی کی مادرِ گرامی جن کا نام قمر تھا، نے اپنے فرزند کو بلا کر کہا:

"اگرچہ تو میرے دل کی راحت اور تمام عمر کی بضاعت ہے اور تیری جدائی کسی طرح گوارا نہیں ہے مگر کیا کروں کہ آج فاطمہ زہراؑ کی کمائی اس جنگل میں لٹ رہی ہے۔ مجھے فرزندِ رسولؐ سے زیادہ کوئی پیارا نہیں۔ تو دیکھتا ہے کہ حضرتؑ بار بار نگاہِ حسرت سے خیمہ عصمت کی طرف دیکھتے ہیں۔ صبح سے جو کوئی اس فوج کا شہید ہوتا ہے، آپؑ کا قلق اور اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔ وفاداری اور نام آوری کا یہی دن بہتر ہے۔ مناسب ہے کہ تو بھی اپنی جان اس وقت عزیز نہ کرے۔"

وہ سعادت مند کہنے لگا: ''میری ہزار جانیں فدا ہوں۔ وہ خوش قسمت ہے جو اس سعادت سے کامیاب ہوا۔ مگر اتنا چاہتا ہوں کہ اپنی زوجہ سے رُخصت ہولوں، اس لئے کہ صرف سترہ دن شادی کو گزرے ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر ابھی کسی سے مانوس نہیں ہوئی ہے''۔

قمر نے کہا: ''کیا مضائقہ ہے؟ لیکن عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی باتیں سن کر دامِ محبت میں پھنس جائے''۔

بہرکیف وہ اپنی زوجہ کے پاس آ کر کہنے لگا: ''اگرچہ رسم زمانہ نہیں کہ میں عروس کو چھوڑ کر خود مرنے جاؤں مگر مجبور ہوں۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ فرزندِ رسول کا گھر تباہ ہو اور میں اپنی جان بچاؤں؟ چاہتا ہوں کہ آقا پر قربان ہو جاؤں''۔

وہ مؤمنہ ایک سرد آہ بھر کر کہنے لگی: ''افسوس! عورتوں پر جہاد ساقط ہے ورنہ میں بھی اس دولت سے بہرہ مند ہوتی۔ بہرصورت تمہارے مرنے پر راضی ہوں۔ تم تو جاتے ہو مگر حضرتؑ کے سامنے وعدہ کئے جاؤ کہ میرے بغیر جنت میں داخل نہ ہونا''۔

غرض وہ دونوں خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے۔ وہب اجازتِ میدان کا طالب ہوا۔ زوجہ نے عرض کی: ''یا ابن رسولؐ اللہ! میری بھی دو آرزوئیں ہیں: ایک یہ کہ آپؑ ان سے وعدہ لیں کہ میرے بغیر جنت میں نہ جائیں گے۔ دوسرے مجھے حکم ہو کہ اہل بیتؑ کی کنیزی میں رہوں تاکہ ان کے بعد نامحرموں سے محفوظ رہ سکوں''۔

حضرتؑ یہ دلخراش کلمہ سن کر رو دیئے اور وہب نے کہا: ''آپؑ گواہ رہیں، میں اقرار کرتا ہوں کہ اس کے بغیر بہشت میں قدم نہیں رکھوں گا اور حضرتؑ اس کو کنیزانِ اہل بیتؑ میں رہنے دیں''۔

مؤمنین! زوجۂ وہب نے تو حفظِ آبرو کی نظر سے کنیزیٔ اہل بیتؑ کی آرزو کی۔ کیا جانتی تھی کہ اشقیائے بے دین چند لمحوں کے بعد ہمشیرگانِ امامؑ کے شانوں میں رسیاں

باندھیں گے۔ فاطمہؑ کی بیٹیوں کے سروں سے چادریں چھین لیں گے۔ شہزادیوں کو ترک اور روم کی عورتوں کی طرح اسیر کریں گے۔

بہرکیف وہب اذنِ جہاد لے کر میدانِ کارزار میں آئے اور نیزہ زمین میں گاڑ کر رجز پڑھنے لگے۔

اَنَا وَهَبُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْكَلْبِيُّ
سَوْفَ تَرَوْنِيْ وَتَرَوْنَ ضَرْبِيْ
وَحَمْلَتِيْ وَصَوْلَتِيْ فِي الْحَرْبِ
لَيْسَ جِهَادِيْ فِي الْوَغَاءِ اللَّعِبِ

''اے قومِ غافل، اے فرقۂ جاہل! مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ عبداللہ کلبی کا بیٹا ہوں۔ وہب نام ہے۔ ابھی لڑائی کے وقت مجھے دیکھنا اور میری ضرب کو دیکھنا کہ کس طرح دلیرانہ حملہ کرتا ہوں اور شیرانہ جنگ کرتا ہوں۔ میرے کارزار کو بازیچہ اطفال نہ سمجھنا۔ ایک دم میں سارا میدان فوجوں سے خالی، لاشوں سے معمور نظر آئے گا''۔

یہ کہہ کر تلوار کھینچی اور گھوڑا فوج میں ڈال دیا۔ وہ مردانہ وار جنگ کی کہ دلاوروں کے دل کانپنے لگے۔ سب کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ جب اُس بہادر نے دیکھا کہ سامنے سے دشمن دُور ہو گئے، اپنی والدہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ کیا آپ مجھ سے راضی ہوئیں؟

وہ بولی کہ ہرگز نہیں راضی نہ ہوں گی جب تک اپنے آقا کے سامنے تجھ کو خون میں لوٹتا نہ دیکھوں گی۔

اسی اثناء میں سوار و پیادے چاروں طرف سے سمت آئے اور وہ جری پھر مصروفِ کارزار ہوا۔ اُنیس سوار اور بارہ پیادوں کو واصل جہنم کیا۔ ناگاہ ایک ملعون نے کمین گاہ سے ایسی تلوار ماری کہ اس دیندار کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر لوٹنے لگے۔ ماں نے جو بیٹے کا یہ حال دیکھا تو شفقتِ مادری سے بے چین ہوگئی۔ مگر کیا مؤمنہ تھی کہ بڑھ کر

پکاری: مرحبا، شاباش بیٹا! ہاتھوں کے کٹ جانے سے ہمت کوتاہ نہ کرنا۔ جب تک دم میں دم ہے، آقا کی نصرت سے منہ نہ موڑنا۔

وہ بولا: آپ واپس چلی جائیں، میں جانفشانی میں حاضر ہوں۔

اسی گفت وشنید میں سراپا زخموں سے چور ہوگیا۔ گھوڑے پر سنبھلنا دشوار ہوا۔ غش کھا کر زمین پر گرا اور شربت شہادت نوش کیا۔ زوجہ نے جو دیکھا تو مضطرب ہوکر روتی پیٹتی دوڑی اور وہب کا سر اپنے زانو پر رکھ کر خاک اور خون دامن سے پونچھنے لگی۔ ناگاہ ایک شقی نے شمر کے اشارہ سے اُس مؤمنہ کو ایسا گرز مارا کہ اسی وقت اپنے شوہر کے ساتھ جنت میں پہنچ گئی۔

منقول ہے کہ عمر سعد نے وہب کا سر کٹوا کر فوج حسینؑ کی طرف پھینک دیا۔ ماں نے دوڑ کر وہ سر بریدہ گود میں اُٹھالیا اور سینہ سے لگا کر کہا بیٹا! مرحبا، آج حق فرزندی ادا ہوا۔ اب میں تجھ سے بہت راضی ہوئی۔

اس کے بعد اُس سر کو لشکرِ مخالف کی طرف پھینک دیا اور کہا: اے بے دینو! جس چیز کو دیندار راہِ خدا میں تصدق کرتے ہیں، اسے پھر واپس نہیں لیتے۔

وہ سر جا کر وہب ہی کے قاتل کو ایسا لگا کہ وہ شقی واصل جہنم ہوگیا۔ پھر مادرِ وہب بیتابانہ ایک چوبِ خیمہ لے کر آگے بڑھی اور اُس سے دو ملعونوں کو ہلاک کیا۔ مظلومِ کربلا نے اس مؤمنہ کی جرأت دیکھ کر آواز دی:

"جُزِیتُم مِنْ اَهلِبَیْتٍ خَیرًا"

اے مادرِ وہب! خدا تم سب کو اہل بیتؑ کی جانب سے جزائے خیر دے کہ کوئی دقیقہ ہماری نصرت وامداد میں فروگزاشت نہ کیا۔ اب میدان سے خیمہ میں واپس آجا۔

انشاء اللہ روزِ قیامت تم دونوں ماں بیٹے بہشت میں میرے نانا رسولِ خداؐ کے پاس ہوگے۔

یہ بشارت سن کر وہ مؤمنہ یہ کہتی ہوئی واپس ہوئی:

"اِلٰهِیْ لَا تَقْطَعْ رَجَائِیْ"۔

خداوندا! اس کنیز کی اُمید کو قطع نہ کرنا۔

حضرتؑ نے فرمایا:

"لَا یَقْطَعُ اللّٰهُ رَجَائَکِ"۔

خدا تیری اُمید کو ہرگز قطع نہ کرے گا۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، وصفِ بہشت، روایتِ صالح بن رقعہ یہودی اور چار لاشوں کا مقتل سے نہ آنا

یَا مَنْ یَمِیْنُ نَوَالِہٖ کَسَحَائِبٍ
یَا مَنْ یَسِیْرُ کَمَالِہٖ کَالْاَبْحُرِ
اِنِّیْ اِلٰی سَیْبِ النَّدٰی مُتَعَطِّشٌ
فَافِضْ عَلَیَّ وَاَنْتَ سَاقِی الْکَوْثَرِ

اے وصی پیغمبرؐ، اے ساقیِ کوثرؑ! آپکا دستِ بخشش مثلِ ابرِ مطیر کے بارندہ ہے اور آپؑ کے دریائے کمال کا ایک قطرہ بھی قلزمِ زخار سے بڑھ کر موجزن اور ناپیدار کنار ہے۔ میں بھی آپؑ کے چشمہ کرم کا تشنہ فیضِ عام کا اُمیدوار ہوں۔

مؤمنین! خوشا وہ لوگ جن پر حضرتؑ کی چشمِ عنایت ہو اور زہے قسمت ان کی جو اپنی اوقاتِ عزیز کو مداحِ جنابِ امیر علیہ السلام میں صرف کرتے ہیں۔

مَنْ خَطَّ شَیْئًا مِنْ عُلَاہُ وَمَجْدِہٖ
فَکِتَابُہٗ مِثْلُ الرَّفِیْعِ الْاَخْضَرِ
وَلَئِنْ اَتٰی بِمَدِیْحِہٖ فِیْ نَظْمِہٖ
فَنِظَامُہٗ مِثْلُ الْحِسَانِ الْعَبْقَرِیْ

جو کوئی فضائل و مناقبِ علیؑ ابن ابی طالبؑ نثر میں تحریر کرتا ہے تو عبادت اور کتابت کی رفعت و بلندی مرتبت مثلِ گنبدِ خضریٰ ہو جاتی ہے اور اگر کوئی مداح نظم میں آپؑ کی مدح لکھتا ہے تو اس کے اشعار خوبی و لطافت اور زیب و زینت میں حورانِ جنت کے مثل ہوتے ہیں۔

عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ خَیْرُ الْخَلَائِفِ
لَقَدْ حَارَ فِیْ اَوْصَافِہٖ کُلُّ وَاصِفِ
عَلَیْہِ سَلَامُ اللّٰہِ فِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ
وَلِیْ کُلَّ یَوْمٍ ذِکْرُہٗ فِی الْوَظَائِفِ

جنابِ علیؑ ابن ابی طالبؑ ولیِ خدا اور سید اوصیاء ہیں۔ تمام جہان کے مداح حضرتؑ کے مناقب اور مراتب کے بیان میں عاجز اور حیران ہیں۔ خالقِ ارض و سماء آپؑ پر صبح و شام تحفۂ درود و ثناء بھیجتا ہے اور آپؑ کا ذکر میری زبانِ عجز بیان کا تو ہر لحظہ و ہر آن وظیفہ ہے۔

دَعَی اللّٰہَ دَھْرًا خَائِفًا مُتَضَرِّعًا
وَجَدَّلَ اَسَانَ الشَّرٰی غَیْرَ خَائِفِ
وَنَاجَاہُ رَبُّ الْعَرْشِ فِیْ یَوْمِ خَیْبَرٍ
وَیَوْمَ تَبُوْکَ قَبْلَہٗ یَوْمَ طَائِفِ

ہر چند تمام زندگی اسد اللہ الغالب علی علیہ السلام نے خضوع و خشوع و خوفِ الٰہی میں بسر کی۔ اس پر یہ شجاعت تھی کہ شیرانِ وادیٔ شری کو بے خوف و ہراس زیر کر کے گرا ڈالا اور خالقِ زمین و آسمان اور دانائے اسرارِ عالمیان نے اس رازدارِ رسولؐ کے ساتھ غزوۂ تبوک و خیبر میں رازداری فرمائی۔

اِذَا نُشِرَتْ یَوْمَ الْحِسَابِ صَحَائِفٌ
فَحُبُّ عَلِیٍّ زِیْنَۃٌ لِلصَّحَائِفِ

جب روزِ حساب صحیفہ ہائے اعمال منتشر ہوں گے، اس وقت ہر شخص کا سرنامہ عمل ولائے شاہِ ولایت سے مزین ہوگا۔ کاش خداوندِ عالم روزِ شمار مجھ کو بھی موالیانِ حضرتؑ میں شمار کرے اور ان شیعانِ خاص میں سے گردانے جس کے واسطے بہشت کو آراستہ اور حور و

غلمان کو حزین فرمایا ہے۔ جب اس عالی مقام کو یاد کرتا ہوں تو عجیب طرح کا ایک ولولہ اور اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔

دَارٌ عَجِيبٌ كُلُّ مَافِي رَوْضِهَا
مَامَرَّ بِالْاَبْصَارِ وَالْاَسْمَاعِ
وَلِاَهْلِهَا فِيهَا شَرَابٌ طَاهِرٌ
مِنْ دُوْنِ غَوْلٍ بَعْدَهُ وَصُدَاعِ

بہشت عجب جائے مسرت اور مقام فرحت ہے کہ جو نعمتیں اور جس طرح کی راحتیں وہاں مہیا ہیں، کسی نے اس کی مثل نہ دیکھی اور نہ سنی ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"مَالَا عَيْنٌ رَاءَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ"

یعنی ان ساز وسامان کو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور اہل خلد کے واسطے ایسی شراب طہور موجود ہے کہ جس کے پینے کے بعد نہ خمار درد سر کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

وَكَوَاعِبٍ حُوْرٍ حِسَانٍ عَبْقَرِيٍّ
طَيِّبَاتِ الْخُلْقِ فِي اسْتِمْتَاعِ
فِيحَاءُ اَوْسَعُ مِنْ سَمٰوٰتٍ عُلٰى
يَالَيْتَ لِي مِنْهَا مَسِيرَ ذِرَاعٍ

اور بہت سی حوران آراستہ اور دوشیزگان نوخواستہ خوش خلق، شیریں گفتار، نازک اندام، زیبا رفتار، جا بجا بانواع زیب وزینت مزین اور موجود ہیں اور اس خانہ وسیع کی ایسی وسعت ہے کہ آسمان ہائے بلند سے زیادہ تر ہے۔ کاش ہم کو اس جائے فرحت افزاء سے بقدر ایک بالشت کے بھی میسر ہوتا۔

اَللّٰهُ يَجْمَعُ شَمْلَنَا فِي رَوْضِنَا
بِالْاَهْلِ وَالْاَوْلَادِ وَلَا تُبَاعِ

پروردگار عالم سب مؤمنوں کو نعمت ہائے بہشت سے کامیاب کرے کہ انشاءاللہ مع اپنی اولاد وعیال ومتعلقین کے جنت میں داخل ہوں۔

مؤمنین! جناب امیر علیہ السلام اور اہل بیت کرام کو خداوند انام نے ایسا ہی برگزیدہ کیا ہے، جن کے طفیل میں سب شیعہ اور مؤمنین مکارم دینی اور دنیوی سے مستفیض اور بہرہ مند ہوتے ہیں بلکہ ان حضرات کی ذات بابرکات کے وسیلہ سے کفار بھی اسلام سے مشرف ہو کر دین اور دنیا کی راحت وآرام سے فائز اور کامیاب ہوتے ہیں۔

چنانچہ کتاب "ریاض الشہادۃ" میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسولؐ خدا مع جناب امیر علیہ السلام جہاد کیلئے تشریف لے گئے تھے اور حسنین علیہما السلام اپنی مادر گرامی کے ساتھ مدینہ منورہ میں تھے۔ ایک دن شہزادۂ کونین امام حسینؑ کھیلتے ہوئے کسی نخلستان (باغ) میں جا پہنچے۔ صالح بن رقعہ یہودی کی نگاہ پڑی۔ اس شہزادے کو بلا کر اپنے گھر لے گیا اور چھپالیا۔

کچھ دیر گزری تھی کہ جناب سیدہؑ کا یہ حال ہوا کہ بار بار بیتاب ہو کر اندر سے باہر تشریف لاتی تھیں بلکہ منقول ہے کہ وقت عصر تک ستر مرتبہ دولت سرا سے مسجد رسولؐ خدا تک اپنے فرزند کی تلاش کو آئیں۔ کسی طرح پتہ نہ چلا۔ نہایت مضطر و بیقرار ہوئیں۔ دوسرا کوئی شخص موجود نہ تھا۔ سب عزیز واصحاب تو جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ تھے۔ مجبور ہو کر بڑے صاحبزادے جناب امام حسنؑ کو فرمایا:

"يَامُهْجَةَ قَلْبِيْ وَيَاقُرَّةَ عَيْنِيْ قُمْ فَاطْلُبْ اَخَاكَ فَاِنَّ قَلْبِيْ كَادَاَنْ يَحْتَرِقَ مِنْ فِرَاقِهٖ"۔

اے پارۂ جگر، اے نور نظر! تم ہی اپنے بھائی کو کوچہ ہائے شہر میں جا کر ڈھونڈو کہ حسینؑ کی جدائی میں قریب ہے کہ میرا کلیجہ آتش فرقت سے جل جائے۔

پس امام حسن علیہ السلام، باوجود کمسنی کے دولت خانہ سے باہر آئے اور کوچہ ہائے شہر سے ڈھونڈتے ہوئے باغوں کی طرف نکل گئے اور برابر رو رو کر اپنے بھائی کو آواز دیتے تھے۔ ناگاہ ایک ہرن سامنے سے نمودار ہوا۔ اُس سے حضرتؑ نے پوچھا:

"یَاظَبیَۃُ ھَلْ رَأَیْتَ اَخِیْ حُسَیْنًا".

اے ہرن! تو نے میرے بھائی حسینؑ کو کہیں دیکھا ہے؟

وہ بقدرت خدا گویا ہوئی۔ اے فرزند رسولؐ! آپ کے بھائی کو صالح بن رقعہ یہودی اپنے گھر لے گیا ہے۔

یہ سن کر حضرتؑ در یہودی پر تشریف لائے اور دق الباب کیا۔ جب صالح باہر آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "میرے بھائی حسینؑ کو مجھے دے دے ورنہ میں اپنی مادر گرامی سے کہوں گا اور وہ جناب حق تعالیٰ سے دُعا کریں گی کہ کوئی یہودی زمین پر باقی نہ رہے گا اور جب میرے پدر بزرگوار سفر سے تشریف لائیں گے تو یہ حال میں عرض کروں گا اور وہ اپنی شمشیر آبدار سے یہودیوں کو دارالبوار میں داخل کریں گے۔ میں جد عالی مقدار سے یہ حکایت اور شکایت کروں گا اور وہ جنابؐ درگاہ مجیب الدعوات میں عرض کریں گے، یہاں تک کہ قوم یہود سے کوئی شخص زندہ نہ رہے گا۔

ابن رقعہ یہ تقریر سن کر متحیر ہو گیا اور پوچھنے لگا:

"مَنْ اُمُّکَ وَاَبُوْکَ وَجَدُّکَ".

اے صاحبزادے شیریں گفتار! آپ کی مادر عالی قدر اور پدر نامدار اور جد بزرگوار کون ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا:

"اُمِّیْ سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ فَاطِمَۃُ الزَّھْرَآءِ وَاَبِیْ اَسَدُ اللّٰہِ الْغَالِبَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَجَدِّیْ سَیِّدُ

الْکَوْنَیْنِ رَسُوْلُ الثَّقَلَیْنِ النَّبِیُّ الْمُجْتَبٰی مُحَمَّدُنِ الْمُصْطَفٰی".

فصاحت و بلاغت نور دیدۂ رسالت سن کر وہ صلاحت انجام، صالح نام عرض کرنے لگا: آپ کے بھائی کو تو میں لاتا ہوں مگر پہلے مجھے ایمان تلقین فرمایئے۔

یہ کہہ کر مسلمان ہوا اور کلمہ طیبہ زبان پر جاری کیا اور امام حسین علیہ السلام کو باعزت واحترام باہر لایا۔ ایک طبق زر دونوں شہزادوں پر نثار کر کے اس وقت رخصت کیا اور صبح کو اپنی قوم سے ستر (۷۰) آدمیوں کو لے کر در دولت جناب سیدہؑ پر حاضر ہوا اور صدق دل سے سب کے سب اسلام لائے۔

اس کے بعد صالح بن رقعہ نے خدمت بتولؑ عذرا میں عرض کی: کل کے روز میں چھوٹے شہزادے کو اپنے گھر لے گیا اور کچھ وقت اپنے گھر میں رکھا۔ اس وجہ سے جو کچھ اضطراب خاطر اقدس کو ہوا، اس کا میں باعث تھا۔ چاہتا ہوں کہ آپ عفو تقصیر فرمائیں۔

جناب سیدہؑ نے ارشاد فرمایا: اے مرد صالح! یہ بچے فقط میرے فرزند نہیں ہیں اور یہ قصور جو مجھ سے سرزد ہوا، فقط میرا قصور نہ تھا بلکہ یہ نور العین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے جگر بند ہیں۔ تو ان سے بس عفو تقصیر کرلیتا، میں نے تجھے معاف کیا۔ یہ دلبند رسولؐ خدا اور فرزند ختم الانبیاء ہیں، تو حضرتؐ کو بھی جا کر راضی کر۔

جب وہ خدمت باسعادت جناب رسالت مآبؐ سے مشرف ہوا تو آپؐ نے بھی اس کی خطا سے درگزر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا: اے صالح! یہ بچے خداوند عالم کے پیارے اور لاڈلے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کو اس امر میں رضامند کر۔

یہ سنتے ہی وہ مؤمن با اعتقاد روتا ہوا ایک جنگل کی طرف نکل گیا اور درگاہ مجیب الدعوات میں سترہ روز تک برابر توبہ و مناجات کی۔ گریہ زاری کا حال یہاں تک پہنچا کہ جانور تک اس کے حال پر روتے تھے۔ اٹھارہویں روز جبرئیلؑ بحکم خداوند جلیل خدمت

جنابِ رسالت مآبؐ میں وحی لائے کہ اللہ تعالیٰ بصد درود کے فرماتا ہے کہ میں نے ابن رقعہ کا نام گناہگاروں کی فہرست سے مٹادیا اور دفترِ صالحین میں ثبت کیا ہے، اس کی جلد خبر لو۔

فوراً حضرتؑ نے کسی شخص کو بھیجا کہ جنگل سے ڈھونڈ کر بلا لائے۔ غرض جب وہ حاضر ہوا تو حضرتؑ نے نہایت شفقت و محبت سے کلماتِ تسلی و تشفی ارشاد فرمائے اور نعمت ہائے بہشت کی بشارت دی۔

مؤمنین! مقامِ تامل ہے کہ صالح یہودی ابھی نیا مسلمان تھا، کوئی معجزہ اور رُتبہ امام حسین علیہ السلام کی طرف سے یا حجتِ جنابِ رسولؐ خدا کی، یا نازبرداریٔ حق تعالیٰ نہ دیکھی تھی، فقط حسنؑ مجتبیٰ کی فصاحت سے یہ سمجھا کہ کوئی بچہ اس سن کا سوائے اولادِ رسولؐ کے اس طلاقت و بلاغت سے کلام نہیں کرسکتا۔

پس ایمان لایا اور کس مشکل اور گریہ زاری سے اس کی توبہ قبول ہوئی حالانکہ اس نے فقط چند ساعت حالتِ کفر میں امام حسینؑ کو اپنے پاس رکھا تھا، کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں دی تھی۔ آپؑ کے کسی عزیز کو قتل نہیں کیا تھا۔ ناموسِ حضرتؑ کو سر برہنہ اونٹوں پر دربدر نہیں پھرایا تھا۔ وہ لوگ کیسے تھے؟

عَرَفُوْا السَّیِّدَۃِ النِّسَآءِ فَضَآئِلاً
اَفَھُمْ بِفَضْلِ بَنَاتِھَا جُھَلَاءُ

جو جنابِ سیدہؑ کے مدارج و مراتب سے خوب آگاہ تھے مگر ان کی صاحبزادیوں کے حق میں ان مرتبوں کی کچھ رعایت نہ کی بلکہ جاہل اور ناواقف بن گئے۔

صالح نے تن نازنین امام حسین علیہ السلام کو تیروں سے چھلنی نہیں کیا تھا۔ بوسہ گاہِ رسولؐ پر چھڑی نہ ماری تھی۔ وہ لوگ کیسے تھے کہ اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور جس نبی کا کلمہ پڑھتے تھے، اُنہی کے نواسے کے ساتھ یہ سب ظلم کیے۔

صالح نے حالتِ کفر میں اپنے گھر لے جا کر حضرتؑ کو احترام سے رکھا اور اس

قومِ جفا کار نے باوجود دعوائے اسلام مہمان بلا کر پاسِ حرمت نہ کیا۔ کس جور و جفا سے آپؑ کو شہید کیا اور جو ناصر و مددگار تقریباً سو آدمی حضرتؑ کے ساتھ تھے، دوپہر میں ایک ایک کو باری باری تیروں، تلواروں سے اس طرح زخموں میں چور کر کے شہید کیا کہ بعضوں کی لاش کا مقتل سے خیمہ گاہ تک آنا ہی ممکن نہ ہوا۔

منقول ہے کہ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کے بھائی، بھانجے، بیٹے اور عزیز جو درجۂ شہادت پر فائز ہوتے تھے، حضرتؑ خود اُس کی میت کو شہادت گاہ سے خیمہ تک لاتے تھے اور بیبیاں حلقہ باندھ کر اُس پر ماتم کرتی تھیں۔ مگر چار لاشیں ایسی تھیں جو چار وجوہات کی وجہ سے عصمت سرا میں نہ آسکیں اور اہلِ حرم کو ان پر رونا نصیب نہ ہوا۔

اوّل

شہزادہ قاسمؑ ابن الحسنؑ کی لاش، اس کی وجہ یہ تھی کہ جب شہزادہ قاسمؑ نے گھوڑے سے زمین پر گر کر آواز دی:

"یَاعَمَّاهُ اَدْرِکْنِیْ".

سنتے ہی مظلومِ کربلا بیتابانہ:

"وَاوَلَدَاهُ وَاقَاسِمَاهُ"

کہتے ہوئے قتل گاہ کی طرف دوڑے۔ کچھ لوگ فوجِ اعداء سے آکر سدِ راہ ہو گئے۔ آپؑ نے غضبناک ہو کر ان پر حملہ کیا اور ایک جنگِ عظیم کے بعد سب کو پسپا کر کے بھتیجے تک پہنچے۔ مگر اسی کشت و خون میں اس شہزادہ کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہوگئی۔ حضرتؑ کیونکر وہاں سے اُٹھا کر لے جاتے، وہ جسدِ اطہر بالکل پاش پاش ہوگیا تھا۔

دوم

دوسرے علمدار و وفادار جنابِ عباس علیہ السلام کا لاشہ دریا کے کنارے سے نہ اُٹھا۔ اس کی دو وجوہات لکھی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جب وہ شیر شانے کٹوا کر گرزِ ستم سر پر کھا کر

خاک پر لوٹنے لگا اور آواز دی:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ".

"اے فرزند رسولؐ! عباسؑ کا آخری سلام پہنچے، اس غلام نے اپنی جان آپؑ پر نثار کی"۔

امامِ مظلومؑ "وَااَخَاہُ، وَاعَبَّاسَاہُ" کی فریاد کرتے ہوئے بھائی کے پاس پہنچے۔ دیکھا کہ ابھی زندہ ہیں۔ وہ سر شگافتہ زانوئے مبارک پر رکھ کر رونے لگے اور کہا: بھائی! اس وقت اگر کچھ کہنا ہو تو وصیت کرو۔

اللہ اللہ! عجب کلمہ عرض کیا: یا ابن رسولؐ اللہ! جس طرح آپؑ اور عزیزوں کی لاشیں خیمہ گاہ میں لے گئے، مجھے نہ لے جایئے گا کہ میں سکینہؑ سے پانی لانے کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ موت نے مہلت نہ دی، کیونکر منہ دکھاؤں گا۔ یہ شرمندگی تو بھتیجی سے قیامت تک رہے گی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس بہادر نے اس قدر زخم پر زخم کھائے تھے کہ سارے بدن میں جہاں بھی ہاتھ لگتا تھا، وہاں کا گوشت جدا ہو جاتا تھا۔

سوم

چھوٹی سی لاش عبداللہ ابن الحسینؑ کی تھی کہ وہ بھی خیمہ تک نہ آئی۔ لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام سراپا تلواروں سے، نیزوں سے اور تیروں سے زخمی ہو کر گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر تشریف لائے، بیبیاں، بچے خیمہ کے دروازہ پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔ شہزادہ عبداللہ نے، کہ بہت کمسن تھا، جب اپنے چچا کو گرتے دیکھا تو بیتاب ہو کر مقتل کی طرف دوڑا۔ ہر چند جناب اُمِ کلثومؑ مانع ہوئیں۔ مگر اُس نے کہا نہ مانا۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ چچا اس حال میں ہوں اور میں کھڑا دیکھتا رہوں۔

غرض قریب جا کر اپنے خیال کے مطابق امامؑ بیکس کو بچانے لگا۔ ناگاہ ایک شقی

نے حضرتؑ کو تلوار ماری۔ اس صاحبزادے نے بڑھ کر ہاتھوں سے روکا کہ وہ ننھے ننھے ہاتھ کٹ کر زمین پر گر کر تڑپنے لگے اور وہ بچہ بھی گر کر خاک و خون میں لوٹ لوٹ کر سرد ہو گیا۔

مومنین! امام حسین علیہ السلام کا تو وہ حال تھا کہ زخموں کی کثرت سے اور ضعف کی شدت سے سنبھل کر بیٹھ نہ سکتے تھے۔ کیونکر بھتیجے کی لاش اُٹھا کر خیمہ میں لے جاتے۔

چہارم

کس کی لاش مقتل سے خیمہ گاہ میں نہ آئی اور بیبیوں کو کس پر رونا نصیب نہ ہوا، سب جانتے ہیں کہ وہ مظلومِ کربلا، سید الشہداء علیہ السلام کا جسدِ پاش پاش تھا۔ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ کون لاشہ اُٹھاتا۔ سب عزیز و انصار تو پہلے شہید ہو چکے تھے اور آپؑ کی لاشِ بے سر اُٹھ کر کہاں جاتی؟ خیمے تو آتشِ ظلم سے جل چکے تھے اور لاش اُٹھتی تو کیونکر اُٹھتی؟

خیال کیجئے کہ جس بدن پر سینکڑوں تلواروں اور نیزوں کے کاری زخم لگے ہوں اور اس قدر تیر پیوست ہوئے ہوں، کیونکر اس لاش کا اُٹھنا تھا اور کون لاش پر ماتم کرتا؟ ایک فرزند علیل اور چند بے وارث بیبیاں اور یتیم بچے جو باقی تھے، اُن کو اشقیاء نے رونے کی مہلت کب دی تھی؟ طوق و زنجیر پہنا کر، رسیوں میں جکڑ کر بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھا کر کوفہ کی طرف لے جا رہے تھے۔

امام حسنؑ کا شاہِ چین اور پسرِ وزیر کو زندہ کرنا اور جنابِ قاسمؑ کی شہادت

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَ ذُرِّيَّتَهُمَا لَمْ تَمَسَّ جِلْدَهُ النَّارُ".

حبیبِ کبریا، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرے حسنؑ و حسینؑ اور ان دونوں کی ذریت کو دوست رکھے، آتش جہنم اس کے جسم کو مس نہ کرے گی۔

مراتب حسنینؑ پر قربان! نہ زبان کو طاقت تقریر اور نہ قلم کو یارائے تحریر ہے کہ اُن حضرات کے تمام فضائل و معجزات کا احاطہ کر سکے۔

صاحبِ اسرار الشہادۃ ابن موسیٰ سے اور وہ عبیدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ ایک سال میں امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ تھا کہ وہ شام کو تشریف فرما ہوئے۔ اُس روز آپؑ روزہ سے تھے اور آب و طعام سے کچھ ساتھ بھی نہ تھا۔ جب حضرتؑ نمازِ مغربین سے فارغ ہوئے، میں نے دیکھا کہ درہائے آسمان کھل گئے اور نور کی قندیلیں روشن ہوگئیں اور ملائکہ طبق ہائے جنت، طعامِ لذیذ اور میووں سے بھرے ہوئے اور آفتابہ و طشت ہاتھوں میں لئے نازل ہوئے۔ ہم ستر آدمی تھے۔ سب کے سب حضرتؑ کے ساتھ طعام میں شریک ہوئے، یہاں تک کہ سیر ہوگئے مگر وہ کھانا کم نہ ہوا۔

اس کے بعد وہ فرشتے ان طبقوں کو آسمان پر لے گئے۔

اسی کتاب میں شیخ حر عاملی سے روایت ہے کہ بادشاہِ چین ایک دختر اور اس کا وزیر ایک بیٹا رکھتا تھا۔ اتفاقاً شہزادی کا دل وزیرزادہ کی طرف مائل ہوا۔ بادشاہ کو رفتہ رفتہ خبر ہوئی۔ شعلہ غضب سینہ میں بھڑکا اور ان دونوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد دردِ فرزندی سے دل

بیقرار ہوا۔ ایک دن ارا کین سلطنت اور حکماء کو بلا کر کہا کہ آتش ہجر نے میرے دل کو جلا دیا ہے۔ کوئی تدبیر ایسی ہے کہ یہ دونوں مقتول زندہ ہو جائیں؟

سب نے دست بستہ عرض کی کہ یہ امر غیر ممکن ہے۔ کسی بشر کی مجال نہیں کہ احیائے اموات کرے۔ لیکن سنتا ہوں کہ مدینہ میں ایک بزرگوار ہیں کہ اُنؑ کا اسم مقدس حسن ابن علیؑ ہے۔ اگر وہ جناب اپنے خدا سے دعا کریں تو یقین ہے کہ انؑ کی برکت سے یہ دونوں زندہ ہو جائیں۔

بادشاہ نے پوچھا کہ یہاں سے مدینہ کتنی دُور ہے؟ وزیر نے عرض کی کہ چھ مہینے کا سفر ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ایک قاصدِ دیندار کو طلب کیا اور حکم دیا کہ ایک مہینے میں جا کر حسنؑ ابن علیؑ کو مجھ تک پہنچا۔ اگر تاخیر ہوگی تو تجھ کو قتل کر دوں گا۔

قاصد شہر سے باہر جا کر باوضو ہو کر دو رکعت نماز خضوع و خشوع سے بجا لایا اور سجدے میں دعا کرنے لگا "پروردگار! بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہماری اس مشکل کو آسان فرما۔

ابھی وہ دُعا سے فارغ نہ ہوا تھا کہ براہِ اعجاز امام حسنؑ مجتبیٰ قاصد کے پاس رونق افروز ہوئے اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اُٹھ، تیرا مطلب بر آیا۔ اُس نے سر سجدہ سے اُٹھایا۔ دیکھا کہ ایک جوان مانندِ خورشید تاباں سامنے جلوہ گر ہے۔

عرض کی کہ آپ کون ہیں اور اسم مبارک کیا ہے؟

آپؑ نے مسکرا کر فرمایا: "میں ہی حسنؑ ہوں جس کے واسطے تو شہر سے نکلا ہے"۔

یہ سنتے ہی قاصد فرطِ مسرت سے جھومنے لگا اور قدم مبارک چومنے لگا۔ پھر جا کر بادشاہ کو حضرتؑ کی تشریف آوری کی خبر دی۔ وہ بادشاہ بڑے احترام سے حضرتؑ کو لے گیا اور دونوں لاشوں کو منگوا کر دست بستہ عرض کی:

"یا مولاؑ! ان کے مرنے سے میرا جگر چاک چاک ہے اور میری نظروں میں دُنیا خاک ہے۔ آپؑ دعا فرمائیں کہ یہ دونوں زندہ ہو جائیں"۔

راوی کہتا ہے کہ ادھر حضرتؑ نے ہاتھوں کو اُٹھا کر درگاہِ قاضی الحاجات میں دُعا کی، اُدھر دونوں کے تن میں جان آ گئی۔ بادشاہ نہایت مسرور ہوا اور دونوں کی آپس میں شادی کر دی۔

مؤمنین! جس بزرگوار کی دعا کی برکت سے پروردگار مردوزن کو دوبارہ خلعتِ حیات عطا کرے، فلک کج رفتار کو کب مناسب تھا کہ اسی کے فرزند کے ساتھ کربلا میں یہ سلوک کرے کہ قاسمؑ کو خلعتِ شہادت پہنائے اور عروس کو تختِ ماتم پر بٹھائے؟

افسوس مؤمنین! روزِ عاشور حسن مجتبیٰؑ کہاں تھے جو ملاحظہ کرتے کہ انؑ کا فرزند ایک رات کا بیاہا کس بیکسی سے شربتِ شہادت پی کر دُنیا سے سدھارا!!!

روایت میں وارد ہے کہ جب وہ شہزادہ آمادۂ شہادت ہو کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا مولاؑ! سب عزیز وانصار اپنی جانیں قربان کر چکے، اُمیدوار ہوں کہ مجھے بھی میدان کی اجازت ملے؟

حضرتؑ رو دیئے اور فرمایا: ''اے جانِ عم! کیونکر تجھے مرنے کو کہوں؟ تو میرے بھائی کی نشانی ہے''۔

قاسمؑ نے عرض کی: ''جب آپؑ سا سرپرست ایسی مصیبت میں گرفتار ہو تو ہم سے جاں نثاروں کو اپنی زندگی کیونکر گوارا ہو؟''۔

مظلومِ کربلا اس شہزادے کی باتیں سن کر بیتاب ہو گئے اور بآوازِ بلند رونے لگے۔ پھر ہاتھ پکڑ کر خیمہ میں لے آئے اور بروایتِ مشہور اپنی بیٹی فاطمہ کبریٰ کے ساتھ اس صاحبزادہ کا عقد کر دیا اور خود باہر چلے گئے۔

منقول ہے کہ جنابِ قاسمؑ سب اہل بیتؑ کو روتا چھوڑ کر دوبارہ امامؑ کی خدمت میں رخصت کے واسطے حاضر ہوئے۔

"فَبَكَى الْحُسَيْنُ وَضَمَّهُ اِلٰى صَدْرِهٖ".

حضرتؑ رونے لگے اور بے اختیار اپنے بھتیجے کو سینے سے لگا لیا۔

"وَشَقَّ جَيْبَهُ وَقَطَعَ عِمَامَتَهُ كَعِمَامَةِ الْمَوْتٰى".

اور قاسمؑ کا پیرہن گریبان بطورِ کفن کے پھاڑ دیا اور عمامہ بطورِ میت باندھ کے دونوں گوشے سینہ پر لٹکائے۔ اس کے بعد گود میں اُٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا اور سر سے پاؤں تک بہ نگاہِ حسرت دیکھ کر دیر تک روتے رہے۔ پھر فرمایا:

''جاؤ! تمہیں خدا عزوجل کے سپرد کیا''۔

پس وہ شہزادہ میدان میں آ کر فوجِ کفار کے سامنے کھڑا ہوا اور عمر سعد سے فرمایا:

''تجھے کیونکر گوارا ہے کہ خود اس نہر سے پانی پئے، گھوڑوں کو بھی سیراب کرے؟''

"وَتَمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ الْمَآءِ الْمُبَاحِ اَوْلَادَ الرَّسُوْلِ وَعِتْرَةَ الْبَتُوْلِ".

''اور اولادِ رسولؐ پیاس کی شدت سے جاں بلب ہو اور تو ان کیلئے ایک قطرہ بھی اس پانی کا نہ دے؟''

عمر سعد نے کچھ جواب نہ دیا اور افسرانِ لشکر سے کہنے لگا تم جانتے ہو کہ یہ بچہ کس قوم و قبیلہ سے ہے؟ آگاہ ہو کہ یہ قتالِ عرب کے خاندان سے ہے۔ حیدرِ کرار کا پوتا قاسمؑ ابن الحسنؑ ہے۔ اس کے صغیر سن پر نہ جانا، اگر ایک ایک شخص علیحدہ علیحدہ اس سے لڑے گا تو یہ کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ چاہئے کہ تم سب کے سب چاروں طرف سے گھیر کر ایک دفعہ حملہ کرو۔ اس کو لڑنے کی مہلت ہی نہ دو۔ تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر گرا دو۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت قاسمؑ کی شجاعت کا حال عمر سعد سے سن کر ان بزدلوں کو کیا جرأت ہوتی۔ سارا لشکر خوف سے کانپنے لگا۔ ہر چند قاسمؑ نے مبارز طلبی کی مگر کوئی سامنے نہ آیا۔ آخر خود قلبِ لشکر میں گھوڑا ڈال دیا اور ایک ہی حملہ میں ایک سو بیس سواروں کو واصلِ جہنم کیا۔ عمر سعد نے دیکھا کہ ساری فوج بھاگنا چاہتی ہے۔ ارزق شامی کو جو تمام لشکر میں

شجاع مشہور تھا، آواز دی:

''تو کھڑا دیکھتا ہے اور یہ طفل سب کو قتل کیے جاتا ہے؟ جلد اس کا سر کاٹ لا''۔

وہ ملعون نہایت غضبناک ہوا اور بولا: ''اے عمر سعد! تعجب ہے کہ تو ایک طفل صغیر تین دن کے بھوکے پیاسے سے لڑنے کو کہتا ہے؟ اگر میں اسے قتل بھی کروں گا تو میری ذلت کا باعث ہے''۔

عمر سعد نے کہا: ''تو اس سے لڑنے کو ننگ سمجھتا ہے؟ یہ شیر پیاس کی شدت سے کئی دن کے فاقوں سے مضمحل نہ ہوتا تو قسم بخدا! ہم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑتا''۔

ارزق نے کہا: ''تو یہ کہتا ہے؟ میرے چار بیٹے ہیں، ایک کو بھیجتا ہوں، دیکھ یہی قاسمؑ کا سر کاٹ کر لے آتا ہے''۔

یہ کہہ کر اُس نے اپنے ایک بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔ راوی کہتا ہے کہ جب ارزق کا پسر مقابل ہوا، شہزادہ قاسمؑ نے چشم زدن میں اسے مار دیا۔ جب وہ شقی واصل جہنم ہو چکا، اس کا برادر ثانی بھی مثل اوّل اور ثالث کو مثل ثانی اور رابع کو مثل ثالث ایک ایک وار میں فی النار کیا۔ جب وہ چاروں بانی فساد دوزخ میں اپنے اپنے مقام پر پہنچ گئے، ارزق کی نظروں میں دُنیا سیاہ ہو گئی۔ خود آمادۂ پیکار ہو کر اس طرح اپنی جگہ سے چلا کہ معلوم ہوا کہ پہاڑ کو جنبش ہوئی۔

مؤمنین! اولاد کا داغ ایسا ہی ہوتا ہے۔ بیٹوں کے غم میں ارزق کا یہ حال ہوا کہ آنکھوں میں اندھیرا ہو گیا۔ خیال کیجئے کہ جناب سیدالشہداء کا کیا عالم ہوا ہوگا کہ دیکھتے ہی دیکھتے گھر کا گھر صاف ہو گیا۔ سترہ لختِ جگر، جن کی نظیر عالم میں نہیں تھی، آنکھوں کے سامنے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

بہر کیف راوی کہتا ہے کہ ارزق کارآزمودہ، آب و طعام سے سیر ہے اور قاسمؑ قلیل العمر، تین دن کا بھوکا پیاسا ہے۔ امامؑ بیتاب ہو گئے اور سرِ اقدس آسمان کی طرف اُٹھا

کر دُعا کی: خداوندا! میں یہ نہیں کہتا کہ قاسمؑ تیری راہ میں نثار نہ ہو مگر تیری رحمت سے اتنا امیدوار ہوں کہ میرے اس فرزند کو اس شامی مغرور پر فتحیاب فرما۔

اِدھر حضرتؑ دعا فرما رہے تھے اور اُدھر ارزق نے تلوار کھینچ کر چاہا کہ حملہ کرے کہ جناب قاسمؑ نے فرمایا: او ملعون! باوجودیکہ اپنی سپاہ گری کا دعویٰ کرتا ہے، اس قدر غافل ہے کہ تیرے گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہو گیا ہے اور تجھے خبر نہیں۔ قریب ہے کہ تو گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔

یہ سن کر وہ شقی نادم ہوا اور جھک کر دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی جناب قاسمؑ نے ایسی تلوار ماری کہ اس کا سر بدن سے جدا ہو کر خاک پر گر پڑا۔ جناب قاسمؑ اس شقی کا سر لئے ہوئے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یَا عَمَّاهُ اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ لَوْ كَانَ لِيْ شَرْبَةٌ مِنَ الْمَاءِ لَاَقَيْتُ جَمِيْعَ اَعْدَائِكَ''۔

''اے چچا! پیاس کی شدت مجھے ہلاک کیے ڈالتی ہے۔ اگر اس وقت تھوڑا سا بھی پانی مل جاتا تو آپ کے دشمنوں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑتا''۔

امام حسینؑ بہت روئے اور فرمایا: ''اے جانِ عم! تھوڑی دیر صبر کر، عنقریب میرے نانا رسولِ خدا ایسا سیراب کریں گے کہ پھر تجھے کبھی پیاس نہ معلوم ہوگی''۔

غرض وہ شہزادہ دوبارہ میدان میں آیا اور وہ جنگ کی کہ سارا لشکر تہہ و بالا ہو گیا۔ جب اشقیاء نے دیکھا کہ شکست ہوا چاہتی ہے، سب نے مشورہ کر کے اس شہزادے کو گھیر لیا اور چاروں طرف سے تلوار پر تلوار اور نیزہ پر نیزہ برسانے لگے۔

لکھا ہے کہ اس قدر تیر لگے تھے کہ سارا بدنِ نازک چھلنی ہو گیا۔ مؤمنین! خیال کیجئے کہ وہ حضرت قاسمؑ کا سن و سال اور زندگی کی پہلی لڑائی، وہ تین دن کی بھوک و پیاس، وہ زخموں سے خون کا جاری ہونا، آخر اس قدر مضمحل ہو گئے کہ گھوڑے پر سنبھلنا دُشوار ہو گیا۔

زین سے زمین پر آئے۔ اس کے ساتھ شیث ابن سعد نے ایک ایسا نیزہ مارا کہ وہ شہزادہ تڑپنے لگا اور آواز دی: "اے چچا! خبر لیجیے، ظالموں نے میرا کام تمام کر دیا"۔

بھتیجے کی آواز سنتے ہی مظلومِ کربلا بیتابانہ قتل گاہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ ابھی زندہ ہیں۔ اس جسم مجروح کو گھوڑے پر رکھ کر خیمہ عصمت میں لائے۔ سب بیبیاں سر و سینہ پیٹ کر رونے لگیں۔ ماتم کی آواز جو قاسمؑ کے کانوں تک پہنچی، غش سے آنکھیں کھولیں۔ ایک طرف اپنی والدہ اُمِ فروہ کو دیکھا کہ بیتاب ہو کر حال تباہ کر رہی ہیں۔ کہنے لگے:

"اے اماں! صبر کرو کہ اللہ تعالیٰ صابروں کو دوست رکھتا ہے"۔

پھر ایک طرف دیکھا کہ امام حسینؑ کھڑے رو رہے ہیں۔ عرض کی:

"اے چچا جان! خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں نے آپ پر اپنی جان قربان کی"۔

یہ کہتے کہتے موت کا پسینہ آیا اور اس شہزادے کا طائرِ روح گلشنِ جنت کی طرف پرواز کر گیا۔ سارے اہل بیتؑ میں ایسا شور ماتم برپا ہوا کہ زمین کربلا ہلنے لگی۔

فضائلِ گریہ، جنابِ اُمُّ البنینؑ کے عقد کی روایت اور شہادتِ حضرت عباسؑ

"عَنِ الصَّادِقِ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ بَكٰى اَوْ اَبْكٰى ثَلَاثِيْنَ فَلَهُ الْجَنَّةُ"

"مصحف ناطق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو مومن مصائب اہل بیتؑ بیان کر کے خود روئے یا تیس آدمیوں کو رلائے، اللہ تعالیٰ اس پر بہشت واجب فرماتا ہے"۔

"وَمَنْ بَكٰى اَوْ اَبْكٰى عَشَرَةً فَلَهُ الْجَنَّةُ".

پھر فرمایا: "اور جو روئے یا دس آدمیوں کو رلائے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ بہشت واجب فرماتا ہے"۔

"وَمَنْ بَكٰى اَوْ اَبْكٰى وَاحِدًا فَلَهُ الْجَنَّةُ".

پھر ارشاد فرمایا: "اور جو روئے یا ایک آدمی کو رلائے، اللہ تعالیٰ اس پر بھی بہشت واجب فرماتا ہے"۔

"وَمَنْ تَبَاكٰى فَلَهُ الْجَنَّةُ".

"اور جسے رونا نہ آئے اور وہ رونے والے کی صورت بنائے، بہشت اس پر بھی واجب ہے"۔

"فَاِنَّ مَنْ لَمْ يَحْزَنْ عَلٰى مُصَابِنَا فَلَيْسَ مِنَّا".

"پس جس کا دل ہمارے مصائب سن کر محزون بھی نہ ہو، وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں"۔

مؤمنین! خوشا حال اُن لوگوں کا جو اپنے آقا کے مصائب سن کر روتے ہیں۔ مگر
فی الحقیقت دعوائے غلامی اور جاں نثاری ان لوگوں پر ختم ہوا جنہوں نے روزِ عاشورا اپنی
جانیں فرزندِ رسولؐ پر نثار کیں، خصوصاً جنابِ عباس علیہ السلام۔ اپنے بھائی امام حسینؑ کے کیا
سچے عاشق تھے اور آپؑ کا کس قدر ادب فرماتے تھے کہ کبھی حضرتؑ کی جانب پشت نہ کی اور
کبھی سوائے آقا کے بھائی نہ کہا۔ کیونکر نہ ہوتا کہ حضرتؑ کی والدہ ماجدہ خاندانِ عالی سے
تھیں اور جنابِ امیر علیہ السلام نے اسی روز کے واسطے جنابِ اُم البنین سے عقد کیا تھا۔

چنانچہ صاحب ''اسرار الشہادۃ'' کہتے ہیں کہ روزِ عاشور علَم جنابِ امام حسینؑ
عبداللہ ابن جعفر بن عقیل کے پاس تھا۔ زہیر نے عبداللہ سے کہا: اے بھائی! علَم مجھ کو دو۔
عبداللہ نے کہا: آیا میں اس منصب کی لیاقت نہیں رکھتا؟ زہیر نے کہا: یہ مطلب نہیں،
دوسری غرض ہے۔

عبداللہ نے علَم ان کے حوالہ کیا اور زہیر لے کر حضرت عباسؑ کے پاس آئے اور
کہا: اے فرزندِ علیؑ! چاہتا ہوں کہ آپؑ سے ایک حکایت بیان کروں۔ جنابِ عباسؑ نے
فرمایا: کہو۔ زہیر نے کہا:

''اے ابوالفضل العباسؑ! جب جنابِ حیدرِ کرار نے آپؑ کی مادرِ خوش کردار اُم
البنین سے قصدِ عقد کیا تھا تو پہلے جنابِ امیر علیہ السلام اپنے بھائی عقیلؑ کے پاس تشریف
لائے، اس لئے کہ جنابِ عقیلؑ اکثر خاندانِ عرب سے خوب واقف تھے۔

فَقَالَ یَا اَخِیْ اُرِیْدُمِنْکَ اَنْ تَخْطُبَ لِیْ اِمْرَاَۃً مِنْ
ذَوِی الْنُبُوَّتِ وَالْحَسَبِ وَالنَّسَبِ وَالشَّجَاعَۃِ۔

''فرمایا: اے بھائی! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے خواستگاری کریں ایک ایسی
خاتون سے جو صاحبِ حسب ونسب اور خاندانِ شجاعت سے ہو''۔

''لِکَیْ اُصِیْبَ مِنْھَا وَلَدًا یَکُوْنُ شُجَاعًا وَعَضُدًا

یَنْصُرُ وَلَدِیْ ھٰذَا وَاَشَارَ اِلَی الْحُسَیْنِ لِیُوَاسِیَہٗ
فِیْ طَفِّ کَرْبَلَا''۔

''تا کہ اس کے بطن سے پروردگارِ عالم مجھے ایک ایسا فرزند عطا کرے جو صاحب
شجاعت ہو اور میرے فرزند کی معرکہ کربلا میں مدد کرے''۔

پھر ارشاد کیا: اے عباسؑ! بہر کیف آپؑ کے والد بزرگوار نے آج ہی کے روز
کے واسطے آپؑ کی تربیت فرمائی ہے۔ پس اپنے بھائی بہنوں کی حفاظت ونصرت میں کوتاہی
نہ فرمانا''۔

جب جنابِ عباسؑ نے یہ کلام سنا، مثل بید کانپنے لگے اور فرمایا:

''یَازُھَیْرُ تُشَجِّعُنِیْ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْیَوْمِ وَاللّٰہِ
لَاُرِیَنَّکَ شَیْئًا مَارَاَیْتَہٗ قَطُّ''۔

''اے زہیر! تم مجھے شجاعت دلاتے ہو، ایسے روزِ مصیبت میں آج تمہیں وہ
شجاعت دکھاؤں گا جو تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی''۔

فی الحقیقت جنابِ عباس علیہ السلام ایسے شجاع وبہادر تھے کہ کسی شجاعانِ عرب
سے مجال نہ تھی کہ آپؑ سے مقابلہ کرے اور اس قدر خوبصورت تھے کہ اہلِ مدینہ ماہِ بنی ہاشم
کہتے تھے۔ خوش قدر، بلند قامت ایسے تھے کہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو زمین قدمِ
مبارک کو بوسے دیتی تھی۔ امام حسین علیہ السلام اس وفا شعار بھائی سے ایسی محبت رکھتے تھے
کہ سب بھانجے بھتیجے اور بھائی بیٹوں کو اجازتِ جہاد دی مگر جنابِ عباسؑ کی مفارقت گوارا نہ
کی۔ ہر چند جنابِ عباسؑ نے اصرار کیا لیکن حضرتؑ راضی نہ ہوئے، یہاں تک کہ جنابِ علی
اکبرؑ بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

پس بروایت مقتل ابی مخنف امام حسینؑ خود آمادۂ شہادت ہو کر رخصت کے واسطے
خیمہ میں تشریف لائے اور فرمایا: ''اے بہن زینبؑ! میرے سب اعوان وانصار راہیِ جنت

ہو چکے، کوئی مددگار باقی نہیں کہ ہمارے عوض لڑ سکے۔ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں اور تمہیں خدائے عزوجل کے سپرد کرتا ہوں کہ وہ تم سب کا نگہبان ہے۔ اے بہن! تم سب اہل بیتؑ میں بزرگ ہو، میری وصیت سنو کہ میری شہادت کے بعد میرے اہل بیتؑ اور اطفال کی محافظت کرنا۔ فرزند شیر خوار مجھے نہایت عزیز ہے"۔

یہ سنتے ہی جناب زینبؑ بہت روئیں اور عرض کی "اے برادر! بہن فدا ہو، آپؑ کس کے حق میں مجھے وصیت فرماتے ہیں؟ علی اصغرؑ تو شدتِ تشنگی سے جاں بلب ہے۔ یقین ہے کہ انتقال کر جائے"۔

امام حسینؑ نہایت مضطرب و بیقرار خیمہ سے باہر نکل آئے اور اپنے بھائی عباسؑ کو طلب کیا۔ جب حاضر ہوئے، حضرتؑ نے بکمال حسرت و یاس فرمایا:

"اے عباسؑ! اس حالتِ بیکسی اور تنہائی میں کوئی ناصر و مددگار باقی نہیں رہا۔ میں نے چاہا تھا کہ تم کسی طرح زندہ رہو کہ تمہارے زندہ رہنے سے کوئی شقی درپے آزار سادات نہ ہوگا لیکن مجبور ہوں کہ فلک کج رفتار کو یہ امر ناگوار ہے۔

اے عباسؑ! میرا فرزند اصغرؑ پیاس سے جاں بلب ہے۔ اگر ممکن ہو تو تھوڑا سا پانی فرات سے لاؤ۔ مگر پہلے خیمہ میں جا کر اہل حرم سے رُخصت ہو لو۔ شاید تمہاری یہ ملاقات آخری ہو"۔

حسبِ ارشاد جنابِ عباسؑ خیمہ میں داخل ہوئے اور فرمایا: "تم سب اہل بیتؑ پر میرا آخری سلام ہو۔ میں تم سے رخصت ہوتا ہوں اور تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں"۔

یہ سنتے ہی اہل حرم بیتابانہ حضرت عباسؑ کے قریب آئے اور حلقہ بنالیا اور بکمال حسرت و یاس رونے پیٹنے لگے۔ خصوصاً جناب زینبؑ و اُم کلثومؑ خاک پر بیٹھ گئیں اور ایک طرف جنابِ سکینہؑ ہائے عمو، ہائے عمو کہہ کر پکارتی تھیں۔ غرض جنابِ عباسؑ کی رخصت سے ایک شور برپا تھا۔ حضرتؑ نے چاہا کہ سب کو روتا چھوڑ کر خیمہ سے باہر آئیں لیکن سب

بیبیاں اور بچے سدِ راہ تھے اور حضرتؑ کا دامن نہ چھوڑتے تھے۔ جنابِ عباسؑ بھی زار زار روتے تھے۔ ناگاہ صدائے "هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ" کان میں پہنچی۔ بیتابانہ خیمہ سے برآمد ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ جنابؑ گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ قتال میں آئے۔

"وَقَالَ يَابْنَ سَعْدٍ هٰذَا الْحُسَيْنُ بْنُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

"اور فرمایا: اے ابن سعد! یہ حسینؑ تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہے"۔

"وَاِنَّكُمْ قَتَلْتُمْ اَصْحَابَهٗ وَاَخَوَاتَهٗ وَاِخْوَانَهٗ وَبَنِيْ عَمِّهٖ وَبَقِيَ فَرِيْدًا مَعَ اَوْلَادِهٖ وَعِيَالِهٖ وَهُمْ عِطَاشٌ"

"اور اے قومِ گمراہ! تم نے اس کے انصار اور بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کیا۔ اب وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ تنہا رہ گیا ہے۔ تھوڑا سا پانی دو کہ اس کے عیال و اطفال موت کے قریب پہنچ گئے ہیں"۔

راوی کہتا ہے کہ یہ کلامِ جنابِ عباسؑ سن کر بعض اشقیاء خاموش رہے اور اکثر رونے لگے۔ اس وقت شمر ملعون اور شیث بن ربعی سامنے آئے اور کہا: اے عباسؑ! اپنے بھائی سے جا کر کہو کہ اگر تمام روئے زمین پانی ہو جائے اور ہمارے قبضے میں ہو تو بھی ایک قطرہ بھی نہ دیں گے، جب تک یزید کی بیعت قبول نہ کرو گے۔

یہ کلام سن کر جنابِ عباس علیہ السلام متبسم ہوئے اور اپنے بھائی کی خدمت میں آ کر تمام ماجرا عرض کیا۔ جنابِ امام حسینؑ نے سرِ مقدس کو جھکا لیا اور اس قدر روئے کہ دامنِ مبارک تر ہو گیا۔

"فَسَمِعَ الْحُسَيْنُ اَصْوَاتَ الْاَطْفَالِ وَهُمْ يُنَادُوْنَ اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ".

"اس اثناء میں آپؑ نے آوازِ اطفال سنی کہ العطش العطش کہہ رہے ہیں"۔

راوی کہتا ہے کہ جب العطش کا شور جنابِ عباسؑ نے سنا تو بیتاب ہو کر جانبِ آسمان نگاہ کی اور عرض کی: ''بارالٰہا! عباسؑ چاہتا ہے کہ ان پیاسوں کیلئے ایک مشک پانی کی بھر لائے''۔

یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور نیزہ دستِ مبارک میں لیا اور ایک سوکھی مشک دوشِ مبارک پر رکھی اور جانبِ فرات کا قصد کیا۔ ناگاہ فوجِ کفار سدِ راہ ہوئی۔ جنابِ عباسؑ نے اس قومِ جفاکار پر مثلِ شیرِ غضبناک حملہ کیا اور اُن اشقیاء کی جماعت کو متفرق و پریشان کیا اور اکثر کافروں کو فی النار کر دیا۔

اَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَلِیٍّ حَقًّا
اُعَرِّفُکُمْ اِذَا لَمْ تَعْرِفُوْنِیْ

اے گروہِ غدار! اگر مجھے نہیں پہچانتے تو پہچان لو کہ میں کرارِ غیر فرار کا بیٹا ہوں۔

غرض اس شیر نے نامردوں کو تلوار سے مار کر ہٹا دیا۔ فرات خالی ہو گیا تو گھوڑا فرات میں ڈال دیا اور مشک پانی سے بھر لی۔ پھر شدتِ پیاس سے چاہا کہ کچھ پانی پئیں۔

''فَذَکَرَ عَطَشَ الْحُسَیْنِ وَرَمَی الْمَآءَ مِنْ یَدِہٖ''۔

پس حسینؑ اور بچوں کی پیاس کی یاد آئی تو جنابِ عباسؑ نے پانی ہاتھ سے پھینک دیا اور دل سے کہنے لگے: افسوس اے عباسؑ! حسینؑ فرزندِ ساقیِ کوثر تو تین دن سے پیاسا ہو اور تو پانی پئے؟ یہ وفاداری سے بعید ہے۔

آخر دریا سے پیاسے ہی نکل آئے اور پانی لے کر امام حسین علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئے۔ اشقیاء نے جب دیکھا کہ جنابِ عباسؑ پانی لئے جاتے ہیں، تیر انداز چاروں طرف سے تیر برسانے لگے اور جنابِ عباسؑ لڑتے چلے جاتے تھے۔ ناگاہ عمر سعد پکارا:

''وائے ہو تم پر، ایک تن تنہا پانی لئے جاتا ہے، لاکھوں آدمیوں میں سے کوئی ایسا نہیں کہ مشک چھین لے؟''

یہ سنتے ہی سب ملاعین چاروں طرف سے ایک مرتبہ ٹوٹ پڑے اور نیزہ اور شمشیر سے مارنے لگے۔ جنابِ عباس علیہ السلام باوصف اس کے کہ ہر قدم پر زخمی ہوئے تھے لیکن خیمہ کی جانب چلے جاتے تھے۔ ناگاہ کمین گاہ سے ایک ملعون نے ایسی تلوار ماری کہ دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ آپؑ نے جلدی سے تلوار بائیں ہاتھ میں لے لی اور مشکیزہ کو بھی بائیں کندھے پر رکھ کر علَم بغل میں لے لیا۔ پھر اسی بائیں ہاتھ سے ایسی تلوار چلائی کہ سامنے سے اِن ملاعین کو مار کر ہٹا دیا۔

ناگاہ پھر اسی ملعون نے بائیں ہاتھ پر ایسی تلوار ماری کہ وہ بھی قطع ہو گیا۔ پس اس جریؑ نے جلدی سے مشک کا تسمہ دانتوں سے پکڑ لیا اور مشک کو سینہ اقدس سے چمٹا لیا۔ قضائے کار کہ ایک تیر مشکیزہ پر آ کر لگا اور پانی بہہ گیا۔ اس وقت جنابِ عباسؑ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر ٹھہر گئے۔ ناگاہ ایک ملعون نے جو لشکرِ مخالف کا علمدار تھا، ایک ایسا گرز سر پر مارا کہ آپؑ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔

''وَنَادٰی یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ''۔

''اور پکارے: یا ابا عبدؑاللہ! عباسؑ کا آخری سلام ہو''۔

اے مولاؑ! غلام نے اپنی جان قربان کر دی۔ حضرتؑ نے جو اپنے عاشقِ صادق کی آواز سنی تو بیتاب ہو کر فرمایا ''ہائے بھائی، ہائے عباسؑ! اس وقت حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی''۔

یہ فرما کر روتے ہوئے لاشِ عباسؑ پر تشریف لائے اور اپنے بھائی کی لاش سے لپٹ کر بہت روئے۔

جنابِ عباسؑ کے فضائل،ولادت و شہادت اور مارو بن صعیف سے جنگ کرنا

"فِی کُتُبِ الْاَخْبَارِ کَالْاَمَالِی وَالْخِصَالِ وَالْبِحَارِ اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ الْحُسَیْنِ نَظَرَ اِلٰی عُبَیْدِاللّٰہِ ابْنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِی طَالِبٍ وَاسْتَعْبَرَ".

کتب معتبرہ میں، یعنی امالی صدوق، خصال و بحار الانوار میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ جناب سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام نے عبداللہ، پسر جناب عباسؑ ابن علیؑ کی طرف نگاہ کی اور اشک چشم مبارک میں بھر آئے۔

"ثُمَّ قَالَ مَامِنْ یَوْمٍ اَشَدُّ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ مِنْ یَوْمِ اُحُدٍ قُتِلَ فِیْهِ حَمْزَۃُ ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ".

فرمایا کہ جناب رسالت مآبؐ کے لئے روز اُحد کی نسبت کوئی اور دن سخت دشوار نہیں گزرا، اس لئے کہ اُس روز جناب حمزہ بن عبدالمطلب شہید ہوئے۔

"وَبَعْدَ یَوْمِ مُوْتَہٖ قُتِلَ فِیْهِ ابْنُ عَمِّهٖ جَعْفَرُ ابْنُ اَبِی طَالِبٍ".

اور اس کے بعد جناب رسولؐ خدا پر وہ روز سخت گزرا کہ جس روز حضرتؐ کے ابن عم یعنی جعفر ابن ابی طالبؑ شہید ہوئے۔

"وَلَا یَوْمَ کَیَوْمِ الْحُسَیْنِ اِزْدَلَفَ اِلَیْهِ ثَلَاثُوْنَ اَلْفَ رَجُلٍ یَزْعَمُوْنَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ کُلُّهُمْ یَتَقَرَّبُ اِلَی اللّٰہِ بِدَمِهٖ".

اور پھر سخت ترین ایامِ مصائب پیغمبرؐ خدا پر وہ تھا جس روز تیس ہزار کفار نے جناب امام حسینؑ کو محاصرہ کیا اور ہر ان اشقیاء میں سے ہر ایک قتل کرتا۔ یہ سب ملعون لوگ اپنے آپ کو زعم باطل میں اُمت رسولؐ خدا سے جانتے تھے۔

"وَهُوَ بِاللّٰہِ یُذَکِّرُهُمْ فَلَا یَتَّعِظُوْنَ بِهٖ حَتّٰی قَتَلُوْهُ بَغْیًا وَظُلْمًا وَعُدْوَانًا".

ہر چند امام حسینؑ ایک بے حیا کو وعظ و نصیحت کرتے تھے اور عذاب خداوند قہار سے ڈراتے تھے مگر ان میں سے کوئی راہِ راست پر نہ آیا، یہاں تک کہ اس مظلومؑ کو انتہائی بیدردی کے ساتھ شہید کیا۔

"ثُمَّ قَالَ رَحِمَ اللّٰہُ عَبَّاسَ ابْنَ عَلِیٍّ فَلَقَدْ اٰثَرَ وَفَدٰی بِنَفْسِهٖ اَخَاهُ حَتّٰی قُطِعَتْ یَدَاهُ".

پھر جناب سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل کرے عباسؑ ابن علیؑ پر کہ آپؑ نے روز عاشورا اپنی جان اپنے بھائی حسینؑ پر فدا کی اور جب تک زندہ رہے، حضرتؑ کی حفاظت و حمایت کرتے رہے، یہاں تک کہ محبتِ امام حسینؑ میں اس علمدار وفا شعار کے دست حق پرست قطع ہو گئے۔

"فَاَبْدَلَهُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِهِمَا جَنَاحَیْنِ یَطِیْرُ بِهِمَا مَعَ الْمَلَائِکَةِ فِی الْجَنَّةِ کَمَا جَعَلَ لِجَعْفَرِ ابْنِ اَبِی طَالِبٍ".

پس اللہ تعالیٰ نے عباسؑ ابن علیؑ کو دست بریدہ کے دو پر عطا کئے کہ وہ ان پروں سے جنت میں ملائکہ کے ہمراہ پرواز کرتے ہیں۔ جس طرح جعفر طیارؑ کو عنایت فرمائے۔

"وَاِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَةً یَغْبِطُ بِهَا جَمِیْعُ الشُّهَدَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ".

اور بہ تحقیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک جناب عباسؑ کے واسطے وہ قدر و منزلت ہے کہ ان درجاتِ عالیہ کو دیکھ کر تمام شہداء قیامت میں حسرت و آرزو کریں گے۔

فی الحقیقت مؤمنین! جناب عباسؑ نے جو اپنے بھائی کے ساتھ اطاعت اور وفاداری کی ہے، وہ اطاعت کسی بھائی نے بھائی سے اور وہ وفا کسی غلام نے اپنے آقا سے عالم میں نہیں کی۔ یہاں تک کہ اپنے شانے امام حسین علیہ السلام کی محبت میں کٹوا دیئے کہ جن شانہ ہائے بریدہ پر جنابِ سیدہؑ روزِ قیامت مباہات کریں گی۔

چنانچہ صاحبِ اسرار الشہادۃ لکھتے ہیں کہ جب روزِ قیامت اللہ تعالیٰ مقامِ عدالت میں اپنے بندوں کو طلب فرمائے گا، تمام انبیائے کرام نفسی نفسی کہتے ہوئے حاضر ہوں گے اور کل خلائق ہولِ قیامت سے مضطرو پریشان، گریاں و نالاں ہوگی۔ اس وقت رسولؐ خدا جنابِ امیر علیہ السلام سے ارشاد فرمائیں گے:

''یا علیؑ! دیکھو کہ شفیعہ روزِ جزا حضرت فاطمہ زہراؑ کہاں ہیں کہ اس وقت مقامِ شفاعت میں انؑ کا حاضر ہونا ضروری ہے''۔

وہ جنابِ سیدہؑ کے پاس جا کر ارشاد فرمائیں گے:

''يَافَاطِمَةُ مَاعِنْدَكِ مِنْ اَسْبَابِ الشَّفَاعَةِ وَمَا اَدَّخَرْتِ لِاَجْلِ هٰذَا الْيَوْمِ الَّذِيْ فِيْهِ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ''۔

اے فاطمہؑ! آپ کو آپ کے پدرِ بزرگوار نے مقامِ شفاعت پر یاد فرمایا ہے۔ پس کیا چیز آپ کے پاس اسبابِ شفاعت سے ہے اور کونسا ذخیرہ آج کیلئے آپ نے جمع کیا ہے کہ ایسے ہولناک روز میں اس عاصی کے کام آئے؟

''فَتَقُوْلُ فَاطِمَةُ يَااَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَفَانَا لِاَجْلِ هٰذَا الْمَقَامِ الْيَدَانِ الْمَقْطُوْعَتَانِ مِنْ اِبْنِي الْعَبَّاسِ''۔

''جنابِ سیدہؑ عرض کریں گی: میرے لئے اُمت کی شفاعت کے واسطے میرے فرزند عباسؑ کے دو کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں''۔

اللہ اکبر مؤمنین! جنابِ عباسؑ کے کیا مراتب ہیں کہ جنابِ سیدہؑ اپنے فرزندوں کی طرح آپؑ کی شہادت پر بھی دعوائے نجات رکھتی ہیں۔ کیونکر نہ ہو کہ وہ جنابؑ ان کے فرزند حسینؑ کو ہمیشہ اپنا آقا اور امامؑ سمجھتے تھے اور سوائے مولا یا آقا کے کبھی بھائی نہ کہا۔ جنابِ امام حسینؑ نے بھی اپنے بھائی عباسؑ کو مثل فرزندوں کے پرورش فرمایا تھا۔

چنانچہ منقول ہے کہ جب جنابِ عباسؑ پیدا ہوئے تو ایک زنِ ہاشمیہ نے غسل دیا، امام حسینؑ نے اپنی آغوش میں لے کر دامنِ عبا سے چھپا لیا اور مسجد میں اپنے پدرِ بزرگوار کے پاس لا کر عرض کی: ''اگر آپ دیں تو میں ایک چیز مانگتا ہوں؟''

حضرتؑ نے فرمایا: ''جانِ پدر! وہ کیا شے ہے کہ تم چاہو اور میں دینے میں تامل کروں؟''

آپؑ نے اپنی عبا کا دامن اُٹھا دیا اور کہا: ''یہ مولود مجھ کو عنایت ہو کہ فرزندوں کی طرح پرورش کروں''۔

ارشاد فرمایا: ''میں نے خوشی سے تمہاری فرزندی بلکہ غلامی میں دیا''۔

فرزندِ رسولؐ نے کہا: مجھے ایک حسرت ہے کہ جیسے اس وقت خوشی ہے، ویسے ہی خود بخود میرا دل بھی بھر آتا ہے اور رونے کو جی چاہتا ہے؟''

حیدرِ کرار نے فرمایا: ''خاصانِ خدا کو خوشی کے وقت ملال ہونا بھی ضروری ہے۔ اس مولود کا انجام تمہیں معلوم نہیں۔ ایک تمہارے واسطے مسافرت میں نہر پر بھوکا پیاسا اپنے شانے کٹوا کر شہید ہوگا''۔

امام حسین علیہ السلام اس قدر روئے کہ روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ جنابِ امیرؑ نے اس شہزادہؑ کا سر گودِ مبارک میں لے کر فرمایا: ''اے فرزند! ابھی تو یہ اضطراب ہے۔

جب وہ دن آئے گا تو کیا حال کرو گے؟ صبر کرو، تم افتخارِ صابرین ہو"۔

امام حسینؑ نے عرض کی: "میں نہ سمجھا کہ آپؑ کیا فرماتے ہیں؟"

حضرتؑ نے کہا جبرئیلؑ جب تمہارے خون کا محضر لائے تھے تو اس میں لکھا تھا:

"اَلْحُسَیْنُ سَیِّدُ الشُّھَدَآءِ وَالْعَبَّاسُ حَامِلُ اللِّوَآءِ وَالسَّقَّاءُ".

یعنی "حسینؑ شہیدوں کا سردار اور عباسؑ فوجِ حسینیؑ کا علمدار اور سقائے اہلِ بیتِ اطہار ہے"۔

آپؑ نے عرض کی: "اب بھی میں اس راز سے مطلع نہ ہوا"۔

سیدالاوصیاء نے فرمایا "میں نے تمہارے نانا سے سنا ہے کہ مکرر فرماتے تھے: یا علیؑ! ایک دن حسینؑ تین دن کا بھوکا پیاسا صحرائے کربلا میں گوسفندِ قربانی کی طرح ذبح کیا جائے گا اور تمہارا فرزند عباسؑ اس کے اہلِ بیتؑ کی سقائی کے واسطے فرات پر جائے گا اور بازو کٹوا کر اپنی جان نثار کرے گا۔

اس راز کے علاوہ ایک اور راز سے تم کو مطلع کرتا ہوں"۔

یہ کہہ کر حضرتؑ نے جنابِ عباسؑ کے دونوں شانوں پر نشان دکھائے اور فرمایا:

"دیکھو! ایک علَم کا اور ایک مشکیزہ کا نشان ہے"۔

راوی کہتا ہے کہ جب وہ وقت آیا جس کی خبر جنابِ امیر علیہ السلام نے امام حسینؑ کو دی تھی، یعنی روزِ عاشور کو جب امام حسینؑ کے چند عزیز درجہ شہادت پر فائز ہوئے، اس وقت جنابِ عباسؑ نے اپنی شہادت پر کمر باندھی اور رخصت کے واسطے امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

"قَالَ یَااَخِیْ کُنْتَ عَلَامَۃً مِنْ عَسْکَرِیْ وَمَجْمَعَ عَدَدِنَا".

جب آپؑ نے جنابِ عباسؑ کو شہادت پر آمادہ پایا تو فرمایا: "اے بھائی! ہمارے لشکر کی رونق تم سے ہے اور تمہارے بعد جمعیت پریشان ہو جائے گی"۔

جنابِ عباسؑ نے عرض کی: "اے آقا! غلام کی جان آپؑ پر فدا ہو۔ اب غلام کا دل جینے سے سیر ہے، کلیجہ منہ کو آتا ہے، تابِ ضبط باقی نہیں رہی۔ چاہتا ہوں کہ ان منافقوں سے اپنے عزیزوں کا عوض لوں"۔

"فَقَالَ الْحُسَیْنُ اِذَاغَدَوْتَ اِلَی الْجِھَادِ فَاطْلُبْ ھٰؤُلَاءِ الْاَطْفَالِ قَلِیْلاً مِنَ الْمَاءِ".

جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: "اے برادر! اگر جہاد کو جاتے ہو تو کچھ پانی کی فکر بچوں کیلئے کرنا کہ شدتِ پیاس سے مرنے والے ہیں"۔

غرض جنابِ عباسؑ اہلِ حرم سے رخصت ہوئے اور ایک سوکھی مشک دوشِ مبارک پر رکھ کر نہر کی جانب روانہ ہوئے۔ بروایت اسرارِ شہادت دس ہزار فوج نے آپؑ کو گھیر لیا اور پوچھا: اے جوان! تو کون ہے؟

فرمایا: "میں عباسؑ ابنِ علیؑ ہوں"۔

اس کے بعد آپؑ نے پکار کر فرمایا: "اے بنی فلاح! میں تمہاری بہن امِ عاصم کلابیہ کا بیٹا ہوں اور ہم ذریتِ رسولِ مختار پیاس سے جاں بلب ہیں۔ ہزار افسوس کہ اس سے حیوان سیراب ہوتے ہیں اور امام حسینؑ کے بچے ایک قطرۂ آب کو ترستے ہیں اور کس حسرت و یاس سے بار بار فرات کی طرف دیکھتے ہیں"۔

عمرو بن حجاج پکارا: "اے میری بہن کے بیٹے! تم پانی شوق سے پی لو"۔

جنابِ عباسؑ فرات میں داخل ہوئے اور جلدی سے مشک بھر لی۔ چلو میں پانی لے کر شدتِ پیاس میں چاہا کہ پی لیں، ناگاہ امام حسینؑ کی پیاس یاد آ گئی، پانی پھینک دیا اور پیاسے ہی نکل کر خیمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ یکایک فوج نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔

جنابِ عباسؑ نے مثلِ شیرِ غضبناک اُن پر حملہ کیا اور کفار کے لاشوں کے پشتے لگا دیئے اور مشک کو بچاتے ہوئے چلے۔ ناگاہ ایک پہلوان مارد بن صدیق ثعلبی نے جو یہ شجاعت دیکھی کہ بڑے بڑے نامی گرامی پہلوانوں کو مار کر یہ جوان پانی کی مشک لئے جاتا ہے، غصہ سے اپنا منہ پیٹا اور اپنی قمیص چاک کر کے لشکر کو پکارا:

''خدا تمہارا برا کرے۔ خدا کی قسم! تمہاری اتنی جمعیت ہے کہ اگر تم لوگ ایک ایک مٹھی خاک اس جوان پر پھینکتے تو یہ دب جاتا۔

اے قوم! تم ایک طرف ہٹ جاؤ، میں تنہا کافی ہوں۔ ابھی اس جوان کو قتل کرتا ہوں اور اس کے بھائی حسینؑ کا کام بھی تمام کرتا ہوں''۔

یہ کہہ کر اُس شقی نے دوہری زرہ پہنی اور خودِ فولادی سر پر رکھا اور ہاتھ میں نیزہ لے کر اسپِ اشقر پر سوار ہوا اور حضرت عباسؑ کے سامنے آ کر پکارا:

''اے جوان! اپنی جوانی پر رحم کر، تلوار روک لے اور سلامتی کی راہ اختیار کر ورنہ میری تیغ سے جانبر نہ ہوگا''۔

جنابِ عباسؑ نے فرمایا: ''اپنی زبان بند کر، کیا بکتا ہے؟ ہم لوگ دشمنوں کے واسطے غضبِ خدا ہیں۔ تیری اور تیرے لشکر کی میری نظروں میں وہی حقیقت ہے جیسے ہوا سے خاک پراگندہ ہو۔ نہیں جانتا کہ میں رسولؐ خدا کے داماد کا بیٹا، شیرِ الٰہی کا شیر ہوں؟ میرے ہی باپ نے کفر کو مٹا کر اسلام کا جھنڈا اگاڑا۔ میری فوج کے چند بچوں کو شہید کر کے تیرا لشکر اپنی کثرت پر نازاں ہے۔ قسم بخدا! اگر تمام دُنیا ایک طرف ہو تو ہماری تلوار سے پناہ نہیں۔ جنگ میں سبقت اپنا شیوہ نہیں۔ اگر حوصلہ ہے تو پہلے تو وار کر''۔

یہ سنتے ہی وہ مغرور طیش میں آیا، جھنجھلا کر نیزہ سنبھالا اور اپنے [illegible]م میں ایسا وار کیا کہ اگر پہاڑ بھی حائل ہوتا تو دو ٹکڑے ہو جاتا۔ قربان جرأتِ عباسؑ پر [illegible] ر چوبِ سناں کو تھام لیا اور ایسا جھٹکا دیا کہ قریب تھا کہ وہ ملعون سرنگوں گھوڑے سے زمین پر گر پڑے مگر وہ

اُٹھ کر سنبھلا اور پیچ و تاب کھا کر تلوار کا وار کیا۔ حضرتؑ نے اس کا وار اس کے نیزے پر روک کر ایسا نیزہ اس کے گھوڑے کے منہ پر مارا کہ وہ الف ہو کر بھاگا اور وہ شقی منہ کے بل زمین پر آ رہا۔

جنابِ عباسؑ نے متبسم ہو کر فرمایا: ''او دشمنِ خدا! انشاء اللہ میں تجھ کو تیرے ہی نیزے سے واصلِ جہنم کروں گا''۔

مارد کو جب شمر نے پیادہ دیکھا تو ایک مادہ گھوڑی جس کا نام طاویہ تھا، غلام کے ہاتھ جلدی سے روانہ کی۔ ابھی وہ غلام قریب نہ آیا تھا کہ جنابِ عباسؑ نے بڑھ کر اس غلام کو ایسا نیزہ مارا کہ سینہ کو توڑ کر پشت سے نکل آیا اور انتہائی برق رفتاری کے ساتھ اُس طاویہ پر سوار ہوئے۔ جب مارد نے جنابِ عباسؑ کو طاویہ پر سوار اور اپنا ہی نیزہ حضرتؑ کے ہاتھ میں دیکھا تو زمانہ آنکھوں میں تیرہ و تار ہو گیا اور اپنی ہلاکت کا یقین ہوا۔ بدحواس ہو کر عمر سعد کو پکارا کہ جلد فوج کو لے کر میری مدد کو آ۔

یہ سنتے ہی ہزاروں نابکار تلواریں کھینچے، نیزے سنبھالے، تیر چلہ کمان میں جوڑے ہوئے آ گئے۔ جنابِ سیدُ الشہداءؑ نے آواز دی: ''بھائی! دیکھتے ہو، ہر طرف سے فوج چلی آتی ہے۔ اس دشمنِ خدا کے قتل میں کیا انتظار ہے؟''

فوراً جنابِ عباسؑ نے مارد کے سر پر ایسا نیزہ مارا کہ سر توڑ کر پار ہو گیا۔ پھر فوج پر حملہ کر کے ۲۹ (29) یزیدیوں کو واصلِ جہنم کیا اور خود بھی زخمی ہوئے۔

ایک تیر ایسا مشک پر لگا کہ پانی بہنے لگا۔ جنابِ عباسؑ نے جو دیکھا کہ پانی مشک سے بہہ رہا ہے، ساری محنت ضائع ہوئی جاتی ہے تو فوراً خیمہ کی طرف باگ اٹھائی کہ شاید کچھ پانی بچوں تک پہنچ جائے۔

غرض جب وہ چھدی ہوئی مشک کا بہتا ہوا پانی خیمہ میں لائے، چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے ہوئے دوڑے اور سقائے اہلِ بیتؑ کے گرد حلقہ باندھ کر

پانی مانگنے لگے۔ مگر افسوس! اتنا پانی بھی مشک میں باقی نہ رہا تھا کہ ایک بچہ سیراب ہوتا۔ علمدارؑ نے مشک تو زمین پر رکھ دی اور ان بچوں کی محرومی پر بے اختیار رونے لگے۔ وہ بچے اس وقت کیا کرتے، پانی سے تو نا اُمیدی ہوگئی تھی۔ بلبلا کر کسی بچے نے اپنا سینہ مشک پر رکھ دیا، کسی نے مشک کو سوکھے ہونٹوں پر لگایا، کوئی اپنا رخسار ملنے لگا کہ مشک کی نمی سے کچھ خنکی پہنچے۔ ناگاہ جناب سیدالشہداء کی آواز سنی کہ فرماتے ہیں:

''بھائی! جلد اپنے کو مجھ تک پہنچاؤ''۔

اسی طرح سب کو روتا چھوڑ کر بیتابانہ خیمہ سے باہر نکل آئے، دیکھا کہ لاکھوں یزیدیوں نے امامؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ تیر پر تیر، تلوار پر تلوار، نیزہ پر نیزہ لگاتے ہیں اور حضرتؑ اکیلے جنگ میں مصروف ہیں۔ علَم لے کر شیر غضبناک کی طرح فوج پر جھپٹے اور آواز دی:

''اے اعدائے دین! ہوشیار ہو، عباسؑ آپہنچا ہے''۔

حضرتؑ قریب جا کر دشمنوں کو قتل کرنے لگے۔ سردارؑ و علمدارؑ نے مل کر وہ جنگ کی کہ قیامت تک نہ ہوگی۔ صحرا سے نہر تک خون کا دریا بہنے لگا۔ لاشوں کے انبار اور سروں کے ڈھیر لگ گئے۔ دلوں سے حوصلے اور سروں سے غرور جاتا رہا۔ فوج کی فوج، دستے کے دستے، رسالے کے رسالے صاف ہوگئے۔ آخر ایک غول بیچ میں آکر حائل ہوگیا۔ امام حسینؑ اپنے بھائی سے، عباسؑ اپنے آقا سے جدا ہوگئے۔ بھائی کو بھائی کی خبر نہ رہی۔ جناب عباسؑ نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ میرے جیتے جی بھائی پر کوئی گزند پہنچ جائے۔ لہٰذا مڑ مڑ کر ہر طرف مظلومِ کربلا کو تلاش کرنے لگے۔

محارب بن جبیر نے بروایتے نوفل ارزق نے کمین گاہ سے ایسی تلوار ماری کہ جناب عباسؑ کا دایاں ہاتھ قلم ہوکر زمین پر گر پڑا۔

''فَحَمَلَ الرَّایَةَ بِشِمَالِه''.

فوراً علَم بائیں دوش پر رکھ لیا اور حملہ کر کے اس بائیں ہاتھ سے لڑنے لگے۔ کبھی میمنہ کو درہم برہم، کبھی میسرہ کو پراگندہ و منتشر، کبھی قلب لشکر کو متفرق و پریشان کر دیا۔ ساری فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اسی اثناء میں پسر نوفل کی ایک تلوار ایسی پڑی کہ وہ ہاتھ بھی قطع ہوگیا۔ قریب تھا کہ علَمِ حسینیؑ سرنگوں ہوکر زمین پر آئے مگر سبحان اللہ! بہادری اس کو کہتے ہیں کہ اس جعفر ثانی کو اپنے ہاتھ قلم ہونے کا تو کچھ غم نہ ہوا، چوب علَم کو دانتوں سے پکڑ لیا اور جھک کر سینے سے لگا لیا۔

اسحٰق کہتا ہے کہ جھکتے ہی حکم بن طفیل نے دائیں جانب پشت سے ایسا گرز مارا کہ سر مقدس شگافتہ ہوگیا، سنبھل نہ سکے اور گھوڑے سے زمین پر گرے:

فَنَادٰی حُسَیْنًا وَالدُّمُوْعُ هَوَامِلٌ
اَیَا ابْنَ اَبِیْ قَدْ خَیَّبُوْا اَمَلاً
عَلَیْکَ سَلَامُ اللّٰهِ یَا ابْنَ مُحَمَّدٍ
عَلَی الرَّغْمِ مِنِّیْ یَا اَخِیْ نَزَلَ الْبَلَا

گرتے ہی آواز دی: ''اے آقا، اے فرزندِ رسولؐ! سلام ہو۔ آپؑ میری خبر لیجئے۔ اس غلام نے جان نثار کی۔ افسوس! موت نے جلدی کی۔ دل کا حوصلہ نکلنے نہ پایا''۔

یہ سنتے ہی مظلومِ کربلا آواز پر چلے۔ جو سدِ راہ ہوتا تھا، اس کو قتل کرتے تھے، یہاں تک کہ ستر کافروں کو مار کر بھائی کی لاش پر پہنچے۔ دیکھا کہ ایک طرف علَمِ اسلام کا پھریرا خون سے بھرا زمین پر پڑا ہے۔ ایک طرف وہ شیر ہاتھوں کو کٹوائے، سر پر گرز ستم کھائے، خون میں نہائے، آنکھیں بند کیے خاک پر ایڑیاں رگڑتا ہے۔

مؤمنین!۔ ب کوئی: پنے بھائی کو اس طرح دیکھے گا تو اپنا کیا حال بنائے گا! بھائی بھی وہ جس کو وقتِ ولادت سے تیس برس تک بیٹوں کی طرح پالا ہو۔ کاندھوں پر چڑھا کر، گود میں کھلا کر جوان کیا ہو۔ کمر تھام کر زمین پر بیٹھ گئے۔ کٹے ہوئے شانوں پر منہ رگڑنے

لگے اور بار بار رو کر کہتے تھے:

"اَلْآنَ انْكَسَرَ ظَهْرِيْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِيْ".

"ہائے بھائی! تمہارے غم نے ہماری کمر توڑ دی۔ چارہ کی راہ مسدود ہو گئی"۔

آخر چاہا کہ علمدار کو بھی فوج کے ساتھ مقتل میں لا کر لٹا دیں۔ مگر افسوس! اس قدر زخمی پایا کہ جس جگہ بدن پر ہاتھ لگاتے تھے، اس جگہ کا گوشت جدا ہو جاتا تھا۔ کیونکر لاش اُٹھاتے؟ کیا کرتے؟ اسی جگہ چھوڑ کر خیمہ گاہ میں آئے، اہل حرم کو خبر دی۔ بیبیوں نے شہادتِ عباسؑ کی خبر سنی تو حلقہ باندھ کر اس زور سے ماتم کیا کہ زمین ہلنے لگی۔

جنابِ عباسؑ کی ولادت و اطاعت، جنابِ سیدہؑ کا فرزند کہنا، جنابِ عباسؑ کا اپنے بھائیوں کو میدان میں بھیجنا، وقتِ شہادت آنکھ کھولنا اور نعش کا منقلب ہونا

"عَنِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ قَالَ مَنْ تَذَكَّرَ مُصَابَنَا وَبَكٰى لِمَا ارْتُكِبَ مِنَّا كَانَ مَعَنَا فِيْ دَرَجَتِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

"حضرت امام علی ابن موسیٰ رضا علیہم السلام نے فرمایا کہ جو مؤمن ہمارے مصائب اور اُن جور و ستم کا ذکر کرے اور روئے جو اعدائے دین کے ہاتھ سے ہم اہل بیتؑ پر گزرے، وہ مؤمن روزِ قیامت ہمارے ساتھ ہمارے درجہ میں ہوگا"۔

"وَمَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يُحْيٰى فِيْهِ اَمْرُنَا فَبَكٰى عَلٰى مَا اَصَابَنَا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهٗ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ وَلَمْ تَبْكِ عَيْنُهٗ يَوْمَ تَبْكِي الْعُيُوْنُ".

اور جو مؤمن اس مجلس میں شریک ہو جس میں ہمارا امر زندہ کیا جائے یعنی مجلس میں ہم اہل بیتؑ کے فضائل و مصائب مذکور ہوں اور ہماری مصیبت پر روئے، اس کے عوض اس کا دل مردہ نہ ہوگا، اُس روز جس روز تمام لوگوں کے دل مردہ ہوں گے اور نہ وہ آنکھ روئے گی جس دن تمام آنکھیں روئیں گی۔ یہ وہ مصیبتیں ہیں جن میں تمام مخلوق روئے گی۔

ہر چند روزِ عاشور دو پہر میں امام حسین علیہ السلام نے ۷۱ (71) داغ اُٹھائے مگر دو صدمات میں آپؑ بہت زیادہ پریشان ہوئے: ایک فرزند نو جوان کے ماتم میں اور دوسرے علمدارؑ کے غم میں۔ ان دونوں سے آنکھوں کو بصارت اور بازوؤں کو قوت تھی۔ وہ

پیغمبرؐ خدا کی نشانی، یہ جعفر ثانی تھے۔

لکھا ہے کہ جنابِ عباسؑ جیسے ہی سن شعور کو پہنچے، کبھی حضرتؑ کی خدمت سے جدا نہ ہوئے تھے بلکہ روزِ ولادت سے وقتِ شہادت تک اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام پر عاشق وشیدا رہے۔

چنانچہ صاحبِ سرور المؤمنین لکھتے ہیں کہ وقتِ ولادتِ عباسؑ جنابِ امیرؑ وہاں موجود نہ تھے، اپنے فرزند کی ولادت کی خبر سن کر بیت الشرف میں رونق افروز ہوئے اور اپنے دلبند کو آغوشِ مبارک میں لے کر دونوں شانوں پر بوسے دینے لگے اور بے اختیار زار زار رونے لگے۔ بیبیوں نے عرض کی کہ جب ہم لوگ ان کو اپنی آغوش میں لیتے ہیں تو یہ روتے ہیں اور ایک چین نہیں لیتے مگر جب ان کے بھائی حسینؑ ہاتھ پھیلاتے ہیں تو یہ ہمک کر گود میں چلے جاتے ہیں اور بھائی کا منہ دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں؟

جنابِ امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”روزِ اوّل سے یہ میرے حسینؑ کا عاشق ہے۔ ایک روز یہ اپنے بھائی حسینؑ پر شانے فدا کر کے قربان کرے گا“۔

منقول ہے کہ جس طرح امام حسین علیہ السلام نے وقتِ ولادت جنابِ سیدہؑ کا دودھ نہ پیا اور آنکھیں نہ کھولیں، جب تک کہ جنابِ رسولِؐ خدا تشریف نہ لائے اور بعدِ ولادت اپنے جدِ بزرگوار کی انگشت مبارک چوس کر سیر ہوتے تھے، اسی طرح جنابِ عباسؑ نے بھی وقتِ تولد، جب تک جنابِ امیر المؤمنین تشریف نہ لائے، اُم البنین کا دودھ نہ پیا اور آنکھیں نہ کھولیں، اپنے پدرِ عالی مقام کی اُنگلی چوس کر سیر ہوتے تھے۔ جنابِ عباسؑ بھی جنابِ امیرؑ اور امام حسینؑ کی گود میں بصد فرحت و سرور ہمک کر جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جنابِ عباسؑ نے خود کو بھائی نہ سمجھا بلکہ مثل خادم کے جانتے تھے۔ چنانچہ صاحبِ سرور المؤمنین لکھتے ہیں کہ ایک روز جنابِ امام حسینؑ مسجد کوفہ میں موجود تھے کہ آپؑ نے قنبر سے پانی طلب فرمایا۔ جنابِ عباسؑ باوجود کمسنی کے خود

دوڑے اور ایک ظرف میں پانی بھر کر لے چلے مگر حرکت و تیز رفتاری سے نصف پانی چھلک کر آپؑ کے سرِ انور اور جسمِ اطہر پر گر گیا۔ جب وہ پانی جنابِ عباسؑ اپنے بھائی کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی کی یہ اطاعت ملاحظہ فرمائی اور بے اختیار اشک بار ہوئے۔ معرکہ کربلا نظروں میں پھر گیا کہ جس طرح آج یہ پانی کا ظرف میرے واسطے لائے ہیں، ایک روز اسی طرح تین دن کے بھوکے اور پیاسے بچوں کیلئے مشک بھر کر فرات سے لائیں گے مگر اعداء کے ظلم سے خیمہ تک نہ آنے پائیں گے۔

جس طرح اس وقت پانی سے نہا گئے ہیں، اسی طرح اپنے خون میں نہا کر دُنیا سے گزر جائیں گے۔ سر گرزِ ستم سے شق ہو جائے گا۔ ہاتھ شانوں سے جدا ہو جائیں گے۔

مؤمنین! حقیقت میں حضرت عباس علیہ السلام نے روزِ عاشور میدانِ کربلا میں ایسی جانفشانی دکھائی کہ جنابِ سیدہؑ نے اپنا فرزند فرمایا۔

جیسا کہ صاحبِ اسرار الشہادۃ لکھتے ہیں کہ ایک شخص ہر روز تین مرتبہ زیارت امام حسین علیہ السلام کو جاتا تھا اور زیارتِ جنابِ عباسؑ کو کم جاتا تھا۔ ایک روز اس مؤمن نے جنابِ سیدہؑ کو خواب میں دیکھا۔

”وَسَلَّمَ عَلَيْهَا فَاَعْرَضَتْ عَنْهُ“۔

”اور سلام کیا، ان معصومہؑ نے اپنا منہ پھیر لیا“۔

”قَالَتْ لِاِعْرَاضِكَ مِنْ زِيَارَتِكَ ابْنِي“۔

ارشاد فرمایا: تو میرے فرزند کی زیارت کو کم جاتا ہے۔

اُس نے عرض کی: میں آپؑ کے فرزند کی زیارت کو تین مرتبہ روز جاتا ہوں۔

”فَقَالَتْ تَزُوْرُ ابْنِيَ الْحُسَيْنَ وَلَا تَزُوْرُ ابْنِي الْعَبَّاسَ“۔

جنابِ سیدہؑ نے ارشاد فرمایا: تو میرے نورِ چشم حسینؑ کی زیارت کو جاتا ہے مگر

میرے پیارے بیٹے عباسؑ کی زیارت کو کم جاتا ہے۔

مؤمنین! کیونکر جناب سیدہؑ ان کو اپنا فرزند نہ کہیں، جو انؑ کے فرزند حسینؑ پر اپنی جان کو، بھائیوں کو، بیٹوں کو نثار کرے۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جب جناب امام حسینؑ نے اپنی قلیل فوج کو جو 32 سواروں اور 40 پیادوں پر مشتمل تھی، لاکھ سواروں اور پیادوں کے مقابلہ کیلئے آراستہ فرمایا، زہیر کو میمنہ، حبیب کو میسرہ عطا فرمایا اور عَلَمِ سعادت اپنے قوت بازو عباسؑ ابن علیؑ کو دیا اور سب عزیزوں کو قلب لشکر میں کھڑا کیا اور خندق میں آگ روشن کردی۔

مؤمنین! وہ جمعہ کا دن تھا۔ کوفہ اور شام میں آواز "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً ارَّسُوْلُ اللّٰه" بلند تھی اور منبروں پر خطبہ اسم مبارک جناب رسولؐ خدا کا پڑھا جاتا تھا۔ کربلا میں اُنہی حضرتؐ کے نواسے پر، تین دن کے بھوکے پیاسے پر تیروں کا مینہ برستا تھا اور وہ مظلومؑ ایک ایک انصار اور عزیز کی لاش اُٹھاتے تھے اور روتے تھے۔

جب جناب عباس علیہ السلام نے یہ حال دیکھا کہ اکثر عزیز و اقارب شہید ہو گئے ہیں، اس وقت اولادِ امیر المؤمنینؑ کو جمع کیا اور فرمایا:

"دیکھتے ہو بھائیو کہ فرزندِ رسولؐ کس بلا میں گرفتار ہیں۔ آج جانفشانی تم سب کو کرنا لازم ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ عزیز ہیں بلکہ وہ آقا ہیں اور ہم سب غلام ہیں۔ اگر ایسے وقت میں سب اپنے آقا کی مدد نہ کریں گے تو روزِ قیامت رسولؐ خدا اور پدر بزرگوار کو کیا منہ دکھائیں گے"۔

اپنے برادرِ حقیقی سے فرمایا: "اے عبداللہ و جعفر و عثمان! تم سب سے پہلے فرزند رسولؐ پر اپنی جانیں قربان کرو۔ ہر چند کہ تم چھوٹے ہو اور میں بزرگ ہوں، چاہئے تھا کہ تم سب سے پہلے میں قتل ہوتا اور اپنی جان قربان کرتا اور تمہاری موت نہ دیکھتا لیکن مجھے یہ

خیال ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم میں سے کوئی زندہ رہ جائے۔ اس سے مجھے جناب فاطمہؑ سے سخت شرمندگی ہوگی۔ پہلے تم فدا ہولو، اس کے بعد میں نثار ہوں گا"۔

سب نے عرض کی: "ہم خود مشتاق شہادت ہیں"۔

پس باری باری وہ تینوں صاحبزادے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد جناب عباسؑ نے اپنے فرزند کو جس کا نام محمد تھا، طلب کیا اور سینہ سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

"اے فرزند! ہر چند تو میرا لختِ جگر ہے، تیرا قتل ہونا نہایت شاق ہے لیکن تو ہرگز مجھے فرزند رسولؐ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ اے فرزند! تو نے دیکھا کہ بڑے چچازاد بھائیوں نے کیسی جرأت و بہادری کے ساتھ اپنی جانیں نثار کی ہیں"۔

پس بروایت بحار اپنے فرزند محمد کو بھی نثار کیا۔ اس کے بعد جناب عباسؑ نے اپنے بھائی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: "یابن رسولؐ اللہ! اب عباسؑ کا سینہ بچوں، بھائیوں کے صدموں سے داغ داغ ہوگیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ ان اشقیاء سے عزیزوں کے خون کا بدلہ لوں"۔

"فَبَكَى الْحُسَيْنُ بُكَاءً شَدِيْدًا حَتّٰى ابْتَلَّتْ لِحيَتُهُ بِالدُّمُوْعِ".

عازمِ شہادت اس جری کو دیکھ کر جناب امام حسین علیہ السلام اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی اور فرمایا: "عباسؑ! اگر تم سے ممکن ہو تو تھوڑا سا پانی ان بچوں کیلئے لاؤ کہ پیاس کے مارے مرتے ہیں"۔

جناب عباسؑ نے یہ سن کر گریہ کیا اور مشکیزہ لے کر فرات کی طرف رُخ کیا۔ ناگاہ فوجِ کفار نے چاروں جانب سے گھیر لیا۔ علمدارؑ نے تلوار میان سے نکال کر ان دشمنوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ تھوڑے وقت میں اس قدر سر قلم کئے کہ لاشوں کا شمار دشوار تھا۔ دریا کے

کنارے خون کا دریا بہا دیا۔ ساری فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔

جب اس فرزندِ اسد اللہ الغالب نے ان بزدلوں کو مار کر ہٹا دیا تو اپنا گھوڑا فرات میں ڈال دیا اور مشک بھر لی، پیاس کے سبب چاہا کہ کچھ پانی دریا سے پی لیں۔

"فَذَكَرَ عَطَشَ اَخِيهِ الْحُسَيْنِ وَاَطْفَالِهٖ وَرَمَى الْمَآءَ مِنْ يَدِهٖ"

مگر امام حسینؑ کی پیاس اور پیاس سے بچوں کا تڑپنا یاد آ گیا۔ ہاتھ سے پانی پھینک دیا اور مشکیزہ کو دوش پر رکھ کر نہر فرات سے باہر نکلے۔ گھوڑے کو خیمہ گاہ کی طرف بڑھایا۔ وہ بھاگے ہوئے نامرد پھر جمع ہوئے اور سقائے اہل بیتؑ پر ہجوم کیا۔ کمین گاہ سے نوفل ملعون نے ایک ایسی تلوار ماری کہ دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ اس وقت جنابِ عباسؑ نے مشک کو بائیں شانے پر رکھ لیا۔ پھر اس شقی نے بائیں ہاتھ پر تلوار چلائی اور وہ بھی جسم سے جدا ہو گیا۔

قربان وفائے عباسؑ پر! جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو مشک کا تسمہ دانتوں سے تھام لیا اور چاہا کہ خیمہ تک پہنچائیں۔ ناگاہ ایک تیرِ ستم مشک پر لگا اور تمام پانی بہہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بے رحم نے سرِ اطہر پر گرزِ آہنی اس زور سے مارا کہ سرِ اقدس شق ہو گیا۔

جنابِ عباسؑ خون میں نہا کر پشتِ زین سے زمین پر تشریف لائے اور آواز دی:

"اے فرزندِ رسولؐ! آپ پر میرا آخری سلام ہو۔ پروردگارِ عالم کا شکر کرتا ہوں کہ یہ غلام حضرتؑ پر نثار ہوا"۔

راوی کہتا ہے کہ جب عباسؑ کی آواز امام حسینؑ نے سنی تو بیتاب ہو گئے اور باآوازِ بلند رونے لگے اور فرمایا: "ہائے بھائی، ہائے بھائی عباسؑ! افسوس صد افسوس کہ بیکسی اور تنہائی میں تم بھی ہم سے جدا ہو گئے"۔

کتاب حدیقۃ الشہادۃ میں عبدالحمید سے منقول ہے کہ جب امامؑ مظلوم روتے

ہوئے لاشِ عباسؑ پر پہنچے تو ملاحظہ فرمایا کہ جنابِ عباسؑ بے اختیار رو رہے ہیں۔ آپؑ نے پوچھا: "اے برادرِ غمخوار! اس وقت کیوں روتے ہو؟"

عجیب طرح کا جواب دیا: "اے آقا! میں یہ سوچ کر روتا ہوں کہ جب رسولِ خدا نے اس دُنیائے ناپائیدار سے رحلت فرمائی تھی، اس وقت حضرتؑ کا زانوئے مبارک امیر المومنینؑ کی گود میں تھا اور جب پدرِ بزرگوار نے رحلت فرمائی تو سرِ مقدس امام حسنؑ کی گود میں تھا اور جس وقت امام حسنؑ زہرِ ستم نوش فرما کر راہیِ جنت ہوئے تو حضرتؑ کا سرِ اقدس آپؑ کی آغوش میں تھا۔ مگر اب یہ فکر اس غلام کو ہے کہ جب آپؑ خدانخواستہ شہید ہوں گے تو اس وقت آپؑ کا سرِ مجروح کس کی آغوش میں ہو گا؟"

مومنین! جنابِ عباسؑ یہ جانتے تھے کہ ملعون شمر جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کا سرِ مبارک جنابِ فاطمہ زہراؑ کی آغوش سے جدا کرے گا۔ غرض مظلومِ کربلا نے اپنے فدائی کا شگفتہ سر گود میں لے کر فرمایا:۔

"اے بھائی! اگر کوئی حسرت و آرزو رکھتے ہو تو بیان کرو۔ شاید حسینؑ مظلوم اس کو بجا لائے؟"

عرض کی: "سنا ہے کہ جب میں دُنیا میں آیا تھا تو وقتِ ولادت پہلی آنکھ کھول کر آپ ہی کے روئے مبارک پر نظر کی تھی۔ اس وقت آخر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ حضرتؑ ہی کے چہرۂ اقدس کو دیکھ کر دُنیا سے جاؤں۔ لیکن کیا کروں کہ ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے اور ایک آنکھ میں سر کا لہو بہہ کر بھر گیا ہے۔ دونوں ہاتھ تو کٹ گئے ہیں، کس طرح آنکھوں سے خون پونچھ کر زیارت کروں؟"

یہ سنتے ہی حضرتؑ تڑپ گئے اور رو کر آستینِ مبارک سے عباسؑ کی آنکھ کا لہو صاف کیا۔ اس جریؑ نے آنکھ کھول کر ایک نظرِ حسرت سے چہرۂ مولاؑ کی طرف دیکھا اور راہیِ جنت ہو گیا۔

صاحبِ گلشنِ عزا کی روایت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ عباسؑ نے جب آنکھیں کھول کرامام حسینؑ کے روئے مبارک پر نگاہ کی، اس وقت فرطِ مسرت سے تبسم کیا۔ مظلومِ کربلا نے فرمایا: "بھائی! تمہارے دل کی آرزو تو بر آئی۔ مگر ایک حسرت میرے دل میں بھی ہے۔ چاہتا ہوں کہ تم اُسے بر لاؤ"۔

عباسؑ نے عرض کی: "خدا آپؑ کی تمنا پوری کرے، ارشاد فرمایئے"۔

فرمایا: "بعدِ ولادت جب سے تم باتیں کرنے لگے، ہمیشہ اپنے کو غلام اور مجھے آقا کہا۔ کبھی بھائی کہہ کر نہ پکارا۔ اس وقتِ آخر میں تو اپنے منہ سے مجھے ایک مرتبہ بھائی کہہ دو کہ میری آرزو پوری ہو جائے"۔

عرض کی: "یا بن رسولؐ اللہ! میری ماں اُم البنین ہمیشہ سے اپنے کو جنابِ سیدہؑ کی کنیز جانتی ہیں اور مجھے پدرِ بزرگوار نے آپؑ کی غلامی میں دیا تھا، کیونکر ہو سکتا ہے کہ غلام سے مرتے دم ایسی بے ادبی ہو"۔

یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ امامؑ سمجھے کہ وہ جریؑ دُنیا سے جاتا ہے۔ رو کر کہنے لگے:

"بھائی عباسؑ! تم تو چلے، کچھ وصیت تو کر دو"۔

عرض کی: "دو وصیتیں ہیں: ایک یہ کہ غلام کی زوجہ سے سعی کیجئے گا کہ اپنے حقوق کو بخش دے۔ دوسرے یہ کہ جب میرا دم نکلے، حضرتؑ اپنے قدمِ مبارک کی خاک کی بجائے کچھ حنوط بے جان تن پر مل دیجئے گا اور کچھ میرے سر پر ڈال دیجئے گا تاکہ روزِ قیامت میرے افتخار کا سبب ہو"۔

یہ کہتے کہتے موت کا پسینہ آ گیا اور روح گلشنِ جنت کو پرواز کر گئی۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی کو بے جان دیکھ کر اس زور سے فریاد کی اور اس کرب سے روئے کہ زمین کربلا کانپنے لگی اور اہل بیتؑ روتے پیٹتے خیموں سے نکل نکل کر حضرتؑ کی طرف دوڑے۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ علمدارؑ پاؤں پھیلائے خاک پر پڑا ہے۔ عَلَم جو کبھی دوشِ حمزہ پر، کبھی جعفر

طیارؑ کے ہاتھ میں اور صبح سے عباسؑ اپنے کاندھے پر لئے ہوئے تھے، اس وقت پھریرا خون سے رنگین زمین پر پڑا ہے اور وہ جنابِ عباسؑ کے وہ ہاتھ جن سے کبھی نعلین امام حسینؑ سیدھی کرتے تھے، کبھی رکابِ حضرتؑ تھامتے تھے، شانوں سے جدا خاک و خون میں آلودہ ہیں اور امامِ مظلوم بھائی کی لاش کے سرہانے کھڑے ہیں اور زار و قطار روتے ہیں۔ بیبیاں دیکھتے ہی گرد حلقہ باندھ کر گریہ و ماتم کرنے لگیں۔

حمید کہتا ہے کہ ان بیبیوں میں تین چار برس کی ایک بچی روتی پیٹتی بیتابانہ دوڑ کر لاش پر گر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ عباسؑ کا لاشہ حرکت میں آیا اور خود بخود تڑپ کر اُلٹ گیا اور اپنا منہ ریگِ صحرا میں چھپا لیا۔ گویا شرم سے اپنی بھتیجی کو منہ دکھانا منظور نہ ہوا۔

جبرئیلؑ کا امام حسینؑ کا گھوارہ ہلانا اور حضرت علی اکبرؑ کی رُخصت و شہادت

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَ ذُرِّيَّتَهُمَا لَمْ تَمَسَّ جِلْدَهُ النَّارُ".

"مالک یثرب و بطحا جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جو حسنؑ اور حسینؑ اور اُنؑ کی اولاد کو دوست رکھے، آتشِ دوزخ اس کے بدن کو مس نہ کرے گی"۔

"رُوِیَ اَنَّ جِبْرَئِيْلَ نَزَلَ يَوْمًا اِلَى الْاَرْضِ فَوَجَدَ الزَّهْرَآءَ نَائِمَةً وَالْحُسَيْنُ فِيْ مَهْدِهٖ يَبْكِيْ عَلٰى جَارِيْ عَادَةِ الْاَطْفَالِ مَعَ اُمَّهَاتِهِمْ".

کتاب بحار الانوار میں مرقوم ہے کہ ایک روز جبرئیلؑ زمین پر نازل ہوئے اور دولت سرائے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی طرف سے گزرے۔ دیکھا کہ جناب سیدہؑ آرام میں ہیں اور اُن کا فرزند گہوارہ میں رو رہا ہے۔

"فَجَلَسَ جِبْرَئِيْلُ عِنْدَ الْحُسَيْنِ وَجَعَلَ يُنَاغِيْهِ وَيُسَكِّتُهُ عَنِ الْبُكَآءِ وَيُسَلِّيْهِ".

جبرئیل امامؑ کو روتا دیکھ کر بیٹھ گئے اور جھولا جھلانے لگے اور لوریاں دینے لگے۔

"وَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى اسْتَيْقَظَتْ فَاطِمَةُ مِنْ مَنَامِهَا".

جبرئیلؑ امین گہوارہ ہلانے میں مشغول تھے کہ جناب فاطمہ زہراؑ خواب سے بیدار ہو گئیں۔

"فَسَمِعَتْ اِنْسَانًا يُنَاغِي الْحُسَيْنَ فَالْتَفَتَتْ اِلَيْهِ فَلَمْ تَرَ اَحَدًا"

اپنے فرزند کا گہوارہ ہلتے دیکھا اور آواز سنی کہ کوئی شخص حسینؑ کو لوری دے رہا ہے مگر وہ شخص نظر نہیں آ رہا۔ یہ دیکھ کر آپؑ متعجب ہوئیں۔

"فَاَعْلَمَهَا اَبُوْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ يُنَاغِي الْحُسَيْنَ".

جناب سیدہؑ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تمام ماجرا عرض کیا۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: اے پارۂ جگر! اللہ تعالیٰ نے بہت سے ملائکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی خدمت کے واسطے مقرر فرمائے ہیں۔ اس وقت جو فرشتہ میرے حسینؑ کا جھولا جھلا رہا ہے، وہ جبرئیلؑ تھے۔

ایک اور روایت میں یوں وارد ہوا ہے:

وَحَرَّكَ مَهْدَهٗ جِبْرَئِيْلُ يَوْمًا
وَاِذْ مِيْكَالُ نَاغَا نَامَ يَوْمًا

جب جناب فاطمہؑ گھر کے کام کاج سے تھک کر آرام فرماتی تھیں اور انؑ کے فرزند حسینؑ گہوارے میں بے چین ہو کر روتے تھے تو جبرئیلؑ جھولا جھلایا کرتے تھے اور میکائیلؑ لوریاں دیتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے:

اِنَّ فِي الْجَنَّةِ نَهْرًا مُمْتَلِئٌ بِلَبَنٍ
لِعَلِيٍّ وَلِزَهْرَا وَحُسَيْنٍ وَحَسَنٍ

جنت میں دودھ کی ایک نہر علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کیلئے جاری ہے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ شعر سن کر وہ چپ نہ ہوتے تھے۔ گویا اس خوشخبری سے مسرور نہ ہوتے تھے تو اس وقت میکائیلؑ یہ شعر پڑھتے تھے:

إنَّ مَنْ كَانَ مُحِبًّا لَهُمْ
دَخَلَ الْجَنَّةَ مِنْ غَيْرِ مِحَنٍ

بہ تحقیق جوان بزرگواروں کو دوست رکھے گا، وہ بے حساب جنت میں داخل ہوگا۔

جب حضرتؑ یہ شعر سنتے تھے تو مسکرا کر چپ ہو جاتے تھے۔

مؤمنین! مقام تصور ہے کہ جناب امام حسینؑ کو اپنے غلاموں کا کس قدر خیال تھا۔ گہوارہ میں بھی جب اپنے شیعوں کا مژدۂ مغفرت سنتے تھے تو خوش ہو کر مسکرا دیتے تھے۔

ہمارے ہی واسطے روزِ عاشور دو پہر میں اپنا بھرا گھر خالی کر دیا۔ گہوارہ سے اصغرؑ شیر خوار کو لا کر آغوشِ قبر میں سلا دیا۔ اکبرؑ سا برابر کا فرزند ہم شکل پیغمبرؐ، عصائے پیری، اس کو اپنے ہاتھوں سے سلاحِ جنگ آراستہ کر کے لاکھوں دشمنوں میں بھیجا اور اپنی آنکھوں سے سینے پر برچھی کھاتے، خون میں نہاتے اور خاک پر ایڑیاں رگڑتے دیکھا۔

صاحبِ ریاض الشہادۃ لکھتے ہیں کہ جب جناب عباسؑ درجہ شہادت پر فائز ہو چکے اس وقت جناب امام حسینؑ خود عازمِ میدان ہوئے اور جسم مبارک پر آلاتِ حرب آراستہ کرنے لگے۔ جناب علی اکبرؑ نے جو دیکھا کہ پدر بزرگوار عازمِ میدان ہیں، دوڑ کر امام حسینؑ کے پاؤں پر گر پڑے اور عرض کی:

''اے پدر مہربان! ایک لحظہ اور تامل فرمائیں کہ میں بھی اپنی جان آپؑ پر فدا کر لوں، اس کے بعد آپؑ جیسا مناسب سمجھیں، ویسا ہی کریں''۔

آپؑ نے بیٹے کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے اور فرمایا: ''اے فرزند! میں کیونکر گوارا کروں کہ تجھ کو کفار کے نرغہ میں بھیج دوں جو نیزہ و شمشیر لئے کھڑے ہیں''۔

غرض جس قدر امامِ مظلوم انکار فرماتے تھے، اسی قدر شہزادہؑ اصرار کرتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر فرمایا: ''اے فرزند! پہلے اپنی ماں کو راضی کر لو، اُس نے بڑی مشقت سے پالا ہے اور سب سے زیادہ حق تمہاری پھوپھی زینبؑ کا ہے۔ زینبؑ نے بھی تمہاری پرورش میں

بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ نہ رات کو رات اور نہ دن کو دن سمجھا''۔

یہ سن کر جناب علی اکبرؑ رخصت کے واسطے خیمہ میں تشریف لائے۔ جناب سیدؑ الشہداء نے اہل حرم کو اشارہ کیا کہ اکبرؑ بہت شیریں زبان ہیں۔ مرنے کی اجازت مانگنے آئے ہیں۔ سمجھ کر جواب دینا اور خود درِ خیمہ پر اپنے فرزند کی باتیں سننے کو کھڑے ہو گئے، ساتھ ہی روتے جاتے اور آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

پہلے جناب علی اکبرؑ نے اپنی مادرِ گرامی جناب اُم لیلیٰ سے عرض کی: ''آپ ملاحظہ فرماتی ہیں کہ میرے پدر بزرگوار کیسے یکہ و تنہا ہو گئے ہیں۔ دوستوں اور عزیزوں میں میرے سوا کوئی جاں نثار باقی نہیں ہے۔ اجازت دیجئے کہ میں بھی میدانِ جنگ میں جا کر حق فرزندی ادا کروں''۔

اُمِ لیلیٰ نے فرمایا: ''کس ماں کا جگر ہے جو اپنے فرزند نوجوان کو دیدہ دانستہ اپنے ہاتھ سے کھوئے اور اپنے منہ سے مرنے کی اجازت دے؟''

جناب علی اکبرؑ نے عرض کی: ''جب آپ سے میری دادی جناب فاطمہ زہراؑ فرمائیں گی: 'اے اُم لیلیٰ! کیا تجھ کو اپنا فرزند میرے فرزند سے زیادہ پیارا تھا؟' اور ہمارے جد بزرگوار حیدرِ کرارؑ آپ سے استفسار کریں گے کہ اُم البنین کے چاروں فرزند معرکہ کربلا میں کام آئے اور تم نے اپنے فرزند کو عزیز سمجھا۔ اسی طرح جناب حسن مجتبیٰؑ آپ سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارا فرزند میرے فرزند قاسمؑ سے بھی زیادہ عزیز تھا؟ تو آپ ان بزرگواروں کو کیا جواب دیں گی؟''

آپ نے کہا: ''اے فرزند! یہ سب سچ ہے۔ اگر تم صاحبِ اولاد ہوتے تو میری بیقراری تم کو معلوم ہوتی۔ خیر! ہمیں بہر صورت تمہاری خوشی منظور ہے۔ مگر بیٹا! اپنی پھوپھی زینبؑ سے رخصت ہو لو کہ تمہاری پھوپھی نے تمہیں بیٹوں کی طرح پالا ہے''۔

حضرت علی اکبرؑ ماں کو روتا چھوڑ کر جناب زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

عرض کی: ''پھوپھی جان! غلام آپؑ سے بھی رخصت ہونے کو آیا ہے۔ اُمیدوار ہوں کہ اجازت دیجئے کہ اپنے پدرِ بزرگوار پر جان نثار کردوں''۔

جنابِ زینبؑ نے روتے ہوئے فرمایا: ''اے فرزند! کیونکر مرنے کی اجازت دوں کہ میں نے بڑے نازونعمت سے پالا ہے؟''

شہزادہؑ نے عرض کی: ''آپؑ نے کیونکر اپنے دونوں بیٹوں کو مرنے کی اجازت دے دی؟ اب مجھ پر بھی صبر کریں''۔

اس مخدومہؑ نے فرمایا: ''میں اور میرے فرزند بھائی حسینؑ کی خاکِ قدم پر نثار ہوں۔ بیٹا! تمہارا داغ تمہارے بابا سے نہ اُٹھ سکے گا کہ تم انؑ کی ضعیفی کا سہارا ہو۔ میں گوارا نہیں کرسکتی کہ تمہیں مرنے کی اجازت دے کر اپنے بھائی کو رُلاؤں''۔

جنابِ علی اکبرؑ نے عرض کی: ''پھوپھی جان! میں کب تک زندہ رہوں گا؟ آخر ایک روز مرنا ہے مگر پدرِ بزرگوار کے بعد زندگی کا لطف نہ رہے گا اور آپؑ کو گوارا ہے کہ اکبرؑ اپنے ساتھیوں کے سامنے شرمندہ ہو؟ لوگ کیا کہیں گے کہ ضعیف باپؑ سامنے شہید ہوا اور جوان بیٹا دیکھتا رہ گیا۔ روزِ قیامت جنابِ رسولِؐ خدا، علی مرتضیٰؑ اور جنابِ فاطمہ زہراؑ کو کیا منہ دکھاؤں گا، جب یہ بزرگوار مجھ سے فرمائیں گے کہ کیونکر گوارا ہوا کہ اپنی جان عزیز بھی اور اپنے بابا کو قتل ہوتے دیکھا۔

آپؑ کو یہ منظور ہے کہ میں بابا کے بعد ماں بہنوں کیلئے جنگلوں میں، شہروں میں طوق وزنجیر کی مصیبت، اسیری کی ذلت اُٹھاؤں؟''

غرض جنابِ علی اکبرؑ نے ایسے بہت سے کلمات حسرت آمیز فرمائے۔ جنابِ امام حسین علیہ السلام درِ خیمہ پر کھڑے سن رہے تھے اور روتے جا رہے تھے۔ بیتاب ہو کر خیمہ میں داخل ہوئے اور فرمایا: ''اے بہن زینبؑ واُمِ لیلیٰ! اب زیادہ علی اکبرؑ کا دل رنجیدہ نہ کرو کہ انہوں نے موت پر کمر باندھ لی ہے اور عازمِ جنت ہو چکے ہیں''۔

ایک روایت میں ہے کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ رخصت ہو کر خیمہ سے چلے تو ماں نے بڑھ کر دامن تھام لیا اور کہا: ''تم تو مرنے کو جاتے ہو، میری ایک آرزو رہ گئی ہے، ٹھہر جاؤ کہ اپنے دل کی حسرت نکال لوں''۔

یہ سنتے ہی آپؑ ٹھہر گئے اور اُمِ لیلیٰ نے ایک صندوق طلب کیا جس میں وہ ملبوسات رکھے تھے جو علی اکبرؑ کی شادی کے واسطے بنائے تھے۔ ایک ایک کپڑا اُٹھا کر اپنے فرزندِ ناشاد کے چہرہ کی طرف نگاہِ حسرت سے دیکھتی تھیں کہ تمام خیمہ عصمت میں کہرام برپا ہو جاتا تھا۔ شہزادےؑ نے ایک پیرہن اُٹھالیا اور کہا: ''میرے کفن کیلئے یہی کافی ہے''۔

بہرکیف جنابِ امام حسینؑ نے اپنے ہاتھ سے جنابِ علی اکبرؑ کی کمر میں ہتھیار لگائے اور گھوڑے پر سوار کیا۔ پھر سرِ مقدس آسمان کی طرف اُٹھا کر عرض کی:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ
غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ

''خداوندا! گواہ رہنا اس قوم کے ظلم پر کہ اب بھیجتا ہوں ان کی طرف اس شخص کو جو صورت وسیرت اور گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ ہے''۔

"وَكُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلٰى وَجْهِهٖ".

''خداوندا! جب میں رسولؐ خدا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اپنے پارۂ جگر علی اکبرؑ کو دیکھتا تھا''۔

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا: ''اے عمر سعد! خدا قتل کرے تیرے عزیز واقرباء کو، جیسا تو نے میرے عزیز واقرباء کو قتل کیا''۔

غرض جنابِ علی اکبرؑ حضرتؑ کو روتا چھوڑ کر میدان میں آئے اور فرمایا:

اَنَا عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ
نَحْنُ وَبَيْتُ اللّٰهِ اَوْلٰى بِالنَّبِيِّ

"اے اہل کوفہ وشام! آگاہ ہو میرے نام ونسب سے کہ میں علیؑ ہوں، حسینؑ ابن علیؑ کا فرزند ہوں، خدا کی قسم! ہم ہی ہیں اہل بیتؑ رسولِ مختار جن کی محبت خدا نے اُمت پر واجب قرار دی ہے اور ہم سے زیادہ کوئی سیدُ البشر کے عزیز اور قریب تر نہیں"۔

اَضْرِبُکُمْ بِالسَّیْفِ اَحْمِیْ عَنْ اَبِیْ
ضَرْبَ غُلَامٍ هَاشِمِیٍّ عَرَبِیٍّ

"اے گروہِ غدار! اپنے پدر بزرگوار کی حمایت ونصرت میں اس انداز سے تلواریں ماروں گا کہ تا قیامت یہ جنگ و پیکار یاد رہے گی کہ ہاشمی جوان نے باوجود شدت پیاس کے لاکھوں کفار سے کیسی تلوار کشی کی"۔

مقتل ابی مخنف میں منقول ہے کہ رجز خوانی کے بعد ہر چند جناب علی اکبرؑ نے باوازِ بلند "هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ" فرمایا لیکن اس شیر کے خوف سے کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ سامنے آتا۔ آخر خود اس شہزادےؑ نے تلوار پکڑ کر مثل شیر غضبناک حملہ کیا اور تین سو پچاس سواروں کو واصل جہنم کیا۔ جب ہیبتِ ضرب سے تمام لشکر بھاگ گیا اور زخموں کی کثرت کی وجہ سے اور شدتِ پیاس سے آنکھوں پر حلقے پڑ گئے اور لب ہائے نازک مثل برگ گل پژمردہ ہو گئے، اس وقت جناب علی اکبرؑ اپنے پدر عالی قدر کی خدمت میں حاضر ہوئے:

"وَقَالَ یَا اَبَتَاهُ الْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِیْ وَثِقْلُ الْحَدِیْدِ اَجْهَدَنِیْ"۔

"اور عرض کی: بابا جان! شدتِ پیاس سے میرا جگر جل رہا ہے، پیاس مجھے مارے ڈالتی ہے"۔

"فَهَلْ اِلٰی شَرْبَةٍ مِنَ الْمَاءِ سَبِیْلٌ"

"اس وقت تھوڑا سا پانی آپ سے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اپنے خشک حلق کو تر کرلوں؟"

"فَبَکَی الْحُسَیْنُ"۔

حضرتؑ بیتاب ہو کر رو پڑے۔

"یَا بُنَیَّ هَاتِ لِسَانَکَ"۔

پارۂ جگر! تیری پیاس پر فدا ہوں، اپنی زبان باہر نکالو۔

حضرتؑ نے جناب علی اکبرؑ کی زبان اپنے منہ میں رکھی۔ افسوس صد افسوس! آپؑ بھی تو تین دن سے پیاسے تھے، جناب علی اکبرؑ نے فوراً اپنی زبان باہر نکال لی اور عرض کیا:

"بابا جان! آپؑ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے"۔

جناب امام حسینؑ نے اپنی انگوٹھی حضرت علی اکبرؑ کے منہ میں دے دی اور فرمایا:

"اے فرزند! پھر جا کر دشمنوں کو قتل کرو۔ یقین ہے کہ میدان سے اب کی دفعہ زندہ نہ آؤ گے اور رسولِ خدا ایسا سیراب کریں گے کہ پھر پیاسے نہ رہو گے"۔

یہ سن کر جناب علی اکبرؑ دوبارہ میدان میں آئے اور مصروف جہاد ہوئے۔ نوے ملاعین کو واصل جہنم کیا۔ وہ تین دن کا بھوکا پیاسا صاحبزادہؑ لڑنے میں مشغول تھا کہ منقذ بن مرہ عبدی ملعون نے کمین گاہ سے ایک ایسی تلوار ماری کہ آپؑ کا سر شگافتہ ہو گیا۔ اس صدمہ سے قریب تھا کہ زمین پر گریں، بانہیں گھوڑے کی گردن میں ڈال کر لپٹ گئے۔ گھوڑا لشکر کفار کی طرف سے بھاگا۔

"فَقَطَعُوْهُ اِرْبًا اِرْبًا"

ان بے رحموں نے فرصت پا کر پارۂ جگر حضرتؑ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ جب اس صاحبزادےؑ کی روح مفارقت کے قریب پہنچی تو باوازِ بلند حضرتؑ کو پکارے۔

"یَا اَبَتَاهُ اَدْرِکْنِیْ"۔

"اے بابا جان! اکبرؑ نے اپنی جان آپؑ پر فدا کی، جلد خبر لیجیے"۔

جس وقت جناب علی اکبرؑ کی آواز گوشِ مبارک میں پہنچی، بیتاب ہو کر ایسا نعرہ مارا

کہ کربلا کی زمین کانپ گئی۔

راوی کہتا ہے کہ ہم نے فرزند رسولؐ خدا کو کسی صدمہ میں اتنا پریشان حال اور غمگین نہ پایا مگر جب ہمشکل پیغمبرؐ نے گھوڑے سے گر کر پکارا تو میں نے دیکھا کہ حضرتؑ کے ہوش وحواس منتشر ہوگئے اور روتے ہوئے لاشِ فرزند پر پہنچے اور اپنے آپؑ کو علی اکبرؑ کی مجروح لاش پر گرادیا اور بیہوش ہوگئے۔

خدا کسی باپ کو اپنے جوان فرزند کا یہ حال نہ دکھائے جو فرزند رسولؐ نے دیکھا۔ بہرکیف جب غش سے افاقہ ہوا، مسلسل آنسو چشم ہائے مبارک سے جاری تھے اور علی اکبرؑ کا سر گود میں لے کر چہرہ سے خاک وخون پونچھنے لگے اور رو کر فرمانے لگے:

"قَتَلَ اللّٰهُ قَوْمًا قَتَلُوْکَ".

"اے فرزند! خدا اس گروہ کو قتل کرے جس نے تجھے قتل کیا"۔

"یَابُنَیَّ عَلَی الدُّنْیَا بَعْدَکَ الْعَفَا"

"بیٹا! خاک اس دُنیا اور زندگانی پر کہ تو جوان مرجائے اور میں ضعیف تیرے بعد جیتا رہوں"۔

مؤمنین! روایت میں آیا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہداء کی فریاد کو پہنچتے تھے تو ان کے قاتلوں کو حضرتؑ واصل جہنم کرتے تھے۔ لیکن علی اکبرؑ کے قاتل کو آپؑ نے فقط ایک طمانچہ مار کر چھوڑ دیا اور فرمایا:

"اوملعون! چونکہ تیرے صلب سے میرا ایک شیعہ پیدا ہوگا، اس واسطے میں تجھے قتل نہیں کرتا"۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ شہادتِ حضرت علی اکبرؑ طارق و بکر کے ساتھ جنگ اور جنابِ زینبؑ کا لاشِ اکبرؑ پر آنا

"یَامَعْشَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ طُوْبٰی لِمَنْ یَسْتَمِعُ فَضَائِلَ مَنْ مَدَحَهُ الرَّبُّ الْجَلِیْلُ فِی التَّوْرٰیةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَبَیَّنَ مَنَاقِبَهُ فِیْ مُحْكَمَاتِ التَّنْزِیْلِ اِرْشَادًا لِلْمُتَّقِیْنَ وَاِرْغَامًا لِلْجَاحِدِیْنَ".

اے گروہ مؤمنین! خوشا حال اُس شخص کے جو بگوشِ دل اُنؑ کے فضائل سنے جن کی مدح کی پروردگارِ عالم نے توریت وانجیل میں کی ہو اور قرآن کی آیاتِ واضح میں اُن کے مناقب بیان فرمائے ہوں تا کہ پرہیزگار شیعانِ اہل بیتؑ اطہار ہدایت پائیں اور امیر المؤمنینؑ کے منکرین ومعاندین سرنگوں وپشیمان ہوں۔

"لَقَدْ اَجْمَعَ الْمُفَسِّرِیْنَ مِنَ الْعَامَّةِ وَالْخَاصَّةِ وَالثَّعْلَبِیِّ وَالْمَاوَرْدِیِّ وَالرَّازِیِّ وَالنِّیْسَابُوْرِیِّ وَالطُّوْسِیِّ وَالطَّبَرِیِّ فِیْ تَفَاسِیْرِ عَلٰی اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ کَانَ مُصَلِّیًا فَبَیْنَا هُوَ کَذٰلِکَ اِذْ سَأَلَهٗ سَائِلٌ فَتَصَدَّقَ بِخَاتِمِهٖ".

تمام مفسرین اہل سنت وشیعہ نے مثل ثعلبی، ماروی، فخر الدین رازی نیشاپوری، طوسی اور طبری نے اپنی تفاسیر میں بالاتفاق لکھا ہے کہ ایک روز جنابِ امیر المؤمنینؑ نماز میں مشغول تھے کہ ایک سائل نے ان حضرتؑ سے سوال کیا۔ حضرتؑ نے اپنی انگوٹھی، جس کی

قیمت ملک یمن کے برابر تھی، سائل کو عطا کی۔

"فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ مِنَ اللّٰهِ الْجَلِیْلِ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ"۔

اس وقت جبرئیلؑ بحکم خداوند جلیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس کے معنی یہ ہیں کہ اے گروہ مومنین! یہ تحقیق کہ تمہارا مالک اور آقا کوئی نہیں مگر پروردگار عالم اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے ہیں اور مشغول نماز ہیں اور راہ خدا میں حالت نماز میں سائلین کو زکوۃ اور تصدق دیتے ہیں۔

شاعر کہتا ہے:

لِیْ مِنَ اللّٰهِ اِمَامٌ قُرَشِیٌّ عَرَبِیٌّ
طَیِّبُ الْمَوْلِدِ وَالنَّسْلِ اَغَرُّ اللَّقَبِ

جناب باری تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہم عاصیوں کی ہدایت کے واسطے ایسا امامؑ کہ ہر عیب، ہر رجس سے پاک و پاکیزہ ہے، بھیجا ہے اور اس کا مولد خانہ کعبہ ہے اور اس امامِ قرشی عربی کا حسب و نسب اور لقب مثل آفتاب کے درخشاں و تاباں ہے۔

اَمَنَ النَّاسُ عَلَی الطَّوْعِ اَوِ الْکُرْهِ بِهٖ
وَالَّذِیْ یُنْکِرُهٗ فَهُوَ غَوِیٌّ وَغَبِیٌّ

لوگ اس امام عالی مقام کے مراتب و اعجاز دیکھ کر ایمان لے آئے اور دین نبی کو ذات پاک حیدرِ کرار، صاحب ذوالفقار سے رونق ہوئی۔ پس جو شخص اس امامِ عالی مقام کے فضائل و امامت کا منکر ہوا، وہ گمراہ و ناری ہوا۔

رُدَّتِ الشَّمْسُ لَهٗ ثُمَّ دَنَتْ مِنْ اُفُقٍ
وَلَئِنْ صَیَّرَهَا رَاکِدَةً لَمْ تَغِبْ

سبحان اللہ! جناب امیر علیہ السلام کے کیا مراتب و مدارج اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں کہ ایک روز آپؑ کی نماز عصر کے واسطے آفتاب نے اپنے مقام پر اس عالی جناب کے حکم سے رجعت کی اور اگر حضرتؑ اذنِ غروب نہ دیتے تو تا قیامت اسی مقام پر آفتاب ٹھہرا ہی رہتا۔

شاعر کیا خوب کہتا ہے:

ماہ و خورشید دو تا شاہد عدل آمدہ اند
رجعتش بہر علی شق شدنش بہر نبی

صَالِحٌ قَدْ عَقَرُوْا نَاقَتَهٗ فَاخْتَرَمُوْا
وَعَلِیٌّ ذُبِحَتْ لُحْمَتُهٗ فِی النَّسَبِ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اُن کے ناقہ کو ذبح کیا تو وہ قوم جناب صالح کی بددعا سے عذاب خداوند قہار میں مبتلا ہوئی اور ہلاک ہوئی اور باوجود کہ جناب امیر علیہ السلام کے پارۂ جگر کو ملاعین نے ذبح کیا مگر اس عالی جناب نے سوائے صبر شکر کے اس قوم پر نفرین تک نہ فرمائی۔

کَمْ اُصِیْبَتْ رُسُلٌ قَبْلُ وَوُلْدُ الزَّهْرَاءِ
قَدْ دَهَاهُمْ مِحَنٌ غَیْرُهُمْ لَمْ تُصِبِ

کیا کیا مصائب انبیائے ماسلف نے اُٹھائیں لیکن ان کے مصائب کے مقابلہ میں فرزندانِ فاطمہ زہراؑ کے مصائب بے حد و حساب ہیں۔ کسی پیغمبر اور وصی پیغمبر نے جناب امام حسینؑ کی طرح ایسی مصیبت نہیں اُٹھائی کہ ایک ہی دن میں سارے کا سارا کنبہ تباہ ہو گیا۔ کسی پیغمبر کے جوان فرزند نے سینے پر برچھی نہ کھائی۔

مومنین! یہ جگر جناب امام حسینؑ ہی کا تھا کہ اپنے جوان بیٹے، ہمشکل نبی کو اُمت پر فدا کیا اور اپنی آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں تڑپتے دیکھا۔ چنانچہ صاحب اسرار

الشہادۃ لکھتے ہیں کہ جب جناب علی اکبرؑ عازمِ میدانِ جہاد ہوئے تو امام حسینؑ نے اپنے دستِ مبارک سے جسمِ نازنین علی اکبرؑ پر ہتھیار سجائے اور گھوڑے پر سوار کیا اور ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند کر کے درگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

"اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ فَاِنَّھُمْ قَتَلُوْا اَصْحَابِیْ وَاَوْلَادِیْ وَقَدْبَرَزَاِلَیْھِمْ غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ"

"اے پروردگار! تجھے گواہ کرتا ہوں کہ اس قومِ ستم شعار نے میرے سب اعوان و انصار، اقربا و مددگار ناحق قتل کئے اور اب میرا وہ نورِ نظر، پارۂ جگر مرنے جارہا ہے جو تیرے نبیؐ سے صورت و سیرت، گفتار و رفتار میں مشابہ ہے"۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْھِہٖ

"بارالٰہا! جب میں تیرے نبیؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا، صورتِ علی اکبرؑ دیکھ لیتا تھا"۔

غرض اس شہزادے نے عقاب کی باگ اٹھائی، لاکھوں آدمیوں کے مقابل ہو کر یہ اشعار پڑھے:

اَنَا عَلِیٌّ لَا اَقُوْلُ کَذِبًا
اَتْبَعُ جَدِّیَ الْمُصْطَفَی الْمُھَذَّبَا
اَضْرِبُ کُمْ بِالسَّیْفِ ضَرْبًا مُعْجَبًا
ضَرْبَ غُلَامٍ لَا یُرِیْدُ الْھَرَبَا

"اہلِ کوفہ و شام! میرے نام و نسب سے گواہ ہو کہ میں جنابِ حیدرِ کرار کا پوتا علی اکبرؑ ہوں۔ ہم اپنے جدِ بزرگوار جنابِ رسولِ خدا کے پیرو ہیں اور ہم سے زیادہ کوئی سیدُ البشر سے قریب و عزیز تر نہیں۔ مجھے اپنے زعمِ باطل میں کمسن جان کر حقیر نہ سمجھنا کہ ابھی

میری جرأت و شجاعت کا حال تم پر کھل جائے گا۔ اس حال میں بھی وہ تلواریں ماروں گا کہ قیامت تک یہ جنگ یاد رکھی جائے گی۔

راوی کہتا ہے کہ اس رجز کے بعد ہر چند جنابِ علی اکبرؑ نے باآوازِ بلند "ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ" فرمایا لیکن اس شیرِ دلیر کے خوف سے کسی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب عمر سعد نے دیکھا کہ کوئی لعین خوفِ جان سے اس جوان کا سامنا نہیں کرتا، اس وقت طارق بن کثیر کو طلب کیا اور کہا کہ تو بڑا نامی پہلوان ہے۔ جلد جا کر اس جوان کا کام تمام کر۔

یہ سنتے ہی وہ مغرور جنابِ علی اکبرؑ کے سامنے آ کر پکارا: مجھے رحم آتا ہے کہ تجھ جیسا جوان اس رعنائی کے باوجود میری تلوار سے اپنے خون میں نہائے۔ مناسب ہے کہ مجھ سے مقابلہ نہ کر۔

شہزادہؑ نے مسکرا کر فرمایا: "زبان بند کر، ابھی حق و باطل کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ مجھے رحم آتا ہے کہ تیرا یہ تن و توش میری تلوارِ صاعقہ کردار سے خاک سیاہ ہو کر قعرِ جہنم میں پہنچے اور وہاں آتش سے جلا کرے"۔

شہزادہؑ کی یہ تقریر سن کر وہ ملعون مارِ سیاہ کی طرح پیچ و تاب کھا کے چاہتا ہی تھا کہ تلوار میان سے نکالے لیکن جنابِ علی اکبرؑ نے مہلت نہ دی اور بڑھ کر سبقت سے ایک ایسا وار کیا کہ وہ ملعون دو ٹکڑے ہو کر فی النار ہوا۔ یہ دیکھ کر طارق کے بھائی اور بیٹے کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ باری باری میدان میں آئے اور نورِ دیدۂ حسینؑ نے دونوں کو بھی ایک آن میں طارق سے ملحق فرمایا۔

منقول ہے کہ جب شبیہ پیغمبرؐ جنابِ علی اکبرؑ میدانِ جہاد میں مصروفِ کارزار تھے، اس وقت جنابِ امِ لیلیٰ، مادرِ علی اکبر علیہ السلام، برابر جنابِ سیدُ الشہداء کے چہرے پر نگاہ کرتی تھیں، اس خیال سے کہ اگر میرا نورِ نظر ظفریاب ہوگا تو خود بخود آثارِ سرور و بشاشت چہرۂ حضرتؑ سے ظاہر ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ لڑائی بگڑ جائے گی تو ہر چند حضرتِ صابر…

ہیں۔مگر باپ کا ہی دل ہے۔خود ہی حزن و ملال رُخِ انور سے نمودار ہوگا۔

ان تینوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد بکر بن غانم جنابِ علی اکبرؑ کے سامنے آیا۔

پس اس وجہ سے کہ وہ شقی نہایت قوی ہیکل، کارآزمودہ اور آب و طعام سے سیر تھا اور یہ شہزادہ قلیل عمر تین دن کا بھوکا پیاسا تھا، یک بیک چہرۂ امام حسینؑ متغیر ہوگیا۔اُمِ لیلیٰ بے اختیار ہوکر پوچھنے لگیں: ''یا حضرتؑ! آپؑ کی صورت کیوں متغیر ہوگئی؟ میرے فرزند علی اکبرؑ کی تو خیر ہے؟''

چونکہ امامؑ جانتے تھے کہ علی اکبرؑ اس لڑائی کے بعد عنقریب نیزۂ ستم کھا کر شہید ہوں گے اور اُمِ لیلیٰ کا تو ابھی سے یہ حال اور یہ اضطراب ہے، کیونکر اپنے بیٹے کا مرنا دیکھ سکیں گی، آپؑ نے چاہا کہ در خیمہ سے کسی طرح علیحدہ کردیں۔

جواب میں ارشاد فرمایا: ''علی اکبرؑ ابھی زندہ سلامت ہے مگر بکر بن غانم جو ایک نامی گرامی پہلوان ہے، لڑنے آیا ہے۔ مجھ کو اس سے خوف آتا ہے۔اے اُمِ لیلیٰ! اپنے فرزند کی نصرت کیلئے دعا کرو''۔

''فَاِنِّیْ قَدْ سَمِعْتُ مِنْ جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِنَّ دُعَآءَ الْاُمِّ یُسْتَجَابُ فِیْ حَقِّ وَلَدِهَا''

''میں نے جدِ بزرگوار جنابِ رسولِ خداؐ سے سنا ہے کہ ماں کی دعا فرزند کے حق میں مستجاب ہوتی ہے''۔

اُمِ لیلیٰ نے پریشان ہوکر اپنے بال کھول دیئے اور ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند کیا اور خدا سے نصرتِ فرزند کیلئے دُعا کی۔راوی کہتا ہے کہ بکر اور جنابِ علی اکبرؑ کے درمیان دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ناگاہ بکر کی زرہ بغل کے نیچے سے شکستہ ہوگئی۔جنابِ علی اکبرؑ نے پھرتی سے تلوار کا ایک ہاتھ بغل کی طرف ایسا مارا کہ وہ نابکار دو ٹکڑے ہوکر زمین پر گر گیا۔ اس ملعون کے قتل ہوتے ہی چاروں طرف سے کفار اس شہزادے پر ٹوٹ پڑے۔آپؑ اس

طرح جیسے کوئی شیر گلہ گوسفند میں جاتا ہے، فوج کے دل میں گھسے اور ایک آن میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔صحرا کا دامن خون سے رنگین کردیا۔سر کٹ کٹ کر قدموں پر گرے۔ ثابت قدموں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

روایت میں ہے کہ چند حملوں میں آپؑ نے ایک ہزار پانچ سو سوار اور اسی پیادوں کو دوزخ میں پہنچایا۔

''ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی اَبِیْهِ وَهُوَ یَقُوْلُ یَا اَبَتَاهُ هَلْ شَرْبَةٌ مِنَ الْمَآءِ''

جب اس شیر جرار کی ہیبتِ ضرب سے تمام لشکر نے راہِ فرار اختیار کی اور سب سامنے سے بھاگ گئے تو اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''بابا جان! اگر ممکن ہو تو تھوڑا سا پانی پلوا دیجئے کہ شدتِ پیاس سے میرا جگر جل رہا ہے''۔

امام حسین علیہ السلام نے چشم پُر آب ہوکر فرمایا: ''اے فرزند! تھوڑا اور صبر کرلو، قریب ہے کہ تم اپنے جدِ بزرگوار جنابِ رسولِ خداؐ سے ملاقات کرو گے۔وہ تمہیں وہ پانی پلائیں گے جس کے بعد پھر پیاسے نہ ہو گے''۔

یہ سن کر جنابِ علی اکبرؑ پھر جہاد کو روانہ ہوگئے اور مثل شیران ملاعین پر حملہ کیا اور پانچ سو سواروں کو واصلِ جہنم کیا۔قضائے کار کہ مرہ بن منقذ بن نعمان عبدی ملعون نے سر انور پر تلوار ماری اور چاروں طرف سے ملاعین نے تلواروں سے اس شہزادہ کو زخمی کیا۔ نڈھال ہوکر بانہیں گھوڑے کی گردن میں ڈال دیں اور وہ گھوڑا لشکرِ کفار کی طرف سے بھاگا۔ظالموں نے مہلت پاکر اس شہزادہ کے جسم کو تیغ و تیر سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

جب گھوڑے نے دیکھا کہ چاروں طرف سے اشقیاء میرے سوار کو نیزہ و خنجر مار رہے ہیں، ناچار اُس نے صحرا کا رُخ کیا اور ایک محفوظ مقام پر حضرتؑ کو پہنچایا۔وہ شہزادہ

غش کھا کر پشتِ زین سے زمین پر آیا اور آواز دی:

"یَا اَبَتَاهُ اَدْرِکْنِیْ".

"بابا جان! علی اکبرؑ نے جان آپؑ پر فدا کی، مدد کو آیئے"۔

جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند کی آواز سنی تو مضطرب ہو کر فرمایا:

"یَاعَلِیُّ یَاعَلِیُّ اَیْنَ اَنْتَ".

"اے پارۂ جگر، اے علی اکبرؑ! تو کس طرف ہے؟"

راوی کہتا ہے کہ اپنے پدر بزرگوار کی آواز کے ساتھ ہی جناب علی اکبرؑ بھی آواز دیتے تھے: "یَا اَبَتَاهُ اَدْرِکْنِیْ" اور امام حسینؑ آواز کی طرف گھوڑا دوڑاتے تھے۔ جب اپنے فرزند کو نہ پاتے تھے، پھر فرماتے تھے: "یَاعَلِیُّ یَاعَلِیُّ اَیْنَ اَنْتَ"۔

روایت میں ہے کہ چند مرتبہ حضرتؑ نے اسی طرح ہر طرف گھوڑا دوڑایا۔

مؤمنین! خدا کسی باپ کو جوان بیٹے کا غم نہ دکھائے۔ جنابِ امام حسینؑ کی نظروں میں شہادتِ علی اکبرؑ سے زمانہ تیرہ و تار ہو گیا تھا اور بصارت میں فرق آ گیا تھا۔ اس لئے مضطربانہ اپنے فرزند کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

الغرض جب ذوالجناح نے اپنے آقا کا یہ حال دیکھا تو ایک جانب کو لے چلا۔ اثنائے راہ میں حضرتؑ نے ملاحظہ فرمایا کہ علی اکبرؑ کا عقاب کھڑا ہے۔ جب آپؑ قریب پہنچے، وہ گھوڑا روتا ہوا اور سر سے اشارہ کرتا ہوا آگے چلا اور اس کے پیچھے حضرتؑ چلے۔

پس ایک مقام پر گھوڑا کھڑا ہو گیا۔ حضرتؑ نے دیکھا کہ علی اکبرؑ زمین پر پڑے ہیں۔ دیکھتے ہی گھوڑے سے اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا اور دل تھام کر اپنے فرزند کے سرہانے بیٹھ گئے۔

"وَجَعَلَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَهُوَ یَقُوْلُ یَابُنَیَّ عَلَی الدُّنْیَا بَعْدَکَ الْعَفَا"

"اور علی اکبرؑ کی پیشانی سے خون پونچھتے تھے اور رو رو کر فرماتے تھے:

اے فرزندؑ! خاک ہے دُنیا اور زندگانی پر کہ تو نوجوان آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائے اور یہ ضعیف زندہ رہے"۔

اس وقت جناب علی اکبرؑ نے غش سے آنکھیں کھولیں اور حضرتؑ کے جمالِ مبارک پر نظر کر کے متبسم ہوئے اور عرض کی: "بابا جان! بہ تحقیق کہ ہمارے جد بزرگوار جنابِ رسولؐ خدا نے مجھے سرد اور شیریں پانی سے ایسا سیراب کیا کہ میں پھر کبھی پیاسا نہ ہوں گا اور آپؑ کو ارشاد فرماتے ہیں: اے حسینؑ! جلد آؤ، نانا تمہارا مشتاق ہے اور دیر سے جامِ کوثر تمہارے لئے موجود ہے"۔

یہ فرما کر جناب علی اکبرؑ راہیِ جنت ہو گئے۔ اس وقت امام حسینؑ بیتاب ہو کر زار زار رونے لگے اور اپنے فرزند کے سر کو اپنی گود میں لے کر فرمایا:

"اے فرزندؑ! تو نے رنجِ دُنیا سے راحت پائی۔ افسوس! اپنے پدر بیکس کو تنہا نرغۂ اعدا میں چھوڑ گیا ہے"۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے ایک معظمہ بی بی کو دیکھا کہ خیمہ حسینؑ سے برہنہ سر و پا باہر نکل کر قتل گاہ کی جانب دوڑی۔

"وَهِیَ تُنَادِیْ بِالْوَیْلِ وَالثُّبُوْرِ وَتَقُوْلُ".

فریاد و واویلا کی آواز بلند کرتی تھی اور فرماتی تھی:

"یَاحَبِیْبَاهُ یَاثَمَرَةَ فُؤَادَاهُ یَانُوْرَ عَیْنَاهُ".

'اے پیارے، اے میوۂ دل، اے میرے نورِ چشم! تجھے ظالموں نے شہید کیا'۔

"فَجَآءَتْ وَانْکَبَّتْ عَلَیْهِ".

پس وہ بی بی روتی ہوئی آئیں اور نعش علی اکبرؑ پر گر پڑیں۔ جنابِ امام حسینؑ اس معظمہ کو سمجھا کر خیمہ میں لے گئے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ یہ خاتونِ معظمہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ جنابِ زینبؑ بنتِ امیر المومنینؑ ہیں۔

شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں کہ جب جنابِ امام حسینؑ روتے ہوئے خیمہ میں تشریف لائے تو سکینہؑ نے گھبرا کر پوچھا: اے پدرِ بزرگوار! آپؑ روتے کیوں ہیں؟ بھائی اکبرؑ کہاں ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: "بیٹی! علی اکبرؑ کو کافروں نے شہید کر دیا ہے"۔

سکینہؑ نے "ہائے بھائی" کہہ کر چیخ ماری اور خیمہ سے نکل کر لاشِ علی اکبرؑ کی طرف دوڑیں۔ امام حسینؑ نے دوڑ کر سکینہؑ کو تھام لیا اور خیمہ میں لا کر فرمایا: "اے بیٹی! صبر کر"۔

صاحبزادیؑ نے کہا: "بابا! وہ بہن کیونکر صبر کرے جس کا جوان بھائی قتل کیا جائے اور وہ بیٹی باپؑ کو حالتِ بیکسی میں روتا ہوا دیکھ کر کیسے صبر کرے؟"

پس سکینہؑ کے بیان سے اہلِ حرم میں کہرام بپا ہو گیا۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، آسمان سے رقعہ کا نزول، استغاثۂ امامؑ پر زمین سے آواز آناء اصغرؑ کا گہوارہ سے گرنا اور شہادتِ علی اصغرؑ

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لِاَخِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبِ فَضَائِلَ لَایُحْصِیْ عَدَدَهَاغَیْرُهٗ"

شفیعِ روزِ جزاء جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی علی ابن ابی طالبؑ کو اس قدر فضائل عطا کیے ہیں کہ کوئی بشر ان فضائل کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

"فَمَنْ کَتَبَ فَضِیْلَةً مِنْ فَضَآئِلِهٖ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِکَةُ یَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ بَقِیَ لِتِلْکَ الْکِتَابُ رَسْمٌ".

جو مومن حضرت علی علیہ السلام کے فضائل میں سے ایک فضیلت لکھے، فرشتے اس کاتب کیلئے خدا سے مغفرت طلب کرتے ہیں، جب تک کتاب کا نشان باقی رہے۔

"وَمَنِ اسْتَمَعَ فَضِیْلَةً مِنْ فَضَآئِلِهٖ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ اِکْتَسَبَهَا بِالْاُذُنِ وَالْاِسْتِمَاعِ".

اور جو مومن حضرت علی علیہ السلام کی ایک فضیلت سنے، خداوند کریم وہ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے جو کان سے کیے ہوں۔

"وَمَنْ نَظَرَ عَلٰی فَضِیْلَةٍ مِنْ فَضَآئِلِهٖ غَفَرَ اللّٰهُ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ اِکْتَسَبَهَا بِالنَّظَرِ".

اور جو مومن فضائلِ علیؑ میں سے ایک فضیلت دیکھے، اللہ تعالیٰ وہ تمام گناہ معاف فرماتا ہے جو آنکھوں نے کیے ہوں۔

"قَالَ صلعم اَلنَّظَرُ اِلٰی عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عِبَادَةٌ وَذِکْرُہٗ عِبَادَةٌ وَلَا یُقْبَلُ اِیْمَانُ عَبْدٍ اِلَّا بِوَلَایَةِ عَلِیٍّ وَالْبَرَآءَةِ مِنْ اَعْدَآئِہٖ"

پھر جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا کہ علیؑ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے اور علیؑ کا ذکر کرنا عبادت ہے اور خدا قبول نہیں کرتا کسی کا ایمان جب تک علیؑ سے محبت نہ رکھے اور علیؑ کے دشمنوں سے دشمنی نہ رکھے۔

"لَقَدْ رُوِیَ اَنَّہٗ کَانَ جِنِّیٌّ جَالِسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَسْئَلُہٗ مِنْ قَضَایَا مُشْکِلَةٍ اِذْ قَدْ اَقْبَلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیُّ اَبِیْ طَالِبٍ".

بعض کتبِ معتبرہ میں منقول ہے کہ ایک جن ایک دن خدمتِ باسعادتِ جنابِ رسالت مآبؐ میں حاضر تھا اور کچھ مشکل مسائل حضرتؐ سے پوچھتا تھا۔ ناگاہ مظہر العجائب و الغرائب امیر المؤمنین علیہ السلام جنابِ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

"فَتَصَاغَرَ الْجِنُّ حَتّٰی صَارَ کَالْعُصْفُوْرِ ثُمَّ قَالَ اَخْبِرْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مِمَّنْ فَقَالَ ہٰذَا الشَّابِ الْمُقْبِلِ".

جس وقت اس جن کی نگاہ جنابِ حیدرِ کرار پر پڑی، اس قدر ڈرا اور خوفزدہ ہوا اور بکمالِ خوف پیغمبرِ خدا سے پوچھا: یا حضرتؐ! مجھے خبر دیجئے۔

حضرتؐ نے فرمایا: "کس چیز کی؟"

اُس نے کہا: "جو جوان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے، اس کے بارے میں بتائیے"۔

جب حضرتؐ نے اس جن کا یہ حال دیکھا تو پوچھا: "اے جن! اس طرح خوف

کھانے کا سبب کیا ہے؟"

اُس نے عرض کی: "یا رسول اللہ! جس وقت اللہ تعالیٰ نے اُمتِ نوحؑ پر طوفان بھیجا تھا اور حضرت نوحؑ کو ایک کشتی عطا کی تھی کہ حضرت نوحؑ اور اُنؑ کے اہل و عیال غرق نہ ہوں، اس وقت میں نے چاہا کہ کشتی کو اُلٹ دوں اور غرق کر دوں۔ جونہی میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، اس جوان نے ایک ایسی تلوار ماری کہ میرا ہاتھ کٹ کر گر پڑا"۔

اُس جن نے اپنا کٹا ہوا ہاتھ جنابِ رسولِ خدا کو دکھایا۔ جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا: "اے جن! یہ میرے بھائی مظہر العجائب علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے"۔

اِنَّمَا اَکْسِبُ مِنْ مَدْحِ عَلِیٍّ شَرَفًا
لَیْسَ یَتْلُوْ بِمَدِیْحٍ شَرَفًا مِنْہُ خَبِیٌّ

مؤمنین! میں اس لئے مدح و منقبتِ جنابِ حیدرِ کرار بیان کرتا ہوں کہ مجھ کو شرف و افتخار حاصل ہو ورنہ حضرت علیؑ کا کوئی شرف پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے کہ میرے بیان سے ظاہر ہو۔

فَلَقَدْ جَلَّ مَعَالِیْہِ وَجَمَّتْ جِدًّا
حَیْثُ مَافَتِحَ الْعَیْنُ مَدَتْ کَالشُّھُبِ

فضائل حضرت علی علیہ السلام حدِ بیان سے روشن تر ہیں۔ جس جگہ آنکھ کھول کر بنظرِ غور دیکھو، مثلِ شہابِ ثاقب کے جلوہ گر ہیں۔

یَا لَہٗ مِنْ مَالِکٍ مُقْتَدَرٍ ذِیْ ھِمَمٍ
فِیْ لِبَاسٍ خَشِنٍ عَاشَ وَاَکْلُ الْجَشَبِ

سبحان اللہ مؤمنین! مقامِ تصور ہے کہ ایسا بادشاہ عالی وقار، صاحبِ اختیار و مرتبت، لباسِ نفیس اور غذائے لطیف پر رغبت نہ کرے بلکہ تمام عمر لباسِ کہنہ اور نانِ جو پر اکتفا اور قناعت کرے۔

اَعَدْلُکَ یَا ھٰذَاالزَّمَانُ مُحَرَّمٌ
اَمِ الْجَوْرُ مَفْرُوْضٌ عَلَیْکَ مُحَتَّمٌ

کیوں اے زمانہ عدل وانصاف! تجھ پر حرام ہوگیا ہے ظلم کرنا بہ نسبت خاصان خدا کے تجھ پر واجب ولازم ہے۔ اے زمانہ ناپائیدار! اس سے زیادہ اور ظلم کیا ہوگا کہ جناب علی ابن ابی طالب علیہما السلام، بہترین خلق کو بدترین انسان حالت نماز میں خانہ خدا کے اندر خنجر سے شہید کرے اور انؑ کے فرزندوں کے ساتھ، جو عرش کے گوشوارے ہوں، یہ سلوک کرے کہ ایک کو زہر ستم پلا کر شہید کرے اور دوسرے کو ان کے ناناؐ کے روضہ، ماں کی تربت سے جدا کر کے بلائے غریب الوطنی میں مبتلا کرے۔

اس ظلم پر بھی اکتفانہ کرے، اس مظلوم کو مع عزیز واقرباء تین دن کا بھوکا پیاسا زمین کربلا پر شہید کرے، حتیٰ کہ شیر خوار بچے کو تیر ستم سے باپ کی گود میں بے جان کر دے۔

افسوس مؤمنین! یوں تو جناب مظلوم کربلا کے تمام مصائب جانگزا ہیں مگر سانحہ علی اصغرؑ سخت ترین مصائب ہے۔ راوی کہتا ہے کہ جب جناب امام حسینؑ بے یارومددگار ہوگئے:

فَنَادٰی بَاکِیًا ھَلْ مِنْ مُجِیْرٍ
وَھَلْ لِیْ مِنْ مُغِیْثٍ اَوْنَصِیْرٍ

اس وقت کمال بیکسی وحسرت سے زار زار روتے تھے اور فرماتے تھے: کوئی ایسا ہے جو اپنے پیغمبرؐ کے نواسے کو پناہ دے؟ کوئی بندہ ایسا ہے کہ میری فریاد کو پہنچے اور میری اعانت کرے؟

ملا آقا دربندی لکھتے ہیں کہ اسی اثناء میں ایک نوشتہ رب العزت نازل ہوا۔ اس نوشتہ کے آخر میں یہ تحریر تھا:

''اے عاشق صادق، اے حسینؑ! اگر تم بقائے زندگی چاہتے ہو تو یہ نصرت حاضر

ہے۔ ابھی تمہارے تمام دشمن ہلاک ہوں اور تمہارے مراتب میں بھی کوئی کمی نہ ہو''۔

آپؑ نے عرض کی: ''خداوندا! حسینؑ نہیں چاہتا کہ میری شہادت کے عوض فدیہ نازل ہو یا بداء واقع ہو۔ تیرا یہ بندہ ہمیشہ سے تیری ملاقات کا آرزومند ہے۔

اے میرے خالق! اگر تیری راہ میں حسینؑ ستر مرتبہ بھی شہید کیا جائے تو بھی راحت ہے''۔

یہ عرض کر کے رقعہ کو آسمان کی جانب اُڑا دیا اور پھر استغاثہ شروع کیا۔

ھَلْ مِنْ مُجِیْرٍ لِاَبْنَاءِ الْبَتُوْلِ
ھَلْ مِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ

کوئی ایسا ہے کہ اس وقت بیکسی میں فرزندانِ فاطمہ زہراؑ کی فریاد کو پہنچے؟ آیا کوئی رحمدل ایسا ہے جو اہل بیتؑ رسولؐ سے اس بلا کو دفع کرے۔

ثمان البکاء وغیرہ میں باختلاف عبارت یوں منقول ہے کہ فرزند رسولؐ کی آواز استغاثہ سن کر موجودات عالم میں سے کسی میں تاب ضبط باقی نہ رہی۔ سب بیقرار ہو کر درگاہِ پروردگار میں عرض کرنے لگے:

''خداوندا! تیرے نبیؐ کو، جب تک وہ زندہ رہے، لوگوں نے ستایا اور ان کی آل میں سے کسی کا گھر جلا کر پہلو پر دروازہ گرایا، کسی کو تیرے گھر میں تیغ ستم سے شہید کیا، کسی کو زہر پلایا گیا، آج صبح سے گھر کا گھر صاف کیا۔ ایک حسینؑ، جو سب بزرگوں کی نشانی باقی ہے، اب یہ اشقیاء چاہتے ہیں کہ اس کا بھی خونِ ناحق کریں۔ ہم لوگوں کو اب ضبط وتحمل نہیں۔ اجازت دے کہ اس کی اعانت کریں''۔

حکم ہوا کہ حسینؑ ایسا صابر وشاکر ہے کہ ہمارے سوا کسی کی امداد کا طالب نہیں۔ جاؤ اگر حسینؑ منظور کرے تو اس کی نصرت میں جانفشانی کرو۔

پہلے شط الفرات نے التماس کی: اے تین دن کے پیاسے، نبیؐ کے نواسے! میں

آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ ننھے ننھے بچے آپ کے شدتِ پیاس سے جاں بلب ہیں۔ کئی دن گزرے کہ بے رحموں نے آپ کو قطرۂ آب نہ دیا۔ حکم دیں تو بڑھ کر ان لوگوں کو قومِ نوح کی طرح گردابِ فنا میں غرق کر دوں؟

فرزند ساقیِ کوثر نے فرمایا: ''تیری احتیاج نہیں، فقط رحمتِ پروردگار کا طلب گار ہوں''۔

ناگاہ سامنے سے ایک ہرن بہت سے ہرنوں کے ساتھ حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں۔ ظالموں نے آپ کو کیسی کیسی مصیبت میں مبتلا کیا، اگر اشارہ پائیں تو ہم اپنی شاخوں سے ان کافروں کو زخمی کر کے مار ڈالیں''۔

آپ نے اس کو بھی باز رکھا۔ اس وقت وہ ہرن کہنے لگا: ''شاید حضرتؑ نے مجھے نہیں پہچانا؟''

امام حسینؑ نے سرد آہ بھر کر فرمایا: ''میں خوب پہچانتا ہوں کہ تو وہی ہرن کا بچہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بچپن میں میرے کھیلنے کے واسطے میرے ناناؐ کے پاس بھیجا تھا''۔

وہ ہرن روتا ہوا رخصت ہوا۔ زمین کربلا کانپ کر بولی: کیسے کیسے عزیز و انصار آپ کے خون میں غلطاں مجھ پر پڑے ہیں۔ کہاں تک صبر کروں، جلد ارشاد کیجئے کہ ظالموں کو قارون کی طرح نگل جاؤں۔

آپ نے رو کر فرمایا: ''اس سے کیا ہوگا؟ بھائی عباسؑ زندہ ہو جائیں گے؟ علی اکبرؑ جی اٹھیں گے؟ قاسمؑ پھر ملیں گے؟ اے زمین! میری مدد کرنے والے تو مارے گئے، تجھ سے کیا امداد چاہوں؟ مگر اتنی وصیت ہے کہ جب چھ مہینے کی جان اصغرؑ ماں کی گود سے جدا ہو کر تیری آغوش میں سوئے تو قیامت تک میری امانت کو حفاظت سے رکھنا''۔

اس کے بعد بادِ صبا نے کہا: ''آہ، آہ! ایسی ہوائے گرم میں یکہ و تنہا، سراپا مجروح آپ کھڑے ہیں اور بدن کے زخم زیادہ شگفتہ ہوئے جاتے ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو ابھی

اس کثیر تعداد کو قومِ عاد و ثمود کی طرح تباہ و برباد کر دوں؟''

آپ نے حسرت کے ساتھ عجیب کلمہ فرمایا: ''اگر یہی منظور ہوتا تو میں ابھی تک اکہتر (۷۱) افراد کیوں شہید کرواتا؟ مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنا یاد رکھنا کہ جب تو مدینہ میں جانا تو میری بیمار بیٹی کو پیغام پہنچانا کہ اے صغریٰؑ! یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری یاد اور اپنا وعدہ بھول گیا۔ کیا کروں، موت نے مہلت نہ دی۔ علی اکبرؑ نے نیزۂ ستم کھایا، زین العابدینؑ بستر بیماری پر غش میں پڑا ہے۔ تمہارے بلانے کو کس کو بھیجتا؟ میں بھی دُنیا سے جا رہا ہوں، صبر کرو۔ اب ملاقات قیامت پر موقوف ہے''۔

ناگاہ بیبیوں کے رونے کی آواز امام حسینؑ کے کانوں تک پہنچی۔ گھبرا کر خیمہ میں تشریف لائے اور جنابِ زینبؑ سے پوچھا: تم کیوں روتی ہو؟

جنابِ زینبؑ نے عرض کی: بھیا! جس وقت سے علی اصغرؑ نے آپ کے استغاثہ کی آواز سنی ہے، ہمک کر اپنے آپ کو گہوارہ سے گرا دیا ہے اور رونے سے خاموش نہیں ہوتا۔

یہ سن کر آپ رو دیئے اور فرمایا: ''اس شیر خوار کو میرے پاس لے آؤ کہ ایک نظر دیکھ لوں اور الوداع کر لوں''۔

حسبِ ارشاد جنابِ زینبؑ نے علی اصغرؑ کو لا کر امام حسین علیہ السلام کی گود میں دے دیا۔ آپ نے دیکھا کہ علی اصغرؑ کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور پیاس کی شدت سے لب نازنین نیلے ہو گئے ہیں۔ حضرتؑ اس کے خشک ہونٹوں کے بوسے لینے لگے اور اپنے آگے زین پر بٹھا لیا اور بکمالِ حسرت و یاس اس ماہِ طلعت کی صورت دیکھنے لگے اور بے اختیار رونے لگے۔ پس آپ میدان میں صفوفِ لشکر کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس چھوٹے سے بچے کو اٹھا کر اس قدر بلند کیا کہ زیرِ بغل سفیدی نمایاں ہوئی اور باآوازِ بلند فرمایا:

اَیَا سَاکِنِیْ شَامٍ وَیَا اَھْلَ کُوْفَۃِ

فَھَلْ ھٰذَا اَوَصَی النَّبِیُّ الْمُکَرَّمُ

"اے اہل کوفہ وشام! آیا جنابِ رسولؐ خدا نے تم سے ایسی وصیت کی تھی کہ میری اولاد سے دغا اور عناد سے پیش آنا اور ان کو ظلم وستم سے قتل کرنا؟"

يَمُوتُ عِطَاشًا اَهْلُبَيْتِ مُحَمَّدٍ
وَيَشْرَبُ هٰذَا الْمَاءَ تُرْكٌ وَدَيْلَمٌ

اے قومِ بدکردار! کیا قیامت ہے کہ تمہاری اجازت سے کفار تک جس قدر چاہیں، پانی لے جائیں مگر میرا ایک سال تک کا بچہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں لے سکتا۔ اگر چہ میں خود بھی پیاس سے جاں بلب ہوں، اگر تمہارے خیال میں حسینؑ گناہگار ہے، پانی کا سزاوار نہیں، یہ تو بتاؤ کہ اس معصوم بچے نے کیا قصور کیا ہے؟

اے ظالمو! روزِ قیامت کی پیاس سے ڈرو اور اس شیر خوار بچے کو تھوڑا سا پانی دے دو کہ میرا یہ فرزند پیاس سے جاں بلب ہے۔

بہرکیف اس طرح کے کلمات حضرتؑ نے ان سنگدلوں سے فرمائے کہ اگر پتھر ہوتا تو پانی ہو جاتا مگر اس کے جواب میں حرملہ بن کاہل اسدی نے ایک ایسا تیر جنابِ علی اصغرؑ کے حلق پر مارا کہ وہ تین دن کا پیاسا تڑپ تڑپ کر گودِ امام حسینؑ میں شہید ہو گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے آسمان کی جانب سر بلند کر کے عرض کیا:

"اِلٰهِيْ وَسَيِّدِيْ هٰذَا اَعَزُّ جَوَاهِرِ خَزَانَتِيْ وَاٰخِرُ مَا بَقِيَ فِيْ سُفْطَتِيْ".

"اے مولا و آقا! میرا یہ عزیز ترین جواہر خزانہ ہے اور یہ دُرِ بے بہا آخر سلک شہداء سے تیرے اس بندے کے پاس امانت باقی تھا جو تیری راہ پر نثار ہوا۔

اس کے بعد حضرتؑ نے علی اصغرؑ کے گلے کے نیچے ہاتھ رکھا۔

"فَتَحَ عَيْنَيْهِ فَتَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِ اَبِيْهِ".

اس وقت جنابِ علی اصغرؑ نے آنکھیں کھول دیں اور مسکرا کر اپنے والد بزرگوار

کے جمالِ مبارک پر نظر کی اور راہیِ جنت ہو گئے۔

مومنین! جنابِ علی اصغرؑ کے تبسم کی وجہ کچھ سمجھے؟ قاعدہ ہے کہ تبسم تعجب کے وقت ہوتا ہے۔ پس جنابِ علی اصغرؑ کو یہ استعجاب ہوا کہ یہ ملاعین کیسے شقی القلب ہیں کہ مجھ شیر خوار تک کو بھی تیر مار کر شہید کیا۔

بہرکیف حضرتؑ کا چلو جنابِ علی اصغرؑ کے خون سے بھر گیا۔ اسے آسمان کی جانب پھینکا۔

"فَلَمْ يَرْجِعْ قَطْرَةٌ مِنْهَا اِلَى الْغَبْرَاءِ".

خون کا کوئی قطرہ زمین پر نہ گرا بلکہ ملائکہ اس خون کو آسمان کی جانب لے گئے۔

دوسری روایت میں یوں وارد ہوا ہے کہ جب حضرتؑ نے چاہا کہ اس خون کو آسمان کی جانب پھینکیں تو آواز آئی: اے حسینؑ! اگر اس لہو کو آسمان کی جانب پھینکو گے تو پھر کبھی بارانِ رحمت نازل نہ ہوگا۔

اس وقت حضرتؑ نے قصد کیا کہ زمین پر بہا دیں، زمین نے بھی یہی فریاد کی کہ یا حضرتؑ! اگر ایک قطرۂ خون بھی مجھ پر گرا تو قیامت تک زمین پر کوئی چیز پیدا نہ ہوگی۔

مومنین! مقامِ تصور ہے۔ اس وقت مظلومِ کربلا کو کیا تردد ہوا ہوگا کہ اس خون کو اب وہ کیا کریں! غرض مجبور ہو کر کچھ خون اپنے ریش مبارک پر ملا اور باقی خون علی اصغرؑ کے بدن پر مل دیا۔

"ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الْخَيْمَةِ وَنَاوَلَهُ بِاُمِّهٖ".

اس کے بعد خیمہ میں تشریف لائے اور لاشِ علی اصغرؑ کو جنابِ ربابؑ کے سپرد کر کے فرمایا: اے ربابؑ! تمہارا علی اصغرؑ اس طرح آبِ خوشگوار سے سیراب ہوا ہے کہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

'فَجَعَلَتْ تُقَبِّلُهُ وَتَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَنَحْرِهٖ'

تَبۡکِیۡ وَتَلۡطِمُ وَجۡهَهَاوَ خُدُوۡدَهَا

وَعُيُوۡنُهَا تَجۡرِیۡ دَمًاوَتُقَطِّرُ

جناب ربابؑ علی اصغرؑ کی لاش کو اپنی آغوش میں لے کر بہت روئیں اور بکمال حسرت اس ماہ طلعت کی صورت دیکھتی تھیں اور خونِ حلقِ نازنین اس ماہ جبین سے دیکھتی جاتی تھیں اور اپنا منہ علی اصغرؑ کے منہ پر رکھ کے یہ جگر خراش بین کرتی تھیں:

"ہائے اے پارۂ جگر، ہائے علی اصغرؑ! افسوس ہے کہ کسی بے رحم نے رحم نہ کیا اور تجھ سے بے گناہ کو تیرِ ستم سے شہید کیا"۔

وَغَدَتۡ تُمَرِّغُ خَدَّهَا بِدِمَآئِهٖ

وَتَقُوۡلُ وَاحُزۡنَاهُ مِثۡلُکَ يُنۡحَرُ

اور گلوئے شیر خوار سے خون لے کر اپنے منہ پر ملتی تھیں اور پیار کرتی جاتی تھیں۔

اے علی اصغرؑ! مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ تیرا دودھ تیر کے ساتھ چھڑایا جائے گا۔

راوی کہتا ہے کہ علی اصغرؑ کے دفن سے مجھے کمال حسرت تھی کہ امام حسینؑ نے کسی کی لاش کو دفن نہ کیا۔ کیا وجہ ہے کہ اس بچہ کو حضرتؑ نے دفن کیا؟ مگر شہادت کے بعد مجھ پر یہ راز منکشف ہوا یعنی عمر سعد سنگدل نے کچھ سواروں کو حکم دیا کہ شہداء کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔ اس وقت میں سمجھا کہ حضرتؑ نے اسی خیال سے اس بچہ کی لاش کو دفن کر دیا کہ اس پامالی میں ننھے سے بچے کی لاش پامال نہ ہو جائے۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، جنابِ آدمؑ کا اسمائے پنجتنؑ کو ورد کرنا اور جنابِ علی اصغرؑ کی شہادت

"فِی الصِّرَاطِ السَّوِیۡ عَنۡ عَلِیِّ ابۡنِ اَبِیۡ طَالِبٍ عَلَيۡهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ شِيۡعَتَنَا يَخۡرُجُوۡنَ مِنۡ قُبُوۡرِهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰی مَامَعَهُمۡ مِنَ الذُّنُوۡبِ الۡعُيُوۡبِ وَوُجُوۡهُهُمۡ لَيۡلَةَ الۡبَدۡرِ".

صاحب صراط السوی جو کہ اہل سنت کے معتبر علماء میں سے ہیں، نے نقل کیا ہے کہ جناب علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے فرمایا کہ ہمارے شیعہ روزِ قیامت اپنی قبروں سے گناہوں اور عیوب کے ساتھ نکلیں گے لیکن ہماری محبت اور دوستی کی وجہ سے ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی مانند روشن ہوں گے۔

"قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ يَاعَلِیُّ لَوۡاَنَّ عَبۡدًاعَبَدَاللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مِثۡلَ مَاقَامَ نُوۡحٌ فِیۡ قَوۡمِهٖ".

حدیث میں وارد ہے کہ شفیع روزِ جزاء جناب رسولؐ خدا نے جناب امیرؑ سے فرمایا کہ یا علیؑ! اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرے جتنی حضرت نوحؑ نے زندگی پائی۔

"وَكَانَ لَهٗ مِثۡلُ اُحُدٍذَهَبٌ فَاَنۡفَقَهٗ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ"

اور کوہِ اُحد کے برابر اس کے پاس دولت ہو اور وہ اسے راہِ خدا میں خرچ کرے۔

وَمُدَّ فِیۡ عُمۡرِهٖ حَتّٰی حَجَّ اَلۡفَ حَجَّةٍ عَلٰی قَدَمَيۡهِ

اور اُس شخص کی عمر اس قدر ہو کہ ہزار حج پیدا کرے۔

"ثُمَّ قُتِلَ بَيۡنَ الصَّفَاوَالۡمَرۡوَةِ مَظۡلُوۡمًاوَلَمۡ يَكُنۡ

"فِیْ قَلْبِہٖ مُحَبَّتُکَ لَمْ یَشُمَّ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَمْ یَدْخُلْهَا".

اس کے بعد وہ شخص کو وصفا اور مروہ کے درمیان ظلم وستم کے ساتھ مارا جائے، ان باتوں کے باوجود اگر وہ تمہاری محبت نہ رکھتا ہو تو ہرگز وہ شخص جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَبِّهٖ کَلِمَاتٍ".

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدمؑ نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھے۔

صاحب دُرّالثمین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان کلمات سے مراد اسمائے پنجتنؑ پاک ہیں کہ عرش پر لکھے ہوئے دیکھے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ آپؑ ان اسمائے مقدسہ کو حفظ کریں کہ باعث برکت ہیں۔ حضرت آدمؑ نے چار نام یاد کئے اور ہر مرتبہ دل کو بشاشت ہوتی تھی۔

'فَلَمَّاذَکَرَالْحُسَیْنَ سَالَتْ دُمُوْعُهٗ وَانْخَشَعَ قَلْبُهٗ'

مگر جب خامس آل عباء مظلومؑ کربلا کا نام زبان پر جاری کیا، خود بخود دل شکستہ ہو گئے، جی بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔

"فَقَالَ یَااَخِیْ جِبْرَئِیْلُ فِیْ ذِی الْخَامِسِ یَنْکَسِرُ قَلْبِیْ وَتَسِیْلُ عَبْرَتِیْ".

آپؑ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ پانچواں نام لیتے ہی دل پگھلا جاتا ہے، آنسو نکل آتے ہیں۔

"فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ وَلَدُکَ هٰذَا یُصَابُ مُصِیْبَةً تَصْغُرُ عِنْدَهَا الْمَصَائِبُ".

جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ کا یہ فرزند مظلومؑ ان بلاؤں میں مبتلا ہوگا کہ انبیاء واوصیاء سے کسی پر وہ بلائیں نہ گزریں گی اور وہ شدید مصائب اُٹھائے گا کہ دُنیا کی ساری مصیبتیں

اس کے آگے پست ہو جائیں گی۔ وہ کونسی مصیبتیں ہیں؟

"فَقَالَ یُقْتَلُ عَطْشَانًا غَرِیْبًا وَحِیْدًا لَیْسَ لَهٗ نَاصِرٌ وَلَا مُعِیْنٌ".

جبرئیلؑ نے عرض کی: آپؑ کیونکر سن سکیں گے۔ یہ نبیؐ زادہ اپنی اُمت کے ہاتھ سے وطن سے بے وطن ہو کر ایک جنگل میں پہنچے گا۔ وہاں بھی عزیزوں اور دوستوں سے جدا ہو کر ایسا اکیلا اور مجبور ہو جائے گا کہ کوئی ناصر و مددگار نہ ہوگا۔ چاروں طرف سے راہیں بند ہوں گی۔ کوئی کہیں سے مددگار نہ آئے گا اور یہ غریب دریا کے کنارے بھوکا پیاسا، بے یار و مددگار تنہا لاکھوں آدمیوں میں کھڑا ایک ایک سے مدد کیلئے فریاد کرے گا مگر کوئی رحم نہ کھائے گا۔ سب کے سب ہر طرف سے تلواریں ماریں گے۔

"فَیُذْبَحُ کَذَبْحِ الشَّاةِ مِنَ الْقَفَاءِ".

یہاں تک کہ انواع ظلم سے مثل گوسفند قربانی ذبح کریں گے۔ بزرگوں کے تبرکات لوٹیں گے، ننھے بچوں کو، بے وارث بیبیوں کو قید کر کے اس مظلومؑ کا سر نوک نیزہ پر چڑھا کے شہر بہ شہر اور در در پھرائیں گے اور یہ امر ضرور ہوگا۔

"فَبَکٰی آدَمُ وَجِبْرَئِیْلُ بُکَآءَ الثَّکْلٰی".

یہ کہہ کر جبرئیلؑ بھی اور جناب آدمؑ بھی اس طرح روئے جیسے کسی عورت کا بچہ مر جاتا ہے اور وہ روتی ہے۔

مؤمنین! وقوع سے پہلے صرف اس واقعہ کو سن کر جناب آدمؑ اس قدر روتے ہیں لیکن جس نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو ملاحظہ کیا ہو، روزِ عاشور مظلومِ کربلا پر کیا کیا مصائب نازل ہوئے، انؑ کا گھر صبح سے شام تک تمام کا تمام اُجڑ گیا۔ بچپن کے رفیقوں کا ساتھ چھوٹ گیا۔ گودیوں سے بچے آنکھوں کے سامنے دم توڑ توڑ کر مر گئے۔ وہ بھائی جس کے بازوؤں کی قوت لشکر کی زینت تھی، ۲۹ برس بیٹوں کی طرح پالا تھا، شانے کٹوا کر دُنیا

سے سدھارا۔ وہ بھتیجا جو بھائی کی یادگار بھی تھا، اپنا داماد بھی تھا، دیکھتے ہی دیکھتے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو گیا۔ وہ بچہ شیر خوار جس کو دُنیا میں آئے ایک سال بھی نہ گزرا تھا، چلنے بھی نہ پایا تھا، باپؑ کے ہاتھوں پر خیمہ سے قتل گاہ میں آیا۔ چھ ماہ کا کیا سن ہے! ابھی دُودھ بھی چھوٹنے نہ پایا تھا کہ تین دن پیاسا رہنے کے بعد آبِ تیر سے سیراب ہوا۔

چنانچہ کتاب منتخب وغیرہ میں منقول ہے کہ جب امامؑ مظلوم کے سب عزیز وانصار درجہ شہادت پر فائز ہو چکے، اشقیاء نے اکیلا پا کر چاروں طرف سے ہجوم کیا۔ تلواریں کھینچ کھینچ کر، نیزے تان تان کر آگے بڑھے۔ آپؑ نے بھی اپنی جھکی ہوئی کمر کو سیدھا کیا۔ ہاتھ قبضہ پر رکھا، چاہا کہ معروف جہاد ہوں لیکن خیمہ سے اس طرح ماتم کی آواز کانوں میں آئی جس طرح میت پر لوگ روتے ہیں۔ مضطربانہ قتل گاہ سے تشریف لائے۔ دیکھا کہ مادرِ علی اصغرؑ چھ ماہ کی جان ہاتھوں پر رکھے رو رہی ہیں اور وہ بے زبان چھوٹا سا دہن پیاس کی شدت سے کھولے ہوئے ہے۔ ضعف سے ننھا سا بچہ ڈھلا جاتا ہے۔ کملائے ہوئے چہرے پر مردنی چھائی ہے۔ اردگرد سب بیبیاں سروں اور سینوں کو پیٹ رہی ہیں۔ بے اختیار ہو کر آپؑ بھی رونے لگے اور جنابِ زینبؑ سے فرمایا:

"کیا کروں، کہاں سے پانی لاؤں، کیونکر پلاؤں؟ ایک تدبیر ذہن میں آتی ہے کہ اس بچہ کو لے کر مقتل میں جاؤں اور ظالموں کو دکھاؤں۔ شاید اس کی صورت دیکھ کر کسی بے رحم کو رحم آجائے"۔

غرض جنابِ علی اصغرؑ کو گود میں لیا اور اس خیال سے کہ دھوپ میں پیاس کا صدمہ زیادہ نہ ہو، عباء کے دامن سے اس پر سایہ کیا اور میدان میں تشریف لائے۔ لشکر کی طرف متوجہ ہو کر استغاثہ بلند کیا:

"اَمَامِنْ مُجِیْرٍ یُجِیْرُنَا اَمَامِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا"۔

آیا ان لاکھوں آدمیوں میں کوئی پناہ دینے والا ہے کہ عترتِ رسولؐ کو پناہ دے؟

آیا کوئی فریادرس ہے کہ اپنے نبیؐ کے نواسے کی فریاد کو پہنچے؟

"اَمَامِنْ اَحَدٍ یَاْتِیْنَا بِشَرْبَةٍ مِنَ الْمَآءِ لِهٰذَا الطِّفْلِ فَاِنَّهٗ لَایُطِیْقُ الظَّمَاءُ"۔

کیا اس مجمع میں کوئی صاحبِ اولاد نہیں؟ کسی کو خدا کا ڈر نہیں کہ اس جاں بلب بچہ کو اس بہتے ہوئے دریا سے ایک گھونٹ پانی پلادے؟ چھ مہینے کا بچہ پیاس سے مر رہا ہے۔

ہر چند جنابِ سیدُالشہداءؑ نے فریادیں کیں مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بعض منہ پھیر کر، بعض گردنیں جھکا کر رہ گئے۔ بعض رو دیئے۔ بنابراں روایت کے اس وقت تک جنابِ علی اکبرؑ شہید نہ ہوئے تھے، بے چین ہو کر خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"اگر مجھے اجازت ہو تو جس طرح ممکن ہو، پانی لاؤں؟"

حضرتؑ نے فرمایا: "جاؤ، خدا تمہارے ارادہ میں برکت دے"۔

غرض وہ شہزادہؑ ایک مشک لے کر فرات کی طرف چلا۔ کچھ اشقیاء سدِراہ ہوئے، تلوار سے سب کو دفع کیا۔ پھر وہ ظرف آب بھر لائے اور کہا کہ پانی حاضر ہے، علی اصغرؑ کو پلایئے اور جو بچ جائے، میرے بدن پر چھڑک دیجئے، میں بھی پیاس سے بے چین ہوں۔

حضرتؑ رو پڑے۔ پھر شیر خوار کو زانو پر بٹھا کر چاہا کہ پانی پلائیں۔ پانی منہ کے قریب لے گئے کہ اس بچہ نے پانی کی خنکی پا کر آنکھیں کھول دیں، پینے کا ارادہ کیا کہ ایک بے رحم کا ایسا زہر آلود تیر آکر لگا کہ نازک سے حلق سے پار ہو گیا اور وہ صاحبزادہ بابا کی گود میں ہچکی لے کر سرد ہو گیا۔

"فَبَکَی الْحُسَیْنُ وَرَمَی الرَّکْوَةَ مِنْ یَدِهٖ"۔

اب صاحبانِ اولاد سے پوچھتا ہوں کہ جس کی گود میں یہ حادثہ گزرے، وہ کیا کرے؟ کیونکر دل پر قابو رکھے؟ حضرتؑ نے اس ظرف آب کو خاک پر پھینک دیا اور بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر عرض کی:

'اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الشَّاهِدُ عَلَى الْقَوْمِ قَتَلُوْا اَشْبَهَ الْخَلْقِ بِنَبِيِّكَ رَسُوْلِ اللّٰهِ'.

خداوندا! اس قوم نے میرے ایسے شش ماہے کو مار ڈالا ہے جو صورت میں تیرے رسولؐ کے مشابہ تھا۔

پھر علی اصغرؑ کا لہو چلو میں لے کر آسمان کی طرف پھینکا۔ لکھا ہے کہ اس خونِ ناحق کا کوئی قطرہ زمین پر نہ گرا۔ اس کے بعد تلوار لے کر نوک سے ایک چھوٹی سی قبر بنائی اور اس میں ننھی سی لاش کو پیوندِ خاک کر دیا۔ دل کی بیتابی کا عجب حال تھا، کبھی زمین پر گر پڑتے تھے اور کبھی اُٹھ بیٹھتے تھے۔ کبھی جاں نثاروں کو یاد کر کے یہ اشعار پڑھتے تھے:

وَاللّٰهِ مَالِيْ اَنِيْسٌ بَعْدَ فُرْقَتِكُمْ
اِلَّا الْبُكَاءُ وَقَرْعُ السِّنِ مِنْ نَدَمٍ

واللہ! اب تم لوگوں کے بعد سوائے افسوس کرنے اور اشکِ حسرت بہانے کے دوسرا کوئی نہیں، کوئی انیس اور رفیق باقی نہ رہا۔

وَلَا ذَكَرْتُ الَّذِيْ اَيْدِي الزَّمَانِ لَكُمْ
اِلَّا جَرَتْ اَدْمُعِيْ مَرْجُوْجَةً بِدَمِيْ

اور جب مجھے وہ مصائب یاد آتے ہیں جو زمانہ کے ہاتھ سے تمہیں پہنچے کہ یوں پیاس میں اس جور و ستم سے میرے سامنے مارے گئے تو بے اختیار لہو کے آنسو میری آنکھوں سے جاری ہوتے ہیں۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، ایک کافرہ کا آگ سے سینہ نہ جلنا، عرهانیِ قیس اور شہادتِ امام حسینؑ

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَعْرِفُ اللّٰهَ اِلَّا اَنَا وَعَلِيٌّ وَلَا يَعْرِفُنِيْ اِلَّا اللّٰهُ وَعَلِيٌّ وَلَا يَعْرِفُ عَلِيًّا اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَا"

شفیع روزِ جزاء جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کسی نے خدا کو نہ پہچانا مگر میں نے اور علیؑ نے اور مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا مگر اللہ نے اور علیؑ نے اور علیؑ کو کسی نے نہیں پہچانا مگر اللہ نے اور میں نے۔

وَفِيْ تَارِيْخِ الْبَغْدَادِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ النَّبِيُّ لِعَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ يَا عَلِيُّ لَا لِمُحِبِّيْكَ حَسْرَةٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَلَا وَحْشَةٌ عِنْدَ قَبْرِهٖ وَلَا فَزَعٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

تاریخ بغدادی میں جنابِ عائشہؓ سے منقول ہے کہ ایک روز ن جنابِ رسولِؐ خدا نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے فرمایا: یا علیؑ! بشارت ہو تمہیں کہ تمہارے شیعوں کو نہ مرگ کے وقت حسرت ہوگی اور نہ قبر میں وحشت ہوگی اور روزِ قیامت بے خوف جنت میں داخل ہوں گے۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَيُّهَا النَّاسُ لَنْ يَقْبَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِعَبْدٍ فَرْضًا اِلَّا بِحُبِّ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ".

جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ محبتِ علیؑ کے بغیر کسی بندہ کی عبادت قبول نہیں فرماتا۔

"فَمُحِبُّهٗ مُحِبِّيْ وَمُبْغِضُهٗ مُبْغِضِيْ وَوَلِيُّهٗ وَلِيِّيْ وَ

قَوْلُهُ قَوْلِیْ وَاَمْرُهُ اَمْرِیْ".

"جو علیؑ کا دوست ہے، وہ میرا دوست ہے اور جو علیؑ سے بغض رکھتا ہے، وہ میرا مخالف ہے اور جو اس کا ولی ہے، وہ میرا ولی ہے اور اس کا قول میرا قول ہے اور اس کا حکم میرا حکم ہے"۔

مؤمنین! جس طرح جناب امیرالمومنینؑ کے فضائل لاتعداد ہیں، اسی طرح جناب امام حسینؑ کے فضائل ومصائب بھی شمار سے باہر ہیں۔

صاحب اسرار الشہادۃ لکھتے ہیں کہ ایک شخص آذربائیجان کا رہنے والا بطور سیاح ملک ہندوستان میں پہنچا۔ اتفاقاً ایک روز کسی قریہ سے اُس کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ صحرا کی جانب سے کچھ ہندو ایک میت لے کر آرہے ہیں۔ یہ شخص بھی بطور تماشا ان کے ساتھ چلا۔ ایک مقام پر انہوں نے لاش رکھ دی اور اس لاش کے گرد لکڑیوں کا انبار جمع کر دیا اور آگ لگا دی۔ عند التحقیق معلوم ہوا کہ وہ میت ایک لڑکی کی تھی۔

پس آگ نے اس میت کو جلا کر راکھ کر دیا۔ لیکن سینہ پر دھبہ بھی نہیں آیا۔ ساتھیوں کو سخت تعجب ہوا۔ ان کے عالموں نے دوبارہ لکڑیاں جمع کر کے آگ لگائی اور کچھ الفاظ پڑھے۔ پھر بھی آگ نے سینہ پر مطلق اثر نہ کیا۔ اس وقت ان کا عالم غضبناک ہو کر بولا: معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی سے کوئی معصیت بزرگ اور خطائے عظیم سرزد ہوئی ہے، اس لئے اس کا سینہ نہیں جلتا۔

یہ سن کر اس کے عزیزوں کے رنگ متغیر ہو گئے اور چہرے مثل زعفران زرد ہو گئے۔ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ لوگوں نے اس کی بہن سے پوچھا: تو اس کے افعال واحوال سے واقف ہے۔ ایسا کونسا جرم عظیم اس سے سرزد ہوا ہے؟

اُس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے سوائے اُمورِ خیر کے کوئی بات نہیں دیکھی اور یہ اپنے دین پر ثابت قدم تھی۔

"ثُمَّ قَالَتْ نَعَمْ حَضَرْتُ مَعَهَا فِیْ یَوْمٍ مِنْ اَیَّامِ شَهْرِ الْمُحَرَّمِ فِیْ مَجْلِسِ الْمُسْلِمِیْنَ وَکَانَ مَجْلِسُ تَعْزِیَةِ الْحُسَیْنِ وَذِکْرُ مَصَائِبِهٖ".

لیکن ہاں! ایک روز یہ کیفیت گزری تھی کہ ایامِ محرم میں حسینؑ کی مجلس میں ہم دونوں بہنوں کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص منبر پر کچھ ذکر اُن مصیبتوں کا، جو امام حسینؑ پر گزری ہیں، بیان کر رہا ہے اور حاضرین مجلس ان مصائب کو سن کر رو رہے ہیں اور اپنے سینے پیٹتے ہیں۔ اس ذاکر نے ایسی مصیبتیں اس مظلومؑ کی بیان کیں کہ ہمارے دلوں کو تاب نہ ہوئی، کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ بے اختیار ہو کر ہم دونوں بہنوں نے بھی مثل مسلمانوں کے رونا اور سر پیٹنا شروع کیا۔

یہ سن کر اس برہمن نے کہا: اُسی جرم کے باعث اس کا سینہ نہیں جلتا۔

مؤمنینؑ اس مقام پر دو امر قابل ذکر ہیں اوّلاً یہ کہ امام حسینؑ پر کیسی مصیبتیں گزری ہیں کہ غیر قوم تک کو اس مجلس سے یہ فیض پہنچے کہ ایک دن کے رونے اور سینہ زنی کرنے سے ان کے سینے کو آگ نے کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ لیکن خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دعوائے غلامی رکھتے ہیں اور حضرتؑ کو اپنا پیشوا اور امامِ برحق سمجھ کر مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور تمام عمر روتے ہیں اور مجلس عزاء برپا کرتے ہیں اور زیارت کو جاتے ہیں۔

انشاءاللہ! روزِ قیامت کہ اُس روز تمام انبیاء واوصیاء نفسی نفسی پکارتے ہوں گے، جناب امام حسینؑ اپنے ایک ایک غلام کا ہاتھ پکڑیں گے اور بہشت میں داخل کریں گے۔ کیونکر وہ جناب ہماری مشکل کشائی نہ فرمائیں گے کہ حضرتؑ نے ہم ہی غلاموں کی خاطر سر کٹوایا اور اپنے بھرے گھر کی بربادی قبول فرمائی اور اہل بیتؑ کی اسیری قبول کی۔

اللہ، اللہ! کیا کیا مصائب حضرتؑ نے اُٹھائے مگر کسی حالت میں ہم کو نہ بھولے، یہاں تک کہ وقتِ شہادت بھی اپنے دوستوں کی مدد فرمائی۔

چنانچہ جوہری طوفان البکاء میں روایت کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک بادشاہ جس کا نام قیس تھا، جس روز امام حسین علیہ السلام زمین کربلا پر نرغۂ اعداء میں گھرے تھے، اُسی روز شکار کے ارادہ سے ایک صحرا سے گزرا۔ ایک ہرن سامنے نظر آیا۔ قیس نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا، یہاں تک کہ اپنے لشکر سے جدا ہو کر ایک درہ کے قریب پہنچا۔ ہرن نظر سے غائب ہو گیا اور وہ حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔ ناگاہ ایک عظیم الجثہ شیر سامنے سے ظاہر ہوا۔ قیس خوف سے کانپنے لگا۔ زندگی سے نااُمید ہو گیا۔ نہ طاقتِ فرار نہ تابِ قرار، عجیب اضطراب میں مبتلا تھا۔

قیس امام حسینؑ سے دلی محبت رکھتا تھا۔ اس حالتِ اضطرار میں مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے فریاد کی: اے شیر الٰہی کے شیر، اے حسینؑ! میں اس مصیبت و بلا میں ہوں، امداد فرمایئے۔ اس شیر کے پنجہ سے رہائی دلوایئے کہ اس وقت سوائے آپؑ کے کوئی فریادرس نہیں ہے۔

مؤمنین! قیس کو یہ حال معلوم نہ تھا کہ اس وقت جنابِ امام حسینؑ تنہا تین دن کے بھوکے پیاسے زخموں سے چور نرغۂ اعداء میں گرفتار ہیں اور عزیز و انصار مثلِ گوسفندِ قربانی کٹے ہوئے گرم ریت پر کربلا میں پڑے ہوئے ہیں۔ جنابِ امام حسینؑ بہ علمِ امامت قیس کے حال سے آگاہ ہوئے اور اس کی آوازِ استغاثہ امام حسینؑ کے کانوں میں پہنچی۔

فوراً امام حسینؑ لشکرِ مخالف کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ وہاں قیس نے دیکھا کہ دُور سے ایک غبار اُٹھا۔ جب گرد بیٹھی، ایک بزرگوار گھوڑے پر سوار اس شکل سے ظاہر ہوئے کہ تمام جسمِ نازنین زخموں سے چور، ہر زخم سے فوارۂ خون جاری ہے اور تیر جابجا جسمِ مقدس میں پیوست ہیں۔ ایک پیرہن مثلِ کفن پہنے ہوئے ہیں، وہ بھی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہے اور ایک تلوار دو زباں خون سے رنگین، دستِ مبارک میں عَلَم مبارک ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنگ سے تشریف لائے ہیں۔

وہ شیر امام حسینؑ کو دیکھتے ہی جنگل کی طرف چلا گیا۔ جب قیس نے شیر سے رہائی پائی، دوڑ کر حضرتؑ کی رکابوں کو بوسہ دیا اور حضرتؑ کا یہ حال دیکھ کر بے ساختہ رونے لگا اور عرض کی کہ آپؑ کا اسمِ مبارک کیا ہے؟ کس نے آپؑ کا یہ حال بنایا ہے اور آپؑ کون ہیں کہ خود تو ایسی مصیبتوں میں مبتلا ہیں مگر میری فریاد کو پہنچ گئے ہیں۔

"فَبَکَی الْاِمَامُ وَقَالَ اَنَاحُسَیْنُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ".

حضرتؑ نے رو کر فرمایا: "بھائی! ابھی تو نے کس کا نام لے کر پکارا تھا؟ میں وہی مظلوم، ستم رسیدہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں۔ بھائی! میں اس وقت مدینہ میں نہ تھا۔ صحرائے کربلا میں اس قوم پر، کہ جو میرے نانا کی اُمت سے ہے، حجت ادا کر رہا تھا۔ انہوں نے کئی ہزار خطوط لکھ کر مجھے بلایا۔ جب میں آیا تو مجھ سے مخالفت کی اور اپنے عہد کو توڑا اور ہم پر پانی بند کر دیا اور ناحق ہمارے عزیز و انصاران کو قتل کیا اور اب میرے قتل پر آمادہ ہیں۔ اس وقت میں اکیلا ان سے مقابلہ کر رہا ہوں۔ ناگاہ تیری آوازِ استغاثہ میرے کان تک پہنچی۔ فوراً تیری مدد کو پہنچا"۔

جب قیس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ ہمارے آقا جنابِ امام حسین علیہ السلام ہیں، نعرہ مار کر رونے لگا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا اور قدمِ مبارک آنکھوں پر مل کر عرض کی: "یا مولاؑ! قیس کی جان آپؑ پر فدا ہو۔ کاش میں اندھا ہوتا اور آپؑ کو اس حال میں نہ دیکھتا۔

اے آقا! غلام اُمیدوار ہے مع اپنے لشکر کے، ہمراہِ رکاب چل کر آپؑ کے دشمنوں سے جہاد کروں اور اپنی جان آپؑ پر نثار کروں"۔

یہ سن کر جنابِ امام حسینؑ رو پڑے اور فرمایا: "اے بھائی! تجھے خدا جزائے خیر دے۔ جو کچھ مقتضائے محبت تھا، وہ تو نے ادا کیا۔ مگر جن لوگوں کے نام درجۂ شہادت پر فائز ہونے والوں میں تھے، وہ سب شہید ہو گئے۔ اب میں مظلوم [illegible]

وقت قریب ہے، ٹھہر نہیں سکتا"۔

یہ فرما کر حضرتؑ نظروں سے غائب ہو گئے۔

اَجَالُوْا عَلَيْهِ بِالصَّوَارِمِ وَالْقَنَا
وَلَمْ جَالَ فِيْهِمْ مِنْ سِنَانٍ وَشَفْرَةٍ
اِلٰى اَنْ هَوٰى رُوْحِيْ فِدَاهُ عَلَى الثَّرٰى
قَتِيْلٌ وَرَاحَ الْمُهْرُ يَنْعٰى بِحَسْرَةٍ

جب اس قومِ جفا کار نے اس مظلوم کو پھر اپنے مقام پر پایا، سب ملاعین ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ کوئی ان میں سے اس بدنِ نازنین پر تلوار مارتا تھا، کوئی تیر مارتا تھا، کوئی نیزہ مارتا تھا۔ جب حضرت امام حسینؑ میں زخموں کی کثرت کی وجہ سے طاقت نہ رہی، پشتِ ذوالجناح سے زمین پر تشریف لائے۔

نَادٰى ابْنُ سَفْرٍ مَنْ يَجِيْ بِرَاسِهٖ
فَسَارَ اِلَيْهِ الشِّمْرُ لَا يَتَبَرَّمُ

اس وقت عمر سعد ملعون نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ تم میں کون ایسا ہے کہ حسینؑ کا سر کاٹ کر لائے؟

راوی کہتا ہے کہ لشکرِ اعداء سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس امر پر سبقت کرے۔ لیکن شمر ملعون آمادۂ قتل ہو کر حضرتؑ کے قریب آیا۔

وَاَضْجَعَهٗ فَوْقَ التُّرَابِ مُعَفَّرًا
يُنَادِيْ اَلَا يَا جَدَّنَا اَنْتَ تَعْلَمُ
بِاَنِّيْ صَرِيْعٌ فِي التُّرَابِ مُجَدَّلًا
وَيَنْحَرُ نَحْرِيْ وَالضُّلُوْعُ مُحَطَّمُ

پس اس بے رحم نے امام مظلوم کو اس بے رحمی سے بہ قصدِ ذبح زمین پر لٹایا کہ تمام

جسم نازنین خاک میں بھر گیا اور روحِ اطہر پر یہ صدمہ ہوا کہ غش سے چشم مبارک کھول دی۔ دیکھا کہ وہ شقی خنجر بکف آمادۂ قتل سینہ پر سوار ہے۔ اسی حالتِ بیکسی میں روضۂ جنابِ رسولؐ خدا کی طرف بہ نگاہِ حسرت دیکھا اور بآوازِ نحیف فرمایا:

"اے جدِ بزرگوار! کیا آپ کو اپنے حسینؑ کے حال کی اطلاع ہے کہ شمر کس امرِ عظیم کا ارادہ رکھتا ہے اور میرے سینہ اور پہلو کو تکلیف دیتا ہے؟"

فَمَا زَادَ قَلْبُ الرِّجْسِ اِلَّا قَسَاوَةً
وَمَيَّزَ مِنْهُ الرَّاْسُ لَا يَتَرَحَّمُ
تَكَادُ السَّمٰوَاتُ الشِّدَادُ بِقَتْلِهٖ
تَفَطَّرُوْا الْاَرْضُوْنَ تَخْسِفُ فِيْهِمُ

راوی کہتا ہے کہ ہر چند فرزندِ رسولؐ نے چاہا کہ وہ شقی میرے قتل میں شریک نہ ہو لیکن اس ملعون نے مطلق رحم نہ کیا، یہاں تک کہ سرِ اقدس کو تنِ اطہر سے جدا کیا۔

حدیث میں وارد ہے کہ اس مصیبتِ عظمیٰ پر ساتوں آسمان قریب تھا کہ شق ہو جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور تمام عالم زمین میں سما جائے۔

فَكَوَّرَ اَنْوَارُ النُّجُوْمِ جَمِيْعُهَا
وَاُمْطِرَتِ الدَّمَ السَّمَآءُ عَلَيْهِمُ

اس وقت آفتاب کو گہن لگ گیا اور ایسا تیرہ و تاریک ہو گیا کہ دن کو تارے نظر آنے لگے اور اس جانکاہ غم میں آسمان سے خونِ تازہ برسنے لگا اور ہر خشک پتھر کے نیچے سے تازہ خون جوش مارنے لگا اور چالیس روز تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، مداح کیلئے آفتاب کا توقف کرنا، استغاثۂ امامؑ، شہادتِ علی اصغرؑ ذوالفقار کا رونا، جنابِ زینبؑ کی پردہ داری کیلئے حورانِ جنت کا آنا

لِیَ مِنَ اللّٰہِ اِمَامٌ قَرَشِیٌّ عَرَبِیٌّ
طَیِّبُ الْمَوْلِدِ وَالنَّسْلِ اَغَرُّ اللَّقَبِ

جناب احدیت نے اپنی رحمت کاملہ سے ہم عاصیوں کی ہدایت کے واسطے ایسا امام بھیجا ہے جو ہر عیب، ہر رجس سے پاک و پاکیزہ ہے اور اس کی جائے پیدائش خانہ کعبہ ہے اور اس امامِ قرشی و عربی کا حسب و نسب اور لقب مثل آفتاب کے درخشاں و تاباں ہے۔

اَمَنَ النَّاسُ عَلَی الطَّوْعِ اَوِالْکُرْہِ بِہٖ
وَالَّذِیْ یُنْکِرُہٗ فَھُوَ غَوِیٌّ وَغَبِیٌّ

لوگ اس امامِ عالی مقام کے مراتب و اعجاز دیکھ کر ایمان لے آئے اور دین نبی کو ذاتِ پاک حیدرِ کرار، صاحب ذوالفقار سے رونق ہوئے۔ پس جو شخص آپ کے فضائل و امامت کا منکر ہوا، وہ گمراہ و ناری ہوا۔

رُدَّتِ الشَّمْسُ لَہٗ ثُمَّ دَنَتْ مِنْ اُفُقٍ
وَلَئِنْ صَیَّرَھَا رَاکِدَۃً لَمْ تَغِبِ

سبحان اللہ! کیا مراتب جناب امیرؑ پیش خداوند قدیر ہیں کہ ایک روز نماز عصر کے واسطے آپؑ کے حکم سے سورج نے اپنے مقام پر رجعت کی اور اگر آپؑ غروب ہونے کا حکم نہ دیتے تو قیامت تک اسی مقام پر ٹھہرا رہتا۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ماہ و خورشید دو تا شاہد عدل آمدہ اند
رجعتش بہر علی شق شدنش بہر نبی

مؤمنین! فضائل جناب امیر المومنینؑ لاتعداد ہیں۔ منقول ہے کہ آفتاب نے سولہ مرتبہ جناب امیر علیہ السلام کے حکم سے رجعت کی ہے بلکہ بہ اشارہ ایک مداح کے کہ یہ نیر اعظم اپنے مقام پر ٹھہرا رہا۔

علامہ حلیؒ نے کتاب کشف الیقین میں تحریر فرمایا ہے کہ چند لوگ صاحب تقدس جو حسب معمول بعض ایام میں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے، ان میں سے ایک مقدس وعظ کر رہے تھے اور مدح جناب امیر علیہ السلام کو شروع کیا تھا کہ اسی اثناء میں دن بہت کم رہ گیا اور قریب تھا کہ آفتاب غروب ہو جائے، انہوں نے نیر اعظم کی جانب مخاطب ہو کر کہا:

لَا تَغْرُبِیْ یَا شَمْسُ حَتّٰی یَنْقَضِیْ
مَدْحِیْ لِصِنْوِ الْمُصْطَفٰی وَلِنَجْلِہٖ

اے آفتاب! غروب نہ ہو جب تک کہ میں محمد مصطفیٰؐ کے برادر اور آپؐ کے عزیز اور قریب کی مدح و ثناء کو بیان کروں۔

اَثْنِیْ عَنَانَکِ اِذْ عَرَفْتِ ثَنَاءَہٗ
اَنَسِیْتِ یَوْمَکِ اِذْ رُدِدْتِ لِاَجْلِہٖ

پھر تو اگر مدح حضرت امیرؑ کی اپنی عنان کو چاہتا ہے، آیا تو بھول گیا ہے اُس روز کو جس دن تو جناب امیر علیہ السلام کے واسطے اُبھرا تھا۔

اِنْ کَانَ لِلْمَوْلٰی وَقُوْفُکِ فَلْیَکُنْ
ھٰذَا الْوُقُوْفُ لِخَیْلِہٖ وَلِرَجْلِہٖ

ہر چند کہ تیرا وہ ٹھہرنا مولاؑ کے واسطے تھا اور یہ تیرا یہ توقف کرنا ان کے خدام اور ثناء

خوان کے واسطے ہوگا۔

اس کلام کے بعد آفتاب جہاں تک پہنچا تھا، وہیں رُک گیا اور وہاں سے مطلق جنبش نہ کی، جب تک کہ اس مردِ مقدس نے مدحِ علی ابن ابی طالبؑ تمام نہ کی۔

سبحان اللہ مؤمنین! سید الوصیین جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے کیا مدارج ہیں کہ آفتاب نے ایک مداحِ حضرتؑ کی اتنی حرمت واطاعت کی کہ ان کے حکم سے اپنے مقام سے جنبش نہ کی اور جب تک مدحِ حضرتؑ تمام نہ ہوئی، غروب نہ ہوا۔

مگر افسوس ہزار افسوس! کیسے ماہِ بنی ہاشم اور ستارہ ہائے نبوت کو، جن کا مشرق سے مغرب تک عالم میں مثل ونظیر نہ تھا، دوپہر کے عرصہ میں پیوندِ خاک کر دیا۔

راوی کہتا ہے کہ روزِ عاشورہ جب آفتابِ برجِ امامت یعنی امام حسین علیہ السلام میدانِ کارزار میں بے یار و مددگار رہ گئے:

"فَنَظَرَ یَمِیْنًا وَشِمَالًا فَلَمْ یَرَ اَحَدًا فَنَادٰی بِاَعْلٰی صَوْتِهٖ وَا اَخَاهُ وَا عَبَّاسَاهُ وَا قَاسِمَاهُ وَا اَكْبَرَاهُ".

اس وقت اس مظلومؑ نے کبھی دائیں جانب، کبھی بائیں جانب نگاہ فرمائی۔ سوائے لاشہ ہائے شہداء کے کچھ نظر نہ آیا۔ دیکھا کہ وہ شیر شجاعت مثل گوسفندِ قربانی زمین کربلا پر بے جان مقتول جابجا پڑے ہوئے ہیں۔ باآوازِ بلند رو کر فرمانے لگے:

"ہائے میرے بھائی، ہائے میرے قوتِ بازو عباسؑ اور ہائے قاسمؑ وعلی اکبرؑ! تم میں کوئی بھی زندہ نہ رہا جو اس عالمِ غربت وبیکسی میں میری مدد کرتا"۔

مقتل شاہِ شہیداں میں منقول ہے کہ حضرتؑ روتے ہوئے درِ خیمہ پر تشریف لائے اور باآوازِ بلند فرمایا:

"یَا اُخْتِیْ زَیْنَبُ وَیَا اُمَّ كُلْثُوْمِ وَیَا رُبَابُ وَیَا سُكَیْنَةُ عَلَیْكُنَّ مِنِّی السَّلَامُ".

"اے بہن زینبؑ، اے اُمِ کلثومؑ، اے ربابؑ وائے سکینہؑ! تم پر حسینؑ کا آخری سلام پہنچے اور تم لوگوں سے حسینؑ رُخصت ہوتا ہے اور یہ میری آخری وداع ہے اور میری اور تمہاری وعدہ گاہ روزِ قیامت ہے"۔

"وَالسَّلَامُ عَلَی النِّسْوَةِ الَّتِیْ قُتِلَ اَوْلَادُهُنَّ وَ رِجَالُهُنَّ لِنُصْرَتِیْ".

"اور میرا سلام ہو اُن عورتوں پر جن کی اولاد اور مرد میری نصرت میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے"۔

پس ہر بی بی اور بچہ سے اس طرح رُخصت ہونے لگے جس طرح انتقال کے وقت مرنے والا اپنے عیال سے رُخصت ہوتا ہے۔ اس وقت صدائے گریہ وبکاء سے خیمہ میں ایک شورِ قیامت بپا تھا اور ہر طرف سے آوازِ الوداع والفراق بلند تھی۔ خاص طور پر جنابِ زینبؑ وہ جگرخراش بین کرتی تھیں جس کے سننے سے دوست ودشمن کے دل پاش پاش ہوتے تھے۔

الغرض اسی عالمِ گریہ میں جنابِ زینبؑ نے عرض کی: "بھیا! جس وقت سے علی اصغرؑ نے آپؑ کی آوازِ استغاثہ سنی ہے، اپنے آپ کو گہوارہ سے گرا دیا ہے اور رونے سے خاموش نہیں ہوتا"۔

یہ سن کر مولاؑ رو پڑے اور فرمایا: "اے بہن! میرے فرزندِ شیرخوار کو میرے پاس لاؤ کہ ایک نظر اُسے دیکھ لوں اور وداع کر لوں"۔

جنابِ زینبؑ اس معصومؑ کو اٹھا لائیں۔ حضرتؑ نے دیکھا کہ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور شدتِ تشنگی سے نازک لب خشک ہو گئے ہیں۔ حضرتؑ نے اس بچے کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا اور دامنِ عباء سے چھپا کر ایک بلندی پر تشریف لے گئے۔ اپنے ہاتھوں پر رکھ کر اس قدر بلند کیا کہ زیرِ بغل سفیدی نمایاں ہوئی۔ باآوازِ بلند فرمایا:

"اے قوم! یہ معصوم شیر خوار بچہ پیاس کی شدت سے مرنے کے قریب ہے"۔

مگر اُن سنگدلوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب حضرتؑ نا اُمید ہوئے تو اُس بلندی سے اُترے اور لشکر کی مقابل صفوں میں تشریف لائے اور اپنی عبائے مبارک کو رُخِ علی اصغرؑ سے اُٹھا لیا اور ایک ایک جفا کار کو اس شیر خوار کی صورت دکھائی اور پانی طلب فرمایا۔ اس طرح حضرتؑ ایک طرف سے دکھاتے ہوئے دوسری جانب اس لشکر کے پاس پہنچے مگر کسی نے اس شیر خوار بچے پر رحم نہ کھایا۔

اس وقت مولا حجت خدا اپنے معصوم بچے علی اصغرؑ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا

"بیٹا! تم بھی اپنی سوکھی زبان ان بے رحموں کو دکھاؤ تا کہ پیش خدا کوئی حجت باقی نہ رہے"۔

راوی کہتا ہے کہ جس وقت شیر خوار نے اپنی سوکھی زبان خشک لبوں پر پھیری تو کوئی سنگدل عمر سعد کے لشکر کا ایسا نہ تھا جس کا جگر پانی نہ ہو گیا ہو اور علی اصغرؑ کے حال پر نہ رویا ہو۔ تمام فوج نے عمر سعد سے انحراف کا قصد کیا۔

پس اس شقی نے جب لشکر میں بے حد اضطراب دیکھا تو حرملہ بن کاہل اسدی سے کہا کہ تو کیا دیکھتا ہے؟ جلد اس بچے کا کام تمام کر۔ اس ظالم نے ایک زہر آلود تیر کمان میں جوڑ کر ایسا حلقِ اصغرؑ پر مارا کہ وہ تین دن کا پیاسا اپنے خون میں تڑپ تڑپ کر شہید ہو گیا۔

حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے جو زیارتِ ناحیہ میں جنابِ امام حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"اَلسَّلَامُ عَلَی الْمُرَمَّلِ بِدِمَائِہٖ"۔

یعنی "میرا سلام ہو اُس شہیدِ راہِ خدا پر جو اپنے خون میں غلطاں ہوا"۔

عجب نہیں کہ یہ فقرہ جنابِ علی اصغرؑ کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی سلام ہو اس معصوم

صغیر پر جو اپنے خون میں لوٹ کر جاں بحق تسلیم ہوا۔

چنانچہ اس کی تفصیل بعض نے یہ لکھی ہے کہ ایسا صدمہ اس تیر کا امام حسینؑ کے بازو پر پہنچا کہ حضرتؑ سے وہ ننھی لاش سنبھل نہ سکی اور ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر آ رہی اور علی اصغرؑ نے اپنی سی جان تڑپ تڑپ کر دے دی۔

پس بروایت مصائب الابرار و انوار الشہادت حضرتؑ روتے ہوئے مقتل میں تشریف لائے اور ارادہ کیا کہ ذوالفقار سے قبر کھود کر علی اصغرؑ کو سپردِ خاک کریں۔ اُس وقت ذوالفقار سے گریہ کی آواز بلند ہوئی۔ حضرتؑ ذوالفقار کی طرف متوجہ ہوئے اور سببِ گریہ دریافت فرمایا۔ اُس نے عرض کی:

"اے آقا! ایک روز حیدرِ کرار ایک جنگ سے فتح یابی کے ساتھ دولت خانہ پر تشریف لائے تو جنابِ سیدہؑ نے مجھے خون آلود دیکھ کر صاف کرنا شروع کیا اور اس وقت روتی جاتی تھیں اور فرماتی تھیں:

'اے ذوالفقار! روزِ عاشور میرے حسینؑ کی نصرت میں کوتاہی نہ کرنا اور ہر بلا کو اس کے سر سے دفع کرنا'۔

یا حضرت! مجھ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ آج کے دن مجھ سے یہ خدمت لیں گے یعنی علی اصغرؑ کی قبر کھودیں گے۔ میں اپنے عملِ عاجزی پر روتی ہوں اور خیال کرتی ہوں کہ روزِ قیامت جنابِ سیدہؑ کو کیا منہ دکھاؤں گی"۔

یہ سن کر حضرتؑ نے بے اختیار رو کر فرمایا "اے ذوالفقار! حسینؑ کو آج کے روز وعدۂ طفلی ادا کرتا ہے اور اُمتِ گنہگارِ رسولِ مختار کی شفاعت میری شہادت پر منحصر ہے"۔

یہ فرما کر حضرتؑ نے شمشیر سے قبر کھودی اور اپنے فرزندِ شیر خوار کو سپردِ خاک کر دیا۔ جب جنابِ زینبؑ کو یہ معلوم ہوا کہ میرا معصوم چھ ماہ کا بچہ بھی شہید ہو گیا ہے اور جنابِ امام حسینؑ نے اُسے مقتل میں دفن کر دیا ہے، تو حمید کہتا ہے کہ اُس وقت وہ خاتون

معظمہ خیمہ عصمت سے اس بیتابی و اضطراب سے نکلیں کہ ایک گوشہ چادر کا سرِ مبارک پر تھا اور دوسرا زمین کو بوسہ دیتا تھا اور جہاں بلندی نظر آتی تھی، علی اصغرؑ کی قبر سمجھ کر اپنے آپ کو اس پر گرا دیتی تھیں۔ اسی طرح جنابِ ربابؑ ستر مقامات پر گریں، یہاں تک کہ علی اصغرؑ کی قبر پر پہنچیں اور اتنے دُکھ بھرے بین کئے کہ سننے والوں کے دل پاش پاش ہوتے تھے۔

پس امام حسین علیہ السلام جنابِ ربابؑ کو نامحرموں سے بچا کر خیمہ میں لے گئے اور احترام کے ساتھ ان کو خیمہ میں داخل کیا۔

دوسری جانب جب جنابِ زینبؑ کو شہادتِ علی اصغرؑ کی خبر ملی تو بے اختیار ننگے سر روتی پیٹتی خیمہ سے نکلیں۔ ان مخدومہؑ کیلئے بروایت مقتل شاہِ شہیداں جنت کی حوروں کو حکم خدا ہوا کہ جلد کربلا کی سرزمین پر نازل ہو کر اہتمامِ پردہ داری میں مصروف ہوں، ایسا نہ ہو کہ اُن نامحرموں کی نظر پڑ جائے، اس لئے کہ ہم نے اپنے حبیبؐ کے نواسے حسینؑ سے وعدہ کیا ہے کہ اُس کی زندگی میں اس کے اہل بیتؑ کو نامحرموں کی نظر سے محفوظ رکھیں گے۔

چنانچہ جنت کی حوریں زمین کربلا پر آئیں اور اہتمامِ پردہ داری بجالائیں۔ جس وقت جنابِ زینبؑ کی نظر حوروں پر پڑی تو آپؑ نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو اور کس غرض سے آئی ہو؟

انہوں نے عرض کیا: ''اے نواسیِ رسولؐ، اے ہماری سردار! ہم حورانِ جنت ہیں اور ہمیں خالقِ اکبر نے آپؑ کی پردہ داری کے واسطے بھیجا ہے''۔

یہ سن کر جنابِ زینبؑ نے رو کر ارشاد فرمایا: ''جلدی جا کر میری ماں فاطمہ زہراؑ کو خبر کرو کہ آپؑ کا پیارا حسینؑ جسے آپؑ نے فاقے اُٹھا اُٹھا کر اور چکی پیس پیس کر پالا تھا، اس وقت بے یار و مددگار دشمنوں میں گھرا ہے۔ آپؑ اُس کی خبر لیں''۔

غرض حوریں گئیں اور جنابِ سیدہؑ کو جنابِ زینبؑ کا پیغام پہنچایا۔ جنابِ سیدہؑ آئیں مگر مقتل میں اُس وقت پہنچیں جب شمر لعین امام حسینؑ کے سینہ پر سوار تھا اور خنجر گلوئے

مبارک پر پھیر رہا تھا۔

شمر کہتا ہے کہ مولاؑ کا خون مثلِ فوارہ بلند ہوتا تھا اور زمین پر نہ گرتا تھا۔ شمر لعین حیران ہوا کہ خون کہاں غائب ہوتا ہے؟ ناگاہ دیکھا کہ ایک خاتونِ معظمہ پریشان حال اس مظلومؑ کے سرہانے کھڑی ہیں اور اس مخدومہؑ کے پاک ہاتھوں میں ایک سفید چادر ہے اور خونِ امامؑ اس چادر پر پڑتا ہے۔

شمر ملعون کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: ''یا ابن رسول اللہ! یہ خاتون جو آپؑ کے سرہانے کھڑی ہیں، کون ہیں؟''

حضرتؑ نے فرمایا: ''اے شمر! یہ ہماری والدہ ماجدہ جنابِ فاطمہ زہراؑ ہیں۔ اتنا ٹھہر جا کہ مخدومہؑ میرے سر کو اپنی آغوشِ مبارک میں رکھ لیں''۔

مگر اس سنگدل نے کسی طرح رحم نہ کھایا اور اپنے کام میں مصروف رہا۔

امام حسینؑ کیلئے بجلی چمکنا، حسنینؑ کی بدولت ایک شخص کی معافی، موتی کا دو ٹکڑے ہونا، فقیر کا پانی لانا اور شہادتِ امام حسینؑ

"عَنْ عَلِيِّ ابْنِ مُوْسَى الرِّضَا عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ كَانَا يَلْعَبَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ حَتّٰى مَضٰى عَامَّةُ اللَّيْلِ".

کتاب مناقب میں ابن شہر آشوب، جنابِ امام رضاؑ اور جنابِ علی مرتضیٰؑ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز امام حسنؑ اور امام حسینؑ اپنے ناناؐ کے پاس کھیل رہے تھے، یہاں تک کہ رات ہوگئی اور اندھیرا چھا گیا۔

"ثُمَّ قَالَ لَهُمَا انْصَرِفَا".

حبیبؐ خدا نے فرمایا: اے نورِ چشم! اب اپنی ماں کے پاس جاؤ کہ فاطمہؑ تمہاری منتظر ہوں گی۔

"فَبَرَقَتْ بَرْقَةٌ فَمَازَالَتْ تُضِيْءُ لَهُمَا حَتّٰى دَخَلَا عَلٰى فَاطِمَةَ".

حسنؑ اور حسینؑ علیہما السلام رسولؐ خدا کا حکم پا کر اپنے گھر کی طرف چلے کہ خدا کے حکم سے ایسی برق چمکی کہ اس کی روشنی میں وہ دونوں ستارے فاطمہ زہراؑ کے بیت الشرف میں داخل ہوئے۔

"وَالنَّبِيُّ يَنْظُرُ اِلَى الْبَرْقَةِ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَكْرَمَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ".

جنابِ رسولؐ خدا نے جو برق چمکتے دیکھی تو فرمایا: میں حمد کرتا ہوں اُس خدائے

عزوجل کی جس نے میرے اہل بیتؑ کو محترم و مکرم بنایا۔

"عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ".

اور اسی کتاب میں جنابِ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے،

"اَذْنَبَ رَجُلٌ ذَنْبًا فِيْ حَيٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَتَغَيَّبَ حَتّٰى وَجَدَ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فِيْ طَرِيْقٍ خَالِقٍ".

ایک شخص سے عہد جنابِ رسالت مآبؐ میں ایسا گناہ سرزد ہوا جس کے سبب وہ سزا کا مرتکب ہوا اور جنابِ رسولؐ خدا نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ شخص خوفزدہ ہو کر بھاگا اور مدینہ کی گلیوں میں سرگرداں و پریشان پھرتا تھا کہ ناگاہ حسنینؑ کو ایک گلی میں کھیلتے ہوئے دیکھا۔ اُنؑ کے پاس کھڑا ہو گیا اور باادب سلام بجالایا۔

"فَاَخَذَهُمَا وَاحْتَمَلَهُمَا عَلٰى عَاتِقِهِ وَاَتٰى بِهِمَا النَّبِيَّ".

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو گود میں لے کر خدمتِ نبیؐ میں حاضر ہوا۔

"فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ مُسْتَجِيْرٌ بِاللّٰهِ وَبِهِمَا".

عرض کی۔ یارسولؐ اللہ! یہ خطا کار خدا اور حسنینؑ کی پناہ میں حاضر ہوا ہے۔

"فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَتّٰى رَدَّ يَدَهُ فِيْ فَمِهِ".

یہ سن کر جنابِ رسولؐ خدا دہن مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر بے ساختہ ہنسنے لگے۔

"ثُمَّ قَالَ لِلرَّجُلِ اِذْهَبْ فَاَنْتَ طَلِيْقٌ".

اس شخص سے بڑی شفقت سے فرمایا جا تجھ کو عذابِ خدا سے نجات ملی۔

"وَقَالَ لِلْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ قَدْ شَفَّعْتُكُمَا فِيْهِ لَاَيِّ فِتْيَانٍ".

اور حسنینؑ سے فرمایا اے میرے نورِ نظر! تمہاری خاطر پروردگار نے اس شخص

کے گناہ بخش دیئے۔

"فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی".

پس اللہ تعالیٰ نے حسنینؑ کی شان ظاہر کرنے کیلئے آیہ کریمہ نازل فرمائی۔

"وَلَوْاَنَّھُمْ اِذْظَّلَمُوْٓااَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُ اللّٰہَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوااللّٰہَ تَوَّابًارَّحِیْمًا".

ظاہراً اس آیہ کریمہ کے معنی یہ ہیں: اے میرے حبیبؐ! یہ تحقیق کہ وہ لوگ جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور تیرے پاس نادم و پشیمان ہوکر آتے ہیں، تو اُن کے واسطے طلب مغفرت کرتا ہے، پس میں اُن کے گناہ بخش دیتا ہوں۔

"فِیْ بِحَارِالْاَنْوَارِاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ کَانَ یَکْتُبَانِ فَقَالَ الْحَسَنُ لِاَخِیْهِ الْحُسَیْنِ یَااَخِیْ اِنَّ خَطِّیْ مِنْ خَطِّکَ اَحْسَنُ".

کتاب بحارالانوار میں منقولؒ ہے کہ ایک روز شہزادۂ کونین یعنی حسنؑ و حسینؑ تختیوں پر کچھ لکھ رہے تھے کہ بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا: اے بھائی! میرا خط تمہارے خط سے بہتر اور خوش خط ہے۔ جناب امام حسینؑ نے عرض کی اے بھائی! آپ کا خط ہرگز میرے خط سے خوش نما نہیں ہے۔ پس دونوں شہزادے اپنی تختیاں لے کر جناب سیدہؑ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

اماں جان! آپ ارشاد فرمائیں کہ ہم میں سے کس کا خط اچھا ہے!

"فَکَرِهَتْ فَاطِمَةُ اَنْ تُؤْذِیَ اَحَدَهُمَا".

جناب سیدہؑ کو دونوں میں سے کسی کی دل شکنی گوارہ نہ تھی۔ فرمایا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک بیٹو! تم دونوں بھائی یہ تختیاں اپنے پدر بزرگوار کے پاس لے جاؤ۔

جب دونوں صاحبزادے امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر

ہوئے تو مولا علی علیہ السلام نے فرمایا: اے جان پدر! اپنے نانا رسولؐ خدا کے پاس جاؤ۔

دونوں شہزادے جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چاہا کہ نانا جان کچھ فیصلہ کریں لیکن رسولؐ خدا نے نواسوں کی خاطر کچھ ارشاد نہ فرمایا بلکہ جبرئیلؑ سے کہا کہ تم اس کا فیصلہ کرو۔

"قَالَ جِبْرَئِیْلُ لَااَحْکُمُ وَلٰکِنَّ اِسْرَافِیْلَ یَحْکُمُ فِیْهِمَا".

جبرئیلؑ نے عرض کی: میں بھی کچھ نہیں بتا سکتا مگر یہ کہ اسرافیلؑ سے پوچھوں۔

اسرافیلؑ نے بھی کہا کہ میری مجال نہیں کہ میں ان میں سے کسی کے خط کو ترجیح دوں مگر یہ کہ جناب اقدس الٰہی میں عرض کروں۔

"فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ نَحْنُ اَیْضًالَانَحْکُمُ بَیْنَهُمَاوَلٰکِنَّ اُمَّهُمَا تَحْکُمُ بَیْنَهُمَا".

پروردگار نے ارشاد فرمایا: اے اسرافیلؑ! ہم بھی اس کام میں کچھ نہ کہیں گے بلکہ فاطمہؑ کو چاہئے کہ جو مناسب سمجھے، اپنے فرزندوں کے مقدمہ کا فیصلہ کرے۔

جب سیدہؑ نے یہ حکم الٰہی سنا تو بہت پریشان ہوئیں کہ اس کام میں کیا کروں۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا: اے نور چشم! میں اس گلوبند مروارید کو توڑ کو پھینکتی ہوں، جو زیادہ موتی چنے گا، اس کا خط اچھا ہے۔

کہتے ہیں کہ گلوبند میں کل سات موتی تھے، تین موتی امام حسنؑ اور تین موتی امام حسینؑ نے اُٹھائے۔ ایک باقی رہ گیا، وہ دونوں شہزادے اس موتی کو اُٹھانے کیلئے دوڑے:

"فَاَمَرَ اللّٰهُ الْجِبْرَئِیْلَ اَنْ یَهْبِطَ اِلَی الْاَرْضِ وَ یُنَصِّفَهَابِجَنَاحِهٖ".

جبرئیلؑ کو حکم خدا ہوا کہ زمین پر جلدی نازل ہو اور اس موتی کو اپنے پر سے دو

ٹکڑے کردے کہ دونوں شہزادوں میں سے کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

جبرئیلؑ نے موتی کے فوراً دوٹکڑے کردیئے۔ آدھا موتی امام حسنؑ اور آدھا موتی امام حسینؑ نے اُٹھالیا۔

مؤمنین! جس کی دل شکنی پروردگارِ عالم کو گوارا نہ ہو، افسوس ہزار افسوس! اُمتِ جفا کار نے اس کی کیا کیا دل شکنی کی۔ بھائی کے غم میں کمر توڑی، جوان بیٹے کے غم میں ایسا دل شکستہ کیا کہ آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہوگئی اور خود مولائے کائنات کو تلواروں اور نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔

جس کی خاطر موتی دو ٹکڑے ہو، اُس کی یتیم بچی کے گوشوارے چھینے جائیں اور کان زخمی ہوں۔

آہ! جو عرش کا گوشوارہ، اللہ و نبی کا پیارا ہو، کسی نے اُس کی عزت وقدر نہ کی۔ دریا کے کنارے وہ مظلومؑ اور اس کے معصوم بچے پیاس سے شہید ہوئے۔ کسی ظالم نے ایک قطرۂ آب نہ دیا۔

لکھا ہے کہ جنابِ سیدالشہداءؑ روزِ عاشور بار بار اپنی سوکھی زبانِ مبارک ہونٹوں پر پھیرتے تھے اور فرماتے تھے:

اَنَاابْنُ صَاحِبِ الْكَوْثَرِ اَنَاابْنُ شَافِعِ يَوْمِ الْمَحْشَرِ
اُقْتَلُ عَطْشَانَاغَرِيْبًاوَحِيْدًااَهَلْ فِيْكُمْ مُسْلِمٌ.

"اے قوم! میں ساقیِ کوثر کا فرزند اور شافعِ محشر کا جگر بند ہوں۔ تین دن کا پیاسا ہوں۔ دریا کے کنارے پردیس کے عالم میں بے گناہ قتل ہوتا ہوں۔ کیا اتنے لوگوں میں کوئی مسلمان نہیں کہ ہماری پیاس پر رحم کھا کر تھوڑا سا پانی پلائے کہ شدتِ تشنگی سے میرا جگر جل رہا ہے"۔

ناگاہ ایک درویش جو عمر سعد کے لشکر میں سے تھا، حضرتؑ کی آواز سن کر برتن پانی

سے بھر کر مولاؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی:

اے فرزندِ رسولؐ! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں۔ یہ پانی حاضر ہے۔

حضرتؑ پانی کو دیکھ کر شدت سے روئے۔

"وَقَالَ كَيْفَ اَشْرَبُ وَقَدْ قُتِلَ اَنْصَارُنَاوَاَقْرِبَائُنَا
حَتَّى الطِّفْلُ ظَمْاٰنًا".

اور فرمایا: اے شیخ! اس پانی کو کیونکر پیوں جبکہ میرے عزیز وانصار، میرے سب پیاسے قتل ہوگئے، یہاں تک کہ میرا شیرخوار بچہ بھی تشنہ لب شہید ہوا۔

یہ فرما کر اُسے خیمہ کی طرف لائے تاکہ خدا کی قدرت دکھائیں۔ وہاں ایک گڑھا کنویں کی صورت میں کھودا۔ جب اُس میں سے پانی نکلا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"ہم پانی کے محتاج نہیں ہیں۔ فقط ان ظالموں پر حجت تمام کرنا تھی کہ روزِ قیامت جب یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں تو کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اے شیخ! تو ملاعین کے اس لشکر سے نکل جا کہ جو شخص میری آوازِ استغاثہ کو سن کر میری مدد کو نہ آئے گا، خدا اُسے اُلٹا جہنم میں داخل کرے گا"۔

وہ فقیر روتا ہوا اس صحرا سے نکل گیا۔ اسی اثناء میں مولا حسینؑ پر ملاعین نے تیروں کی بارش شروع کردی۔

"حَتّٰى صَارَ جِلْدُ الْحُسَيْنِ كَالْقُنْفُذِ".

یہاں تک کہ وہ جسمِ حسینؑ جو خونِ رسولِؐ خدا سے پلا تھا، تیروں سے چھلنی ہوگیا اور اتنا خون بہ کر لڑنے کی طاقت نہ رہی۔ آپؑ ٹھہر گئے۔ ناگاہ ایک پتھر اُس پیشانی پر جسے رسولِؐ خدا چوما کرتے تھے، اس زور سے لگا کہ مجروح ہوگئے اور خون بہنے لگا۔ آپؑ نے چاہا کہ کپڑے سے لہو صاف کریں کہ ایک زہر آلود تیر پہلو پر لگا۔ آپؑ نے فرمایا:

"بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

اور سر آسمان کی جانب اُٹھا کر عرض کی: ''خداوندا! تو جانتا ہے کہ یہ لعین ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں کہ روئے زمین پر سوائے اس کے تیرے رسول کا کوئی نواسہ نہیں ہے۔

وہ تیر ایسا کاری لگا تھا کہ جگر کو توڑ کر پشتِ مبارک سے باہر نکل گیا۔ آپؑ نے پشت کی جانب سے اُسے کھینچا۔ خون مثل فوارہ جاری ہوا۔

شمر لعین نے پکارا وائے ہو تم پر۔ اے قوم! جلدی حسینؑ کو قتل کرو۔

سنان بن انس نے آگے بڑھ کر ایک ایسا نیزہ سینہ اقدس پر مارا، قریب تھا کہ حضرتؑ گھوڑے سے زمین پر گریں۔ اُس وقت آپؑ نے ذوالجناح سے فرمایا

''اے وفادار گھوڑے! تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ رسولؐ خدا کی پیاری بیٹی فاطمہ زہراؑ کا لاڈلا بیٹا اور علی مرتضیٰؑ کا دل بند ہوں''۔

گھوڑا سوار کی بیکسی پر رو دیا اور ہاتھ پاؤں پھیلا دیئے اور حضرتؑ زمین پر گرتے ہی غش کر گئے۔ اُس وقت اہل حرم میں صدائے گریہ وزاری بلند ہوئی اور جنابِ زینبؑ بیتاب ہو کر مضطرب الحال، بال کھولے ہوئے روتی پیٹتی ''ہائے بھیا''، ''ہائے حسینؑ'' کے نعرے لگاتی ہوئی خیمہ سے باہر نکلیں۔

''وَقَالَتْ وَیْلَکَ یَاعُمَرَ ابْنَ سَعْدٍ یُقْتَلُ ابْنُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ تَنْظُرُ''

''اور فرمایا: وائے ہو تجھ پر اے عمر سعد! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ فرزندِ رسولؐ خدا شہید ہوتا ہے اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے؟''

امام حسینؑ نے اپنی سوگوار بہن کی آواز سنتے ہی غش سے آنکھیں کھول دیں اور چاہا کہ کچھ فرمائیں مگر افسوس! ایک تیر حلق مبارک میں ایسا پیوست تھا کہ آپؑ سے بولا نہ گیا اور وہ تیر مولاؑ کے آخری وقت تک نہ نکلا۔ اشارے سے فرمایا:

''اے بہن زینبؑ! میرے جیتے جی خیمہ سے باہر نہ نکلو۔ واپس خیمہ میں جاؤ''۔

جنابِ زینبؑ خیمہ طرف چلی گئیں۔

''اِذَا رْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ قَدْ قُتِلَ الْحُسَیْنُ قَدْ ذُبِحَ الْحُسَیْنُ''۔

ابھی خیمہ تک نہ پہنچی تھیں کہ آوازیں بلند ہوئیں: حسینؑ فرزندِ رسولؐ خدا قتل ہوئے، حسینؑ فرزندِ زہراؑ ذبح ہو گئے۔

جنابِ زینبؑ نے جو مڑ کر دیکھا تو حضرتؑ کا سر مبارک نیزہ پر بلند ہوتا نظر آیا۔ بیقرار ہو کر رونے لگیں اور منہ پر طمانچے مارنے لگیں۔ اُسی وقت آفتاب کو گہن لگ گیا اور آسمان سے خون برسنے لگا۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، جنابِ فاطمہ صغریٰؑ کا امام حسینؑ کو خط بھیجنا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوْكَانَ الرِّيَاضُ اَقْلَامًا وَالْبُحُوْرُ مِدَادًا وَالْجِنُّ حُسَّابًا وَالْاِنْسُ كُتَّابًا مَا اَحْصَوْا فَضَائِلَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ"

سب عام اور خاص نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا اے علیؑ! تمام درخت قلم اور تمام دریا سیاہی بن جائیں اور تمام جن حساب کریں اور تمام انسان لکھیں، تو بھی تیرے فضائل کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

"عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ سَيِّدَتِيْ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءَ تَقُوْلُ لَيْلَةً دَخَلَ اَبِيْ عَلِيٌّ اَفْزَعَنِيْ فِيْ فِرَاشِيْ".

اسماء بنت عمیس سے منقول ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ ایک شب امیر المومنین علیہ السلام میرے پاس آئے۔ اُس شب میں فرشِ خواب پر ڈری اور مجھے خوف لاحق ہوا۔

میں نے عرض کی: اے پاک بی بی! آپ کے خوف کا سبب کیا تھا؟

"قَالَتْ سَمِعْتُ الْاَرْضَ تُحَدِّثُهٗ"

بی بی نے فرمایا کہ اس شب میں نے سنا کہ زمین میرے شوہر امیر المومنینؑ سے کچھ باتیں کر رہی ہے اور آپؑ بھی اس سے کچھ فرماتے ہیں۔ علی الصبح میں نے یہ حال اپنے پدر بزرگوار جناب رسولؐ خدا سے بیان کیا اور اُس وقت تک مجھ پر خوف طاری تھا۔

حضرتؐ نے یہ سن کر سجدہ طولانی کیا۔ اس کے بعد سر مبارک سجدہ سے اُٹھایا اور ارشاد فرمایا: "اے فاطمہؑ! تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نسل کو طاہر اور پاکیزہ کیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہارے شوہر کو تمام خلق پر فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم فرمایا ہے کہ ہر روز اپنی خبریں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرے اور جو کچھ تمام روئے زمین پر گزرے، وہ سب باتیں ظاہر کرے۔

لَيْسَ وَاللّٰهِ عَدِيْلٌ وَمَثِيْلٌ لَكَ فِيْ
سُؤْدَدٍ اَوْ كَرَمٍ اَوْ شَرَفٍ اَوْ اَدَبٍ

شاعر کیا خوب کہتا ہے کہ قسم ہے اُس عزوجل کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یا امیر المومنینؑ! رحم لی، سخاوت، شفقت، مہربانی، اخلاق، بلند مرتبہ میں کوئی آپؑ کا ثانی نہیں ہو سکتا اور نہ ہوگا۔

نفس پیغمبرے و مصدر احکام خدا
مشتق از نورِ الٰہی توجہ عالی نسبی

اَصْبَحَ النَّاسُ بِهٖ فِيْ رَغَدِ الْعَيْشِ وَقَدْ
كَانَ مَا كَانَ مِنَ النَّاسِ اَلِيْفُ التَّعَبِ

آپؑ کی بدولت تمام خلق خدا آرام و آسائش میں رہی اور آپؑ اکثر بھوکے رہتے تھے اور غریبوں کو اپنا کھانا دیتے تھے اور بھوکوں کا پیٹ بھرتے تھے مگر افسوس کہ ایسا امام اس اُمت جفا کار کے ہاتھ سے ہمیشہ رنج اُٹھاتا رہا اور لوگ حسد و تعصب میں مبتلا رہے۔

ثَابِتُ الْجَاشِ لَدَى الْحَرْبِ وَفِيْ خَلْوَتِهٖ
هَادِءُ الْجِسْمِ مِنَ الْخَشْيَةِ مِثْلُ الْخُشُبِ

کام کے وقت آپؑ کا یہ حال ہوتا تھا کہ آپؑ کے دل کو کچھ گھبراہٹ یا پریشانی نہ ہوتی تھی بلکہ کمالِ اطمینانِ قلب رہتا تھا اور عبادت میں جب ہوتے تو آپؑ کا جسم مبارک کا

ہر حصہ مثل خشک لکڑی کے معلوم ہوتا تھا۔ یعنی آپ بالکل بے حس و حرکت ہو جاتے تھے۔

ذَابَ کَالشَّمْعِ اِذَا آبَ اِلٰی مِحْرَابِ

بِفُؤَادِھُوَ فِی الْحَرْبِ شَدِیْدُالْغَضَبِ

اور وہ وہی دل تھا کہ جنگ کے وقت شدید غضب میں ہو جاتا تھا اور جب امیر المومنینؑ محرابِ عبادت میں تشریف لے جاتے تھے تو وہی دل موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔

غَرَسَ النَّخْلَ عَلَی الْاُجْرَۃِ فِیْ ضَیْقِ یَدٍ

بِـاَکُفٍّ مَـطَـرَتْ ھَامِیَۃً کَالسُّحُبِ

وہ ہاتھ مبارک جو سخاوت میں مشہور تھے، اتنے کریم تھے کہ سائل کو ضرورت سے زیادہ دیتے۔ انہی پاک ہاتھوں سے حضرت علی علیہ السلام مزدوری کر کے خرما کے درخت بوتے تھے اور اپنے اہل و عیال کو پالتے تھے۔

ثُمَّ قَدْاَنْزَلَہُ الدَّھْرُوَرَقٰی قَوْمًا

مِنْ بَنِی الْحَرْبِ عَلٰی مِنْبَرِہِ الْمُنْتَجَبِ

وائے ہو اس دنیا پر جنہوں نے ایسے عالی مرتبہ اور شان و شوکت اور سخی و بہادر کو ایسا گھٹایا کہ روز بروز آپؑ کی خانہ بربادی کی اور اولادِ اُمیہ کو اپنی چالاکیوں سے یہاں تک بڑھایا کہ منبر عالی رسولؐ خدا پر بٹھا دیا۔

آہ مِنْ عَھْدِیَزِیْدَبْنِ طَلِیْقٍ لَکُمْ

کَمْ ذَبِیْحٍ وَصَبِیٍّ لَکَ فِی الْیُتْمِ سُبِیَ

یا امیرالمومنینؑ! وہ یزید جو آپؑ کے آزاد کردہ قیدی کا بیٹا تھا، اُس نے اپنے دور میں آپ کی اولاد پر کیا کیا ستم ڈھائے اور آپ کی آنکھوں کے تارے ایک دوسرے سے جدا ہو کر کس کس مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ کوئی تلواروں سے ذبح کیا گیا، کسی نے داغ یتیمی کے بعد مسافرت کی آفتیں، قید کی اذیتیں اُٹھائیں۔ کسی کو شدتِ بیماری میں آزارِ فراق ہوا۔

ماں بہنوں سے، باپ بھائیوں سے جدا ہو کر اکیلے گھر میں گھٹ گھٹ کر مر گئے۔

چنانچہ فاطمہ صغریٰؑ، جب امام حسینؑ نے سفر کیا تھا، ہر روز وہ صاحبزادی خالی گھر کو دیکھ کر اور ایک ایک عزیز رشتہ دار کو یاد کر کے اس قدر روتی اور پیٹتی تھیں کہ بیہوش ہو جاتی تھیں۔ ہر وقت وہ بیمار اسی انتظار میں رہتی تھیں کہ اب ہمارے پدر بزرگوار ہم کو بلائیں گے اور چچا عباسؑ اور بھائی علی اکبرؑ مجھے لینے کیلئے آئیں گے، یہاں تک کہ ایک روز جب بہت گھبرائیں:

"کَتَبَتْ کِتَابًافِیْهِ سَلَامٌ وَعِتَابٌ".

اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک عریضہ جو اشتیاقِ دیدار اور شکایت سے بھرا ہوا تھا، لکھا اور چادر اوڑھ کر کچھ کنیزیں ہمراہ لے کر مدینہ کے دروازہ پر تشریف لے گئیں۔ ناگاہ ایک اعرابی ناقہ پر سوار نظر آیا۔ کنیزوں نے پوچھا: اے اعرابی! تو کہاں جاتا ہے؟ اُس نے کہا کہ عراق کا ارادہ رکھتا ہوں۔

یہ سن کر فاطمہ صغریٰؑ نے کہا: اے شخص! تو نہیں چاہتا کہ ہمارے ساتھ ایک احسان کرے اور اس احسان کی جزاء ہمارے جدِ بزرگوار جنابِ رسولؐ خدا دیں؟

اس اعرابی نے عرض کی: آپ کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا: یہ عریضہ میرے بابا حسینؑ تک پہنچا دے اور جب تو فرزندِ رسولؐ خدا کی خدمت میں پہنچنا تو میری طرف سے قدم بوسی کرنا۔

اُس نے عرض کی: میں بسر و چشم، خوشنودیٔ خدا اور رسولؐ مقبول کی خاطر آپؑ کا خط امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچاؤں گا۔

غرض وہ اعرابی خط لے کر عراق روانہ ہوا۔ مگر افسوس! وہ قاصد روزِ عاشور کربلا میں اُس وقت پہنچا جب علی اصغرؑ تیر کا نشانہ ہو چکے تھے۔

"فَرَاَی الْحُسَیْنَ فِیْ مَیْدَانِ کَرْبَلَاوَحِیْدًافَرِیْدًا"

دیکھا کہ مظلومِ کربلا لاکھوں آدمیوں کے نرغہ میں، ہزاروں تیروں اور تلواروں
کے زخم بدن پر کھائے دھوپ میں اکیلے کھڑے ہیں۔ چاروں طرف سے تیر برستے ہیں۔
ہر سمت "اُقْتُلُوا الْحُسَیْنَ" کا شور بلند ہے۔ کبھی آہِ سرد بھر کر فرماتے ہیں:

"وَاحَسْرَتَاهُ وَاغُرْبَتَاهُ وَاقِلَّةَ نَاصِرَاهُ".

کبھی لشکرِ مخالف کی طرف متوجہ ہو کر نہایت مظلومی سے فریاد کرتے ہیں

"اَمَامِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنَّا".

اتنے لوگوں میں کوئی ایسا ہے کہ دشمنوں کے شر سے ہم کو بچائے؟

"اَمَامِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا".

کوئی مدد کرنے والا ہے کہ اس غربت و بیکسی میں ہماری مدد کرے؟

مؤمنین! اعرابی کے دل میں تو یہ ہوگا کہ ہم امامؑ کی خدمت میں جائیں گے اور
حضرتؑ شان و شوکت سے مسندِ حکومت پر جلوہ فرما ہوں گے۔ سارے عزیز و انصار گرد و پیش
کمر اطاعت باندھے دربار میں حاضر ہوں گے۔

یہاں یہ کیفیت دیکھ کر اس کا کیا حال ہوا ہوگا؟ یہ دیکھ کر اعرابی کے ہاتھ پاؤں
پھول گئے۔ تمام بدن میں رعشہ پڑ گیا۔ کسی طرح اپنے کو قریب پہنچایا اور کہا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

پھر رو رو کر قدمِ مبارک چومنے لگا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا:

"بھائی! تو کون ہے کہ اس بیکسی میں مجھ پر سلام کرتا ہے؟ یہاں تو کوئی مجھے سلام
کے قابل نہیں سمجھتا؟

اُس نے عرض کی: آپ کی دُختر مریضہ کا قاصد ہوں۔ اُس نے عریضہ پیش کیا۔
آپ وہ خط لے کر خیمہ کے در پر تشریف لائے اور باآوازِ بلند فرمایا: اے زینبؑ و
اُم کلثومؑ، اے سکینہؑ و رقیہؑ! یہاں آؤ کہ فاطمہ صغریٰ کا خط آیا ہے۔

سب بیبیاں بیتاب ہو کر آواز پر دوڑیں۔ حضرتؑ نے جو اس خط کو کھولا تو لکھا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. مِنْ فَاطِمَةَ الصُّغْرٰی
بِنْتِ الْحُسَیْنِ ابْنِ عَلِیٍّ اِلٰی وَالِدِهَا الْحُسَیْنِ".

یعنی فاطمہ صغریٰ کی طرف سے اس کے پدرِ بزرگوار، فرزندِ رسولؐ جناب امام
حسینؑ کی خدمت میں ہزار ہزار تسلیمات و تحیات قبول ہوں اور چچا عباسؑ اور سب بھائیوں
اور بہنوں کو میرا سلام پہنچے۔

"اَلسَّلَامُ التَّامُ عَلٰی اَخِیْ وَقُرَّةِ عَیْنِیْ عَبْدِاللّٰهِ
الرَّضِیْعِ الصَّغِیْرِ".

پھر میرے نورِ چشم چھوٹے بھائی شیر خوار علی اصغرؑ کو بہت بہت سلام و دعا کہنا۔

اے بابا! آپ کو اور سب عزیزوں کو خدا کی قسم دیتی ہوں کہ میری طرف سے علی
اصغرؑ کے بوسے لینا اور بہت پیار کرنا۔

کیوں بابا! آپ نے اچھا وعدہ کیا تھا کہ جب میں عراق پہنچوں گا تو چچا اور بھائی
کو تیرے لینے کے واسطے بھیجوں گا۔ کیا وہاں جا کر دل سے بھلا دیا؟ میری بیماری اور تنہائی کا
بھی خیال نہ کیا؟ اب تک تارے گن گن کر میں نے جدائی کی راتیں کاٹی ہیں مگر کوئی لینے کو
نہ آیا۔ آخر کہاں تک انتظار کے صدمے اُٹھاؤں گی۔ یقین ہے کہ کچھ دنوں تک سنسان گھر
دیکھ دیکھ کر اکیلے گھبرا گھبرا کر مر جاؤں گی۔

جب حضرتؑ تمام خط ملاحظہ کر چکے تو رنج و ملال سے عجب حال ہوا، دفعتاً چہرۂ
مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ جن کو مریض بیٹی نے سلام لکھا تھا، اُن کی صورتیں یاد آ گئیں۔
عباسؑ کا شانہ کٹوانا، اکبرؑ کا برچھی کھانا، اصغرؑ کا نشانہ تیر ہونا، آنکھوں میں پھرنے لگا۔

بے اختیار دیر تک روتے رہے۔ پھر فرمایا:

"اے فاطمہؑ! تیری خاطر مجھے عزیز ہے، جس جس کو تو نے سلام لکھا ہے، میں

انہیں تیرا سلام پہنچاتا ہوں"۔

یہ فرما کر قتل گاہ کی طرف چلے۔ پہلے بتیس برس کے جوان بھائی کے لاشے پر نظر پڑی۔ قریب جا کر بیٹھ گئے اور فرمایا: عباسؑ! اُٹھو، بھتیجی نے تم کو وطن سے سلام لکھ بھیجا ہے اور شکایت کی ہے کہ اب تک میرے ملنے کو مدینہ میں نہ آئے۔ کچھ منہ سے بولو، کیا جواب لکھ بھیجوں؟ یہاں تمہارا تو یہ حال ہوا، وہاں فاطمہؑ تمہارا انتظار کرتی ہے۔

پھر اُٹھ کر عزیزوں کی لاشوں کو پیغام پہنچاتے ہوئے اُس مقام پر آئے جہاں چھ مہینے کے بچے کی ننھی سی لاش دھوپ میں ریت پر پڑی تھی۔

راوی کہتا ہے کہ جب امام علیہ السلام اس معصومؑ کی لاش پر پہنچے تو حضرتؑ کا حال دیکھا نہ جاتا تھا، اس لئے کہ فاطمہ صغریٰ نے لکھا تھا کہ تم سب کی مفارقت سے نہایت رنج و وحشت ہے۔ مگر خاص جدائی علی اصغرؑ کی مجھے مارے ڈالتی ہے۔ ہر دم وہ بھولی بھولی صورت آنکھوں میں پھرا کرتی ہے۔ بے ساختہ حضرتؑ لاشِ اصغرؑ پر گر پڑے۔ کبھی اس گلوئے نازک کو، جس پر حرملہ کا تیر لگا تھا، چومتے تھے، کبھی وہ چھوٹا سا دہن جس میں تین دن سے دودھ یا پانی کا قطرہ نہ گیا تھا، اُس کو چومتے تھے۔

بیبیوں نے یہ بیقراری دیکھ کر حضرتؑ کو لاش سے علیحدہ کیا۔ اس کے بعد وہ ننھی سی میت لے کر دفن کرنے چلے۔ اُس وقت آپؑ کی بیٹیاں دوڑیں اور کہنے لگیں:

بابا! ذرا ٹھہر جائیں کہ فاطمہ صغریٰ کی طرف سے ہم سب اصغرؑ کو پیار کر رہی ہیں۔

رُقیہؑ نے شیرخوار بچے کو گلے سے لگا کر کہا: ہائے بھائی! تم تو یہاں آغوشِ اجل میں آرام کر رہے ہو، وہاں تمہاری بہن تمہیں دیکھنے کیلئے تڑپتی ہے۔

بہر کیف امامؑ نے نہایت دُشواری سے وہ لاش بیٹیوں سے لے لی اور قتل گاہ میں لے جا کر دفن کر دی۔

مؤمنین! اُدھر فاطمہ صغریٰ کو تو یہ اشتیاق تھا کہ خط پہنچتے ہی چچا عباسؑ یا بھائی علی

اکبرؑ ضرور مجھے لینے آئیں گے۔ جب قاصد یہاں سے یہ خبر لے کر پہنچا ہوگا:

اے فاطمہ صغریٰ! تیرے چچا کے شانے کاٹے گئے، اکبرؑ کے سینہ پر نیزہ لگا، اصغرؑ نے حلق پر تیرِ ظلم کھایا۔ تیرے بابا تشنہ لب ذبح ہوئے۔ بیمار بھائی طوق و زنجیر میں گرفتار ہو کر بہنوں کے ساتھ شام گئے۔

جب فاطمہ صغریٰ کو یہ سب معلوم ہوا ہوگا تو کیا حال ہوا ہوگا۔ غرض یہ جامہ صبر حضرات آئمہ ہدیٰ اور اُن کی ذریت کے واسطے روزِ ازل سے لکھ دیا گیا تھا ورنہ بشر کی کیا مجال کہ اتنے مصائب سن کر برداشت کرے!!

فضائلِ مجلس، جنابِ رسولؐ خدا کا جنابِ سیدہؑ کو شہادتِ امام حسینؑ کی خبر دینا، عزادار کا اپنے پسر کو بیچنا اور شہادتِ امام حسینؑ

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ بَكٰى عَلٰى مُصَابِ الْحُسَيْنِ اَوْتَذَكَّرَ اَوْجَلَسَ فِىْ مَجْلِسٍ اَوْخَدَمَ اَهْلَ الْعَزَآءِ كَاَنَّهٗ زَارَنِىْ عَلَى الْعَرْشِ اَرْبَعِيْنَ مَرَّةً مَعَ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ".

شفیع المذنبین، جنابِ سید المرسلینؐ نے فرمایا: جو مومن شخص میرے فرزند حسینؑ کی مصیبت پر روئے یا ذکر کرے اور مولاؑ کی مصیبتوں کو یاد کرے یا مجلس عزائے حسینؑ میں بیٹھے یا عزاداروں اور اہل مجلس کی خدمت کرے گا، گویا اُس نے عرشِ خدا پر علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ چالیس مرتبہ میری زیارت کی۔ یعنی اُس کو چالیس معراج کا ثواب ہوگا۔

"رُوِىَ اَنَّهٗ لَمَّا اَخْبَرَ النَّبِىُّ بِنْتَهٗ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءَ بِقَتْلِ وَلَدِهَا الْحُسَيْنِ وَمَايَجْرِىْ عَلَيْهِ مِنَ الْمِحَنِ".

منقول ہے کہ ایک روز جنابِ رسولؐ خدا نے اپنی پارۂ جگر فاطمہ زہراؑ کو شہادتِ امام حسینؑ کی خبر دی اور جو مصیبتیں مظلومؑ کربلا پر واقع ہونے والی تھیں، بیان کیں۔

"فَبَكَتْ فَاطِمَةُ بُكَآءً شَدِيْدًا".

معصومہؑ بہت شدت سے روئیں اور عرض کی:

"یہ حادثہ میرے حسینؑ پر کب واقع ہوگا؟"

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِىْ زَمَانٍ خَالٍ مِنِّىْ وَمِنْكِ وَ مِنْ عَلِيٍّ".

حضرتؐ نے فرمایا: افسوس! حسینؑ کی تنہائی کا کیا پوچھتے ہو؟ جب وہ مظلومؑ ان مصائب میں مبتلا ہوگا تو نہ میں ہوں گا، نہ تم ہوگی اور نہ علیؑ ہوں گے۔

یہ سن کر جنابِ سیدہؑ پہلے سے بھی زیادہ بیقرار ہو کر روئیں اور کہنے لگیں:

"يَا اَبَتِ فَمَنْ يَبْكِىْ عَلٰى وَلَدِىْ وَمَنْ يَلْتَزِمُ بِاِقَامَةِ الْعَزَاءِ".

کیوں بابا! جب ہم میں سے کوئی نہ ہوگا تو پھر میرے حسینؑ پر کون روئے گا؟

حضورؐ نے فرمایا:

"يَا فَاطِمَةُ اِنَّ نِسَآءَ اُمَّتِىْ يَبْكِيْنَ عَلٰى نِسَاءِ اَهْلِ بَيْتِىْ وَرِجَالُهُنَّ يَبْكُوْنَ عَلٰى رِجَالِ اَهْلِ بَيْتِىْ".

"اے فاطمہؑ! میری اُمت کی عورتیں زنانِ اہل بیتؑ کے حال پر روئیں گی اور میری اُمت کے مرد اہل بیتؑ کے مردوں پر گریہ کریں گے"۔

"وَيُجَدِّدُوْنَ الْعَزَآءَ جِيْلًا بَعْدَ جِيْلٍ فِىْ كُلِّ سَنَةٍ"

اور ہر سال تمہارے شیعہ اور دوست ایک گروہ بعد ایک گروہ کے عزاداریِ حسینؑ کا سامان کریں گے۔ مجلس برپا کر کے ماتم کیا کریں گے۔

"فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ تَشْفَعِيْنَ اَنْتِ فِى النِّسَآءِ وَاَنَا اَشْفَعُ فِى الرِّجَالِ".

جب روزِ قیامت ہوگا، تم اُن عورتوں کی شفاعت کروگی اور اُن مردوں کی شفاعت میں کروں گا۔

بہ تحقیق جو حالِ حسینؑ پر روئے گا:

"اَخَذْنَاهُ بِيَدِهٖ وَاَدْخَلْنَاهُ الْجَنَّةَ".

"ہم اُسے ہاتھ پکڑ کے جنت میں داخل کریں گے"۔

مؤمنین! جنابِ رسولِ خدا نے جن رونے والوں اور عزاداروں کو فرمایا، اُن سے آپ ہی لوگ مراد ہیں کہ ہر سال مجالس عزا برپا کر کے اپنے آقا کو روتے ہیں اور ماتم داری کرتے ہیں۔ خیال کرنا چاہئے کہ شیعوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنا مال قربان کر کے، بلکہ اولاد کو بیچ کر امامؑ کی مجلس عزا برپا کی ہے۔

صاحب اسرار الشہادۃ، شیخ عبدالاعظم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مردِ دیندار، دوستدارِ رسولِ مختار، شیعہ اہل بیتِ اطہار ملک ہند کا رہنے والا ہر سال مظلومؑ کربلا کی مجلس و ماتم برپا کرتا تھا۔ اُس کا یہ معمول تھا کہ بعد عشرۂ محرم سارا اسباب وغیرہ فقراء و مساکین کو دے ڈالتا تھا۔

ایک سال حسبِ معمول اس کے یہاں مجلس تھی کہ حاکم شہر اس طرف سے گزرا اور لوگوں کے رونے پیٹنے کی آواز کان میں آئی۔ پوچھنے لگا کہ یہ شور کیسا ہے؟ خادموں نے کہا کہ یہاں ایک رافضی رہتا ہے۔ اُس کے مکان میں حسینؑ کی مجلس ہے، لوگ روتے پیٹتے ہیں۔ حاکم سن کر غضبناک ہوا اور اُس مؤمن کو بلایا اور سخت کلمات کہے۔ بے گناہ کو دُرّے مارنے کا حکم دیا اور کہا کہ اس کا گھر لوٹ لو۔

خادموں نے سارا مال واسباب اور یہاں تک کہ عورتوں کے لباس بھی چھین لئے۔ یہ سب مصیبتیں گزریں مگر اس مؤمن نے اپنی بربادی کا غم نہ کیا۔ اسی طرح دوسرا سال آ پہنچا۔ اب کونسا مال باقی تھا جس سے مجلس کا سامان کرتا، اپنی ناداری پر بہت مغموم ہوا۔ جس قدر عشرۂ عزا کے دن قریب آ رہے تھے، اُس کا غم بڑھتا جاتا تھا۔ ایک روز اسی غم میں بیٹھا سر جھکائے رو رہا تھا کہ زوجہ نے کہا: کیوں غمگین ہو رہے ہو؟ مال لٹ جانے سے روتے ہو؟

اُس نے کہا: مال کا تو رنج نہیں مگر یہ صدمہ ہے کہ مفلسی کی بدولت اس سال عزاداری کی سعادت سے محروم ہو رہا ہوں۔

وہ بولی: کچھ تردد نہ کرو، خدا نے مجھے ایک لڑکا دیا ہے۔ دوسرے شہر میں جا کر اُسے بیچ ڈالو اور قیمت سے عزاداریٔ حسینؑ کا سامان مہیا کرو۔

وہ مؤمن نہایت خوش ہوا اور لڑکے کو ساتھ لے چلا۔ شہر کے باہر پہنچ کر دیکھا کہ ایک بزرگوار نورانی صورت جن کے نورِ پیشانی سے تمام وادی روشن ہے۔ قریب آ کر کہنے لگے: اے جوان! کہاں جانا ہے اور کیا ارادہ ہے؟

اُس نے کہا: اس غلام کو بیچنے جاتا ہوں۔

انہوں نے بلا عذر کم و بیش قیمت پوچھ کے دے دی۔ وہ تو غلام کو لے کر چل دیئے۔ یہ مؤمن قیمت لے کر خوش خوش گھر آیا۔ زوجہ نے کیفیت پوچھی، بیان کرنے لگا۔

ابھی یہ باتیں ختم نہ ہوئی تھیں کہ لڑکا والدین کے پاس آ پہنچا۔

باپ نے پوچھا: کیا بھاگ آیا ہے؟

لڑکے نے کہا کہ نہیں۔ جب آپ نظروں سے اوجھل ہو گئے، میں رونے لگا۔

اُس بزرگوار نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ میں نے کہا کہ اپنے آقا کی جدائی کی وجہ سے روتا ہوں، اُس نے بڑے ناز و نعمت سے پالا تھا۔

فرمانے لگے: تو غلام نہیں بلکہ اس کا لڑکا ہے۔

میں نے عرض کی: آپ کون ہیں؟

فرمایا: میں وہی مظلومؑ ہوں جس کی عزاداری کیلئے تجھے بیچا گیا ہے۔

"اَنَا الْغَرِيْبُ الْمُشَرَّدُ اَنَا الَّذِىْ قَتَلُوْنِىْ عَطْشَانًا مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ".

"میں وہی غریب ہوں جس کو ظالموں نے وطن سے جدا کر کے جنگل میں بھوکا

پیاسا گوسفند قربانی کی طرح ذبح کیا ہے"۔

پھر فرمایا: "خدا تیری آنکھیں روشن کرے۔ مغموم نہ ہو، ابھی میں تجھے تیرے والدین تک پہنچائے دیتا ہوں۔ اپنے باپ سے کہنا کہ جس قدر تیرا مال غارت ہوا، حاکم شہر اُس سے زیادہ مال تجھے دے گا"۔

ابھی یہ باتیں باپ بیٹے میں ہو رہی تھیں کہ اچانک کسی شخص نے دروازے پر دق الباب کیا اور آواز دی: اے عزادارِ حسینؑ! تجھے حاکم شہر یاد کرتا ہے۔

جب وہ مؤمن حاکم کے پاس حاضر ہوا، اُس نے بہت عزت و تعظیم کی اور نہایت اخلاق سے پیش آیا اور اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ پھر سارا مال و اسباب اُس کے حوالے کیا اور اپنی طرف سے بھی بہت کچھ دیا اور کہا:

"اے مردِ صالح! آئندہ امام غریب کی عزاداری جس طرح جی چاہے، کر، میں تجھے ہر سال دس ہزار درہم دیا کروں گا۔ بھائی! میں نے عالم رؤیاء میں دیکھا کہ جناب مظلومِ کربلا تشریف لائے اور فرمایا: تو میرے عزاداروں کو تکلیف دیتا ہے اور مجلس کرنے سے منع کرتا ہے؟ لازم ہے کہ میرے عزادار کا مال و اسباب واپس کر دے اور اپنی غلطی کی معافی مانگ۔ اگر تو اس طرح نہیں کرے گا تو میں زمین کو حکم دوں گا کہ تجھے اور تیرے مال کو نگل جائے۔

یہ خواب دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی۔ اُس وقت سے میں نے اپنے افعال قبیحہ سے توبہ کی اور حضرتؑ کی بدولت راہِ راست اختیار کی۔ ہم سب مع اپنے بال بچوں کے شیعہ ہو گئے ہیں"۔

مؤمنین! مولاؑ کا معجزہ ملاحظہ کیجئے کہ امام حسین علیہ السلام کے طفیل اس مؤمن عزادار کا فرزند اس سے آ کر ملا اور جو دولت برباد ہوئی تھی، اس سے زیادہ حاکم نے اُسے عطا کی۔ مگر افسوس! حاکم شام کے حکم سے کربلا میں اسی حسینؑ مظلوم کی دولت ایسی برباد ہوئی کہ

پھر نہ ملی، یہاں تک کہ معصوم صغیرؑ باقی تھا، اُسے بھی موت نے لوٹ لیا۔ ظالموں نے تیرِ ستم سے شہید کیا۔

"فِی بَعْضِ الرِّوَایَاتِ وَهِیَ اَقْرَبُ اِلَی الْعَقْلِ لِاَنَّ الْحَالَ مَا كَانَ وَقْتَ تَوْدِیْعٍ لِلصَّبِیِّ لِاشْتِغَالِهِمْ بِالْحَرْبِ وَالْقِتَالِ"۔

بعض روایات میں آیا ہے اور حالات دیکھ کر معلوم بھی ہوتا ہے کہ جناب امام حسینؑ کو فوجِ اشقیاء نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنے فرزندِ صغیر کو وداع کرتے۔ وہ ملعون چاروں طرف سے حضرتؑ پر نیزہ و شمشیر مارتے تھے۔

"وَاِنَّمَا زَیْنَبُ اُخْتُهٗ اَخْرَجَتِ الصَّبِیَّ وَقَالَ یَاقَوْمِ قَدْ قَتَلْتُمْ شِیْعَتِیْ وَاَهْلَ بَیْتِیْ وَقَدْ بَقِیَ هٰذَا الطِّفْلُ عَطْشَانًا فَاسْقُوْهُ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ فَهٰهُنَا یُخَاطِبُهُمْ اِذْ رَمَاهُ رَجُلٌ مِنْهُمْ بِسَهْمٍ فَذَبَحَهٗ"۔

اسی اثناء میں جناب زینبؑ نے جب اصغرؑ کا حال بہت متغیر پایا تو اس معصوم کو گود میں لے کر درِ خیمہ پر تشریف لائیں۔ سید الشہداءؑ نے بہن کی گود میں اپنے فرزند کو دیکھ کر اس قومِ جفا کار سے فرمایا: اے اہلِ کوفہ و شام! تم نے ہمارے تمام عزیز و انصار کو ناحق قتل کیا۔ اب فقط یہ طفل صغیر باقی ہے۔ یہ بھی شدتِ پیاس سے مرنے والا ہے۔ ایک گھونٹ پانی اس شیر خوار بچے کو پلا دو۔

آپؑ ابھی یہ فرما رہے تھے کہ ناگاہ ایک لعین نے علی اصغرؑ کے گلے پر ایسا تیر مارا کہ وہ بچہ امام حسینؑ کی گود میں تڑپ کر شہید ہو گیا۔ اس وقت امامؑ مظلوم بیقرار ہو کر رونے لگے اور عرض کی:

"خداوندا! گواہ رہنا کہ میرا بچہ بے قصور و بے گناہ ہے

سے کم نہ تھا اور یہ بھی میرا فرزند میرے نانا کی شکل سے مشابہ تھا"۔

غرض جناب زینبؑ نے مولاؑ سے علی اصغرؑ کو لیا اور میت زمین پر رکھ دی۔ سب بیبیاں روتی پیٹتی اس معصوم کی لاش پر آئیں اور "ہائے اصغر، ہائے فرزند" کہہ کر بین کرتی تھیں۔ علی اصغرؑ کی والدہ زمین پر گریں اور رو رو کر کہتی تھیں: ہائے فرزند! تیری ماں سوگوار نہ جانتی تھی کہ تیرا دودھ کربلا میں تیرِ ستم سے چھڑوایا جائے گا۔

اس طرح درد بھرے بین کئے کہ سننے والوں کے جگر پاش پاش ہو گئے۔ الغرض علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد فوجِ ستم نے امامِ مظلوم کو اتنا زخمی کیا کہ روایت مشہور ہے کہ آپ کے جسم مبارک پر ایک ہزار نو سو پچاس زخم نمایاں تھے اور جسم مبارک سے خون فوارے کی طرح بہہ رہا تھا۔

مولاؑ گھوڑے کی زین پر جھول رہے تھے۔ اسی اثناء میں خولی ملعون نے ایک سہ پہلو تیر قلبِ اقدس پر مارا۔ حضرتؑ نے اس تیر کو کھینچ کر پھینک دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس تیر کے نکلتے ہی خون بہت تیزی سے جاری ہوا اور امامِ بیکس نے وہ لہو لے کر اپنے چہرۂ انور اور ریشِ اطہر پر ملا اور خضاب کیا۔

"فَقِيلَ فِي ذٰلِکَ فَقَالَ حَتّٰى اَلْقٰى رَبِّي وَاَنَا مُخَضَّبٌ بِدَمِي فَاَشْكُوْ رَبِّي مَالَقِيْتُ مِنْ اُمَّةِ جَدِّيْ".

اسی حالت میں کسی شخص نے سوال کیا: "یا ابن رسول اللہ! اس خون کو آپ کیوں ملتے ہیں؟

فرمایا: چاہتا ہوں کہ اسی طرح خون سے خضاب کئے ہوئے پروردگار سے ملاقات کروں اور اس ظلم و جور کی شکایت کروں جو اس اُمتِ جفاکار نے مجھ پر کئے ہیں۔

جب اشقیاء نے آپ کو ضعیف و ناتواں پایا، سب نے مل کر حملہ کیا اور آگے بڑھ

کر ابن انس نے ایسا نیزہ سینۂ اقدس پر مارا کہ پشتِ اطہر سے پار ہو گیا۔

"فَلَمَّا جَذَبَ رُمْحَهُ وَقَعَ الْحُسَيْنُ عَنْ فَرَسِهِ عَلَى الْاَرْضِ وَيَخُوْرُ فِي دَمِهِ وَيَشْكُوْ رَبَّهُ".

جب اُس لعین نے نیزہ میرے مولاؑ کے سینۂ اقدس سے کھینچا، میرے مولاؑ پشتِ ذوالجناح سے زمین پر آئے اور کاری زخموں کی وجہ سے تڑپ رہے تھے اور اپنے پروردگار سے اس اُمتِ جفاکار کی شکایت کر رہے تھے۔

راوی کہتا ہے کہ اسی حال میں مولاؑ نے کھڑے ہونے کا قصد کیا۔ کچھ اُٹھے تھے کہ ضعف و ناتوانی سے غش کھا کر گر پڑے اور ساتھ ہی زرعہ بن شریک شامی نے تلوار شانۂ مبارک پر ماری اور دوسرے ملعون نے تلوار سرِ اطہر پر لگائی۔

"فَسَالَ الدَّمُ عَلٰى وَجْهِهِ وَعَيْنِهِ وَلِحْيَتِهِ"

پس اس زخم سے سرِ اقدس سے اس قدر خون جاری ہوا کہ تمام چہرۂ انور لہو سے بھر گیا، چشم مبارک مع ریشِ اطہر خون سے تر ہو گئی۔

ناگاہ شمر ملعون آیا۔ اس شقی نے ظلم کیا۔ سر مبارک بدن سے کاٹ کر بے ادبی سے زمین پر رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ سر بریدہ ایک نیزۂ طویل پر رکھ کر بلند کیا۔ لشکرِ یزید نے قتلِ حسینؑ کی خوشی میں تکبیریں کہیں۔ اس عظیم حادثہ سے زمانہ تیرہ و تار ہو گیا۔ زمین و آسمان کانپنے لگے۔ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ ہر طرف سے آوازِ "قَدْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ" آنے لگی۔

اشک کا موتی بننا، عزادار کا دُختر کو بیچنا خیمہ اہلِ بیتؑ اور پیرہنِ سکینہؑ کا جلنا، شہادتِ امام حسینؑ، دو اطفال کا پیاس سے مرنا

قَالَ الصَّادِقُ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ كَانَتِ الْمَلاَ ئِكَةُ يَاخُذُوْنَ رَجُلًا لَيْسَ لَهُ عَمَلٌ حَسَنٌ وَيَسُوْقُوْنَهُ اِلٰى جَهَنَّمَ".

مصحفِ ناطق جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب قیامت قائم ہوگی اور بہ نسبت ہر ایک نیک و بد کے احکامِ خدا جاری ہوں گے، اس وقت فرشتہ عذاب یعنی جہنم کا فرشتہ ایک شخص کو جس کا کوئی نیک عمل نہیں تھا، وہ اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے گناہگار تھا، فرشتہ اُسے گرفتار کر کے دوزخ کی طرف لے چلے گا۔

"فَيُنَادِىْ مُنَادٍ قِفُوْا يَامَلاَ ئِكَتِىْ فَاِنَّ لَهُ اَمَانَةً عِنْدِىْ فَيُعْطٰى لَهُ دُرَّةً بَيْضَآءُ يُضِىْ مِنْ نُوْرِهَا الْمَحْشَرُ"

اسی اثناء میں جانبِ پروردگارِ عالم سے ایک منادی ندا کرے گا: اے ملائکہ! ٹھہرو کہ اس مردِ گناہگار کی ہمارے پاس ایک امانت ہے، ملائکہ ٹھہر جائیں گے۔ پس اس شخص کو ایک ایسا موتی تابندہ و درخشاں، جس کے نور سے تمام محشر روشن ہو جائے گا، عنایت ہوگا۔ وہ اس موتی کو دیکھ کمالِ تعجب سے جنابِ احدیت میں عرض کرے گا: خداوندا! مجھے اپنی اس امانت کا کچھ علم نہیں لیکن تو علام الغیوب ہے۔

"فَيَقُوْلُ لَهٗ يَاعَبْدِىْ هٰذِهٖ عَبْرَةٌ سَالَتْ عَلٰى خَدِّكَ فِىْ مَصَائِبِ الْحُسَيْنِ فَاذْهَبْ بِهَا عِنْدَا الْاَنْبِيَآءِ وَالْاَوْصِيَآءِ لِيُقَوِّمُوْا ثَمَنَهَا".

اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی: اے شخص! یہ دُرِّ بے بہا حقیقت میں ایک آنسو ہے جو ایک مرتبہ مصائبِ حسینؑ میں تیری آنکھ سے نکل کر تیرے رُخسار پر جاری ہوا تھا۔ اب اس موتی کو سب انبیاء کے پاس لے جا اور ہر ایک سے اس قیمتی موتی کی قیمت پوچھ۔

وہ شخص تمام انبیاء و اوصیاء، حتیٰ کہ خاتم النبیین و جنابِ امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں اس موتی سمیت حاضر ہوگا اور اس کی قیمت پوچھے گا۔ کوئی نبی اور وصی اس کی قیمت نہ بتا سکے گا۔ سب بزرگوار اس گوہر آبدار کو دیکھ کر تعجب کریں گے۔

"حَتّٰى يَحْضُرَ مَعَهَا فِىْ حَضْرَةِ الْحُسَيْنِ فَلَمَّا يَنْظُرُ اِلَيْهِ الْحُسَيْنُ يُعَانِقُهٗ وَيُلَاطِفُهٗ كَالْاَبِ الشَّفِيْقِ لِوَلَدِهٖ".

یہاں تک کہ وہ مردِ مؤمن خدمت باسعادت جنابِ امام حسینؑ میں وہ موتی لے کر حاضر ہوگا۔ دیکھتے ہی جنابِ امام حسینؑ کھڑے ہو جائیں گے اور گلے سے لگا لیں گے اور اس شفقت سے پیش آئیں گے جس طرح کوئی مہربان باپ اپنے فرزند سے شفقت و مہربانی سے پیش آتا ہے۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام قائمہ عرشِ الٰہی تھام کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: اے پروردگارِ عالم! یہ موتی اصل میں ایک دانۂ اشک ہے جو اس مؤمن کی آنکھ سے مجھ مظلومؑ کی مصیبت پر جاری ہوا تھا۔ اس کی قیمت یہ ہے کہ تو اس شخص کو آتشِ دوزخ سے نجات عطا فرما اور اپنے فضل و کرم سے اسے بہشت میں میرے ساتھ داخل فرما۔

"فَيَاتِى النِّدَاءُ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ يَاحُسَيْنُ قَدْغَفَرْتُ لَهٗ وَلِوَالِدَيْهِ بِحَقِّكَ وَاَدْخَلْنَاهُ فِىْ دَرَجَتِكَ".

پس امام حسین علیہ السلام کی دُعا درگاہِ ربِ جلیل میں قبول ہوگی اور ارشادِ باری

تعالیٰ ہوگا: اے حسینؑ! جو کچھ تو نے اس موتی کی قیمت مقرر کی، اس کے مطابق ہم نے اس گناہگار کے تمام گناہ معاف کر دیئے بلکہ اس کے ماں باپ کو بھی تیرے سبب سے معاف کیا اور انہیں بھی تیرے ساتھ بہشت میں داخل کیا۔

"یَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَمَّا کَانَتْ هٰذِهٖ مَرَاتِبُ مَنْ یَبْکِیْ عَلٰی مُصَابِهٖ عَبْرَةً فَمَا اَعْلٰی مَرَاتِبَ مَنْ بَذَلَ وَلَدَهٗ فِیْ مَرْضَاتِهٖ".

مؤمنین! اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبتِ حسینؑ میں رونے والوں کا تو یہ مرتبہ ہے، اُن لوگوں کی کیا قدر و قیمت ہوگی جنہوں نے مولاؑ کی محبت میں اپنی اولاد کو بیچ کر سامانِ عزا برپا کیا۔

چنانچہ صاحب لسان الواعظین لکھتے ہیں کہ ایک مؤمن دیندار عزادار فرزند رسولؐ مختار ایک سال ایسا تنگدست و ناچار ہوگیا کہ سامانِ عزا نہ ہوسکا۔ اس وجہ سے نہایت محزون و مغموم رہتا تھا۔ جب عشرۂ محرم قریب آیا تو اُس کی زوجہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ محرم کا چاند بہت قریب ہے لیکن تو نے ابھی تک عزاداری کا سامان نہیں کیا اور میں ہر وقت تجھے پریشان حال دیکھتی ہوں۔

شوہر نے کہا کہ مغموم کیوں نہ ہوں کہ ہلالِ غم قریب آپہنچا ہے اور میں بہت تنگدست ہوں۔

عورت نے کہا: کچھ غم نہ کر، مجھ کو راہِ حسینؑ میں بیچ ڈال۔

وہ دیندار رونے لگا اور کہا: تو اس شہر میں کنیزانِ جنابِ سیدہؑ سے مشہور ہے۔ کیونکر تجھے داغِ کنیزی دوں اور ننگِ ناموس اختیار کروں؟

زوجہ نے کہا: اگر میری مفارقت ناگوار اور میرا بیچنا ننگ و عار ہے تو بیٹی کو بیچ کر سامانِ عزاداری مہیا کر۔

غرض اُنہوں نے اپنے اس ارادے کو بیٹی پر ظاہر کیا، وہ راضی ہوگئی۔ رضامند پا کر بیٹی کو لباسِ نفیس پہنایا اور نقاب چہرہ پر ڈال کر بازار جانے کا قصد کیا۔ اُس وقت لڑکی نے اپنی ماں سے وصیت کی: اے اماں! جب میری جدائی میں بے چین ہونا تو جنابِ فاطمہ زہراؑ کی بیٹیوں کے مصائب یاد کر کے صبر کرنا۔ جب زیادہ بیتاب ہونا تو جنابِ سکینہؑ کی مصیبت پر خیال کرنا کہ وہ معصومہؑ تین سال کے سن میں یتیم ہوئیں اور غربت میں کیا کیا مصائب اُٹھائے۔ دل کو صبر آجائے گا۔

الغرض وہ ماں سے رخصت ہو کر اپنے باپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ جب بازار بردہ فروش میں پہنچی تو شرم کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہونے لگی۔ لڑکی نے آہستہ سے اپنے باپ سے عرض کی: آپ بالکل پریشان نہ ہوں، آپ تصور کیجئے کہ ہم گناہگاروں کی نجات کیلئے حضرت علیؑ اور فاطمہ زہراؑ کی بیٹیوں کو کوچہ کوچہ، بازارِ شام میں سر برہنہ پھرایا گیا۔

اس طرح کے کلمات بیان کر کے اپنے باپ کی تسکین کرتی تھی۔ بہرکیف ایک سوداگر نے اس لڑکی کو خرید لیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اُس وقت لڑکی نے سوداگر سے کہا کہ ذرا مجھے مہلت دے کہ میں اپنے آقا سے وداع ہولوں۔ اُن نے مجھے بڑے ناز و نعم سے پالا ہے اور ہماری تربیت میں خون پسینہ ایک کیا ہے۔

سوداگر نے اجازت دی۔ لڑکی دوڑ کر باپ کے قدموں پر گر پڑی اور رو رو کر عرض کرنے لگی: اے بابا! جس وقت امام بارگاہ میں شمع روشن کرنا تو مجھ کو ضرور یاد کرنا۔

یہ کہہ خریدار کے ساتھ روانہ ہوئی۔ جب وہ سوداگر اپنے گھر پہنچا، اُس کی بیٹیوں نے اُسے آکر ہر طرف سے گھیر لیا اور ہر لڑکی اس کی خدمت گزاری میں مشغول ہوئی۔

شب کو اُس سوداگر نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ آسمان کے در کھل گئے ہیں اور ملائکہ طبق ہائے نورانی لئے آسمان سے چلے آتے ہیں۔ ایک فرشتہ نے آواز دی:

اے سوداگر! مؤدب ہوجا کہ رسولِ خداؐ تشریف لاتے ہیں۔

یہ صدا سن کر اُسی عالم رؤیاء میں استقبال کو دوڑا۔ دیکھا کہ جنابِ رسالت مآبؐ
کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہیں۔ وہ قدم مبارک پر گر پڑا اور عرض کی:

"اے شفیعِ روزِ قیامت! خوشا نصیب و زہے سعادت کہ آپؐ کے قدموں کی برکت سے میرا خانۂ تاریک روشن ہوا۔ اس غلام کی کونسی خدمت پسندِ خاطرِ اقدس ہوئی کہ آپؐ نے سرفراز فرمایا؟"

حضرتؐ نے ایک آہِ سرد کھینچی اور فرمایا: "میں خاص طور پر اُس دختر کو دیکھنے آیا ہوں جسے تو نے آج خریدا ہے۔ یہ دُختر مجھے دل سے عزیز ہے، اس لئے کہ میرے فرزند غریب حسینؑ کی عزادار ہے۔

اے شخص! اس کی قیمت مجھ سے لے اور اسے اس کے باپ تک پہنچا دے"۔

یہ خواب دیکھ کر وہ سوداگر چونک پڑا اور اس لڑکی کو بہت سا مال و اسباب دے کر اس کے باپ تک پہنچا دیا۔

مؤمنین! مقامِ تامل و جائے انصاف ہے کہ جنابِ رسولِؐ خدا کو ایک عزادار کی دُختر کا ماں باپ سے جدا ہونا گوارا نہ ہوا اور آپؐ کی سفارش سے وہ لڑکی اپنے والدین سے آملی۔ کیا حال ہوا ہوگا اُس دن رسولِؐ خدا کا جب اہل بیتؑ طاہرین کے معصوم بچے پردیس میں اپنے بزرگوں اور وارثوں سے بچھڑے ہوں گے، اس طرح کہ پھر ملنے کی اُمید باقی نہ رہی تھی۔

مؤمنین! قاعدہ ہے کہ ہر شخص پردیس میں اپنے دوستوں کو یاد کرتا ہے، خصوصاً معصوم بچے کہ جب ان کو کسی طرح کا رنج پہنچتا ہے تو دو قسم کے لوگوں کو اپنی مدد کے واسطے ڈھونڈتے ہیں: مردوں میں باپ، بھائی، چچا وغیرہ کو۔

کربلا کے معصوم بچے کس کو پکاریں؟ کوئی تیغِ ستم سے ہاتھوں کو کٹوا کر دریا کے کنارے سو رہا تھا، کوئی نیزہ سینہ پر کھائے ریت پر پڑا تھا، کسی کی لاش گھوڑوں کے سموں

سے پاش پاش تھی۔ باپؑ کا یہ حال تھا کہ خنجرِ ظلم سے سجدۂ خالق میں سر کٹائے ایک مقامِ نشیب میں خاک و خون میں غلطاں پڑے ہوئے تھے۔

اسی لئے جنابِ صاحب الامر علیہ السلام زیارتِ ناحیہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

'اَلسَّلَامُ عَلَى الْخَدِّ التَّرِيبِ اَلسَّلَامُ عَلَى الشَّيْبِ الْخَضِيبِ'.

یعنی سلام ہو میرا اُس مظلومؑ پر جس کے رُخسار خاک سے بھر گئے تھے اور سلام ہو میرا اُس شہید پر جس کی ریش مبارک راہِ خدا میں خون سے خضاب ہوئی تھی۔

سَلَامٌ بِالصَّبَاحِ وَبِالْمَسَاءِ
عَلَى الْجِسْمِ الْمُرَمَّلِ بِالدِّمَاءِ

"سلام ہو میرا صبح و شام اس امامؑ عالی مقام پر جس کا جسم مبارک گرم ریتِ کربلا پر اپنے خون میں غلطاں پڑا رہا"۔

مؤمنین! جس مقام پر جنابِ امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے، اس پاک جگہ کو قتل گاہ کہتے ہیں۔ خدا آپ لوگوں کو زیارت سے مشرف کرے کہ وہ مقام بہت نشیب میں واقع ہے۔

مولاؑ اس وجہ سے مقامِ نشیب میں جا کر شہید ہوئے کہ مولاؑ نے خیال کیا کہ میری شہادت کا انداز دوسرے شہداء کے برعکس ہے۔ جس طرح مجھے شہید کیا جائے گا، ہمارے اہل بیتؑ نہ دیکھ سکیں گے۔ خصوصاً میری بہن زینبؑ تابِ مشاہدہ نہ لا سکے گی۔

اس لئے مولاؑ مقامِ نشیب تجویز کر کے پشتِ ذوالجناح سے زمین پر تشریف لائے اور شہید ہوئے۔

مؤمنین! مردوں میں کون باقی تھا جس سے وہ معصوم بچے اس غربت و بیکسی میں فریاد کرتے اور مدد کو بلاتے؟ فقط ایک بیمارؑ باقی تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کا یہ حال

تھا کہ فرشِ بیماری سے اُٹھنا محال تھا اور باقی بیبیاں تھیں۔ اُن بیبیوں کا حال کس زبان سے
بیان کیا جائے جس کے اظہار سے دل جلتا ہے اور کلیجہ شق ہوتا ہے۔

آہ! بعد شہادتِ مظلومؑ کربلا جب لعینوں نے خیمہ عصمت میں آگ لگائی اور
خیمے جلنے لگے تو جس طرف سے خیمہ جلتا تھا، اُس طرف سے بیبیاں مع معصوم بچوں کے جان
کے خوف سے مضطر و پریشان دُوسری جانب جاتی تھیں۔ جب آگ نے سب خیمے جلا دیئے
اور شعلے بلند ہونے لگے اور چاروں طرف سے آگ نے آگھیرا تو سب بیبیاں اور ننھے ننھے
بچے بیتاب ہو کر صحرائے ہولناک میں نکل پڑے۔

مؤمنین! وہ بیبیاں جنہوں نے سوائے راہِ دین و ایمان کے کبھی کوئی راستہ نہ
دیکھا تھا، اس بیابان میں کسی راستے سے واقف نہ تھیں۔ مثل اوراقِ مصحف منتشر و پریشان
ہوگئیں۔ ایک عجیب قیامت کا منظر تھا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ میں نے ایک بچی کو دیکھا جو خیمہ سے بیتابانہ فریاد کرتی
ہوئی نکلی جس کی عمر تقریباً تین یا چار سال تھی۔ وہ ایک جانب دوڑی، کانوں سے خون جاری
تھا۔ قمیص کے دامن کو آگ لگی ہوئی تھی اور وہ معصومہ کم عمری کی وجہ سے آگ کو بجھا نہیں سکتی
تھی۔ بیقرار ہو کر چاروں طرف دوڑتی ہے، جوں جوں دوڑتی ہے، وہ آگ اور بھڑکتی ہے۔

یہ حال دیکھ کر حمید کہتا ہے کہ مجھ سے برداشت نہ ہوا۔ میں نے دوڑ کر آگ کو بجھایا
اور پوچھا:

"مَنْ اَنْتِ یَاصَغِیْرَۃُ".

"اے بچی! تو کون ہے؟"

"فَقَالَتْ اَنَاسُکَیْنَۃُ بِنْتُ الْحُسَیْنِ".

"اُس صاحبزادی نے رو کر فرمایا: سکینہؑ دخترِ حسینؑ ہوں"۔

کچھ بیبیاں جو مقتل کی جانب پہنچیں تو وہاں یہ دیکھا:

عَلَیْھَا الْخَیْلُ تَجْرِیْ رَاکِضَاتٍ
فَقَدْدَارَتْ بِھَا دَوْرُ الرَّحَاءِ

کہ شہیدوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں پڑی ہیں اور ان کے پاک
جسموں پر اس طرح اشقیاء کے گھوڑے دوڑ رہے ہیں جس طرح چکی چلتی ہے۔

مقتل ابن عربی اور کشف الغمہ میں کمال الدین طلحہ سے منقول ہے کہ امام حسینؑ
نے آخری وقت وداع جناب زینب سلام اللہ علیہا سے یہ وصیت کی تھی کہ اے بہن! میری
شہادت کے بعد ہمارے بچوں کا بہت خیال رکھنا اور میرے یتیموں پر شفقتِ مادر کرنا۔

جناب زینبؑ فرماتی ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اور خیموں کے جلنے اور
اسباب کے لٹنے کے وقت ہم اہل بیتؑ کے بچے صحرا میں متفرق ہوگئے۔ پس میں نے اپنے
بھائی کی حسب وصیت سب بچوں کو ایک جگہ جمع کیا لیکن دو بچوں کا کہیں نشان نہ پایا۔

میں نے مضطرب ہو کر اپنی بہن اُم کلثومؑ کو آواز دی: اے بہن! جلدی آؤ، دو بچے
نہیں مل رہے۔ جب میں اپنی بہن کے ساتھ مقتل میں اس خیال سے پہنچی کہ شاید اپنے بابا
کی لاش سے لپٹے ہوں، مگر وہاں بھی بچے نہ تھے۔ پریشان ہو کر فرات کی طرف گئی، وہاں
بھی کچھ سراغ نہ ملا۔

پس ہم دونوں بہنیں بیابان کی طرف روتی ہوئی ان یتیموں کو پکارتی ہوئی چلیں۔
ہمیں خیال آتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دونوں معصوم کہیں مر گئے ہوں یا گھوڑوں کے سموں
تلے پامال ہوگئے ہوں۔

اسی اثناء میں ایک گڑھے کے قریب ہم دونوں بہنیں پہنچیں۔ ایک سیاہی نمودار
ہوئی، جب میں اس سیاہی کی طرف گئی تو دیکھا کہ دونوں یتیم گرم ریت پر گرے پڑے ہیں
اور ایک دوسری کی گردن میں بانہیں ڈالے ہوئے مثل چاند کے زمین پر پڑے ہیں۔

میں نے اپنی بہن کلثومؑ سے کہا اے بہن! آہستہ قدم اُٹھاؤ کہ یہ دونوں یتیم

سوئے ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ قدموں کی آہٹ سے چونک پڑیں۔ جب قریب پہنچی تو دیکھا کہ پھول سے رُخسار زرد ہو گئے ہیں اور کچھ خاک اُڑ کر ان کے منہ میں بھر گئی ہے اور آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں۔ میں نے چاہا کہ انہیں اُٹھا کر خیمہ کی طرف لے چلوں لیکن جب میں نے بچوں کے شانے کو حرکت دی تو دیکھا کہ ان کی روحیں جسموں سے مفارقت کر گئی ہیں اور پیاس سے زبانیں باہر نکلی ہوئی ہیں۔

میں بآواز بلند رونے لگی اور کہا: اے بہن اُم کلثومؑ! یہ معصوم بھی مر چکے ہیں۔ پس ہم دونوں بہنوں نے دونوں معصوموں کو گود میں لے کر مقتل میں لا کر لٹا دیا۔

امام زین العابدین علیہ السلام یہ مصیبت دیکھ کر بہت بیقراری سے روئے اور اہل بیتؑ میں ایک شورِ قیامت برپا ہوا اور سب بیبیوں نے صدائے گریہ بلند کی۔

افسانہ کہ کس نتواند شنیدنش
یارب برا اہل بیتؑ چہ آمد ز دیدنش

مومنین! کیا مصیبتیں جناب امام حسینؑ اور ناموسِ رسولؐ پر پڑی ہیں جن کے سننے سے دل ٹکڑے ہوتا ہے۔ کیا حال ہوا ہوگا ان مخدرات کا جنہوں نے اپنی آنکھوں سے وہ سب مصائب دیکھے اور خود وہ ظلم وجور اُٹھائے۔

بیانِ وجوبِ ولایت و محبتِ اہلِ بیتؑ، عزادار کا اپنے پسر کو بیچنا، امام حسینؑ اور عبداللہ بن حسنؑ کی شہادت

"رُوِیَ الشَّیْخُ الْمُفِیْدُ وَالطُّوْسِیُّ عَنْ حُسَیْنِ ابْنِ عَلِیٍّ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَیْکُمْ بِوِلَایَتِنَا اَھْلِ الْبَیْتِ".

شیخ مفیدؒ اور طوسیؒ نے فرمایا: اے گروہِ مومنین! تم پر میری اور میرے اہل بیتؑ کی محبت واجب ہے۔

"فَاِنَّ کُلَّ مَنْ یُلَاقِی اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَعَ وِلَایَتِنَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بِشَفَاعَتِنَا بِحَقِّ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَمْ یَنْفَعْ عَمَلَ عَامِلٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا بِمَعْرِفَۃِ حَقِّنَا".

بہ تحقیق جو شخص روزِ قیامت خدائے عزوجل سے ہماری محبت کے ساتھ ملاقات کرے گا، وہ بہشت میں داخل ہوگا اور قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کوئی عمل نیک کسی نیکوکار کو روزِ قیامت مفید نہ ہوگا مگر جب تک معرفت اہل بیتؑ اور اُنؑ کی محبت نہ ہوگی۔

پس مومنین! افضل الاعمال رسولؐ پاک کے اہل بیتؑ سے محبت ہے اور اُنؑ مصائب پر گریہ وبکا ہے کہ یہی باعث مغفرت اور خدا کی خوشنودی ہے۔

فی الحقیقت کونسا مومن ہوگا جس کے دل میں اہل بیتؑ رسول کی محبت نہ ہوگی۔

کون سی آنکھ ایسی ہوگی جو مصائبِ مظلومِ کربلا سن کر روتی نہ ہوگی؟

وہ کتنے مخلص محبت تھے جنہوں نے اپنی جانوں کو روزِ عاشور امام حسینؑ پر قربان کیا۔ حیف ہے کہ ہم گنہگار رونے سے بھی جی چرائیں اور دو قطرۂ اشک آنکھوں سے نہ گرائیں۔ وہ دیندار کیسے تھے جنہوں نے نامِ امام حسینؑ پر اپنے فرزندوں کو بیچ کر عزاداری برپا کی۔

سید صادق اپنے مجموعہ میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک مؤمن عزادار فرزندِ حیدرِ کرار گردشِ زمانہ سے ایسا محتاج و ناچار ہوگیا تھا کہ ایک سال اس سے سامانِ عزا نہ ہو سکا۔ ایک روز وہ مردِ دیندار دیوار سے لگ کر زار زار رونے لگا۔ اُس کی زوجہ نے گریہ کا سبب پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں پریشان کیونکر نہ ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ میں عزادارِ فرزندِ رسولؐ ہوں اور میں اتنا تنگدست و مجبور ہوں کہ مجھ سے سامانِ عزا نہیں ہو سکتا۔

اُس مؤمنہ نے کہا: تم ہرگز پریشان و مغموم نہ ہو۔ اپنے دونوں فرزندوں کو جا کر بیچ دو اور سامانِ عزا مہیا کرو۔ اُس کے فرزندوں میں سے ایک کا نام حسن اور دوسرے کا نام حسین تھا۔ اسی اثناء میں دونوں فرزند مکتب سے آئے اور والدین کو غمگین و پریشان دیکھ کر پوچھنے لگے:

"بابا جان! آپ پریشان کیوں ہیں؟"

باپ نے کہا: "اے فرزندو! ہر سال میں امام حسینؑ کی مجلس برپا کرتا تھا۔ اس سال تنگدستی کے باعث مجبور ہوں کہ سامانِ مجلس نہیں ہو سکتا"۔

اُن دونوں نے عرض کی: "بابا! ہمیں امام حسینؑ کے نام پر فروخت کر کے عزائے حسینؑ برپا کیجئے"۔

حسن کہتا تھا کہ مجھے بیچو اور حسین کہتا تھا کہ پہلے مجھے فروخت کرو۔ اس مؤمن نے یہ تکرار دیکھ کر قرعہ ڈالا۔ حسین کا نام نکلا۔ اُس وقت اُس شخص نے زوجہ سے کہا کہ حسین

کے بالوں میں کنگھی، آنکھوں میں سرمہ لگا دے اور نفیس پوشاک پہنا دے۔

پس ماں نے اُسے آراستہ کیا اور محبتِ مادری سے بیقرار ہو کر سینے سے لگا لیا اور زار زار رونے لگی۔

فرزند نے عرض کی: "اے مادرِ گرامی! آپ میری جدائی میں اس قدر بے چین نہ ہوں۔ صبر کریں کہ خدا صابروں کو دوست رکھتا ہے"۔

الغرض اُس کا باپ بازارِ بردہ فروش میں لے آیا۔ اُس کے باپ نے لڑکے کی قیمت ایک ہزار دینار مقرر کی۔ بہت دیر انتظار کیا لیکن لڑکے کو کسی نے نہ خریدا۔ اس کا باپ ناامید ہو کر شہر سے باہر چلا کہ کسی اور شہر میں بیچوں گا۔ چند قدم آگے بڑھا تھا کہ درخت کے نیچے ایک سوار نقاب پوش صاحبِ عظمت و جلال کو دیکھا جس کے نورِ پیشانی سے سارا میدان روشن و منور ہو رہا ہے۔ اُس سوار نے پوچھا:

"اے شخص! تو کہاں جا رہا ہے اور اس لڑکے سے کیا مطلب ہے؟"

اُس نے عرض کی: "اسے بیچنے جا رہا ہوں۔ یہ میرا غلام ہے"۔

اُس بزرگوار نے فرمایا: "میں خریدار ہوں۔ اس کی قیمت بیان کر"۔

اُس نے کہا: "ایک ہزار دینار"۔

فرمایا: "اے شخص! تو نے اس کی قیمت بہت کم لگائی ہے"۔

یہ فرما کر فوراً ہزار دینار عطا کیے اور لڑکے کو اپنے ہمراہ لے چلے۔ وہ رونے لگا۔ اس سوار نے فرمایا کہ تو کیوں روتا ہے؟ عرض کی کہ اپنے آقا کے گھر میں میرے ساتھ نہایت تکالیف اُٹھائی ہیں اور بڑے ناز و نعم سے مجھ کو پالا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اسے کچھ وصیتیں کر لوں اور رخصت ہو لوں؟

اجازت کے بعد اپنے باپ سے آ کر کہنے لگا "اے پدرِ بزرگوار! میرا سلام میری ماں کو پہنچا دینا اور کہنا کہ میرے غم میں بہت بیتاب نہ ہونا، صبر کرنا کہ خدا کو صبر پسند

ہے۔ جب میرا فراق بہت بیقرار کرے تو بیکسی میں جناب علی اکبرؑ و علی اصغرؑ کو یاد کر کے ...سین رنا۔ شہزادہ علی اکبرؑ رسولؐ خدا کے ہمشکل اٹھارہویں برس اپنے بابا سے جدا ہوئے اور علی اصغرؑ کے نازک گلے پر تیر لگا۔

بعدازاں باپ کے ہاتھ چوم کر رخصت ہوا۔ جب اُس بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت وہ سوار اپنے گھوڑے سے اُترا اور اس لڑکے کو اپنے زانوئے مبارک پر بٹھا کر بہت پیار کیا اور ارشاد فرمایا:

''اے ہمنامِ حسینؑ! میں نے تجھے اپنے فرزند حسینؑ کے نام پر آزاد کیا''۔

اُس نے عرض کی۔ ''آپ کون ہیں؟ اپنے اسم مقدس سے آگاہ فرمائیے''۔

ارشاد فرمایا ''اے فرزند! تو مجھے نہیں پہچانتا؟

''اَنَا الَّذِیْ فَعَلَ اَبُوْکَ مَافَعَلَ لِاَجْلِ اِقَامِهٖ عَزَاءِ
وَلَدِی الْغَرِیْبِ الْحُسَیْنِ اَنَاعَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ''

''میں وہ ہوں جس کے فرزند حسینؑ غریب کی عزاداری کیلئے تیرے باپ نے تجھ کو بیچا ہے۔ اے فرزند! میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔ اُسی مظلوم حسینؑ کا باپ ہوں۔ جب تو اپنے والدین سے پاس پہنچنا تو بعد سلام میری طرف سے پیغام دینا کہ تم دل سے عزاداریٔ حسینؑ میں رہنا۔ میں تم کو دین و دُنیا میں نہ بھولوں گا''۔

یہ فرما کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ پس وہ لڑکا اپنے گھر آیا تو اس کے باپ نے کہا: ''اے فرزند! معلوم ہوتا ہے کہ تو پوشیدہ طور پر بھاگ آیا ہے؟''

اس نے عرض کی۔ ''میں بھاگ کر نہیں آیا ہوں بلکہ میرے آقا علیؑ ابن ابی طالبؑ نے آزاد کیا ہے اور آپ کو سلام ارشاد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے فرزند حسینؑ کی عزاداری سے غافل نہ ہونا۔ میں تمہاری اعانت کو موجود ہوں''۔

مؤمنین! مقامِ انصاف ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کو ایک عزادار کے فرزند کا

اُس کے ماں باپ سے جدا ہونا گوارا نہ تھا، حالانکہ دوسرا لڑکا موجود تھا اور زندہ و سالم تھا جبکہ جناب امیرؑ نے اس عزادار کو مالِ دُنیا سے غنی کیا اور اُس کے فرزند کو اُس کے والدین تک پہنچا دیا۔ اُس کا گھر آباد اور وہ دونوں میاں بیوی خوشحال ہو گئے تھے۔

جناب امیر علیہ السلام معرکہ کربلا میں اپنے فرزند حسینؑ کا حال دیکھتے کہ انصار و عزیز و فرزند ایسے بچھڑے کہ پھر نہ ملے اور مولاؑ کا گھر ایسا برباد ہوا کہ پھر آباد نہ ہوا، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی تلواروں اور تیروں سے شہید ہوئے۔

روایت ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام یکہ و تنہا رہ گئے، اس وقت ذوالجناح کو لے کر مقابل لشکرِ اعداء ہوئے اور اتمامِ حجت کے واسطے ارشاد فرمایا:

اَمَافِیْکُمْ یَااَیُّهَاالنَّاسُ رَاحِمٌ
لِعِتْـرَةِ اَوْلَادِالنَّبِیِّ وَ صُوْلُ
اَلَیْسَ اَبِیْ خَیْرُالْوَصِیِّیْنَ کُلِّهِمْ
اَمَـااَنَـا لِلْطُّهْـرِالنَّبِیِّ سَلِیْلُ

اے قومِ ستم شعار! کوئی بھی تم میں ایسا دیندار اور رحمدل نہیں ہے جو اس وقت اس بیکسی میں اولادِ رسولؐ سے نیکی کے ساتھ پیش آئے؟

اے قومِ ناانصاف! کیا تم میرے حسب و نسب سے آگاہ نہیں ہو جو میری جان کے دشمن بن گئے ہو اور میرے خون کے پیاسے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے والد کا نام حیدرؑ کرار، وصی رسولؐ مختار اور میرے نانا جناب خاتم النبیین ہیں۔

اَمَافَاطِمُ الزَّهْرَآءِ اُمِّیْ وَیْلَکُمْ
وَعَـمَّـایَ اَیْضًا جَعْفَرٌوَعَقِیْلٌ
اَاُقْتَلُ مَظْلُـوْمًـاوَقَدْمَاعَلِمْتُمْ
بِاَنْ لَیْسَ لِیْ فِی الْعَالَمِیْنَ بَدِیْلُ

اے اہل کوفہ و شام! کیا تم اس کے منکر ہو کہ میری مادرِ گرامی جناب فاطمہ زہرا
"دختر رسولؐ خدا ہیں اور حضرت حمزہؓ میرے عم بزرگوار اور جعفر طیارؑ بھی میرے چچا ہیں؟
پس تعجب ہے کہ باوجود میری شرافت اور حسب و نسب کے اقرار اور اتنے
اوصاف کے، پوری کائنات میں میرا کوئی مثل و نظیر نہیں۔ مجھے ناحق قتل کرتے ہو اور جانتے
بوجھتے ہوئے نظریں پھیرتے ہو؟ اگر تمہیں مجھ بیکس مظلوم کا قتل کرنا ہی منظور ہے تو اتنا رحم
مجھ پر کرو کہ پہلے مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو کہ شدتِ تشنگی سے میرا جگر جل رہا ہے۔

مؤمنین! بہت افسوس ہے کہ یہ سن کر اس بے حیا قوم نے یہ جواب دیا
"اے حسینؑ! شرافت، حسب و نسب، علم و ادب میں آپ بہترین عالم ہیں لیکن
ہمیں آپ کو پیاسا ہی قتل کرنا مقصود ہے"۔

جب مولا حسینؑ نے اس قومِ اشقیاء کی اس قدر بے حیائی دیکھی تو اس وقت
ذوالفقار میان سے نکالی اور مثل شیر غضبناک اس لشکر ناپاک پر حملہ کیا۔

ضَرَبَ الْاِمَامُ غَازِیًا وَمُبَارِزًا
کَالضَّرْبَۃِ الْعَلَوِیَّۃِ فِیْ خَیْبَرِ
ھَالَافَتٰی اِلَّا الْحُسَیْنُ ابْنُ عَلِیٍّ
لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ الْحَیْدَرِیِّ

راوی کہتا ہے کہ سید الشہداءؑ روزِ عاشور دشتِ کربلا میں لشکرِ کفار اور فوجِ بے شمار
پر اس طرح حملہ آور ہوتے تھے جس طرح جناب حیدرؑ صفدر جنگِ خیبر میں جہاد کرتے تھے۔
امام حسینؑ مردِ میدان اتنی بہادری سے لڑے اور فرمایا کہ میں پیاسا ہوں۔ پیاسے کی جنگ
دیکھو۔ حیدرؑ کرار کے بیٹے کی جنگ دیکھو کہ میرے بابا جیسا کوئی بہادر نہیں اور ذوالفقار
مثل کوئی تلوار نہیں۔

مِثْلُ الْحَبَابِ رُؤُسُ اَھْلِ الشِّقْوَۃِ
وَدِمَائُھُمْ تَجْرِیْ کَمَاءِ الْاَبْحُرِ

ذوالفقار سے ایسا طوفان برپا ہوا کہ خون کے دریا جاری ہو گئے اور تنوں سے
سروں کے سر جدا ہو کر گرنے لگے۔

ھَرَبُوْا عَنِ الْحَرْبِ کَھَرَبِ ثَعَالِبٍ
اِذْ جَاءَ بَیْنَ الْفَوْجِ مِثْلَ غَضَنْفَرٍ

جب فرزندِ شیرِ خدا شیروں کی طرح حملہ کرتے تھے تو ملعونوں کی کیا مجال تھی جو
سامنے کھڑے رہتے۔ لڑائی سے جی چرا کر میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔

اِسْتَدْبَرُوْا اَخَوْفًا وَوَلّٰی کُلُّھُمْ
بِالْاِضْطِرَابِ وَاحِدٌ مِنْ آخَرٍ
قَدْفَرَّتِ الْآبَاءُ مِنْ اَبْنَائِھِمْ
فَکَاَنَّ ھٰذَا الْیَوْمَ یَوْمُ الْمَحْشَرِ

اور وہ فوج خائف و پریشان ہو کر اس طرح پسپا ہوئی کہ آپس ہی میں ایک
دوسرے کو دیکھ کر بھاگتے تھے۔ ایسی بدحواسی تھی کہ باپ اپنے بیٹوں سے گریزاں تھے۔ گویا
روزِ قیامت آشکار تھا۔ بہرکیف اسی طرح مولاؑ مشغولِ کارزار تھے کہ شرِ لعین ایک طرف سے
اور کسی طرف سے تیراندازوں نے اور کسی جانب سے نیزہ بازوں نے اور کسی طرف سے
شمشیرزنوں نے امامِ مظلوم کو گھیر لیا اور ہر جانب سے تیر، پتھر، نیزے، تلواریں برسنے لگیں،
یہاں تک کہ آپؑ کا جسمِ مبارک زخموں سے چور چور ہو گیا۔

موافق روایتِ مشہور، ایک ہزار نو سو اکاون زخم آپؑ کے پاک جسم پر لگے اور جسم
اطہر سے خون کے فوارے نکلنے لگے۔ اسی اثناء میں خولی نے ایک تیر ایسا گلا مبارک پر مارا
کہ حضرتؑ اس کے صدمہ سے گھوڑے کی زین پر نہ ٹھہر سکے اور پشتِ ذوالجناح سے زمین

پر تشریف لائے اور اُس تیر کو گلے سے کھینچ کر پھینک دیا اور چلو میں خون لے کر اپنے سر اور ریش مبارک پر ملنے لگے۔

راوی کہتا ہے کہ اس وقت عبداللہ ابن الحسنؑ در خیمہ سے یہ حال دیکھ کر ہائے چچا، ہائے چچا کہتے ہوئے میدان کی طرف دوڑے۔ جنابِ زینبؑ نے بڑھ کر ان کا بازو تھام لیا اور فرمایا کہ اے فرزند! تو اس نرغۂ اعداء میں نہ جا۔ لیکن وہ معصوم مچل کر آپؑ کی بانہوں سے نکل کر یہ کہتا ہوا دوڑا:

"وَاللّٰهِ لَا اُفَارِقُ عَمِّیْ".

"واللہ! پھوپھی جان! میں اپنے مظلوم چچاؑ کو ایسے مصیبت کے وقت میں تنہا نہ چھوڑوں گا"۔

یہاں تک کہ روتے ہوئے اپنے چچاؑ کی خدمت میں پہنچے۔ دیکھا کہ حرملہ ملعون چاہتا ہے کہ مولاؑ کو تلوار مارے کہ اس صاحبزادے نے فرمایا:

"وائے ہو تجھ پر اے پسر خبیثہ! یہ کیا ظلم کرتا ہے؟"

اُس شقی نے غصہ میں آ کر وہ تلوار اس بچہ کو ایسی ماری کہ ننھا سا ہاتھ کٹ کر زمین پر تڑپنے لگا۔

"فَصَاحَ یَاعَمَّاهُ اَدْرِکْنِیْ".

اس معصومؑ نے بیقرار ہو کر کہا: چچا! دیکھئے اس ظالم نے میرے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ حضرتؑ نے سینہ سے لگا لیا اور رو کر فرمایا: "بیٹا! صبر کر، صبر کر۔ تیرے چچا پر بہت دشوار ہے کہ تجھے اس حال میں دیکھے"۔

ناگاہ ایک ظالم نے تیر کمان میں جوڑ کر اس طرح مارا کہ اس بچہ کے نازک گلے سے پار ہو گیا اور چچا کی گود میں دو تین مرتبہ تڑپ کر سرد ہو گیا۔ امامؑ کو یہ آخری داغ تھا۔ چھوٹی سی میت گلے سے لگا کر دیر تک روتے رہے۔

عبدالعزیز دہلوی لکھتا ہے کہ اس وقت شمر نے اپنے فوجیوں کو پکارا: وائے ہو تم پر، ایک غریب و بیکس زخمی کے قتل میں دیر کیوں کرتے ہو؟ جلدی امام حسینؑ کو قتل کر کے قصہ ختم کرو۔

یہ سنتے ہی اشقیاء چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ کسی نے تلوار ماری، کسی نے نیزہ مارا، کسی نے تیر مارا۔ خود شمر ملعون نے چہرۂ اقدس پر تلوار ماری۔ سنان بن انس نے نیزہ مارا اور خولی اس ارادہ سے آگے بڑھا کہ مولاؑ کا سر مبارک جدا کرے۔ مگر اس شقی کا ہاتھ کانپنے لگا۔

بروایت شمر ملعون گھوڑے سے اُترا اور قریب آیا اور وہ ظلم کیا جو لاکھوں آدمیوں میں سے کسی سے نہ ہو سکا تھا۔

آہ! ناموسِ رسولؐ لاوارث ہو گئے۔ زمانہ حسینؑ جیسے رہبر سے خالی ہو گیا۔ غرض اس شقی نے سرِ انور خولی کو دیا اور خولی نے ایک نیزۂ طویل پر بلند کیا۔ لشکرِ مخالف میں تکبیروں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ امام حسین علیہ السلام کے خیمہ میں 'وَاحُسَیْنَاهُ وَاسَیِّدَاهُ' کا ماتم برپا ہوا۔

پانی پلانے کا ثواب
جنگ و شہادتِ امام حسینؑ

فِی الْکَافِیْ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ
قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوَّلُ مَایُبْدَءُ بِهٖ فِی الْاٰخِرَةِ
صَدَقَةُ الْمَاءِ یَعْنِیْ فِی الْاَجْرِ".

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جنابِ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جب روزِ قیامت نیک اعمال کا ثواب ہر نیک شخص کو عطا ہوگا تو اس کی ابتداء اُن لوگوں سے کی جائے گی جنہوں نے دُنیا میں کسی پیاسے کو پانی سے سیراب کیا ہوگا۔

'فِی الْکَافِیْ عَنِ الصَّادِقِ اَنَّهٗ قَالَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ
اِبْرَادُ کَبِدٍ حَرَّآءَ'.

اسی کتابِ کافی میں مصحفِ ناطق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ کسی پیاسے کو پانی پلایا جائے۔

وَعَنِ الصَّادِقِ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ سَقَی الْمَآءَ فِیْ مَوْضِعٍ
یُوْجَدُ فِیْهِ الْمَآءُ کَانَ کَمَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً".

اور دوسری حدیث میں جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی پیاسے کو پانی پلایا ہو، ایسی جگہ جہاں پانی میسر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

"وَمَنْ سَقَی الْمَاءَ فِیْ مَوْضِعٍ لَا یُوْجَدُ فِیْهِ الْمَاءُ
کَانَ کَمَنْ اَحْیَا نَفْسًا وَمَنْ اَحْیَا نَفْسًا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا
النَّاسَ جَمِیْعًا"

اور جس نے کسی پیاسے کو پانی پلایا ہو، ایسی جگہ جہاں پانی میسر نہ آتا ہو، اُس نے گویا زندہ کیا ایک بندۂ خدا کو اور جس نے ایک بندہ کو زندہ کیا یعنی اُس کی جان بچائی، اُس شخص نے گویا تمام بندگانِ خدا کو زندہ کیا اور سب کی جان بچائی۔

کتاب کافی میں مصادف سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ مکہ و مدینہ کے سفر میں تھا۔ اثنائے راہ میں دیکھا کہ ایک شخص درخت کے نیچے پڑا ہے اور اُس کی حالت بہت خراب ہے، جس طرح انسان کا آخری وقت ہوتا ہے۔

"فَقَالَ لِیَ الصَّادِقُ یَامُصَادِفُ اِمْشِ بِنَا اِلٰی هٰذَا
الرَّجُلِ فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَکُوْنَ قَدْ اَصَابَهُ الْعَطَشُ"

"حضرتؑ نے مجھ سے پوچھا اور فرمایا: مصادف! میرے ساتھ چل تاکہ اس شخص کا حال معلوم کریں کہ یہ کس مرض میں مبتلا ہے اور اس کے اس قدر تغیر کا کیا سبب ہے؟ اے مصادف! مجھے خوف ہے کہ اسے کہیں پیاس کی شدت نہ ہو"۔

میں مولاؑ کے ساتھ اُس کے قریب گیا۔ دیکھا کہ کوئی فرد دایا فراش ہے اور اس کے بال بڑے بڑے ہیں۔ امامؑ نے پوچھا کہ کیا تو پیاسا ہے؟ اُس نے عرض کی: ہاں، پیاس سے مرتا ہوں۔

"فَقَالَ لِیَ الصَّادِقُ یَامُصَادِفُ اَنْزِلْ وَاسْقِهٖ
فَنَزَلْتُ وَسَقَیْتُ ثُمَّ رَکِبْتُ ثُمَّ وَسِرْنَا".

مولاؑ کو رحم آ گیا اور فرمایا: اے مصادف! جلد اسے سیراب کر۔ یہ سنتے ہی میں گھوڑے سے اُترا اور اُسے پانی پلایا۔ پھر سوار ہو کر حضرتؑ کے ہمراہ روانہ ہوا۔ راستے میں میں نے عرض کی: "یابن رسول اللہ! یہ شخص تو نصرانی تھا۔ کیا کافروں کو پانی پلانا جائز ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "البتہ ایسی حالت میں جائز ہے"۔

مؤمنین! شریعتِ نبویؐ میں تو جان بچانے کے واسطے کافروں کو بھی پانی پلانا درست ہے۔ وہ کیسے لوگ تھے کہ اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے تھے اور اُسی نبیؐ کی اولاد کو ایک قطرہ پانی دینا جائز نہ جانتے تھے۔ دریا کے کنارے تین دن پانی بند کیا تاکہ سب معصوم اور جوان، یارو انصار شدتِ پیاس سے مر جائیں بلکہ بعض روایات میں ہے کہ روزِ عاشور کئی بچے پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر مر گئے اور خود جنابِ امام حسینؑ کا یہ حال تھا کہ بار بار زبان مبارک سوکھے ہونٹوں پر پھیرتے تھے۔

لَمْ اَنْسَ سِبْطَ الْمُصْطَفٰی وَھُوَ ظَامِیٌ
یُزَادُ مِنَ الْمَآءِ الْمُبَاحِ وَیُحْرَمُ

خدا کی قسم! مجھے وہ وقت نہیں بھولتا کہ مظلومِ کربلا محرم کی دسویں تاریخ دوپہر کے وقت عزیز و انصار کے بعد آفتاب کی حدت، زخموں کی کثرت اور پیاس نے آپؑ پر غلبہ کیا تو بیتاب ہو کر بار بار یہ چاہتے تھے کہ فرات کی طرف جائیں مگر اشقیاء جانے نہ دیتے تھے اور وہ پانی جو تمام عالم کے واسطے مباح تھا، فرزندِ ساقیِ کوثر پر حرام کر دیا گیا تھا۔

آپؑ کیا کرتے؟ کبھی اِدھر جاتے، کبھی اُدھر جاتے تھے۔ ایک ایک سے فریاد و استغاثہ کرتے تھے لیکن کوئی نہ سنتا تھا۔

فَقَالُوْا لَہٗ اِنْ شِئْتَ تَرْجِعُ سَالِمًا
وَتُسْقٰی مِنَ الْمَآءِ الزُّلَالِ وَتُطْعَمُ
فَبَایِعْ بِطَوْعٍ لِلْاَمِیْرِ مُسَالِمًا
وَاِلَّا فَحَدُّ السَّیْفِ فِیْکَ مُحَکَّمُ

لکھا ہے کہ حضرتؑ کی آوازِ استغاثہ سن کر اُن بے رحموں نے سمجھا کہ آپؑ نہایت عاجز و مجبور ہو گئے ہیں۔ کہنے لگے: اے حسینؑ! اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے اور چاہتے ہو کہ پانی ملے تو خوشی سے یزید کی بیعت کرو ورنہ ہم تمہیں ضرور قتل کریں گے۔

فَقَالَ لَھُمْ لَا تَزْعَمُوْنَ بِاَنَّنِیْ
اُبَایِعُ رُھْبًا خِیْفَۃَ الْمَوْتِ فَاعْلَمُوْا
فَمَا ھِیَ اِلَّا سَاعَۃٌ ثُمَّ اَلْتَقِیْ
بِجَدِّیْ وَاُحْظٰی بِالْجِنَانِ وَاَنْعَمُ

لفظ بیعت سنتے ہی غیرت سے رنگ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا: تم سمجھتے ہو کہ میں تنہائی و غربت اور پیاس کی شدت سے عاجز آ گیا ہوں؟ استغفر اللہ! حسینؑ موت سے نہیں ڈرتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں دینِ خدا کو برباد کروں؟

اے غافلو! میں تھوڑی دیر کا مہمان ہوں۔ یہ تکالیف چند ساعت کی ہیں۔ عنقریب میں اپنے نانا رسولِ خداؐ سے ملاقات کروں گا اور بہشت کی نعمتوں سے کامیاب کوثر کے پانی سے سیراب ہوں گا۔

فَصَالَ عَلَیْھِمْ صَوْلَۃً عَلَوِیَّۃً
فَکَانُوْا کَضَانٍ صَالَ فِیْھِنَّ ضَیْغَمُ
وَحَکَّمَ فِیْھِمْ سَمْھَرِیًّا مُقَوَّمًا
وَاَبْیَضَ لَا یَنْبُوْا وَلَا یَتَکَلَّمُ

یہ فرما کر شیرِ الٰہی کے شیر نے حملہ حیدری کیا اور ذوالفقار کھینچ کر فوجوں میں گھس گئے۔ جب مولاؑ کی تلوار چلی تو ہر طرف لاشیں ہی لاشیں نظر آنے لگیں۔ صحرا سے دریا تک خون کی ندیاں بہنے لگیں۔

منقول ہے کہ ایک حملہ میں آپؑ نے چار ہزار سوار اور پانچ سو پیدل فی النار کئے۔ فوجوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ یزیدی فوج خوفزدہ ہو کر بھاگ گئی۔ فوجوں سے میدان صاف ہو گیا۔ آپؑ نے لبِ فرات پہنچ کر گھوڑا پانی میں ڈال دیا۔

راوی کہتا ہے کہ جب گھوڑے کو پانی کی ٹھنڈک محسوس ہوئی تو بے ساختہ گردن

جھکا کر منہ پانی سے ملا دیا۔ مگر سبحان اللہ! کیا وفادار تھا کہ میرا آقا پیاسا ہو اور میں پانی پیوں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پیا۔

امام حسین علیہ السلام نے گھوڑے کی بیتابی دیکھ کر باگ ڈھیلی کر دی اور فرمایا:

"اے گھوڑے! تو نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو بھی کئی دن سے پیاسا ہے مگر میں کیا کرتا، خود مجھے بھی پانی میسر نہ تھا۔ اب پانی پی لے"۔

لیکن گھوڑے نے اپنا منہ پانی سے اُٹھالیا اور کئی مرتبہ گردن ہلائی کہ مولاؑ! جب تک آپؑ پانی نہ پئیں گے، میں بھی پانی نہ پیوں گا۔

مولاؑ نے کہا: اے ذوالجناح! تو جانتا ہے کہ میرے بچے، جوان، بوڑھے، یار و انصار سب پیاسے شہید ہو گئے ہیں، میں کیسے پانی پی سکتا ہوں؟

لشکرِ یزیدی نے دیکھا کہ مولاؑ دریائے فرات پر پہنچ گئے ہیں اور اگر علیؑ کے شیر نے پانی پی لیا تو ہم میں سے کوئی بھی باقی نہ بچے گا۔

اُنہوں نے بلند آواز سے پکار کر کہا: اے حسینؑ! تم تو نہرِ فرات پر ہو، وہاں فوج نے تمہارے خیمے لوٹ لئے۔ جب مولاؑ نے یہ آواز سنی تو واپس مڑے اور اسی طرح سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے گھوڑا خیمہ کی طرف دوڑایا۔ اُدھر بھاگی ہوئی فوج چاروں طرف سے سمٹ کر میدان میں بھر گئی۔ کمانوں سے تیر برسنا شروع ہو گئے، تلواریں چمکنے لگیں۔ حضرتؑ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے سلامت ہیں۔ مولاؑ سمجھ گئے کہ محض فریب تھا۔

دوبارہ حملہ کر کے دشمنوں کو ہلاک کرنا شروع کیا۔ ناگاہ ہاتفِ غیبی کی آواز آئی:

"بس حسینؑ! کہاں تک لڑو گے؟ اب آپؑ کا وقتِ شہادت قریب ہے۔ جنگ میں مصروف رہو گے یا ہم سے بھی ملاقات کرو گے؟"

یہ سنتے ہی آپؑ نے تلوار روک لی اور گردن جھکا دی۔ ادھر دشمنوں نے سمجھا کہ مولاؑ تھک گئے ہیں۔ انہوں نے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ ایک زہر آلود تیر سینہ سے پار

ہو گیا۔ ابوالحتوق کا ایک تیر پیشانی پر ایسا لگا کہ لہو سے ریش مبارک تر ہو گئی۔ سنان ابن انس نے ایسا نیزہ مارا کہ مولاؑ گھوڑے کی زین پر نہ ٹھہر سکے۔ تکلیف سے جھک گئے۔ ابھی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ خولی کا ایک تیر گلے میں پیوست ہو گیا۔ کتنے زخم کھاتے، کہاں تک طاقت ساتھ دیتی! ڈگمگا کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔

بلند مرتبہ شاہی زصدر زین افتاد
اگر غلط نہ کنم عرش بر زمین افتاد

پھر حضرتؑ نے چاہا کہ اُٹھ کر کھڑے ہوں مگر جس کے بدن پر ایک ہزار نو سو اکاون زخم لگے ہوں، تیر پر تیر پیوست ہوں، اس قدر خون بہہ گیا ہو، وہ کیسے اُٹھ سکتا ہے؟

آپؑ اُسی مقام پر گر پڑے اور اپنے خون میں لوٹنے لگے۔ اسی لئے صاحب الامر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُرَمَّلِ بِدِمَآئِهٖ"۔

"میرا سلام ہو اُس شہیدِ راہِ خدا پر جو کربلا کی جلتی ہوئی ریت پر اپنے خون میں غلطاں ہوا"۔

اس کے بعد جو ظلم ہوا، وہ نہ کسی سے بیان ہو سکتا ہے اور نہ کوئی سن سکتا ہے۔ کہاں شمر کا خنجر اور کہاں بوسہ گاہِ پیغمبرؐ! کہاں نوکِ نیزہ، کہاں سرِ امامؑ!

افسانہ کہ کس نخواہد شنیدنش
یارب بر اہل بیت چہ آمد ز دیدنش

اُسی وقت آفتاب کو گہن لگ گیا۔ آسمان سے خون برسنے لگا۔ کربلا کی زمین میں زلزلہ شروع ہو گیا۔ فوجِ یزید میں خوشی کے نقارے بجنے لگے۔ آلِ رسولؐ میں شورِ ماتم برپا ہوا۔ جبرئیلؑ نے فریاد کی:

"اَلَا قُتِلَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلَا اَلَا ذُبِحَ الْحُسَيْنُ"

"بِکَربَلا"۔

اے اہلِ ارض وسماء، اے حاملانِ عرشِ خدا، اے ساکنانِ صحرا، اے باشندگانِ دریا! رسول کا نواسہ، علیؑ و فاطمہ کا لاڈلا، تین دن کا بھوکا پیاسا سرزمین کربلا پر مثل گوسفند قربانی ذبح کردیا گیا۔

ثوابِ گریہ، رُخصتِ امامؑ کے وقت جنابِ زینبؑ اور بی بی سکینہؑ کا اضطراب اور امامؑ کا ذبح کے وقت والدین کا انتظار کرنا

"عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ اَنَّہٗ قَالَ کُلُّ الْجَزْعِ وَالْبُکَاءِ مَکْرُوْہٌ سِوَای الْجَزْعِ وَالْبُکَآءِ عَلَی الْحُسَیْنِؑ"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ عام لوگوں کے غم میں رونا، بین کرنا اور ماتم کرنا مکروہ ہے مگر ہمارے جدِ بزرگوار امام حسین علیہ السلام کے غم میں رونا اور ماتم کرنا باعثِ ثوابِ عظیم ہے۔

"وَقَالَ مَنْ ذُکِرْنَا عِنْدَہٗ فَفَاضَ مِنْ عَیْنَیْہِ وَلَوْ مِثْلَ رَاسِ الذُّبَابَۃِ"۔

فرمایا: جس کے سامنے ہمارا ذکرِ مصائب ہو اور اُس کی آنکھوں سے آنسو آئیں،

"غَفَرَ اللّٰہُ ذُنُوْبَہٗ وَلَوْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ"۔

خداوند کریم اُس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے، اگرچہ مانندِ کفِ دریا ہوں۔

"عَنِ الصَّادِقِ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ الْحُسَیْنُ اَنَا قَتِیْلُ الْعَبْرَۃِ مَاذُکِرْتُ عِنْدَ مُؤْمِنٍ اِلَّا بَکٰی وَاغْتَمَّ قَلْبُہٗ لِمُصَابِیْ"۔

کتبِ احادیث میں فرزندِ مخبرِ صادق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں وہ شہیدِ راہِ خدا ہوں کہ جس مؤمن کے سامنے میری مصیبت بیان ہوگی، وہ ضرور میری غربت اور بیکسی پر روئے گا اور اس کا دل مغموم و پریشان ہوگا۔

فِدَاکَ رُوْحِیْ یَاحُسَیْنُ وَعِتْرَتِیْ
وَاَنْتَ عَفِیْرٌفِی التُّرَابِ جَدِیْدٗ

اے مظلومِ کربلا! آپؑ کی مظلومیت پر میں اور میرے ماں باپ اور اولاد سب فدا ہوں۔ کس بیکسی سے آپؑ شہید ہو کر اپنے خون میں کربلا کی خاک میں غلطاں ہوئے۔

وَجِسْمُکَ عُرْیَانٌ طَرِیْحٌ عَلَی الثَّریٰ
عَلَیْکَ خُیُوْلُ الظَّالِمِیْنَ تَجُوْلُ

آہ! کئی دن تک آپؑ کا جسم مبارک عریاں، بے گور و کفن دھوپ میں جلتی ریت پر پڑا رہا اور زخموں سے چور چور جسم مبارک پر دشمنوں نے گھوڑے دوڑائے کہ پشتِ مبارک پر سموں کے نشان پڑ گئے۔

منقول ہے کہ روزِ عاشور بعد زوال جب امام علیہ السلام بالکل تنہا رہ گئے اور کوئی جاں نثار باقی نہ رہا تو خود اپنی موت پر کمر باندھی اور رُخصتِ آخر کیلئے خیمہ عصمت میں تشریف لائے۔ ایک ایک بی بی اور بچے کو اس طرح وداع کیا جیسے مرنے والا موت کے وقت اپنے عیال کو وداع کرتا ہے اور پھر ان سے ملنے کی اُمید نہ ہو۔ بلند آواز سے فرمایا:

"یَازَیْنَبُ وَیَااُمَّ کُلْثُوْمُ وَیَارُبَابُ وَیَاسُکَیْنَۃُ
عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ".

"اے زینبؑ واُمِ کلثومؑ اور اے ربابؑ وسکینہؑ! تم سب پر میرا آخری سلام ہو"۔

راوی کہتا ہے کہ یہ آواز سنتے ہی عجب طرح کا شورِ ماتم بلند ہوا۔ جو بی بی جس حال میں جہاں تھی، بیتاب ہو کر برہنہ سر و پا روتی پیٹتی دوڑی۔ کسی بی بی نے امام حسینؑ کی گردن میں بانہیں ڈال دیں، کوئی بیہوش ہو کر زمین پر گرنے لگی۔ بچے دامن قبا کو تھام کر مچلنے لگے۔

مولاؑ کبھی ایک ایک کا منہ حسرت سے دیکھتے تھے، کبھی گردن جھکا کر رو دیتے تھے،

کبھی دلاسا دے کر سمجھاتے تھے۔ اُن بچوں اور عورتوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو پریشان و مغموم نہ ہو۔ بہنوں میں جناب زینبؑ اور بیٹیوں میں سکینہؑ کو سب سے زیادہ اضطراب تھا۔ کیوں نہ ہوتا؟ جس بی بی نے بچپن سے لے کر روزِ عاشور تک ماں کا غم دیکھا، نانا دُنیا سے رخصت ہوئے، امیر المؤمنینؑ جیسا باپ دُنیا سے چلا گیا۔ حسنؑ جیسا بھائی نہ رہا اور اب پردیس میں بھائی، بھتیجے اور بیٹے نہ رہے اور آخری سہارا بھائی حسینؑ کا تھا، وہ بھی عالم ضعیفی میں پردیس اور جنگل میں بے سہارا چھوڑ کر جا رہا تھا۔

بی بی زینبؑ کو بچپن ہی سے مولا حسینؑ سے بے حد محبت تھی۔ ہمیشہ بھائی پر شیدا رہیں۔ کبھی ایک لمحہ بھی علیحدہ ہونا گوارا نہ کیا۔ بھائی کی خاطر گھر چھوڑا، سفر اختیار کیا، مصائب اُٹھائے۔ دو بیٹوں کو قربان کیا۔ اب کس طرح بھائی کی جان بچائیں؟ بی بیؑ بہت بیقرار تھیں۔ اُدھر صاحبزادی جس کی عمر تین چار سال تھی، سارے گھر کی لاڈلی ہو، نازوں سے پلی ہو اور ہمیشہ باپ کے سینے پر سوتی رہی ہو، اُس بی بیؑ کا کیا حال ہوگا، جسے معلوم ہو کہ بابا پھر نہ ملیں گے۔

حدیث میں آیا ہے کہ امام حسینؑ فرماتے ہیں:

"لَااُحِبُّ اِلَیَّ مِنْ دَارٍ فِیْهَا سُکَیْنَۃُ وَرُبَابُ".

"یعنی جس گھر میں ربابؑ اور سکینہؑ موجود نہ ہوں، مجھے وہ گھر اچھا نہیں لگتا"۔

سکینہؑ کیسے بیتاب نہ ہوتیں کہ چچا عباسؑ بھی نہ رہے، بھائی اکبرؑ بھی برچھی کھا کر کربلا کی گرم ریت پر سو رہے تھے۔ سب مارے جا چکے تھے، باقی بابا رہ گئے تھے اور وہ بھی وداع کرنے آئے تھے۔

آخر سکینہؑ کو کیسے تسکین ہوتی؟ جس قدر تڑپتیں، کم تھا۔ ایک بیمار بھائی بچا تھا جو بیماری کی شدت سے غش میں پڑا تھا۔ اُس کی زندگی کا بھی کیا بھروسہ تھا؟ آخر مولاؑ سب کو تسلیاں دیتے، صبر کی تلقین کرتے ہوئے خیمہ سے چلے۔ آگے آگے مولا حسینؑ، پیچھے پیچھے

بیوہ بیبیاں اور یتیم بچے۔ امامؑ مظلوم اپنی والدہ فاطمہ زہراؑ کے رومال سے آنسو پونچھتے جاتے تھے اور بیبیاں اور بچے روتے پیٹتے چلے آ رہے تھے۔ جب آپؑ خیمہ سے برآمد ہوئے تو ایسا لگتا تھا کہ کسی بھرے گھر سے جنازہ نکل رہا ہے۔

اکیلے ذوالجناح کو دیکھ کر وہ سب عزیز جو رکاب تھام کر سوار کرتے تھے، یاد آ گئے۔ مولاؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور ایسی آہ بھری کہ زمین کربلا ہل گئی۔ جنابِ زینبؑ نے جب دیکھا کہ میرا بھائی میدان کی طرف جانا چاہتا ہے۔ بی بیؑ نے بلند آواز سے پکار کر کہا: "بھیا! ایک دفعہ میرے قریب آؤ، ایک حسرت میرے دل میں رہ گئی ہے"۔

یہ سنتے ہی مولاؑ واپس آئے اور قریب آ کر فرمایا: "بہن! کیا کہتی ہو؟"

بی بیؑ نے عرض کی: "بھیا! قمیص کے بٹن کھولیں"۔

مولاؑ نے گریبان کھولا تو جنابِ زینبؑ نے بڑھ کر گلے مبارک کا بوسہ لیا اور فرمایا۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں نانا رسولؐ خدا بوسے لیا کرتے تھے۔ اب یہ بوسہ گاہِ رسولؐ کی زیارت کہاں نصیب ہوگی؟"

مولاؑ نے فرمایا: "بہن! میری بھی ایک حسرت ہے؟"

مولاؑ نے جھک کر بازوؤں کا بوسہ لیا۔

بی بیؑ کہنے لگیں: "بھائی! یہ کیا کر رہے ہیں؟"

مولاؑ نے فرمایا "میری شہادت کے بعد ان ہاتھوں میں ظالم رسن پہنائیں گے"۔

ادھر بہن رونے لگیں اور اُدھر بھائی روتے ہوئے باہر آئے اور ذوالجناح پر سوار ہو کر میدان کو چلے۔ منقول ہے کہ مولاؑ چند قدم گئے تھے کہ پھر ایک آواز آئی:

"بابا! کہاں جاتے ہیں؟ ٹھہر جایئے"۔

یہ آواز چار سالہ سکینہؑ کی تھی۔ مولاؑ رُکے اور گھوڑے کی باگ خیمہ کی طرف پھیری اور قریب آ کر بولے: "بیٹی! کیا کہتی ہو؟"

سکینہؑ بولیں: "آپؑ گھوڑے سے اُتریں تو کہوں گی"۔

آپؑ گھوڑے سے اُترے تو بولیں کہ بابا نیچے بیٹھیں۔ مولاؑ خاک پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب کیا کہتی ہو؟

فرمایا: "بابا! آپؑ ہمیشہ مجھے گود میں سلایا کرتے تھے، چاہتی ہوں کہ آپؑ مجھے گود میں اُٹھائیں اور گلے سے لگائیں کہ یہ آغوش مجھے پھر کہاں میسر ہوگی؟"

آپؑ رو پڑے اور دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ وہ صاحبزادیؑ دوڑ کر لپٹ گئیں اور اپنا سر کبھی سینہ اقدس پر، کبھی دوشِ مبارک پر رکھتی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرتؑ نے چاہا کہ سکینہؑ کو جدا کریں مگر سکینہؑ کسی طرح نہ چھوڑتی تھیں۔ آخر تسلی و دلاسہ دے کر گود سے اُتارا اور ذوالجناح پر سوار ہو کر مقتل کو گئے۔ اُس وقت بی بی سکینہؑ کا کیا حال ہوا ہوگا جب خیمہ میں ماں اور پھوپھیوں کو روتے پیٹتے دیکھا ہوگا؟

جب کوئی مصیبت آتی ہے تو سب سے بڑا سہارا ماں باپ ہوتے ہیں لیکن سکینہؑ کو کوئی دلاسا دینے والا نہ تھا۔

چنانچہ بہ روایت لسان الواعظین، خود امام حسینؑ کا حال منقول ہے۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور شمر بے حیا اُس بے ادبی کا مرتکب ہونے لگا جس سے آسمان اور زمین میں زلزلہ آیا، مولاؑ دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ شمر ملعون نے پوچھا کہ کیا دیکھتے ہو؟ اب بھی کوئی ناصر و مددگار باقی ہے؟

فرمایا کہ مجھے اپنی مادرِ گرامی اور پدرِ بزرگوار کا انتظار ہے کہ میری ماں ذبح کے وقت میرا سر اپنی آغوش میں لیں اور ساقیِ کوثر جامِ کوثر سے سیراب کریں۔

مولاؑ نے یہ فرمایا اور یہ کہتے ہی سرِ اطہر بدن سے جدا ہو گیا۔

مؤمنین! بعدِ شہادت بی بیؑ سکینہؑ مقتل گاہ میں آئیں، دیکھا کہ باباؑ شہید ہو چکے ہیں اور باباؑ کا سر بھی ساتھ نہیں ہے۔ خیال کیا کہ باباؑ مجھے کس طرح آغوش میں اُٹھاتے تھے

اور سینے پر سلاتے تھے۔ سکینہؑ بہت روئیں اور چاہا کہ باباؑ کے سینے سے لگ جاؤں۔

راوی کہتا ہے کہ مولاؑ نے دونوں بازو پھیلائے۔ سکینہؑ نے جب باباؑ کے کھلے ہوئے ہاتھ دیکھے تو دوڑ کر سینے سے لپٹ گئیں اور اس بیقراری سے روئیں کہ سننے والوں کے دل ہلنے لگے۔ اشقیاء نے چاہا کہ بچی کو باپؑ سے جدا کریں لیکن باپؑ کو سکینہؑ نہ چھوڑتی تھیں۔ آخر سب سے بڑا ظالم ملعون شمر تازیانہ لے کر سامنے آیا۔ بچی کو تسلی دینے کی بجائے ظلم کرنے لگا۔ یتیم سکینہؑ تڑپ کر لاش سے جدا ہوگئی۔

پشتِ امامؑ پر نشان پانا، یزید کلبی سے جنگ اور نصرانی اور امامؑ کی شہادت

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بَكْرٍ اَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَوْنُبِشَ قَبْرُالْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ هَلْ كَانَ يُصَابُ فِیْ قَبْرِهٖ شَیْءٌ".

عبداللہ بن بکر سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: یا ابن رسولؐ اللہ! اگر آپ کے جدِ بزرگوار امام حسینؑ کی قبر مطہر کو کھولیں تو حضرتؑ کے جسم مبارک کی زیارت نصیب ہوگی؟

فرمایا: تو نے بڑا سوال کیا۔

اِنَّ الْحُسَيْنَ مَعَ اَبِيْهِ وَاَخِيْهِ فِیْ مَنْزِلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

بہ تحقیق کہ وہ جناب اپنے پدرِ بزرگوار اور برادر امام حسنؑ کے ساتھ منزلِ جنابِ رسولؐ خدا میں تشریف رکھتے ہیں اور کبھی زیرِ عرش درگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:

"يَارَبِّ اَنْجِزْلِیْ مَاوَعَدْتَنِیْ".

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ خداوندا! جو تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، اس کا وفا کرنا تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

اور مولاؑ اپنے زائرین کی طرف دیکھتے ہیں۔ مولاؑ اُن کی سات پشتوں سے واقف ہیں۔

"وَاِنَّهُ لَيَنْظُرُ اِلٰی مَنْ يَبْكِيْهِ فَيَسْتَغْفِرُلَهٗ".

اور اپنے رونے والوں کو شفقت کی نظر سے دیکھ کر اُن کیلئے استغفار کرتے ہیں۔

"وَيَحْتَالُ اَبَاهُ الْاِسْتِغْفَارَ لَهٗ"

اور اپنے بابا علی ابن ابی طالب علیہما السلام اور اپنے نانا رسولؐ خدا سے عرض کرتے ہیں: دیکھئے! یہ لوگ کس طرح میری مصیبت پر روتے ہیں۔ آپ بھی ان کیلئے مغفرت کریں اور اپنے رونے والوں کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

"اَيُّهَا الْبَاكِيْ لَوْ عَلِمْتَ مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ لَفَرِحْتَ اَكْثَرَ مِمَّا حَزِنْتَ".

اے رونے والے! اس رونے کے عوض میں جو عالی درجات تمہارے لئے مقرر ہیں، اگر تمہیں معلوم ہوں تو تمہیں بہت خوشی ہو کہ اس رونے اور مولاؑ کے غم میں ماتم کرنے سے تمہیں آخرت میں کتنا ثواب ملا۔

مومنین! روایت ہے کہ اس امام پر جو شہادت کے بعد بھی اپنے غلاموں پر آج تک اتنی شفقت کی نظر رکھتا ہے اور زندگی میں اُس نے ہمارے واسطے کیا کیا مصائب اُٹھائے، اولاد کے صدمے سہے، داغ پر داغ گوارا کیا۔ تین دن پیاسے رہے اور اپنے بدن پر اتنے زخم کھائے کہ شمار نہیں کیا جاسکتا۔

روایت ہے کہ مولاؑ کے جتنے بھی زخم تھے، سب کے سب جسم کے اگلے حصے پر تھے، کوئی زخم پشت کی جانب نہ تھا۔ صرف وہ زخم پشت پر تھے جو تیر اور نیزے سینہ سے پار ہو کر پشتِ اقدس سے نکل گئے تھے یا شہادت کے بعد اُن گھوڑوں کے سموں کے نشانات پشت مبارک پر پائے گئے جو عمر ابن سعد کے حکم سے عصر کے بعد مولاؑ پر دوڑائے گئے۔

اس کے علاوہ کتابِ مناقب میں شعیب بن عبدالرحمٰن سے منقول ہے:

وُجِدَ عَلٰى ظَهْرِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ يَوْمَ الطَّفِّ اَثَرٌ

یعنی روزِ عاشور جب یزیدی فوج نے جنابِ امام حسینؑ کے جسم سے لباس اُتارے اور سر کے بغیر آپؑ کا جسم مبارک بے گور و کفن جلتی ریت پر پڑا تھا تو لوگوں نے

دیکھا کہ پشتِ مبارک پر سوجن کے نشانات ہیں۔ لوگوں نے بیمارِ کربلا سے پوچھا کہ یہ نشان کیسے ہیں؟

"فَقَالَ هٰذَا مِمَّا كَانَ يَنْقُلُ الْجِرَابَ عَلٰى ظَهْرِهٖ
اِلٰى مَنَازِلِ الْاَرَامِلِ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ"

آپ نے رو کر فرمایا: میرے پدر بزرگوار کا معمول تھا کہ اکثر راتوں کو روٹی اور غذا کا انبار اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کے گھروں میں پہنچاتے تھے۔ یہ نشانات اُسی بوجھ کے اُٹھانے کے ہیں۔

مومنین! جو آقا ایسا خداترس ہو، ظالموں نے اُس پر کیسے کیسے ظلم کئے اور روزِ عاشور کسی کو رحم نہ آیا۔ مولاؑ مظلومی کی حالت میں ایک ایک سے فریاد کرتے تھے:

"اَمَا مِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا اَمَا مِنْ رَاحِمٍ يَرْحَمُنَا".

آیا کوئی ہے جو ہماری مدد کرے اور رحم کرنے والا کوئی ہے جو اس بیکسی میں ہم پر رحم کرے؟

کوئی نیزہ یا تیر مارنے کا جواب نہ دیتا تھا۔ ایک لعین نے آگے بڑھ کر کہا: "یا حسینؑ! تمہارے واسطے پناہ نہیں مگر یہ کہ یزید کی بیعت اختیار کرو"۔

لفظِ بیعت پر میرے مولا حسینؑ کے خونِ حیدری نے جوش مارا اور فرمایا: "او لعین! تو مجھے بیعت کیلئے کہتا ہے؟ میں وہی حسینؑ ہوں جس نے تمہارے پیغمبرؐ کی زبان چوس چوس کر پرورش پائی۔ جس کو فاطمہ زہراؑ نے چکی پیس پیس کر، فاقے اُٹھا اُٹھا کر پالا ہے۔ پوری کائنات میں میرا ثانی کون ہو سکتا ہے؟ تو مجھے ایک فاسق و فاجر شراب خور، جو دُنیا میں مذموم ہو، کی بیعت کیلئے کہتا ہے؟ تو نہیں جانتا میں کون ہوں؟ خبردار! اگر اب بیعت کا نام لیا!"

مَنْ لَهٗ جَدٌّ كَجَدِّيْ فِي الْوَرٰى
اَوْ كَشَيْخِيْ فَاَنَا ابْنُ الْعَلَمِيْنِ

بتاؤ کون ایسا شخص ہے کہ میرے جدِ امجد، خاتم النبیین کے مثل اُس کا نانا ہو اور
میرے پدرِ بزرگوار حیدرِ کرار، شیر کردگار کے مقابلہ میں اُس کا باپ ہو۔ پس میں آباء واجداد
کی جانب سے دو عالموں کا فرزند ہوں۔

فَاَبِیْ شَمْسٌ وَاُمِّیْ قَمَرٌ
فَاَنَا الْکَوْکَبُ وَابْنُ الْقَمَرَیْنِ

آگاہ ہو کہ اس ظلمت کدہ دُنیا میں میرے والد محترم آفتاب ہیں اور میری والدہ
ماجدہ ماہتاب ہیں اور میں وہ کوکب تابندہ ہوں کہ انہی دو شمس وقمر سے پیدا ہوا ہوں۔

پھر اسی غیظ میں ذوالجناح کو جولان دیا اور نعرۂ حیدری بلند کیا۔ چھ لاکھ یزیدی
فوج سے میدان بھرا ہوا تھا۔ سب کے دل کانپ گئے۔ پھر فرمایا:

"جو دلیر زندگی سے سیر ہو سامنے آئے"۔

شیرِ الٰہی کے شیر سے وہ بزدل کیا مقابلہ کرتے! کسی کو جرأت نہ ہوئی مگر ایک نجس
کتا یزید کلبی آگے بڑھا اور اپنے لشکرِ شیطانی سے کہنے لگا:

"وائے ہو تم پر، ایک مردِ سن رسیدہ، کمر شکستہ، قریب المرگ، تین دن کا بھوکا
پیاسا، دل پر اکہتر داغ اُٹھائے، سراپا زخموں میں چور تمہیں برابر للکار رہا ہے اور اتنی فوج میں
سے کوئی مقابلہ کیلئے نہیں نکلتا؟ معلوم ہوتا ہے کہ میرے سوا کوئی اس کا قاتل نہیں۔ دیکھو!
ابھی سر کاٹ کر لاتا ہوں"۔

اس بکواس کے بعد وہ لعین مغرور مانند مست ہاتھی اپنے ہاتھوں میں بھاری گرز
اُٹھائے آگ بگولہ زرہ پہنے، کاندھے پر کمان، کمر میں اُلٹے توے کی طرح ڈھال، پشت پر
دوہری زنجیروں سے جکڑا دوزخ کے سفر پر آمادہ گھوڑے پر سوار ہو کر موت کے منہ میں چلا۔

مولاؑ نے جو آتے دیکھا تو آواز دی: "بس بس! قدم آگے نہ بڑھا، کیا زندگی سے
عاجز ہے جو اپنی موت کو آواز دے رہا ہے؟"

وہ مغرور کب سنتا تھا۔ قریب آتے ہی تلوار کا وار کیا۔ آپؑ نے سپرِ حمزہ پر روک کر
اس طرح ہاتھ کو گردش دی کہ اُس ملعون کی تلوار ٹوٹ گئی۔

مولاؑ نے اس کے ساتھ ہی ذوالفقارِ حیدری میان سے نکالی۔ منقول ہے کہ اس
تیغ کی چمک سے تمام لشکر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایسے معلوم ہوا جیسے بجلی آسمان سے گری
ہے۔ پھر جو دیکھا تو یزید کلبی مع راہوار چار ٹکڑے نظر آیا۔ فوج تو پہلے ہی خائف تھی۔ اب
کوئی کیا بڑھتا؟ ہر چند امامؑ نے آوازیں دیں، کسی کی جرأت نہ ہوئی۔ جب آپؑ نے دیکھا
کہ کوئی شقی نہیں نکلتا تو خود گھوڑا لشکر میں ڈال دیا اور صفوں میں گھس گھس کر شعلہ تیغ سے
ناریوں کو اس طرح جلانے لگے کہ ہر شخص سمجھتا تھا کہ یہ بجلی میرے سر پر گرتی ہے۔ ہر طرف
سے لاشے ہی لاشے نظر آنے لگے۔ ہر طرف خون ہی خون دکھائی دینے لگا۔

مولاؑ نے دس ہزار یزیدیوں کو واصل جہنم کیا۔ جب عمر سعد نے دیکھا کہ بنا ہوا
کام بگڑ رہا ہے، جیتی ہوئی جنگ ہم ہار رہے ہیں تو آواز دی:

"اے قوم! تم نہیں جانتے کہ یہ اُس بہادر کا بیٹا ہے جس نے مرحب کو مارا، عنتر
جیسے بہادر پہلوان کے دو ٹکڑے کیے۔ یہ عرب کے بہادر خاندان سے ہے۔ اسے ہر طرف
سے گھیر لو اور چاروں طرف سے حملے کرو"۔

یہ سنتے ہی چار ہزار تیر اندازوں کے تیر ہر طرف سے جسم مبارک پر برسنے لگے
اور کچھ اشقیاء بیچ میں حائل ہو گئے۔ چاہا کہ خیمہ عصمت کو لوٹ لیں۔ مولاؑ نے فرمایا:

"ظالمو! کتنے بے غیرت ہو، آخر تم بھی عورتیں اور بچے رکھتے ہو۔ میرے جیتے
جی نبیؐ پاک کی عترت کو کچھ نہ کہنا۔ تھوڑی دیر آرام کرو، حسینؑ چند ساعت کا مہمان ہے،
میرے بعد جو تم ظالموں نے رسولؐ پاک کی آلؑ کے ساتھ سلوک کرنا ہے، میں خوب جانتا
ہوں۔ لڑائی تو میرے اور تمہارے درمیان ہے، یہ چند سیدانیاں پردہ دار تمہارے نبیؐ کی
عترت جو خیمہ میں بیٹھی اپنے عزیزوں کو روتی ہیں، ان کو کیوں ستاتے ہو؟"

یہ سن کر شمر نے پکارا کہ اے فوجِ اشقیاء! فرزندِ فاطمہؑ نہایت غیور ہے۔ اس حالت میں بھی اپنے اہلِ بیت کا خیال ہے، خیمہ سے علیحدہ ہو جاؤ اور سب کے سب حسینؑ پر ٹوٹ پڑو کہ جلدی قصہ تمام ہو جائے۔

یہ سنتے ہی لوگ آپؑ پر ٹوٹ پڑے۔ کوئی نیزہ، کوئی تلوار، کوئی تیر مارنے لگا اور اس قدر اس مظلومؑ کو زخموں سے چور کر دیا کہ مولاؑ زین پر سنبھل نہ سکے اور غش کھا کر زمین پر گرے۔ کتنی دیر بیہوش منہ کے بل پڑے رہے۔ عمر سعد نے بلند آواز سے کہا: جلدی سر کاٹ کر لاؤ کہ اب تو حسینؑ میں لڑنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔

پس بروایت حزن المؤمنین فوج اشقیاء میں ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ اگر ہم اپنے نبیؐ کے نواسہ کا سر کاٹ لائیں گے تو دُنیا میں لوگ کیا کہیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ کسی غیر مذہب شخص کو مال و دولت کا لالچ دے کر اس کام پر راضی کریں۔

غرض عمر سعد نے ایک نصرانی سے، جو اس فوج میں بذریعہ تجارت نیا آیا تھا، کہا کہ اگر تجھے کچھ نفع چاہئے تو اس میدان میں ایک مردِ ضعیف سراپا مجروح بے حس و حرکت غش میں پڑا ہے، جا کر اُس کا سر کاٹ لا۔ تھوڑی سی تکلیف میں زیادہ نفع ملے گا۔

وہ نصرانی مقتل کی طرف چلا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ جا بجا لاشیں جوان اور ضعیفوں کی اپنے اپنے خون میں آلودہ پڑی ہیں اور ایک شیر خوار گلے پر تیر کھائے ننھی ننھی مٹھیاں بند کئے ہوئے موت کی نیند سو رہا ہے اور اس کے پہلو میں ایک بزرگ نورانی صورت زخموں سے چور کمزوری سے آنکھیں بند کئے، لہو میں نہایا قبلہ کی طرف منہ کے بل خاک پر پڑا ہے اور نحیف آواز سے کچھ کہہ رہا ہے۔ نصرانی سمجھا کہ اپنے دشمنوں پر نفرین کرتا ہے۔ جب قریب گیا تو سنا کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرتے ہیں:

"خداوندا! حسینؑ نے اپنے وعدہ پر وفا کی، تو بھی اپنے وعدہ کو وفا کر۔ میرے نانا کی اُمت گناہگار کو بخش دے"۔

یہ سنتے ہی دل میں کہنے لگا: اللہ اکبر! بے شک یہ کوئی برگزیدہ بندہ ہے کہ اس عالم میں بھی لوگوں کیلئے دعائے خیر کرتا ہے۔

عرض کی: "اے ولیِ خدا! آپؑ کون ہیں اور کس جرم میں آپؑ کا یہ حال ہوا؟"

مولاؑ نے آنکھیں کھول دیں اور کمزور آواز سے فرمایا: "تجھے اس سے کیا مطلب؟ جس کام کو آیا ہے، اُسے کیوں نہیں کرتا؟"

وہ بولا کہ میں اس لشکر سے نہیں۔ نیا نیا آیا ہوں، مجھے جلدی اپنی کیفیت بیان کیجئے کہ میرا دل آپؑ کو دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔

فرمایا: "کیا کہوں کہ کون ہوں؟ تین دن کا بھوکا پیاسا انہی کے ہاتھ سے بے گناہ قتل ہو رہا ہوں۔ میرا نام حسینؑ ابن علیؑ ہے اور یہ سب گرد و پیش میرے ہی بھائیوں، بھتیجوں عزیزوں اور رفیقوں کی لاشیں ہیں۔

اے نصرانی! اس قومِ اشقیاء نے میرا گھر کا گھر تباہ کر دیا، یہاں تک کہ چھ ماہ کا بچہ بھی گود میں نہ رہنے دیا"۔

نصرانی رونے لگا اور بولا: "میں نے شب کو ایک خواب دیکھا ہے"۔

مولاؑ نے فرمایا: "تو نے جنابِ عیسیٰؑ کو دیکھا ہے کہ وہ تجھے جنت کی بشارت دے رہے ہیں"۔

یہ اعجاز دیکھتے ہی وہ نصرانی قدم چومنے لگا اور کہا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ".

"اب یہ نیا غلام بھی میدان جانے کی اجازت چاہتا ہے"۔

مولاؑ سے اجازت لے کر میدانِ جنگ میں آیا اور بہت دشمنوں کو قتل کیا۔ خود بھی زخمی ہو کر گرا اور آواز دی:

"هَلْ رَضِيتَ مِنِّي يَااَبَاعَبْدِاللّٰهِ".

''اے آقا! غلام نے آپ پر جان نثار کی، آیا آپ ہم سے راضی بھی ہوئے؟''

مولاؑ نے فرمایا: ''میں بھی راضی اور خدا اور رسولؐ بھی تجھ سے راضی ہوئے''۔

مؤمنین! مقامِ انصاف ہے کہ نصرانی کو احساس ہوا اور مولاؑ کی مظلومی دیکھ کر رونا آ گیا۔ شمر کا دل کتنا سخت تھا کہ باوجود دعوائے اسلام، خدا اور رسول کا کچھ خوف نہ کیا اور اپنے نبیؐ کے نواسے کا سر کاٹ لیا!

کس منہ سے کہوں کہ اس سرِ اطہر کے ساتھ کیا بے ادبی کی۔ تین مرتبہ زمین پر اس زور سے رکھا کہ اس مقام پر نشان پڑ گیا اور تین مرتبہ اس طرح بآوازِ بلند تکبیر کہی کہ سارے لشکر میں یہ آواز سنی گئی۔

تمام عالم میں تہلکہ مچ گیا، صحرا میں سیاہ آندھی اٹھی، دریا میں تلاطم ہوا، آسمان و زمین میں منادی نے ندا دی:

"اَلَاقُتِلَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلَا اَلَاذُبِحَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلَا".

''اے اہلِ دُنیا! آگاہ ہو کہ فرزندِ رسولؐ بھوکا پیاسا کربلا کی زمین پر گوسفندِ قربانی کی طرح ذبح کر دیا گیا''۔

مناجاتِ جنابِ موسٰیؑ، رُخصتِ و اتمامِ حُجّتِ امامؑ، روایتِ تاریخِ چین، امامؑ کا ایک کو مارنا اور دس کو چھوڑ دینا

"فِي مُنَاجَاتِ مُوسٰى وَقَدْ قَالَ رَبِّ لِمَ فَضَّلْتَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ".

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک روز حضرت موسٰیؑ نے اثنائے مناجات میں عرض کی: اے خالقِ عالم! کیا سبب ہے کہ اُمتِ خاتم الانبیاء کو تو نے سب اُمتوں پر فضیلت دی ہے؟

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِعَشْرِ خِصَالٍ".

''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ دس خصلتوں کے باعث میں نے انہیں فضیلت دی ہے جو اُن میں ہوں گی''۔

حضرت موسٰی علیہ السلام نے عرض کی: ''خداوندا! وہ کون کونسی خصلتیں ہیں۔ اگر مجھے ارشاد ہو تو میں بھی بنی اسرائیل کو اُس کے عمل کا حکم کروں''۔

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلصَّلٰوةُ وَالزَّكٰوةُ وَالصَّوْمُ وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ وَالْجُمُعَةُ وَالْجَمَاعَةُ وَالْقُرْآنُ وَالْعِلْمُ وَالْعَاشُوْرَا".

''پروردگارِ عالم نے فرمایا: اُن دس خصلتوں میں پہلی نماز ہے، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، جمعہ یعنی نمازِ جمعہ پڑھا کریں گے، نمازِ جماعت میں حاضر ہوں گے، تلاوتِ قرآن مجید کریں گے، علم فقہ و حدیث سیکھیں گے اور عاشورا ہے''۔

"قَالَ مُوسٰى يَارَبِّ وَمَاالْعَاشُوْرَا".

"حضرت موسیٰ نے عرض کی: بارالٰہا! سب کو میں سمجھ گیا مگر عاشورا کیا ہے؟"

"قَالَ الْبُكَاءُ وَالتَّبَاكِيْ عَلٰى سِبْطِ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى وَالْمَرْثِيَةُ وَالْعَزَاءُ لِمُصِيْبَتِهٖ".

"خداوند عالم نے فرمایا: اے موسیٰ! عاشورا سے مراد فرزند خاتم الانبیاء کے ماتم میں رونا اور رُلانا اور ایامِ عزا میں مرثیہ کہنا اور اُس کی مصیبت میں مرثیہ پڑھنا اور اُس مظلوم کی مجلس عزا برپا کرنا ہے"۔

"يَا مُوْسٰى مَا مِنْ عَبْدٍ مِنْ عَبِيْدِيْ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ بَكٰى اَوْتَبَاكٰى اَوْتَعَزّٰى عَلٰى وَلَدِ الْمُصْطَفٰى اِلَّا كَانَتْ لَهُ الْجَنَّةُ ثَوَابًا".

"اے موسیٰ! جو بندۂ مؤمن میرے بندوں میں سے ایامِ عاشورا میں فرزندِ رسولؐ کے غم میں آپ روئے یا کسی کو رُلائے یا رونے والوں کی سی صورت بنائے یا مجلس تعزیت برپا کرے، اُس کیلئے بہشت واجب ہے"۔

"وَمَنْ اَنْفَقَ مِنْ مَالِهٖ فِيْ مَحَبَّتِهٖ طَعَامًا كَانَ اَوْغَيْرَ ذٰلِكَ اِلَّا بَارَكْتُ لَهُ فِي الدُّنْيَا الدِّرْهَمَ بِسَبْعِيْنَ دِرْهَمًا".

اے موسیٰ! جو بندہ روزِ عاشورا اپنے مال سے کچھ خرچ کرے گا، خواہ کسی مؤمن کو کھانا کھلائے گا اور سلوک کرے گا، دُنیا میں ہی اُس کے ایک درہم کو ستر درہم کی برکت دوں گا"۔

"وَكَانَ فِي الْجَنَّةِ وَغَفَرْتُ لَهُ ذُنُوْبَهٗ".

اور اُسے جنت میں جگہ دوں گا اور اُس کے صغیرہ و کبیرہ گناہ بخش دوں گا۔

پس مؤمنین! خیال کیجئے کہ جس روز کیلئے گریہ وزاری کی یہ تاکید ہے، اُس روز

بعض منافقین اُمت نے عید مقرر کی ہے۔ دُشمنانِ دین اُس روز کو روزِ برکت جانتے ہیں جس روز جہاں سے کوئی سنگ و خشت اُٹھاتے تھے، اُس کے نیچے سے تازہ خون جوش مارتا ہوا پاتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وَلَمْ تَبْكِ السَّمَآءُ اِلَّا عَلَى الْحُسَيْنِ وَيَحْيَى ابْنِ زَكَرِيَّا".

"جب سے آسمان خلق ہوا، کسی پر نہیں رویا، سوائے یحییٰ بن زکریا اور حسینؑ ابن علیؑ پر"۔

منقول ہے کہ روزِ شہادتِ جناب امام حسین علیہ السلام سرخ مٹی آسمان سے گرتی تھی۔ قرطہ بن عبداللہ کہتا ہے کہ ہمیں مطلق شہادتِ امام حسینؑ کی خبر نہ تھی اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ فرزندِ رسولؐ اس بلا میں گرفتار ہیں۔

"اِذْ اَمْطَرَتِ السَّمَآءُ يَوْمًا نِصْفَ النَّهَارِ عَلٰى شَمْلَةٍ بَيْضَآءَ".

ناگاہ ایک دن آسمان سے بوندیں پڑنے لگیں اور سفید کپڑے باہر پڑے تھے۔

"فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ دَمٌ".

"ہم نے کپڑوں پر پڑنے والے قطروں کو دیکھا کہ وہ خون ہے جو آسمان سے برستا ہے"۔

وَذَهَبْتُ بِالْاِبِلِ اِلَى الْوَادِيْ لِيَشْرَبَ فَاِذَا هِيَ دَمٌ.

ہمارے اونٹ جنگل میں پانی پینے کو گئے، سوائے خون کے کہیں پانی نہ پایا۔ ہم نہایت حیران و متعجب تھے۔ ناگاہ خبر پہنچی کہ اُسی روز فرزندِ رسولؐ خدا بھوکے پیاسے شہید ہوئے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ جب جناب امام حسینؑ اپنے پارۂ جگر علی اصغرؑ کو گنجِ شہیداں میں

سلا چکے تو حضرتؑ کی نظر عزیز و انصار کے لاشوں پر پڑی کہ ہر ایک ٹکڑے ٹکڑے خاک و خون میں غلطاں گرم زمین پر پڑا ہے۔ اُس وقت حضرتؑ ایک آہِ سرد کھینچ کر خود آمادۂ مرگ ہوئے اور آخری وداع کے واسطے خیمہ کے در پر تشریف لائے اور فرمایا:

"یَا زَیْنَبُ وَیَا اُمَّ کُلْثُوْمٍ وَیَا سُکَیْنَۃُ وَیَا رُقَیَّۃُ وَ یَا فِضَّۃُ اَمَۃُ اُمِّیْ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَآءِ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ وَاسْتَوْدِعُکُنَّ"۔

"اے زینبؑ، اے اُمِ کلثومؑ، اے سکینہؑ، اے رقیہؑ اور اماں فضہؑ، ہماری والدہ گرامی جنابِ فاطمہ زہراؑ کی کنیز اور اے اہل بیتِ رسولؐ! ہمارا سلام پہنچے تم لوگوں پر اور تم لوگوں سے حسینؑ رخصت ہوتا ہے اور یہ میرا آخری وداع ہے اور میری اور تمہاری وعدہ گاہ روزِ قیامت ہے اور تم مجھے نانا رسولِؐ خدا کے نزدیک کے علاوہ کہیں نہ پاؤ گے"۔

پس ہر ایک بہن اور بیٹی کو گلے لگایا اور بہت روئے۔ ہر ایک کو صبر کی تلقین فرمائی۔ راوی کہتا ہے کہ اُس وقت اہل حرم میں ایک کہرام برپا ہوا اور آسمان و زمین سے آوازِ اَلْوِدَاعُ وَالْفِرَاقُ آنے لگی۔ جنابِ سکینہؑ نے رو کر عرض کیا:

"بابا جانؑ! کیا آپؑ نے مرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے؟"

فرمایا: "بیٹی! وہ شخص کیا کرے جس کا کوئی یار و مددگار باقی نہ رہا ہو اور کوئی چارۂ کار نہ ہو سوائے اس کے کہ اپنی جان دے"۔

جنابِ سکینہؑ نے عرض کی: "بابا! اگر آپ مرنے جاتے ہیں تو ہمیں کس کے سپرد کیے جاتے ہیں؟ ہمیں نانا رسولِؐ خدا کے روضہ پر پہنچا دیجئے"۔

آپ نے فرمایا: "اے بیٹی! بہت دشوار ہے۔ اگر تیرے باپ کو یہ امر ممکن ہوتا تو کبھی اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ لے جاتا"۔

غرض بیٹی کو بہت تشفی اور دلاسا دے کر روتے ہوئے ذوالجناح پر سوار ہوئے۔

سب بیبیاں گھوڑے سے لپٹی چیخیں مار کر روتی تھیں اور بچے خاک پر لوٹتے تھے۔

الغرض مؤمنین کرام! امامِ مظلوم سب کو روتا ہوا چھوڑ کر میدان میں تشریف لائے اور نیزہ زمین پر گاڑ کر آواز دی: "اے قومِ ناانصاف! تم لوگ کیوں کافر ہوتے ہو اور کیوں اُس پر لشکر کشی کی ہے جو ساکن حرمِ خدا و مجاورِ روضہ رسولؐ ہے اور خوف نہیں کرتے خدا سے کہ میرا ناحق خون بہاتے ہو؟"

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الْخَیْرِ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ
کَفَانِیْ بِھٰذَا مُفْخَرًا حِیْنَ اَفْخَرُ

اے گروہ غدار! اگر انصاف کو راہ دو تو میرے واسطے اتنا ہی فخر کافی ہے کہ میں حیدرِ کرار کا فرزند ہوں جو بزرگوار ہاشمی رسولِؐ خدا کے بعد بہترین خلق ہیں۔

وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَکْرَمُ مَنْ مَضٰی
وَنَحْنُ سِرَاجُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ یُزْھَرُ

اور تم لوگ خوب جانتے ہو کہ میرے جدِ بزرگور جنابِ رسولِؐ خدا ہیں کہ جن کا عدیل و نظیر دُنیا میں پیدا نہیں ہوا اور ہم وہ نورِ خدا ہیں کہ ہمارے نور سے زمین کی رونق ہے۔

وَفَاطِمَۃُ اُمِّیْ مِنْ سُلَالَۃِ اَحْمَدٍ
وَعَمِّیْ یُدْعٰی ذُوالْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ

اور میری مادرِ محترم، فخرِ مریمؑ، فاطمہ زہراؑ دخترِ رسولِؐ خدا ہیں اور عم بزرگوار جعفر طیارؑ وہ عالی وقار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دو شہپر سرخ یاقوت کے عطا فرمائے ہیں کہ اُن سے بہشت میں پرواز کرتے ہیں۔

وَنَحْنُ وُلَاۃُ الْحَوْضِ نَسْقِیْ وُلَاتَنَا
بِکَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَا لَیْسَ یُنْکَرُ

آگاہ رہو کہ ہم لوگ مالکِ حوضِ کوثر ہیں کہ روزِ قیامت جامِ رسولِؐ خدا میں [illegible] کا

آپ سرد و خوشگوار بھر کر اپنے دوستوں کو سیراب کریں گے اور کیونکر کہوں کہ کوئی شخص دعوائے اسلام کر کے ہماری اس فضیلت کا منکر ہو۔

وَشِیْعَتُنَا فِی النَّاسِ اَکْرَمُ شِیْعَۃٍ
وَمُبْغِضُنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُخْسَرُ

اور ہمارے دوست و محب روز جزاء تمام مخلوقِ خدا میں افضل و اعلیٰ شمار کیے جائیں گے اور ہمارے دشمن روزِ قیامت بدترین خلائق سے محسوب ہوں گے۔

فَطُوْبٰی لِعَبْدٍ زَارَنَا بَعْدَ مَوْتِنَا
بِجَنَّۃِ عَدْنٍ صَفْوُھَا لَا یُکَدَّرُ

پس اُس شخص کا حال بہت خوب ہے جو میری زیارت کو آئے گا۔ پروردگارِ عالم اُس کو اس کی جزاء میں بہشت میں جگہ دے گا جہاں کسی طرح کا رنج و ملال نہ ہوگا۔

اے قوم! خدا سے ڈرو اور ہم پر اس سے زیادہ ستم نہ کرو۔ کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ تمہارے پیغمبرؐ نے ہماری شان میں فرمایا ہے:

"حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ".

اور اس عمامہ مقدس کو نہیں پہچانتے ہو جو میرے سر پر ہے؟ اس زرہ سے واقف نہیں ہو جو میرے بدن پر ہے اور کیا آگاہ نہیں ہو کہ یہ ذوالجناح جس پر میں سوار ہوں، کس کا گھوڑا ہے؟ کیا یہ ذوالفقار جنابِ حیدرؑ کرار اور یہ سپر حمزہؑ نامدار کی نہیں ہے؟

اے غافلو! ڈرو روزِ جزاء سے کہ اُس روز ہمارے جد و پدر بزرگوار تم سے مخاصمہ کریں گے۔ اگر انتظامِ ملک کے واسطے مجھ مظلومؑ سے کچھ خدشہ اور خوف رکھتے ہو تو مجھے راہ دو کہ میں اپنے عیال و اطفال کا ہاتھ پکڑوں اور ملک روم یا ہند میں سکونت اختیار کروں۔

اس وقت مجھے تھوڑا سا پانی دو کہ تمہارے پیغمبرؐ کی نسل سے جو بیبیاں اور کچھ بچے بچ گئے ہیں، اُن کو پلاؤں کہ شدتِ تشنگی سے اُن کے جگر سوکھ گئے ہیں۔

اُن ملاعین نے جواب دیا: "اے حسینؑ! جیسے تمہارے بابا علی مرتضیٰؑ نے ہمارے بزرگوں کو قتل کیا ہے، اُس کا عوض آج ہم تم سے لیتے ہیں"۔

اُس وقت آپؑ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "جس نے اپنے پیغمبر کو قتل کیا، اُس قوم پر عذاب خدا نازل ہوا۔ تم لوگ اپنی نبیؐ کے نواسے کو قتل کرتے ہو، اب تم بھی آمادہ رہو کہ جلد غضب خداوند قہار میں مبتلا ہو گے"۔

ناگاہ شمر ملعون بولا: "اے حسینؑ! بات آگے نہ بڑھاؤ اور بیعت یزید اختیار کرو تاکہ اس بلا سے نجات پاسکو"۔

منقول ہے کہ بیعت کا لفظ سن کر حضرتؑ نے فرمایا:

"لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ".

اے قومِ سفاک! میرے نزدیک مرنا بہتر ہے اُس ننگ و عار سے کہ میں یزید کی بیعت اختیار کروں۔ یہ فرما کر حضرتؑ نے ذوالفقار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا اور بآوازِ بلند فرمایا:

"اے اہل کوفہ و شام! ہر چند کہ میں نے تمہیں ہر طرح سے سمجھایا اور حجت تمام کی لیکن تم نے قبول نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ تم اس جمعیت پر مغرور ہو۔ پس جو کوئی تم میں شجاع اور دلیر ہو، سامنے آئے"۔

منقول ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے اُس قومِ اشقیاء کو للکارا، حضرتؑ کی آواز سنتے ہی سب کے بدنوں میں رعشہ پڑ گیا اور کسی کو اس کی جرأت نہ ہوئی کہ اُس جریؑ کے مقابل ہو۔ سب کے سب بدحواس مثل تصویر ساکت کھڑے رہ گئے۔ جب فرزند اسد اللہ الغالبؑ نے کسی بزدل کو لشکر کی صفوں سے نکلتے نہ دیکھا، اُس وقت آپؑ نے غضبناک شیر کی طرح اُس بزدل لشکر پر جو چھ لاکھ تھے، حملہ کیا اور میمنہ و میسرہ اور قلبِ لشکر سے اس قدر منافق تہ تیغ کیے کہ کشتوں کے پشتے جمع کر دیئے اور لاشوں سے وہ تمام میدانِ کارزار بھر دیا اور جو کچھ باقی رہ گئے تھے، وہ سب بزدل خوف جان سے بدحواس ہو کر بھاگتے

پھرتے تھے۔

یَسطُو وَیَنظُرُو الاَسوَدُ اَمَامَهُ
فَرِقًا کَشَاۃٍ فِی مَجَالِ غَضَنفَرٍ

ہر چند افسرانِ فوج اور شجاعانِ لشکر اپنے حواس جمع کر کے کچھ توقف کرتے تھے لیکن جب حضرتؑ غضب کی نگاہ اُس مجمع شیطانی کی طرف کرتے تھے تو وہ سب بزدل مثل مور و ملخ متفرق و پریشان ہو کر فرار کر جاتے تھے، جس طرح بھیڑ اور بکریاں شیر کی آہٹ سے بھاگتی ہیں۔ اسی طرح دائیں بائیں چھپتے پھرتے تھے۔

فَیَقَالُ مَن ھٰذَا السِّبطُ المُصطَفٰی
فِی کَربَلَا اَم حَیدَرٌ فِی خَیبَرٍ

اُس حالتِ فرار و اضطرار میں بعض کفار بعض فرار ہونے والوں سے کہتے جاتے تھے کہ تم میں سے کسی پر بھی ثابت ہوا کہ یہ شیر دلیر جس کی دہشت سے سب کی جان نکلی جاتی ہے، کون ہے؟ آیا معرکہ کربلا میں حسینؑ یکہ و تنہا ہزاروں کو قتل کر رہے ہیں یا یہ کہ معرکہ خیبر میں خود جنابِ حیدرؑ کرار مصروفِ کارزار ہیں؟

غرض مومنین! جنابِ امام حسین علیہ السلام نے معرکہ کربلا میں ایسی جنگ کی کہ قیامت تک نہ ہوگی۔ آج تک غیر مسلم بھی حضرت امام حسینؑ کی بہادری اور شجاعت کے قائل ہیں۔

چنانچہ جیمس کارکرن نصرانی تاریخ چین میں لکھتا ہے کہ دُنیا میں رُستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی اشخاص ایسے گزرے ہیں کہ اُن کے سامنے رُستم کا نام لینے کے قابل نہیں۔ اوّل درجہ میں سرِ دفترِ شجاعانِ عالم حسینؑ ابن علیؑ ہیں۔ کس کی زبان میں یہ طاقت و بلاغت ہے کہ اُن 72 بزرگواروں کی ثابت قدمی و شجاعت اور ہزاروں خونخوار سواروں سے مقابل ہو کر جنگ کرنے اور قتل ہونے کی مدح کر سکے؟ کون ایسا ہے کہ اُن بزرگواروں کی

مصیبتوں کو، جس وقت سے عمر سعد نے اُن کا محاصرہ کیا، اُس وقت تک کہ شمر ملعون نے حسینؑ ابن علیؑ کے سر مبارک کو تن سے جدا کیا، تصور کر سکے؟

خیال کرنا چاہئے کہ ایک دشمن کا مقابلہ دُشوار ہوتا ہے۔ اُن بہادروں کو آٹھ دشمنوں نے تنگ کیا تھا اور اُس پر بھی اُن دلاوروں کے قدم میدانِ کارزار سے پیچھے نہ ہٹے۔ چار دشمن تو ظاہر ہیں کہ دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے اور پیچھے سے فوجوں نے اُنہیں گھیر لیا تھا اور برابر تیروں کی بوچھاڑ تھی۔ تلواروں پر تلواریں، نیزوں پر نیزے پڑتے تھے۔ پانچواں دشمن عرب کی دھوپ تھی۔ چھٹا دشمن گرم زمین کربلا اور ریگِ صحرا تھی کہ شدتِ حرارت سے شعلہ زن اور مثل آہن گداختہ کے ہو گئی تھی۔ سارا میدان دریائے آتش ہو رہا تھا اور حباب اُس میں بنی فاطمہؑ کے پاؤں کے آبلے تھے۔

ساتویں بھوک اور آٹھویں پیاس تھی۔ یہ دو آخری قوی دشمن ایسے جان کے خواہاں تھے کہ تین دن سے ہر دم اُن کا غلبہ زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ کسی وقت آرام نہ دیتے تھے۔ اس آفت کی پیاس تھی کہ شدتِ تشنگی سے اُن کی زبانیں سوکھ کر پھٹ گئی تھیں۔

پس جنہوں نے ان آفتوں میں معرکہ کارزار میں ہزاروں کا مقابلہ کیا ہو، اُن پر بہادری کا خاتمہ ہوا۔ اُسی عالم قتال میں حضرتؑ کافروں کو چن چن کر واصلِ جہنم کرتے تھے۔

چنانچہ صاحبِ اسرار الشہادۃ لکھتے ہیں کہ جب مظلومِ کربلا اثنائے جنگ میں اپنے فرزندِ علیل سے رُخصت کو آئے تو بیمارِ کربلا نے عرض کی:

"مَا مَعنَاہُ یَا اَبَتَاہُ مَالِی اَرَاکَ تَقتُلُ وَاحِدًا وَ تَترُکُ عَشرَۃً".

"بابا جانؑ! کیا وجہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپؑ ایک کو قتل کرتے ہیں اور دس کو چھوڑتے ہیں؟"

"فَقَالَ یَابُنَیَّ عِندَ العَصرِ یَنکَشِفُ لَکَ الحَالُ".

"امامؑ مظلوم نے فرمایا: اے فرزندؑ! وقتِ عصر تم پر یہ راز منکشف ہو جائے گا"۔

چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک کافر نے میرے پدرِ بزرگوار کو نیزہ مارا اور حضرتؑ نے اُسے قتل نہ کیا۔

"فَلَمَّا انْتَقَلَتِ الْإِمَامَةُ اِلَیَّ عَرَفْتُ اَنَّ ذٰلِکَ الْکَافِرَ کَانَ فِیْ صُلْبِهٖ مَنْ یُحِبُّنَا اَهْلَ الْبَیْتِ".

جب میں امامؑ ہوا تو معلوم کیا کہ اُس کافر کے صلب سے ہم اہل بیتؑ کا ایک شیعہ پیدا ہونے والا ہے۔

غرض امامِ عالی مقام یونہی لڑتے تھے، یہاں تک کہ تیس ہزار کافروں کو واصل جہنم کیا۔ پس عمر سعد نے اپنی فوج کو پکارا: وائے ہو تم پر۔ جانتے ہو کہ تم کس سے لڑتے ہو؟

"هٰذَا ابْنُ الْاَنْزَعِ الْبَطِیْنِ هٰذَا ابْنُ قَتَّالِ الْعَرَبِ".

اے بزدلو! یہ اُس کا فرزند ہے جس کا سینہ اسرارِ الٰہی سے بھرا تھا اور یہ فرزند قتالِ عرب اور شجاعِ بے بدل کا ہے۔ چاروں طرف سے حملہ کرو کہ اس پر ظفریاب ہو سکو۔

یہ سنتے ہی ایک مرتبہ چار ہزار تیر چلے اور نیزوں اور شمشیروں سے اُس مظلومؑ و بیکس امامؑ کو ایسا زخمی کیا کہ پشتِ زین پر سنبھل نہ سکے۔ زمین پر تشریف لائے اور کمالِ جرأت سے زمین پر سیدھے ہو بیٹھے اور وہ تیر جو ابوایوب غنوی ملعون کے ہاتھ سے حلقِ نازنین پر لگا تھا، اُسے کھینچ کر پھینک دیا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ جب مظلوم امامؑ گھوڑے سے نیچے آئے اور جنابِ زینبؑ نے درِ خیمہ سے یہ حال دیکھا تو برہنہ پا خیمہ سے باہر نکل پڑیں اور روتی پیٹتی مقتل کی طرف چلیں۔ جب قریب پہنچیں تو دیکھا کہ فرزندِ رسولؐ ریگِ گرم پر اپنے خون میں لوٹ رہے ہیں اور عمر سعد لعین اپنے ساتھیوں کے ساتھ سامنے کھڑا ہے۔

"فَقَالَ یَابْنَ سَعْدٍ اَیُقْتَلُ حُسَیْنُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ

اَنْتَ تَنْظُرُ اِلَیْهِ".

اُن مظلومہؑ نے کس حسرت و یاس سے رو کر عمر سعد سے فرمایا: "اے بے رحم! کتنا سنگدل ہے تو کہ فرزندِ رسولؐ حسینؑ قتل ہوتے ہیں اور تو کھڑا دیکھتا ہے؟"

حمید کہتا ہے کہ عمر سعد باوجود سنگدلی کے اُن مخدومہؑ کے اضطراب و بیقراری پر اتنا رویا کہ اُس سگِ ناپاک کا تمام منہ اشکوں سے تر ہو گیا۔ شمر ملعون قتل کے ارادے سے اُس مظلومؑ کے قریب آیا اور سینے اور پہلو کے زخموں کو ایسی تکلیف دی کہ حضرتؑ نے غش سے آنکھیں کھول دیں اور بہ نگاہِ حسرت و یاس اُس بے حیا کی طرف دیکھا۔

راوی کہتا ہے کہ مجھے جنابِ زینبؑ کا تڑپنا نہیں بھولتا کہ وہ معصومہؑ اُس وقت ایک ایک شخص سے بہ منت کہتی تھیں: "تم میں ایسا کوئی بھی رحمدل نہیں ہے کہ میری بیکسی پر رحم کرے اور کسی طرح میرے بھائی کو قتل سے بچائے؟ کسی طرح اس ستم رسیدہ بہن کو بھائی تک جانے دے؟"

رو کر شمر ملعون سے فرمانے لگیں: "اے بے رحم! خدا و رسولؐ کے واسطے میرے بھائی کے قتل میں اتنا توقف کر کہ یہ آفت رسیدہ بہن ایک مرتبہ اپنے بھائی کا آخری دیدار کر لے"۔

"فَلَمْ یَسْمَعْ کَلَامَهَا وَهَدَمَ اَرْکَانَ الْاِیْمَانِ".

آہ، آہ! ہر چند وہ معظمہ تڑپتی رہیں لیکن اُس شقی کو ہرگز رحم نہ آیا۔ ارکانِ دین کو گرا دیا اور آیاتِ قرآن کو مٹا دیا اور سرِ انور کو نیزۂ طویل پر رکھ کر صدائے تکبیر بلند کی۔ اُس تکبیر کے سنتے ہی تمام لشکر سے خوشی کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور سارا عالم مشرق سے مغرب تک تیرہ و تاریک ہو گیا۔

دن کو تارے نظر آنے لگے۔ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ ملائکہ کے رونے کی صدا آسمان سے برملا آنے لگی۔

فضائلِ مہمان نوازی، مظاہر کا رسولِ خدا کی دعوت کرنا، چار بزرگوں کا روزِ عاشور پانی طلب نہ کرنا

"عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضُمَیْرَةَ عَنْ اَمِیْرِ الْمُوْمِنِیْنَ قَالَ مَامِنْ مُوْمِنٍ یُحِبُّ الضَّیْفَ اِلَّا یَقُوْمُ مِنْ قَبْرِهٖ وَ وَجْهُهٗ کَالْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ"۔

حدیث میں عاصم بن ضمیرہ سے منقول ہے کہ سید الوصیین جنابِ امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو بندۂ مومن اپنے مہمان کو دوست رکھے، وہ مومن اپنی قبر سے بروزِ قیامت اس حالت میں اُٹھے گا کہ اُس کا چہرہ مثل چودھویں کے چاند روشن و منور ہوگا۔

"وَیَنْظُرُ اِلَیْهِ اَهْلُ الْجَمْعِ وَیَقُوْلُوْنَ مَاهٰذَا اِلَّا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ فَیَقُوْلُ مَلَکٌ هٰذَا مُوْمِنٌ یُحِبُّ الضَّیْفَ وَیُکْرِمُهٗ وَلَاسَبِیْلَ لَهٗ اِلَّا اَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ"۔

جب اہل محشر اُس پر نظر کریں گے تو آپس میں کہیں گے کہ یہ کوئی نبی مرسل ہے۔ پس ایک فرشتہ اُن کے جواب میں کہے گا کہ یہ ایک بندۂ مومن ہے کہ اپنے مہمان کو دُنیا میں دوست رکھتا تھا اور اس سے بااعزاز و اکرام پیش آتا تھا اور اب کی جزاء یہ ہے کہ پروردگارِ عالم اس بندۂ مومن کو بہشت میں داخل کرے گا۔

منقول ہے کہ ایک روز جنابِ مظاہرؓ نے خدمتِ رسولِ خدا میں عرض کی: اے عالمین کو عزت بخشنے والے محترم رسولؐ! یہ بندۂ خاکسار اُمیدوار ہے کہ آج غریب خانہ کو آپؐ اپنے اقدامِ فیض التزام سے سرفراز کر دیں اور نانِ خشک تناول فرمائیں۔

آنحضرتؐ نے وعدہ فرمایا اور مظاہر خوش و خرم آ کر سامانِ دعوت میں مصروف ہو گئے۔ جب حبیب کو معلوم ہوا کہ اُن کے والد مظاہرؓ نے حبیبِ خدا کی دعوت کی ہے تو اپنے پدرِ بزرگوار سے کہنے لگے:

"میں چاہتا ہوں کہ آپ جنابِ رسولِ خدا کی دعوت کریں اور میں قرۃ العین، رسولِ ثقلین، جنابِ امام حسین علیہ السلام کی ضیافت کروں۔ لہٰذا آپ دوبارہ خدمتِ باسعادتِ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا کر، بعد ادائے آدابِ زیارت آپ میری طرف سے عرض کریں کہ حضرتؐ جب قدم رنجہ فرمائیں تو اپنے پارۂ جگر امام حسینؑ کو بھی ہمراہ لائیں"۔

غرض جب وقتِ دعوت جنابِ رسولِ خدا اور جنابِ امام حسینؑ بہ موافق عرضِ مظاہرؓ اور حبیبؓ کے دولت سرا سے روانہ ہوئے اور حبیب کو یہ معلوم ہوا کہ حضرتؐ تشریف لاتے ہیں، فرطِ شوق سے فوراً بالا خانے پر اس خیال سے چڑھ گئے کہ جب تک وہ جنابؐ گھر میں تشریف لائیں، اُس وقت تک دُور سے زیارت کریں۔

ناگاہ حبیبؓ نے دیکھا کہ امام حسینؑ تشریف لاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اپنے آقا کے بیٹے کے استقبال کیلئے آگے بڑھنا چاہا، چونکہ اُس زمانہ میں حبیبؓ بہت صغیر سن تھے اور بخوبی سنِ تمیز کو نہ پہنچے تھے، اس کے علاوہ کثرتِ شوق سے خیالِ پست و بلند نہ رہا۔ اُسی چھت پر سے فرزندِ رسولؐ کے استقبال کیلئے آگے بڑھے۔ فوراً اُس کوٹھے پر سے زمین پر آ رہے اور طائرِ روح آشیانۂ جسم سے پرواز کر گیا۔

جس وقت یہ حالِ پُرملال حبیبؓ کے پدر مظاہر کو معلوم ہوا، نہایت پریشان خاطر ہوئے۔ لیکن سبحان اللہ! کیا صاحبِ اعتقاد تھے کہ اپنے فرزند کا کچھ خیال نہ کیا اور کسی کو اطلاع بھی نہ کی۔ حبیب کو ایک چادر میں لپیٹ کر ایک حجرہ میں رکھ دیا اور بہ مسرتِ تمام انجامِ دعوت میں مصروف رہے اور کسی طرح بھی اظہارِ ملال نہ کیا، اس سبب سے کہ دعوت

رسالت مآبؐ میں کچھ خلل واقع نہ ہو۔

مگر امام حسینؑ اپنے نانا رسولؐ خدا سے عرض کرنے لگے: ''اے جدِ بزرگوار! ہمارا حبیب دکھائی نہیں دیتا؟''

مظاہرؓ نے عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! بچوں کا حال تو آپ کو معلوم ہے۔ ایک جگہ پر نہیں رہتے۔ اس وقت حبیب بھی کہیں چلا گیا ہے''۔

امام حسینؑ نے یہ سن کر فرمایا: ''جب تک میرا حبیب نہیں آئے گا اور میرے ساتھ طعام میں شریک نہ ہوگا، میں بھی نہ کھاؤں گا''۔

جب مظاہرؓ نے یہ کیفیت دیکھی کہ جنابِ رسولؐ خدا اپنے نواسے کے مچلنے سے نہایت پریشان ہیں، اُس وقت تمام حال بیان کردیا اور حبیب کی لاش اُسی طرح چادر میں لپٹی ہوئی سامنے لاکر رکھ دی۔ حبیب کا یہ حال دیکھ کر جنابِ امام حسینؑ نے اپنے جدِ بزرگوار سے عرض کی: ''اگر میرا حبیب زندہ نہ ہوگا تو میں بھی رو رو کر اپنے آپ کو مارلوں گا''۔

یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اے فرزندؑ! دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حبیب کو زندہ کردے''۔

راوی کہتا ہے کہ اُس وقت امام حسین علیہ السلام نے اپنے سرِ مبارک سے اپنا چھوٹا سا عمامہ اُتارا اور ننھے ننھے ہاتھوں پر رکھا اور درگاہِ قاضی الحاجات میں مناجات کی:

''اے استخوان ہائے بوسیدہ کو زندہ فرمانے والے اور اے چارہ سازِ بے چارگانِ غم دیدہ! تجھ کو فخرِ عیسیٰؑ بن مریمؑ، میرے نانا رسولِ محترم کا واسطہ اور میری مادرِ عالی قدر مریمِ کبریٰ، فاطمہ زہراؑ اور پدرِ بزرگوار مظہر العجائب علیؑ ابن ابی طالبؑ کا صدقہ! میرے حبیب کو خلعتِ حیات سے دوبارہ سرفراز فرما''۔

ابھی دُعا تمام بھی نہ ہوئی تھی کہ روح نے مردہ تن میں پھر رجوع کیا۔ فرزندِ محبوبؐ خدا کی دعا سے حبیب بن مظاہرؓ دوبارہ زندہ ہوئے۔

مومنین! کیا مصلحت تھی روزِ عاشور کہ امام حسینؑ نے اپنے حبیب کو بڑھاپے میں بھوکا پیاسا اپنی آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں غلطاں دیکھا۔ کیا حال ہوا ہوگا اُس وقت امامِ مظلوم کا جب ایسے محبِ قدیم اور لڑکپن کے دوست کا ساتھ چھوٹا ہوگا اور کیا قلق گزرا ہوگا روحِ حبیبؓ ابن مظاہرؓ پر کہ لڑکپن میں جس شہزادے کی زیارت کے اشتیاق میں جان دی تھی اور عالمِ طفولیت میں اُس کی ضیافت کا سامان کیا تھا، وہی امامِ کونین عزیز و انصار کی شہادت کے بعد زخم ہائے نیزہ و شمشیر، خنجر و تیر کھاتا تھا اور تین دن کا بھوکا پیاسا اتمامِ حجت کے واسطے ایک ایک بے رحم سے شدتِ تشنگی میں پانی طلب فرماتا مگر کسی بے دین نے ایک قطرۂ آب تک نہ دیا۔

مومنین! جنابِ امام حسین علیہ السلام پر عظیم ترین غلبہ تشنگی تھا اور اپنی پیاس کے علاوہ ننھے ننھے بچوں اور اطفالِ خوردسال کا یہ حال دیکھ کر کہ شدتِ پیاس سے اُن کی زبانیں باہر نکل آئی ہیں، حضرتؑ کا اضطراب و قلق دوچند ہوتا جاتا تھا۔

کبھی مضطرب ہوکر خیمہ میں تشریف لے جاتے تھے تو اہلِ حرم اپنی پیاس کو بیان کرکے پانی طلب کرتے تھے اور گھبرا کر باہر آتے تو عزیز و انصار میں بھی شور العطش دیکھ کر مضطرب ہوجاتے تھے۔

مگر راوی کہتا ہے کہ چار شخصیات نے کبھی پیاس کی شکایت نہ کی اور امامِ مظلوم سے پانی طلب نہ کیا۔ اُن میں دو مرد تھے اور دو خواتین تھیں۔ اوّل وہ مرد جو کبھی طالبِ آب نہ ہوئے، وہ جنابِ عباسؑ تھے کہ ہمیشہ صابر و شاکر رہے۔

حضرت عباس علیہ السلام سے یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ حسینؑ کے بچے تو پیاس سے بے چین ہوں اور وہ اپنی تشنگی کی شکایت کریں!

دوسرے رئیس الصابرین امام زین العابدینؑ تھے کہ جس روز سے صحرائے کربلا میں وارد ہوئے، اُس روز سے حفاظت و نگرانی اہلِ بیتؑ میں اس قدر مشقت و زحمت اُٹھائی

کہ آخر علیل ہو گئے اور اکثر سید سجاد علیہ السلام شدتِ بیماری سے غش کر جاتے تھے۔ بھوک
اور پیاس کا کچھ خیال نہ تھا۔ یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ پدرِ بزرگوار کب شہید ہو گئے اور کیا مصائب
اُن پر گزرے!!

وہ دو مستورات جنہوں نے کبھی پیاس کی شکایت نہ کی، اُن میں پہلی جناب
زینبؑ تھیں کہ عاشور کے دن اپنے مظلوم بھائی کا یہ حال دیکھتی تھیں،

"يَلُوكُ لِسَانَهُ مِنْ شِدَّةِ الْعَطَشِ وَيَطْلُبُ الْمَاءَ"

کہ امامِ مظلوم خود شدتِ تشنگی سے اپنی سوکھی زبان لب ہائے مبارک پر پھیرتے
تھے اور ایک ایک سے پانی طلب فرماتے تھے اور کہتے تھے: "اے قومِ جفاکار! فرزندِ ساقیِ
کوثر بہت پیاسا ہے، تھوڑا پانی پلاؤ کہ شدتِ تشنگی سے میرا جگر جل رہا ہے"۔

مگر کوئی شقی سوائے اُس مظلوم کو نیزے، تلوار، خنجر اور تیر کے واروں کے کچھ
جواب نہ دیتا تھا۔ اپنے بھائی کی مصیبت دیکھ کر جنابِ زینبؑ ایسی پریشان تھیں کہ مطلق
اپنی پیاس کا خیال نہ تھا۔

دوسری خاتونِ معظمہ، شیدائے مظلومؑ کربلا جنابِ اُمِ ربابؑ تھیں کہ جنابِ امام
حسین علیہ السلام کا غلبہ تشنگی دیکھ کر اپنی پیاس کو بھول گئیں بلکہ جیسے ہی جنابِ ربابؑ کو یہ
معلوم ہوا کہ امامؑ تشنہ کام پیاسے ہی دُنیا سے تشریف لے گئے اور تا دمِ شہادت قطرۂ آب
میسر نہ آیا، اُس وقت سے جب تک وہ معظمہ زندہ رہیں، کبھی پانی طلب نہ فرمایا۔

راوی کہتا ہے کہ جب ایک کندی سے جنابِ ربابؑ کو فرزندِ رسولؐ کی شہادت کی
خبر ہوئی تو بی بی نے سب سے پہلے اُس سے بھی یہی سوال کیا:

"يَا أَخِي الْكِنْدِيُّ هَلْ شَرِبَ الْمَاءَ الْحُسَيْنُ".

"اے بھائی! ہمارے سیّد و آقا کو وقتِ شہادت پانی بھی میسر ہوا یا نہیں؟"

مؤمنین! اس سوال کا سبب یہ تھا کہ جنابِ امام حسینؑ کو لڑکپن سے پیاس کی

برداشت نہ تھی۔ چنانچہ جنابِ سیدہ فاطمہ زہراؑ عہدِ طفولیتِ امام حسینؑ میں ہی اپنے نورِ عین
کے واسطے پانی کا بہت اہتمام فرماتی تھیں اور ہر وقت صراحیاں ٹھنڈے پانی سے لبریز رکھتی
تھیں اور اس کیفیت سے جنابِ رُبابؑ خوب واقف تھیں۔

اُس کندی نے جب بی بی ربابؑ کا یہ سوال سنا:

'وَفَبَكَى وَقَالَ وَاللّٰهِ قَدْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ عَطْشَانًا'.

بے اختیار زار و قطار رونے لگا اور کہا: قسم ہے خدائے عزوجل کی، ان ملعونوں نے
اُس تشنہ لب کو پیاسا ذبح کیا اور ایک قطرہ بھی پانی کا نہ دیا۔

یہ سن کر جنابِ ربابؑ بہت روئیں اور منہ پیٹ لیا اور بیہوش ہو گئیں۔ جب ہوش
میں آئیں تو لاشِ مظلومؑ کربلا پر جا کر دیکھا کہ وہ نازپروردۂ رسولؐ زمین پر پڑا ہے اور سوائے
سایۂ آفتاب کوئی دوسرا سایہ نہیں۔

منقول ہے کہ اُس روز سے بی بی رُبابؑ تا حیات کبھی سایہ میں نہ بیٹھیں اور نہ کبھی
پانی طلب فرمایا۔

فضائلِ جناب امیرؑ، ردِ شمس ہونا، آفتاب کا آپؑ سے کلام کرنا، روایتِ ہلال بن نافع

"فِیۡ تَفۡسِیۡرِ الۡعَیَّاشِیِّ عَنۡ اَبِیۡ عَبۡدِاللّٰهِ قَالَ دَخَلَ عَلِیٌّ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰهِ فِیۡ مَرَضِهٖ وَقَدۡ اُغۡمِیَ عَلَیۡهِ وَرَاسُهٗ فِیۡ حِجۡرِ جِبۡرَئِیۡلَ فِیۡ صُوۡرَةِ دَحۡیَةَ الۡکَلۡبِیِّ".

تفسیر عیاشی میں حضرت ابوعبداللہ سے اور اُن حضرت نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی ہے کہ ایک روز جنابِ حضرت علی علیہ السلام خدمتِ باسعادت جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے، اُن ایام میں کہ آنحضرتؐ مریض تھے اور حسبِ اتفاق اس وقت بیہوش تھے۔

آپؐ کا سرِ مبارک حضرت جبرئیلؑ کی گود میں تھا مگر جبرئیلؑ اس وقت حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں تھے۔

"فَلَمَّا دَخَلَ عَلِیٌّ قَالَ لَهٗ جِبۡرَئِیۡلُ خُذۡ بِرَاسِ ابۡنِ عَمِّکَ فَاَنۡتَ اَحَقُّ بِهٖ عَنِّیۡ لِاَنَّ اللّٰهَ یَقُوۡلُ فِیۡ کِتَابِهٖ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتَابِ اللّٰهِ".

جس وقت جنابِ امیرؑ داخل ہوئے، جبرئیلؑ نے کہا: یا حضرتؑ! اپنے بھائی رسولؐ خدا کا سرِ مبارک اپنی گود میں لیجئے کہ آپؑ اس امر کے سزاوار تر ہیں، اس لئے کہ جنابِ احدیت نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے کہ بعض صاحبانِ قرابت مقدم اور اولیٰ

ہیں بعض کے اوپر۔

"فَجَلَسَ وَاَخَذَ رَاسَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ فَوَضَعَ فِیۡ حِجۡرِهٖ فَلَمۡ یَزَلۡ رَاسُ رَسُوۡلِ اللّٰهِ فِیۡ حِجۡرِهٖ حَتّٰی غَابَتِ الشَّمۡسُ".

جنابِ امیرؑ بیٹھ گئے اور سرِ اقدس کو گود میں لے لیا۔ چونکہ آنحضرتؐ بیہوش تھے، امیرالمومنینؑ اسی طرح سرِ اقدس کو گود میں لئے ہوئے بیٹھے رہے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

"وَاَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ اَفَاقَ فَرَفَعَ رَاسَهٗ وَنَظَرَ اِلٰی عَلِیٍّ فَقَالَ یَابۡنَ اَبِیۡ طَالِبٍ اَیۡنَ جِبۡرَئِیۡلُ فَقَالَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ مَا رَاَیۡتُ اِلَّا دَحۡیَةَ الۡکَلۡبِیَّ دَفَعَ رَاسَکَ اِلَیَّ فَلَمۡ یَزَلۡ رَاسُکَ فِیۡ حِجۡرِیۡ حَتّٰی غَابَتِ الشَّمۡسُ".

جب رسولؐ خدا کو غش سے افاقہ ہوا تو سرِ اقدس کو اُٹھا کر دیکھا کہ جنابِ امیرؑ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جنابِ امیرؑ سے پوچھا: "اے علیؑ! جبرئیلؑ کہاں گئے؟"

مولا علیؑ نے عرض کی: "یارسولؐ اللہ! میں نے نہیں دیکھا مگر جس وقت میں حاضر ہوا، دحیہ کلبی آپؐ کے سرِ مبارک کو اپنی گود میں لئے بیٹھے تھے۔ جب میں آیا تو آپؐ کے سرِ اقدس کو میری گود میں دے کر رخصت ہوئے۔ اُس وقت سے میں برابر سرِ مبارک کو گود میں لئے بیٹھا ہوں، یہاں تک کہ آفتاب غروب کر گیا"۔

"فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ فَصَلَّیۡتَ الۡعَصۡرَ فَقَالَ لَا قَالَ فَمَا مَنَعَکَ اَنۡ تُصَلِّیَ فَقَالَ قَدۡ اُغۡمِیَ عَلَیۡکَ وَکَانَ رَاسُکَ فِیۡ حِجۡرِیۡ".

''آنحضرتؐ نے پوچھا: یا علیؑ! آیا تم نے نمازِ عصر بھی پڑھی؟''

عرض کی: ''نہیں''۔

ارشاد فرمایا: ''یا علیؑ! کونسی چیز نماز پڑھنے میں مانع ہوئی؟''

عرض کی: ''یا حضرتؐ! کیسے نماز پڑھتا کہ آپؐ کا سرِ اقدس گود میں تھا؟''

''فَكَرِهْتُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَرِهْتُ اَنْ اَقُوْمَ وَاُصَلِّيَ وَاَضَعُ رَاْسَكَ''.

''یا حضرتؐ! میرے نفس نے گوارا نہ کیا کہ میں اس حال میں آپؐ سے جدا ہوں اور مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ آپؐ کے سرِ اقدس کو زمین پر رکھ کر نماز کے واسطے چلا جاؤں''۔

''فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّ عَلِيًّا كَانَ فِيْ طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِكَ حَتّٰى فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ اَللّٰهُمَّ فَرُدَّ عَلَيْهِ الشَّمْسَ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ''.

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت یہ سنا تو درگاہِ قاضی الحاجات میں اس طرح مناجات فرمائی:

''خداوندا! تو جانتا ہے کہ علیؑ تیرے اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا، یہاں تک کہ اُس کی نمازِ عصر قضا ہوئی۔ چاہتا ہوں کہ اُس کے واسطے آفتاب کو پلٹا دے تاکہ وہ نمازِ عصر کو وقتِ فضیلت میں ادا کرے''۔

''فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ وَصَارَتْ فِيْ وَقْتِ الْعَصْرِ بَيْضَاءَ مُضِيْئَةً''

آنحضرتؐ کی دُعا ابھی تمام نہ ہوئی تھی کہ آفتاب نے طلوع کیا، اس حال میں کہ خوب روشن و شفاف تھا اور اُس مقام پر، جو عین وقتِ فضیلت نمازِ عصر تھا، آکر ٹھہرا اور تمام

اہلِ مدینہ نے اُسے دیکھا۔

''وَاِنَّ عَلِيًّا قَامَ وَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَصَلُّوا الْمَغْرِبَ''.

جب جنابِ امیر علیہ السلام نے یہ ملاحظہ فرمایا تو فوراً اُٹھے اور نمازِ عصر کو ادا فرمایا۔ جب آپؑ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے، اُسی وقت آفتاب غروب کر گیا اور شب ہو گئی کہ سب نے نمازِ مغرب ادا کی۔

دوسری حدیث میں اس طرح لکھا ہے کہ جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: یا علیؑ! تم درگاہِ الٰہی میں دعا کرو کہ تمہارے واسطے سورج کو پلٹا دے تاکہ نمازِ عصر وقتِ فضیلت میں بجا لاؤ، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خدا اور رسولؐ کی فرمانبرداری کے سبب دوست رکھتا ہے۔

پس حضرت امیر علیہ السلام نے دعا کی اور سورج پلٹ آیا، اس قدر کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا اور حضرتؑ نے نمازِ عصر کو فضیلت کے وقت میں ادا کیا۔ اس کے بعد سورج غروب ہو گیا۔

اسماء بنت عمیسؓ اور اُمِ سلمیٰؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے غروبِ آفتاب کے وقت ایک آواز اس طرح سنی جس طرح لکڑی پر آری چلنے کے وقت آواز آتی ہے۔

''وَفِي الْعَوَالِمِ عَنِ النَّبِيِّ اَنَّهُ قَالَ لِعَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ يَااَبَاالْحَسَنِ كَلِّمِ الشَّمْسَ فَاِنَّهَا تُكَلِّمُكَ''.

عوالم میں جنابِ رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''اے ابوالحسنؑ! تم آفتاب سے کچھ کلام کرو تو وہ تمہارے ساتھ کلام کرے گا''۔

'قَالَ عَلِيٌّ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الْمُطِيْعُ لِلّٰهِ'

حسب الارشاد جنابِ امیرؑ نے سورج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اے پروردگار

کے فرمانبردار بندے! تجھ پر سلام ہو۔

"فَقَالَتِ الشَّمْسُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ وَقَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ يَا عَلِيُّ اَنْتَ وَشِيْعَتُكَ فِي الْجَنَّةِ".

آفتاب عالم تاب نے فوراً فصیح زبان میں جناب امیر علیہ السلام کو جواب سلام دیا اور عرض کی: اے آقائے مؤمنین اور پیشوائے متقین اور اے اُن لوگوں کے سردار جن کے اعضائے وضو روزِ جزاء درخشاں ہوں گے، یا حضرتؑ! آپؑ کے اور آپؑ کے شیعوں کیلئے جنت ہے۔

يَاعَلِيُّ اَوَّلُ مَنْ شُقَّ عَلَيْهِ الْاَرْضُ مُحَمَّدٌ ثُمَّ اَنْتَ وَاَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى مُحَمَّدٌ ثُمَّ اَنْتَ وَاَوَّلُ مَنْ يُحْيٰ مُحَمَّدٌ ثُمَّ اَنْتَ.

"یا حضرتؑ! روزِ قیامت پہلے جو شخص قبر سے باہر تشریف لائے گا، وہ آپؑ کے بھائی حضرت محمد مصطفےٰؐ ہوں گے اور اُنؐ کے بعد آپؑ ہوں گے۔

یا حضرتؑ! جو شخص روزِ قیامت زندہ کیا جائے گا، وہ جناب رسولؐ خدا ہوں گے اور پھر آپؑ ہوں گے"۔

"ثُمَّ انْكَبَّ سَاجِدًا وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ بِالدُّمُوْعِ".

پس جس وقت حضرت علی علیہ السلام نے آفتاب کی زبانی یہ بشارت سنی تو فوراً سجدۂ شکر کے واسطے زمین پر گرے اور چشم ہائے مبارک سے اشکوں کی دو نہریں جاری ہوگئیں۔

"فَانْكَبَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ فَقَالَ يَاحَبِيْبِيْ وَاَخِيْ اِرْفَعْ رَاْسَكَ فَقَدْ بَاهَى اللّٰهُ بِكَ اَهْلَ السَّبْعِ

السَّمٰوٰتِ".

جناب رسولؐ خدا نے اپنے بھائی کا یہ حال دیکھا۔ آنحضرتؐ نے بھی اپنے آپ کو بھائی کے اوپر گرا دیا۔ اے بھائی، اے میرے حبیب! سر تو اُٹھاؤ، دیکھو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ فخر و مباہات فرماتا ہے۔ تمہارے ساتھ فرشتگان نے آسمان پر سنا۔

مؤمنین! جناب علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے سجدۂ شکر پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سماوات کے ساتھ ناز و فخر فرمایا۔

پس تصور کیجئے کہ حضرت علی علیہ السلام کا وہ سجدہ کیسا تھا اور اُس پر اللہ تعالیٰ نے کس قدر مباہات فرمایا ہوگا کہ حضرتؑ رکوع سے اُٹھ کر سجدہ میں جاتے تھے۔

جب ابن ملجم ملعون نے تلوار سے سر مبارک پر ضرب لگائی اور جبرئیلؑ امین نے مابین آسمان و زمین رو رو کر ندا کی:

"اَلَا قَدْ قُتِلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ".

جب یہ آواز بی بی زینبؑ و اُمِ کلثومؑ نے سنی تو اپنے دونوں بھائیوں کو اُٹھایا اور کہا کہ دیکھو تمہارے پدر بزرگوار سجدے میں شہید ہوئے۔

پس حسنینؑ تشریف لے گئے اور مسجد سے اپنے پدر عالی مقدار کو اُٹھا کر لائے۔

مؤمنین! آپ نے جناب امیرؑ کے سجدے کا حال پڑھا۔ میری جان قربان ہو سجدۂ امام حسینؑ پر۔ وہ عجب سجدہ تھا کہ سر سجدہ میں، قاتل سینہ پر، خنجر گلوئے مبارک پر تھا اور زبان مبارک پر یہ دُعا تھی:

"اِلٰهِيْ وَسَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ تَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِ اُمَّةِ جَدِّيْ وَاغْفِرْ لِشِيْعَةِ اَبِيْ".

"الٰہی! میرے نانا کی اُمت کے گناہوں کو اور میرے پدر بزرگوار کے شیعوں کو بخش دے"۔

اس کے بعد آپؑ تڑپ کر فرماتے تھے: "العطش، العطش"۔
مومنین! کیا غضب کی پیاس تھی جنابِ امام حسینؑ کی!!
صاحب بحر الدرر لکھتے ہیں:

"لَمَّا سَقَطَ الْحُسَيْنُ عَنْ ظَهْرِ جَوَادِهِ".

جس وقت راکبِ دوشِ رسولؐ خدا جنابِ امام حسین علیہ السلام زخم ہائے کاری کی کثرت سے مضمحل ہو کر پشتِ زین سے بروئے زمین تشریف لائے، ہلال بن نافع کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ اُن تشنہ کام کی زبانِ مبارک شدتِ تشنگی سے باہر نکل آئی ہے اور جب کوئی ملعون قتل کے ارادہ سے قریب آتا تو حضرتؑ اپنے قتل پر خیال نہیں فرماتے بلکہ بے اختیار اشارہ سے پانی طلب کرتے اور فرماتے:

"اے شخص! ذبح سے قبل مجھے تھوڑا سا پانی پلا دے"۔

ہلال بن نافع کہتا ہے کہ جس وقت میں نے یہ حال پُر ملال دیکھا:

"فَارْتَعَشَ عَضُوِیْ".

میرے اعضاء کانپنے لگے اور عمر سعد سے جا کر کہا: "اے امیر! حسینؑ اس قدر زخمی ہیں کہ ذبح کے بغیر تھوڑی دیر میں خود ہی مقامِ شہادت کو پہنچ جائیں گے اور تیرا مطلب بر آئے گا۔ مگر اس وقت وہ مظلومؑ بہت پیاسے ہیں۔ اگر تیری اجازت ہو تو تھوڑا پانی اس وقتِ آخر میں اُن تک پہنچا دوں؟"

"فَسَكَتَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ. اَلسُّكُوْتُ كَالْاِقْرَارِ".

یہ سن کر عمر سعد بدنہاد خاموش و سرنگوں ہوا۔ میں سمجھا کہ اُس کا چپ رہنا اجازت کی مانند ہے۔

"فَوَرَدْتُ عَلَى الْفُرَاتِ وَمَلَاْتُ الرَّكْوَةَ".

اُس وقت میں گھوڑے پر سوار ہو کر تعجیل کے ساتھ نہرِ فرات پر پہنچا اور اپنی مشک کو

بھر کر چاہا کہ حسینؑ مظلوم تک پہنچاؤں مگر جب نہر سے مقتل کی جانب پلٹا تو دیکھا کہ دس ہزار نابکار قتل سید الابرارؑ پر خوشیاں منا رہے ہیں اور بآوازِ بلند تکبیریں کہتے ہیں۔ تھوڑا آگے بڑھا تو میں نے دیکھا:

"مَطَرَتِ السَّمَآءُ بِالدَّمِ".

کہ آسمان سے خون برستا ہے، آفتاب کو گہن لگا ہے، سیاہ آندھی چل رہی ہے اور ایک منادی مابین زمین و آسمان ندا کرتا ہے:

"اَلَا قُتِلَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلَا. اَلَا ذُبِحَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلَا".

اے ساکنانِ ارض و سماء، اے حاملانِ عرشِ اعلیٰ! آگاہ ہو کہ بی بی سکینہؑ یتیم ہو گئیں اور جنابِ زینبؑ کا بھائی مارا گیا۔ رسولؐ خدا کا نواسہ تین دن کا بھوکا پیاسا سرزمین کربلا پر بے جرم و خطا قتل کیا گیا۔

جب میں مقتل کے قریب پہنچا تو عجیب قیامت کا حال نظر آیا کہ سرِ مظلومِ کربلا ایک طویل نیزہ پر نصب ہے اور حلق بریدہ سے خون ٹپکتا ہے۔

'قَالَتْ فِضَّةُ رَاَيْتُ رَجُلًا بَاكِيًا عَلٰى بَابِ الْخَيْمَةِ'

جنابِ فضہ کہتی ہیں کہ جب میرا سردارؑ شہید ہو گیا اور ہم مصیبت زدہ بے والی و وارث ہو گئیں تو ایک سوار کو میں نے دیکھا کہ درِ خیمہ کے قریب کھڑا بے اختیار رو رہا ہے۔
میں نے اُس سے پوچھا: "اے شیخ! آیا تو ہماری مصیبت پر روتا ہے؟"
اُس نے کہا کہ میرے رونے کا باعث نہ پوچھ۔ اے فضہؑ! ایک ایسی خبرِ وحشت اثر فوجِ عمر سعد میں سنی ہے جس کے سننے سے بیتاب ہو گیا ہوں، یارائے ضبط باقی نہیں رہا۔
یہ سن کر فضہ گھبرا گئیں اور کہا اے شیخ! اس خبر سے مجھے بھی مطلع کر۔
اُس نے کہا کہ تابِ سماعت نہ لا سکو گی۔

جب میں نے بہت اصرار کیا تو اُس نے کہا: اس وقت میں عمر سعد کے پاس موجود تھا۔ ناگاہ ایک ناقہ سوار فرستادہ عبداللہ ابن زیاد ایک خط بنام عمر سعد لایا۔ جب وہ نامہ پڑھا گیا تو یہ مضمون مرقوم تھا:

”اے عمر سعد! فقط قتل حسینؑ پر اکتفا نہ کرنا بلکہ شہداء کے لاشوں پر گھوڑے دوڑانا، خیمہ ہائے عصمت میں آگ لگا دینا اور سیدانیوں کے سروں سے چادریں اُتار لینا“۔

مؤمنین! دستورِ عرب ہے کہ جب کسی قوم یا قبیلہ کی زیادہ اہانت منظور ہوتی ہے تو قتل کے بعد اُس کی لاش پر گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں۔

اے فضہؑ! جس وقت یہ خبر حُر کی فوج نے سنی تو حُر کا رسالہ بگڑ کر کھڑا ہوا اور کہا:

اے عمر! تو نے ہمارے سردار کو رفاقتِ امام حسینؑ کے سبب سے قتل کیا، اب یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے قوم وقبیلہ میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں؟ اگر ہمارے سردار کی لاش پامال ہوگی تو خدا کی قسم ہے کہ اسی صحرا میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔

یہ سن کر عمر سعد نے حکم دیا کہ حر کی لاش کو شہیدوں کے لاشوں سے علیحدہ کرلو۔

پس عمرو بن الحجاج جو فرات کا نگہبان تھا، دوڑ کر عمر سعد کے پاس آیا اور کہا: اے عمر! ہم نے سنا ہے کہ شہداء کی لاشیں پامال ہوا چاہتی ہیں۔ تجھے معلوم نہیں کہ میرے خالہ زاد بھائی ہلال بن نافع کی لاش بھی اُن شہداء کے لاشوں میں ہے۔ اگر وہ پامال ہو جائے گی تو ہم اپنا گلا کاٹ کر اسی مقام پر مر جائیں گے۔

اُس ملعون نے حکم دیا کہ اُس کی لاش کو بھی جدا کرلو۔

اس کے بعد وہ ملعون اُٹھا جس نے بی بی شہر بانو کی گود خالی کی تھی اور آغوشِ پدر میں چھ ماہ کے صغیر کو ہدفِ تیر کیا تھا، یعنی علی اصغرؑ کا قاتل حرملہ بن کاہل اسدی، عمر سعد کے پاس آکر کہنے لگا کہ اے ابن سعد! تو خوب جانتا ہے کہ حبیبؓ ابن مظاہرؓ میرے قوم وقبیلہ سے ہیں۔ اگر خدانخواستہ حبیب کی لاش پامال ہو جائے گی تو میں تمام قبیلہ میں رُسوا ہو جاؤں

گا اور کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔

عمر سعد ملعون بولا کہ حبیب کی لاش الگ کرلو۔

اللہ اکبر مؤمنین! کس قدر اہانت تھی پامالیِ لاش میں کہ باوجود سنگدلی کے شمر ملعون کو بھی شرم آئی اور عمر سعد سے کہنے لگا: تو خوب آگاہ ہے کہ عباسؑ، عبداللہ، جعفر اور عثمان فرزندانِ علیؑ، میرے بھانجے ہیں۔

اُس شقی نے کہا: اپنے بھانجوں کو بھی جدا کرلے۔

اے فضہؑ! اب آگے کیا بیان کروں؟ کوئی حسینؑ مظلوم کا ایسا والی وارث نہ ہوا جو عمر سعد سے کہتا کہ حسینؑ میرے عزیز وقرابت دار ہیں۔

اے فضہؑ! تمہاری گود کا کھلایا ہوا شہزادہ اور آغوش کا پالا گھوڑوں کے سموں سے پامال ہوا چاہتا ہے۔ میں نے جب سے یہ خبرِ مصیبت اثر سنی ہے، دل پر قابو باقی نہ رہا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔

یہ سن کر جنابِ فضہ کو تابِ ضبط نہ رہی اور ”وَاحُسَیْنَاهُ، وَامَظْلُوْمَاهُ، وَاسَیِّدَاهُ“ کہہ کر فریاد کرنے لگیں۔

مؤمنین! اسی اثناء میں لاشِ امامِ مظلوم پامال ہوگئی اور عمر سعد شقی نے ابن زیاد کے خط کے مطابق حکم دیا کہ عصمت وطہارت کے خیموں کو جلا دیا جائے اور ناموسِ رسالتؐ کو تاراج کر دیا جائے۔

راوی کہتا ہے کہ تاراجیِ خیام کے بعد جب ظالمانِ بدانجام نے چاہا کہ سیدانیوں کے سروں سے چادریں اُتار لیں، اُس وقت میں نے دیکھا کہ فوج کے کچھ سوار جن کے آگے شمر ملعون نیزہ بکف تھا اور کچھ اُمراء القیس کے قبیلہ کے لوگ ہاتھوں میں نیزے لئے آئے، یہاں تک کہ خیام میں داخل ہوئے۔ شمر نے ردائے زوجۂ جنابِ عباسؑ کی حفاظت کی اور کسی لعین بے دین کو اُتارنے نہ دی۔ ایک رئیس کندی جنابِ ربابؑ وسکینہؑ کی ردا اور

مقنعہ کا نگہبان رہا۔

مگر افسوس صد افسوس! جناب زینبؑ اُم کلثومؑ کی چادر کا بچانے والا کوئی نہ تھا۔ تطہیر کی وارث بلوائے عام میں سر برہنہ ہو گئیں۔

بعض روایات میں ہے کہ خود شمر نے چاہا کہ جناب زینبؑ کے سر مبارک سے ردا اُتار لے۔ اُس وقت اس مخدومہؑ نے منت سماجت کرتے ہوئے فرمایا:

"اے بے حیا! ہم پر رحم لازم ہے کہ ہمارے سروں سے وارثوں کے سائے اُٹھ گئے۔ اب تو چاہتا ہے کہ ایک چادر کا سایہ بھی سر پر نہ رہے؟

اے شمر! یہ ردا تیرے کس کام آئے گی؟ نہایت کہنہ اور بوسیدہ ہے اور جا بجا لیف خرما کے پیوند لگے ہوئے ہیں"۔

مگر مؤمنین! اُس ملعون نے کچھ پاسِ ادب نہ کیا اور نہ بی بی کی منت سماجت پر کوئی توجہ دی بلکہ اُس کہنہ چادر کو اُتارنے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ اُس وقت جناب زینبؑ نے بنظر قہر اُس شقی کی جانب دیکھا۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ بے حیا فوراً کمر تک زمین میں دھنس گیا۔ ناگاہ سر بریدۂ امام حسینؑ نے جو ملعون کے دستِ نجس میں تھا، آواز دی:

"یَا اُخْتِیْ اِصْبِرِیْ"۔

"اے بہن زینبؑ! تمہیں صبر لازم ہے، قہر و غضب کرنا تمہاری شان سے بعید ہے۔ اس کی خلاصی کیلئے جلد دُعا کرو ورنہ یہ شقی مثل قارون کے زمین میں فرو و غائب ہو جائے گا"۔

فضائلِ اہلِ بیتؑ، معجزۂ طعام، ولادتِ امام حسینؑ اور جبرئیلؑ کا تاج اُتارنا

"فِیْ کَشْفِ الْغُمَّةِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنِّیْ مُخَلِّفٌ فِیْکُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ"۔

کشف الغمہ میں ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ سلطانِ عراق و حجاز پیغمبرِ اُمت نواز نے فرمایا: بہ تحقیق کہ میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ جب تک تم اُس کی پیروی کرو گے، ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ایک کتابِ ربّ الارباب ہے اور دوسری ہماری اولادِ امجاد ہے۔

اللہ اللہ! کیا مرتبہ ہے اولادِ رسول کا!

کتاب تحفۃ المجالس میں منقول ہے کہ ایک روز جناب حسنین علیہما السلام بھوک سے بے چین ہو کر بیت الشرف میں تشریف لائے۔ جب وہاں کسی قسم کا کھانا موجود نہ پایا تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ وہاں سے بصد حسرت و یاس پھر جناب سیدہؑ کے پاس واپس آئے اور عرض کرنے لگے: اے مادرِ عالی وقار! اس وقت ہم بھوک کی شدت سے بیقرار ہیں۔

جناب سیدہؑ اپنے فرزندوں کا اضمحلال و اضطراب دیکھ کر بیتاب ہو گئیں اور اس حیلہ کے سوا کوئی تدبیر نہ بن پائی کہ اُن صاحبزادوں کی تسکین کی خاطر کچھ سنگریزے دھو کر ایک ظرف میں ڈال کر چولہے پر چڑھا دیئے اور آگ روشن کر دی اور حسنینؑ سے فرمایا: اے میرے نورِ چشمو! باہر جا کر کھیلو، جب کھانا تیار ہو گا تو بلا لوں گی۔

الغرض وہ شہزادے تھوڑی دیر کھیل کر پھر حاضر ہوئے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر چولہے کے قریب بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے:

"اے اماں جان! اب ہم سے بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ جو خام و پختہ طعام اس ظرف میں ہے، یونہی عنایت فرمادیجئے"۔

جنابِ سیدہؑ اُس وقت بہت مضطرب ہوئیں اور تسلی و تسکینِ حسنینؑ کے واسطے سرپوشِ ظرف کو اُٹھا کر دیکھنے لگیں۔ ناگاہ اُس ظرف سے بہترین مشک و عنبر کی خوشبو جنابِ سیدہؑ کے مشامِ اطہر میں آئی۔ ملاحظہ فرمایا تو ظرف طعامِ عمدہ سے مملو و لبریز ہے۔

یہ عطیہ الٰہی دیکھ کر وہ معصومہؑ سجدۂ شکر بجالائیں اور حسنینؑ نے سیر ہو کر اُس طعام لذیذ سے تناول فرمایا۔

جب جنابِ رسالت مآب کو اس کیفیت کی اطلاع ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

"میں اُس پروردگارِ عالم کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے اس عالم سے نہ اُٹھایا جب تک میری دُخترِ نیک اختر کو وہ رُتبہ عنایت نہ کیا جو انبیائے ماسلف کی صاحبزادیوں کو عنایت فرمایا تھا"۔

منقول ہے کہ اکثر جنابِ حسنینؑ جب بھوک سے بے چین ہوتے تھے اور جنابِ سیدہؑ سے کھانا طلب فرماتے تھے تو وہ معصومہؑ اُسی ظرف کو چولہے پر چڑھا کر آگ روشن کر دیتی تھیں اور وہ ظرف اُسی طرح طعامِ لذیذ سے مملو ہو جاتا تھا اور حسنینؑ نوش فرماتے تھے۔

صاحبِ بحرالدرر لکھتے ہیں کہ کوئی طفل چھ مہینے کے بعد پیدا نہیں ہوا جو زندہ رہا ہو مگر دو بزرگوار، ایک حضرت یحییٰ، دوسرے جنابِ امام حسین علیہ السلام اور کسی نے شکمِ مادر میں کلام نہیں کیا مگر چند بزرگواروں نے، اوّل جنابِ رسولِ مختار، دوسرے جنابِ حیدرِ کرار، تیسری جنابِ فاطمہ زہرا بنتِ محمد مصطفیٰؐ، چوتھے فرزندِ رسولؐ الثقلین جنابِ امام حسینؑ۔

چنانچہ جنابِ سیدہؑ فرماتی ہیں کہ جب میرے نورِ عین فرزند حسینؑ کا نور میرے شکم

میں قرار پایا اور ایک مہینہ گزرا تو مجھ پر حزن و ملال طاری ہوا۔ ہر وقت رویا کرتی تھی۔ جب دوسرا مہینہ تمام ہوا، آب و طعام کی رغبت بھی جاتی رہی۔ جب تیسرا مہینہ ہوا تو سب غم و الم زائل ہو گیا۔ آب و طعام کی خواہش ہوئی۔ جب چار مہینے بسر ہوئے تو عبادت کی طرف رغبت زیادہ ہو گئی مگر میں جب نماز کو کھڑی ہوتی اور تکبیر کہتی تھی تو میرے شکم سے بھی تکبیر کی آواز آتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ میرے ساتھ یہ جنین بھی ذکرِ خدا کرتا ہے۔

پانچویں مہینے نمازِ صبح کے بعد جنین نے آواز دی:

"یَااُمَّاهُ اَنَاوَلَدُکِ الْعَطْشَانُ"۔

نمازِ ظہرین کے بعد پھر آواز آئی:

"یَااُمَّاهُ اَنَاوَلَدُکِ الْعُرْیَانُ"۔

مغربین کے بعد پھر اُس نے کہا:

"یَااُمَّاهُ اَنَاوَلَدُکِ السَّحْقَانُ"۔

یہ تینوں کلمات سن کر میں نہایت مضطرب ہوئی۔ رات بھر نیند نہ آئی، برابر روتی رہی۔ صبح کو میں نے اپنے باباؐ کی خدمت میں جا کر کیفیت بیان کی اور اُن کلمات کی تفسیر کے بارے میں پوچھا۔

"فَبَکٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ بُکَآءً شَدِیْدًا"۔

آنحضرتؐ بے اختیار رونے لگے اور کچھ نہ فرمایا۔

جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا: "کلمہ اوّل کے معنی ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ہمارے بعد میری اُمت میرے اس نواسے کو دریا کے کنارے تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کرے گی اور مرتے دم تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دے گی"۔

مؤمنین! ماں جب اپنے بیٹے کا یہ حال سنے تو دل پر کیا صدمہ گزرے گا! جنابِ سیدہؑ دیر تک شدت سے گریہ کرتی رہیں۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: "کلمہ ثانی کی تفسیر یہ ہے کہ جب تیرا یہ فرزند شہید ہو جائے گا تو اعداء اُس کے لباسِ بدن کو اُتار کر لے جائیں گے اور اُس کی عریاں لاش جلتی ریت پر دھوپ میں پڑی رہے گی۔ نہ کوئی غسل دے گا اور نہ کوئی دفن کرے گا"۔

مومنین! یہ سنتے ہی جناب سیدہؑ چیخ مار کر رونے لگیں اور ایسا روئیں کہ غش کر گئیں۔ کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا اور کلمہ ثالث کی تفسیر پوچھی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا "اے فاطمہؑ! تجھے سننے کی تاب نہ رہے گی، اُس کے بیان میں مجھے تیرے مرنے کا خدشہ ہے"۔

جناب سیدہؑ نے اصرار کیا، مجبور ہو کر جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا: "تم فاطمہؑ کے بازوؤں کو تھام لو"۔

پھر فرمایا: "وَلَدُکَ المُسْحَقَانِ" سے مراد یہ ہے کہ جب حسینؑ تشنہ لب قتل ہو جائے گا اور اُس کا بے سر جسم عریاں بھی ہو جائے گا، ان سب مظالم پر اشقیاء یہ غضب کریں گے کہ اپنے راہواروں کی نعل بندیاں کر کے اس طرح مقتل میں دوڑائیں گے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو کر اُس لاش پر سموں کے نشان پڑ جائیں گے"۔

یہ سن کر جناب امیر علیہ السلام اس شدت سے روئے کہ سیدہؑ کا بازو ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ مخدومہ غش کھا کر گر پڑیں۔

الحاصل جب چھٹا مہینہ شروع ہوا اور وقت وضع حمل قریب پہنچا، ابن عباس کہتے ہیں کہ اُس وقت لعیا کو حکم خدا ہوا کہ جد خدمت فاطمہ زہراؑ میں حاضر ہو اور جو خدمات وقت وضع حمل قابلہ سے متعلق ہوتی ہیں، وہ سب بجالاؤ۔

لعیا وہ بہشتی حور ہے کہ ستر ہزار حوریں اُس کی خدمت گزار اور پرستار ہیں اور ستر ہزار قصر جن میں ستر ہزار غرفہ ہائے مرصع بہ انواع واقسام جواہر ہیں جو اُسے مرحمت ہوئے ہیں۔ ایک قصر خاص جو تمام قصور جنت سے بلند تر ہے، اُس حور کو رہنے کے واسطے عطا ہوا

ہے۔ خداوند احسن الخالقین نے اُس حور کو ایسا حسن و جمال عنایت کیا ہے کہ نورِ جمالِ لعیا سے تمام قصورِ بہشت روشن و منور ہو جاتے ہیں۔

'فَجَاءَتْ لُعْيَا اِلٰى فَاطِمَةَ وَسَلَّمَتْ عَلَيْهَا فَلَحِقَتْ لَهَا الْحَيَاءُ وَمَا تَدْرِىْ بِاَىِّ شَىْءٍ تَفْرُشُ لَهَا'.

پس لعیا بحکم خدا خدمت باسعادت خاتونِ قیامت میں حاضر ہوئی اور سلام بجا لائی۔ ہر چند کہ اُس معصومہؑ نے جواب سلام دیا لیکن فرش نہ ہونے کے سبب جو لعیا کے بیٹھنے کے لائق ہو، نہایت متردد اور شرمگیں ہوئیں اور سوائے ایک گوسفند کی کھال کے، جس پر دن کو جناب امیر علیہ السلام کا اُونٹ دانہ کھاتا تھا اور شب کو خود وہ معصومہؑ اور جناب امیرؑ استراحت فرماتے تھے، لعیا نے مزید کچھ نہ پایا۔

منقول ہے کہ جناب سیدہؑ اسی تردد میں تھیں، ناگاہ ایک حور بہشت سے مع فرشِ جنت کے حاضر ہوئی اور لعیا مع اپنی کنیزوں کے اُس فرش پر بیٹھی۔

پس بقولِ شیخ مفیدؒ پانچ ماہِ شعبان کو نورِ جمال، عدیم المثال امام حسین علیہ السلام سے تمام عالم نورانی ہوا اور لعیا نے ایک پارچہ سفید بہشتی میں لپیٹ کر حضرتؑ کو اپنی گود میں لے لیا اور بہت پیار کیا۔

اُسی وقت جبرئیلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیلؑ کو حکم خدا پہنچا کہ تم سب مع فوجِ ملائکہ ہمارے حبیبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حسینؑ کے پیدا ہونے کی ہماری طرف سے مبارک باد دو۔

پس حسب الحکم جبرئیلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیلؑ مع قبائل ملائکہ کے جن کی تعداد سو کروڑ حدیث سے ثابت ہوتی ہے، بکمالِ فرحت و سرور جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک نے پروردگار کی جانب سے امام حسین علیہ السلام کے پیدا ہونے کی مبارکباد دی۔ سات شبانہ روز وہ سب فرشتے مع حورانِ بہشتی اور لعیا کے در دولت

جنابِ سیدؑالوریٰ پر حاضر رہے۔ آٹھویں روز وہ سب رُخصت ہو کر آسمان کو پرواز کر گئے۔

صاحبِ بحرالدرر روایت کرتے ہیں کہ جس روز سے جنابِ امام حسینؑ پیدا ہوئے تھے، اُس روز سے جبرئیلؑ امین نے اپنا یہ معمول کیا کہ ہر روز حاضر ہو کر ایک نظر جنابِ امام حسینؑ کو دیکھ جایا کرتے تھے اور جب فرزندِ رسولؐ محبت سے جبرئیلؑ کی طرف نظر فرماتے تھے تو وہ بہت شاد ہوتے تھے اور آسمان پر جا کر اپنے سرور کی کیفیت بیان کرتے تھے۔

ایک روز جبرئیلؑ حاضر ہوئے تو امام حسینؑ کو اپنی طرف متوجہ نہ پایا۔ دیکھا کہ وہ شہزادہؑ دو لعل، جو گہوارہ میں آویزاں ہیں، اُنہیں دیکھ رہا ہے۔

مؤمنین! یہ وہ لعل تھے جنہیں ایک بادشاہ نے بطور ہدیہ رسولِؐ خدا کی خدمت میں بھیجا تھا۔ رسولِؐ خدا نے وہ لعل جنابِ سیدہ طاہرہؑ کو دیئے۔ معصومہؑ نے اپنے لختِ جگر کے گہوارے میں لٹکا دیئے۔

بہر کیف اُس روز جبرئیلؑ جو آسمان پر گئے تو نہایت مغموم تھے۔ حجابِ قدرت سے آواز آئی: "اے جبرئیلؑ! آج تو غمگین کیوں ہے؟"

عرض کی: "خداوندا! تو خوب جانتا ہے"۔

ارشاد ہوا: "ہم تیرے ملال سے بہت خوش ہوئے۔ اس کے عوض میں وہ نعمت عطا کرتے ہیں کہ ملائکہ میں تیری مباہات کا باعث ہوگی"۔

روح الامینؑ نے فوراً ایک تاجِ مرصع اپنے زیبِ سر پایا۔ وہ تاج اُن کو سرمایۂ افتخار ہوا۔ فرشتوں سے کہتے تھے کہ یہ دولت میں نے حسینؑ کی بدولت پائی ہے۔

منقول ہے کہ وہ تاج اُس وقت سے کبھی اُن کے سر سے جدا نہ ہوا مگر جنابِ رسالتمآبؐ کی ہجرت سے ساٹھ برس بعد۔

مؤمنین! آپ کو معلوم ہوا کہ کس مہینے میں، کونسی تاریخ کو، کس روز، کس وقت اور کس جگہ وہ تاج روح الامینؑ سر سے اُترا؟

محرم کے مہینے میں دس تاریخ، جمعہ کے دن، عصر کے وقت کربلا کے صحرا میں۔

منقول ہے کہ جب نبیؐ کا نواسہ لاکھوں دشمنوں میں گھر گیا اور لبِ دریا آپؑ پر پانی بند ہوگیا، خیمے میں ننھے ننھے بچے پیاس کی شدت سے بے چین ہو کر شور کرنے لگے، جنابِ سکینہؑ کو غش آنے لگا، علی اصغرؑ جھولے میں دم توڑنے لگے، سیدالشہداؑ مضطر ہو کر کبھی خیمہ میں آتے تھے، کبھی گھبرا کر باہر جاتے تھے، کبھی خشک ہونٹوں پر زبانِ مبارک پھیر کر دشمنوں سے پانی مانگتے تھے۔

جبرئیلؑ نے امامؑ مظلوم کو اس مصیبت میں دیکھ کر فریاد کی اور چاہا کہ تاج اپنے سر سے پھینک دیں۔ ہاتف نے آواز دی: صبر کرو، ابھی تمہارے سر برہنہ کرنے کا وقت نہیں آیا، یہاں تک کہ سب انصار باری باری درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور نوبت عزیزوں کی پہنچی۔ بھانجوں کے داغ، بھتیجوں کے بھی غم اُٹھا چکے۔ ایک رات کی بیاہی بیٹی بیوہ ہوگئی اور بتیس برس کا جوان بھائی، گودیوں کا کھلایا، باباؑ کی نشانی جس سے بازوؤں میں قوت اور دل کو تقویت تھی، نہر پر شانے کٹوا کر، سر پر گرز کھا کر دُنیا سے سدھارا۔

اس صدمہ سے مظلومؑ کربلا کی کمر شکستہ ہوگئی۔ بار بار فرماتے تھے:

"اَلْاٰنَ اِنْكَسَرَ ظَهْرِىْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِىْ".

"عباسؑ کے غم نے میری کمر توڑ دی، اب راہِ چارہ مسدود ہوگئی"۔

حضرتؑ کی بیتابی پر پھر جبرئیلؑ نے بیقرار ہو کر چاہا کہ تاج سر سے اُتاریں۔ پھر آواز آئی: ابھی توقف کرو، یہاں تک کہ اٹھارہ برس کے بیٹے، ضعیفی کے سہارے، پیغمبرؐ خدا کے ہمشکل نے بھی سینے پر برچھی کھا کر آواز دی:

"يَا اَبَتَاهُ اَدْرِكْنِىْ".

امامؑ مظلوم مضطر ہو کر مقتل کی طرف دوڑے مگر جوان بیٹے کی موت نے آنکھوں کی بصارت زائل کر دی تھی۔ ہر طرف ڈھونڈتے پھرتے تھے مگر لاش کا پتا نہ چلتا تھا۔ بڑی

مشکل سے پہنچے تو اُس وقت تک شہزادہ بہشت میں پہنچ چکا تھا۔

بے ساختہ "وَا اَکْبَرَاهُ، وَا علیَاهُ" کہہ کر میّت سے لپٹ گئے اور فرمانے لگے۔

"یَابُنَیَّ عَلَی الدُّنْیَابَعْدَکَ الْعَفَاءُ"

"اے اکبرؑ! جب تم سا بیٹا آنکھوں کے سامنے مارا جائے تو میں جی کر کیا کروں گا؟ تمہارے بعد اس دُنیا اور زندگانی پر خاک ہے"۔

حضرت امام حسینؑ کا تڑپنا جنابِ جبرئیلؑ سے نہ دیکھ گیا۔ بے اختیار ہو گئے اور پھر چاہا کہ تاج سر سے جدا کر دیں۔ پھر حکم ہوا کہ جلدی نہ کرو، تھوڑی دیر میں تمہارے سر برہنہ کرنے کا وقت آتا ہے۔

غرض جب حضرتؑ بعدِ علی اکبرؑ کے اپنے طفل شیر خوار کو بھی رو چکے اور چھوٹی سی لحد کھود کر اُس ننھی سی لاش کو پیوندِ خاک بھی کر چکے، خود آمادۂ جہاد ہوئے اور عصر کے وقت ایک ہزار نو سو اکاون زخم بدن پر کھا کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تو رسولؐ خدا اپنے روضہ سے، جنابِ سیدہؑ جنت البقیع سے، امیر المؤمنینؑ نجف سے، جبرئیلؑ سدرہ سے اُس صحرا میں روتے پیٹتے پہنچے۔ شمر نے جنابِ فاطمہ زہراؑ کو اپنے بیٹے کا سر گود میں لینے بھی نہ دیا، خنجر سے شہید کر ڈالا۔

آسمان ہلنے لگے، زمین کانپنے لگی۔ اب جبرئیلؑ کو تاب کب تھی؟ جس کی بدولت وہ تاج حاصل ہوا تھا، اُس کا سر تو جدا ہو گیا، اُن کے سر پر تاج کیونکر رہتا؟ بے اختیار اُتار کر زمین پر پٹخ دیا اور "وَاحُسَیْنَاهُ، وَاسَیِّدَاهُ، وَامَظْلُوْمَاهُ" کہہ کر دونوں ہاتھوں سے خاک سر پر ڈالنے لگے۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، جنابِ امیرؑ کو تبرّکاتِ رسولِ خدا کا ملنا، روایتِ ذوالجناح وعقاب

"یَامَعْشَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ طُوْبٰی لِمَنْ یَسْتَمِعُ فَضَائِلَ مَنْ مَدَحَهُ الرَّبُّ الْجَلِیْلُ فِی التَّوْرٰتِهِ وَالْاِنْجِیْلِ وَبَیَّنَ مَنَاقِبَهُ فِیْ مُحْکَمَاتِ التَّنْزِیْلِ اِرْشَادٌ لِلْمُتَّقِیْنَ وَاِرْغَامًا لِلْجَاحِدِیْنَ".

"اے گروہِ مؤمنین! خوشحال ہے وہ شخص جو فضائل اُس جناب کے بگوشِ دل سنے جن کی مدح پروردگارِ عالم نے توریت وانجیل میں کی ہو اور اُن کے مناقب آیاتِ واضح قرآن مبین میں بیان فرمائے ہوں تا کہ پرہیزگار و شیعانِ اہل بیتِؑ اطہار ہدایت پائیں اور امیر المؤمنینؑ کے منکرین ومعاندین سرنگوں وپشیمان ہوں"۔

کَیْفَ اُمْلِیْ بِیَرَاعٍ وَمِدَادِنَزْرٍ
بَابَ فَضْلٍ صَغُرَتْ فِیْهِ کِبَارُ الْکُتُبِ

شاعر کہتا ہے، کیونکر لکھے اور احاطہ کرے یہ عاجز وناتواں قلم شکستہ زباں اور سیاہی قلیل سے فضائل اُس سیدِ جلیل کے جس کی مدح وثناء میں بڑے دفتر کوتاہی کرتے ہیں:

جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ شَرَفٍ اَوْفَضْلٍ
مَابِهٖ خَصَّ سِوٰی اَحْمَدَ مِنْ کُلِّ نَبِیِّ

پروردگارِ عالم نے اُس عالی جناب کیلئے شرف وفضائل سے جو جو ہر پیغمبر کے، سوائے رسولؐ خدا کے، بواسطہ ہیں، جمع کیا، وہ سب ذاتِ بابرکات وصیِ سرورِ کائنات میں یکجا جمع ہوئے۔

یَـا لَـهُ مِنْ مَلِکٍ مُقْتَدِرٍ ذِیْ هِمَمٍ

فِیْ لِبَاسٍ خَشِنٍ عَاشَ وَاَکْلِ الْجَشَبِ

سبحان اللہ! ایسا بادشاہ عالی وقار و منزلت، صاحبِ اختیار و مرتبت، لباسِ نفیس و غذائے لطیف پر رغبت نہ کرے بلکہ تمام عمر لباسِ کہنہ اور نانِ جویں پر اکتفا و قناعت فرمائے!

کتاب سرور المومنین میں منقول ہے کہ جناب رسولِ خدا نے وقتِ وفات جو تبرکات آپؐ کے پاس موجود تھے، اپنے جانشین امیر المومنینؑ کو بلا کر عنایت فرمائے۔ اُن میں سے بعض کی تفصیل یہ ہے:

خود، زِرہ ذات الفصول، عمامہ سحاب اور دو ملبوسِ خاص، ایک شبِ معراج اور ایک جنگِ اُحد میں جسے زیب تن کیا تھا، دو خچر، ایک دلدل اور ایک شہباز، دو ناقہ، ایک صہبا اور ایک عضبا، دو گھوڑے، ایک عقاب اور ایک ذوالجناح، ایک انگشتری، ایک ذوالفقار اور ایک یعفور دراز گوش۔

منقول ہے کہ سیدِ کائنات کی وفات کے بعد دو جانوروں نے آنحضرتؐ کے صدمہ مفارقت سے اپنی جان دی۔ ایک تو یعفور کہ اُس نے اپنے آپ کو کنویں میں گرا دیا اور وہی اُس کا مدفن ہوا۔ دوسری عضبا اونٹنی کہ اُس نے ترکِ آب و دانہ کر کے اپنے تئیں ہلاک کیا۔ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے گڑھا کھدوا کر اُسے دفن کر دیا۔

صاحب سرور المومنین عقاب کی حکایت یوں لکھتے ہیں کہ جب وہ گھوڑا خامس آلِ عباؑ کو وراثت میں ملا، ایک دن دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ امام حسینؑ نے باغ کا ارادہ فرمایا۔ سب گھوڑوں کے ساتھ وہ بھی تیار ہو کر حاضر ہوا۔ حضرتؑ نے اُسے دیکھ کر سکوت فرمایا، اس بناء پر کہ آپؑ جانتے تھے کہ رسولِ خدا کے بعد عقاب نہیں چاہتا کہ کوئی اُس پر سوار ہو۔

ہاتف نے آواز دی: یا ابا عبداللہ! آپؑ جنابِ امیرؑ، اپنے فرزندوں اور اولاد

عقیلؑ سے کہئے کہ اس پر سوار ہوں۔ دیکھیں کہ یہ کس کی سواری کو قبول کرتا ہے؟

راوی کہتا ہے کہ جو بزرگوار سوار ہونا چاہتا، عقاب بدرکابی کرتا تھا، یہاں تک کہ جنابِ علی اکبرؑ نے قصد کیا، اُس مرکب نے ہمشکلِ نبیؐ کو دیکھ کر گردن جھکا دی اور خود قریب آ کر خوش ہو کر ہنہنانے لگا، گویا اُن کی سواری کا مشتاق ہو۔

بہرکیف جب وہ شہزادہ سوار ہوا، سب عزیز و احباب تو مسرور ہوئے مگر جنابِ امام حسینؑ کچھ سوچ کر بے اختیار رونے لگے۔ اصحاب نے عرض کی: خوشی کے وقت رونے کا کیا سبب ہے؟

آپؑ نے فرمایا: "مجھے خیال آیا کہ آج تو علی اکبرؑ عقاب پر سوار ہوئے ہیں اور چچا، بھائی اور دوسرے عزیز خوش ہو رہے ہیں، ایک دن وہ ہوگا کہ یہی فرزند سینے پر برچھی کھا کر اسی گھوڑے کی پشت سے زمین پر گرے گا اور ہزاروں دشمن اردگرد کھڑے خوش ہوں گے۔ اُس وقت چچاؤں اور بھائیوں میں سے کوئی باقی نہ ہوگا۔ سب کے سب پہلے ہی شہید ہو چکے ہوں گے۔ میں خود اس کی میّت کو تابوت کے بدلے اسی گھوڑے پر رکھ کر مقتل سے خیمہ گاہ میں لاؤں گا"۔

ذوالجناح کے بارے میں لکھا ہے کہ رسولِ خدا کے بعض صاحبوں نے جنابِ امیرؑ سے کہا کہ پیغمبرؐ کے تبرکات میں سے کچھ عنایت کیجئے۔

آپؑ نے فرمایا کہ جو چیز تمہیں قبول کرے، وہ لے لو۔ ایک صاحب نے زِرہ ذات الفصول پہن لی، بدن پر ایسی تنگ ہوئی اور وہ فشار دیا کہ فشارِ قبر یاد آ گیا۔ زندگی سے تنگ آ کر فوراً اُتار دی۔

ایک نے پسند کی انگوٹھی پہنتے ہی اُس کی اُنگلی کو ایسا دبایا کہ گھبرا کر اُتار دی۔ اسی طرح ہر چیز سے ایک ایک معجزہ ظاہر ہوا۔ وہ لوگ محروم واپس پلٹ گئے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے زِرہ اور ذوالجناح امام حسینؑ کو مرحمت فرمایا۔ منقول

ہے کہ جب سیدُ الشہداء نے سوار ہونے کا قصد کیا تو ذوالجناح نے بدرکابی کی۔ آپ نے دستِ شفقت پھیر کر فرمایا: تو کیوں رکاب نہیں دیتا؟

اُس نے عرض کی: ''اے راکبِ دوشِ رسولؐ! میں تو خود مشتاق ہوں کہ آپ سوار ہوں مگر یہ اُمید ہے کہ روزِ عاشور صحرائے کربلا میں اور روزِ قیامت میدانِ حشر میں مجھے یاد رکھیے گا''۔

امام حسین علیہ السلام چشم پُرآب ہوئے، گویا آنکھوں کے سامنے معرکہ کربلا پھر گیا۔ فرمانے لگے: ''مطمئن رہ، انشاءاللہ حسینؑ تیری آرزو پوری کرے گا''۔

سنتے ہی ذوالجناح نے سر جھکا دیا اور آپ سوار ہوئے۔

جب وہ زمانہ آیا کہ امام حسینؑ خدا سے وعدۂ طفلی اور ذوالجناح سے اپنا پہلا عہد وفا کریں، ناناؐ کی قبر کو، والدۂ گرامی کی لحد کو چھوڑ کر مکہ میں خانۂ خدا گئے، وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ شدتِ گرما میں بیبیوں اور بچوں کو ساتھ لئے جنگلوں، پہاڑوں کی راہیں طے کرتے کربلا کے صحرا میں پہنچے۔

محرم کی دسویں تاریخ کو صبح سے موت کا بازار گرم ہوا۔ دوپہر میں بھرا گھر خالی ہو گیا۔ عباسؑ کے شانے کٹے، قاسمؑ کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہوئی، اٹھارہ برس کا بیٹا آنکھوں کے سامنے دم توڑ گیا، چھ ماہ کا علی اصغرؑ بھی چھوٹی سی گردن پر تیر کھا کر باپؑ کی گود سے دادی کی گود میں گیا۔

مظلومِ کربلا یکہ وتنہا ہو کر خود مرنے پر آمادہ ہوئے اور درِ خیمہ پر آ کر آواز دی

''یَااُخْتِیْ زَیْنَبُ وَیَااُمَّ کُلْثُوْمٍ وَیَاسُکَیْنَۃُ وَیَارُبَابُ وَیَافِضَّۃُ اَمَۃُ اُمِّیْ فَاطِمَۃَ الزَّہْرَاءِ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ''۔

''اے بہن زینبؑ و اُمِ کلثومؑ اور اے سکینہؑ و ربابؑ اور اے میری ماں کی کنیز فضہؑ

تم سب پر حسینؑ کا آخری سلام پہنچے''۔

''وَالسَّلَامُ عَلَی النِّسْوَۃِ اللَّاتِیْ قُتِلَ اَوْلَادُھُنَّ وَ رِجَالُھُنَّ لِنُصْرَتِیْ''۔

''اور میرا اُن بیبیوں پر بھی سلام پہنچے جن کے بچے اور مرد میری حمایت و نصرت میں دولتِ شہادت سے سرفراز ہوئے''۔

اب حسینؑ تم لوگوں سے رخصت ہوتا ہے۔ یہ فرما کر اور سب بیبیوں، بچوں کو روتا پیٹتا چھوڑ کر حضرت ذوالجناح پر سوار ہوئے اور میدانِ کارزار کا ارادہ کیا۔

صاحب مخزن البکاء لکھتے ہیں کہ اُس وقت پھر ذوالجناح نے چلنے سے انکار کیا۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: ''اے میرے ناناؐ کے گھوڑے! میں جانتا ہوں کہ تو بھی میرے ساتھ تین روز سے بھوکا پیاسا اور مضمحل ہو گیا ہے مگر تجھ پر یہ میری آخری سواری ہے۔ عصر کا وقت اور میری شہادت کی ساعت قریب ہے۔ تو قتل گاہ تک مجھے پہنچا دے کہ حسینؑ شہادت کا متمنی و آرزومند ہے اور شمر کا خنجر میرے گلے کا مشتاق ہے''۔

ذوالجناح نے رو کر عرض کی: ''اے آقا! جب تک میرے جسم میں جان ہے، کبھی آپ کی سواری سے منہ نہ پھیروں گا اور میں بھی جانتا ہوں کہ یہ آپ کی آخری سواری ہے لیکن اتنا جانتا ہوں کہ جس طرح آپ نے اس وقت آخری سواری کا وعدہ فرمایا تھا اور وفا کیا، اسی طرح قیامت کے دن دوسرے وعدہ کا بھی خیال رکھیے گا۔

امام مظلوم گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال کر رونے لگے اور فرمایا:

''اے ذوالجناح! اگر تو وفادار ہے تو حسینؑ بھی بے وفا نہیں، نہ گھبرا، اُس دن بھی تیری اُمید بر آئے گی''۔

مؤمنین! حضرت نے جس گھوڑے کو وفادار فرمایا، واقعہ کربلا میں اُس نے وہ وفاداریاں کی ہیں کہ کسی انسان سے بھی ممکن نہیں۔

منقول ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شطِ فرات میں داخل ہوئے تو حضرت نے ذوالجناح سے خطاب فرمایا:

''اَنْتَ عَطْشَانٌ وَاَنَاعَطْشَانٌ وَاللّٰہِ لَاذُقْتُ الْمَاءَ حَتّٰی تَشْرَبُ''.

''اے گھوڑے! تو نے میرے ساتھ بڑی بڑی تکالیف اُٹھائی ہیں، بھوکا رہا، پیاس کے صدمے اُٹھائے۔ اس گھڑی پانی موجود ہے، سیر ہو کے پی لے۔ خدا کی قسم! جب تک تو سیراب نہ ہوگا، حسینؑ بھی نہ پئے گا''۔

یہ فرما کر باگ چھوڑ دی۔ ذوالجناح اپنے سر کو بلند کر کے رونے لگا اور منہ پانی کی طرف سے پھیر لیا اور عرض کی: ''اے آقا! میں کیونکر پانی پیوں حالانکہ بچوں اور اہلِ حرم کی آوازِ العطش العطش سنتا ہوں۔ یابن رسولؐ اللہ! یہ مجھ سے نہ ہوگا کہ فرزندانِ ساقیِ کوثر تو پیاسے ہوں اور میں پانی پیوں؟''

مؤمنین! مقام تامل اور خاک اُڑانے کا ہے کہ حیوان تو یہ پاس اور حرمت آلِ رسولؐ کرے اور وہ کلمہ گو کیسے، تھے کہ خود پانی پیتے تھے اور آلِ رسولؐ کو پیاسا شہید کرتے اور پانی کے عوض تیروں کا مینہ برساتے تھے، یہاں تک کہ جنابِ امام حسینؑ کو بھی پیاسا شہید کیا۔ مرتے دم تک ایک قطرہ پانی کا نہ دیا۔

منقول ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو ذوالجناح نے اپنی پیشانی کو حضرت کے خون سے رنگین کیا اور مثل اُس عورت کے جس کا بیٹا مر گیا ہو، روتا اور اونچی دردناک آوازیں نکالتا ہوا درِ خیمہ پر حاضر ہوا۔

مؤمنین! ذوالجناح کا معمول تھا کہ جب امام حسینؑ کی سواری درِ دولت پر لاتا تو آواز دیتا تھا اور اُس کے اس دستور سے سب بیبیاں واقف تھیں۔ غرض جب اُس وقت ذوالجناح کی آواز سنی، اہلِ بیتؑ کو یقین ہوا کہ حضرتؑ تشریف لائے ہیں۔ سب بچے اور

بیبیاں بیتابانہ دوڑ کر خیمہ کے در پر آئیں۔

لیکن آہ! یہاں آ کر کیا دیکھا کہ ذوالجناح کی باگیں کٹی ہوئی ہیں، سوار سے پشت خالی ہے، پیشانی پر خون لگا ہے اور اپنے آقا کے غم میں دردناک آواز سے روتا ہے۔

یہ دیکھتے ہی آلِ رسولؐ نے اُس کے گرد حلقہ باندھ کر ماتم شروع کر دیا۔ کوئی بی بی گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہتی: تو نے اپنے سوار کو کہاں چھوڑ دیا؟ کوئی رکاب تھام کر پوچھتی: تیری زین کیوں خالی ہے؟ میرے والی اور وارث کو کہاں اُتارا؟ کسی نے اُس کے منہ پر منہ رکھ دیا اور کہا: میرے بھائی کہاں ہیں؟ تیری پیشانی پر کس کا خون لگا ہے؟ کوئی بچی سموں سے لپٹی کہتی تھی: بابا نے تجھے کیوں چھوڑ دیا؟ تو کیوں ساتھ چھوڑ کر چلا آیا؟

غرض اُس صحرا میں ایسا کہرام برپا ہوا کہ زمین کانپنے لگی اور بیبیاں غش کھا کھا کر زمین پر گرنے لگیں۔

فضائلِ زیارتِ امام حسینؑ، ایک جن کی دعبل سے ملاقات اور زعفر جن کی روایت

''عَنْ مُوسَی ابْنِ جَعْفَرٍ مَنْ زَارَ قَبْرَ الْحُسَیْنِ عَارِفًا بِحَقِّهٖ غَفَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ''۔

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ جو مؤمن زیارتِ قبر مطہر جناب امام حسین علیہ السلام بجالائے، بشرطیکہ اُنؑ کے حق کا عارف ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہ گزشتہ و آئندہ بخش دے گا۔

مہیج الاحزان میں دعبل بن محمد خزاعی سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب میں خدمتِ امام رضا علیہ السلام سے واپس پلٹا اور شہر ''رے'' میں وارد ہوا تو ایک رات میں اپنے حجرہ میں بیٹھا اپنا مشہور قصیدہ نظم کر رہا تھا، ناگاہ کسی نے دق الباب کیا۔

میں نے پوچھا کہ کون ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ تیرا بھائی ہوں۔

میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک قوی ہیکل مہیب شکل شخص نظر آیا جس کے دیکھتے ہی میرے تمام جسم میں رعشہ طاری ہوگیا اور بدحواس ہوگیا۔ وہ شخص ایک گوشہ میں بیٹھ کر مجھ سے کہنے لگا:

''اے دعبل! کچھ خوف نہ کر، میں تیرا بھائی قومِ جن سے ہوں۔ تیری اور میری ولادت ایک ہی شب ہوئی ہے اور تیرے ساتھ میں نے پرورش پائی ہے۔ اس وقت ایک ایسی حدیث بیان کرنے کو آیا ہوں جس کے سننے سے تیری معرفتِ ایمان اور قوتِ نفس زیادہ ہوگی''۔

اُس کا یہ کلام سن کر میں اپنے ہوش میں آیا۔ وہ کہنے لگا:

''اے دعبل! آگاہ رہ کہ پہلے میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے زُمرہ میں سے تھا۔ ایک شب میں چند سرکش جنوں کے ہمراہ نکلا اور میرا گزر کربلائے معلّیٰ میں اُس جماعت پر سے ہوا جو زیارتِ امام حسینؑ کو آئے تھے۔ میں نے برائے عداوت قصد کیا کہ اُن زائروں کو کچھ اذیت پہنچاؤں۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک کثیر جماعت فرشتوں کی اُن پر مؤکل ہے۔ کچھ تو آفاتِ سماویہ سے اُن کی حفاظت کر رہے ہیں اور بعض بلیاتِ ارضیہ سے اُن کی نگہبانی کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر عنایتِ ذوالجلال میرے شاملِ حال ہوئی، گویا میں خواب میں تھا کہ بیدار ہوا اور سمجھ گیا کہ یہ شرف و مراتب ان لوگوں نے اُس مکانِ جنت نشان کی بدولت پائے ہیں جہاں کی زیارت کا قصد کیا ہے۔

پس میں نے اپنے عقیدۂ فاسد سے توبہ کی اور اُن زائروں کے ہمراہ میں بھی زیارتِ روضہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے شرفیاب ہوا۔ اس کے بعد حج کیا اور زیارتِ قبر رسولؐ سے بھی مشرف ہوا، یہاں تک کہ میرا گزر ایک مجلس میں سے ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جلیل القدر بزرگوار مثل چودہویں کے چاند مجلس میں رونق افروز ہیں اور اردگرد اصحاب باوقار احاطہ کئے مؤدب بیٹھے ہیں۔

ایک شخص سے دریافت کیا کہ یہ بزرگوار صدر نشین کون ہیں؟

لوگوں نے کہا: یہ فرزندِ رسولؐ امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر حضرتؑ پر سلام کیا۔ آپؑ نے بہ شفقت تمام جواب سلام دے کر ارشاد فرمایا:

'اے اعرابی! تجھے اُس رات کی واردات یاد ہے جس شب تو زمین کربلا پر پہنچا تھا۔ تو نے اولیاء اللہ اور خاندانِ رسالتؐ کے ساتھ کرامات اور عنایاتِ حق تعالیٰ کو دیکھا؟'

میں نے عرض کی: یا ابن رسولؐ اللہ! الحمدللہ کہ جناب باری تعالیٰ نے آپؑ کی

ولایت و نورِ ہدایت سے میرے دل کو مملو و روشن کیا۔ اب اُمیدوار ہوں کہ کوئی ایسی حدیث
زبانِ فیض ترجمان سے ارشاد ہو تا کہ میں اپنی قوم کے واسطے ہدیہ و تحفہ لے جاؤں۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اے خوش ایمان! آگاہ ہو کہ ایک دن جنابِ رسولؐ خدا نے جنابِ حیدرؑ کرار سے ارشاد فرمایا: یاعلیؑ! بہشت حرام ہے کل انبیاء پر جب تک میں جنت میں داخل نہ ہوں اور باغِ ارم کی سیر سائرُ اُمم پر حرام ہے جب تک میری اُمت داخل نہ ہو اور میری اُمت پر بھی جنت حرام ہے جب تک تمہاری امامت و ولایت کا اعتراف و اقرار نہ کرلے۔

یاعلیؑ! قسم بخدائے عزوجل! کوئی بہشت میں داخل نہ ہوگا مگر وہ شخص، جو تم سے متمسک ہو۔

اس کے بعد اُس جن نے کہا: "اے دعبل! اس حدیث کو یاد رکھنا"۔

یہ کہہ کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

آہ مؤمنین کرام! اس جن کی حکایت پر مؤلف کو زعفر جن کی روایتِ جانکاہ یاد آگئی۔ صاحب اسرار الشہادۃ نے لکھا ہے کہ ایک طالب علم اکثر زعفر جن کو ملامت کرتا تھا کہ کیوں زعفر نے نصرتِ امام حسینؑ تقصیر کی۔ حضرتؑ کا بیکسی سے شہید ہونا دیکھا اور اپنی جان کو عزیز رکھا۔

ناگاہ ایک شب کسی نے دق الباب کیا اور اندر آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

"اے بھائی! مجھ سے کچھ خوف نہ کر، میں تیرا بھائی زعفر جن ہوں۔ تیری زیارت اور کچھ شکایت کرنے کو آیا ہوں۔ تو اکثر مجھ کو ملامت کرتا ہے اور تجھے یہ گمان ہے کہ میں نے نصرتِ امام حسین علیہ السلام میں کوتاہی کی۔ خدا کی قسم! تیرا گمان غلط ہے۔ تو اصل حقیقت سے مطلع نہیں ہے۔

آگاہ ہو میرے بھائی! میں نے جس وقت سنا کہ مظلومؑ کربلا فوجِ اعداء میں گھر

گئے ہیں، فوراً ساری فوج لے کر صحرائے کربلا میں پہنچا۔ دیکھا کہ قومِ جن سے بڑے بڑے بادشاہان، نامی و سلاطین گرامی مع اپنی فوج حاضر ہیں کہ میری اور میرے لشکر کی اُن کے سامنے کچھ حقیقت نہ تھی اور تمام میدانِ کربلا اُن جنوں سے ایسا بھرا ہوا تھا کہ کہیں دانہ خردل کے بھی رکھنے کی جگہ نہ تھی اور زمین و آسمان کے درمیان بھی ملائکہ اور جنوں کی کثرت سے کہیں جگہ خالی نہ تھی۔ ملائکہ اور جن یکے بعد دیگرے اس طرح صف بہ صف و تہہ بہ تہہ کھڑے تھے کہ ہر صف کے آگے اُن کے سردار ایستادہ تھے اور اُن کے عقب میں لشکر تھا۔ وہ کل ملائکہ و جن نزدیک و دور سے جس جس طرح، جہاں جہاں سے حاضر تھے، وہیں سے سلام بجالاتے تھے اور درود بھیجتے تھے اور جوابِ سلام سے ممتاز ہوتے تھے۔

ملائکہ مقربین اور جنات کے سلاطین کی یہ کیفیت تھی کہ مؤدب و سرنگوں اس طرح حاضر تھے جیسے ادنیٰ رعیت شہنشاہ کے حضور کھڑی ہو اور اُس کے رعب و خوف سے کانپتی ہو۔ وہ سب ملائکہ و جن آہ و زاری کے ساتھ حضرتؑ سے اِذنِ جنگ طلب کرتے تھے اور متمنی جہاد تھے۔ میں چار فرسخ پر حاضر تھا، اس لئے کہ اس چار فرسخ میں زمین سے آسمان تک ہجومِ بنی جان اور ملائکہ سے کہیں کوئی خالی جگہ نہ پائی کہ حضرتؑ سے قریب تر ہو جاؤں۔

میں نے بھی مجبور و ناچار وہیں سے فرزندِ حیدرؑ کرار پر سلام کیا اور جوابِ سلام سے سرفراز ہوا۔ میں نے بھی بکمالِ الحاح و زاری حضرت امامِ مظلوم سے التجا کی کہ یہ جاں نثار خانہ زادِ حیدرؑ کرار بھی اذنِ جہاد کا طلبگار ہے۔ اُمیدوار ہوں کہ جس طرح آپؑ کے پدرِ بزرگوار کی میرے باپ راحیل پر نظرِ عنایت تھی، اُسی طرح اس غلامِ قدیم پر حضرتؑ کی بھی شفقت ہو اور شرفِ خدمت سے سرفراز و کامیاب ہو جاؤں۔

پس حضرتؑ تمام ملائکہ و جنات کی طرف مخاطب ہوئے اور سب کو کمالِ شفقت سے دعائے خیر دی اور بعد "جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا" کے ارشاد فرمایا:

"میں اپنے نانا جنابِ رسولِ خدا کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔ مجھے یہاں شہید

ہونا ہے اور میرے اہل بیتؑ کو اسیر ہونا ہے۔ تم اپنے اپنے مقام پر واپس پلٹ جاؤ"۔

بعض روایات کے مطابق بعض جنات نے جو اذنِ جہاد پر بہت اصرار کیا، آپؑ نے فرمایا کہ میں نے یہ مصیبتیں اور بلائیں اس واسطے برداشت کی ہیں کہ ناناؐ کی اُمت کو ورطہ ہلاکت سے بچاؤں، نہ یہ کہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان کلمہ پڑھنے والوں کو ہلاک ہوتے دیکھوں۔

تم چاہتے ہو کہ ان دشمنوں کو قتل کر کے مجھے بچالو مگر میری زندگی کی تو کوئی صورت نہیں۔ عباسؑ کا غم، قاسمؑ کا صدمہ، علی اکبرؑ کا ماتم، یہ کیا کم ہے؟ میں ان لوگوں کی جدائی میں خود تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا۔ اگر شمر گردن پر خنجر نہ بھی پھیرے گا تو ایسے ایسے رنج اُٹھا کر خود میرا کام تمام ہو چکا ہے۔ مناسب ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ اور مجھے اپنے بھائیوں، بھتیجوں اور بیٹوں کے ساتھ اسی صحرا میں قیامت تک رہنے دو۔

بہر کیف! زعفر جن کہتا ہے کہ ہر چند سب نے بہت منت سماجت کی لیکن حضرتؑ نے کسی کی اعانت و نصرت قبول نہ کی اور کسی کو اذنِ جہاد نہ دیا۔ آخر کار مجبور و ناچار ہو کر سب جن اور ملائکہ واپس چلے گئے۔ مگر میں نے صحرائے کربلا کے ایک گوشہ میں توقف کیا اور روتا پیٹتا رہا، یہاں تک کہ امامؑ شہید ہوئے اور حضرتؑ کا سر مبارک نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا۔ اہل بیتِ رسولِ مختارؐ لوٹے گئے اور گرفتار ہو کر جانب کوفہ روانہ ہوئے۔

پس میں بھی مع اپنے لشکر کے اُس قومِ جفا کار کے پیچھے جاتا تھا تاکہ اہل بیتِ رسالتؐ سے کچھ خدمت شرف حاصل کروں اور پشتِ شتر سے بچوں کے گرنے کے وقت اُن کی حفاظت کروں۔

الحاصل جب وہ ملاعین متصل کوفہ پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ شہر کے باہر قیام کیا اور اپنے گھروں سے کھانے پکا پکا کر لائے اور سیر ہو کر کھایا مگر اولادِ رسولؐ خدا کو کچھ کھانا پانی نہ دیا۔ ننھے ننھے بچے بھوک سے بیقرار ہوتے تھے۔ جب کھانے کی خوشبو دماغ میں پہنچتی تھی،

کبھی ماں سے، کبھی پھوپھی سے لپٹ لپٹ کر، بلبلا بلبلا کر روتے تھے۔ غرض جب اہل بیتؑ کوفہ سے شام اور شام سے مدینہ میں داخل ہوئے، میں بھی برابر خدمت میں حاضر رہا۔

یہ ہماری حکایت ہے۔ پس آج سے تو ہم کو ملامت نہ کرنا"۔

یہ کہہ کر زعفر جن نظروں سے غائب ہو گیا۔

حسنینؑ کے واسطے خلعتِ عید آنا، امام حسینؑ کا جامۂ کہنہ طلب فرمانا، اسباب لُٹنے اور گھوڑا دوڑانے کا حال

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَ ذُرِّيَّتَهُمَا لَمْ تَمَسَّ جِلْدَهُ النَّارُ".

لنگرِ آسمان و زمین جنابِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو حسنؑ اور حسینؑ اور اُن کی اولاد کو دوست رکھے، دوزخ کی آگ اُس کے بدن کو مس نہ کرے گی۔

کتاب امالی میں جناب امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

"عَرَى الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَاَدْرَكَهُمَا الْعِيْدُ".

ایک مرتبہ عید قریب آئی اور حسنینؑ کیلئے کوئی کپڑا قابلِ زینت نہ تھا۔

"فَقَالَ لِاُمِّهِمَا قَدْ زَيَّنُوْا صِبْيَانَ الْمَدِيْنَةِ اِلَّا نَحْنُ فَمَالَكِ لَا تُزَيِّنِيْنَا".

دونوں صاحبزادوںؑ نے جنابِ سیدہؑ سے عرض کی: "اے اماں جان! مدینہ والوں کے بچوں نے تو طرح طرح کی زینت کے سامان کئے ہیں مگر ہمارے پاس بدلنے کیلئے کپڑے بھی نہیں ہیں"۔

جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے بنا بر مصلحت فرمایا: "اے فرزندو! تمہارے لباس درزی کے پاس ہیں، وہ لائے گا تو تمہیں بھی پہناؤں گی"۔

جب شبِ عید ہوئی، حسنینؑ نے پھر عرض کی۔ جنابِ فاطمہؑ اپنی ناداری اور حسنینؑ کے حال پر بہت روئیں اور پھر وہی فرمایا کہ تمہارے لباس درزی کے پاس ہیں، وہ لے کر

آئے تو میں تمہیں پہناؤں۔

حضرت امام حسینؑ عرض کرتے تھے: "اے مادرِ گرامی! ہم نہیں جانتے، ہمیں کپڑے پہنائیے، یہاں تک کہ ضد کرتے کرتے سو گئے۔ معصومہؑ نہایت مضطرب تھیں کہ اُنؑ کیلئے کہاں سے کپڑے لاؤں؟

جب رات زیادہ ہوئی تو کسی نے دروازہ کی زنجیر ہلائی۔ جنابِ فاطمہؑ نے پوچھا کہ کون ہے؟

"قَالَ اَنَا الْخَيَّاطُ جِئْتُ بِالثِّيَابِ".

اُس نے عرض کی: "میں درزی ہوں، حسنؑ و حسینؑ کیلئے کپڑے لایا ہوں"۔

آپؑ شاد شاد قریبِ در تشریف لائیں۔ جب دروازہ کھولا تو اُس نے ایک بندھا ہوا رومال دیا اور چلا گیا۔

خاتونِ جنتؑ نے اُسے کھولا اور دیکھا کہ دو کرتے، دو پارچۂ ریشمی، دو پاجامے، دو عمامے اور دو سیاہ موزے ہیں۔ آپؑ اس قدر خوش ہوئیں کہ دوڑ کر حسنینؑ کو جگایا اور فرمایا:

"دیکھو! درزی تمہارے کپڑے لایا ہے"۔

بہرکیف اُس مخدومہؑ نے شہزادوںؑ کو کپڑے پہنا کر آراستہ کیا، جنابِ رسولؐ خدا بیت الشرف میں تشریف لائے۔ دیکھتے ہی نواسوں کو گود میں اُٹھا لیا، گلے سے لگا کر بوسے دینے لگے اور سیدہؑ سے فرمایا: تم پہچانتی ہو، وہ درزی کون تھا؟ یہ کپڑے کیسے ہیں؟

جنابِ سیدہؑ نے عرض کی: "خدا اور اُس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "وہ درزی نہ تھا بلکہ رضوانِ خازنِ بہشت تھا اور یہ کپڑے خلعت ہائے جنت ہیں۔ خود رضوان مجھ سے کہتا ہوا آسمان پر گیا ہے"۔

مؤمنین کرام! امام حسینؑ بچپن میں تو عید کے دن اپنی مادرِ گرامی سے جامۂ فاخرہ مانگتے تھے کہ پہن کر گھر سے باہر جائیں اور اپنے ہم سن بچوں سے ملاقات کریں۔ روزِ

عاشور ہی امامؑ ستاون برس کی عمر میں اُس وقت بچپن کے دوستوں اور رفیقوں سے بچھڑ چکے تھے۔ چھ مہینے کا بچہ گود میں تیر کھا چکا تھا۔ کمر خمیدہ، بازو شکستہ، دل بے قوت اور آنکھیں بے بصارت ہو چکی تھیں۔ اپنی غم دیدہ بہن جنابِ زینبؑ سے لباسِ کہنہ مانگتے تھے کہ پہن کر دشمنوں میں جائیں اور راہِ خدا میں اپنا سر کٹوائیں۔

"یَا اُخْتَاهُ آتِینِی بِثَوْبٍ عَتِیقٍ لَا یَرْغَبُ فِیهِ اَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ".

اے بہن زینبؑ، اے غمخوار برادر! ایسا جامۂ کہنہ بوسیدہ لا دو کہ ان اشقیاء میں سے کسی کو اُسے لینے کی خواہش نہ ہو۔ میں اُسے سب کپڑوں کے نیچے پہنوں گا کہ میری شہادت کے بعد اعداء جب لباسِ بدن لوٹیں تو اُسے پرانا سمجھ کر چھوڑ دیں اور لاش بے لباس نہ ہونے پائے۔

مؤمنین! مدینہ میں تو جنابِ سیدہؑ لباس میں تاخیر سے پریشان تھیں۔ کربلا میں وہ معصومہؑ کہاں تھیں کہ دیکھتیں کہ بہن نے بھائی کو آخری رخصت کے وقت کیسا کہنہ لباس کس اضطراب و قلق میں لا کر دیا ہے۔

لکھا ہے کہ جنابِ زینبؑ جب مظلومِ کربلا کے پاس وہ بوسیدہ پیرہن لائیں، حضرتؑ نے اُسے جابجا سے اور بھی چاک کیا۔ پھر سب کپڑوں کے نیچے پہن لیا اور ایک نیا پاجامہ لے کر اُسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا اور اُسے بھی پہن لیا۔

افسوس ہزار افسوس! آپؑ کا تو یہ اہتمام، اور ظالموں کا وہ ظلم کہ شہادت کے بعد وہ پھٹے پرانے کپڑے بھی جسم پر نہ رہنے دیے۔ جس نے جو چیز پائی، لوٹ لی۔ اسود بن حنظلہ نے تلوار، مالک بن بشیر نے زرہ اُتار لی۔ قیس بن اشعث ملعون نے چادرِ اطہر، اسود بن خالد نے نعلین مبارک، اخنس بن مرشد نے عمامہ لے لیا اور وہ پیرہن جسے امامؑ نے خود جابجا سے پھاڑا تھا اور تیروں اور نیزوں کے بے شمار زخموں سے مشبک تھا، اسحاق لعین کے ہاتھ لگا

اور وہ چاک چاک بوسیدہ پاجامہ بحیر بن کعب ملعون نے لوٹ لیا۔

"وَتَرَکُوهُ عُرْیَانًا بِالْعَرَآءِ مُجَرَّدًا عَلَی الرَّمْضَآءِ".

آہ، آہ! اُس لاشِ بے سر کو عریاں خاک و خون میں غلطاں جلتی ریت پر چھوڑ دیا گیا۔ سب کے بعد بجدل بن سلیم آیا۔ کیا چیز باقی رہ گئی تھی جو وہ لیتا؟ ایک انگوٹھی حضرتؑ کے دستِ مبارک میں باقی تھی، چاہا کہ اُتار لے مگر اُتر نہ سکی۔ جلدی میں اُنگلی ہی کاٹ ڈالی اور وہ انگوٹھی لے لی۔

اللہ اللہ! یہ سب ظلم جنابِ امام حسین علیہ السلام کی لاشِ پاش پاش کے ساتھ ہوئے، اس پر بھی اُن بے رحموں کا جور و ستم کم نہ ہوا۔ عمر سعد لعین نے اہلِ لشکر سے کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ اُس شقی کی سب آرزوئیں بر آئیں۔ اب کون ایسا ہے جو یزید پلید کی خوشی کے واسطے فرزندِ رسولؐ کا بے سر جسم گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرے؟"

اُس وقت دس اشقیاء گھوڑے بڑھا کر فوج سے باہر نکلے۔

جنابِ زینبؑ نے جب یہ حال سنا:

"صَاحَتْ وَبَکَتْ وَلَطَمَتْ وَجْهَهَا".

بے اختیار دھاڑیں مار کر رونے اور سر پیٹنے لگیں اور مدینہ کی طرف منہ کر کے فریاد کرتی تھیں:

"نانا! آپؐ دیکھتے ہیں کہ اُمت نے ہم سے کیا کیا سلوک کیے؟ گھر کا گھر صاف کر دیا۔ آپؐ کی قبرِ مطہر کے مجاور، آپؐ کے پیارے نواسے حسینؑ کو مسافرت میں بھوکا پیاسا خنجرِ ظلم سے شہید کر دیا۔ ہمیں بے وارث کر دیا۔ اب چاہتے ہیں کہ اُس مظلومؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑائیں"۔

کبھی دشمنوں کے گروہ سے مخاطب ہو کر کہتی تھیں: "تم لاکھوں آدمیوں میں کوئی ایسا خدا ترس نہیں کہ رحم کھائے اور میرے بھائی کو اس ظلم سے بچائے؟"

اُس مظلومہؑ کی فریاد کون سنتا تھا؟ اب کس منہ سے کہوں کہ اُن بے رحموں نے کیا ستم کیا۔ اتنا اشارہ کافی ہے کہ زخم ہائے بدن شگافتہ ہو گئے۔ پشتِ مبارک پر گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشان پڑ گئے۔

مؤمنین! قربان ہو جاؤں اُس مظلوم امامؑ پر جس نے ہم غلاموں کی نجات کیلئے یہ سب ظلم برداشت کئے۔

مر جائیں یا حسینؑ کہتے کہتے

فضائلِ جنابِ امیرؑ، رسولِ خدا کا اُونٹ بننا، شمر وشیث کا امامؑ کو ذِبح نہ کرنا، گھوڑا دوڑانے کا ارادہ، شیر کا لاشِ امامؑ پر آنا

'فِي الْبِحَارِ عَنِ الْمُحَدِّثِ الْحَنْبَلِيِّ وَابْنِ مَرْدُوَيْهِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ كَانَ عِنْدَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِي طَالِبٍ اَرْبَعَةُ دَرَاهِمَ لَا يَمْلِكُ غَيْرَهَا فَتَصَدَّقَ بِدِرْهَمٍ لَيْلاً وَبِدِرْهَمٍ نَهَاراً وَبِدِرْهَمٍ سِرّاً وَبِدِرْهَمٍ عَلَانِيَةً'.

محدث حنبلی اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ خاتم الوصیین جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس چار درہم تھے اور سوائے اُن چار درہموں کے اُس روز کچھ مالِ دُنیا میں سے نہ تھا۔ حضرتؑ نے ایک درہم شب کو، ایک دن کو، ایک مخفی، ایک سب کے سامنے راہِ خدا میں تصدق کیا۔

"فَنَزَلَ فِيهِ اَلَّذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرّاً وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ".

اُسی وقت یہ آیۂ کریمہ شانِ علی ابن ابی طالبؑ میں نازل ہوئی:

"اَلَّذِينَ يُنْفِقُونَ الْآيَةَ".

اس کے معنی یہ ہیں جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں دیتے ہیں، رات کو، دن کو، چھپا کر، ظاہر میں، اُن کا اجر خدا کے پاس ہے اور اُن پر کسی طرح کا خوف نہیں اور نہ وہ قیامت

میں محزون ہوں گے۔

کتاب بحارالانوار میں منقول ہے کہ جب جنابِ امیرالمؤمنین علیہ السلام دُنیا میں تشریف لائے، اُس وقت جنابِ رسالت مآب نے گہوارۂ حضرت امیرؑ اپنی خواب گاہ کے قریب رکھوایا اور اکثر اوقات اُنؑ کے نہلانے میں آپؐ متوجہ ہوتے تھے اور ہمیشہ اپنے بھائی کی تربیت میں خود مصروف رہتے تھے۔ جنابِ امیر علیہ السلام کو دودھ کی طرف رغبت ہوتی تھی تو رسالت مآبؐ اپنے مبارک ہاتھ سے دودھ حلق میں ٹپکاتے تھے اور خود لوریاں دے کر سلاتے تھے اور جب سو جاتے تھے تو گہوارہ جنبانی کرتے تھے۔ اکثر گود میں لے کر پہاڑ اور صحرا کی طرف چلے جاتے تھے۔

غرض اُس امامِ عالی مقام نے پیغمبرِ خدا کی آغوش میں پرورش پائی اور اسی طرح حضرت امام حسینؑ بھی رسولِ خدا کی گود میں پلے۔

"رُوِیَ فِیْ کَشْفِ الْمَحْجُوْبِ عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ قَالَ".

کتاب "کشف المحجوب" میں حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک روز میں جنابِ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔

"فَرَاَیْتُ الْحُسَیْنَ قَدْ رَکِبَ عَلٰی ظَهْرِ جَدِّهٖ".

دیکھا کہ جنابِ امام حسینؑ اپنے نانا کی پشتِ مبارک پر سوار ہیں۔

"وَکَانَ مَعْزَلٌ فِیْ فَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَدْاَخَذَاَحَدَ طَرْفِهٖ بِاَسْنَانِهٖ وَاَعْطٰی طَرْفَهُ الْاٰخَرَبِیَدِالْحُسَیْنِ"

اور رسولِ خدا کے دہن مبارک میں ایک ڈور (دھاگہ) ہے کہ اُس کا ایک سرا دندان شریف سے پکڑے ہیں اور دوسرا امام حسینؑ کے ہاتھ میں ہے۔

"وَکَانَ الْحُسَیْنُ یَسُوْقُهٗ کَمَایُسَاقُ الْاِبِلُ".

اور امام حسینؑ اس طرح جنابِ رسولِ خدا کو چلاتے تھے جس طرح لوگ اونٹ کو چلاتے ہیں۔

"فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رُکْبَتَهٗ عَلَی الْاَرْضِ لِاَجْلِهٖ وَمَشٰی".

آنحضرتؐ امام حسینؑ کی خاطر اپنے زانو زمین پر رکھتے ہیں اور جدھر فرزندِ زہراؑ اشارہ کرتے ہیں، چلتے ہیں۔

"فَقُلْتُ نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُکَ یَااَبَاعَبْدِاللّٰهِ".

میں نے کہا: اے اباعبداللہ! کیا خوب تمہارا اونٹ ہے!"

"فَقَالَ نِعْمَ الرَّاکِبُ هُوَ یَاعُمَرُ".

جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا: "اے عمر! کیا کہتا ہے، بلکہ حسینؑ بہترین سوار ہے"۔

بعض راویوں نے یہاں تک لکھا ہے:

"ثُمَّ قَالَ الْحُسَیْنُ یَاجَدَّاهُ اِنَّ الْاِبِلَ تَصِیْحُ وَاَنْتَ لَا تَصِیْحُ".

"پھر امام حسینؑ نے عرض کی: اے نانا جان! اونٹ تو راہ چلنے میں بولتے ہیں، آپ میرے کیسے اونٹ ہیں جو بولتے نہیں؟"

'فَلَمَّاسَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ذٰلِکَ فَقَالَ الْعَفُ الْعَفُ'

جنابِ رسولِ کائنات نے جب یہ سنا اور دریافت کیا کہ میرے حسینؑ کی خوشی یہ ہے کہ میں بھی بولوں تو دو بار زبانِ مبارک سے العف العف فرمایا۔

"فَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ وَقَالَ یَامُحَمَّدُاِنَّ اللّٰهَ یَقْرَئُکَ السَّلَامُ".

فوراً جبرئیلؑ نازل ہوئے اور فرمایا: اے محمد مصطفیؐ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف

سلام بھیجا ہے۔

"وَيَقُوْلُ لَکَ لَوْتَقُوْلُ ثَالِثًا فَنَخْمَدُ نَارَالْجَحِيْمِ"

اور فرمایا ہے کہ اگر تیسری دفعہ کلمہ العف آپ کی زبانِ مبارک پر جاری ہوگا تو ہم آتشِ جہنم کو بالکل سرد کردیں گے۔

بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جس روز امام حسینؑ اپنے نانا کے کاندھے پر سوار ہوئے، وہ عید کا دن تھا۔

فَيَوْمُ الْعِيْدِ مَرْكَبُهُ النَّبِيُّ
وَعَاشُوْرَآءَ يَرْكَبُهُ الشَّقِيُّ

مؤمنین! روزِ عید تو اُس شہزادے کا یہ مرتبہ تھا کہ پیغمبرِ اسلام کے کاندھے پر سوار ہوئے تھے اور وقتِ شہادت اُسی مظلومؑ کا یہ حال ہوا کہ سینہ زخم دار پر قاتل سوار تھا۔

چنانچہ منقول ہے کہ جب مظلومؑ کربلا زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے، کافی دیر تک قبلہ رُو غش میں پڑے رہے۔ عمر سعد نے فوج کو آواز دی کہ جلد حسینؑ کو قتل کرو۔ یہ سنتے ہی ستر بزدل شقی اپنی تلواریں کھینچ کر اپنی جگہ سے آگے بڑھے۔

پہلے شیث بن ربعی نے چاہا کہ سرِ اقدس بدن سے جدا کرے۔ امام حسینؑ نے آنکھیں کھول کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ شقی تلوار پھینک کر یہ کہتا ہوا بھاگا:

"اے حسینؑ! خدا کی پناہ، میں تمہارے خون میں شریک ہوں؟"

پھر سنان ابن انس نے قصد کیا۔ حضرتؑ نے اُسی طرح آنکھیں کھول کر نگاہِ حسرت سے دیکھا۔ وہ ملعون بھی قتل نہ کر سکا۔ تلوار پھینک کر بھاگا۔

شمر نے پوچھا: "تجھے تو اپنی سپاہ گری کا بڑا دعویٰ تھا۔ اس وقت کیا ہو گیا کہ لرزاں ترساں چلا آتا ہے؟"

اُس نے کہا: "جب حسینؑ نے میری طرف آنکھیں کھول کر دیکھا تو مجھے رسولؐ

خدا کی آنکھوں کی گردش یاد آ گئی۔ مجھ سے ہرگز یہ امرِ عظیم نہ ہوگا"۔

غرض اسی طرح وہ ستر آدمی باری باری میدان سے واپس لوٹ آئے۔ سب کے بعد خود شمر ملعون نے آستین چڑھائی، خنجر کھینچا اور گھوڑے سے اُتر کر، (کیا کہوں کہ کہاں سوار ہوا، اشارہ کافی ہے)، سینہ مظلومؑ پر نیزوں اور تلواروں کے جو زخم لگے تھے اور بھی شگافتہ ہو گئے۔

آہ آہ! جو ظلم کیا، بیان نہیں ہو سکتا۔ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ روشن دن تیرہ و تار ہو گیا۔ دُنیا میں وہ اندھیرا چھا گیا کہ دن میں تارے دکھائی دینے لگے۔

مؤمنین! ایک امام حسینؑ پر کیا کیا ظلم و ستم گزرے۔ شہادت کے بعد بھی ظالموں نے اکتفا نہ کی۔ ابن سعد نے فوج سے کہا کہ کوئی ایسا ہے جو لاشِ حسینؑ پر گھوڑے دوڑائے۔

بعض روایات کے مطابق چند بے حیا خود ابن سعد کے پاس آ کر کہنے لگے کہ ہمارے دل کے سب ارمان پورے ہو گئے، ایک آرزو باقی ہے، چاہتے ہیں کہ حسینؑ کا جسدِ بے سر پامال کریں۔

اُس شقی نے کہا: تمہیں اختیار ہے۔

جب یہ خبر خیمہ عصمت میں پہنچی، اہلِ بیتِ رسولؐ کا عجب حال ہوا، خصوصاً بی بی زینبؑ مضطرب ہو کر امام زین العابدینؑ کے پاس آتی تھیں اور فرماتی تھیں:

"بیٹا! غش سے اُٹھو کہ تمہارے بابا کی لاش پامال ہوا چاہتی ہے"۔

کبھی مدینہ کی طرف منہ کر کے فرماتی تھیں: "نانا! دیکھئے، آپ کی اُمت آپؐ کے نواسے پر کیا ظلم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے"۔

کبھی لشکرِ مخالف کی طرف مخاطب ہو کر فریاد کرتی تھیں: "کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں کہ فرزندِ رسولؐ کا پاس کرے اور میرے بھائی کی لاش کو بچائے؟"

بی بی فضہؓ نے جو یہ اضطراب دیکھا تو قریب آ کر عرض کی: "اس جنگل میں ایک

شیر رہتا ہے، اگر اجازت ہو تو اُس سے جا کر اسد اللہ کے شیر کا حال بیان کروں اور مدد کے واسطے بلا لاؤں؟"

غرض بی بی فضہؑ اجازت لے کر اُس جگہ آئیں جہاں وہ شیر رہتا تھا اور کہنے لگیں:

"اے ابوالحارث! کیا کر رہا ہے؟ مقتل میں اسد اللہ کا گھر تباہ ہو گیا۔ اب اشقیاء چاہتے ہیں کہ امام حسینؑ کی لاش پامال کریں"۔

یہ سنتے ہی وہ شیر ساتھ ہو لیا اور قتل گاہ میں امامؑ کے جسم بے سر کے قریب آیا۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ شیر روتا تھا اور کبھی گلوئے بریدہ کا خون اپنے بدن پر لگاتا تھا، کبھی پنجوں سے زمین کی خاک اس طرح سر پر ڈالتا تھا جیسے کوئی مصیبت زدہ ہو۔ کبھی آسمان کی طرف سر اُٹھا کر کہتا تھا:

"رَبِّ انْظُرْ اِلٰی اِبْنِ بِنْتِ نَبِیِّکَ قَتَلُوْهُ عَطْشَانًا بِغَیْرِ ذَنْبٍ"

خداوندا! تو دیکھتا ہے کہ ان لوگوں نے تیرے نبیؐ کے پارۂ جگر سے کیا سلوک کیا ہے؟ بے جرم و خطا بھوکا پیاسا، گوسفند کی طرح ذبح کر ڈالا۔

غرض جب اشقیاء نے یہ حال مشاہدہ کیا تو اپنے ارادہ سے باز رہے۔

مؤمنین! جانوروں کو تو یہ پاس تھا، وہ کیسے انسان تھے، کیسے کلمہ گو تھے کہ اپنے رسولؐ کے خاندان کی بربادی کے درپے ہوئے۔ خیمے لوٹ لئے، مسندِ رسولؐ جلا دی، اہل بیتِؑ نبی کو اسیر کیا۔ امام زین العابدینؑ کو بستر بیماری سے کھینچ کر طوق و زنجیر میں گرفتار کیا۔ بے وارث عورتوں کو ننھے ننھے یتیم بچوں کو سر برہنہ، رسن بستہ شترانِ بے کجاوہ پر سوار کر کے کربلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق تک لے گئے۔ امام حسین علیہ السلام کا سر یزید کو نذر کر دیا۔

غرض بیان غم اہل بیتؑ آسان نیست
حکایتیست کہ آنرا بشرح پایان نیست

نزولِ رطب، فقراتِ زیارتِ صاحب الامرؑ، امامؑ کے ذبح کے وقت اہلِ حرم کا شمر سے منت کرنا

"رُوِیَ فِیْ بَعْضِ کُتُبِ الْمَنَاقِبِ دَخَلَ النَّبِیُّ یَوْمًا دَارَ فَاطِمَةَ".

بعض کتب مناقب میں منقول ہے کہ ایک روز شفیع روزِ جزاء جنابِ رسولِؐ خدا خانۂ مریم الکبریٰ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میں تشریف لائے۔

"فَقَالَ لَهَا اِنَّ اَبَاکِ الْیَوْمَ ضَیْفُکِ".

فرمایا: اے فاطمہؑ! آج تمہارے بابا تمہارے گھر میں مہمان ہیں۔

اُس روز جنابِ سیدہؑ فاقہ سے تھیں۔

"فَقَالَتْ یَااَبَتِ اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ یُطَالِبَانِیْ شَیْئًا مِنَ الزَّادِ فَلَمْ اَجِدْ لَهُمَا شَیْئًا".

جنابِ سیدہؑ نے عرض کی: بابا جان! کیا کہوں کہ حسنؑ و حسینؑ نے کھانا طلب کیا اور مجھ سے نہ ہو سکا کہ انہیں کچھ کھلاؤں اور وہ فاقہ سے ہیں۔

"ثُمَّ اَنَّ النَّبِیَّ دَخَلَ وَجَلَسَ مَعَ عَلِیٍّ وَفَاطِمَةَ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ".

یہ سن کر جنابِ رسولِؐ خدا حجرہ میں داخل ہوئے اور جنابِ امیرؑ اور جنابِ سیدہؑ اور حسنینؑ کے ساتھ بیٹھے۔ ناگاہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی: اے رسولِؐ خدا! اللہ تعالیٰ تحفۂ درود و سلام کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ سے پوچھو کہ میوہ ہائے جنت سے کس چیز کو تمہارا جی چاہتا ہے؟

حبیبؐ خدا نے اہل بیتؑ سے پوچھا۔ سب خاموش رہے، شرما کر کچھ جواب نہ دیا
مگر جناب امام حسین علیہ السلام جو سب میں کمسن تھے، عرض کرنے لگے:

اے پدر بزرگوار، اے مادر نامدار، اے برادر خوش کردار! اگر اجازت ہو تو میں
آپ کیلئے میوہ ہائے بہشت سے کوئی میوہ پسند کروں؟

سب نے فرمایا: اے حسینؑ! جو چاہو، وہ طلب کرو کہ ہم سب راضی ہیں۔

آپؑ نے عرض کی:

"اَنَا نَشْتَهِيْ رُطَبًا جَنِيًّا"

"رطب تازہ کو ہمارا جی چاہتا ہے"۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "اے فاطمہؑ! حجرہ میں جاؤ اور جو رکھا ہو، اُٹھا لاؤ"۔

جب معصومہؑ حجرہ میں داخل ہوئیں، ایک طبق بلور دیکھا جو رومال سندس سے
ڈھکا ہے اور اُس میں تازہ رطب رکھے ہیں۔ آپؑ اُٹھا لائیں۔ محبوبِ الٰہی نے ایک رطب
اُٹھا کر اپنے پیارے چھوٹے نواسے کے منہ میں بسم اللہ کہہ کر دیا اور فرمایا:

"هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَكَ يَا حُسَيْنُ"۔

یعنی گوارا ہو تجھے اے حسینؑ۔

پھر دوسرا رطب اُٹھایا اور بسم اللہ کہہ کر حسن مجتبیٰؑ کے منہ میں دیا اور فرمایا:

"هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَكَ يَا حَسَنُ"۔

پھر ایک رطب سیدہؑ کو کھلایا اور فرمایا:

"هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَكِ يَا فَاطِمَةُ"۔

چوتھا رطب جناب امیر علیہ السلام کے دہن مبارک میں دیا اور فرمایا:

هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَكَ يَا عَلِيُّ وَهٰكَذَا فَعَلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

اپنے وصی کو تین رطب پیہم کھلائے اور تینوں مرتبہ "هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَكَ يَا عَلِيُّ"

فرمایا اور ہر بار سید الانبیاءؐ تعظیم کو کھڑے ہوئے اور بیٹھ گئے۔ غرض سب نے سیر ہو کر نوش
فرمایا۔ پھر وہ کاسہ آسمان پر چلا گیا۔ جناب فاطمہؑ نے عرض کی:

"اے بابا! میں نے آج آپ سے عجیب امر مشاہدہ کیا"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا "اے فاطمہؑ! رطب اوّل جو میں نے حسینؑ کے منہ میں دیا
اور "هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَكَ يَا حُسَيْنُ" کہا۔ اس کا سبب یہ ہے:

"فَاِنِّيْ سَمِعْتُ مِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ يَقُوْلَانِ ذٰلِكَ فَقُلْتُ مُوَافِقًا لَهُمَا فِي الْقَوْلِ"۔

میں نے سنا میکائیلؑ و اسرافیلؑ بھی یہی کہتے ہیں۔ پس میں نے اُن کی موافقت
کی۔ جب دوسرا رطب حسنؑ کے منہ میں دیا:

"فَسَمِعْتُ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ يَقُوْلَانِ ذٰلِكَ فَقُلْتُ مُوَافِقًا لَهُمَا"۔

پس میں نے جبرئیلؑ و میکائیلؑ کو سنا کہ یہی کلمہ کہتے ہیں۔ میں نے بھی اُن کا
ساتھ دیا۔ جب تیسرا رطب تمہارے منہ میں دیا:

"فَاِنِّيْ سَمِعْتُ الْحُوْرَ الْعِيْنَ يَقُلْنَ هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَكِ يَا فَاطِمَةُ"۔

میں نے سنا کہ تمام حوران جنت کہتی ہیں:

"هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَكِ فَاطِمَةُ"۔

میں نے اُن کے کہنے میں موافقت کی لیکن جب میں نے علیؑ کے منہ میں رطب
دیا تو:

"فَاِنِّيْ سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُوْلُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقُلْتُ مُوَافِقًا لِقَوْلِ اللّٰهِ"۔

میں نے سنا کہ رزاقِ عالم فرماتا ہے:

"هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَکَ يَا عَلِيّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ".

میں نے بھی کلامِ خدائے عزوجل کی پیروی کی۔ پھر میں نے دوسرا رطب علیؑ کے منہ میں دیا تاکہ مکرر حق تعالیٰ کی آواز سنوں۔ پھر تیسرا رطب دیا۔ ہر بار اپنے خالق کی آواز سنتا تھا کہ وہ یہی فرماتا تھا:

'هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَکَ يَا عَلِيُّ ثُمَّ اِجْلَالًا لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ'

ہر مرتبہ رب العزت کے اجلال و تعظیم کے واسطے اُٹھ کر کھڑا ہوتا تھا۔

"وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْنَاوَلْتَ عَلِيًّا
مِنْ هٰذِهِ السَّاعَةِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ رُطَبَةً رُطَبَةً
لَقُلْتُ لَهُ ذٰلِكَ".

اور میں نے سنا کہ جنابِ اقدس واعلیٰ فرماتا ہے کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت وجلال کی، اے رسولؐ! تو اس وقت سے روزِ قیامت تک ایک ایک رطب کر کے علیؑ کو کھلائے تو ہم بھی ہر رطب کے بعد یہی کہے جائیں گے:

"هَنِيْئًا مَرِيْئًا لَکَ يَا عَلِيُّ".

اب سر پیٹنے اور خاک اُڑانے کا مقام ہے۔ افسوس! جس کا رتبہ یہ ہو، اُس علیؑ کا سرِ سجدۂ خالق میں زہر آلود تلوار سے زخمی ہو اور فاطمہؑ اُمتِ جفاکار کے ہاتھوں ستائی جائیں۔ ہائے ستم! اُس حسنؑ کا جگر زہر سے بہتر (۷۲) ٹکڑے ہو اور اُن کے جنازہ پر تیر چلیں اور ہزار حیف کہ وہ حسینؑ تین دن پانی سے محروم رہے اور اُن کا تمام بدنِ نازنین نیزہ و تیر کے زخموں سے مشبک ہو اور ہر شخص اُن کے قتل میں جلدی اور پیش دستی کرے۔

چنانچہ صاحب الامر علیہ السلام زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں:

"فَسَارَعُوْهُ الْقِتَالَ وَعَاجَلُوْهُ النِّزَالَ وَرَشَقُوْهُ

بِالسِّهَامِ وَالنِّبَالِ"

یعنی جب مظلومِ کربلا روزِ عاشور عزیز و اقرباء کی شہادت کے بعد یکہ و تنہا رہ گئے، اشقیاء نے جنگ میں تعجیل کی۔ ہر طرف سے تلواریں کھینچ کھینچ کر، نیزے تان تان کر آگے بڑھے اور چاہتے تھے کہ جلد اُس بیکس کو گھوڑے سے زمین پر گرا دیں اور اس قدر ظلم کیا کہ جسم مبارک سرتاپا تیروں سے چھلنی ہوگیا۔

"لَقَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِهِ مَلٰئِكَةُ السَّمٰوٰتِ وَهُوَ
مُحْتَمِلٌ لِلْاَذِيَّاتِ"

دوپہر میں حضرتؑ نے کیسے کیسے داغ اُٹھائے، بدن پر کس قدر نیزوں اور تلواروں کے زخم کھائے، کیا کیا اذیتیں سہیں، کیا کیا مصیبتیں دیکھیں اور سب پر ایسا صبر کیا کہ آسمان کے فرشتوں کو حیرت ہوئی۔

"فَهَوٰى اِلَى الْاَرْضِ جَرِيْحًا تَطَاؤُهُ الْخُيُوْلُ
بِحَوَافِرِهَا وَتَعْلُوْهُ الطُّغَاةُ بِبَوَاتِرِهَا"

کہاں تک برداشت کرتے، زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرے اور اشقیاء ہر طرف سے آستینیں چڑھا چڑھا کر خنجر تان کر جلدی سے اس ارادہ سے بڑھے کہ اپنے نبیؐ زادے کا سر کاٹ لیں۔

آہ! اس آمد و رفت میں امامِ مظلوم کا گھوڑوں کی ٹاپوں سے جسم پامال ہوگیا۔

"وَرَشَحَ لِلْمَوْتِ جَبِيْنُهُ وَاخْتَلَفَتْ بِالْاِنْبِسَاطِ وَ
الْاِنْقِبَاضِ شِمَالُهُ وَيَمِيْنُهُ".

حضرت صاحب الامر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے جد بزرگوار پر وہ وقت عجب شدت کا تھا، پائے مبارک کبھی کھینچ لیتے، کبھی پھیلا دیتے تھے اور اُس جلتی ریت پر کبھی دائیں کروٹ، کبھی بایاں پہلو بدلتے تھے مگر کسی طرح چین نہ آتا تھا، یہاں تک کہ پیشانی

موت کے پسینہ سے تر ہو گئی۔

"وَهُوَ يُدِيرُ طَرْفًا خَفِيًّا اِلٰی بَيْتِهِ وَرَحْلِهِ وَيَتَحَسَّرُ اِلٰی غُرْبَةِ لِنِسَائِهِ وَاَهْلِهِ".

اور جنابِ مظلومِ کربلا اس حالتِ کرب میں گوشۂ چشم سے حسرت و یاس بھری نگاہوں سے بار بار خیمہ گاہ کی طرف دیکھتے تھے اور اپنی بے وارث خواتین، یتیم بچوں کی غربت و بیکسی پر حسرت اور افسوس کرتے تھے۔

'فَاَسْرَعَ فَرَسُهُ شَارِدًا اِلٰی خِيَامِهِ مُحَمْحِمًا نَاعِيًا'

جب ذوالجناح نے دیکھا کہ میرے سوار کا یہ حال ہے، ہنہناتا ہوا سموں سے خاک اُڑاتا ہوا مقتل سے تیزی کے ساتھ درِ خیمہ پر آیا اور اس قدر چلّایا اور اس کرب سے رویا کہ اہلِ حرم کو معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کے وارث شہید ہو گئے۔

"فَلَمَّا رَاَيْنَ النِّسَآءُ جَوَادَهُ مَخْزِيًّا وَسَرْجَهُ عَلَيْهِ مَلْوِيًّا"

سب بیبیاں بے اختیار ڈیوڑھی پر دوڑ کر آئیں۔ دیکھا کہ ذوالجناح کی زین خالی، باگیں کٹی ہوئی، بدن میں جا بجا تیر پیوست، پیشانی پر خون ملے، مثلِ زنِ پسر مردہ کے بے اختیار کھڑا رو رہا ہے۔

"بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُوْدِ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ عَلَى الْخُدُوْدِ لَاطِمَاتٍ بِالْعَوِيْلِ دَاعِيَاتٍ وَبَعْدَ الْعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ".

مؤمنین! اضطراب کیا بُری چیز ہے دیکھتے ہی وہ باپردہ سیدانیاں جن کی ماں کا جنازہ رات کو اُٹھا تھا، سب کی سب دن کو برہنہ پاؤں، بال بکھرائے، روتی پیٹتی، گرتی پڑتی خیمہ سے نکل کر قتل گاہ کو چلیں۔

"فَرَاَيْنَ اَنَّ الشِّمْرَ جَالِسٌ عَلٰی صَدْرِهٖ وَمُوْلِغٌ سَيْفَهُ عَلٰی نَحْرِهٖ قَابِضٌ شَيْبَتَهُ بِيَدِهٖ ذَابِحٌ لَهُ بِمُهَنَّدِهٖ".

جب قریب پہنچیں تو عجب سانحہ دیکھا کہ شمر بے رحم سینۂ اقدس کے قریب اس طرح بیٹھا ہے کہ اُس شقی کا ایک ہاتھ امامؑ کے ریشِ اقدس پر ہے، دوسرے ہاتھ سے خنجر بوسہ گاہِ رسولؐ پر رکھے کعبۂ ایمان کو گراتا ہے۔

فَقُلْنَ النِّسَاءُ بِالْبُكَاءِ وَالنَّحِيْبِ يَا شِمْرُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ دَعْهُ قَدْ سَكَنَتْ حَوَاسُّهُ وَخَفِيَتْ اَنْفَاسُهُ

مؤمنین! خیال کیجئے کہ اُن بیبیوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔ سب کی سب بیتاب ہو کر فریاد کرنے لگیں:

"اے شمر! کیا ظلم کرتا ہے، جلد سینۂ اقدس سے اُتر۔ اُس مظلومؑ میں تو کچھ حال باقی نہیں۔ خود کوئی دم کا مہمان ہے۔ ناحق کیوں تکلیف دیتا ہے؟"

وہ شقی کب سنتا تھا، اپنے کام میں مصروف تھا۔

ثُمَّ ارْتَمَيْنَ عَلَى الْحُسَيْنِ وَقُلْنَ يَا شِمْرُ ارْضَ مِنَّا دُوْنَهُ بِفِدَاءٍ

آخر وہ بے چاریاں کیا کرتیں، اپنے آپ کو امامؑ کے جسم پر گرا دیا اور منت سے کہنے لگیں: "خدا کے واسطے اے شمر! رحم کر۔ ہمیں پردیس میں بے وارث نہ کر۔ اس غریب کے بدلے ہمارے سروں کو کاٹ لے"۔

"وَاَسَفَاهُ مَا رَقَّ بِهٖ قَلْبُهُ بَلْ زَادَ مِنْهُ عِنَادُهُ وَغَضَبُهُ حَتّٰی جَزَّ رَاْسَهُ وَرَمٰی بِهٖ عَلَى الْاَرْضِ".

ہزار افسوس! رحم کی بجائے اُس ظالم کو اور غضب آ گیا۔ فرزندِ رسولؐ کا سر کاٹ لیا

اور زمین پر رکھ کر آوازِ تکبیر بلند کی۔

مومنین! یہ تکبیر اس خوشی کی تھی کہ نبیؐ کے روضہ کا مجاور شہید ہو گیا۔ فرات کے کنارے پیغمبرؐ خدا کی ہری بھری کھیتی پامال ہو گئی۔ قریب ہی نجف اشرف میں علیؑ کے مزار کا چراغ ٹھنڈا ہو گیا۔ کربلا کے جنگل میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی کمائی لٹ گئی۔

غرض اُس وقت جو اُن بیبیوں پر گزری، زبان کو بیان کا یارا نہیں۔ شورِ ماتم سے زمین ہلنے لگی۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، احمد کوفی کی روایت، خیموں کا لُٹنا اور جلنا، اہلِ بیتؑ کا اسیر ہونا

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَّقِیْنَ لِاٰثَارِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِیْنَ بِوِلَایَةِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَنَشْكُرُ اللّٰهَ الَّذِیْ جَعَلَ ذِكْرَ فَضِیْلَةٍ مِنْ فَضَائِلِهٖ نَجَاةً لِلْمُذْنِبِیْنَ".

حمد و ثنا کرتے ہیں ہم اُس خداوند کریم کی جس نے ہم سب کو اُمتِ خاتم النبیین، سید المرسلینؐ میں سے کیا اور ہمیں غلامانِ سید الوصیینؑ جنابِ امیر المومنین علیہ السلام سے گردانا اور شکر بجالاتے ہیں ہم اُس خداوند جلیل کا جس نے ذکرِ فضیلتِ علیؑ ابن ابی طالبؑ کو باعثِ مغفرت و نجات کیا۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوْ كَانَ الرِّیَاضُ اَقْلَامًا وَالْبُحُوْرُ مِدَادًا وَالْجِنُّ حُسَّابًا وَالْاِنْسُ كُتَّابًا مَا اَحْصَوْا فَضَائِلَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ".

سب عام اور خاص نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا کہ اگر تمام اشجار قلم بن جائیں اور تمام دریا سیاہی ہوں اور تمام جن حساب کریں اور تمام انسان لکھیں، ہرگز حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

"فِی الصِّرَاطِ السَّوِیِّ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ شِیْعَتَنَا یَخْرُجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی مَا مَعَهُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْعُیُوْبِ وَ

وُجُوهُهُم كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ".

صاحب صراط السوی جو اہل سنت کے علمائے معتبرین میں سے ہے، اُس نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: بہ تحقیق ہمارے شیعہ روز قیامت اپنی قبروں سے گناہوں اور عیبوں کے ساتھ نکلیں گے لیکن ہماری محبت اور دوستی کے سبب اُن کے چہرے چودہویں کے چاند کی مانند روشن ہوں گے۔

صاحب سرور المؤمنین کتاب فتوحات القدس سے روایت کرتے ہیں:

"دَخَلَ اَعْرَابِيٌّ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ شَكٰى اِلَيْهِ مِنَ الْاِمْلَاقِ".

ایک روز ایک سائل اعرابی جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ناداری اور تنگ دستی کا شکوہ زبان پر لایا۔ حضرتؑ رحم دلی کے تقاضے کے تحت اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور سائل کو اپنے ساتھ لے کر مع چند اصحاب احمد کوفی کے مکان پر تشریف لائے۔ احمد نے جو آپؑ کو دیکھا تو آدابِ خدمت بجالا کر اپنی غیر حاضری کا عذر کرنے لگا اور کہا: "یا مولاؑ! ان دنوں میرے حاضر نہ ہونے کا باعث یہ ہے کہ ایک عمارت کی تعمیر میں مصروف ہوں"۔

"فَقَالَ يَا اَحْمَدُ كَمْ صَرَفْتَ فِيْ عِمَارَتِكَ".

حضرتؑ نے فرمایا: "اے احمد! اس عمارت پر تو نے کس قدر رقم خرچ کی ہے؟"

عرض کی: "ایک ہزار دینار"۔

آپؑ نے فرمایا: "میں تیرے ہاتھ اسی قیمت پر ایک ایسا قصر زرنگار بہشت میں بیع کرتا ہوں جس کی ایک حد قصر جناب رسولِؐ خدا سے ملحق ہو، دوسری حد میرے قصر سے، تیسری حد قصر حسنؑ سے اور چوتھی حد قصر حسینؑ سے ملحق ہو"۔

اُس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔

پس اپنی زوجہ سے جا کر یہ ماجرا بیان کیا۔ اُس مؤمنہ نے کہا کہ میں بھی مع اولاد اس بیع میں شریک ہوتی ہوں۔ احمد نے حضرتؑ کی خدمت میں آ کر اپنی زوجہ کی غرض کو بھی عرض کیا۔ آپؑ نے قبول فرمایا۔

اُس نے فوراً ایک ہزار دینار حضرتؑ کے حضور میں حاضر کیے۔ آپؑ نے تبسم فرمایا اور اس مضمون کا قبالہ اپنے دستِ حق پرست سے تحریر کیا۔

"بہ تحقیق کہ میں نے ایک قصر بہشت میں محدود بحدود اربعہ مع حور و غلمان اور نہروں کے شہد و شیر سے مملو اور مع درخت خرما و انار اور میوہ ہائے جنت جو اُس میں نصب ہیں، احمد کوفی کے ہاتھ بیع کیا اور اس کو بندۂ حقیر علیؑ ابن ابی طالبؑ نے لکھا"۔

غرض وہ قبالہ احمد کوفی نے لے کر اپنی زوجہ کے حوالہ کیا۔ اُن میں آپس میں یہ معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے جو شخص پہلے رحلت کرے، یہ وثیقہ اُس کے کفن میں رکھ دیا جائے۔

راوی کہتا ہے کہ چند روز کے بعد احمد کوفی نے انتقال کیا۔ پس خود جناب امیرؑ نے اُس مؤمن پاک ذات پر نماز پڑھ کر مشایعت کی اور دفن سے فراغت پائی۔ ناگاہ ایک کبوتر خوش رنگ اپنی چونچ میں ایک کاغذ لئے ہوئے ظاہر ہوا اور قریب آ کر جناب امیر علیہ السلام کے دامن میں اُس نوشتہ کو گرا دیا اور خود آسمان کی جانب پرواز کر گیا۔

حضرتؑ نے اُس کتابت کو پڑھا۔ یہ مضمون لکھا تھا:

"یہ نامہ ہے پروردگار کی جانب سے بنام حیدرؑ کرار: یا علیؑ! تمہارا جو وعدہ احمد کوفی سے تھا، اُس کو میری ذات باری نے وفا کیا۔ اب وہ تمہارے قصر بیع کردہ میں مع غلمان و حور براحت و سرور بسر کرتا ہے"۔

مؤمنین! کیا یہ مقام ماتم کا نہیں ہے کہ جناب امیرؑ تو ایک سائل اعرابی کی یوں حاجت روائی فرمائیں اور اپنے ایک محب کو بہشت میں عمارت عنایت فرمائیں اور یہ فلک کج رفتار اُنؑ کی اولاد کے ساتھ یہ سلوک کرے کہ اُن کو وطن سے جدا کر کے ایک صحرائے

ہولناک میں ایک کو دوسرے سے جدا کرے۔ بھائی کو بہن کے سامنے پیاسا شہید کیا جائے اور بہن کو بھائی کے بعد رسن بستہ شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار بازاروں میں، درباروں میں پھرایا جائے۔ اُن کے خیموں کو جہاں قدسیانِ سماوات کے پر جلتے ہوں، آگ سے جلایا جائے۔

قتل کردی آب بستی خانہ ویران ساختی

ای فلک ہرگز نبودی آشنائی اہل بیتؑ

چنانچہ بعض کتاب معتبرہ میں جناب زینبؑ سے منقول ہے کہ دس محرم کو عصر کا وقت تھا جب ظالموں نے میرے برادر مظلوم حسینؑ کو بھوکا پیاسا شہید کیا۔ اُس وقت میرے بھائی کا فرزند زین العابدینؑ شدتِ بیماری سے غش میں تھا۔ شام کو جب غش سے افاقہ ہوا، نمازِ مغرب کے واسطے کھڑا ہوا اور اُس نے اپنے بھائی اور بابا کو نہ دیکھا تو وہ نوحہ وزاری کی کہ ملائکہ ملائے اعلیٰ اُس غریب کے رونے پر رونے لگے۔ آخر وہ بیمار روتے روتے غش کر گیا۔ جب ثلث شب گزری تو پھر افاقہ ہوا۔ اُس وقت اُس نے نمازِ مغرب ادا کی۔ اس کے بعد وہ اشقیاء خیمہ حرم میں بے ادبانہ در آئے اور خیموں کی طنابیں کاٹنے لگے۔ ایک چوبِ خیمہ میرے سر پر گری۔ پھر اُن بے رحموں نے خیمہ میں آگ لگا دی۔

پس وہ آگ ہر طرف سے بھڑک اٹھتی تھی لیکن ہم اہل بیتؑ کی برکت سے سرد ہو جاتی تھی۔ جب صبح قریب ہوئی تو اُن اشقیاء نے ہمیں خیموں سے باہر نکال کر ایک ٹیلے پر بٹھایا اور خیموں کو جلا دیا۔ ہمارا اسباب لوٹ لیا، حتیٰ کہ سروں سے چادریں چھین لیں۔ اس پر بھی کہتے تھے کہ بتاؤ تم نے مال کہاں دفن کیا ہے۔ ہم جواب دیتے تھے کہ تم نے تو سارا مال اسباب لوٹ لیا، اب ہم نے کہاں پوشیدہ کرنا تھا؟

وہ کہتے تھے کہ تم جادوگرانِ بنی ہاشم سے ہو۔ تم زمین پر سبزی اُگاتے تھے، جب کہ محمدؐ نے دہنِ غار پر سحر سے مکڑے کا جالا بنایا تھا۔

بعد ازاں اُن اشقیاء نے گیارہویں محرم کو ہم اہل بیتؑ کو رسیوں سے باندھ کر

سعد کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا۔ وہ ملعون ہم لوگوں کو دیکھتا تھا اور خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ تقریباً رات کا چوتھا حصہ گزر گیا اور ہم اہل بیتؑ برابر اُس کے سامنے اُسی طرح کھڑے تھے۔ اُس وقت اُس نے حکم دیا کہ شہداء کے سر کاٹے جائیں۔ ہم لوگ ایک ایک سے مضطر ہو کر منت سماجت کرتے تھے کہ کسی طرح وہ ملاعین اس ظلم سے باز رہیں مگر کوئی ہماری فریاد نہ سنتا تھا۔ ہر شہید کی لاش پر ہم اہل بیتؑ کو لے جاتے تھے اور دکھا دکھا کر سروں کو کاٹ کر نیزوں پر چڑھاتے تھے۔

یہ ظلم بارہ تاریخ تک تھا۔ اُس دن تک ہم اہل بیتؑ نے نہ کچھ کھانا کھایا تھا اور نہ پانی پیا تھا۔ شام کو ہمارے مال سے جو غلہ جل کے باقی رہ گیا تھا، اُسی میں سے ایک ایک مٹھی فقراء و مساکین کی طرح ہم اہل بیتؑ کو دیا گیا۔

تیرہ تاریخ کی صبح کو ہمیں قید کر کے ہمارے وارثوں کے سروں کو لئے ہوئے وہ اشقیاء کوفہ کو روانہ ہوئے۔

فضائلِ مجلس، جنابِ امیرؑ کا ایک ضعیفہ کی مشک اُٹھانا اور عمر سعد کا اہلِ بیتؑ کو آب و طعام بھجوانا

"وَرَدَفِی الْحَدِیْثِ مَامِنْ قَوْمٍ اِجْتَمَعُوْا یَذْکُرُوْنَ فَضْلَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ هَبِطَتْ عَلَیْهِمْ مَلَائِکَةُ السَّمَآءِ".

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت مومنین باہم آپس میں مل کر اور مجمع کی شکل میں بیٹھتے ہیں اور مناقب و فضائل جنابِ امیر علیہ السلام بیان کرتے ہیں تو فرشتے اُن پر نازل ہوتے ہیں اور اُن سے مصافحہ کرتے ہیں۔

"فَاِذَاتَفَرَّقُوْاعَرَجَتِ الْمَلٰئِکَةُ اِلَی السَّمَآءِ".

جب متفرق ہوتے ہیں تو فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں۔

"فَیَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَائِکَةُ اِنَّانَشُمُّ مِنْ رِیْحِکُمْ مَالَا نَشُمُّهُ مِنَ الْمَلٰئِکَةِ".

ملائکہ آسمان اُن فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس وقت ہمیں تم سے خوشبو آتی ہے جو ہم اور فرشتوں میں سے نہیں سونگھتے۔

"فَیَقُوْلُوْنَ کُنَّاعِنْدَقَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ مُحَمَّدًاوَاَهْلَ بَیْتِه".

وہ ملائکہ کہتے ہیں کہ ہم اس وقت اُن لوگوں کے پاس تھے جو ذکرِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں مشغول تھے۔ یہ خوشبو اُن کی خوشبو ہے۔ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں بھی وہاں لے چلو۔

فرشتے کہتے ہیں کہ اس وقت وہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے ہیں۔

فَیَقُوْلُوْنَ اَذْهَبُوْنَا اِلَی الْمَکَانِ الَّذِیْ یَذْکُرُوْنَ فِیْهِ

"پھر وہ ملائکہ کہتے ہیں کہ ہمیں اُس مکان ہی میں لے چلو جہاں وہ لوگ ذکر کرتے تھے"۔

سبحان اللہ مومنین! اس مجلس کے کیا فضائل ہیں! کتاب کنز الفوائد میں ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے کہ جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا:

"یَااَبَاذَرٍّ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ عَلٰی کُلِّ رُکْنٍ مِنْ اَرْکَانِ عَرْشِهٖ سَبْعِیْنَ اَلْفَ مَلَکٍ".

اے ابوذرؓ! اللہ نے ہر رکن پر ارکانِ عرش سے ستر ہزار فرشتے مقرر کیے ہیں۔

"لَیْسَ لَهُمْ تَسْبِیْحٌ وَلَاعِبَادَةٌ اِلَّاالدُّعَآءُ لِعَلِیٍّ وَ شِیْعَتِهٖ عَلٰی اَعْدَائِهٖ".

اُن کی عبادت و تسبیح نہیں ہے مگر یہ کہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں علیؑ پر اور استغفار کرتے ہیں اُن شیعوں کیلئے اور لعنت کرتے ہیں اُن کے دشمنوں پر۔

روایت ہے کہ ایک دن راہ میں جنابِ علی مرتضیٰؑ آرہے تھے کہ ایک مومنہ کو دیکھا کہ پانی کی مشک بھرے ہوئے دوش پر رکھ کر خستہ حال چلی جارہی ہے۔

"فَدَنٰی مِنْهَااَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ رَحْمَةً عَلَیْهَاوَقَالَ یَا اَمَةَ اللّٰهِ اَعْطِیْنِیْ قِرْبَتَکِ".

جنابِ امیر علیہ السلام کو اُس پر رحم آیا۔ اُس کے پاس جا کر فرمایا: اے کنیزِ خدا! یہ مشک مجھ کو دے کیونکہ تو تھک گئی ہے۔ میں اسے تیرے گھر پہنچادوں گا۔

"وَالْمَرْءَةُ مَاعَرَفَتْهُ فَاَعْطَتْهُ قِرْبَتَهَافَحَمَلَهَااَمِیْرُ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَذَهَبَ مَعَهَا اِلٰى مَنْزِلِهَا"

اور وہ مومنہ جنابِ امیر علیہ السلام کا نام جانتی تھی مگر صورت نہ پہچانتی تھی۔ پس اُس نے اپنی مشک حضرتؑ کو دی۔ حضرتؑ خوشی خوشی دوشِ مبارک پر اٹھا کر لے چلے، یہاں تک کہ اُس کے گھر تک پہنچا دی۔ پھر اُس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور تیری معاش کیونکر گزرتی ہے؟

اُس نے کہا: میرے شوہر کو علیؑ ابن ابی طالبؑ نے جہاد پر بھیجا تھا۔ وہ شہید ہو گیا۔ کئی ننھے ننھے یتیم میرے پاس ہیں۔ محنت و مشقت و آب کشی کرتی ہوں۔ اس میں جس قدر میسر آتا ہے، اُس میں ہزار مشقت و مصیبت سے اُن کی پرورش کرتی ہوں۔

جنابِ امیر علیہ السلام نے جب یہ حال سنا تو آپؑ کا رنگ مبارک غم سے متغیر ہوا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپؑ گھر تشریف لائے اور مارے رنج و اضطراب کے رات بھر نیند نہ آئی۔ جب صبح ہوئی تو اُس کے واسطے اناج اور گوشت چادر میں باندھ کر پشتِ مبارک پر رکھ کر لے گئے۔ راستے میں ایک صحابی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے عرض کی

"یا مولاؑ! زنبیل مجھے دیجیے کہ میں اُٹھا کر ہمراہ لے چلوں"۔

جنابِ امیرؑ نے فرمایا: "آج دُنیا میں تو نے میرا بوجھ اُٹھا لیا، کل قیامت میں میرا بوجھ کون اُٹھائے گا؟"

یہ کہہ کر اُس مومنہ کے دروازہ پر آئے اور آواز دی۔ اُس نے کہا کہ تو کون ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں وہی بندۂ خدا ہوں جو کل تیری مشک پہنچا گیا تھا۔ وہ بولی کہ خدا تجھ سے راضی ہو اور تجھ پر اپنا لطف و کرم کرے اور میرے اور علیؑ کے درمیان انصاف کرے۔

حضرتؑ یہ سن کر چپ رہے۔ غرض جب دروازہ کھلا تو حضرتؑ گھر میں گئے اور وہ اناج اُس کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا: "میں ایک بندۂ خدا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ کچھ کارِ ثواب کروں، اس نیت سے تیری خدمت کرنے آیا ہوں۔ یا تو بچوں کو سنبھال اور میں کھانا پکاؤں

یا بچوں کو میں بہلاؤں اور تو کھانا پکا لے"۔

وہ بولی کہ میں خمیر کرتی ہوں اور تو میرے اطفال کو بہلا اور گوشت بھی پکاتا جا۔

حضرتؑ نے قبول فرمایا۔ پس آپؑ نے گوشت چڑھا دیا اور بچوں کو بہلانے لگے بلکہ جس کام میں وہ خوش ہوتی تھی، وہی کام کرتے تھے اور اُن کے منہ میں روٹی دیتے تھے اور دستِ شفقت سر پر پھیرتے تھے اور رو رو کر فرماتے تھے: اے یتیمو، میرے فرزندو! علیؑ کو بخشو کہ علیؑ نے تمہاری خبر نہ لی۔

جب وہ عورت خمیر سے فارغ ہوئی تو پکاری: اے بندۂ خدا! جلد تنور کو روشن کر۔

حضرتؑ فوراً اُٹھے اور تنور میں آگ لگائی۔ جب تنور کا شعلہ بھڑکا اور اُس کی گرمی سے حضرتؑ کو ایذا پہنچی تو فرمانے لگے:

ذُقْ یَا عَلِیُّ هٰذَا جَزَاءُ مَنْ ضَیَّعَ الْاَرَامِلَ وَالْیَتَامٰی

اے علیؑ! مزا چکھ لے اس حرارتِ آتش کا۔ یہ جزا ہے اُس شخص کی جو بیواؤں اور یتیموں کی خبر نہ لے اور اُن کو ضائع و برباد کرے۔

اس کے ساتھ ساتھ روتے جاتے تھے۔

"اِذْجَاءَتِ الْمَرْءَةُ وَتَعَجَّبَتْ وَقَالَتْ یَاهٰذِهٖ اَتَعْرِفِیْنَهٗ قَالَتْ لَا"۔

ناگاہ ایک محلہ کی عورت گھر میں آئی اور متعجب ہو کر صاحبِ خانہ سے پوچھنے لگی: تو پہچانتی ہے کہ یہ کون ہیں؟ اُس نے کہا: نہیں، میں نہیں جانتی مگر بہت شفیق ہے، مجھ پر رحم کرتا ہے، میرے کام کرتا ہے۔

"قَالَتْ وَیْحَکِ هٰذَا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَخُوْ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَزَوْجُ سَیِّدَةِ نِسَآءِ الْعَالَمِیْنَ"۔

وہ بولی: افسوس ہے تجھ پر اے بے ادب، یہ تو امیر المومنینؑ ہیں۔ ان سے تو کام

لیتی ہے۔ یہ تو برادرِ رسولؐ و شوہرِ جنابِ بتولؑ ہیں۔

اے بے شعور! یہ وہ شخص ہے جس نے درِ خیبر اُکھاڑا اور جنگِ اُحد میں ایسا لڑا کہ ملک فلک پر لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفِقَارِ پکارا۔

'فَلَمَّا سَمِعَتْ كَلَامَهَا وَقَعَتْ عَلٰى اَقْدَامِهٖ وَ بَكَتْ وَقَالَتْ'.

جب اُس عورت نے سنا کہ یہ جنابِ امیر علیہ السلام ہیں تو دوڑ کر پاؤں پر گر پڑی اور رو کر عرض کی:

"وَاحَيَائِيْ مِنْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاخجَالَتِيْ مِنْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاغفْلَتِيْ مِنْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ".

ہائے! آپؑ سے شرمندہ ہوں اور افسوس ہے کہ آپؑ سے غافل رہی اور آپؑ کی عزت و توقیر کو نہ پہچانا۔

ہائے! کیا ترکِ ادب مجھ سے سرزد ہوا اور اپنے آقا سے کام لیا۔

منقول ہے کہ اُس وقت جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام نے شرم سے سرِ مبارک جھکا لیا اور آہستہ سے فرمایا:

"بَلْ وَاحَيَائِيْ مِنْكِ يَا اَمَةَ اللّٰهِ فِيْمَا قَصَّرْتُ فِيْ اَمْرِكِ".

"اے کنیزِ خدا! تو کیوں شرمندہ ہو کر روتی ہے؟ میں خود تجھ سے شرمندہ ہوں کہ میں نے تیرے حق میں تقصیر کی اور تیرے یتیموں کی خبر نہ لی۔ تو مصیبت میں تھی، تیرا شکوہ بجا ہے۔ اب تو علیؑ کو دل سے بخش دے"۔

مؤمنین! مقامِ انصاف ہے کہ جنابِ امیر علیہ السلام کی رحمدلی اور یتیم پروری کا

تو یہ حال تھا لیکن افسوس زمانہ غدار پر کہ ایسے کریم و یتیم پرور کی اولاد سے یوں برا سلوک کیا کہ انہیں بے وطن کر کے صحرائے کربلا میں پہنچایا اور شہید کر دیا۔

افسوس صد افسوس! فرزندِ حیدرِ کرار نے کیا قصور کیا تھا جو انؑ کے ساتھ اس اُمتِ جفا کار نے یہ سلوک کیا کہ مہمان بلا کر تین دن کا بھوکا پیاسا مثل گوسفندِ قربانی ذبح کیا اور اُس عظیم ظلم پر بھی عمر سعد بدنہاد کو عیال و اطفالِ امام حسین علیہ السلام پر رحم نہ آتا تھا۔

منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد خیمہ محترم میں سوائے امام زین العابدینؑ اور چند اطفال اور مستورات کے کوئی باقی نہ رہا تھا۔ اُس وقت بعض رؤسائے کوفہ سے، مثلاً اسما بن خارجہ، حمید بن مسلم، مرہ بن مہاجر، مہاجر بن اُوس، علی بن طعان اور یزید بن رکاب آپس میں کہنے لگے:

"جس سے کام تھا، اُس کو تو قتل کر چکے، اب حسینؑ کے یتیموں پر رحم کیا جانا چاہئے۔ اب اُن کو آب و طعام بھیجنا چاہئے"۔

وہ سب عمر سعد کے پاس جا کر کہنے لگے: "کیا تو حسینؑ کی مستورات اور بچوں کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے جبکہ وہ تین دن سے بھوکے اور پیاسے ہیں؟ ہم نے اُن خاصانِ خدا کو، جو روئے زمین پر اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، ابن زیاد کے حکم سے قتل کیا ہے۔ اب جلد اُن بیکسوں کے واسطے آب و طعام بھجوا اور اگر تو ہمارے کہنے پر عمل نہ کرے گا تو اب ہم تجھ سے جنگ کریں گے اور کیونکر ہم اُن کو آب و طعام نہ دیں۔

"قَتَلْنَا رِجَالَهُمْ وَ اَطْفَالَهُمْ بِاَيْدِيْنَا"

حالانکہ اُنؑ کے تمام مرد و زن کو، حتیٰ کہ طفلِ شیرخوار کو بھی ہم نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا"۔

عمر سعد نے تقریرِ رؤسائے کوفہ سے خوف کھا کر حبیب بن حماز کو بلا کر کہا کہ کچھ آب و طعام اہلبیتِ حسینؑ کیلئے لے جا۔ وہ ملعون بولا:

اے امیر! ابھی نہ بھیج۔ جب ہم لوگ کھانا کھالیں گے، اُس وقت اُن کو بھی کچھ بھیج دینا۔

رؤسائے کوفہ نے کہا: ''اے امیر! اسے نہ بھیج، یہ بڑا سنگدل ہے۔ مستورات غریب اپنے وارثوں کے ماتم میں مشغول ہوں گی، ایسا نہ ہو کہ یہ شقی کوئی سخت بات کہہ کر ان کے دلوں کو دکھائے۔ مناسب یہ ہے کہ کچھ عورتوں کو لشکر سے انتخاب کر کے بھیج''۔

ابن سعد نے کہا: ''تم لوگ مختار ہو، جسے چاہو بھیجو''۔

اُس وقت چالیس یا ساٹھ عورتیں اشرافِ قوم کی تمام لشکر سے انتخاب کی گئیں، مثلاً زوجہ حر، زن قیس، زن اسما بن خارجہ اور عمر سعد کی دو بیٹیاں، اُمِ عامر و ہندہ، زن عمر بن سعد بن نفیل ازدی وغیرہ۔

ان سب عورتوں کے شوہر تو راضی ہوئے لیکن ہندہ کے شوہر نے منع کیا یا وہ خود جانے پر راضی نہ ہوئی کہ اُس کو شرم دامن گیر ہوئی۔ کہنے لگی:

''مجھ کو نہ لے جاؤ کہ میرے شوہر نے قاسمؑ کو شہید کیا ہے۔ مجھے اُن سے شرمندگی ہوگی''۔

اُس وقت رؤسائے کوفہ نے زوجہ عثمان یاسر اور اُس کی دونوں بیٹیاں اور تین عورتیں قبیلہ بنی اسد سے تجویز کر کے اُن کے ہمراہ پندرہ خوان روٹیوں کے اور پچاس مشکیں پانی کی بھیجیں۔ جب وہ عورتیں در خیمہ پر پہنچیں، وہ مغرب کا وقت تھا۔ وہ عورتیں اُن مظالم کی ندامت سے جو اُن کے شوہروں نے کئے تھے، کھڑی ہوگئیں اور آپس میں کہنے لگیں:

''ہم کیونکر خیمہ میں جائیں کہ سب بیبیاں اپنے اپنے وارثوں کے غم میں مبتلا ہوں گی۔ ہمیں دیکھ کر اور زیادہ ملال ہوگا اور اگر ہم سے کچھ پوچھیں گی تو ہم کیا جواب دیں گے؟''

غرض اسی ملال میں متحیر تھیں:

''اِذْہَبَتْ زَیْنَبُ وَقَالَتْ بِحَقِّ اللّٰہِ لَا تُؤْذُوْنَنَا بِاللَّیْلِ وَالصِّبْیَانُ فِی الْمَنَامِ''

راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں کی آہٹ پا کر جنابِ زینبؑ نے سمجھا کہ پھر یہ قومِ جفا کار ہمیں لوٹنے کو آئی ہے۔ بآوازِ حزیں رو کر فرمایا:

''اے قوم! خدا کے واسطے ہمیں رات کو نہ ستاؤ اور ہمیں نہ لوٹو کہ ہمارے بچے روتے روتے سو گئے ہیں۔ صبح کو جو چاہنا، زیور و اسباب ہمارا غارت کر لینا لیکن آج کی شب ہمیں مت ستاؤ''۔

اُس وقت ایک عورت اُن میں سے بولی: ''اے بی بی! تم اندیشہ نہ کرو۔ ہم تمہیں لوٹنے کو نہیں آئی ہیں بلکہ کچھ آب و طعام لائے ہیں''۔

''فَدَخَلَتْ اَوَّلاً زَوْجَۃُ حُرِّبْنِ الرِّیَاحِیْ وَاَلْقَتْ قِنَاعَھَا وَخَلْفَھَا النِّسْوَانُ بَاکِیَاتٍ حَزِیْنَاتٍ''۔

اُس وقت اُن سب عورتوں میں زوجۂ حر نے سبقت کی اور اپنی چادر سر سے اُتار کر پھینک دی اور ننگے پاؤں روتی ہوئی خیمہ میں گئی اور اُس کے پیچھے باقی عورتیں روتی پیٹتی داخل ہوئیں۔ وہ سب عورتیں اُس قومِ غدار کے حق میں بددعا کرتی تھیں کہ خداوندا! اُن کی جمعیت کو پراگندہ کر اور اُن کا رزق بند کر اور اُن کے مکانوں کو خراب اور اُن کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

''کَمَا قَتَلُوا ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّکَ بِلَاجُرْمٍ''۔

جیسا کہ انہوں نے فرزندانِ رسولِ خدا کو بے گناہ قتل کیا۔

غرض زوجۂ حر نے اور باقی عورتوں نے دست بستہ عرض کی: ''اے دخترِ رسولؐ! ہماری تقصیر معاف فرمایئے کہ ہم مجبور تھیں اور نادم ہیں اُس ظلم و ستم پر جو ہمارے شوہروں نے کئے ہیں۔ یہ آب و طعام حاضر ہے۔ اس میں سے کچھ نوش فرمایئے''۔

"وَاصْبِرِیْ عَلٰی عَزَآءِ الْحُسَیْنِ".

''اور ماتم حسینؑ میں صبر فرمایئے''۔

"فَبَکَتْ زَیْنَبُ وَقَالَتْ کَیْفَ اٰکُلُ هٰذَا الطَّعَامَ وَ قَدْ قُتِلَ اَخِیْ جَائِعًا وَعَطْشَانًا"..

جنابِ زینبؑ کھانے اور پانی کا نام سن کر بہت روئیں اور اپنے بھائی کی بھوک و پیاس یاد کر کے کہنے لگیں: ''افسوس! میں کیونکر یہ کھانا کھاؤں اور پانی پیوں؟ حالانکہ میرا بھائی بھوکا اور پیاسا شہید ہوا۔ بخدا! ہرگز یہ آب وطعام اُنؑ کے بعد مجھے گوارا نہ ہوگا''۔

پس وہ عورتیں لشکرِ عمر سعد میں واپس چلی گئیں مگر زوجۂ حر وخواہر ہاشم بن عتبہ خدمتِ اہل بیتؑ میں حاضر رہیں۔ یہ دونوں عورتیں جنابِ زینبؑ کو امام حسینؑ کا پرسہ دیتی تھیں اور جنابِ زینبؑ اُن دونوں کے شوہر اور برادر کا پرسہ دیتی تھیں۔

اُس وقت اہل بیتؑ میں عجب طرح کا کہرام برپا ہوا، ہر طرف سے وَاحُسَیْنَاهُ، وَاعَبَّاسَاهُ، وَاعَلِیَّ اَکْبَرَاهُ کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، انگشتری کا کھودنا، رُخصتِ امام حسینؑ اور روایتِ جنابِ ربابؑ

'قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ ذَکَرَ فَضِیْلَةً مِنْ فَضَائِلِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مُقِرًّا بِهَا غَفَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ'.

جنابِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندۂ مؤمن فضائل علیؑ ابن ابی طالبؑ سے ایک فضیلت، بشرطیکہ اُس کا اعتقاد درست ہو، ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے گزشتہ اور آئندہ گناہ بخش دیتا ہے۔

"عَنْ زَیْدِ بْنِ عَلِیٍّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ اَعْطَی النَّبِیُّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ خَاتَمٌ لِیُنْقِشَ عَلَیْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَعْطَاهُ النَّقَّاشَ".

زید بن علی نے اپنے پدر بزرگوار جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبرِ خدا نے جنابِ امیر علیہ السلام کو اپنی انگشتری دی جس پر:

'فَقَالَ لَهُ انْقُشْ عَلَیْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَاَخْطَاَتْ یَدُهٗ وَنَقَشَ عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلَیْهِ عَلِیٌّ وَقَالَ لَهٗ مَا اَمَرْتُکَ بِهٰذَا'.

جنابِ امیرؑ نے نقاش سے فرمایا کہ اس انگشتری پر محمد بن عبداللہ کندہ کر۔ جب نقاش کندہ کرنے لگا تو اُس کے ہاتھ سے اُس انگشتری پر محمد رسولؐ اللہ کندہ ہوگیا۔ جناب امیرؑ نے اُسے دیکھ کر فرمایا: ''اے شخص! میں نے یہ نہ کہا تھا جو تو نے کندہ کیا''۔

"قَالَ يَاعَلِيُّ قَدْاَخْطَأَتْ يَدِيْ فَجَآءَ بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقَالَ لَهٗ مَانَقَشَ النَّقَّاشُ مَااَمَرْتُ بِهٖ فَاَخَذَهُ النَّبِيُّ فَقَالَ يَاعَلِيُّ اَنَاابْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَاَنَامُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ".

اُس نے عرض کیا: یاامیرالمومنینؑ! میرے ہاتھ نے خطا کی۔ حضرتؑ اُس انگوٹھی کو جنابِ رسولؐ خدا کی خدمت میں لائے اور عرض کی: یارسولؐ اللہ! حسبِ ارشاد میں نے نقاش سے کہا تھا لیکن اُس نے یہ کندہ کردیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: یاعلیؑ! میں محمد بن عبداللہ اور محمد رسولؐ اللہ ہوں یعنی جو کچھ اس پر کندہ ہوا، یہ بھی بہتر ہے۔

"فَلَمَّااَصْبَحَ النَّبِيُّ نَظَرَاِلٰى خَاتَمِهٖ فَاِذَاتَحْتَهٗ عَلِيٌّ وَلِيُّ اللّٰهِ وَصِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

جب صبح ہوئی، جنابِ رسولؐ خدا نے اُس انگشتری کو ملاحظہ فرمایا کہ اُس انگوٹھی کے نیچے علی ولی اللہ لکھا ہوا ہے۔

"فَتَعَجَّبَ النَّبِيُّ بِذٰلِکَ".

یہ دیکھ کر جنابِ رسولؐ خدا کو نہایت تعجب ہوا۔

"حَتّٰى نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ وَقَالَ يَامُحَمَّدُاِنَّ اللّٰهَ يَقْرَئُکَ السَّلَامُ وَيَقُوْلُ کَتَبْتَ مَااَرَدْتَ وَکَتَبْنَامَااَرَدْنَا".

ناگاہ جبرئیلؑ امین نازل ہوئے اور عرض کی: یارسولؐ اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام ارشاد کیا ہے اور فرمایا ہے: اے میرے حبیبؐ! جو تمہیں مطلوب تھا، وہ ہم نے اس انگشتری پر کندہ کردیا اور جو ہمیں مطلوب تھا، وہ ہم نے اس پر کندہ کیا۔

پس منقول ہے کہ وہ انگشتری جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد

جنابِ امیرؑ کے پاس رہی اور اُنؑ کے بعد امام حسنؑ کے پاس اور اُن کے بعد امام حسینؑ کے پاس تھی۔ پس روزِ عاشور جب شہزادہ علی اکبرؑ مصروفِ جہاد ہوئے اور شدید گرمی کے باعث پیاس کی شدت سے بیتاب ہوئے، اُس وقت جنابِ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی "اے پدرِ بزرگوار! پیاس نے مجھے ہلاک کیا، اگر ممکن ہو تو تھوڑا سا پانی مجھے عنایت کریں"۔

یہ سنتے ہی جنابِ امام حسین علیہ السلام بہت روئے اور وہی انگشتری جنابِ علی اکبرؑ کو عنایت کی اور فرمایا کہ اسے اپنے منہ میں رکھو اور پھر مصروفِ جہاد ہوجاؤ۔ بہ تحقیق مجھے گمان ہے کہ اس کے بعد تمہیں پیاس نہ لگے گی۔

پس جنابِ علی اکبرؑ نے اُس انگوٹھی کو اپنے دہنِ مبارک میں رکھا کہ اُسی سے تسکین ہوگئی اور پھر مصروفِ جہاد ہوئے۔

مگر افسوس ہزار افسوس کہ اس کے بعد پھر جنابِ علی اکبرؑ کو اپنے پدرِ بزرگوار کی زیارت نصیب نہ ہوئی اور سنانِ ظلم سینہ پر کھا کر گھوڑے سے زمین پر گرے۔

"وَنَادٰى يَااَبَتَاهُ اَدْرِكْنِيْ"

اور آواز دی: اے بابا! میری خبر لیجئے کہ میں جاں بلب ہوں۔

یہ سنتے ہی امام حسینؑ کی نظر میں تمام جہان تیرہ وتاریک ہوگیا اور بیتابانہ مقتل کی طرف روانہ ہوئے۔

"فَجَلَسَ عِنْدَرَاْسِهٖ وَهُوَقَدْمَاتَ فَبَكٰى بُكَاءً شَدِيْدًا".

مگر افسوس کہ حضرتؑ کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ شہزادہؑ راہیِ ریاضِ جنان ہوچکا تھا۔ پس جنابِ امام حسینؑ اپنے فرزند کی لاش پر بہت روئے اور فرمایا:

"افسوس صد افسوس، اے علی اکبرؑ! میں تم تک نہ پہنچ سکا کہ تم دنیا سے رحلت کر

گئے۔ بیٹا! تمہارے بعد اِس دُنیا پر خاک ہے"۔

"ثُمَّ وَثَبَ عَلٰى قَدَمَيْهِ وَاَقْبَلَ اِلَى الْخَيْمَةِ لِوِدَاعِ اَهْلِهٖ".

پس منقول ہے کہ جب جناب امام حسین لاشِ علی اکبرؑ پر رو چکے، اُس وقت پیادہ خیمہ گاہ کی طرف اہل حرم سے وداع کے واسطے روانہ ہوئے اور عصمت سرا میں پہنچ کر چادر جنابِ رسولؐ خدا کو بصورت کفن پہنا، اپنے نانا کی زرہ بدنِ اطہر پر درست کی، آنحضرتؐ کا عمامہ مقدس سر پر باندھا، ذوالفقارِ حیدرِؑ کرار کو حمائل کیا، اپنے پدرِ بزرگوار کا نیزہ ہاتھ میں لیا اور آپؑ نے اہل حرم سے فرمایا: "اے اہلِ بیتِؑ رسالت و معدنِ نبوت! تم سب پر میرا آخری سلام پہنچے۔ اب ہماری تمہاری ملاقات روزِ قیامت ہوگی"۔

فَخَرَجَتْ اِلَيْهِ زَيْنَبُ مُسْتَغِيْثَةً
وَمَعْجَرُهَا مِنْ دَمْعِهٖ يَتَبَلَّلُ

راوی کہتا ہے کہ رخصت کے الفاظ سنتے ہی جنابِ زینبؑ فریاد کرتی ہوئی حضرتؑ کے قریب جا کے خاک پر گر پڑیں اور اس قدر روئیں کہ روتے روتے چادر آنسوؤں سے تر ہوگئی اور غش کر گئیں۔ حضرتؑ بیٹھ گئے اور بہن کا سر سینے سے لگالیا۔ جب جنابِ زینبؑ کو غش سے افاقہ ہوا، اُس وقت حضرتؑ نے تسکین کے کلمات فرمائے اور صبر و شکر کا حکم کیا۔

"فَلَمَّا سَمِعَتْ ذٰلِكَ سُكَيْنَةُ بَكَتْ وَاَقْبَلَتْ اِلٰى اَبِيْهَا".

جب یہ خبر ہلاکت اثر بی بی سکینہؑ نے سنی تو بے اختیار گریاں و نالاں حضرتؑ کے قریب آئیں اور دامنِ اقدس پکڑ کر بکمالِ حسرت و یاس عرض کی: "اے بابا! کیا آپ بھی چچا عباسؑ اور بھائی قاسمؑ و علی اکبرؑ کی مانند اس دشتِ غریب میں ہمیں چھوڑ کر مرنے کو جاتے

ہیں۔ بابا جان! اگر آپ ضرور آمادۂ شہادت ہیں تو پہلے مجھے اور میری ماں و پھوپھیوں کو وطن میں پہنچائیے"۔

یہ سن کر جنابِ امام حسینؑ بیتاب ہوگئے اور باآوازِ بلند رونے لگے اور فرمایا: "اے جانِ پدر! اگر مجھے اتنا اختیار ہوتا تو میں کیوں اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالتا"۔

راوی کہتا ہے کہ ابھی حضرتؑ جنابِ سکینہؑ کی تسکین و دلداری کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں جنابِ ربابؑ روتی پیٹتی امامِ مظلوم کے قریب آئیں اور لگامِ ذوالجناح پکڑ کر عرض کی: "اے مالک و سردار! آپؑ تو آمادۂ شہادت ہیں، اس کنیز کا کون حامی و مددگار ہے؟"

"فَبَكَى الْحُسَيْنُ وَقَالَ لَهَا يَا رَبَابُ اصْبِرِيْ عَلَى الْبَلَاءِ وَاشْكُرِيْ"

حضرتؑ جنابِ ربابؑ کی بیکسی پر بہت روئے اور فرمایا: اے ربابؑ! صبر اور شکر کا وقت ہے۔ تمہیں لازم ہے کہ اس عظیم مصیبت میں صبر کو ہاتھ نہ چھوڑنا اور ہر نفع و ضرر میں خدائے عزوجل کا شکر ادا کرنا۔

'فَوَدَّعَهَا وَوَدَّعَ اَهْلَهٗ وَنِسَائَهٗ وَاَتٰى اِلَى الْمَيْدَانِ'

غرض امام حسینؑ نے اسی طرح سب اہل بیتؑ کو الوداع کیا اور عورتوں اور بچوں کو روتے پیٹتے چھوڑ کر میدانِ کارزار میں تشریف لائے اور مثلِ شیرِ پروردگار اُس قومِ نابکار پر حملہ کیا اور تیس ہزار سوار لشکر سے واصلِ جہنم کیے۔ آخر کار اُس مجمع اشرار نے امامؑ ابرار کو ہر طرف سے گھیر کر تیر و نیزہ و شمشیر سے قتل کیا اور خیمہ اہل بیتِؑ اطہار میں دخترانِ رسولؐ کے لوٹنے کے واسطے داخل ہوئے۔

جنابِ ربابؑ امام حسینؑ کی رخصت کے وقت سے ابھی تک عالمِ بیہوشی میں درِ خیمہ پر کھڑی تھیں۔ ناگاہ ایک شقی نے آ کر ایک چوبِ نیزہ سے جنابِ ربابؑ کو مارا اور اُن کو لوٹنے کا قصد کیا۔ آپؑ منہ کے بل زمین پر گر پڑیں۔

ہیثم بن کندی کہتا ہے کہ میں نے جا کر اُس بی بی کو اُس شقی کے شر سے بچایا اور پوچھا: اے محترم خاتون! کیا حال ہے؟ اُس خاتونِ معظمہ نے جواب دیا: خدا کا شکر کرتی ہوں ہر رنج و بلا میں۔

اس کے بعد مجھ سے پوچھا: اے ہیثم! میرے آقا حسینؑ پر کیا گزری؟

میں نے کہا کہ حضرتؑ تو شہید ہو گئے۔

"فَلَمَّا سَمِعَتْ قَالَتْ يَا اَخِيَ الْكِنْدِيُّ هَلْ شَرِبَ الْمَاءَ الْحُسَيْنُ".

جنابِ ربابؑ نے جونہی امام حسینؑ کی شہادت کی خبر سنی، بے اختیار ہو کر پوچھا اے برادر کندی! حضرتؑ کو مرتے دم بھی کسی نے پانی پلایا یا نہیں؟ میں نے کہا:

"وَاللّٰهِ بَلْ قُتِلَ عَطْشَانًا".

خدا کی قسم! وہ جناب پیاسے ہی شہید ہوئے بلکہ جب شمر ملعون ذبح کے قصد سے اُن کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ حضرتؑ کے لبِ مبارک حرکت میں ہیں۔ ضعف کی وجہ سے ایسی باریک آواز میں تکلم فرماتے ہیں کہ حضرتؑ کا کلام سمجھ میں نہیں آتا اور سوائے اس کلمہ کے اور کچھ نہیں سنائی دیتا کہ مرتے وقت حضرتؑ کی زبانِ خشک پر یہی کلمہ جاری تھا

"اے شمر! بہت پیاسا ہوں، پانی دے"۔

جب جنابِ ربابؑ نے یہ سنا، اُس روز سے جب تک زندہ رہیں، کبھی ٹھنڈا پانی نہ پیا۔ کتبِ معتبرہ و احادیث میں منقول ہے کہ ہر چند امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد وہ مظلومہؑ بے انتہا مصائب میں مبتلا ہوئیں اور اہل بیتِ رسولؐ کے ہمراہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام برہنہ سر بلوائے عام میں مقید ہو کر مثل کنیزانِ حبش و زنگبار کے پھرائی گئیں اور طویل مدت تک دمشق میں مقید رہیں لیکن ہرگز کبھی بھی ایک لمحہ کیلئے بھی صبر و رضا سے تجاوز نہ فرمایا اور کسی حالت میں امام مظلومؑ کی وصیت کے مطابق صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور کبھی

حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں۔

"فَلَمَّا رَجَعَتْ مِنْ دِمَشْقَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ خَطَبَهَا اَشْرَافُ قُرَيْشٍ".

جب ایک طویل مدت کے بعد قیدِ ستم سے چھوٹ کر اہل بیتؑ کے ہمراہ وہ معظمہ مدینہ میں تشریف لائیں، چند روز کے بعد اشرافِ قریش نے خواستگاری کی اور اُن مخدومہؑ کے پاس پیامِ عقد بھیجا۔ اُس وقت جنابِ ربابؑ نے امام حسین علیہ السلام کو بہت یاد کیا اور شدت سے روئیں اور اُن کے جواب میں کہلا بھیجا کہ وائے ہو تم پر اور تمہارے عقل و فہم پر۔ آیا کوئی شخص مثل جنابِ رسولِ خدا کے خسر اور جنابِ امام حسینؑ سا شوہر اس دُنیا میں ہے کہ میں اپنے تئیں اُس کے عقد میں دوں اور جنابِ فاطمہؑ کی بہو کہلا کر اور کسی ادنیٰ کی بہو کہلواؤں؟ خدا کی قسم! امام حسینؑ کی شہادت کے بعد مجھے اپنی زندگی ناگوار ہے۔ اب اس کی آرزومند ہوں کہ یہ باقی زندگی مصیبتِ آلِ عبا کے گریہ و بکا میں بسر کروں اور اسی ماتم و عزا میں میری روح تن سے جدا ہو جائے۔

منقول ہے کہ وہ معظمہ جب تک زندہ رہیں، کبھی زیرِ سایہ نہ بیٹھیں بلکہ ہمیشہ زیرِ آسمان، دھوپ و شبنم و ابر و باراں میں تمام عمر بسر کی۔ ایک روز جنابِ ربابؑ بالائے بام بیٹھی تھیں کہ مینہ برسنے لگا۔ اُس وقت جنابِ زینبؑ نے فرمایا:

"اے بھابی! سایہ میں چلی آؤ تاکہ اذیتِ باران سے نجات پاؤ"۔

جنابِ ربابؑ نے رو کر عرض کی: "میں کیونکر سایہ میں بیٹھوں حالانکہ میں نے اپنی آنکھوں سے روزِ عاشور میدانِ نینوا میں دیکھا کہ میرے آقا مظلومؑ پر اسی طرح تیروں کا مینہ برستا تھا اور کوئی ایسا حامی و مددگار باقی نہ تھا کہ حضرتؑ کو اس بلا سے بچاتا"۔

غرض وہ خاتونِ معظمہؑ ہر وقت اپنے مظلوم آقا کی مصیبت یاد کر کے رویا کرتی تھیں، یہاں تک کہ روتے روتے اس دارِ فنا سے عالمِ بقا کی طرف رحلت فرمائی۔

وداعِ امام حسینؑ بروایتِ شہر بانو، اُن کے بھائی شہریار سے ملاقات

"قَالَ الصَّادِقُ بَكَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ وَالْوُحُوْشُ وَالطُّيُوْرُ عَلَى الْحُسَيْنِ حَتّٰى ذَرَفَتْ دُمُوْعُهَا"

فرزندِ پیغمبر صادق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مصیبتِ امام حسینؑ وہ مصیبتِ عظیم ہے کہ اُن امامِ مظلوم کی مصیبت پر تمام جن وانس، وحش وطیور روئے، یہاں تک کہ وحشی جانوروں کی آنکھوں سے اشک جاری ہوئے۔

مؤمنین! جب جانوروں اور چرند پرند کے آنسو اس مصیبتِ عظیم میں جاری ہوں تو عجب ہے کہ ہم غلامِ امام حسینؑ کہلوائیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں مصائبِ سیدالشہداؑ پر رونے کے واسطے خلق کیا ہو اور ہم نہ روئیں۔

"فِي الْمُنْتَخَبِ وَغَيْرِهٖ لَمَّا آلَ اَمْرُ الْحُسَيْنِ اِلَى الْقِتَالِ وَلَمْ يَبْقَ اَحَدٌ مِّنْ اَعْوَانِهٖ اِلَّا النِّسَاءُ وَ الْاَطْفَالُ".

کتاب منتخب وغیرہ میں منقول ہے کہ جب روزِ عاشور فرزندِ رسولؐ کے پاس سوائے جنگ کے کوئی راستہ باقی نہ رہا اور سب اعوان وانصار راہیِ جنت ہو چکے اور کوئی شخص سوائے چھوٹے بچوں اور عورتوں کے باقی نہ رہا، اُس وقت آپؑ نے بنگاہِ حسرت ویاس لاشہائے انصار واقرباء کو ملاحظہ فرمایا۔ دیکھا کہ عجب صورت وشمائل کے جوانانِ ذیشان جیسے عباسؑ دلاور، عونؑ ومحمدؑ، قاسمؑ وعلی اکبرؑ اور سب بھائی بھتیجے اور بھانجے مثل گوسفندانِ قربانی خاک وخون میں غلطاں ریگستانِ گرم پر پڑے ہیں۔

"فَبَكٰى بُكَاءً شَدِيْدًا وَنَادٰى وَاغُرْبَتَاهُ وَاقِلَّةَ نَاصِرَاهُ".

اُس وقت حضرتؑ اپنے انتہائی بیکسی پر بہت متاسف ہوئے اور بہت روئے اور فرمایا: "افسوس صد افسوس! اس غربت میں کیسے کیسے دوست اور جاں نثار اور کیسے کیسے قدیم وفاشعار آج ہم سے جدا ہو گئے"۔

اس کے بعد خیمہ گاہ کی طرف متوجہ ہوئے اور درِ خیمہ سے آواز دی:

"يَا اُخْتِيْ زَيْنَبُ وَيَا اُمَّ كُلْثُوْمٍ وَيَا سُكَيْنَةُ وَيَا رَبَابُ عَلَيْكُنَّ مِنِّي السَّلَامُ".

"اے بہن زینبؑ وامِ کلثومؑ اور اے سکینہؑ ورباب! تم سب کو میرا آخری سلام پہنچے۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں اور تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں"۔

"فَخَرَجْنَ النِّسَاءُ مِنَ الْخُدُوْرِ بَاكِيَاتٍ حَاسِرَاتٍ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ".

یہ سنتے ہی سب بیبیاں خیمہ عصمت سے بیتابانہ برہنہ سرو پا روتی پیٹتی درِ خیمہ پر آئیں اور دیکھا کہ امام حسینؑ آمادۂ شہادت یکہ وتنہا کھڑے رو رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی کوئی بی بی دامن سے لپٹ گئی، کوئی ذوالجناح کے سموں پر سر پٹخنے لگی، کوئی زمین پر پچھاڑیں کھانے لگی۔ اسی اثناء میں شاہ زنان حضرت شہر بانو برہنہ سر پریشان حال روتی پیٹتی خدمتِ باسعادت امامؑ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

"اے سیدو آقا! آپؑ تو عازمِ میدانِ کارزار ہیں اور قریب ہے کہ اس قومِ نابکار کے ہاتھ سے شہید ہوں اور میں آپؑ کے بعد اس صحرائے پُر بلا میں ذلیل وخوار ہو جاؤں کیونکہ اس ملکِ عرب میں غریب الوطن، بے حامی ومددگار ہوں۔ کوئی میرے قوم وقبیلہ سے ایسا نہیں کہ میری نصرت کرے۔ اگر آپؑ اس کنیز کے حال کو اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے حال

پر قیاس فرمائیں تو ہرگز نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ وہ سب مخدراتِ عصمت و طہارت، دختران رسولِ خدا ہیں۔ ہر مسلمان اُن کی تعظیم و توقیر کرے گا بخلاف اس کنیز کے کہ میں خاندان رسالتؐ سے نہیں ہوں"۔

مؤمنین! گریہ و بکا کا مقام ہے، جناب شہر بانو کو اُس وقت تک اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اگرچہ اشقیائے اُمت نے بہ سبب طمع دُنیوی کے مردانِ اہل بیتؑ کو قتل کیا ہے لیکن اسلام کی حمیت کے سبب جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ سے، کہ یہ دخترانِ رسولِ خدا ہیں، ضرور تعظیم اور احترام سے پیش آئیں گے۔

افسوس ہزار افسوس! یہ نہ جانتی تھیں کہ بعدِ شہادتِ جنابِ امام حسینؑ یہ ملاعین اُن شہزادیوں کو بھی مثل کنیزوں کے مقید و گرفتار کر کے سر برہنہ، شترانِ بے کجاوہ پر شہروں میں، قریوں میں پھرائیں گے۔

بہر کیف جب حضرتؑ نے شہر بانو سے یہ کلامِ حسرت سنا تو بہت روئے اور فرمایا "اے شہر بانو! ہرگز اپنی عزت کا خوف نہ کر۔ اللہ تعالیٰ تمہاری آبرو کا محافظ ہے اور قریب ہے کہ میں شہید ہو جاؤں اور میرا گھوڑا میری لاش پر مانندِ پسر مردہ رو کر اپنی یال خون سے رنگین کر کے درِ خیمہ پر آئے اور تم سب اہل بیتؑ کو میری شہادت کی خبر دے۔ اُس وقت تم اُس پر سوار ہو لینا، وہ تمہیں بکمال حفاظت ایسے محفوظ مکان میں پہنچا دے گا جہاں خدا کا حکم ہوگا"۔

پس جنابِ امام حسینؑ نے حضرت شہر بانو اور سب اہل بیتِ اطہار کو رخصت کیا اور روتے ہوئے آمادۂ شہادت میدان میں تشریف لائے۔ آپ کو ظالموں نے تنہا پا کر چاروں طرف سے گھیر لیا اور نیزہ و شمشیر و تیر مار مار کر شہید کیا۔

بروایت حزن المؤمنین و سرور المؤمنین، جب وہ گھوڑا جس کا نام میمون تھا، مظلومؑ کربلا کی شہادت کے بعد باگیں کٹوا کر، زین میں جابجا تیر پیوست، یال اور پیشانی خون

سے رنگین کئے ہوئے روتا ہوا، سموں سے خاک اُڑاتا ہوا درِ خیمہ پر پہنچا تو ایسی آواز سے بولا جیسے کوئی غمزدہ اپنے آقا و سرپرست کے ماتم میں نالے کرتا ہے۔

بی بی شہر بانو پہلے تو گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال کر دیر تک روتی رہیں، پھر رکاب پر بوسہ دے کر چاہا کہ سوار ہوں تو وہ وقت یاد آگیا کہ آقائے مظلومؑ کس عزت و احترام سے مجھے سوار فرماتے تھے۔ بے اختیار ہو کر رونے لگیں۔ مقتل کی طرف نگاہ حسرت سے دیکھ کر کہنے لگیں:

"آہ! کہاں ہیں میرے وہ وارث و والی، کہاں ہیں وہ عزت و احترام کرنے والے، کہاں ہے وہ کجاوہ، کہاں ہے وہ پسر ہمشکل پیغمبرؐ جو اس وقت میرے پردہ اور سواری کا اہتمام کرے؟"

غرض ایک ایک اہل بیتؑ سے رخصت ہو کر سکینہؑ کو گلے لگا کر سوار ہوئیں۔ چند قدم چلی تھیں کہ عمر سعد نے اپنی فوج کو آواز دی:

"دیکھو! یہ کون عورت خیمہ حسینؑ سے جاتی ہے؟ جانے نہ پائے"۔

یہ آواز جو اُس خاتون کے کانوں میں پہنچی، ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا۔ سر اُٹھا کر دعا کی کہ خداوندا! میں تیرے نبی کے نواسے کی حرمت ہوں۔ میری عزت تیرے ہاتھ ہے۔

اس وقت ذوالجناح، جو امام حسین علیہ السلام کی سواری کا گھوڑا تھا، اُس کی آواز معلوم ہوئی، دیکھا کہ سامنے سے ایک شخص اُسی ذوالجناح پر سوار چلا آتا ہے۔ سارے اعضا تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ بدن میں تیر پر تیر پیوست ہیں۔ گردن پر سر نہیں ہے۔ جب قریب آیا تو آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں آیا ہے؟

اُس کی حلق بریدہ سے آواز آئی "اے شہر بانو! میں وہی حسینؑ غریب ہوں جس کے بعد اہل بیتِ رسولؐ کو چھوڑ کر تو نے تنہا مسافرت اختیار کی ہے۔ اس وقت تیری تسکین کو

آیا ہوں"۔

یہ فرما کر نظروں سے غائب ہو گئے اور گھوڑا بی بی شہر بانو کو ایک سمت لے چلا۔

دور جا کر اُس مخدومہ نے دیکھا کہ ایک لشکر گران چلا آتا ہے، سمجھیں کہ یہ فوج عمر سعد کی کمک کو جاتی ہے، خوفزدہ ہو گئیں اور رہوار کی باگ دوسری طرف پھیر دی۔ سردار لشکر نے جو دیکھا کہ ایک نقاب دار سوار کربلا کی طرف سے آتا ہے۔ خود گھوڑا بڑھا کر قریب آ کر کہا:

'اے سوار! خائف نہ ہو، مجھے تجھ سے اپنے آقا حسینؑ کا حال دریافت کرنا ہے'۔

یہ سنتے ہی آپ ٹھہر گئیں اور کہنے لگیں: "تو کون غمخوار حسینؑ ہے کہ حضرتؑ کا حال پوچھتا ہے؟ اُنؑ سے تو زمانہ پھر گیا، کوئی پرسانِ حال نہیں"۔

اُس نے کہا: "مجھے حضرتؑ سے غلامی اور برادری کا دعویٰ ہے"۔

بی بی شہر بانو نے کہا: "غلامی کا دعویٰ تو ہر مسلمان کرتا ہے مگر برادری کا لفظ تو نے کس وجہ سے کہا؟"

وہ بولا: "میری ایک بہن شہر بانو حضرتؑ کی کنیزی میں ہے۔ اثنائے راہ سے مولاؑ نے خط لکھا تھا کہ اہل کوفہ مجھ سے برسرِ دغا ہیں۔ حتی الامکان نصرتِ اسلام سے باز نہ رہنا۔ اپنا سارا لشکر لے کر جاں نثاری کو جاتا ہوں"۔

یہ سنتے ہی بی بی شہر بانو نے نقابِ چہرہ اُلٹ دی اور رو رو کر چلائیں "اے بھائی! اب کس کی مدد کو جاؤ گے؟"

"قُتِلَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلَا، ذُبِحَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلَا"۔

"ظالموں نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو مہمان بلا کر تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کیا، ہم کو بے وارث دوالی، بچوں کو یتیم کر دیا، ہمشکل پیغمبرؐ کی جوانی خاک میں مل گئی، ایک شب کی بیاہی بیٹی بیوہ ہو گئی، عباسؑ کے شانے کٹ گئے، چھ مہینے کی جان اصغرؑ تک نہ بچا، باپ کی آغوش میں تیر کھا کر جنت کو سدھارا، ماں کی گود اور اپنا جھولا سنسان کر گیا۔ موت نے ہمارا

گھر کا گھر دوپہر میں صاف کر دیا۔ اب سوائے ایک بیمار فرزند کے کوئی باقی نہیں رہا۔ کیا جانے وہ بھی زندہ ہے یا باپ اور بھائیوں کے صدمہ میں تڑپ کر مر گیا۔

نہ معلوم اس وقت مشکل کشا کی بیٹیاں، رسولؐ خدا کی نواسیاں کس مصیبت میں گرفتار ہوں گی"۔

یہ سنتے ہی شہریار نے عمامہ زمین پر پھینک دیا اور بھائی بہن گلے مل کر اس شدت سے روئے کہ روتے روتے غش کر گئے اور سارا لشکر سیاہ پوش ہوا۔ تین دن تک اُس صحرا میں ایسا ماتم برپا رہا کہ پہاڑوں و جنگلوں سے "وَاحُسَيْنَاهُ، وَاغُرْبَتَاهُ، وَاقَاسِمَاهُ، وَاعَبَّاسَاهُ وَااَكْبَرَاهُ" کے سوا کچھ صدا نہ آتی تھی۔

ثوابِ زیارت،خاکِ کربلا پڑنے سے میّت کی نجات،امام حسینؑ سے جنابِ سیدہؑ کی محبت اوردرِ خیمہ پرذوالجناح کا آنا

"عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهُ قَالَ مَابَیْنَ قَبْرِالْحُسَیْنِ اِلَی السَّمَآءِ مُخْتَلَفُ الْمَلٰئِکَةِ".

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ قبرِ مطہر جنابِ سیدالشہداء سے تا بہ آسمان ملائکہ کی آمدورفت ہے کہ ہر صبح وشام فرشتے زیارتِ امام حسینؑ کو حاضر ہوتے ہیں۔

ابن قولویہ نے معتبر سند کے ساتھ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے آپؑ نے فرمایا:

"کَانَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ ذَاتَ یَوْمٍ فِیْ حِجْرِ النَّبِیِّ یُلَاعِبُهُ وَیُضَاحِکُهُ".

ایک روز امام حسینؑ اپنے نانا کی گود میں تھے اور جناب رسولِ خداؐ بہلاتے تھے اور ہنساتے تھے۔ بی بی عائشہ یہ محبت دیکھ کر بولیں "یا حضرتؐ! آپؐ اس بچے کو بہت پیار کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"وَیْلَکِ وَکَیْفَ لَا اُحِبُّهُ وَهُوَثَمَرَةُ فُؤَادِیْ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ".

اے عائشہ! اسے کیونکر نہ دوست رکھوں، یہ میرا میوۂ دل اور آنکھوں کا نور ہے"۔

"اَمَااِنَّ اُمَّتِیْ سَیَقْتُلُهُ".

تم نہیں جانتیں کہ اس فرزند کو میری اُمت میرے بعد شہید کرے گی۔

"فَمَنْ زَارَهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ کَتَبَ اللّٰهُ لَهُ حَجَّةً مِنْ حَجَجِیْ".

پس جو اس کی شہادت کے بعد اس کی زیارت کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کے نامہ اعمال میں میرے حج میں سے ایک حج کا ثواب لکھے گا۔

بی بی عائشہ متعجب ہو کر بولیں: آپؐ کے ایک حج کا ثواب ہوگا؟

"قَالَ نَعَمْ وَحَجَّتَیْنِ".

حضرتؐ نے فرمایا: "بلکہ میرے دو حج کا ثواب ہوگا"۔

وہ زیادہ متعجب ہو کر بولیں: زائرِ حسینؑ کو دو حج کا ثواب ہوگا؟

حضرتؐ نے فرمایا: "بلکہ چار حج کا ثواب ہوگا"۔

پس یونہی بی بی عائشہ تعجب کرتی رہیں اور آنحضرتؐ مضاعف کرتے رہے۔

"حَتّٰی بَلَغَ تِسْعِیْنَ حَجَّةً مِنْ حُجَجِهٖ بِاَعْمُرِهَا"

یہاں تک کہ نوے حج تک پہنچے کہ اُن کے ساتھ عمرے بھی بجالائے ہوں۔

صاحبِ سرورالمومنین کتاب مرآۃ الجنان سے لکھتے ہیں کہ ایک شخص نہایت فاسق وفاجر بغداد میں رہتا تھا۔ اتفاق سے وہ مریض ہوا اور اُس کی بیماری نے طول کھینچا، یہاں تک کہ اُس نے شفا سے ناامید ہو کر اپنی اولاد کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو میری میت کو نجفِ اشرف لے جا کر جوارِ امیرالمومنین علیہ السلام میں دفن کر دینا۔

جب وہ مرگیا تو وارثوں نے جنازہ تیار کیا اور حسبِ وصیت نجف کو لے کر چلے۔

وہاں خدامِ روضہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرتؑ فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ بغداد سے آرہا ہے۔ خبردار! میرے جوار میں دفن نہ ہونے دینا۔

غرض خدام صبح سے شام تک اس خیال میں رہے مگر وہ جنازہ نہ آیا۔ دوسری شب پھر خادموں کو بشارت ہوئی کہ صبح کو تم لوگ جا کر اُس جنازہ کا استقبال کر کے باعزت وآبرو

لاؤ اور میرے رواق میں دفن کرو۔

ایک خادم نے دست بستہ عرض کی: ''یا مولاؑ! کیا سبب ہے کہ کل ممانعت ہوئی اور آج یہ حکم ہے؟''

آپؑ نے فرمایا: ''کل شب کو اُن لوگوں نے راہ گم کی اور صحرائے کربلا میں پہنچ گئے۔ وہ جنازہ وہاں کی غبار سے آلودہ ہوا۔ پس وہ خاکِ شفا گناہ کی دوا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اُس کے گناہ بخش دیئے''۔

حدیث میں وارد ہے کہ ایک بار جنابِ رسولؐ خدا مع علی مرتضیٰؑ سفر میں تھے۔

''وَبَقِیَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ عِنْدَاُمِّھِمَالِاَنَّھُمَا صَغِیْرَانِ''۔

اور حسنینؑ بسببِ کسنی کے خدمتِ بابرکت خاتونِؑ جنت میں حاضر رہے۔

''فَخَرَجَ الْحُسَیْنُ ذَاتَ یَوْمٍ مِنْ دَارِ اُمِّہٖ یَمْشِیْ فِیْ شَوَارِعِ الْمَدِیْنَۃِ''۔

ایک دن جنابِ امام حسینؑ کھیلتے ہوئے گھر سے نکلے اور کوچہ ہائے مدینہ میں پھرنے لگے۔ حضرتؑ کا سن شریف تین برس تھا۔

''فَوَقَعَ بَیْنَ نَخِیْلٍ وَبَسَاتِیْنَ حَوْلَ الْمَدِیْنَۃِ''۔

پس وہ نونہالِ رسولؐ، گل و بوستانِ بتولؑ، گردِ مدینہ باغوں میں پھرتے تھے اور سیر و تماشے میں مشغول تھے۔ ناگاہ صالح بن رقعہ یہودی کا وہاں سے گزر ہوا۔

''فَاَخَذَالْحُسَیْنَ اِلٰی بَیْتِہٖ وَاَخْفَاہُ عَنْ اُمِّہٖ حَتَّی الْعَصْرِ''۔

وہ حضرتؑ کو اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا اور تاوقتِ عصر چھپا کر رکھا۔

''فَفَازَ قَلْبُ فَاطِمَۃَ بِالْھَمِّ وَالْحُزْنِ عَلٰی وَلَدِھَا''۔

امام حسینؑ کے آنے میں دیر ہوئی تو جنابِ فاطمہ زہراؑ کا عجب حال ہوا۔ فراقِ فرزند میں کبھی تو آہ و نالہ کرتی تھیں اور کبھی بیتاب ہو کر مسجد میں تشریف لاتیں کہ اگر کوئی ہو تو تلاشِ حسینؑ کو بھیجیں۔ جب کسی کو نہ پاتیں تو پھر بیت الشرف میں واپس چلی جاتی تھیں۔

'فَصَارَتْ تَخْرُجُ اِلٰی بَابِ الْمَسْجِدِسَبْعِیْنَ مَرَّۃً'

تھوڑے عرصہ میں درِ مسجد تک ستر مرتبہ گئیں اور واپس آئیں۔

مومنین! گریہ و ماتم کا مقام ہے کہ جنابِ سیدہؑ کو تو اُن کا سامنے جدا ہونا گوارا نہ تھا، حالانکہ جانتی تھیں کہ مدینہ میں انہیں کوئی رنج نہیں پہنچا سکتا۔ اُس پر یہ حال اور اضطراب تھا۔ کیا حال ہوا ہوگا روحِ جنابِ سیدہؑ کا جب وہی اُنؑ کا پیارا حسینؑ پردیس میں دوستوں سے، عزیزوں سے جدا ہو کر ہزاروں نیزہ و تلوار کے زخم پر زخم کھا کر خنجر سے ذبح ہو کر کربلا کی گرم ریت پر خاک و خون میں غلطاں پڑا تھا اور حضرتؑ کا گھوڑا لاشِ اقدس پر کھڑا روتا تھا۔

چنانچہ ابومخنف کہتا ہے کہ جب جنابِ سیدالشہداؑ درجۂ شہادت پر فائز ہو چکے، اُس وقت ذوالجناح نے تمام پیشانی حضرتؑ کے خون سے رنگین کی اور اُس عورت کی مثل جس کا جوان بیٹا مارا گیا ہو، خاک اُڑاتا ہوا درِ خیمہ پر پہنچا اور وہاں بآوازِ بلند اس کرب سے رویا جیسے کوئی مرگ کی خبر سناتا ہے۔

چونکہ وہ گھوڑا جنابِ رسالت مآبؐ کی سواری کا تھا، جنابِ زینبؑ اُس سے بہت مانوس تھیں اور اُس کی آواز خوب پہچانتی تھیں۔ اُس کی آواز سنتے ہی معلوم کیا کہ میرے بھائی کا گھوڑا خیمہ کے دروازے پر آیا ہے۔

''فَاَقْبَلَتْ اِلٰی سُکَیْنَۃَ وَقَالَتْ لَھَایَابِنْتِیْ قُوْمِیْ''۔

جنابِ سکینہؑ کو آواز دی اے نورِ نظر! خیمہ کے در پر تمہارے بابا کی سواری بولتی ہے۔ عجب نہیں کہ حضرتؑ نے تمہاری تشنگی کے خیال سے پانی بھیجا ہو۔

یہ سنتے ہی وہ صاحبزادیؑ دوڑ کر درِ خیمہ پر آئیں اور دیکھا:

"اَنَّهٗ خَالٍ عَنْ رَاكِبِهٖ وَالسَّرْجُ مَائِلٌ عَنْ ظَهْرِهٖ"

کہ زین خالی ہے، ذوالجناح کی باگیں کٹی ہوئی ہیں، خون پیشانی پر لگائے، سر جھکائے کھڑا رو رہا ہے اور زمین سے خاک لے کر اپنے سر پر ڈالتا ہے۔

یہ دیکھتے ہی بیتاب ہو کر اپنا منہ پیٹ لیا اور چادر سر سے اُتار کر زمین پر پھینک دی اور چلائیں: پھوپھی جان! پانی کون بھیجے گا؟ بابا تو مارے گئے۔

مَاتَ الْفِخَارُ وَمَاتَ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ
وَاغْبَرَّتِ الْاَرْضُ وَالْاٰفَاقُ وَالْحَرَمُ

اے پھوپھی جان! افسوس ہے کہ میرے پدرِ بزرگوار جو فخرِ کونین اور عزت دارین تھے، قتل ہوئے اور افسوس صد افسوس! زمانہ جود و کرم اور مروّت و سخاوت سے خالی ہو گیا۔

غَابَ الْحُسَيْنُ فَوَالَهْفِيْ لِغَيْبَتِهٖ
قَدْ صَارَتِ الشَّمْسُ يَعْلُوْ نُوْرُهَا الظُّلَمُ

اے پھوپھی جان! مجھے یقین ہے کہ میرے بابا جان ضرور قتل ہوئے، اس لئے کہ گرد و غبار زمین سے آسمان تک آشکار و نمودار ہے اور اُس آفتابِ امامت کی شہادت کے بعد تمام عالم از مشرق تا مغرب تیرہ و تاریک ہے اور قرصِ آفتاب بے نور و سیاہ نظر آتا ہے۔

یہ سنتے ہی جنابِ زینبؑ اور سب بچے اور بیبیاں بیتابانہ درِ خیمہ پر آئیں۔ دیکھا کہ واقعی حضرتؑ کا گھوڑا اپنے سوار کی شہادت کی خبر دیتا ہے۔ دیکھتے ہی جنابِ زینبؑ نے اس قدر گریہ و ماتم کیا کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑیں۔

منقول ہے کہ اُس وقت جنابِ اُمِ کلثومؑ نے مدینہ منورہ کی طرف خطاب کیا اور حسرت و یاس سے ایسے کلمات زبان پر جاری کئے۔

اَيَا جَدَّنَا هٰذَا الْحُسَيْنُ مُعَفَّرٌ
عَلَى التُّرْبِ مَجْزُوْزُ الْوَرِيْدَيْنِ يُقْطَعُ

آگاہ ہو اے جدِ بزرگوار کہ آپ کا فرزند حسینؑ جس نے آپ کی آغوش میں پرورش پائی تھی، وہی حسینؑ آج دشمنانِ دین کے ظلم و ستم سے تشنہ لب مثل گوسفندِ قربانی ذبح ہوا ہے اور گلوئے بریدہ خاک و خون میں آلودہ ریگِ گرم پر بے غسل و کفن عریاں پڑا ہے۔

وَجِسْمَانُهٗ تَحْتَ الْخُيُوْلِ وَرَاسُهٗ
عِنَادًا بِاَطْرَافِ الْاَسِنَّةِ يُرْفَعُ

اور اُن اشقیائے اُمت نے آپؐ کے فرزندِ دل بند کی لاش کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا ہے اور اُن مظلومؑ کا سرِ انور نیزہ پر چڑھایا ہے۔

اَيَا جَدَّنَا لَمْ يَتْرُكُوْا مِنْ رِجَالِنَا
كَبِيْرًا وَلَا طِفْلًا عَلَى الثَّدْيِ يُرْضَعُ

اے جدِ عالی مقام! اس اُمتِ جفاکار نے آپؐ کی اولاد پر وہ ظلم کئے ہیں کہ کوئی ظالم کسی ادنیٰ شخص پر بھی ایسے ظلم نہیں کرتا۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اُن بے رحموں نے ہمارے مردوں میں سے کسی کو زندہ نہیں رکھا بلکہ سب بچے اور جوان ایک ساعت میں قتل کئے، یہاں تک کہ طفلِ شیر خوار علیؑ اصغر بھی تیر سے شہید کیا۔ ان تمام مظالم کے باوجود ابھی تک ان کفار کے دل سیر نہیں ہوئے۔ قریب ہے کہ ہم عورتوں کو بھی قتل کر دیں یا مثل کنیزوں کے قید کر کے کوفہ و شام کی طرف لے جائیں۔

جبرئیلؑ کا حسنینؑ کو میوہ دینا، مُلّا احمد کا یہودی کو دفن کرنا، فاطمہ صغریٰؑ کی زبانی روایتِ تاراجیٔ خیام

'رَوَی اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ اَحَبَّنَا وَاَحَبَّ هٰذَیْنِ یَعْنِی الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا کَانَ مَعِیْ فِیْ دَرَجَتِیْ'

احمد بن حنبل نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جو شخص مجھ کو اور میرے ان دونوں نور دیدہ حسنؑ و حسینؑ اور انؑ کے پدر بزرگوار اور مادر خوش کردار کو دوست رکھے گا، وہ شخص روزِ قیامت میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا۔

ابن شہر آشوب روایت کرتے ہیں:

"اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ بَیْنَ یَدَیْهِ جِبْرَئِیْلُ".

یعنی ایک روز حسنینؑ خدمتِ رسولُ الثقلین میں آئے اور جبرئیلؑ اُس وقت کچھ وحیِ الٰہی لائے تھے۔

"فَجَعَلَا یَدُوْرَانِ لَهٗ یَشْبِهَانِهٖ بِدَحْیَةِ الْکَلْبِیِّ".

اکثر جبرئیلؑ بصورتِ دحیہ کلبیؓ نازل ہوتے تھے۔ حسنینؑ انہیں دحیہ کلبی سمجھ کر گود میں جا بیٹھے اور جبرئیلؑ امین کے دامن و آستین میں کچھ ڈھونڈنے لگے۔ جنابِ رسولؐ خدا نے چاہا کہ حسنینؑ کو جبرئیلؑ کی گود سے اُٹھالیں۔ جبرئیلؑ نے عرض کی:

"یا رسولؐ اللہ! انہیں بے چین نہ کیجئے"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "مجھے شرم آتی ہے کہ یہ فرزند تمہاری گود میں جا بیٹھے ہیں"۔

جبرئیلؑ نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! یہ وہ برگزیدۂ خدا ہیں کہ جب فاطمہؑ چکی پیستے پیستے سو جاتی ہیں اور یہ شہزادے روتے ہیں تو مجھے حکم خدا ہوتا ہے کہ جلد زمین پر نازل ہو کر ہماری خاص کنیز سو گئی ہے اور حسنینؑ بے چین ہیں اور روتے ہیں۔ انؑ کی گہوارہ جنبانی کرو تا کہ وہ آرام کریں اور فاطمہؑ بے چین نہ ہوں۔

پس یا حضرتؐ! جس کی گہوارہ جنبانی اور چکی پیسنے کی خدمت مجھے ہو، وہ میری گود میں بیٹھے تو کیا مضائقہ؟ لیکن یہ شہزادے میری جیب و آستین میں کیا ڈھونڈتے ہیں؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا: "اخی! یہ تمہیں دحیہ کلبی سمجھتے ہیں اور دحیہ کلبی کا معمول ہے کہ جب سفر سے آتا ہے تو ان کیلئے کچھ تحفہ ضرور لاتا ہے"۔

"فَجَعَلَ جِبْرَئِیْلُ یَوْمِیْ بِیَدِهٖ نَحْوَ السَّمَاءِ کَالْمُتَنَاوِلِ شَیْئًا".

پس جبرئیلؑ نے آسمان کی جانب ہاتھ بڑھایا جیسے کوئی چیز لیتے ہوں۔

"فَاِذَا فِیْ یَدَیْهِ تُفَّاحَةٌ وَسَفَرْجَلَةٌ وَرُمَّانَةٌ".

فی الفور جبرئیلؑ نے ایک سیب اور ایک بہی اور ایک انار لے کر حسنینؑ کو دیا۔ وہ صاحبزادے لے کر بہت خوش ہوئے۔ پس اُن میووں کو سب بزرگوار نوش فرماتے تھے مگر تھوڑا سا چھوڑ دیتے تھے۔ پھر وہ میوے بدستور اپنی اصلی ہیئت پر ہو جاتے تھے۔

جب رسولؐ خدا نے انتقال فرمایا تو وہ انار غائب ہو گیا اور جب جنابِ امیرؑ نے رحلت فرمائی تو وہ بہی بھی غائب ہو گئی اور وہ سیب معرکہ کربلا تک باقی رہا۔ جب امامؑ مظلوم پر تشنگی کا غلبہ زیادہ ہوتا تھا تو وہ حضرتؑ اُس سیب کو سونگھتے تھے اور تشنگی کم ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ سفرِ خلد کے وقت حضرتؑ نے اُسے نوش فرمایا۔

صاحب سرور المومنین لکھتے ہیں کہ ایک شب ملا احمد اردبیلی نے خواب میں دیکھا

کہ جنابِ امیر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اے احمد! فلاں محلہ میں ایک یہودی مر گیا ہے۔ تو جا کر بطورِ اسلام اُس کی تجہیز و تکفین کر۔ ملا صبح کو جو گئے تو دیکھا کہ بہت سے یہودی جمع ہیں مگر میت کے فسق و فجور کے سبب کوئی غسل و کفن کی طرف متوجہ نہیں ہے۔

خیال کیا کہ ایک مردِ غیر ملت جس کی مذمت اُسی کے مذہب والے کرتے ہیں، ایسے آدمی کے دفن کو حضرتؑ نے مجھے ارشاد فرمایا، شاید میرا خواب صحیح نہ تھا۔ یہ سوچ کر واپس آ گئے۔ شبِ دوم بھی وہی خواب دیکھا۔ صبح کو پھر اُس محلہ میں جا کر لوگوں سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ یہودیوں نے لاش مزبلہ پر پھینک دی۔ ایسے مقام سے میت کا اُٹھالانا مکروہ سمجھے۔ اُس دن بھی اپنے گھر واپس آ گئے۔ شبِ سوم عالمِ رویا میں دیکھا کہ حضرتؑ فرماتے ہیں:

"کیوں ملا میرے فرمان پر عمل نہ کیا؟"

اُنہوں نے جو حقیقت گزری تھی، عرض کی اور پوچھا: "یا مولاؑ! ایسے کافر پر اس شفقت کا کیا سبب ہے؟"

آپؑ نے فرمایا: "یہ یہودی ایک دن صحرائے گرم میں چلا جاتا تھا کہ حرارتِ آفتاب و قحطِ آب اور شدتِ تشنگی سے بے چین ہو کر زمین پر گر پڑا اور دل میں کہنے لگا:

مسلمان کہتے ہیں حسینؑ ابن علیؑ پر تین دن پانی بند رہا۔ اُس مظلوم نے پیاس کی شدت، آفتاب کی تمازت میں، دوستوں، عزیزوں کے داغ پر داغ اُٹھا کر تیروں اور تلواروں کے زخم پر زخم کھا کر لاکھوں آدمیوں سے وہ جنگ کی کہ قیامت تک یاد رہے گی۔ آخر گھوڑے سے جلتی ریت پر گرا اور شمر نے پانی کے بدلے آبِ خنجر سے سیراب کیا۔ میرا تو اتنی ہی پیاس میں یہ حال ہوا، اُس جنابؑ پر کیا گزری ہو گی؟

یہ سوچ کر وہ بہت رویا اور اُسی وقت دل سے مسلمان ہو گیا۔ مگر قوم و قبیلہ کے خوف سے اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرتا تھا"۔

یہ خواب دیکھ کر ملا بیدار ہو گئے اور مزبلہ سے اُس یہودی کی لاش اُٹھا لائے۔

باعزاز و اکرام بطورِ اسلام غسل و کفن دے کر دفن کر دیا۔

مؤمنین! مقامِ تامل و جائے غور ہے کہ جنابِ امیر علیہ السلام کو ایک دن اُس یہودی کے رونے پر اتنا پاس و لحاظ ہوا کہ تین شب پیہم ملا اردبیلی کو اُس یہودی کے دفن کا حکم ہوا۔ کیا پاسِ خاطر تم لوگوں کا حضرتؑ کو ہو گا جو ہمیشہ روتے ہو، اُنؑ کے ایسے فرزندِ مظلومؑ کی مصیبت پر جس کے عزیزوں کو اُس کے لاشے پر رونے نہ دیا گیا؟

مقامِ عبرت اور جائے انصاف ہے کہ جنابِ امیرؑ کو تو ایک نو مسلم کا بے دفن رہنا گوارا نہ ہوا، کیا صدمہ گزرا ہو گا آپؑ کی روحِ مقدس پر جب اُنؑ کی وہ صاحبزادیاں جن کا سایہ تک کسی نے نہ دیکھا تھا، وہ لوٹی گئیں اور اُن کی چادریں اُنؑ کے سروں سے چھینی گئیں۔

چنانچہ کتاب بحار الانوار میں بی بی سکینہؑ سے منقول ہے کہ اُس مخدومہؑ نے فرمایا:

"جب میرے پدرِ عالی مقدار شہید ہو چکے:

قَالَتْ خَرَجْتُ مِنَ الْخِبَاءِ فَلَاحَ لِیْ
جَسَدُ الْحُسَیْنِ عُرًی عَلَی الرَّمْضَاءِ
عُرْیَانَ مَخْضُوْبًا تَفِیْضُ دِمَائُهٗ
فَكَاَنَّمَا فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءِ

اُس وقت میں خیمہ سے باہر نکلی اور قتل گاہ کی طرف نگاہ کی، دیکھا کہ میرے بابا کی لاش گرم ریت پر عریاں پڑی ہے اور اُن کا تمام بدن مبارک خون میں تر ہے اور اس قدر لہو سے سرخ ہے کہ گویا حضرتؑ نے سرخ لباس پہنا ہے۔ اسی طرح لاشہ ہائے شہداء مثل گوسفندِ قربانی خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں۔

فَلَطَمْتُ وَجْهِیْ حَسْرَةً وَصَرَخْتُ وَا
ذُلِّیْ عَقِیْبَكَ یَا اَبِیْ وَسَبَائِیْ

یہ حال دیکھ کر مجھے یارائے ضبط نہ رہا، اپنا منہ پیٹ لیا اور رو رو کر حسرت و یاس

سے یہ کہتی تھی: اے بابا! افسوس ہے کہ آپؑ شہید ہوئے اور ہم آپؑ کے بعد بے یار و مددگار ہو گئے۔

وَشَکَکْتُ اَنَّ الْقَوْمَ تُوْثِرُ قَتْلَنَا

اَوْسَبْیَنَا لِلذُّلِّ سَبْیَ اِمَآءٍ

اور اُسی حالت میں مجھے یہ فکر ہوئی کہ جس صورت میں ہمارے سب وارث قتل ہو گئے اور کوئی ہمارا حامی باقی نہیں ہے، اب دیکھئے کہ یہ دشمن ہمیں بھی اُنہی کی طرح قتل کرتے ہیں یا قید کرتے ہیں۔

وَاِذَابِرِجْسٍ یَسْلُبِ النِّسْوَانَ قَدْ

اَهْدٰی لَهُنَّ مَلَابِسَ الْبَاسَآءِ

میں اسی اندیشہ میں تھی کہ ایک سوارِ خونخوار، نیزہ بکف نمودار ہوا اور خیمہ اہل بیتؑ میں جا کر اہل بیتؑ کی سب مستورات کو نوکِ نیزہ مارنے لگا اور ہر ایک بی بی کے سر سے چادر اُتارنے لگا۔ ہر بے وارث مارے خوف کے ایک دوسرے کے پیچھے چھپتی تھی۔ ہر چند استغاثہ و فریاد کرتی تھی لیکن اُس وقتِ بیکسی میں کوئی فریاد رس اُن بیکسوں کی مدد کیلئے نظر نہ آتا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے ہوش و حواس برقرار نہ رہے۔

فَفَرَرْتُ مِنْهُ وَقُلْتُ لَا مِنْ مَلْجَاءٍ

اِلَّا الْفِرَارَ بِهٰذِهِ الْقَفْرَاءِ

مگر اُس اضطرار میں یہ امر میرے خیال میں آیا کہ اگر میں اس وقت صحرا کی طرف بھاگ جاؤں تو عجب نہیں کہ اس ظالم کے ظلم سے بچ جاؤں۔ پس میں جنگل کی طرف بھاگی، چند قدم چلی تھی کہ اُس سوارِ ستم شعار نے میرا تعاقب کیا اور میرے قریب آ کر ایک نیزہ میری پشت پر مارا۔

فَصَعِقْتُ مِنْ فَزَعِیْ وَهُلَّتْ اَدْمُعِیْ

وَالرِّجْسُ یَنْزِعُ بُرْقَعِیْ وَرِدَآئِیْ

پس اُس نیزہ کے صدمہ سے میں منہ کے بل زمین پر گر پڑی اور رونے لگی۔ اُس شقی نے مقنعہ و چادر میرے سر سے اُتار لی۔

وَدَنٰی اِلٰی اُذُنَیَّ یَنْزِعُ مِنْهُمَا

قُرْطَیْهِمَا خَرْمًا اَسَالَ دِمَائِیْ

اور میرے کانوں سے بندے اس زور سے کھینچے کہ میرے کانوں کی لوئیں زخمی ہو گئیں اور اُن سے خون اس قدر جاری ہوا کہ میرے تمام رُخسار لہو سے تر ہو گئے اور مجھے غش آ گیا۔

وَاِذَابِعَمَّتِیَ الثُّکُوْلِ تَضُمُّنِیْ

ضَمَّ الْعِزَامِ شَجِیَّةً بِشَجَآئِیْ

جب مجھے غش سے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ پھوپھی زینبؑ بکمالِ محبت مجھے گود میں لئے ہوئے ہیں اور مجھے دیکھ دیکھ کر رو رہی ہیں۔

وَتَقُوْلُ قُوْمِیْ لَبِسْتُ اَدْرِیْ مَاجَرٰی

بِاَخِیْکَ وَالْاَیْتَامِ مِنْ اَذْرَآءٍ

اور فرماتی ہیں: اے بیٹی! ہوش میں آؤ، چلو دیکھیں کہ خیمہ میں تمہاری بہنوں پر کیا ظلم ہوئے ہیں اور یتیم بچوں پر کیا مصیبت گزری ہے، تیرے علیل بھائی کا کیا حال ہے۔

فَدَعَوْتُ هَلْ مِنْ خِرْقَةٍ یَاعَمَّتَاهُ

اَحْمِیْ بِهَا رَاسِیْ مِنَ الْاَعْدَاءِ

میں نے عرض کی: اے پھوپھی جان! میں کیونکر اس نامحرموں کے مجمع میں چلوں کہ چادر و مقنعہ کے بغیر سر برہنہ ہوں۔ اگر آپؑ کے پاس کوئی چادر ہو تو مجھے دے دیجئے کہ

میں اوڑھ لوں۔

قَالَتْ وَمَاحَالِیْ کَحَالِکِ مَاعَلٰی

رَاسِیْ یُرٰی شَیْءٌ مِنَ الْاَشْیَآءِ

یہ سن کر میری پھوپھی زینبؑ بہت روئیں اور فرمایا: اے بیٹی! تیری پھوپھی تیری طرح بے پردہ ہے، میرے سر سے بھی یہ اشقیاء چادر چھین کر لے گئے۔

وَاِذَابِجَنْبَیْهَا لِشِدَّةِ ضَرْبِهَا

کَالنِّبْلِ لَیْسَ لَهَا رُوَاءٌ وَبَهَآءِ

وہ شہزادی فرماتی ہیں: جب میں نے یہ کلامِ حسرت آمیز اُن معظمہ سے سنا اور اُن کے سر اقدس پر نگاہ کی تو دیکھا کہ واقعی وہ بھی بے پردہ ہیں اور اُنؑ کی پشت مبارک پر تازیانوں کے نشان ایسے پڑے ہیں کہ تمام پشتِ اقدس اور پہلوئے اطہر سیاہ و نیلے ہو رہے ہیں۔ یہ عظیم ظلم دیکھ کر میں بیتاب ہو کر رونے لگی اور وہ معظمہ بھی مجھے دیکھ کر رونے لگیں اور مجھے سینے سے لگالیا۔

وَاسْتَنْهَضَتْنِیْ لِلْخَبَا وَاِذَابِهٖ

جَمُّ الرَّزَایَا مُظْلِمُ الْاَرْجَآءِ

اور وہاں سے اُٹھ کر اپنے ہمراہ خیمہ میں لائیں۔ میں نے دیکھا کہ تمام خیمہ لٹ گیا ہے اور ہر ایک بی بی سر برہنہ رو رہی ہے اور ہر طرف سے وَاحُسَیْنَاہُ، وَاسَیِّدَاہُ کی صدائیں بلند ہیں۔

وَاَخِیْ الْعَلِیْلُ عَلٰی جَلِیْلِ مُصَابِنَا

یَبْکِیْ قَلِیْلَ الْوَجْهِ فِی الْغَبْرَآءِ

جب میں پھوپھی کے ہمراہ بیمارؑ بھائی امام زین العابدینؑ کے سرہانے پہنچی تو

دیکھا کہ وہ شدتِ مرض میں منہ کے بل زمین پر پڑے ہیں اور ضعف و ناتوانی کے باعث اُنؑ میں نشست و برخاست کی بھی طاقت باقی نہیں ہے۔ پس ہم اُنؑ کے سرہانے بیٹھ گئے اور حضرتؑ کے حالِ پُر ملال پر رونے لگے۔

فَیَقُوْلُ مِنْ اَلَمٍ اَمَضَّ فُؤَادَهٗ

یَالَیْتَنِیْ مَاکُنْتُ فِی الْاَحْیَآءِ

جب اُنہوں نے ہمیں روتے ہوئے دیکھا تو آپؑ بھی رونے لگے اور یہ فرماتے تھے: کاش میں بھی قتل ہو جاتا تاکہ تمہیں اس مصیبتِ عظمیٰ میں مبتلا نہ دیکھتا۔

ولادتِ امام حسینؑ، ہلالِ رمضان کا حال، حضرتؑ کا ایامِ طفولیت میں روزہ رکھنا، سکینہؑ کو بابا اور بھائی کی لاش سے جدا کرنا

"عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ قَالَتْ لَمَّاسَقَطَ الْحُسَيْنُ مِنْ بَطْنِ اُمِّهٖ كُنْتُ وَلِيَتُهٗ"

صفیہ دُختر عبدالمطلب سے روایت ہے کہ جب جنابِ امام حسینؑ پیدا ہوئے تو میں نے اُس جگر گوشۂ رسولؐ کو گود میں لیا، تھوڑی دیر کے بعد جنابِ رسولؐ خدا تشریف لائے:

"وَقَالَ يَاعَمَّةُ هَلُمِّيْ اِلَيَّ ابْنِيْ".

اور فرمایا: اے عمہ! اس فرزند کو میری گود میں دو۔

"فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَالَمْ اُنَظِّفْهُ".

کہا: یارسولؐ اللہ! ابھی آپؐ کے فرزند کو پاک نہیں کیا یعنی غسل مولود نہیں دیا۔

فَقَالَ يَاعَمَّةُ اَنْتِ تُنَظِّفِيْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَدْنَظَّفَهٗ وَطَهَّرَهٗ

حبیبِ خدا نے فرمایا: سبحان اللہ اے عمہ! تم اسے کیا پاک کرو گی، اللہ تعالیٰ نے اسے پاک وپاکیزہ پیدا کیا ہے۔

"ثُمَّ اَخَذَهٗ وَقَبَّلَهٗ وَوَضَعَ لِسَانَهٗ فِيْ فَمِهٖ".

یہ فرما کر آنحضرتؐ نے امام حسین علیہ السلام کو میری گود سے لے لیا اور اُس نورِ چشم کی پیشانی پر بوسے دیئے اور اپنی زبانِ مبارک اُن کے منہ میں دی۔

فَـاَمَّـــا اُذِيْـقَ مِنَ الْـغِذَاءِ
لُعَـابُ فَـمِ النَّـبِيِّ عَـلَى الْوِلَآءِ

یعنی امام حسین علیہ السلام نے جو غذا سب سے پہلے نوش فرمائی، وہ جنابِ رسولؐ

خدا کا لعابِ دہن تھا کہ چالیس روز پیہم آپؐ نے اُس سے نشوونما پائی۔ پس حضرتؑ کا گوشت پوست اور خون جنابِ رسالت مآبؐ سے روئیدہ ہوا۔

لَـهٗ نُوْرٌ يُشَعْشِعُ فِي الْجَبِيْنِ
وَفِـيْ نَـحْـرٍ كَشَـمْـعٍ لِلْيَقِيْنِ

جنابِ امام حسینؑ کی پیشانی مقدس کثرتِ نور سے ایسی تاباں تھی کہ جس طرح آفتابِ عالم تاب درخشاں ہوتا ہے اور آپؑ کے گلوئے مبارک میں ایسی روشنی و چمک تھی جس کے سامنے شمع کافور بے نور تھی۔

لِـلَثْـمٍ كَـانَ مِـنْ خَيْـرِ الْاَنَـامِ
فَيَهْـدِى النَّـاسُ مِنْـهُ فِي الظَّلَامِ

شبِ تاریک میں جہاں حضرتؑ تشریف رکھتے تھے، گلوئے مبارک اور پیشانی اقدس سے وہ روشنی درخشاں ہوتی تھی کہ لوگ اُس روشنی میں راستہ چلتے تھے اور معلوم کرتے تھے کہ جنابِ امام حسینؑ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اس نور کا سبب یہ تھا کہ جنابِ سیدُ المرسلینؐ اکثر حضرتؑ کے گلوئے نازنین اور پیشانی انور پر بوسے دیا کرتے تھے۔

صاحبِ لسان الواعظین لکھتے ہیں کہ ایک سال ۲۹ رشعبان کو ابر کے باعث چاند ہونے میں شک واقع ہوا۔ اہل یثرب نے صبح کو احتیاطاً روزے رکھے اور انکشافِ حال و حقیقتِ ہلال دریافت کرنے کو خدمتِ جنابِ رسولؐ خدا میں حاضر ہوئے۔

"اِذْنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ وَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَقْرَئُكَ السَّلَامُ وَيَقُوْلُ لَكَ اِنَّ فَاطِمَةَ تَكْشِفُ هٰذَالسِّرَّ".

ناگاہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی: پروردگارِ عالم بعد تحفۂ درود وسلام ارشاد فرماتا ہے کہ اس راز کا انکشاف خانۂ فاطمہ زہراؑ سے ہوگا۔ آنحضرتؐ نے اِس حکم سے لوگوں

کو آگاہ فرمایا۔ وہ سب دردولت جنابِ سیدہؑ پر حاضر ہوئے اور عرض کی:

"اے جگر گوشۂ رسولؐ! آج سلخ شعبان یا غرۂ ماہِ رمضان ہے"۔

آپؑ نے فرمایا: "میں اور تو کچھ نہیں جانتی لیکن آج دیکھتی ہوں کہ میرے فرزند حسینؑ نے صبح سے دودھ نہیں پیا ہے۔ اس سبب سے سمجھتی ہوں کہ غرۂ رمضان ہے اور حسینؑ روزہ سے ہیں"۔

اسی کتاب میں منقول ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام سات برس کے تھے تو ایک دن آپؑ نے اپنے جدِ بزرگوار سے روزہ کا ثواب سن کر روزہ رکھا اور وقتِ ظہر آپؑ پر پیاس نے ایسا غلبہ کیا کہ لب ہائے نازک خشک ہو گئے۔ جنابِ سیدہؑ اپنے فرزند کا یہ حال دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں اور فرمایا: اے میرے نورِ دیدہ! تو ابھی مکلف نہیں، روزہ کھول لے۔ لیکن امام حسینؑ کسی طرح بھی روزہ افطار کرنے پر راضی نہ ہوتے تھے۔ اس دوران جنابِ رسولِ خدا حضرت علیؑ کے ہمراہ بیت الشرف میں داخل ہوئے اور اپنے فرزندِ ارجمند کا یہ حال دیکھ کر بہت روئے اور فرمایا:

"اے فاطمہؑ! حسینؑ کو اسی حالت پر چھوڑ دو تا کہ ان کو پیاس برداشت کرنے کی عادت ہو"۔

اُس وقت مؤکلانِ آفتاب کو حکمِ خدا ہوا کہ جلد مغرب کی طرف طنابیں کھینچو کہ میرے حبیب کا فرزند پیاس سے بیتاب ہے۔ غرض آفتاب غروب ہوا اور شام ہوئی۔ جنابِ سیدہؑ کوزہ میں ٹھنڈا پانی لے کر اپنے دلدار کے پاس آئیں۔ شہزادہؑ نے عرض کی:

"دستور ہے کہ جب بچے پہلا روزہ رکھتے ہیں تو اُن کے ماں باپ روزہ کشائی کی رسم ادا کرتے ہوئے اُنہیں کچھ دیتے ہیں۔ آپ بھی کچھ عنایت فرمائیے"۔

اپنے فرزند کی یہ خواہش دیکھ کر پہلے رسولِ خدا نے فرمایا: "میں نے تمہیں حوضِ کوثر دیا کہ اپنے زائروں کو اور رونے والوں کو اُس سے سیراب کرنا"۔

پھر جنابِ امیر علیہ السلام نے وہ باغ جو رسولِ خدا کا عطیہ تھا، امام حسینؑ کو عطا کیا اور جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جیحون و سیحون و نیل و فرات، یہ چاروں دریا جو اللہ تعالیٰ نے اُن معصومہ کو مہر میں بخشے تھے، اپنے فرزند کو دے دیئے۔

مؤمنین! مقامِ تأمل اور جائے تأسف ہے کہ جن کی والدہ کے مہر میں نہرِ فرات ہو اور وہ اپنے فرزند کی روزہ کشائی میں عنایت کر دیں، ہزار حیف کہ روزِ عاشورا اُسی نہر پر وہ مظلومؑ پیاسا شہید ہوا اور ایک جرعۂ آب اُسے میسر نہ ہو۔

بِنَفْسِيْ شِفَاةٌ ذَابِلَاتٌ مِنَ الظَّمَا
وَلَمْ تَحْظَ مِنْ مَاءِ الْفُرَاتِ بِقَطْرَةٍ

میری جان فدا ہو اور شیعوں کی جانیں فدا ہوں اُن لب ہائے نازک پر جو شدتِ تشنگی سے مثلِ برگِ گل پژمردہ و خشک ہو گئی تھیں اور تین شبانہ روز اُن لبوں تک ایک قطرہ پانی کا نہ پہنچا۔

بِنَفْسِيْ عُيُوْنٌ غَائِرَاتٌ شَوَاهِدٌ
اِلَى الْمَاءِ مِنْهَا نَظْرَةٌ بَعْدَ نَظْرَةٍ

میری جان قربان ہو اور مؤمنین کی جانیں قربان ہوں اُن چشم ہائے انور پر جن میں تشنگی کے سبب اور نایابیٔ آب کی وجہ سے حلقے پڑ گئے تھے اور ہم سب قربان اُن آنکھوں پر جو شدتِ پیاس میں بکمالِ حسرت و یاس آبِ فرات کی طرف مکرر دیکھتی تھیں اور تا دمِ آخر ایک جرعۂ آب میسر نہ آیا۔

مؤمنین افسوس ہزار افسوس! جب اشقیائے بے دین فرزندِ جنابِ سید المرسلین کو شہید کر چکے اور اہلِ بیتِ طاہرین کو لوٹ چکے تو دو دن تک وہاں قیام کیا اور اپنے کشتگانِ نجس کو دفن کیا۔ فرزندانِ رسولِ خدا کو بغیر غسل و کفن زمینِ کربلا پر خاک و خون میں غلطاں چھوڑ کر قصدِ کوفہ کیا۔

صاحب اسرار الشہادۃ لکھتے ہیں کہ اُس وقت اہل بیتؑ شہداء کے مقتل میں روتے تھے اور سر سینہ پیٹتے تھے۔ جناب سکینہؑ اپنے پدر بزرگوار کی لاش پر بیٹھ کر حضرتؑ کے شانے کو تھامے ہوئے اپنے بابا کا ہاتھ زیر بغل لئے ہوئے روتی تھیں۔

مومنین! قاعدہ تھا کہ جب مظلومؑ کربلا اپنی بیٹی سکینہؑ کو دیکھتے تھے تو بغلوں میں ہاتھ دے کر اپنی گود میں اُٹھا لیتے تھے۔ اُس وقت جو اُس صاحبزادی نے اپنے بابا کو اس حال میں دیکھا تو رو رو کر خود امامؑ کے ہاتھوں کو اپنی بغل میں رکھتی تھیں۔ گویا مطلب یہ تھا کہ کیا وجہ ہے کہ اس وقت آپؑ مجھ کو اپنی آغوش میں نہیں لیتے۔

پس وہ صاحبزادیؑ کبھی تو اپنے پدر بزرگوار کے شانہ کو سونگھتی تھی اور کبھی حضرتؑ کی اُنگلیوں کو اپنے سینہ پر رکھتی تھی اور کبھی آنکھوں سے لگاتی تھی۔ امامؑ مظلوم کے خون کو گلوئے مبارک سے لے کر اپنے بالوں پر اور چہرہ پر خضاب کی طرح ملتی تھی اور کہتی تھی:

"یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ اَلْبَسَتْنِیْ بَنُوْاُمَیَّۃَ ثَوْبَ الْیُتْمِ عَلٰی صِغَرِ سِنِّیْ".

ہائے بابا! مجھے بنی اُمیہ نے اس سن میں لباسِ یتیمی پہنایا۔

"یَا اَبَتَاہُ اِذَا اَظْلَمَ اللَّیْلُ مَنْ یَحْمِیْ حِمَایَ وَاِنْ عَطَشْتُ فَمَنْ یَرْوِیْ ظَمَایَ".

اے بابا! اب راتوں کو کون میری خبر لے گا اور کون مجھ کو اپنے سینہ پر سلائے گا۔ جب پیاسی ہوں گی تو کون مجھے پانی پلائے گا۔

"یَا اَبَتَاہُ نَھَبُوْا قُرْطِیْ وَرِدَائِیْ".

اے بابا! آپ نے جو مجھے گوشوارے اور چادر عنایت کی تھی، اُس کو ظالموں نے چھین لیا اور کان زخمی کر دیئے۔

"یَا اَبَتَاہُ اُنْظُرْ اِلٰی رُؤُسِنَا الْمَکْشُوْفَۃِ وَاِلٰی

اَکْبَادِنَا الْمَلْھُوْفَۃِ وَاِلٰی عَمَّتِیَ الْمَظْلُوْمَۃِ وَاُمِّی الْمَسْجُوْنَۃِ".

اے بابا! آپؑ دیکھتے ہیں کہ اعداء کے ظلم سے ہمارے سر کھلے ہیں اور شدت تشنگی سے ہمارے جگر جل چکے ہیں۔ اے بابا! آپؑ کو خبر ہے کہ پھوپھی کی پشت مبارک نوک نیزہ سے فگار ہوئی، اماں کے شانوں میں ریسمانِ ظلم بندھی۔

راوی کہتا ہے کہ اُس صاحبزادیؑ کے بین پر اکثر ملاعین رونے لگے۔ ناگاہ ایک ملعون قریب آیا، اُس بچی نے پوچھا: آج تم لوگ یہاں قیام کرو گے یا کوچ کرو گے؟ اُس نے کہا کہ آج ہی کوچ ہے۔

اُس وقت اُس بچی نے عجب درد بھرا جملہ کہا: "تم لوگ ان بیبیوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ، مجھے یہیں بابا کے پاس چھوڑ دو۔ راہوں کی سختیاں، منزلوں کی صعوبتیں اٹھانی، پہاڑوں میں کانٹوں پر چلنا، اُونٹوں پر بار بار چڑھنا اُترنا اس سن و سال میں مجھ سے کیونکر ہو سکے گا؟ رحم کر اور مجھے یہیں چھوڑ دے کہ بابا کی لاش پر کوئی رونے والا نہیں ہے۔ اگر اپنے بابا کی لاش پر روتے روتے مر جاؤں گی تو تم پر میرا خون نہ ہوگا"۔

مگر اُس ملعون نے کچھ خیال نہ کیا اور چاہا کہ اُس صاحبزادی کو اُٹھا کر قافلہ میں لے جائے۔

مومنین! جناب سکینہؑ اس وقت کیا کرتیں؟ کون بچانے والا تھا جس کے پاس جاتیں؟ لاش سے لپٹ گئیں، گویا بابا سے پناہ چاہی؟ کیا سنگدل تھا، اس پر بھی رحم نہ کیا اور چھوٹا سا بازو پکڑ کر کھینچا۔

"فَقَالَتْ لَہٗ یَا ھٰذَا اِنَّ لِیْ اَخًا صَغِیْرًا".

جب اُس بچی نے دیکھا کہ کسی طرح نہ چھوڑے گا تو بلبلا کر کہنے لگی: "ذرا ٹھہر جا، میرا ایک چھوٹا بھائی اسی صحرا میں آرام کر رہا ہے۔ ذرا جا کر اُس سے رخصت ہو لوں"۔

اس منت پر اُس شقی کو رحم آ گیا اور بازو چھوڑ دیا۔ وہ بچی دائیں بائیں ڈھونڈنے لگی۔ چند قدم پر دیکھا کہ وہ ننھی سی لاش چھوٹی سی گردن پر تیر کھائے، خون میں نہائے گرم ریت پر پڑا ہے، "وَااَخاهُ وَااَصْغَراهُ" کہہ کر گود میں اُٹھالیا۔ رو رو کر کبھی سوکھے ہونٹوں پر اور کبھی گلے کے زخم پر بوسے دینے لگی اور کہنے لگی:

"اے اصغرؑ! تم تو میرا ساتھ چھوڑ کر خیمہ سے یہاں آئے، میں کبھی تم کو اس جنگل میں اکیلا نہ چھوڑ کر جاتی مگر کیا کروں، اونٹ تیار ہیں اور اشقیاء جلدی کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں لے جائیں گے"۔

"فَاقْرَءْ جَدِّیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَجَدِّیْ عَلِیًّا الْمُرْتَضٰی وَجَدَّتِیَ الزَّهْرَاءَ عَنِّی السَّلَامَ".

"تم جب نانا رسولؐ خدا کی خدمت میں جانا تو میری طرف سے آنحضرتؐ کو اور بزرگوں کو سلام پہنچانا اور کہنا: ناناجان! آپ کی اُمت نے مجھے یتیم کیا، کانوں کو زخمی کر کے گوشوارے چھین لئے، پاؤں سے خلخال اُتار لئے، رخساروں پر طمانچے مارے"۔

ابھی وہ بچی بھائی کو گلے سے لگائے رو رہی تھی کہ اُس ملعون نے شانہ پکڑ کر زبردستی اونٹ پر سوار کر دیا۔

"ثُمَّ الْتَفَتَتْ اِلٰی اَبِیْهَا وَقَالَتْ یَااَبِیْ وَدَّعْتُکَ الْعَلِیْمَ وَاَقْرَئُکَ السَّلَامَ".

اُس وقت سکینہؑ نے بابا کی لاش کی طرف منہ کیا اور رو کر عرض کی: آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی مجھ پر رحم نہیں کرتا۔ لاش پر بھی رونے نہیں دیتے۔ کیا کروں، قسمت جہاں لے جائے گی، وہاں جاتی ہوں۔ آپ کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ میرا آخری سلام قبول ہو۔

غرض وہ صاحبزادی روتی رہی اور قافلہ کوفہ کو روانہ ہوا۔

فضائلِ گریہ، ابنِ عباسؓ کا خواب، دخترِ یہود کی شفا، کبوتر کا جنابِ اصغرؑ و امام حسینؑ پر پانی چھڑکنا

"رُوِیَ عَنِ الصَّادِقِ اِذَا اَهَلَّ هِلَالُ عَاشُوْرَاءَ اِشْتَدَّ حُزْنُهُ وَعَظُمَ بُکَائُهُ عَلٰی مُصَابِ جَدِّهِ الْحُسَیْنِ".

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام جب محرم کا چاند دیکھتے تھے، اپنے جدِ بزرگوار مظلومِ کربلا کی مصیبتوں پر بے اختیار روتے تھے اور آپؑ کا حزن وغم بڑھتا جاتا تھا۔

"وَالنَّاسُ یَاْتُوْنَ اِلَیْهِ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ وَیُعَزُّوْنَهُ بِالْحُسَیْنِ وَیَبْکُوْنَ مَعَهُ وَیَنُوْحُوْنَ عَلٰی مُصَابِهِ".

اور لوگ اپنے گھروں سے حضرتؑ کے پاس آ کر نوحہ و ماتم میں شریک ہوتے تھے اور پرسہ دیتے تھے۔ آپؑ رو رو کر فرماتے تھے:

"اِعْلَمُوْا اَنَّ الْحُسَیْنَ دَائِمًا یَنْظُرُ اِلٰی مَوْضِعِ عَسْکَرِهِ وَمَنْ دَخَلَ فِیْهِ مِنَ الشُّهَدَاءِ".

اے لوگو! آگاہ ہو کہ امام حسین علیہ السلام اپنی لشکر گاہ کو اور اپنے ساتھ کے شہیدوں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔

"وَیَنْظُرُ اِلٰی زُوَّارِهِ وَالْبَاکِیْنَ عَلَیْهِ وَالْمُقِیْمِیْنَ عَلَیْهِ الْعَزَاءِ".

اور اپنے زائرین کو اور رونے والوں کو اور اُن لوگوں کو جو آپؑ کی مجلس و ماتم برپا کرتے ہیں، دیکھتے ہیں اور ان سب کے ماں باپ کے ناموں سے واقف ہیں۔ وہ درجے جو اُن کیلئے بہشت میں مقرر ہیں، جانتے ہیں۔

"وَاِنَّهُ لَيَرىٰ مَنْ يَبْكِيهِ فَيَسْتَغْفِرُ لَهُ".

اور جسے وہ جنابؑ روتا ہوا دیکھتے ہیں، اُس کیلئے استغفار کرتے ہیں۔

"وَيَسْأَلُ جَدَّهُ وَاَبَاهُ وَاُمَّهُ وَاَخَاهُ اَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْبَاكِيْنَ عَلٰى مُصَابِهٖ وَالْمُقِيْمِيْنَ الْعَزَاءَ".

بلکہ جناب رسولؐ خدا، جناب علی مرتضیٰؑ، جناب فاطمہ زہراؑ اور حسن مجتبیٰؑ سے سفارش کرتے ہیں کہ آپؑ بھی میرے رونے والوں اور مجلس کرنے والوں کے واسطے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کو بخش دے۔

پھر فرماتے ہیں:

"لَوْ يَعْلَمُ زَائِرِيْ وَالْبَاكِيْ عَلَيَّ مَالَهُ مِنَ الْاَجْرِ عِنْدَاللّٰهِ لَكَانَ فَرَحُهُ اَكْثَرَ مِنْ جَزَعِهٖ".

اگر میرے زوار اور رونے والے اپنے اپنے درجوں سے واقف ہوں جو بہشت میں اُن کیلئے مقرر ہیں تو اُس رونے سے اُن کی بشاشت کہیں زیادہ ہوجائے۔

"وَقَالَ يَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسِهٖ اِلَّا وَمَا عَلَيْهِ ذَنْبٌ فَصَارَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ".

اور جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ جو بندۂ مومن جناب امام حسینؑ کی مجلس سے اُٹھتا ہے تو کوئی گناہ اُس پر باقی نہیں رہتا۔ ایسا پاک و پاکیزہ ہوجاتا ہے گویا اُسی دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

مومنین! روئیے اُس امامؑ پر جو آپ کے واسطے شہید ہوئے اور بعدِ شہادت بھی

آج تک آپ کیلئے استغفار کرتے ہیں۔ ماتم کیجئے اُس مظلومؑ پر جس کے غم نے جناب رسولؐ خدا کو قبر میں چین سے سونے نہ دیا۔

"عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِيْ مَدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ اِذْرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ فِي الْمَنَامِ وَهُوَ مُقْبِلٌ مِنْ نَحْوِ كَرْبَلَاءَ وَهُوَ بَاكِي الْعَيْنِ حَزِيْنُ الْقَلْبِ".

ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک دن میں مدینہ میں سو رہا تھا۔ عالم خواب میں دیکھا کہ جناب رسولؐ خدا پریشان حال، سر مبارک اور ریش اقدس پر خاک پڑی ہوئی، ہاتھ میں دو شیشے لئے کربلا کی طرف سے روتے چلے آتے ہیں۔

"فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهَاتَانِ الْقَارُوْرَتَانِ مَمْلُوْتَانِ دَمًا".

میں نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! کیا حال ہے؟ یہ شیشیاں کیسی ہیں؟

آپؐ نے فرمایا:

"هٰذِهٖ فِيْهَا دَمُ الْحُسَيْنِ وَهٰذِهٖ اُخْرٰى مِنْ دِمَاءِ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَصْحَابِهٖ".

اے ابن عباس! میرے حسینؑ کو ظالموں نے شہید کیا۔ اس ایک شیشی میں تو اُس کا لہو ہے، دوسری میں اُس کے اہل بیتؑ و اصحاب کا خون ہے۔

یہ خواب دیکھ کر میں غمناک اُٹھا اور کہا: خدا خیر کرے، میں نے عجب طرح کا خواب دیکھا ہے۔

مومنین! ابن عباس کو تو رسولؐ خدا نے خبر دی، آپؐ کو اپنے حسینؑ کی شہادت کی خبر کیونکر معلوم ہوئی؟ منقول ہے کہ اُس روز ایک جانور آیا جس کے پروں سے خون ٹپکتا تھا

اور قبرِ رسولؐ کے گرد چکر لگا کر بلند آواز سے کہتا تھا:

"اَلا قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلا".

اے محبوبِ خدا! آپ کا پیارا بیٹا حسینؑ کربلا میں قتل ہو گیا۔

"اَلا ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلا".

آپ کا لاڈلا نواسا تین دن کا بھوکا پیاسا صحرائے کربلا میں ذبح کیا گیا۔

اُس طائر کے پاس بہت سے طیور جمع ہو کر نوحہ کرنے لگے۔ اہل شہر کو اس واقعہ سے نہایت حیرت تھی، یہاں تک کہ چند روز کے بعد جب امامِ مظلوم کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو سب نے اُس جانور کی تصدیق کی۔

روایت ہے کہ وہ طائر ایک باغ میں جو مدینہ کے قریب تھا، ایک درخت پر جا بیٹھا اور رات بھر آوازِ دردناک سے روتا رہا۔ مدینہ میں ایک یہودی تھا، اُس کی بیٹی نابینا تھی، زمین گیر، ہاتھ پاؤں بیکار، جذام سے تمام بدن فگار تھا۔ اتفاقاً وہ یہودی اپنی بیٹی کو اُسی باغ میں چھوڑ کر کسی کام کو گیا تھا اور اُس شب اُس کا آنا نہ ہوا۔ وہ بچی رات بھر اپنی تنہائی پر روتی رہی۔ صبح کے قریب اُس نے اُس جانور کی آواز سنی۔ اپنے آپ کو بمشکل کھینچ کر اُس درخت کے نیچے پہنچایا جس پر وہ جانور بیٹھا نوحہ کر رہا تھا۔ اُدھر وہ روتا تھا اور اِدھر اُس کے رونے پر یہ روتی تھی۔

ناگاہ اُس کے پروں سے خون کا ایک قطرہ ٹپکا اور اُس کی ایک آنکھ پر گرا۔ فوراً اُس کی وہ آنکھ روشن ہو گئی۔ یہ ابھی حیران تھی کہ دوسرا قطرہ اُس کی دوسری آنکھ پر گرا، وہ بھی ٹھیک ہو گئی۔ اس کے بعد ایک بوند اُس کے ہاتھ پر گری، وہ بھی اچھا ہو گیا۔ پھر تو جو قطرہ ٹپکتا تھا، وہ لڑکی اپنے بدن پر ملتی تھی، یہاں تک کہ اُس کا تمام بدن صحت یاب ہو گیا۔

امامِ مظلوم کے خون کی برکت سے وہ لڑکی صحیح و سالم ہو گئی۔ جب اُس کا باپ آیا تو دیکھا کہ ایک صحیح و سالم لڑکی باغ میں پھر رہی ہے۔ اُس نے نہ پہچانا۔ پوچھنے لگا:

"میں اپنی ایک بیمار بیٹی کو اس باغ میں چھوڑ گیا تھا، معلوم نہیں کہاں چلی گئی؟ اُس میں تو چلنے پھرنے کی طاقت بھی نہ تھی"۔

اُس نے کہا: "میں ہی تو تیری بیٹی ہوں"۔

وہ بولا: "تجھے صحت کیسے مل گئی؟"

کہنے لگی: "ایک پرندہ درخت پر بیٹھا روتا ہے، نہ معلوم اُس کے پروں سے کیسا تاثیر والا خون ٹپکتا ہے اور کس غریب کا خون ہے جس کی برکت سے میں اچھی ہو گئی"۔

یہ سنتے ہی وہ یہودی غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو وہ لڑکی باپ کو اس درخت کے نیچے لے گئی جہاں وہ پرندہ بیٹھا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ اُسی طرح وہ طائر بیٹھا رو رہا ہے۔ کہنے لگا:

"اے پرندے! تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، اپنا ماجرا بیان کر"۔

وہ بے زبان خدا کی قدرت اور امامؑ کے اعجاز سے گویا ہوا: "میں ظہر کے وقت بہت سے جانوروں کے ساتھ ایک درخت پر بیٹھا تھا اور سب خوش و خرم آپس میں آب و دانہ کا ذکر کر رہے تھے۔ ناگاہ ایک طائر خون آلودہ آیا اور کہنے لگا: اے جانورو! تم آرام سے کھاتے پیتے ہو، سایہ میں چین سے بیٹھے آب و دانہ کا ذکر کر رہے ہو:

"وَالْحُسَیْنُ فِی اَرْضِ کَرْبَلا فِی هٰذَا الْحَرِّ مُلْقٰی عَلَی الرَّمْضَاءِ".

ہائے یہ خبر نہیں کہ خاتم الانبیاء کا نواسہ حسینؑ بن علیؑ بھوکا پیاسا قتل ہو گیا۔ اُس کی لاش اس دھوپ میں کربلا کی زمین پر بے گور و کفن پڑی ہے۔

"وَرَاْسُهٗ مَقْطُوْعٌ مَرْفُوْعٌ عَلَی الرُّمْحِ وَنِسَاؤُهٗ سَبَایَا".

اور اُنؑ کا سر کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا گیا۔ فاطمہؑ کی بہو بیٹیاں کنیزوں کی طرح قید

ہو گئیں۔

اے یہودی! یہ حال سن کر ہم سب کی خوشی رنج سے بدل گئی اور سب کے سب کربلا میں آئے اور دیکھا کہ سلیمانِ کربلا جلتی ریت پر جنگل میں سر کٹائے قبلہ رُو ایک مقامِ نشیب میں پڑا ہے۔ کفن کی جگہ صحرا کی ریت اُڑ اُڑ کر لاش پر پڑ گئی ہے۔ بدن کے لہو کے ساتھ غسل ہو گیا ہے۔ دیکھتے ہی ہم سب پرندے زمین پر گر پڑے اور اُس لاشِ بے سر کے خون میں لوٹنے لگے۔

پھر ایک ایک جانور ایک ایک شہر کو اُڑ گیا کہ اطرافِ عالم میں اس حادثہ کی خبر دے سکے"۔

جب یہ ماجرا سنا تو یہودی حیران ہو کر کہنے لگا: "بے شک یہ مقتول خاصانِ خدا سے ہے"۔

پھر وہ اور اُس کی لڑکی دونوں نے اُسی وقت اسلام اختیار کیا۔ اس کے علاوہ پانچ سو یہودی اور بھی یہ اعجاز سن کر مسلمان ہو گئے اور فرزندِ رسولؐ کی مصیبت پر خوب روئے۔

مؤمنین! کفار کا تو یہ حال ہو کہ حضرتؑ کی مصیبت کو سن کر روئیں، جانوروں کا یہ عالم ہو کہ اس طرح ماتم کریں، وہ کیسے انسان تھے، کیسے مسلمان تھے کہ اپنے نبیؐ کے نواسے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہے تھے، نہ خود رحم کرتے تھے، نہ دوسروں کا رحم کرنا گوارا کرتے تھے۔ اگر وحوش و طیور میں سے بھی کوئی اُس امامِ بیکس کی اعانت کرتا تو اُن جانوروں کو بھی ہلاک کرتے تھے۔

چنانچہ نظم الاحزان میں منقول ہے کہ اثنائے سفر میں کسی شخص نے کبوتروں کا ایک جوڑا امام حسین علیہ السلام کی نذر کیا تھا۔ حضرتؑ نے ایک محمل میں خانہ بنوا کر اُسے پرورش فرمایا تھا اور راہ میں اُن کبوتروں نے بچے بھی دیئے تھے۔ جب کربلا میں افواجِ شوم نے اُس امامِ مظلوم پر آب و دانہ بند کیا تو کبوتر بھی باوجودیکہ قوتِ پرواز و طاقتِ سیر رکھتے تھے،

مگر تین روز تک برابر بے آب و دانہ رہے، حتیٰ کہ روزِ عاشور جب وہ کبوتر بہت مضطر ہوئے اور امامِ مظلوم سے اُن کی بیتابی دیکھی نہ گئی، جنابِ اُمِ کلثومؑ سے فرمایا:

"اے بہن! ان کبوتروں کو کھول کر اُڑا دو کہ یہ بے زبان بھی ہمارے ساتھ مر رہے ہیں"۔

آپ نے انہیں کھول دیا۔ وہ اپنے آشیانہ سے اُڑ کر فرات کی جانب گئے اور کسی نے اپنی پیاس نہ بجھائی۔ اُن میں سے ایک نر دریا میں جا کر اپنے پروں کو پانی میں بھگو کر اور کچھ پانی اپنے منقار میں لے کر اُڑا اور خیمہ عصمت میں گہوارہ علی اصغرؑ کے قریب آیا، ہر چند اُس کے بچے منقاریں کھول کھول کر دوڑے مگر اُس نے اُن کی طرف توجہ نہ کی اور گہوارۂ معصومؑ پر پَر جھاڑنے لگا۔ جنابِ علی اصغرؑ کے دہن کے قریب جا کر چاہا کہ یہ لبِ نازک کھولے تو منقار سے سوکھے حلق میں پانی پہنچاؤں مگر وہ طفلِ شیر خوار تو شیرِ مادر کا خوگر تھا، کیونکر اپنا دہن نازک کبوتر کے اشاروں پر کھولتا۔ آخر وہ پانی کملائے ہوئے رُخساروں پر بہا دیا۔ تمازتِ آفتاب اور گرم ہوا سے اُس کے پر و بال بھی سوکھ گئے۔

پھر وہ کبوتر فرات پر گیا اور پروں کو پانی سے تر کیا اور منقار میں تھوڑا سا پانی لے کر اُڑا۔ ناگاہ عمر سعد نے اپنی فوج کو آواز دی: معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبوتر بھی خیر خواہِ اہل بیتؑ ہے۔ شاید اپنے منقار میں پانی لے جاتا ہے۔ آیا ایسا کوئی تم میں تیرانداز ہے کہ اس کو نشانہ سے گرا دے؟

یہ سنتے ہی ایک شقی نے کمان اُٹھا کر ایک تیر ایسا مارا کہ وہ کبوتر گر پڑا۔ جب مادہ نے دیکھا کہ اُس کے آنے میں دیر ہوئی، وہ بھی اُڑی اور شطِ فرات کا رُخ کیا، اثنائے راہ میں اپنے نر کو دیکھا کہ تیر سے مجروح خاک پر تڑپ رہا ہے۔ دیکھتے ہی تاب ضبط نہ رہی۔ اپنے نر کے خون میں لوٹنے لگی کہ ایک بے درد نے تیر سے اُسے بھی ہلاک کر دیا۔

مؤمنین! جانور تک اُس مظلومؑ پر رحم کھائیں، وہ کیسے انسان تھے کہ مطلق رحم

کرتے تھے۔ اسی کتاب میں منقول ہے کہ روزِ عاشور طیور کا ایک غول آب ودانہ کی فکر میں اُس وقت صحرائے کربلا میں وارد ہوا جب شمر اُس سینہ پر، جو قرآن سے کم نہ تھا، پاؤں رکھے ہوئے چاہتا تھا کہ چوبیس پہر کے سوکھے گلے پر خنجر پھیرے۔ اُن جانوروں نے دیکھتے ہی اپنی زبان میں ایسی آواز دی کہ بہت سے مرغانِ صحرا میں جمع ہوگئے اور حضرتؑ کو شدتِ تشنگی سے مضطرب الحال پاکر فرات کی طرف گئے اور اپنے پروں کو پانی سے تر کر کے آئے اور دہنِ اقدس کے قریب اپنے پروں کو اس طرح جھاڑنے لگے، گویا چاہتے تھے کہ قطرۂ آب حلقِ خشک میں پہنچے۔

کوئی پرندہ شمر کو اپنے پروں سے مارتا تھا، کوئی پنجوں سے نوچتا تھا، کوئی منقار سے کاٹتا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ کسی طرح اس بے ادبی سے باز آئے۔ ہرچند اُن بے زبانوں نے جاں فشانی کی مگر وہ شقی کسی طرح باز نہ آیا۔ سینکڑوں پرندوں کو ذبح کر ڈالا۔

روایت میں ہے کہ وہ سب جانور کبوتر تھے۔ بہت سے طیور نے اپنے گلے حلقِ امامؑ پر شمر کے خنجر کے نیچے رکھ دیئے۔ مدعا یہ تھا کہ آقا کے بدلے ہم کو ہلاک کرے۔

اللہ اللہ! شمر کتنا سنگدل تھا، کچھ خیال نہ کیا۔ جنابِ سیدہؑ کے لاڈلے کو ذبح کر دیا۔ زینبؑ کو بے برادر، سکینہؑ کو بے پدر، شیعوں کو بے امامؑ کر دیا۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، حبشی کا ہاتھ کاٹنا، جمال کا امام حسینؑ کے دست ہائے مبارک کو کاٹنا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَنْ ذَکَرَ فَضِیْلَۃً مِنْ فَضَائِلِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِب مُقِرًّا بِھَا غَفَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ".

جنابِ ختمی مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندۂ مؤمن از روئے اعتقاد فضائل علیؑ ابن ابی طالبؑ سے ایک فضیلت کا ذکر کرے، اللہ تعالیٰ اُس کے گناہانِ گزشتہ وآئندہ سب بخش دیتا ہے۔

"وَحُبَّ عَلِیٍّ یَاْکُلُ الذُّنُوْبَ کَالنَّارِ الْحَطَبَ وَمَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا غَفَرَ اللّٰہُ ذُنُوْبَہٗ وَلَوْ کَانَتْ بِعَدَدِ قَطَرَاتِ الْمَطَرِ".

اور علیؑ کی دوستی اس طرح گناہوں کو کھاتی ہے جس طرح سوکھی لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے اور جو شخص میرے بھائی علیؑ کو دوست رکھے، خدا اُس کے سب گناہ بخش دیتا ہے، اگرچہ اُس کے گناہوں کی مثل قطراتِ باراں ہو۔

کتاب خرائج میں منقول ہے:

"اِنَّ اَسْوَدَ دَخَلَ عَلٰی عَلِیٍّ فَقَالَ یَااَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ سَرَقْتُ فَطَھِّرْنِیْ".

ایک حبشی جنابِ امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

"یا حضرتؑ! میں نے چوری کی ہے، مجھے اس گناہ سے پاک کر دیجئے یعنی خد

جاری فرمائیے"۔

"فَقَالَ لَعَلَّکَ سَرَقْتَ مِنْ غَیْرِ حِرْزٍ وَیُجَاوِزُ اللّٰہُ عَنْہُ".

خطیبِ منبرِ سلونی نے ارشاد فرمایا: شاید تو نے غیر حرز کی چوری کی ہو جس پر عقاب نہیں اور خدا اُس سے درگزر کرے۔

'فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ سَرَقْتُ مِنْ حِرْزٍ فَطَهِّرْنِیْ'

اُس نے عرض کی: میں نے قابلِ عقاب چوری کی ہے، حد جاری کیجئے۔

"فَقَالَ لَعَلَّکَ سَرَقْتَ غَیْرَ نِصَابٍ وَنَحّٰی عَنْہُ رَاْسَہُ".

حضرتؑ نے فرمایا شاید تو نے غیر نصاب کی چوری کی ہو جس پر ہاتھ کاٹنا لازم نہیں اور سرِ اقدس کو آپؑ نے حرکت دی۔

مؤمنین! اپنے آقا کی بندہ نوازی دیکھئے کہ کس قدر اپنے غلام کو بچاتے ہیں کہ شاید اُس نے ہاتھ کاٹنے کے قابل چوری نہ کی ہو اور اپنی جہالت سے کہتا ہو تو اُس کے ہاتھ کٹنے سے بچ جائیں۔

"فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ سَرَقْتُ نِصَابًا".

اُس دیندار نے کہا: میں نے بقدرِ نصاب کے چوری کی ہے۔

بہرکیف جب اُس نے تین مرتبہ اقرار کیا، اُس وقت یداللہ نے اُس کے ہاتھ قطع کیے۔ وہ حبشی خوش خوش گھر چلا۔ راستے میں حضرت امیرالمؤمنینؑ کی مدح وثنا کرتا ہوا جاتا تھا۔ ناگاہ حسنینؑ اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی

"ہم نے راستے میں ابھی ایک حبشی کو دیکھا ہے، اُس کے ہاتھ کٹے ہیں اور آپ کی مدح کرتا چلا جاتا ہے"۔

حضرتؑ نے کسی کو بھیجا کہ اُسے بلا لائے۔ جب وہ حبشی حاضر ہوا تو فرمایا

"میں نے تیرے ہاتھ کاٹے ہیں، تو میری تعریفیں کرتا ہے؟"

اُس نے عرض کی: "یا مولاؑ! آپؑ نے تو مجھے گناہ سے پاک کیا، کیونکر نہ آپؑ کی تعریف کروں؟ آپؑ کی محبت تو میرے گوشت وخون میں اُتر گئی ہے۔ ہاتھ تو کیا، آپؑ اگر میرے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں تو بھی آپؑ کی محبت میرے دل سے نہ جائے گی"۔

جب حضرتؑ نے اُس کامل الایمان کا یہ کلام سنا تو اُس کیلئے دعا کی اور اُس کے ہاتھ زخم سے ملا دیئے۔ وہ فوراً صحیح ہوگیا۔

مؤمنین! ایک حبشی کا ہاتھ جو گناہ پر قطع کیا گیا تھا، جنابِ امیرؑ نے درست کر دیا۔ یہ گوارا نہ ہوا کہ دست بریدہ رہے۔ مگر افسوس! کربلا میں آپؑ ہی کے فرزند کے ہاتھ بے گناہ کاٹ دیئے گئے۔

لکھا ہے کہ جب جمال ملعون نے امام حسین علیہ السلام کے دونوں ہاتھ بعدِ شہادت باری باری کاٹ ڈالے، اُس وقت زمین ہلنے لگی، آسمان کانپنے لگا۔

اللہ اللہ! کیا مقامِ تصور ہے کہ جو بچپن میں علیؑ کے سینے پر سویا، نبیؐ کی زبان چوس چوس کر پرورش پائی، جنگل میں رات کو سر کٹائے زخموں میں چور خاک پر پڑا ہے۔ اردگرد بھتیجے، بھانجے اور بیٹے موت کی نیند سو رہے ہیں۔ بیکسی کے سوا کوئی لاش پر رونے والا بھی نہیں اور جمال اس حال میں جسم بے سر سے یہ بے ادبی کر رہا ہے۔

غرض ایک طرف سے صحرا میں رونے پیٹنے کی آواز بلند ہوئی۔

"وَقَائِلٌ یَقُوْلُ یَابُنَیَّ قَتَلُوْکَ وَمِنْ شُرْبِ الْمَآءِ مَنَعُوْکَ".

اُن رونے والوں میں سے ایک کہتا تھا ہائے بیٹا! تجھے اُمت نے پیاسا قتل کیا، وہ پانی جس سے یہود و نصاریٰ تک سیراب ہوتے ہیں، تجھ پر بند کر دیا۔

جمال لعین یہ آواز سن کر ڈرا اور لاش ہائے شہداء میں چھپ رہا۔ ناگاہ دیکھا کہ تین مرد اور ایک عورت با حالِ تباہ لاشِ امام حسینؑ پر تشریف لائے، اُنؑ کے گرد بے شمار خلائق اور ملائکہ صف بہ صف ساتھ ہیں۔

مؤمنین! وہ بزرگوار کون تھے؟ ایک جنابِ رسولِ خدا تھے جن کو امام حسینؑ کا رونا لڑکپن میں گوارا نہ ہوتا تھا۔ دوسرے علی مرتضیٰؑ، تیسرے حسن مجتبیٰ تھے اور وہ بی بی غم دیدہ، محنت کشیدہ جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں جنہوں نے فاقے اُٹھا اُٹھا کر، چکی پیس پیس کر، سینہ پر سلا کر، راتوں کو جاگ جاگ کر حسینؑ کو پالا تھا۔

راوی کہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام بقوتِ اعجاز اُٹھ بیٹھے، سر بریدہ جسم بے سر سے آملا اور آواز دی: ''اے جدِ بزرگوار و پدرِ عالی مقدار و برادرِ نامدار و مادرِ غمخوار! تم سب پر حسینؑ غریب کا سلام پہنچے''۔

یہ فرما کر اپنی مظلومی پر بہت روئے اور کہنے لگے:

''یَا جَدَّاہُ قَتَلُوْا وَاللّٰهِ رِجَالَنَا وَسَلَبُوْا وَاللّٰهِ نِسَآئَنَا''

''اے نانا! آپ کی اُمت نے ہمارے مردوں کو قتل کیا، ہماری عورتوں کو اسیر کیا، چادریں چھین لیں''۔

''یَا جَدَّاہُ ذُبِحُوْا اَطْفَالَنَا وَنَهَبُوْا اَمْوَالَنَا''۔

''ظالموں نے ہمارے ننھے ننھے بچوں کو بکریوں کی طرح ذبح کر ڈالا۔ ہمارے مال و متاع کو، بزرگوں کے تبرکات کو لوٹ لیا''۔

مظلومِ کربلا تو اپنی مصیبتوں کو بیان کرتے جاتے تھے اور وہ سب بزرگوار گرد بیٹھے سن سن کر بے اختیار روتے جاتے تھے کہ جنابِ سیدہؑ کو تابِ ضبط باقی نہ رہی، بے اختیار ہو کر جنابِ رسولِ خدا سے کہنے لگیں:

''بابا! آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کی اُمت نے میرے پیارے حسینؑ کے ساتھ کیا

کیا سلوک کئے؟ اگر آپ اجازت دیں تو ریشِ حسینؑ کا خون اپنی پیشانی پر ملوں اور اسی طرح خدا سے ملاقات کروں؟''

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''ہاں! تم بھی ملو، میں بھی ملتا ہوں''۔

یہ کہہ کر آنحضرتؐ نے بھی اور معصومہؑ نے بھی امام حسینؑ کا لہو لے کر اپنے چہروں اور پیشانی پر مل لیا۔ پھر رسولِ خدا نے فرمایا:

''بہت دُشوار ہے تیرے نانا پر کہ تجھے اس حال سے دیکھے۔ اے فرزندؑ! کس بے رحم نے شہادت کے بعد بھی تجھے ستایا؟ لاش پر ظلم کیا، دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے''۔

شہیدِ کربلا نے عرض کی: ''نانا! مجھ پر یہ ستم ایک شتربان نے کیا ہے کہ میرے ہی ساتھ مدینہ سے یہاں آیا تھا۔ جب اعداء میرا سر کاٹ کر لے گئے، لاشِ پاش پاش یونہی زمین پر بے کفن چھوڑ گئے۔ وہ شقی ایک ازار بند کے طمع میں، جو میرے پاس ہے، قتل گاہ میں آیا اور لاش ہائے شہداء میں تلاش کر کے میرے جسمِ بے سر کو تلاش کیا۔ چاہا کہ ازار بند کی گرہ کھولے کہ میں نے دایاں ہاتھ گرہ پر رکھ دیا۔ ہر چند اُس شقی نے کوشش کی مگر میرا ہاتھ ازار بند سے نہ اُٹھا۔ آخر وہ علیحدہ ہو گیا اور مقتل میں چاروں طرف کوئی چیز ڈھونڈنے لگا۔ ایک ٹوٹی ہوئی تلوار کا ٹکڑا اُسے ملا۔ اُسی سے میرا دایاں ہاتھ کاٹ کر زمین پر پھینک دیا۔ میں نے بایاں ہاتھ ازار بند پر رکھ دیا۔ اُس شقی نے وہ ہاتھ بھی کاٹ ڈالا اور پھر ازار بند لینے کا ارادہ کیا۔ اسی اثناء میں آپ تشریف لائے اور وہ لعین خوف سے چھپ گیا''۔

یہ سن کر جنابِ رسولِ خدا شدت سے روئے، پھر جمال کی طرف آئے اور رو کر فرمایا: ''اے بے رحم! تو نے اُن ہاتھوں کو کاٹ ڈالا جو برسوں میری گردن میں حمائل رہے، جنہیں جبرئیلؑ و میکائیلؑ چومتے رہے۔ خدا دُنیا و آخرت میں تیرا منہ سیاہ کرے اور تیرے ہاتھوں کو قطع کرے جیسا کہ تو نے میرے حسینؑ کو بعدِ شہادت آزار پہنچایا ہے''۔

روایتِ سنگ بالین سرِ امام حسینؑ، ربابہ کا گم ہونا، سرہانے شہداء نیزوں پر بلند نہ ہونا، سرِ امامؑ کا خولی سے تکلم کرنا

"قَالَ النَّبِیُّ مَامِنْ قَوْمٍ اِجْتَمَعُوْا بِمَجْلِسٍ یَتْلُوْنَ فَضْلَنَا اَهْلَ الْبَیْتِ اِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ".

شفیع المذنبین جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس مجلس میں ہمارے اہل بیتؑ کے فضائل یا مصائب بیان ہوں اور مؤمن اُن کو سننے کو جمع ہوں تو ملائکہ اُن کو احاطہ کر لیتے ہیں۔

وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاسْتَغْفَرَتْ لَهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اِلٰی اَنْ یَتَفَرَّقُوْا.

اور جب تک وہ اُس مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں، رحمتِ خدا اُن کے شاملِ حال رہتی ہے اور فرشتے اُن کیلئے خدا سے مغفرت طلب کرتے ہیں، جب تک وہ مجلس اختتام پذیر نہ ہو۔

"وَیُبَاهِیْ بِهِمُ اللّٰهُ فِی الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی".

اور خداوندِ عالم ملاءِ اعلیٰ میں اُن کے اس پسندیدہ فعل پر مباہات فرماتا ہے۔

سید عباس طباطبائی کربلائے روضہ خوان کہتے ہیں کہ ایک روز کربلائے معلی میں ہم چند طالب علم اپنے مکتب میں بیٹھے پڑھ رہے تھے، دیکھا کہ سید محسن نقیب و حاکم کربلائے معلی ایک کثیر جماعت کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ استفسار کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی معجزہ ہوا ہے۔ ناگاہ منادی کی آواز آئی، فوراً لوگوں کو چھٹی ملی۔ میں بھی اُس کیفیت کے دیکھنے کے

واسطے اُس ہجوم کے ہمراہ، جو سید محسن کے ساتھ ساتھ تھا، چلا، یہاں تک کہ جب سید محسن سرائے پاشا میں پہنچے تو ایک جمِ غفیر تھا۔ میں اپنی سمجھداری سے سید محسن کے متصل کھڑا ہوا۔

سید محسن نے پوچھا: ان دنوں زائرین کا کوئی قافلہ خراسان سے آیا ہے؟

لوگوں نے کہا: ہاں آیا ہے۔

سید محسن نے کہا: قافلہ باشی کہاں ہے، جلد حاضر ہو۔

جب وہ آیا تو سید نے پوچھا: اب کی بار سفر میں کوئی بات کسی منزل پر نئی پائی ہے؟

اُس نے عرض کی: البتہ فلاں منزل میں جوز یرکوہ پہنچا تو دیکھا کہ ایک گول پتھر بہت خوبصورت وعمدہ چھوٹے تربوز کے حجم کا بلندی سے نیچے کو لڑھکتا چلا آتا ہے۔ ہم لوگوں نے خیال کیا کہ بلندی سے گرنے کی وجہ سے اس طرح آتا ہے۔ مگر وہ ہمارے قافلہ کے آگے آگے برابر اُسی حالت میں چلا آیا، یہاں تک کہ جب ہم نے قیام کیا، تو وہ بھی ٹھہر گیا۔

جب قافلہ دوسرے روز وہاں سے روانہ ہوا، وہ بھی اُسی طرح پھر آگے آگے چلنے لگا۔ اُس روز کمال تعجب ہوا۔ الغرض پھر جب قافلہ کا قیام ہوا، وہ بھی ٹھہر گیا۔ اسی طرح چند منازل ساتھ آیا۔ پھر نہیں معلوم کہ کہاں گیا۔

سید نے کہا: وہ پتھر شب کو میرے خواب میں آیا ہے اور خبر دی ہے کہ میں مشتاقِ زیارتِ روضۂ امامِ مظلوم اپنے مقام سے چلا تھا لیکن فلاں زائر نے اُٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ آپ مجھے اُس کے ہاتھ سے رہائی دلوایئے کہ میں زیارتِ امامؑ مظلوم سے مشرف ہو جاؤں۔

غرض کہ قافلہ باشی نے اُس زائر کو جس کا پتہ سید نے دیا تھا، طلب کیا اور پوچھا۔

اُس نے عرض کی: ہاں! وہ پتھر میرے پاس ہے۔

سید نے اُس سے لے کر دیکھا اور کہا کہ ہاں، یہی میرے خواب میں آیا تھا۔ پھر اُس کو دھو کر روضۂ اقدس کے دروسطی پر رکھ دیا۔ سید عباس کہتے ہیں:

"وَاللّٰهِ رَأَيْتُ بِعَيْنِي ذٰلِكَ الْحَجَرَ قَدْ طَافَ حَوْلَ الضَّرِيحِ الْمُقَدَّسِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَوَقَفَ جَانِبَ الرَّأْسِ الشَّرِيفِ".

خدا کی قسم! میں نے بچشم خود دیکھا کہ اُس پتھر نے اپنے مقام سے حرکت کر کے ضریح مقدس کے تین مرتبہ طواف کیا اور بالین پر آ کر ٹھہر گیا۔ سید محسن نے اُسے اُٹھا کر پھر در وسطی پر رکھ دیا۔ وہ پتھر پھر اپنے مقام سے اُسی طرح ضریح کے گرد تین مرتبہ طواف کر کے بالین پر ٹھہر گیا۔ سب نے کہا کہ یہ اُسی مقام پر اپنا قیام چاہتا ہے۔

چنانچہ اب وہ مقام محلِ مریم میں نصب کر دیا گیا ہے۔ جو زائر جاتا ہے، اپنی پشت اُس سے رگڑتا ہے۔

مومنین! یہ پتھر کس کی زیارت کو آیا تھا؟ جس کے سرِ بریدہ کو اُم حجام نے دمشق میں پتھر سے مجروح کیا۔ روزِ عاشور اُس کے جسم پر سنگدلوں نے پتھر مارے۔

حدیث میں ہے:

"وَبِالْاَخْشَابِ ضَرَبُوْهُ".

یعنی مظلومِ کربلا کے بدن کو ظالموں نے چوب اور لکڑی سے زخمی کیا۔

مومنین! اس کی کیا وجہ تھی کہ اعداء لکڑیوں سے اور پتھروں سے مارتے تھے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرزندِ رسولؐ سے زمانہ منکر ہو گیا تھا۔ ہر شخص جان کا دشمن ہو گیا تھا۔ جو لوگ سپاہی اور لشکری تھے، وہ تیر برساتے تھے، نیزے مارتے تھے، تلواریں مارتے تھے اور جو لوگ لشکر میں جنگ کے قصد سے نہ آئے تھے، باربردار تھے اور سلاحِ حرب نہ رکھتے تھے، وہ بھی پتھر یا لکڑی، جو چیز جہاں سے پاتے تھے، اُٹھا کر امامؑ کی طرف پھینکتے تھے۔

آہ، آہ! اشقیاء نے کس ظلم سے ہمارے آقا و مولاؑ کو شہید کیا اور شہادت کے بعد بھی اپنے جور و ستم سے باز نہ آئے۔ خیمہ عصمت میں آگ لگا دی۔

راوی کہتا ہے کہ جب خیامِ حسینیؑ جلنے لگے، بے وارث بیبیاں، یتیم بچے جانوں کے خوف سے روتے پیٹتے خیموں سے باہر نکل پڑے اور صحرائے ہولناک میں منتشر ہو گئے۔ چھوٹے چھوٹے بچے چھپتے پھرتے تھے۔

تحفہ حسینیہ میں عبداللہ، پسر کامل دمشقی سے منقول ہے کہ شام کے وقت اہل بیتؑ کے خیام کی تاراجی کے بعد جب فوج کو سکون ہوا، میں کسی ضرورت سے مقتل کو گیا تو ایک ایسی دردناک آواز سنی جیسے کوئی بچی اپنے باپ کے لاشے پر روتی ہے۔ سنتے ہی دل تڑپ گیا۔ بے اختیار رونے لگا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ کچھ بیبیاں برہنہ سر، بال بکھرائے ہوئے خاک چہروں پر لگائے "وَامُحَمَّدَاهُ وَاعَلِيَّاهُ" کہہ کر ہر طرف دوڑتی پھرتی ہیں اور رو رو کر کہتی ہیں:

"یا رسول اللہؐ! آپ کی نواسیاں اس جنگل میں لٹ گئیں۔ حسینؑ جیسا وارث و والی مارا گیا۔ دوپہر میں آباد گھر برباد ہو گیا۔ ماؤں کی گودیاں بچوں سے خالی ہو گئیں۔ اس وقت آپ کی نواسی کی بیٹی رہا یا گم ہو گئی ہے۔ نہ معلوم گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل کر مر گئی یا زندہ ہے؟"

اُن میں سے ایک بی بی قریب آ کر پوچھنے لگی:

"يَا رَجُلُ أَرَأَيْتَ صَبِيَّةً".

"اے شخص! تو نے کسی بچی کو بھی دیکھا ہے؟"

میں نے کہا: دیکھا تو نہیں مگر ایک آواز دردناک نشیب کی طرف سے سنی ہے۔ کیا عجب کہ وہ بچی کسی کی لاش پر روتی ہو؟

یہ سنتے ہی وہ بیبیاں اُس طرف یہ کہتی ہوئی دوڑیں:

"يَابِنْتَ الْمَظْلُوْمِ يَابِنْتَ الشَّهِيْدِ".

اے حسینؑ مظلوم کی بیٹی، اے امامِ شہید کی لاڈلی! کہاں ہو؟ جواب دو۔

ہر چند اُن بیبیوں نے آواز دی مگر کہیں سے کوئی صدا نہ آئی۔ بیتاب ہو کر چلائیں: اے حسینؑ مظلوم! آپؑ کی بیٹی نہیں ملتی۔

ناگاہ امام حسینؑ کے حلقِ بریدہ سے آواز آئی:

"یَا اُخْتَاىَ بِنْتِیْ هٰذِهٖ فِیْ جَنْبِیْ مُغْشِیَّةٌ"۔

بہن! ادھر آؤ، بچی روتے روتے میرے پہلو میں غش کر گئی ہے۔ کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔

عبداللہ کہتا ہے کہ حسینؑ مظلوم کی آواز سن کر مجھے غش آ گیا۔ پھر نا معلوم اُن بیبیوں پر کیا گزری۔ الغرض دو روز عمر سعد نے وہاں قیام کر کے اپنے لشکر کے کشتہ ہائے نجس کو دفن کیا اور اجسادِ شہدائے کربلا کو اُسی طرح خاک وخون میں غلطاں بلا دفن چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ شہداء کے سروں کو نیزوں پر بلند کریں۔

مگر مؤمنین! بروایت صاحب کشاف کسی سر نے اپنے مقام سے حرکت نہ کی۔

ہر چند زور آوروں نے قوت آزمائی کی مگر کچھ بس نہ چلا۔ آخر ایک شقی بولا:

"کیونکر ان شہیدوں کے سر نیزوں پر بلند ہوں، اپنے آقا کا ادب کرتے ہیں۔ جب تک حسینؑ کا سر نوکِ سناں پر نہ چڑھایا جائے گا، کوئی سر اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے گا"۔

پس بروایت زار العاقبہ عمر سعد نے حکم دیا کہ حسینؑ کے سر کو نوکِ نیزہ پر رکھو۔

ناگاہ حلقِ بریدہ سے آواز آئی:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ مِنَ الصَّابِرِیْنَ وَبَعَثَنِیْ مِنَ الشَّاكِرِیْنَ"۔

عمر سعد خائف ہوا اور کہنے لگا: لشکر میں کون ایسا ہے جو اس سر کو نیزہ پر بلند کرے؟

خولی نے کہا: اگر پانچ ہزار دینار دے تو میں ابھی تیرے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

عمر سعد نے اقرار کیا۔ خولی نے سرِ اقدس کے قریب آ کر چاہا کہ اُٹھائے، پھر

اُس سرِ بریدہ سے آواز آئی:

"اے خولی! تو خدا اور رسولؐ سے نہیں ڈرتا؟ چاہتا ہے کہ میرا سر نیزہ پر رکھ کر شہر بہ شہر پھرائے؟"۔

اُس شقی نے کہا: "میں خوب جانتا ہوں کہ آپؑ فرزندِ رسولؐ ہیں مگر مجھے امیرِ شام کی اطاعت منظور ہے"۔

یہ کہہ کر چاہا کہ سرِ اقدس کو اُٹھائے مگر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ تمام بدن کانپنے لگا۔ اس کے باوجود اُس دشمنِ خدا نے کچھ خوف نہ کیا اور سرِ اقدس کو اُٹھا کر ایک طویل نیزہ پر بلند کیا۔ اُس وقت سب شہیدوں کے سر سبک ہو گئے۔ ظالموں نے اپنے اپنے نیزوں پر نصب کیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ و روایتِ ولادت، شمر کی قید سے رہائی، گیارہ محرم کی شب کو جنابِ زینبؑ کا اطفالِ امام حسینؑ کی نگہبانی کرنا

"فِيْ كِتَابِ الْمَنَاقِبِ اَنَّ النَّبِيَّ اٰخٰى بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ قَالَ يَاعَلِيُّ اَنْتَ اَخِيْ وَاَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى غَيْرَ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ"

کتابِ مناقب میں مرقوم ہے کہ جنابِ شفیع روزِ جزاء رسولِ خداؐ نے مسلمانوں میں صیغۂ اخوت جاری کیا اور آپس میں ایک دوسرے کا بھائی گردانا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: علیؑ تم میرے بھائی ہو اور تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو جنابِ موسیٰؑ سے تھی مگر فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہوگا۔

"اَمَا عَلِمْتَ يَاعَلِيُّ اَنِّيْ اَوَّلُ مَنْ يُدْعٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ فِيْ ظِلِّهٖ فَاُكْسٰى حُلَّةً خَضْرَاءَ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ".

آگاہ ہو یا علیؑ! روزِ قیامت پہلے جس شخص کو طلب کریں گے، وہ میں ہوں گا۔ پس عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا۔ اُس وقت بہشت کا سبز رنگ کا جامہ میرے بدن پر ہوگا۔

"اَلَا وَاِنِّيْ اُخْبِرُكَ يَاعَلِيُّ اَنَّ اُمَّتِيْ اَوَّلُ الْاُمَمِ يُحَاسَبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ اَنْتَ اَوَّلُ مَنْ يُدْعٰى لِقَرَابَتِكَ مِنِّيْ وَمَنْزِلَتِكَ عِنْدِيْ".

اور آگاہ ہو یا علیؑ! میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ روزِ قیامت اُمت ہائے انبیاء میں پہلے جس کا حساب ہوگا، وہ میری اُمتِ مرحومہ ہوگی۔ میرے بعد پہلے جس شخص کو وادیٔ محشر میں طلب کریں گے، وہ تم ہوگے، اس لئے کہ جو قرابت تمہیں میرے ساتھ ہے اور جو منزلت اور مرتبہ تمہارا ہے، وہ کسی دوسرے کیلئے نہیں ہے۔

"وَيُدْفَعُ اِلَيْكَ لِوَائِيْ وَهُوَ لِوَاءُ الْحَمْدِ فَتَسِيْرُ بِهٖ بَيْنَ السِّمَاطَيْنِ وَآدَمُ وَجَمِيْعُ الْخَلْقِ يَسْتَظِلُّوْنَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ".

اور اُس وقت لوائے حمد تمہارے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ پس تم اُس علَمِ سعادت کو لئے ہوئے ہر طرف پھرو گے اور تمام اہلِ محشر اُس تمازتِ آفتاب میں اُس علَم کا سایہ ڈھونڈیں گے۔

"طُوْلُهٗ مَسِيْرَةُ اَلْفِ سَنَةٍ سِنَانُهٗ يَاقُوْتَةٌ حَمْرَاءُ قَضِيْبُهٗ فِضَّةٌ بَيْضَاءُ زُجُّهٗ دُرَّةٌ خَضْرَاءُ لَهٗ ثَلَاثُ ذَوَائِبَ مِنْ نُوْرٍ ذُوَابَةٌ فِي الْمَشْرِقِ وَذُوَابَةٌ فِي الْمَغْرِبِ وَالثَّالِثَةُ وَسَطُ الدُّنْيَا مَكْتُوْبٌ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ اَسْطُرٍ".

اُس علَم کا طول ہزار سالہ راہ کے برابر ہوگا۔ اُس کی نوک یاقوتِ سرخ، اُس کی چوب نقرۂ خالص، اُس کی جڑ مروارید کی ہوگی، اُس کے تین پھریرے نور کے ہوں گے، ایک پھریرا مشرق، دوسرا مغرب میں ہوگا اور تیسرا اوسط میں ہوگا جس پر تین سطریں لکھی ہوئی ہوں گی:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ طُوْلُ كُلِّ سَطْرٍ مَسِيْـرَةُ اَلْفِ سَـنَةٍ تَسِيْـرُ بِلِواۤءِ وَالْحَسَنُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَالْحُسَيْنُ عَنْ يَسَارِكَ".

ہر سطر کا طول ہزار سال راہ کی مسافت کے برابر ہوگا۔

اے علیؑ! تم اُس لوائے حمد کو لے کر پھرو گے اور دائیں جانب حسنؑ اور بائیں جانب میرا نورِ عین حسینؑ ہوگا۔

"حَتّٰى تَقِفَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ ثُمَّ تُكْسٰى حُلَّةً خَضْراۤءَ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ نِعْمَ الْاَبُ اَبُوْكَ اِبْرَاهِيْمُ وَنِعْمَ الْاَخُ اَخُوْكَ عَلِيٌّ".

یہاں تک کہ تم میرے اور میرے جدِ امجد ابراہیم خلیلؑ کے بیچ میں زیرِ سایۂ عرش آکر کھڑے ہو گے۔ اس کے بعد لباس ہائے جنت سے حلۂ سبز تمہارے زیبِ بدن کیا جائے گا۔ اُس وقت ایک منادی زیرِ عرش سے ندا کرے گا:

اے خاتم المرسلین! حضرت ابراہیم کیا خوب تمہارے جدِ بزرگوار ہیں اور حیدرِ کرار کیا خوب تمہارے برادرِ نامدار ہیں۔

"اِبْشِرْ يَا عَلِيُّ فَاِنَّكَ تُكْسٰى اِذَا كُسِيْتُ وَتُدْعٰى اِذَا دُعِيْتُ وَتُحْيٰى اِذَا حُيِيْتُ".

یا علیؑ! تمہیں بشارت ہو کہ میں جس وقت زندہ کیا جاؤں گا، وادیٔ محشر میں بلایا جاؤں گا اور لباسِ جنت سے مزین کیا جاؤں گا، اُسی وقت تم بھی زندہ ہو کر صحرائے قیامت میں طلب ہو گے اور خلعتِ بہشت سے سرفراز ہو گے۔

منقول ہے کہ ایک قمر نامی ایک مؤمنہ کوفہ میں رہتی تھی اور وہ زوجِ بتولؑ، نائب

رسول کی نہایت معتقد تھی۔ اُس کا ہمیشہ یہ قاعدہ تھا کہ شہر کی عورتوں کو ولائے علیؑ کی ترغیب دیتی تھی اور معاویہ کی مذمت اور توہین میں مصروف رہتی تھی، یہاں تک کہ معاویہ کی طرف سے بہت سی عورتوں کے اعتقاد فاسد ہو گئے اور اکثر نے ہدایت پائی۔

رفتہ رفتہ یہ خبر معاویہ تک پہنچی۔ اُس مؤمنہ کو اسیر کر کے اپنے دربار میں بلایا اور کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تو میری خلافت کی قائل نہیں ہے اور ہمیشہ میری مذمت و بدگوئی میں مصروف رہتی ہے"۔

اُس نے بلا تقیہ اقرار کیا اور کہا "فی الواقع علیؑ ابن ابی طالبؑ امیر المؤمنینؑ وصیِ ختم المرسلینؐ ہیں۔ اگر تو برحق خلیفہ ہے تو میں ایک سوال کرتی ہوں، اُس کا جواب دے"۔

معاویہ نے کہا: "اپنے سوال کو بیان کر"۔

اُس مؤمنہ نے کہا: "اے معاویہ! پروردگارِ عالم نے جو نو آسمان پیدا کیے ہیں، تو ان سب کے نام علیحدہ علیحدہ بتا دے"۔

یہ سن کر معاویہ جوابِ سوال سے عاجز رہا اور خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ میرا یہ راز فاش ہو جائے اور اس عجزِ جواب کی خبر سن کر لوگ منحرف ہو جائیں۔ یہ سوچ کر اُس مومنہ کے قتل کا حکم دیا۔ لوگوں نے اُس خوش اعتقاد مؤمنہ کو قتل کر کے اُس کی لاش ایک خرابہ میں پھینک دی۔ جب قمر کے شوہر عبداللہ کو معلوم ہوا کہ اُس کی زوجہ قتل ہو گئی ہے تو وہ اُس کی لاش کو اُٹھا لایا اور تجہیز و تکفین کر کے مقبرہ میں دفن کر دیا۔

جب یہ خبر جناب امیر علیہ السلام کو معلوم ہوئی تو اُس کے شوہر کے گھر تشریف لائے اور اُس کو ساتھ لے کر اُس مؤمنہ کی قبر پر آئے۔ ملاحظہ فرمایا کہ قبر کے چاروں گوشوں پر ایک ایک سفید مرغ بیٹھا ہے اور ہر مرغ کی چونچ میں انار کے دانے ہیں۔ اُس قبر میں ایک سوراخ ہے، اُس سوراخ میں سے ایک مرغ انار کا دانہ لے کر قبر کے اندر جاتا ہے اور تین مرغ باہر رہتے ہیں۔ جب وہ مرغ باہر آتا ہے تو اُس کی چونچ میں وہ دانہ نہیں ہوتا۔

یہ دیکھ کر حضرتؑ نے اُس کے شوہر کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ میری محبت کا ثمر دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو اس کو میوہ ہائے جنت کھلائیں۔

یہ فرما کر حضرتؑ معروفِ عبادت ہوئے اور دو رکعت نماز ادا کی اور دستِ حق پرست آسمان کی طرف بلند کر کے مناجات کی:

''اے پروردگارِ عالم! بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اس مؤمنہ کو دوبارہ حیات عطا کر''۔

ابھی دُعا ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ عورت اپنی قبر سے باہر نکل آئی اور جنابِ امیرؑ کے قدمِ مبارک پر بوسے دیئے۔ حضرتؑ نے ماجرا استفسار فرمایا۔ اُس نے عرض کی:

''میں آپؑ کی محبت کے ذریعہ بہشت میں سیر کرتی تھی۔ ناگاہ فرشتہ نے آکر کہا کہ امیر المومنینؑ، وصیِ ختم المرسلینؐ تجھ کو طلب فرماتے ہیں۔ غرض خالقِ اکبر نے مجھ کو دوبارہ خلعتِ حیات سے سرفراز فرمایا۔ حسب الحکم میں حاضر ہوئی ہوں۔ کیا ارشاد ہوتا ہے؟''

حضرتؑ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تجھ کو چالیس برس اور اس دنیائے ناپائیدار میں زندہ و برقرار رکھے گا اور تیرے بطن سے ایک فرزندِ ارجمند عنایت کرے گا جو روزِ عاشور میدانِ کربلا میں فرزندِ رسولؐ الثقلین میرے حسینؑ کی نصرت و اعانت کرے گا اور اُس کی اولاد و اصحاب کے ساتھ شہید ہوگا''۔

چنانچہ ایک مدت کے بعد واہب العطایا نے اُس مؤمنہ کو ایک مولودِ مسعود عطا فرمایا جس کا نام وہب تھا۔ یہ وہی وہب بن عبداللہ کلبی تھے جنہوں نے دس محرم کو صحرائے کربلا میں جنابِ امام حسین علیہ السلام پر اپنی جان نثار کی۔ اُس مؤمنۂ باوفا نے جنابِ امیر علیہ السلام کے احسان کا بدلہ روزِ عاشور ایسا دیا کہ تا قیامت یادگار رہے گا یعنی بہترین ہدیہ جو اُس مؤمنہ کے پاس دولتِ فرزند کا تھا، اُن کے نورِ عین جنابِ امام حسینؑ کے حضور میں پیش کیا اور شہادت تک اُس کی تحریص و ترغیب میں نصرتِ امامِ مظلوم کے واسطے کوتاہی نہ کی۔ برابر مبالغہ و تاکید کرتی رہیں۔

پس مؤمنین! ایک تو یہ مؤمنہ باوفا تھی جس نے احسان کے عوض یہ نیک بدلہ دیا کہ قیامت تک جنابِ رسالتؐ پر احسان رہا اور ایک شمر نمک حرام اور بے وفا تھا جس نے احسان و نیکی کے عوض جنابِ امام حسینؑ کے ساتھ ایسی بدی و بدسلوکی کی کہ قیامت تک اُس بدبخت کے گلے میں طوقِ لعنت پڑا۔

صاحبِ بحر الدرر لکھتے ہیں کہ مالک اشتر جنگِ نہروان کے بعد شمر ذی الجوشن کو گرفتار کر کے جنابِ امیر علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔ اُس وقت حضرتؑ نے اُس شقی کو قید کرنے کا حکم دیا۔ راوی کہتا ہے کہ وہ بے حیا بھوکا اور پیاسا اس سختی سے مقید تھا کہ اُس کے دونوں ہاتھ پشت سے بندھے تھے اور وہ صدمۂ رسن سے بیتاب ہو کر زمین پر لوٹتا تھا اور شدتِ عطش سے اُس کی زبان ایسی خشک ہوگئی تھی کہ کلام نہیں کر سکتا تھا۔

ایک ایک سے اشارہ سے پانی طلب کرتا تھا مگر فوجِ خدا میں کوئی اُس پر رحم نہ کھاتا تھا۔ اتفاقاً شہزادۂ کونین جنابِ امام حسینؑ کا اُس راستے سے گزر ہوا۔ شمر نے دیکھتے ہی اس اضطراب سے سوالِ آب کیا کہ فرزندِ ساقیِ کوثر کو تاب نہ رہی اور تقاضائے رحم دلی سے اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں عرض کرنے لگے:

''اگرچہ شمر ذی الجوشن قابلِ رحم نہیں مگر اس وقت وہ مجھ سے پانی کا سائل ہوا ہے۔ شرم آتی ہے کہ ہم اہلِ بیتِؑ رسولؐ خدا سے کوئی کسی چیز کا سوال کرے اور ہم اُس کو رد کریں۔ اگر آپؑ کی اجازت ہو تو میں اُس کو آب و طعام سے سیر کر کے رہا بھی کر دوں؟''

حضرتؑ یہ سن کر خاموش رہے بلکہ روایتِ مصائب الائمہ سے ثابت ہے کہ جب جنابِ امیر المومنینؑ نے یہ کیفیت سنی تو بہ نگاہِ حسرت و یاس اپنے فرزند کے چہرۂ انور پر نگاہ کی اور کچھ یاد کر کے بیتابانہ رونے لگے۔ غرض جنابِ امام حسینؑ اپنے پدرِ عالی مقام سے اجازت لے کر خود بنفسِ نفیس مجلس کی طرف تشریف لائے اور اپنے دستِ حق پرست سے اُس کے ہاتھوں سے رسیاں کھول دیں اور اپنے خاصہ کے آب و طعام سے اُس کو سیر کیا۔

اس کے بعد فرمایا:

"اے شمر! میرے ان دونوں احسانات کو کبھی نہ بھولنا"۔

مگر مؤمنین! اُس احسان فراموش نے اُس شہزادۂ دُنیا و دین کے ارشاد کو بالکل یاد نہ رکھا بلکہ معرکہ کربلا میں بنظرِ اتمامِ حجت شمر کو اُس حجت خدا نے یاد بھی دلایا لیکن وہ محسن کش عمداً برعکس عمل میں لایا۔

چنانچہ راوی کہتا ہے کہ جب روزِ عاشور امام تشنہ کام کثرتِ زخم ہائے کاری سے مضمحل ہو کر پشتِ زین سے روئے زمین پر تشریف لائے، اُس وقت شمر بے دین خنجر کے ساتھ اُس بے ادبی پر آمادہ ہوا جس کے تصور سے سینہ شق ہوتا ہے۔ مگر اتنا بیان کافی ہے کہ حضرتؑ نے ایک دن اُس کے دستِ نجس کو اُس وقت کھولا تھا جب قریب تھا کہ رسیوں کی تکلیف سے شانہ اور سینے کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں۔ اُس بے حیا نے اُس وقتِ آخر میں اپنے پائے چکمہ دار سے وہ گستاخی کی کہ جو تیر حضرتؑ کے سینہ میں لگے تھے، ان کی سربان ایک جانب سے دوسری جانب نکل آئی تھیں، حضرتؑ نے تکلیف سے آنکھیں کھولیں اور فرمایا:

"مَنْ اَنْتَ یَاهٰذَا".

اے دشمنِ خدا! تو کون شخص ہے؟

"قَالَ اَنَا شِمْرٌ".

اُس نے کہا کہ میں شمر ہوں۔

حضرتؑ نے جب شمر کا نام سنا تو ارشاد فرمایا: 'یاد ہے کہ ایک روز شدید قید میں جب تو پیاس سے مرنے کے قریب تھا، میں نے تجھے آبِ سرد و خوشگوار سے سیراب کیا تھا؟'

"هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ".

"نیکی کا بدلہ نیکی ہے"۔

تو دیکھتا ہے کہ اس وقت شدتِ تشنگی سے میری زبان میں کانٹے پڑے ہیں"۔

وہ شقی بولا: "اگر میں اس وقت آپؑ کو آب سے سیراب کروں تو حاکم شام سے خلعت و انعام کون لے گا؟"

مؤمنین! ان احسانات کے علاوہ اگر قصاب حیوانوں کو بھی ذبح کرتے ہیں تو پہلے آب و دانہ سے سیراب کر لیتے ہیں بلکہ اگر سنگ تراش پتھر کو بھی قطع کرتا ہے تو پہلے پانی لگا لیتا ہے۔ مگر شمر سنگدل نے پیاسا ہی امامِ مظلوم کا سر جدا کر دیا۔

غرض جب امامِ مظلوم کو یاس ہوئی کہ یہ مردود کسی طرح پانی نہ دے گا، اُس وقت حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر اُس احسان کا تو عوض نہیں کرتا تو میری ایک حاجت اور بھی ہے کہ جب تو قید تھا، میں نے اپنے ہاتھ سے تیرے ہاتھوں کو کھولا تھا۔ میرے بعد یاد رکھنا کہ کبھی اپنے ہاتھوں سے میرے اطفالِ خورد سال کے ہاتھوں میں رسن نہ باندھنا۔

مگر اُس بے حیا نے اس وصیت کا بھی خیال نہ کیا بلکہ اس کے برعکس عمل کیا۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد اور تاراجی خیامِ فلک احتشام، اہلبیتؑ کی اسیری کے وقت خود شمر بے رحم نے جناب سکینہؑ کے نازک ہاتھوں میں اس زور سے رسن ظلم باندھی کہ وہ بچی اُن رسیوں کی سختی سے بیتاب ہو کر زمین پر تڑپنے لگی اور قتل گاہ کی طرف رُخ کر کے فریاد کرنے لگی:

"بابا جان! آپؑ دیکھتے ہیں کہ آپؑ کے بعد شمر بے حیا ہم پر کیا ظلم کرتا ہے؟"

مگر افسوس مؤمنین! اُس وقت جناب امام حسینؑ زندہ نہ تھے کہ اپنی دخترِ نیک اختر کو سینہ سے لگا کر پیار کرتے اور شمر کے ظلم سے بچاتے۔

مؤمنین! جس روز سے مظلومِ کربلا نینوا کی زمین میں وارد ہوئے تھے، جو شب یک شب کے بعد آئی، وہ ایک تازہ مصیبت لے کر آئی۔ ہر چند ہر شب پُر آشوب و بلا خیز تھی مگر دو راتیں ذریتِ اطہار پر سخت ترین گزریں، ایک وہ شب تھی کہ جس میں سب بیبیوں کو امام حسینؑ کی زندگی سے یاس ہو گئی تھی اور لشکرِ اعداء سے صلح کا جواب [illegible] گیا تھا یعنی

شب عاشور کہ اُس رات کو ہزار طرح کے کو والم اہل حرم پر پڑے تھے۔ یقین تھا کہ صبح کو ہمارے آقا زندہ نہ رہیں گے اور ہم سب اس دشت غریب میں بے وارث و والی ہو کر اعداء کے قبضۂ اختیار میں ہو جائیں گے۔

جناب امام حسینؑ کبھی خیمہ میں تشریف لاتے تھے تو چھوٹے چھوٹے بچوں اور اہل حرم کی فریاد اور صدائے العطش سے بیتاب ہو کر باہر نکل آتے تھے اور جب باہر تشریف لاتے تھے تو عزیز و انصار کے تردد و انتشار سے متردد ہو کر خیمہ میں چلے جاتے تھے۔ ایسی دوادوش میں یہی خیال تھا کہ ایسا نہ ہو کہ لشکرِ شقاوت اثر ہم لوگوں کو اس تردد و اضطراب میں دیکھ کر کسی جانب سے آکر شب خون کا ارادہ کرے۔ اس نظر سے خود بنفس نفیس ذوالفقار حیدرِ کرار دستِ مبارک میں لے کر خیمہ کے گرد پھرتے تھے اور جو لعین قریب آتا تھا، حضرتؑ آواز دیتے تھے کہ اے شخص! دُور ہو جا، یہ مقامِ ادب ہے، اس میں رسولؐ خدا کی دونواسیاں اور علی مرتضیٰؑ کی پوتیاں روتے روتے سوگئی ہیں۔

دوسری شب وہ تھی کہ جس شب فرزندِ رسولؐ، جگر بندِ بتولؑ شہید ہو کر بستر خاک پر آرام کرتے تھے اور ناموسِ رسالت نظر بند ہو کر بے مقنع و چادر فرشِ خاک پر بیٹھے تھے، یعنی گیارہ محرم کی رات۔

مؤمنین! وہ بیبیاں اس طرح ظلم رسیدہ و آفت دیدہ تھیں کہ جو شخص قریب آتا تھا، سمجھتی تھیں کہ ہمارے ستانے کو آیا ہے اور کوئی مردوں میں ایسا نہ تھا جو اُن کی حفاظت و نگرانی کرتا۔ خود جناب زینبؑ تلوار لے کر اُن بے وارثوں اور یتیموں کے گرد پھرتی تھیں۔ جو کوئی اس طرف آنے کا قصد کرتا تھا، اُس کو لعن طعن کرتی تھیں اور روکتی تھیں کہ:

''اے شخص! یہاں سے واپس ہو جا کہ یہاں رسولؐ خدا کی چھوٹی نواسیاں ہیں اور حسینؑ کے ننھے ننھے بچے آرام کر رہے ہیں۔ اس وقت غارت و تاراجی سے باز رہو۔ بچوں کو بے چین نہ کرو۔ صبح کو جو ظلم و ستم چاہنا، کر لینا کہ اب ہم لوگ تمہارے قبضہ سے کہاں

جا سکتے ہیں؟''

"اِذْرَاَتِ السَّوَادَ".

ناگاہ قتل گاہ کی جانب سے ایک سیاہی نمودار ہوئی اور ایک سوار نقاب پوش آتا دکھائی دیا۔ جناب زینبؑ نے سمجھا کہ کوئی سوار لشکرِ کفار سے ایذا رسانی کے قصد سے آتا ہے۔ بآوازِ بلند فرمایا:

"یَاعَبْدَاللّٰهِ اَمَاتَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ".

اے بندۂ خدا! تجھ کو خدا اور رسولؐ سے شرم نہیں آتی؟ کہاں آرہا ہے؟ پلٹ جا کہ یہاں عترتِ رسولؐ برہنہ سر زمین پر بیٹھے ہیں۔

مگر اُس سوار نے جناب زینبؑ کے اس کلام پر کچھ اعتناء نہ کی اور اسی طرح بغیر کسی رکاوٹ کے قریب آپہنچا۔ جب اُس شہزادیؑ نے دیکھا کہ یہ سوار کسی طرح نہیں مانتا، گستاخانہ چلا آتا ہے تو شیرِ خدا کی دختر کو جلال آیا اور آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پر ہاتھ ڈال دیا۔ منقول ہے کہ اُس وقت اُس نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دی اور خم ہو کر دونوں ہاتھ جناب زینبؑ کی گردن میں ڈال دیئے اور کہا:

"یَازَیْنَبُ اَنَااَبُوْکِ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ".

''اے نورِ دیدہ! میں تمہارا پدر علی ابن ابی طالبؑ ہوں''۔

اے راحتِ جان! تم جا کر آرام کرو، میں تمہاری اور اطفالِ حسینؑ کی حفاظت و نگرانی کرتا ہوں۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، پُلِ نہرِ آصفی کا ٹوٹنا، کوفہ میں کنیزِ عبیدہ کی روایت

قَدْذَكَرَالشَّيْخُ الْاَجَلُّ حُرُّالْعَامِلِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِ الْجَوَاهِرِالسَّنِيَّةِ فِي الْاَحَادِيْثِ الْقُدْسِيَّةِ خَبَرًابِاَسْنَادِهٖ عَنْ سَلْمَانِ الْفَارِسِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

شیخ حر عاملی نے کتاب جواہر السنیہ جامع احادیث قدسیہ میں باسناد سلمان فارسیؒ ذکر کیا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا:

"قَالَ هَبَطَ عَلَيَّ جِبْرَئِيْلُ يَوْمَ اُحُدٍ وَقَدِانْهَزَمَ الْمُسْلِمُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ غَيْرُ عَلِيٍّ وَقَدْ قَتَلَ اللّٰهُ عَلٰى يَدِهٖ يَوْمَئِذٍمِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مَنْ قُتِلَ".

جب جنگِ اُحد میں لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اور سوائے علیؑ کے کوئی اعوان و انصار سے ثابت قدم نہ رہا اور تنہا ابن عم نے میرے ہر طرف کافروں اور مشرکوں کی لاشوں سے میدانِ جنگ پاٹ دیا تو جبرئیلؑ نازل ہوئے۔

"وَقَالَ جِبْرَئِيْلُ يَامُحَمَّدُاِنَّ اللّٰهَ يَقْرَءُ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَيَقُوْلُ لَكَ اَخْبِرْعَلِيًّااَنِّيْ عَنْهُ رَاضٍ".

اور کہا. یا رسولؐ اللہ! اللہ تعالیٰ بعد تحفۂ درود و سلام ارشاد فرماتا ہے کہ علیؑ کو بشارت دو کہ میں اُس کے اس جہاد سے بہت راضی ہوا۔

"وَاِنِّيْ اٰلَيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ اَنْ لَا يُحِبُّهُ عَبْدًااِلَّا

اَحْبَبْتُهُ وَمَنْ اَحَبَّهُ لَمْ نُعَذِّبْهُ بِنَارِيْ".

اور میں نے اپنی ذاتِ مقدس پر واجب جانا کہ جو بندۂ مؤمن علیؑ کو دوست رکھے گا، اُسے میں دوست رکھوں گا اور جسے میں دوست رکھوں گا، آتشِ جہنم سے ہرگز اُس پر عذاب نہ کروں گا۔

"وَلَا يُبْغِضُهُ عَبْدًااِلَّا اَبْغَضْتُهُ وَمَنْ اَبْغَضَهُ مَالَهُ فِي الْجَنَّةِ مِنْ نَصِيْبٍ".

اور جو بندہ علیؑ کو دشمن رکھے گا، میں اُس کو دشمن رکھوں گا اور جسے میں دشمن رکھوں گا، وہ ہرگز بوئے بہشت نہ سونگھے گا۔

"قَالَ وَهَبَطَ عَلَيَّ جِبْرَئِيْلُ يَوْمَ الْاَحْزَابِ لَمَّاقَتَلَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ عَمْرًا".

پھر جناب رسولؐ خدا نے غزوۂ احزاب میں دوبارہ فرمایا جس وقت حضرت علی علیہ السلام نے عمر بن عبدود کو مارا تو جبرئیلؑ میرے پاس آئے۔

"وَقَالَ يَااَحْمَدُاِنَّ اللّٰهَ يَقْرَءُ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ يَقُوْلُ لَكَ اِنِّي افْتَرَضْتُ الصَّلٰوةَ عَلٰى عِبَادِيْ فَوَضَعْتُهَاعَنِ الْعَلِيْلِ الَّذِيْ لَا يَسْتَطِيْعُهَا".

اور کہا: یا رسولؐ اللہ! بہ تحقیق پروردگار عالم آپؐ کو بعد تحفۂ درود و سلام فرماتا ہے کہ میں نے بندوں پر نماز واجب کی ہے لیکن وہ بیمار جو نماز پر قادر نہ ہو،

"وَافْتَرَضْتُ الزَّكٰوةَ فَوَضَعْتُهَاعَنِ الْمُقِلِّ".

اور میں نے زکوٰۃ کو بندوں پر فرض کیا لیکن ناداروں اور مفلسوں کو معاف کیا۔

"وَافْتَرَضْتُ الصِّيَامَ فَوَضَعْتُهُ عَنِ الْمُسَافِرِ".

اور میں نے تمام بندوں پر روزوں کو واجب کیا لیکن مسافروں سے ساقط کیا۔

"وَافْتَرَضْتُ الْحَجَّ فَوَضَعْتُهُ عَنِ الْمُعْدِمِ وَمَنْ لَا يَجِدُ السَّبِيلَ اِلَيْهِ".

اور فرض کیا حج کو مستطیع پر اور نادار اور غیر مستطیع سے ساقط کیا۔

"وَافْتَرَضْتُ حُبَّ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَمُوَالَاتَهُ عَلٰى اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَلَمْ اَعْذِرْ فِيْهِ اَحَدًا".

اور میں نے واجب گردانا علیؑ کی محبت وولایت کو تمام اہل آسمان وزمین پر۔ پس جوشخص اُس کی محبت سے منحرف ہوگا، اُس کے کسی عذر کو ہم نہ سنیں گے۔

"فَمُرْ اُمَّتَکَ بِحُبِّهٖ فَمَنْ اَحَبَّهٗ فَبِحُبِّیْ وَحُبِّکَ اُحِبُّهٗ وَمَنْ اَبْغَضَهٗ فَبِبُغْضِیْ وَبُغْضِکَ اَبْغَضُهٗ".

پس اے میرے حبیبؐ! تو اپنی اُمت کو حکم کر کہ جو علیؑ ابن ابی طالبؑ کو دوست رکھے گا، وہ ہمارا اور تمہارا دوست ہے۔ میں بھی اُس کو دوست رکھوں گا اور جو شخص علیؑ سے دشمنی کرے گا، وہ میرا اور تمہارا دشمن ہے۔ میں بھی اُس سے دشمنی کروں گا۔

سید عباس طباطبائی کہتے ہیں کہ جب میں کربلا سے ہندوستان کو کشتی پر بصرہ کی طرف سے چلا، مرزا محمد حسین شیرازی زرگر ہم سفر تھے۔ تذکرہ کے طور پر میں نے کہا: بہت تعجب ہے کہ نہر آصفی کا پل باوجود اس مضبوطی کے ٹوٹ گیا؟

مرزا نے کہا: اس کی اصل حقیقت سے تم واقف نہیں ہو۔ جنابِ امیر علیہ السلام کے روضۂ اقدس کے محاذی بہت سی زمین ہے جس میں غربائے عرب زراعت کر کے اپنی گزراوقات کرتے ہیں۔ پاشائے بغداد نے خراج طلب کیا اور انہوں نے نہ دیا۔ حاکم نے کچھ لوگ گرفتاری کے واسطے بھیجے۔ وہ سب دریا سے پار ہو کر بھاگ گئے اور فوج کو پل نہ ہونے کی وجہ سے عبور میں زحمت ہوئی۔ حاکم نے پل بنوادیا مگر ٹوٹ گیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہی

اتفاق ہوا۔ اہل زراعت کہتے تھے کہ ہمارے مولا علی علیہ السلام اعجاز سے یہ پل توڑ دیتے ہیں کہ ہم لوگ گرفتاری سے محفوظ رہیں۔

آخرالامر حاکم نے فرانس سے کاریگر بلوائے اور زرِ خطیر صرف کر کے آہنی پل نہایت مستحکم بنوایا۔ تیاری کے بعد فوجیں اور توپیں امتحان کے طور پر اُس پر لے گئے اور کہنے لگے: اب علیؑ ابن ابی طالبؑ اس پل کو توڑ کر دکھائیں۔ اُن عربوں نے جو دیکھا تو برہنہ سر وجد میں منہ میں کف بھرے روضۂ اقدس کی طرف رُخ کر کے یوں فریاد کرنے لگے:

"یَاخَیَّالَ الْمَیْمُوْنِ اُحْضُرْ".

"اے دلدل سوار، اے صاحبِ ذوالفقار! ہماری مدد کو آیئے"۔

میں اُس پل کے قریب کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ ناگاہ صحرا کی جانب سے ایک بزرگِ متبرک صورت سبز عمامہ باندھے، عبائے نورانی پہنے ایک ہاتھ میں تسبیح خاکِ شفاء، دوسرے ہاتھ میں عصا لئے نمودار ہوئے۔ قریب آ کر مجھ پر سلام کیا، میں نے جواب دیا۔ پوچھنے لگے: "یہ شوروجمع کیسا ہے؟"

میں نے کہا: "حاکم کے لوگ اس پل کے استحکام پر نازاں ہیں اور کہتے ہیں کہ اب علیؑ اس پل کو توڑ کر دکھائیں۔ بے چارے عرب آقا سے فریاد کرتے ہیں"۔

یہ سن کر اُس بزرگ سید نے اپنا عصا اُٹھا کر ارشاد فرمایا:

"اِنَّ لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مَرَاتِبَ عَظِیْمَةً لَوْشِئْتُ اَنَا لَکَسَرْتُ هٰذَا الْجِسْرَ".

کہ علیؑ تو مرتبۂ اعلیٰ و بزرگ رکھتے ہیں۔ اگر چاہے تو یہ ادنیٰ شخص اس پل کو توڑ سکتا ہے۔

پس اُسی عصا سے ایک خط اُس پل پر کھینچا، فوراً ایک عظیم آواز ایسی بلند ہوئی، گویا زمین وآسمان پاش پاش ہو گئے۔ پھر جو میں نے نگاہ کی تو نہ وہ پل ہے، نہ وہ فوج۔ سب دریا

میں غرق ہو گئے اور وہ سید بزرگ بھی میری نظروں سے غائب ہو گئے۔

کچھ فرانسیسی سوار جو دریا کے کنارے کھڑے تھے، حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے کہ بے شک ان شیعوں کا امامؑ یہ پل توڑ گیا ورنہ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے ایک گوشہ کو بھی ضرر پہنچا سکتا۔

مؤمنین! جناب امیر علیہ السلام نے اُن عربوں کے واسطے فوج بغداد کو دریا میں غرق اور ہلاک کیا۔ اُس روز کہاں تھے جب اُنہی کی اولاد پر لبِ فرات فوجِ کوفہ و شام کا نرغہ تھا۔ ظالموں نے اُنہی کے پیارے حسینؑ کو چوبیس پہر کا بھوکا پیاسا، تلواروں اور نیزوں سے زخمی کر کے شہید کیا اور انہی کی ذریت کو ہاتھوں میں رسیاں باندھ کر، سروں سے چادریں چھین کر شترانِ بے کجاوہ پر جنگلوں میں، کانٹوں میں پھراتے ہوئے کربلا سے کوفہ لے گئے۔

کتاب زاد العاقبت میں مسطور ہے کہ جنابِ سیدہؑ کی عبیدہ نامی ایک کنیز کوفہ میں سکونت پذیر تھی اور اُسے شہادتِ امام حسینؑ کی مطلق خبر نہ تھی۔ جب اہل بیتؑ کوفہ کی سرحد پر پہنچے، اُس وقت اُسے معلوم ہوا کہ آقا مارے گئے، شہزادیاں اسیر ہو کر کربلا سے یہاں آئی ہیں۔

مؤمنین! جو کوئی کسی کی موت کی خبر سنتا ہے، کیا حال ہوتا ہے، حالانکہ کسی کا مرنا تعجب کا باعث نہیں۔ مگر عبیدہ نے کیا حال بنایا ہوگا جب یک بیک ایسا امرِ عظیم سنا ہوگا جس کا ارتکاب کیسا مقامِ عجب ہے اور کیا غضب ہے کہ اُمت اپنے نبیؐ کے نواسے کو بھوکا پیاسا گوسفندِ قربانی کی طرح ذبح کرے اور اُن کی عترت کو ترک و روم کی کنیزوں کی طرح قید کر کے شہر بہ شہر پھرائے۔

غرض روتی پیٹتی بالاخانہ پر، جو سرِ راہ واقع تھا، بیٹھی۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ دیکھا آگے آگے سرہائے بریدہ نیزوں کی نوکوں پر بلند ہیں۔

وَمِنْ خَلْفِهِمْ نِسَآءُ الْحُسَيْنِ مُشَقَّقَاتٍ نَاشِرَاتٍ لَاطِمَاتٍ بَاكِيَاتٍ.

اور پیچھے شترانِ بے کجاوہ پر بیبیاں برہنہ سر بالوں سے چہرے چھپائے، گردِ راہ سے آلودہ لباس میں ماتم کرتی چلی آتی ہیں۔

"وَفِي حُجُوْرِهِنَّ اَطْفَالٌ تَرُوْنَ اِلَى الرُّؤُسِ وَ تَبْكُوْنَ".

اور چھوٹے چھوٹے بچے گودیوں میں تماشائیوں کا ہنگامہ اور اپنے بزرگوں، بھائیوں کے سروں کو دیکھ کر گھبرا گھبرا کر ماؤں سے لپٹ لپٹ جاتے ہیں اور بلک بلک کر چپکے چپکے روتے ہیں۔

عبیدہ دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں ہاتھوں سے سر و سینہ پیٹنے لگی اور اس قدر روئی کہ روتے روتے غش کر گئی۔ اُس کے عیال اُس کے غش کر جانے پر رونے پیٹنے لگے، یہاں تک کہ وہ لٹا ہوا قافلہ زیرِ غرفہ پہنچا اور اُس کو بھی غش سے افاقہ ہوا۔ جنابِ زینبؑ نے جو اُس مکان سے آوازِ گریہ و نالہ سنی، امام زین العابدینؑ سے کہنے لگیں:

''یہ رونا کیسا ہے؟ نہ معلوم ہماری محبت میں اور ہمارے حال پر روتے ہیں یا ان پر کوئی مصیبت پڑی ہے؟''

عبیدہ نے جو جنابِ زینبؑ کی آواز سنی، گھبرا کر زیرِ قصر نظر کی۔ وہ مظلومہؑ ایک شتر لاغر پر اس طرح سوار ہیں کہ نہ کوئی محمل ہے، نہ پردہ ہے اور اُنؑ کے سامنے نیزۂ طویل پر امامِ مظلوم کا سر نصب ہے۔ دیکھتے ہی 'وَا حُسَيْنَاهُ، وَا سَيِّدَاهُ'' کہہ کر اپنے تئیں کوٹھے سے نیچے گرا دیا اور اُس سرِ بریدہ کی طرف دیکھ دیکھ کر روتی تھی اور کہتی تھی:

''يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ ذَا الَّذِيْ خَضَبَكَ بِدِمَائِكَ''.

ہائے آقا! کس نے آپؑ کا یہ حال کیا؟ یہ ریش نورانی کس شقی نے خون سے رنگین کردی؟ ایک دن رسولؐ خدا کے کاندھوں پر سوار ہوتے تھے، آج آپؑ کا سر نیزہ پر چڑھا ہوا ہے۔ ایک دن جنابِ سیدہؑ کی آغوش میں آرام کرتے تھے، آج آپؑ کی لاشِ بے سر کر جنگل میں پڑی ہے؟

جنابِ سید الساجدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"كَانَ اَبِيْ يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ".

اُس وقت پدرِ بزرگوار سورۂ کہف تلاوت فرماتے تھے۔ ضعیفہ کے رونے پر چشمِ مبارک سے آنسو جاری ہوئے اور یہ آیت پڑھی:

"سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ".

"قریب ہے جن لوگوں نے ظلم کیا، وہ جان لیں گے کہ اُن کی بازگشت وانجامِ کار کیا ہے؟"

اس کے بعد عبیدہ کی نظر بیمارِ کربلا پر پڑی۔

"رَاَتْ فِيْ عُنُقِهٖ طَوْقَ حَدِيْدٍ مَغْلُوْلَ الْيَدَيْنِ".

دیکھا کہ وہ جنابؑ پاؤں میں دہری بیڑیاں، گردن میں طوقِ گراں پہنے دونوں ہاتھ زنجیروں سے بندھے، سر جھکائے رو رہے ہیں۔ دوڑ کو قدموں سے لپٹ گئی اور کہنے لگی:

"يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ عُمْيًا"

"کاش میری آنکھیں پہلے ہی نابینا ہو جاتیں کہ عترتِ رسولؐ خدا کو اس حال میں نہ دیکھتی"۔

آباق شامی نے جو دیکھا کہ اتنے تماشائیوں میں کوئی اہلِ بیتؑ کا پرسان نہیں، یہ کون ہے جو ان بے وارثوں کے حال پر روتی ہے؟

کیا غضب ہے کہ حالِ حسینؑ پر ایک ضعیفہ کا بھی رونا گوارا نہیں ہوا، تازیانہ لے کر

دوڑا اور چاہا کہ اُس مؤمنہ کی پشت پر لگائے، اُس وقت امام زین العابدین علیہ السلام کو تاب ضبط نہ رہی۔ اتنا کلام فرمایا: (مؤمنین! اس جملہ سے مظلومی ثابت ہے):

ارشاد فرمایا: "اے اباق! اس ضعیفہ کے ستانے سے تجھے کیا حاصل ہوگا؟ اسے چھوڑ دے، اس کے عوض مجھے تازیانہ مار لے کہ ہم اہلِ بیتؑ اپنی مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ مگر اپنے دوستوں کو اور شیعوں کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے"۔

غرض لشکر نے اُس ضعیفہ کو اُسی جگہ روتا چھوڑ کر اہلِ بیتؑ کو کشاں کشاں لے جا کر دربارِ ابن زیاد ملعون میں پہنچایا۔

مصائبِ امامؑ، آسمان و زمین کا امامؑ کی مصیبت پر رونا، راہِ کوفہ میں ایک مومن کی ملاقات

"عَنِ الصَّادِقِ اَنَّهُ قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ اَنَا قَتِيْلُ الْعَبْرَةِ مَاذُكِرْتُ عِنْدَ كُلِّ مُؤْمِنٍ اِلَّابَكٰى وَاغْتَمَّ قَلْبُهٗ لِمُصَابِىْ".

کتب احادیث میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے جدِ مظلوم امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں وہ کشتہ گریہ ہوں کہ جس مؤمن کے سامنے میری مصیبت مذکور ہوگی، وہ ضرور میری غربت و بیکسی پر روئے گا اور اُس مؤمن کا قلب میرے مصائب پر ضرور مغموم و محزون ہوگا۔

فی الحقیقت اے برادرانِ ایمانی! آپ میں سے کون ایسا ہے جس کے سامنے امام حسین علیہ السلام کی مصیبتیں بیان ہوں اور اُس کا دل نہ جلے اور درد میں نہ آئے۔ بے تحقیق کہ آپ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر پہاڑوں پر پڑتیں تو ٹکڑے ہو کر خاکستر ہو جاتے اور اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ شبِ تاریک کی طرح ہو جاتے۔

ہمارے آقا پر وہ مصیبتیں پڑیں کہ کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

"وَمِنْهَا اَنَّهٗ قُتِلَ بَيْنَ يَدَيْهِ اَصْحَابُهٗ وَاَقْرِبَائُهٗ حَتّٰى ذُبِحَ فِىْ حِجْرِهٖ طِفْلُهُ الرَّضِيْعُ عَطْشَانًا".

اُن مصیبتوں میں سے ایک یہ ہے کہ سب بھائی، بھتیجے، بھانجے، بیٹے آپ کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوئے، یہاں تک کہ تین دن کا پیاسا چھ مہینے کا بچہ بھی گود میں شہید ہوا۔ یہ وہ ظلم ہے کہ ابتدائے خلقت سے آج تک کسی پر نہ ہوا۔

آہ، آہ! آپ کا یہ حال تھا کہ نرغۂ اشقیاء میں کھڑے کبھی اقرباء کی لاشوں پر روتے تھے اور کبھی اُن مصیبتوں کا خیال کرتے تھے جو حضرتؑ کے بعد جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ اور اطفالِ خوردسال پر پڑنے والی تھیں۔

"حَتّٰى ذُبِحَ عَطْشَانًا كَمَا يُذْبَحُ الْكَبْشُ".

یہاں تک کہ آپ پر بھی کسی نے رحم نہ کھایا اور تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا۔

اَلْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلَا مُضَرَّجٌ
وَالرَّاْسُ عَلَى الْقَنَاةِ يُدَارُ

اس پر بھی اکتفا نہ کی، آپؑ کا جسم مبارک جلتی ریت پر بے گور و کفن چھوڑ دیا اور سرِ اطہر کاٹ کر نوکِ نیزہ پر چڑھایا اور شہر بہ شہر پھرایا۔

کتاب انوارِ نعمانیہ میں سید نعمت اللہ جزائری ایک شیعہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے مجھے کوفہ میں چند روز اقامت کا اتفاق ہوا۔ وہ ایام ایسے وحشت ناک تھے کہ خود بخود میرا دل محزون و مغموم رہتا تھا۔ زمین و آسمان کا رنگ ایسا بدل گیا تھا کہ دیکھ کر خوف آتا تھا۔ شہر کے جس در و دیوار کو دیکھتا تھا، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے تازہ خون چھڑکا گیا ہے۔ مجھ پر کیا موقوف، ہر شخص متحیر تھا مگر کسی پر یہ راز منکشف نہ ہوتا تھا۔

ایک دن گھبرا کر گھر سے باہر نکلا اور بازارِ کوفہ میں جا کھڑا ہوا۔ ناگاہ کربلا کی طرف سے فوج کی تکبیروں کی آوازیں، گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدائیں کان میں آنے لگیں۔

"فَرَاَيْتُ الرُّؤُوْسَ مَرْفُوْعًا عَلَى الرِّمَاحِ وَالنِّسَاءَ بَاكِيَاتٍ رَاكِبَاتٍ عَلَى الْجِمَالِ".

میں نے غور سے نگاہ کی تو دیکھا کہ آگے آگے نیزوں کی نوکوں پر کچھ مقتولوں کے سر، پیچھے پیچھے اونٹوں پر کچھ بیبیاں، کچھ بچیاں بالوں میں منہ چھپائے روتی پیٹتی چلی آ رہی ہیں۔

"وَرَأَيْتُ شَابًّا مَرِيْضًا مُقَيَّدًا بِقَيْدِ الْحَدِيْدِ عَلٰى جَمَلٍ وَرِجْلَيْهِ مَشْدُوْدَيْنِ مِنْ تَحْتِ بَطْنِ النَّاقَةِ وَالدَّمُ يَسِيْلُ مِنْ سَاقَيْهِ".

اور اُن اسیروں میں ایک جوان نہایت بیمار و ناتواں گلے میں طوقِ آہنی پڑا ہوا تھا، ایک اونٹ پر سوار آہ آہ کرتا ہوا دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے بندھے ہیں اور پاؤں میں زنجیر ڈال کر پشتِ شتر سے اس طرح زور سے باندھ دیا گیا ہے کہ دونوں پاؤں سے خون جاری ہے۔

حال دریافت کرنے کے واسطے ایک بی بی کے اونٹ کے قریب گیا اور سر اُٹھا کر چاہا کہ کچھ پوچھوں۔ اُس بی بی نے ایسا جھڑکا کہ میرے ہوش وحواس جاتے رہے۔

"وَقَالَتْ يَا هٰذَا مَا تَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تَنْظُرُ إِلَيْنَا".

اور فرمایا: اے شخص! خدا اور رسولؐ سے کچھ شرم نہیں کرتا کہ ہم بیکسوں کی طرف دیکھتا ہے؟

اُس خاتون کے رعب سے مجھے غش آ گیا۔ جب افاقہ ہوا تو دیکھا کہ وہ اونٹوں کی قطار مجھ سے بہت دور ہوگئی ہے۔ دوڑ کر میں اُس بی بی کے اونٹ کی طرف پہنچا اور سر جھکا کر رونے لگا۔ وہ مخدومہؑ میری طرف متوجہ ہوئیں اور پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں روتا ہے؟ میں نے عرض کی:

"آپ کو اس مصیبت میں مبتلا دیکھ کر روتا ہوں اور آپ کی جلالت شان سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی خاندانِ عالی سے ہیں؟"

"وَمَا رَأَيْتُ سَبْيًا كَسَبْيِكُمْ وَلَا مَقْتُوْلًا مِثْلَ مَقْتُوْلِكُمْ".

اور میں نے آپ جیسے قیدی اور ان مقتولوں جیسے مقتول نہیں دیکھے۔ اُمیدوار ہوں کہ اپنے نام ونسب سے مطلع فرمایئے۔

یہ سنتے ہی اُن مخدومہؑ نے شرم وحیا سے سر جھکا لیا۔

"وَقَالَتْ يَا هٰذَا تَعْرِفُ مُحَمَّدَنِ الْمُصْطَفٰى".

اور فرمایا: اے شخص! تو محمد مصطفےٰ کو جانتا ہے؟

میں نے کہا: کیونکر نہیں جانتا؟ وہ حضرت میرے پیغمبرؐ اور نبی ہیں اور تمام گناہگاران اُمت کی روزِ قیامت شفاعت کرنے والے ہیں۔

پھر فرمایا: "علی مرتضیٰؑ سے بھی واقف ہے؟"

میں نے کہا: وہ حضرتؑ میرے امامؑ و پیشوا ہیں۔

"قَالَتْ يَا هٰذَا إِنِّيْ زَيْنَبُ بِنْتُ عَلِيٍّ".

ایک آہ کی اور فرمایا: "کیا پوچھتا ہے؟ میں اُسی نبی کی نواسی اور اُسی علیؑ ابن ابی طالبؑ کی بیٹی زینبؑ ہوں"۔

"وَهٰذَا سَبَايَا بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

اور یہ سب بیبیاں جو قید ہیں، اُسی پیغمبر کی ذریت سے ہیں۔

"وَذٰلِكَ الرَّأْسُ الْمَرْفُوْعُ عَلَى الرُّمْحِ رَأْسُ أَخِي الْحُسَيْنِ".

اور اس نیزۂ طویل پر میرے بھائی حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے جو اِن ظالموں کے ہاتھ سے بے جرم وخطا بھوکا پیاسا زمین کربلا پر شہید ہوا۔

وہ مردِ مؤمن کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: "یہ جوان بیمار جو طوق وزنجیر میں جکڑا ہوا ہے، کون ہے؟"

جنابِ زینبؑ نے رو کر فرمایا: "اے شیخ! یہ پانچ بزرگوں کی نشانی ہم بے وارثوں

کا وارث اس لٹے ہوئے قافلے کا سردار امام ابن امام علی ابن الحسینؑ ہے"۔

یہ سن کر میں نے اپنا سر اس زور سے پتھر پر مارا کہ پھٹ گیا اور اپنا گریبان چاک کیا اور اپنے منہ پر اس قدر طمانچے مارے کہ خون جاری ہو گیا۔ پھر میں نے عرض کی:

"اے مخدومۂ عالم! میں آپؑ کے غلاموں اور شیعوں میں سے ہوں۔ مجھ پر بہت سخت اور دشوار ہے کہ آپؑ کو اس مصیبتِ عظیم میں مبتلا دیکھوں"۔

فرمایا: "اگر تو ہمارے دوستوں میں سے ہے تو پھر کیوں تو نے ہماری نصرت و مدد نہ کی؟"

میں نے عرض کی:

وَلَوْ شَهِدْتُ غَدَاالطَّفِّ مَشْهَدَكُمْ
بَذَلْتُ نَفْسِيْ وَهٰذَا اَجَلُ مَقْدُوْرِيْ

"افسوس! میں شومیِ قسمت سے روزِ عاشور کربلا میں حاضر نہ تھا ورنہ اپنی جان آپؑ پر نثار کرتا"۔

ابھی میرا کلام تمام نہ ہوا تھا کہ ان بیکسوں کا قافلہ آگے بڑھ گیا۔

روایتِ ابنِ شبیب، رسولِ خدا کے ساتھ امام حسینؑ کی محبت، روایتِ طرماح بن عدی

"قَالَ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا ابْنَ شَبِيْبٍ اِنَّ الْمُحَرَّمَ هُوَ الشَّهْرُ الَّذِيْ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يُحَرِّمُوْنَ فِيْهِ الظُّلْمَ وَالْقِتَالَ لِحُرْمَتِهِ".

ریان بن شبیب سے روایت ہے کہ میں محرم کی پہلی تاریخ امامِ غریب الغرباء علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا:

"اے پسرِ شبیب! بہ تحقیق یہ وہ مہینہ ہے کہ کفار تک اس کا احترام کرتے تھے اور اس مہینے میں جنگ و جدال حرام جانتے تھے"۔

"فَمَا عَرَفَتْ هٰذِهِ الْاُمَّةُ حُرْمَةَ شَهْرِهَا وَلَا حُرْمَةَ نَبِيِّهَا".

مگر اس اُمتِ جفاکار نے نہ اس مہینے کی حرمت رکھی، نہ اپنے نبی کا پاس کیا۔

"لَقَدْ قَتَلُوْا اِلِيْ هٰذَا الشَّهْرِ ذُرِّيَّتَهُ"

جس کا کلمہ پڑھتے تھے، اُسی کی اولاد کو اسی مہینے میں ان لوگوں نے قتل کیا۔

"وَسَلَبُوْا نِسَاءَهُ وَانْتَهَبُوْا ثِقْلَهُ"

سارا مال و اسباب لوٹ لیا، عورتوں کے سروں سے چادریں بھی چھین لیں۔ خدا اس قوم کو کبھی نہ بخشے۔

"اے پسرِ شبیب! اگر کسی وجہ سے تیرا دل رونے کو چاہے تو میرے جدِ بزرگوار حسینؑ ابن علیؑ پر رو لے"۔

"فَاِنَّهُ ذُبِحَ كَمَا يُذْبَحُ الْكَبْشُ".

کہ وہ جنابؑ اور اُنؑ کے اہل بیتؑ میں سے سترہ افراد، جن کی نظیر دنیا میں نہیں تھی، سب کے سب اِس طرح ذبح کیے گئے جیسے گوسفند کو ذبح کرتے ہیں۔ تحقیق کہ اگر تو اس ماتم میں روئے، یہاں تک کہ تیرے رُخساروں پر آنسو جاری ہوں۔

"غَفَرَ اللّٰهُ لَکَ کُلَّ ذَنْبٍ اَذْنَبْتَهُ صَغِيْرًا کَانَ اَوْ کَبِيْرًا".

تو خداوندِ عالم تیرے سب گناہوں کو، خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، بخش دے گا۔

اے پسرِ شبیب! اگر تو چاہے کہ جنت میں تیرے درجات بلند ہوں۔

"فَاحْزَنْ لِحُزْنِنَا وَافْرَحْ لِفَرَحِنَا".

تو ہمارے رنج و راحت میں شریک ہو، اس طرح کہ ہماری خوشی میں مسرور اور مصیبت میں رنجور ہو۔

"وَعَلَيْکَ بِوِلَايَتِنَا". اور ہماری دوستی کو اپنے اوپر واجب و لازم کر۔

"فَلَوْ اَنَّ رَجُلًا اَحَبَّ حَجَرًا لَحَشَرَهُ اللّٰهُ مَعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

اگر کوئی پتھر کو دوست رکھے گا تو وہ شخص اُسی پتھر کے ساتھ محشور ہوگا۔

عَنْ اَبِی السَّعَادَاتِ اَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ بَيْتِ عَائِشَةَ.

ابی سعادت سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِؐ خدا ایک دن بی بی عائشہؓ کے گھر سے کہیں تشریف لئے جاتے تھے۔ جب خانۂ جنابِ سیدہؑ کے قریب پہنچے تو امام حسینؑ کے رونے کی آواز کان میں آئی۔ بیتاب ہو گئے اور گھر میں تشریف لا کر فرمایا:

"يَا فَاطِمَةُ سَکِّتِيْهِ اَلَمْ تَعْلَمِيْ اَنَّ بُکَاءَهُ يُؤْذِيْنِيْ".

"اے فاطمہؑ! حسینؑ کو جلد چپ کرواؤ۔ تم نہیں جانتیں کہ اس فرزند کے رونے سے مجھے ایذا ہوتی ہے"۔

پھر بڑھ کر حضرتؐ نے خود اپنے نواسہ کو گود میں اُٹھالیا اور گلے سے لگا کر منہ چوما اور اپنے ہاتھوں سے اُن آنکھوں کے آنسو پونچھے اور اس قدر پیار کیا، دلاسا دیا کہ وہ شہزادہؑ خاموش ہو گیا۔

مؤمنین! پیغمبرؐ خدا کو امام حسینؑ کا اتنا سا رونا بچپن میں گوارا نہ تھا۔ وہ حضرتؐ کہاں تھے کہ معرکہ کربلا میں ملاحظہ فرماتے کہ اُنؐ کے نواسے کو صبح سے دوپہر تک روتے روتے، لاشیں اُٹھاتے اُٹھاتے بسر ہوئی۔ کبھی رفیقوں کی لاش پر، کبھی عزیزوں کے تن پاش پاش پر روئے، کبھی اپنی تنہائی پر، کبھی اپنے بعد اہلِ حرم کی تباہی پر گریاں ہوئے۔

کتاب نہایہ میں اُمّ الفضل، دایۂ امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک روز جنابِ رسولِؐ خدا میرے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے حسینؑ کو میرے پاس لاؤ۔ جب میں لے گئی تو آنحضرتؐ نے آغوش میں لیا۔

"فَقَبَّلَهُ وَضَمَّهُ اِلٰى صَدْرِهِ ثُمَّ اَقْعَدَهُ فِیْ حِجْرِهِ".

پھر پیار سے منہ چوما اور سینہ سے لگا کر زانو پر بٹھالیا۔

"فَبَالَ الْحُسَيْنُ فِیْ حِجْرِهِ".

ناگاہ امام حسینؑ نے حضرتؐ کی گود میں پیشاب کر دیا۔ میں نے جھنجھلا کر اُس شہزادہؑ کو اس طرح اُٹھایا کہ وہ رونے لگا۔

"فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدِ اسْتَعْبَرَ وَقَالَ مَهْلًا مَهْلًا يَا اُمَّ الْفَضْلِ".

میں نے دیکھا کہ جنابِ رسولِؐ خدا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا:

"اے اُمِّ فضل! آہستہ آہستہ اُٹھا کہ یہ تو ایک قطرۂ آب سے پاک ہو جائے گا اور جو رنج میرے حسینؑ کو ہوگا، وہ کیونکر برطرف ہوگا"۔

مؤمنین! مقامِ تامل ہے کہ امام حسینؑ کا اتنا بے چین ہونا رسولِ خدا سے دیکھا نہ گیا، کیونکہ حضورؐ کو گوارا ہوگا کہ وہی فرزند زندگی بھر ظالموں کے ہاتھ سے بے چین رہا۔ تادمِ مرگ راحت نہ ملی۔ شہادت کے بعد چالیس دن تک قبر بھی میسر نہ ہوئی۔

آہ، آہ! کیا گزری ہوگی رسالت مآبؐ پر جب دیکھا ہوگا کہ وہی دل بند تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے، تیروں سے سارا بدن چھنا ہوا، گلا کٹوائے، قبلہ رُو کربلا کے جنگل میں پڑا ہے۔ غربت وبیکسی کے سوا لاش پر کوئی رونے والا بھی نہیں ہے۔

مقتل ابو مخنف میں طرماح بن عدی سے منقول ہے کہ میں بھی روزِ عاشور شریکِ جہاد تھا۔ اُس دن میں نے ایسی جانفشانی کی کہ لڑتے لڑتے سراپا زخموں سے چور ہوگیا اور غش کھا کر زمین پر گرا۔ لشکرِ مخالف نے مجھے بے جان سمجھ کر چھوڑ دیا اور میں اُسی طرح پڑا رہا۔ یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ کب امامؑ شہید ہوگئے؟ کب اہل بیتِ اطہار لوٹے گئے؟ کب خیمہ عصمت جلایا گیا؟ یہاں تک کہ جب اشقیاء ایمان کی دولت کھو کر، زہراؑ کی کمائی لوٹ کر کوفہ روانہ ہوگئے، اُس وقت مجھے غش سے افاقہ ہوا۔

میں نے دیکھا کہ بیس سوار، سب کی پوشاکیں سفید رنگ، مشک وعنبر سے خوشبو، چہرے نورانی، اُس صحرا میں نمودار ہوئے۔ میں سمجھا کہ امام حسینؑ کا سر اگرچہ اعداء ابن زیاد کے پاس لے گئے ہیں مگر ابھی تک وہ شقی ایذا سے سیر نہیں ہوا ہے اور خود مع لشکر یہاں آیا ہے کہ دل کا غبار نکالے، مظلومِ کربلا کی لاش پاش پاش پر جفائیں کرے۔

اسی اثناء میں اُن حضرات سے ایک بزرگوار آگے بڑھے اور امام حسینؑ کی لاش کے قریب آکر بیٹھ گئے۔ پھر اُس بے سر جسم کو خاک سے اُٹھا کر اپنے سینہ کا تکیہ کر کے بٹھایا اور زار زار رونے لگے۔ اس کے بعد ہاتھ سے کوفہ کی طرف اشارہ کیا۔ فوراً سرِ بریدہ موجود ہوگیا۔ آپؐ نے کٹا ہوا سر گردن سے ملا دیا۔ امام حسینؑ جس طرح پہلے زندہ تھے، ویسے ہی ہوگئے۔

یہ اعجاز دیکھ کر میں سمجھا کہ میرا وہ گمان کہ ابن زیاد ہے، محض غلط تھا۔ احیائے اموات تو انبیاء واوصیاء کا کام ہے۔ پھر میں نے غور سے دیکھا تو پہچانا کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے کو آغوش میں لئے رو رہے ہیں اور فرماتے ہیں:

يَعِزُّ عَلَيَّ اَنْ اَرَاكَ مُرَضَّضًا

عَفِيْرًا نَجِيْرًا بِالدِّمَاءِ مُغَسَّلاً

بیٹا! بہت دشوار ہے تیرے نانا پر کہ تجھے اس حال میں دیکھے کہ خاک وخون میں آلودہ سر کٹائے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال زمین پر پڑا ہے۔

فَدَيْتُكَ لَا نَعْشًا وَلَا كَفْنًا اَرٰى

وَلَا غَاسِلًا يَاتِيْ اِلَيْكَ يُغَسِّلَا

تیری اس بیکسی پر فدا ہوں کہ شہادت کے بعد نہ قبر میسر ہوئی، نہ کسی نے کفن دیا، نہ کوئی غسل کی طرف متوجہ ہوا۔ کیوں بیٹا! تو نے اپنا نام بھی بتایا تھا؟ اِن ظالموں سے اپنا نسب بھی بیان کیا تھا یا نہیں؟

امام حسینؑ نے رو کر عرض کی: ''نانا! میں بار بار ان ظالموں سے کہتا رہا کہ تمہارے نبی کا نواسہ، فاطمہؑ کی گود کا پالا حسینؑ ابن علیؑ ہوں مگر کوئی ظلم سے باز نہ رہا۔ سب نے یہی کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں اور خوب پہچانتے ہیں لیکن ضروری ہے کہ آج تمہیں قتل کریں''۔

یہ سنتے ہی جنابِ رسولِ خدا بہت روئے اور اُن بزرگوار سے، جو آپؐ کے ساتھ تھے، فرمایا: ''اے آدمؑ ونوحؑ وابراہیمؑ! آپ لوگوں نے دیکھا کہ اس اُمتِ جفاکار نے میرے بعد میری اولاد سے کیا سلوک کیا؟''

یہ سن کر سب انبیاء رونے لگے اور خاتم الانبیاء بھی اس قدر روئے کہ روتے روتے غش کر گئے۔ طرماح کہتے ہیں کہ مجھے بھی شدتِ گریہ سے غش آگیا۔ جب افاقہ ہوا تو اُن حضرات میں سے کسی کو نہ پایا۔ دیکھا کہ فقط لاشِ امامؑ خاک وخون میں غلطاں پڑی ہے۔

فضائلِ اشک، اُمِ کلثومؑ کا آوازِ جن سننا، ایک اسدی کا لاشہائے شہداء سے عجائبات دیکھنا

"عَنِ الصَّادِقِ اَنَّهُ قَالَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْعَاشِرِ مِنَ الْمُحَرَّمِ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ قَارُوْرَةٌ مِنَ الْبِلُّوْرِ الْاَبْيَضِ".

حدیث صحیح میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب روز عاشور ہوتا ہے تو ملائکہ آسمان سے نازل ہوتے ہیں او ہر فرشتہ کے پاس ایک بلور کا شیشہ ہوتا ہے۔

"فَيَدُوْرُوْنَ فِيْ كُلِّ بَيْتٍ وَمَجْلِسٍ يَبْكُوْنَ فِيْهِ عَلَى الْحُسَيْنِ".

وہ فرشتے ہر ایک گھر اور ہر ایک مجلس میں پھرتے ہیں جہاں مؤمنین فرزندِ زہراؑ کی مصیبت پر روتے ہیں۔

"فَيَجْتَمِعُوْنَ دُمُوْعَهُمْ فِيْ تِلْكَ الْقَوَارِيْرِ".

اُن کے آنسوؤں کو انہی شیشیوں میں جمع کرتے ہیں۔

فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ فَتَلْهَبُ نَارُ جَهَنَّمَ فَيَضْرِبُوْنَ مِنْ تِلْكَ الدُّمُوْعِ بِقَطْرَةٍ عَلَى النَّارِ.

جب روز قیامت ہوگا اور آتش جہنم شعلہ ور ہوگی تو وہ فرشتے انہی آنسوؤں میں سے ایک قطرہ اُس آگ میں ڈال دیں گے۔

"فَتَهْرَبُ النَّارُ عَنِ الْبَاكِيْ عَلَى الْحُسَيْنِ مَسِيْرَةَ

سِتِّيْنَ اَلْفَ فَرْسَخٍ".

فوراً آتش جہنم گریہ کنندگانِ امام حسینؑ سے ساٹھ ہزار فرسخ دور ہو جائے گی۔

"قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَ الْاَرْضُ".

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے،

"وَلَمَّا قُتِلَ حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ بَكَتِ السَّمَاءُ عَلَيْهِ"

کہ جب جناب امام حسینؑ شہید ہوئے، آسمان اُن کی مصیبت پر روئے۔

"وَبُكَاؤُهَا حُمْرَتُهَا".

اور آسمان کا رونا یہ ہے کہ شفق پر سرخی نمایاں ہوئی۔

ابن الجوزی کہتا ہے کہ ہمارے غضب کی علامت یہ ہے کہ جب غصہ میں آتے ہیں تو منہ سرخ ہو جاتا ہے اور خداوند عالم جسم سے منزہ ہے۔

فَاَظْهَرَ تَاْثِيْرَ غَضَبِهٖ عَلٰى مَنْ قَتَلَ الْحُسَيْنَ بِحُمْرَةِ الْاُفُقِ اِظْهَارَ الْعَظِيْمِ الْجِنَايَةِ"

اس لئے اللہ تعالیٰ نے سرخی شفق کے ساتھ قاتلانِ حسینؑ پر اپنے غضب کے اثر کو ظاہر کیا تاکہ وہ سمجھیں کہ اُن سے گناہِ عظیم سرزد ہوا ہے۔

نصرہ ازدیہ نے کہا کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو آسمان سے خون برستا تھا۔

"وَجِبَانُنَا وَجِرَارُنَا صَارَتْ دَمًا".

اور کنویں اور سب کوزوں میں پانی خون ہو گیا تھا۔

جناب اُم کلثومؑ فرماتی ہیں: بھائی کی شہادت کے بعد ذوالجناح کی آوازِ فریاد سن کر میں درِ خیمہ پر آئی تو دیکھا کہ وہ رہوار زین خالی، باگیں کٹی ہوئی، پیشانی لہو سے بھری ہوئی، جابجا تیر پیوست، سر جھکائے کھڑا رو رہا ہے۔ دیکھتے ہی مجھے تابِ ضبط نہ رہی۔

بے اختیار گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال کر چیخیں مارنے لگی۔ ناگاہ ایک جانب سے رونے کی آواز آئی اور کوئی رونے والا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ میں نے سنا کہ کوئی کہتا ہے:

"ہائے آقا! آپؑ شہید ہو گئے، میں نثار ہونے آیا تھا۔ قسمت نے اس سعادت سے محروم رکھا"۔

میں نے پوچھا: "خدا کے واسطے بتا کہ تو کون ہے؟"

اُس نے کہا: "میں بادشاہِ جنات ہوں۔ اپنے آقا حسینؑ ابن علیؑ کی نصرت کے واسطے آیا تھا مگر افسوس اس وقت صحرا میں پہنچا جب حضرتؑ شہید ہو چکے تھے"۔

یہ کہہ کر اُس نے فریاد کی: "یا اباعبداللہ! آپؑ پیاسے ہی دنیا سے سدھارے۔ ہائے حسینؑ! مرتے دم تک آپؑ کو ظالموں نے پانی نہ دیا"۔

ایک شخص قبیلہ بنی اسد کا بیان کرتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد جب مقتل سے ہوا آتی تھی تو مشک و عنبر کی ایک خوشبو ایسی معلوم ہوتی تھی جس سے دماغ معطر ہو جاتا تھا۔ میں نے مزید دیکھا کہ کچھ ستارے آسمان سے صحرا میں نازل ہوتے ہیں اور پھر صعود کر جاتے ہیں۔ میں تنہا تھا، کسی سے پوچھ نہ سکتا تھا اور انہی دنوں ہر روز غروبِ آفتاب کے بعد میں دیکھتا تھا کہ ایک شیر مغرب سے آتا ہے، خوف سے میں گھر چلا آتا تھا۔ پھر صبح کو جا کر دیکھتا تھا کہ وہی شیر مغرب کی طرف چلا جاتا ہے۔

جب کئی دن اسی طرح گزرے تو میں دل میں کہنے لگا کہ لوگ کہتے تھے کہ یہ خوارج ہیں۔ میں تو ان کی لاشوں سے ایسے اُمورِ عجیب دیکھتا ہوں۔ بے شک یہ لوگ خاصانِ خدا سے ہیں۔ آج رات یہیں گزارنی چاہئے تاکہ دیکھوں کہ کیا ہوتا ہے۔

بہرکیف جب شام ہوئی، حسبِ معمول وہ شیر دکھائی دیا۔ میں خوف سے کانپنے لگا اور سوچتا تھا کہ اگر اسے آدمیوں کا گوشت کھانا منظور ہوگا تو مجھے بھی ہلاک کر ڈالے گا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ وہ شیر میرے پہلو کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ مجھ سے کچھ معترض نہ ہوا۔

میں نے دیکھا کہ مقتلِ شہداء میں جا کر ایک ایک لاش کی بو سونگھتا ہے اور علیحدہ ہو جاتا ہے۔ صحرا میں اِدھر اُدھر جاتا ہے، جیسے کوئی کسی کو تلاش کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک ایسی لاشِ پاش پاش پر پہنچا جو نشیب میں قبلہ رُو سر کٹائے، لہو میں نہائے پڑی تھی اور اس حال میں بھی اُس جسدِ بے سر سے مثلِ آفتاب ایک نور ساطع تھا۔ وہ شیر اُس گلوئے بریدہ کو منہ پر مل مل کے خوشبو سونگھنے لگا اور اس بیتابی سے رونے لگا جیسے ماں باپ جوان بیٹے کی لاش پر روتے ہیں۔ اُس کی فریاد سن کر میرا بھی دل پھٹا جا رہا تھا۔ جب تھوڑی رات گزری تو دیکھا کہ بہت سی شمعیں خود بخود روشن ہو گئیں اور وہ جنگل لوگوں سے بھر گیا۔

"وَاذَابِبُكَاءٍ وَنَحِيبٍ وَلَطْمٍ"۔

اور ہر طرف سے سینہ زنی اور رونے پیٹنے کی صدائیں آنے لگیں۔

اُن میں سے ایک شخص کی آواز سمجھ میں آئی۔ وہ کہتا تھا:

"وَاحُسَيْنَاهُ وَاقُرَّةَ عَيْنِ الرَّسُوْلِ وَالثَمَرَةَ فُؤَادِ الْبَتُوْلِ"

ہائے حسینؑ، نورِ چشمِ رسولؐ، ہائے جگر گوشۂ بتولؑ۔

"قَتَلُوْكَ وَمِنْ شُرْبِ الْمَاءِ مَنَعُوْكَ"

افسوس! ظالموں نے تجھے کس بیکسی سے قتل کیا اور مرتے دم ایک قطرہ پانی نہ دیا۔

یہ عجیب ماجرا اور صدائے دردناک سن کر میرے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا، دل ہلنے لگا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

غرض اُسی طرح کانپتا ہوا ان میں سے ایک شخص کے پاس گیا اور پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ کیوں ماتم کرتے ہو؟ کس پر روتے ہو؟

اُس نے کہا: ہم سب جنات کی عورتیں ہیں۔ خدا کے حکم سے رات بھر اُس مظلوم بیکس پر نوحہ کرتے ہیں جس کی لاشِ بے گور پر عزیزوں میں سے کوئی رونے والا نہیں۔

میں نے کہا: جس کو تم سب روتی ہو، اُس شہید کا نام کیا ہے؟

وہ بولی: آہ، آہ! کیا بتاؤں، اللہ کے پیارے نبی کا نواسہ حسینؑ ابن علیؑ ہے۔

میں نے پوچھا: ان لاشوں میں اُس غریب کی لاش کونسی ہے؟

اُس نے کہا: وہی ہے جس کے لہو کی خوشبو سونگھ سونگھ کر یہ شیر بیقرار ہو کر رو رہا ہے۔ تجھے یہ معلوم ہے کہ یہ شیر کون ہے؟ اسی صاحب لاش کا باپ شیر خدا علی مرتضیٰ ہے۔

یہ سن کر میں روتا پیٹتا منہ پر طمانچے مارتا ہوا اپنے گھر چلا آیا۔

رسولِ خدا کا گیسوہائے حسنینؑ کو دھونا، شمر کا سرِ امامؑ کو تخت کے نیچے رکھنا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ اِمَامَانِ قَامَا اَوْقَعَدَا".

جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا کہ ہمارے دونوں فرزند حسنؑ اور حسینؑ حجتِ خدا اور میری اُمت کے پیشوا ہیں، چاہے اعداء پر ظہور و خروج کریں، چاہے مناسب سمجھیں تو گوشہ میں بیٹھ جائیں اور جہاد نہ کریں۔ ہر حال میں یہ خلیفہ برحق ہیں۔

"رُوِیَ اَنَّ ذَاتَ یَوْمٍ خَرَجَ النَّبِیُّ اِلَی الْمَسْجِدِ وَ مَعَهُ اِبْنَاهُ الْحَسَنَانِ".

مجالس المتقین میں منقول ہے کہ ایک روز جنابِ رسولِ خدا بیت الشرف سے مسجد کو چلے اور آپؐ کے ساتھ دونوں نورِ عین یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ بھی تھے۔ ناگاہ اُس روز مدینہ منورہ میں ایسی ہوائے تند چلی کہ تمام گیسوہائے حسنینؑ غبار آلود ہو گئے۔ جب حبیبِ خدا نے اپنے نواسوں کے بالوں کو غبار آلود دیکھا تو حجرۂ جنابِ سیدہؑ میں تشریف لائے اور فرمایا:

"اے فاطمہؑ! جلد پانی لاؤ تا کہ میں حسنینؑ کے بالوں کو دھوؤں۔ مجھے گوارا نہیں کہ انؑ کی زلفوں کو غبار آلود دیکھوں"۔

جنابِ سیدہؑ نے فوراً پانی اور طشت حاضر کیا۔ ناگاہ جبرائیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی: "یا رسول اللہ! جنابِ احدیت آپ کو تحفۂ درود و سلام کے بعد فرماتا ہے: جس طرح آپ گیسوہائے حسنینؑ کو غبار آلود نہیں دیکھ سکتے، اسی طرح مجھے بھی گوارا نہیں ہے کہ انؑ کی

زلفوں کو گردآلود دیکھوں۔

"ہَلْ لاَ نُحِبُّ اَنْ یُغْسَلَ ذَوَائِبُهُمَا بِمَاءِ الدُّنْیَا".

بلکہ اس قدر بھی گوارا نہیں کہ ان کے مومبارک آب دنیا سے دھوئے جائیں۔

یاحضرتؐ! میں اس بات پر مامور ہوں کہ آپؐ کے نواسوں کی زلفیں دھونے کیلئے آبِ سلسبیل حاضر کروں"۔

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: "جس امر پر تم مامور ہوئے ہو، اُس کی تعمیل کرو"۔

فوراً جبرئیلؑ نے آسمان کی جانب پرواز کی اور جلد ایک طشت اور ایک آفتابہ آبِ سلسبیل سے بھرا ہوا لے کر حاضر ہوئے۔ رسولؐ خدا نے امام حسنؑ سے ابتداء کی اور اپنے فرزند کا عمامہ اُتارا اور ایک جانب کی زلف اپنے دستِ مبارک میں رکھی اور دوسری جانب کی جنابِ سیدہؑ کے دستِ حق پرست میں دی اور جبرئیلؑ آبِ سلسبیل گراتے جاتے تھے، یہاں تک کہ اُن گیسوہائے عنبرین کو غبار سے پاک کیا۔

"ثُمَّ دَعَی الْحُسَیْنَ فَقَالَ اِلَیَّ اِلَیَّ یَابُنَیَّ فَجَاءَ الْحُسَیْنُ نَاحُوَجَدِہٖ".

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے نورِ عین حسینؑ کو آواز دی: "اے فرزند! میرے پاس آؤ"۔

جب آپؑ قریب آئے تو پیغمبرؐ خدا نے چھوٹا سا عمامہ اپنے ہاتھوں سے اُتارا اور دونوں جانب کے گیسوہائے مشکیں کو اپنے دستِ مبارک میں لیا اور جبرئیلؑ سے فرمایا کہ پانی ڈالیں۔ جبرئیلؑ پانی ڈالنے لگے اور جنابِ رسولؐ خدا خود تنہا اپنے فرزند کے گیسو سے گردوغبار دھونے لگے۔ جنابِ سیدہؑ کو اس فرزند کے گیسو دھونے میں شریک نہ کیا۔

"فَنَظَرَ الرَّسُوْلُ اِلَی جِبْرَئِیْلَ فَرَاٰهُ یَنْظُرُ اِلَی ذَوَائِبِ الْحُسَیْنِ وَدُمُوْعُهُ تَسِیْلُ عَلٰی خَدِّهٖ".

اسی اثناء میں حضرتؐ کی نگاہ جبرئیلؑ کی جانب جو پڑی تو دیکھا کہ پانی ڈالتے جاتے ہیں اور بنظرِ حسرت اُن زلف ہائے عنبرین کو دیکھ کر روتے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "یااخی! کیا سبب ہے کہ تم میرے فرزند حسنؑ کے زلف دھوتے وقت تو بہت خوش تھے اور اب میرے اس دل بند حسینؑ کی زلف دھونے میں روتے ہو؟"

"قَالَ جِبْرَئِیْلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَبَبُ بُکَائِیْ اَنِّیْ تَذَکَّرْتُ اَمْرًا مَکْنُوْنًا مَحْتُوْمًا وَاقِعًا عَلَی الْحُسَیْنِ"

"جبرئیلؑ نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! رونے کا سبب یہ ہے کہ میں نے اُس واقعہ کو یاد کیا ہے جو علمِ الٰہی میں گزرا ہے اور وہ ضرور آپؐ کے فرزند حسینؑ پر گزرنے والا ہے۔ ہم مناسب نہیں جانتے کہ اُس واقعہ سے اس وقت آپ کو مطلع کریں کہ آپؐ کے حزن وملال کا موجب ہوگا"۔

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: "اے جبرئیلؑ! تمہارے حزن وملال نے مجھے محزون کیا، لازم ہے کہ مجھے اُس کیفیت سے مطلع کرو"۔

جبرئیلؑ نے عرض کی: "میں نے اُس واقعہ کو یاد کیا جو آپؐ کے حسینؑ پر اور انؑ کی انہی زلفوں پر گزرنے والا ہے۔

یارسولؐ اللہ! آج تو اتنی خاک اپنے حسینؑ کی زلفوں پر پڑنے سے آپؐ بیقرار ہو گئے اور پروردگارِ عالم نے بھی گوارا نہ کیا کہ آبِ دُنیا سے یہ گیسوہائے عنبرین دھوئے جائیں۔ مجھے حکم ہوا کہ آبِ سلسبیل جلد لے کر حاضر ہو جاؤں اور یہ اہتمام ان زلفوں کے دھونے میں ہو رہا ہے، یہاں تک کہ آپؐ نے گوارا نہ فرمایا کہ جنابِ سیدہؑ بھی حسینؑ کی زلف دھونے میں شریک ہوں۔

"وَلٰکِنْ سَیَاتِیْ عَلَیْهِ یَوْمٌ یُقْطَعُ هٰذَا الرَّاْسُ مِنَ الْقَفَاءِ وَیُرْفَعُ عَلَی الْقَنَاةِ".

مگر یا حضرتؑ! ایک روز ایسا آئے گا کہ یہی سر گردن کے پیچھے سے تین دن کی بھوک اور پیاس میں جدا کیا جائے گا اور نوکِ نیزہ پر نصب ہوگا اور یہ زلفِ عنبرین اسی فرزند کے خون سے آلودہ ہوگی، چوبِ سناں سے باندھی جائے گی، ہوا سے رخساروں پر پریشان ہوگی، یہ سرِ مبارک شہروں میں، قریوں میں، بازاروں میں پھرایا جائے گا اور یہ گیسوہائے مشکیں ہر دیار کے گرد و غبار سے اَٹ جائیں گے"۔

مومنین! مقامِ تصور ہے کہ جب وہ زمانہ یاد آیا ہوگا جس کی جبرئیلؑ نے خبر دی تھی تو اُس وقت رسولؐ خدا اور جنابِ سیدہؑ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ آہ! وہی زلفیں کبھی چوبِ سناں سے باندھی جاتی تھیں، کبھی شمر کے، کبھی خولی کے ہاتھ میں رہتی تھیں۔

"وَوَضَعُوْهُ تَارَةً فِي التَّنُّوْرِ وَصَلَبُوْهُ اُخْرىٰ عَلٰى اَبْوَابِ الدُّوْرِ وَعَلَّقُوْهُ تَارَةً عَلٰى غُصْنِ الْاَشْجَارِ"

اور وہی سر کبھی نوکِ نیزہ پر بلند ہوتا تھا، کبھی نیزہ سے اُتار کر تنور میں رکھا جاتا تھا، کبھی درختوں کی شاخوں میں لٹکایا جاتا تھا، کبھی صندوق میں بند ہوتا تھا، کبھی دروازہ ہائے بلند پر آویزاں ہوتا تھا، کبھی شمر کے گھر چھپایا جاتا تھا۔

چنانچہ شہیدِ ثالث کتاب مجالس المتقین میں لکھتے ہیں کہ شمر ملعون نے امامِ مظلوم کا سر اپنے خانۂ نجس میں لا کر اُس برتن کے نیچے، جس میں کپڑے دھویا کرتا تھا، چھپا دیا۔ شب کو اُس کی زوجہ نے دیکھا کہ ایک نور اُس حجرہ سے آسمان تک ساطع ہے اور برتن کے نیچے سے ایک نحیف و دردناک آواز ایسی آتی ہے جیسے کوئی اپنے جوان بیٹے کے ماتم میں رو رہا ہو۔ یہ سنتے ہی دل ٹکڑے ہو گیا۔ شمر سے پوچھنے لگی: اس برتن کے نیچے تو نے کیا چیز رکھی ہے جس سے یہ آوازِ گریہ آتی ہے؟

"فَقَالَ ذٰلِكَ رَاْسُ خَارِجِيٍّ قَتَلْتُهٗ بِاَمْرِ ابْنِ زِيَادٍ وَ اُذْهِبُهٗ هَدِيَّةً اِلٰى يَزِيْدَ لِحُصُوْلِ الْجَائِزَةِ مِنْهُ"۔

وہ بولا کہ ایک خارجی کا سر ہے۔ کل ابن زیاد کے پاس لے جا کر انعام لوں گا۔

اُس نے پوچھا کہ اس مقتول کا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: حسینؑ ابن علیؑ۔

وہ مومنہ سنتے ہی چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو کہنے لگی: تجھ پر خدا کی لعنت ہو، اسلام کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کر کے نازاں بھی ہوتا ہے۔

یہ کہہ کر دوڑی اور سر کو برتن سے آغوش میں لے لیا اور رو کر کہنے لگی: ہائے آقا! کنیز کو خبر نہ تھی کہ آپؑ اس حال سے کنیز کے گھر تشریف لائے ہیں!

"يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ قَبْلَ الْيَوْمِ عَمْيَاً"

کاش کہ آنکھیں نابینا ہوتیں کہ میں حضرتؑ کو اس طرح نہ دیکھتی۔

اُس مومنہ نے زنانِ محلہ سے جا کر کہا کہ بیبیو! فرزندِ رسولؐ کا سر میرے گھر مہمان آیا ہے، چلو صفِ ماتم بچھا کر روئیں پیٹیں اور جنابِ سیدہؑ کی روح کو پرسہ دیں۔

غرض وہ عورتیں جمع ہوئیں اور سب نے ایسا ماتم کیا کہ غش کھا کھا کر زمین پر گر پڑیں۔ وہ مومنہ کہتی ہے کہ اُسی بیہوشی کے عالم میں میں نے دیکھا کہ گھر کی دیوار شق ہوگئی اور ایک نور کی عماری آسمان سے اُتری۔ اُس میں سے دو سیاہ پوش بیبیاں نورانی صورت والی فریاد کرتی ہوئی نکلیں اور میری گود سے سرِ انور کو لے کر اپنے سینوں سے لگایا اور بہت گریہ و بکا کیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیبیاں کون ہیں؟ ہاتف نے آواز دی کہ ایک خدیجہ کبریٰؑ، ایک فاطمہ زہراؑ ہیں۔

اس کے بعد کئی نورانی چہروں والے مرد تشریف لائے۔ جب اُن کے بارے میں دریافت کیا تو ہاتف نے کہا کہ جنابِ رسولؐ خدا اپنے ہمراہ جعفرِ طیارؑ، حمزہؑ اور حیدرِ کرارؑ کو لے کر آئے ہیں۔ پس اُن حضرات نے باری باری اُس سرِ بریدہ کو اپنے سینوں سے لگایا اور رو رو کر بوسے دیئے۔ اس کے بعد جنابِ سیدہؑ میرے پاس آئیں اور فرمایا:

"اے مومنہ! مجھ پر تیرا بڑا احسان ہے کہ تو نے عورتوں کو جمع کر کے میرے ایسے

فرزندِ غریب پر گریہ وزاری کی جس کی رونے والی دُنیا میں نہ ماں ہے نہ باپ ہے۔ اگر چاہتی ہے کہ جنت میں میرے ساتھ ہو تو مستعد رہ۔

وہ مؤمنہ کہتی ہے کہ جب مجھے غش سے افاقہ ہوا تو امام کا سر اپنی آغوش میں پایا۔

راوی کہتا ہے کہ صبح کو جب شمر نے سر طلب کیا تو مؤمنہ نے کہا: جب تک میری جان میں جان ہے، ہرگز نہ دوں گی۔

اُس ملعون نے غضبناک ہو کر اپنی زوجہ کو قتل کر دیا اور امام علیہ السلام کے سرِ مطہر کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

فضائلِ جنابِ سیدہؑ، اُن معصومہؑ کا بزمِ عروسی میں تشریف لے جانا اور روایتِ اُمِ حبیبہ

"فِی الْبِحَارِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّ فَاطِمَۃَ اِبْنَتِیْ سَیِّدَۃُ نِسَآءِ الْعَالَمِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ".

کتاب بحار الانوار میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جنابِ رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ بہ تحقیق فاطمہ زہراؑ میری بیٹی تمام عالم گزشتہ یا آئندہ عورتوں کی سردار ہے۔

"وَہِیَ بَضْعَۃٌ مِنِّیْ وَہِیَ نُوْرُ عَیْنِیْ وَہِیَ ثَمَرَۃُ فُؤَادِیْ وَہِیَ رُوْحِیْ وَہِیَ الْحَوْرَآءُ الْاِنْسِیَّۃُ".

اور فاطمہؑ میرے بدن کا ایک ٹکڑا ہے، میری آنکھوں کا نور ہے، میرے دل کا میوہ ہے اور انسان کی صورت میں حور ہے۔

رُوِیَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَانَ ذَاتَ یَوْمٍ جَالِسًا فِی الْمَسْجِدِ اِذْ دَخَلَ عَلَیْہِ جَمَاعَۃٌ مِنْ سَادَۃِ الْعَرَبِ،

منقول ہے کہ ایک روز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے، عرب کی ایک جماعت نے آ کر عرض کی:

"ہمارے یہاں عروسی کی تقریب ہے، آنحضرتؐ کے اخلاقِ عظیم سے اُمیدوار تھا کہ آپ ارشاد فرمائیں کہ جنابِ سیدہؑ تکلیف کر کے اپنے قدم شریف سے ہمارے گھروں کو منور فرمائیں"۔

حضرتؐ نے جواب دیا: "فاطمہؑ کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

یہ فرما کر اُٹھے اور دولت سرا میں آ کر اُن معصومہؑ سے ارشاد کیا کہ اس وقت رؤسائے عرب میرے پاس آئے تھے، تمہاری مہمانی کی آرزو رکھتے ہیں۔ چاہو تو جاؤ اور اُن کے سخت دلوں کو نرم کرو۔

"فَقَالَتْ فَاطِمَةُ اَمْرُکَ عَلٰی عَیْنِیْ وَرَاسِیْ لٰکِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّہٗ لَیْسَ مُرَادُھُمْ بِقُدُوْمِیْ تَزَیُّنَ بُیُوْتِھِمْ بَلْ یَطْلُبُوْنَ لِلْاِسْتِھْزَآءِ وَالسُّخْرِیَۃِ".

جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے یہ پیغام سن کر عرض کی: "بابا جان! آپ کا حکم میرے سر آنکھوں پر لیکن میں جانتی ہوں کہ اُن کی مراد میری دعوت سے اپنے گھروں کی زینت نہیں بلکہ اُن کا طلب کرنا فقط استہزاء و ذلت کے واسطے ہے کہ اُن کی عورتیں جامہ ہائے فاخرہ اور لباسِ حریر و دیبا پہنے ہیں اور طرح طرح کے زیورات سے مزین و آراستہ ہیں لیکن میرے پاس اس پیوند دار چادرِ کہنہ اور پھٹے ہوئے لباس کے اور کچھ نہیں۔

بابا جان! میں اس حالت میں کیونکر خانۂ شادی میں جاؤں؟"

"فَلَمَّا سَمِعَ النَّبِیُّ کَلَامَھَا اِغْتَمَّ قَلْبُہٗ وَبَکٰی".

اس کلام کو سن کر جنابِ رسولِ خداؐ بے اختیار رونے لگے۔ ناگاہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی: "یا رسول اللہؐ! پروردگارِ عالم تحفۂ درود و سلام کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ آپؐ فاطمہؑ کو اسی لباسِ کہنہ و بوسیدہ میں بھیجیں اور ہمارا فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہے"۔

آنحضرتؐ نے پیامِ خدا جنابِ فاطمہ زہراؑ سے بیان فرمایا۔ آپؑ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اُس کے حکم کی تصدیق کی۔

"فَخَرَجَتْ فَاطِمَةُ وَمَشَتْ سَبْعَةَ اَقْدَامٍ".

غرض جنابِ سیدہؑ نے وہی لباسِ بوسیدہ اور وہی چادرِ کہنہ، جس میں جا بجا خرما

کے پیوند تھے، پہنے اور دولت سرا سے خانۂ شادی میں چلیں۔ سات قدم بیت الشرف سے بڑھی تھیں کہ جبرئیلؑ حلۂ بہشت اور زیورِ جنت اور ایک لاکھ حوروں کو ساتھ لئے نازل ہوئے اور جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اُس لباس و زیور سے آراستہ کیا۔

وَاِنَّ بَنَاتَھَا فِی الْکَرْبَلَاءِ
خَرَجْنَ مِنَ الْخِیَامِ بِلَا رِدَآءٍ

افسوس کہ ایک دن تو جنابِ سیدہؑ کا یہ مرتبہ تھا اور ایک دن اُنہی معظمہؑ کی بیٹیاں صحرائے کربلا میں اپنے خیموں سے اس طرح نکلیں کہ سروں پر چادریں تک نہ تھیں۔

بہر کیف اُنہیں حوروں نے چاروں طرف سے حلقہ میں لے لیا اور تقدیس و تہلیل کرتی ہوئی معصومہؑ کو خانۂ عروس تک پہنچایا۔ سب لوگ منتظر تھے، دیکھتے ہی استقبال کو دوڑے۔ اُن لوگوں نے یہ سامان کب دیکھا تھا؟ اُن لاکھ کنیزوں میں ایک کا بھی روئے زمین پر نظیر نہ تھا۔

بہت سی عورتیں غش کر گئیں۔ غرض جب آپؑ نے اُس گھر میں آ کر جلوہ فرمایا تو سب عورتیں سجدۂ تعظیمی کرنے لگیں اور بوئے جنت سے ہر ایک کو غش آنے لگا۔ خصوصاً عروس پر اس طرح کی غشی طاری ہوئی کہ اُسی عالمِ مدہوشی میں مر گئی۔

پس وہ خانۂ شادی خانۂ ماتم ہو گیا۔ جب جنابِ فاطمہؑ نے یہ حال مشاہدہ فرمایا تو بہت صدمہ ہوا۔ بی بیؑ نے تجدیدِ وضو فرمائی اور دو رکعت نماز پڑھی اور سر سجدۂ خالق میں بکمالِ خضوع و خشوع رکھ کر عرض کیا:

"اے میرے معبود اور اے موت کے بعد زندہ کرنے والے! واسطہ محمدؐ اور علیؑ کا، اس عروس کو زندہ کر دے"۔

ابھی اُس طاہرہ صدیقہؑ نے سر سجدہ سے نہ اُٹھایا تھا کہ عروس زندہ ہو گئی اور اُسے ایک چھینک آئی۔ اُس نے کہا:

"اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ".

اور معظمہ بی بی کی طرف دیکھ کر کہنے لگی:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ".

سلام ہو آپؑ پر اے دختر رسولؐ خدا۔ آپؑ کے پدر بزرگوار پیغمبرؐ خدا اور جناب امیر علیہ السلام وصی برحق ہیں۔ بت پرست باطل پر ہیں اور میں صدق دل سے کہتی ہوں:

"اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّہٗ وَوَزِیْرُہٗ"

اس کے بعد سات سو عورت و مرد ایمان لائے اور جواہرات کو بی بی پر سے نثار کیا۔ ایک کنیز کمسن جناب فاطمہؑ کو نذر دی۔ آپؑ اُس کنیز کو اپنے ساتھ لے کر عصمت سرا میں تشریف لائیں اور سب حال مفصل جناب رسالت مآبؐ سے بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے سن کر سجدہ شکر ادا کیا اور اُس کنیز کا نام جناب فاطمہؑ نے اُم حبیبہ رکھا۔

پس اُم حبیبہ ہمیشہ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور جناب زینبؑ و اُم کلثومؑ کے ساتھ رہا کرتی تھی، یہاں تک کہ جناب فاطمہؑ نے وقت رحلت جناب امیرؑ کے سپرد کیا۔ جناب امیر علیہ السلام نے بھی اُس کا ہمیشہ خیال رکھا۔

جب حضرت علی علیہ السلام کو خلافت ظاہری ملی تو کوفہ میں ابن حارث کے ساتھ اُم حبیبہ کی شادی کر دی۔ جناب امیرؑ نے مسجد کوفہ میں شہادت پائی اور اہل بیتؑ مدینہ میں اور پھر قبر رسولؐ پر آ کر مجاور ہوئے۔ اُم حبیبہ نے لڑکپن سے اہل بیتؑ کے ساتھ پرورش پائی تھی۔ دفعتاً ساتھ چھوٹا تو کسی وقت قرار نہ آتا تھا۔ راتوں کو، دنوں کو رویا کرتی تھی اور برابر مدینہ کی خبر لوگوں سے پوچھا کرتی تھی، یہاں تک کہ شہادت امام حسنؑ کی خبر پائی تو خواب و خور حرام ہو گیا۔ زلفوں میں کنگھی کرنا، آنکھوں میں سرمہ لگانا چھوڑ دیا۔

چالیس روز سوگ میں بیٹھی۔ اُس دن سے برابر یہ دعا کرتی تھی: "خداوندا! پنجتن

میں ایک دم حسینؑ کا باقی ہے، اُنؑ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنا"۔

دس برس نہ گزرے تھے کہ حضرتؑ سے بھی زمانہ پھر گیا۔ نانا کی قبر، ماں کی لحد سے چھوٹ کر خدا کے گھر میں پناہ لی۔ وہاں بھی چین نہ پایا۔ کربلا کے جنگل میں چند قبروں کی جگہ خرید لی اور چاہا کہ اہل دنیا سے جدا ہو کر اسی صحرا میں آرام سے زندگی بسر کریں۔ وہاں بھی امان نہ ملی۔

دو دن نہ گزرے تھے کہ فوج پر فوج کوفہ سے آنے لگی۔ مدینہ کے مسافر پر لاکھوں دشمنوں کی چڑھائی ہوئی۔ تین روز پانی بند رہا۔ دسویں محرم کو دوپہر میں گھر کا گھر صاف ہو گیا۔ عصر کے وقت پنجتن کا خاتمہ ہوا۔ عالم کی شہزادیاں اعداء کے لشکر میں قید ہو گئیں۔

یہ سب کچھ ہو گیا مگر اُم حبیبہ کو خبر نہ ہوئی۔ ایک روز اُم حبیبہ اپنے گھر میں بیٹھی تھی کہ ایک شور و غوغا کوفہ میں بلند ہوا۔ چند عورتوں نے آ کر کہا کہ کچھ قیدی اور کچھ سرہائے بریدہ شہر میں آئے ہیں، تماشا دیکھنے چلو گی؟

"قَالَتْ اُمُّ حَبِیْبَۃَ مَنَعَتْنِیْ سَیِّدَتِیْ فَاطِمَۃُ اَنْ لَّا اَنْظُرَ اِلَی الْاُسَرَآءِ".

اُس نے کہا: میری بی بی جناب فاطمہ زہراؑ نے مجھے منع کیا ہے کہ قیدیوں کا تماشا نہ دیکھنا۔

اُنہوں نے کہا کہ ان اسیروں کے دیکھنے کا مضائقہ نہیں ہے کہ یہ قیدی اور سر اُن کے ہیں جنہوں نے امیر شام پر خروج کیا تھا۔

اُم حبیبہ نے کہا کہ میرا شوہر موجود نہیں ہے۔ اُس کی اجازت کے بغیر نہ جاؤں گی۔ اُن عورتوں کہا کہ باہر نہ جاؤ، تمہارا کوٹھا سر راہ ہے، اُس پر سے دیکھ لو۔

پس وہ اُم حبیبہ کو لے کر بالائے بام بیٹھیں۔ دیکھا کہ بہت سے پیادے اور سوار تلواریں کھینچے ہوئے، نیزے بلند کئے ہوئے آگے آگے چلے آ رہے ہیں۔

"وَخَلْفَهُمْ رُؤُسٌ مَرْفُوعَةٌ عَلَى الْقَنَا وَمُقَدَّمُهُمْ رَاسٌ نُوْرَانِيٌّ".

اور اُن کے پیچھے کچھ بچوں کے، کچھ جوانوں کے اٹھارہ سر نیزوں پر اس طرح بلند ہیں کہ کسی کے گیسو غبار آلودہ، کسی کے بال خون میں بھرے چوبِ سناں سے بندھے ہیں۔ بھولی بھولی صورتوں اور گورے گورے چہروں پر جابجا خون لگا ہوا ہے اور ایک نیزۂ طویل پر ایک سرِ انور جس کی آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے، ہونٹ سوکھے ہوئے، نصب ہے اور ریش مقدس ہوا سے ہلتی ہے۔

اُم حبیبہ غور سے دیکھنے لگی مگر ایسا خاک و خون میں بھرا ہوا تھا کہ نہ پہچان سکی۔ دل میں کہتی تھی: "میں نے یہ صورت کہیں دیکھی ہے"۔

"اِذْرَاَتْ عِشْرِيْنَ نِسْوَةً كَسَبِي الرُّوْمِ وَالتُّرْكِ وَقَدْ غَيَّرَتْ وُجُوْهُهُنَّ مِنْ اَثَرِ الشَّمْسِ وَالْحَرِّ وَ خُدُوْدُهُنَّ مِنْ اَثَرِ اللَّطْمِ وَالدُّمُوْعُ تَسِيْلُ".

ناگاہ چند ناقے دیکھے کہ اُن پر بیس بیبیاں ترک و روم کی کنیزوں کی طرح سوار ہیں۔ اُن کے چہرے حرارتِ آفتاب سے متغیر اور رُخسار منہ پیٹنے سے نیلے ہو گئے ہیں۔ سر برہنہ، بال بکھرائے روتی پیٹتی چلی آ رہی ہیں۔

"وَمُقَدَّمُهُنَّ مَرِيْضٌ عَلِيْلٌ عَلَى بَعِيْرٍ بِغَيْرِ وِطَاءٍ".

اور اُن کجاووں کے آگے دیکھا کہ ایک بیمار بزرگ، زرد رنگ، ایک لاغر شتر پر طوق و زنجیر میں اس طرح جکڑا ہے کہ اُس کے ہاتھ پسِ گردن سے اور اُس کے پاؤں اونٹ کے پیٹ سے بندھے ہیں۔ راستے کے نشیب و فراز، اونٹ کی تکان، حلقۂ آہن کی رگڑ سے ہڈیوں تک گوشت اُڑ گیا ہے اور برابر خون جاری ہے۔

اُم حبیبہ کا دل سر کو دیکھنے سے بھر آیا تھا۔ جونہی اس بیمار کو دیکھا تو رو کر پوچھنے لگی:

"اے ناتواں اور بیمار! تو کس خاندان سے ہے؟"

اُس نے باآوازِ نحیف فرمایا: "میں گرانیِ طوق سے اچھی طرح تکلم نہیں کر سکتا، ان بیبیوں سے جو کچھ پوچھنا ہو، پوچھ لے"۔

جیسے ہی بیبیوں کے اونٹ قریب پہنچے، اُم حبیبہ پوچھنے لگی: "اے قیدیو! تم کس قبیلہ سے ہو؟"

اتفاقاً اُس اونٹ پر جنابِ زینبؑ، جنابِ سکینہؑ کو گود میں لئے سوار تھیں۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ ہے کہ جب اُن بیکسوں کے اونٹ اُم حبیبہ کے سامنے پہنچے، اُس وقت جنابِ سکینہؑ ایسی پیاسی تھیں کہ ایک ایک سے پانی مانگ رہی تھیں۔ اُم حبیبہ بیتاب ہو گئی اور کہنے لگی:

"اے بچی! صبر کر، ابھی پانی لاتی ہوں"۔

فوراً پانی لائی اور عرض کی: "اے قیدیو! میں چاہتی ہوں کہ یہ صاحبزادیؑ میرے واسطے دو دعائیں کرے کہ ایسے بیکس اور یتیم کی دعا جلد قبول ہوتی ہے"۔

جنابِ سکینہؑ نے چاہا کہ پانی پئیں، جنابِ زینبؑ نے فرمایا "اے بیٹی! ٹھہر جاؤ، پہلے اس عورت سے دونوں دعاؤں کو پوچھ لو"۔

جنابِ سکینہؑ نے پوچھا کہ تو کیا حاجت رکھتی ہے؟ اُس نے کہا:

"پہلی حاجت یہ ہے کہ دعا کرو کہ خدا میرے بچوں کو اس طرح یتیم نہ کرے جس طرح تم یتیم ہو گئی ہو اور دوسری دعا یہ ہے کہ خداوندِ عالم مجھ کو بہت جلد میری شہزادی زینبؑ کی زیارت سے مشرف کرے کہ میں اُن کی زیارت کی مشتاق ہوں"۔

اُس وقت جنابِ زینبؑ نے پہچانا کہ یہ اُم حبیبہ ہے۔ کہنے لگیں:

"کیا تو نے بھی زینبؑ کو دیکھا ہے؟"

"اِنْ تَرَىٰ زَيْنَبَ فَتَعْرِفِيْنَهَا"

اگراب تو زینبؑ کو دیکھے تو پہچان لے گی؟

اُس نے کہا: "کیوں نہ پہچانوں گی؟ میں اُنؑ کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں اور برسوں اُنؑ کی خدمت میں رہی ہوں"۔

پھر جنابِ زینبؑ نے مکرر پوچھا: "اے ضعیفہ! تو زینبؑ کو دیکھ کر پہچانے گی؟"

اُس نے کہا: "بے شک پہچانوں گی"۔

اس وقت جنابِ زینبؑ کو تابِ ضبط نہ رہی۔ رو کر فرمایا:

"تو نے کہاں پہچانا؟"

"اَنَا زَیْنَبُ بِنْتُ عَلِیٍّ وَفَاطِمَةَ"۔

"اے اُمِ حبیبہ! جس کی تو مشتاقِ زیارت ہے، میں وہی زینبؑ دخترِ علیؑ و فاطمہؑ ہوں کہ نہ سر پر چادر ہے نہ مقنعہ بلکہ بغیر کجاوہ اونٹ پر برہنہ سر زینبؑ تیرے سامنے موجود ہے اور تو نے مجھ کو نہ پہچانا؟

اے اُمِ حبیبہ! مدینہ ویران ہوگیا۔ بھائی مارے گئے۔ ہم لوٹ لئے گئے۔ تیرے آقا کا سر نیزہ کی نوک پر تیرے آگے سے گزر گیا، تو نے نہ پہچانا؟ جسم بے سر کربلا کی جلتی ریت پر بے گور و کفن پڑا ہے۔ موت ہمارے گھر کو کھا گئی۔ ایک فرزند بیمارؑ جو طوق و زنجیر میں جکڑا آگے چلا جا رہا ہے، سوائے اُس کے مردوں میں کوئی باقی نہ رہا"۔

یہ سنتے ہی اُمِ حبیبہ نے اپنے تئیں اس قدر پیٹا کہ غش کھا کر کوٹھے سے زمین پر گر پڑی اور اُس کا سر شق ہوگیا۔ اسی صدمہ سے وہ راہیِ جنت ہوگئی۔

ایک عالم کا فکر و خوابِ زنِ فاحشہ کی نجات، اہلِ بیتؑ کا کوفہ پہنچنا، روایتِ زید بن ارقم

"قَالَ الصَّادِقُ مَنْ ذَکَرَنَا اَوْ ذُکِرْنَا عِنْدَهُ فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ حَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَلَی النَّارِ"۔

معصومِ ناطق جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو مومن ہمارے مصائب یاد کرے یا سنے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو نکلے، خدا آتشِ دوزخ اُس پر حرام کر دیتا ہے۔

صاحبِ سرور المومنین لکھتے ہیں کہ ایک عالم رات کے وقت موت کے خیالات اور قبر کے حالات اور اپنے وسیلہ نجات کے بارے میں متفکر ہوا۔ پہلے اپنی نماز و عبادت کو وسیلہ آمرزش سمجھا مگر بنظرِ انصاف جو غور کیا تو ایک سجدہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہ بجا لایا تھا۔ روزہ کی طرف خیال کیا، اُس کو بھی محض فاقہ پایا۔ پھر حج کا تصور کیا، اُس کو بھی باعثِ شہرت و نام آوری سمجھ کر ریا سے خالی نہ پایا۔

آخر سوچا کہ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر رونا اور رُلانا اگرچہ سببِ رستگاری ہے کیونکہ اُنؑ کے جدِ بزرگوار نے فرمایا ہے:

"مَنْ بَکٰی اَوْ اَبْکٰی اَوْ تَبَاکٰی وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ"۔

یعنی جو شخص روئے یا رُلائے یا اپنے تئیں رونے والوں کی صورت بنائے، ان سب پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔

شکر ادا کیا کہ مجھ سے اکثر یہ افعالِ خیر مآل سرزد ہوئے ہیں۔ یہ سوچ کر دل کو قرار آیا اور سو گیا۔ عالمِ خواب میں دیکھا کہ مر گیا ہوں، اہل و عیال کو روتے پیٹتے قبر تک لے

گئے اور دفن کر دیا۔ قبر کی تنہائی، احباب کی جدائی سے مضطر تھا، ناگاہ نکیرین گرز ہائے آتشیں لئے پائین قبر سے ظاہر ہوئے اور سوال کیا کہ تیرا خدا اور رسولؐ کون ہے؟

میں نے جواب باصواب دیا۔ اتنے میں دیکھا کہ ساری قبر نور سے معمور ہو گئی ہے اور وہ فرشتے مؤدب ہو کر خاموش ہو گئے۔ مجھے حیرت ہوئی، جرأت کر کے پوچھا کہ امامؑ کا سوال کیوں نہیں کرتے؟

اُنہوں نے میرے سر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک بزرگ نورانی چہرہ، چودہویں کے چاند کی طرح، اُنؑ کی پیشانی تاباں و درخشاں مگر اُنؑ کا بدن مبارک تیروں سے مشبک ہے۔

نکیرین سے فرماتے ہیں: یہ شخص ہمارا عزادار ہے، اس سے بہ تلطف ومدارا پوچھو اور مجھ سے مہربانی سے فرماتے ہیں:

"تو پریشان ومضطر نہ ہو، اُمیدوار رحمت پروردگار رہ"۔

یہ فرما کر نظر سے پوشیدہ ہو گئے۔ میں عالم وجد میں خواب سے چونک پڑا اور بابِ تعزیہ داری میں میرا عقیدہ زیادہ سے زیادہ ہو گیا۔

کتب معتبرہ میں منقول ہے کہ ایک زنِ فاحشہ مدینہ میں رہتی تھی اور اُس کے ہمسائے میں ایک دیندار مرد تھا۔ اُس کے یہاں اکثر جناب سیدؑ الشہداء کی مجلس منعقد ہوا کرتی تھی۔ ایک دن اُس دیندار نے اپنے غلام سے کہا کہ اہل مجلس کیلئے کچھ کھانا پکا کر رکھ۔

غرض مؤمنین مجلس میں آ کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ یہ غلام بھی جلد جلد سامان درست کر کے، کھانا آگ پر چڑھا کے رونے میں مصروف ہوا۔ وہ عورت آگ لینے اس مکان میں آئی، دیکھا کہ آگ ٹھنڈی ہے، پھونکنے لگی، لکڑیاں درست کرنے لگی، یہاں تک کہ پھونکتے پھونکتے ہاتھ جل گیا، آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

بہر کیف آنچ لگا کر بقدر حاجت آگ لے کر چلی گئی۔ جب دو پہر کو سوئی تو عالم

خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ قیامت قائم ہے، فرشتے اُس کے گلے میں آتشیں زنجیریں ڈالے ہوئے کھینچتے چلے جا رہے ہیں اور کہتے ہیں: "وائے ہو تجھ پر اے زانیہ! خدا تجھ پر غضبناک ہے"۔

یہ عورت ہر چند فریاد کرتی ہے، کوئی اُس کی فریاد کو نہیں پہنچتا۔ آخر کشاں کشاں جہنم کے کنارہ تک لے گئے کہ اُسے آگ میں ڈال دیں۔ ناگاہ ایک بزرگوار تشریف لائے اور کہنے لگے: "اسے کیوں ایذا دیتے ہو؟ چھوڑ دو"۔

ملائکہ نے عرض کی "ہمیں اس کو جہنم میں ڈال دینے کا حکم ہے، آپ اسے کیوں بچاتے ہیں؟"

فرمایا: "کیونکر نہ بچاؤں کہ یہ اُس مکان میں گئی تھی جہاں مجھے لوگ روتے تھے اور میرے رونے والوں کے کھانا پکانے کی اعانت میں اس نے کیسی مشقت اُٹھائی کہ ہاتھ جل گئے، آنکھوں سے آنسو نکل آئے"۔

یہ سنتے ہی فرشتے الگ ہو گئے۔ اُس عورت نے جو نجات پائی تو دوڑ کر قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کی: "اس قدم پر فدا ہوں، آپ کون ہیں جو اس وقت میرے کام آئے؟"

"قَالَ اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ".

"فرمایا کہ میں وہی حسینؑ ابن علیؑ ہوں جس کے عزاداروں کی خدمت کرنے میں تیرے ہاتھ جلے ہیں۔ وہی بیکس ہوں جو کربلا میں بھوکا پیاسا ذبح کیا گیا"۔

یہ خواب دیکھ کر وہ عورت جاگ اُٹھی اور روتی ہوئی اُس مکان میں جا کر اہل مجلس سے ماجرا بیان کیا۔ ساری مجلس میں شور واویلا بلند ہوا۔ وہ عورت بھی خوب روئی اور سب کے سامنے اپنے افعال قبیحہ سے تائب ہوئی۔

مؤمنین! جو امامؑ ایسا فریادرس ہو، افسوس کہ کربلا میں عزیز وانصار کی شہادت کے بعد ایک ایک سے فریاد کرتا تھا اور کوئی اُس کی فریاد کو نہ پہنچتا تھا۔ کبھی فرماتے تھے:

"اَمَامِنْ مُجِيْرٍ يُجِيْرُنَا".

"آیا کوئی پناہ دینے والا ہے کہ ہمیں پناہ دے؟"

کبھی فرماتے تھے:

"اَمَامِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا".

"آیا کوئی فریادرس ہے کہ ہماری فریاد کو پہنچے؟"

اللہ اللہ! اشقیاء کیسے بے رحم تھے کہ رحم کے بدلے مزید ظلم پر آمادہ ہوتے تھے۔ جواب میں تیر برساتے تھے، تلواریں مارتے تھے۔

خیال کیجئے کہ مشکل کشائے عالم کے فرزندؑ پر کیا مصیبت کا وقت تھا۔ اُدھر تو سواروں اور پیادوں کی یہ کثرت کہ سارا میدان بھرا ہوا تھا، اِدھر تنہائی اور غربت کے سوا کوئی حامی نہ رہا۔ نہ لشکر ہے نہ سپاہی، نہ کثرت الناس ہے، نہ قاسمؑ ہے، نہ علی اکبرؑ ہے، نہ عباسؑ ہے۔ زخموں کی یہ کثرت کہ جس جگہ ایک تیر آتا تھا، اُس جگہ کتنے ہی تیر پیوست تھے۔ جہاں ایک نیزہ لگا تھا، وہاں کتنے ہی نیزے لگے تھے۔ آفتاب کی یہ حرارت کہ فرات کا پانی جوش کھاتا تھا۔

دریا سے نزدیکی کہ سامنے نظر آتا تھا، پانی کی یہ نایابی کہ تین دن سے ایک قطرہ میسر نہ ہوا تھا۔ پیاس کی یہ شدت کی کلیجہ کباب ہوا جاتا تھا۔ بار بار سوکھی زبان کو ہونٹوں پر پھیرتے تھے۔ آنکھوں کی یہ حالت کہ جوان بیٹے کے ماتم میں بصارت باقی نہ رہی تھی۔ کمر کا یہ عالم کہ بھائی کے غم میں شکستہ ہوگئی تھی۔ ضعف کی یہ صورت کہ گھوڑے پر سنبھل کر بیٹھ نہ سکتے تھے۔ ظالموں کا یہ ارادہ کہ سر کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا جائے۔ اہل حرم کو لوٹ کر جلد فراغت پائیں۔ یتیم بچوں کو بے وارث، بیبیوں کو سر برہنہ کر کے کربلا سے کوفہ تک ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔

زید بن ارقم کہتا ہے کہ جناب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد میں کوفہ میں ایک دن

بازار کی طرف اپنے مکان میں بیٹھا تھا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ کچھ فوجی جھنڈوں کے پھریرے کھولے، نقارے بجاتے، خوشیاں کرتے چلے آرہے ہیں اور اُن کے پیچھے نیزوں پر سرہائے بریدہ نصب ہیں، اس طرح کہ اُن میں بعض بوڑھے، بعض جوان اور بعض لڑکوں کے سر ہیں۔

نورانی شکلیں، بھولی بھولی صورتیں اپنے ہی زخموں کے لہو سے، راہ کی گرد سے آلودہ ہورہے ہیں اور انہی میں ایک نیزۂ طویل پر فرزندِ رسولؐ، جگر گوشۂ بتولؑ کا سر بریدہ، چودھویں کے چاند کی مانند جلوہ گر ہے۔

دیکھتے ہی حواس جاتے رہے، رنگ فق ہوگیا۔ شدتِ قلق سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کلیجہ کوئی چٹکیوں سے ملتا ہے۔ بیتاب ہوکر رونے لگا۔ جب وہ سرِ اطہر قریب آیا تو میں نے سنا کہ حضرتؑ یہ آیت بآوازِ حزیں تلاوت فرما رہے ہیں:

"اِنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا".

"بہ تحقیق کہ اصحاب کہف و رقیم کی حکایت ہماری آیات عجیبہ سے ہے"۔

میں نے سر پیٹ کر کہا: "یا ابن رسولؐ اللہ! آپؑ کے مصائب اصحاب کہف کے قصہ سے عجیب تر ہیں۔ غضب ہے، ان لوگوں نے آپؑ کے ناناؐ کا کلمہ پڑھ کر آپؑ ہی کو شہید کردیا اور سر کاٹ کر نیزہ پر شہر بہ شہر پھراتے ہیں؟

غرض جب نیزہ دار اُن سروں کو لے کر آگے بڑھ گئے تو میں نے دیکھا کہ چند اونٹ جن پر نہ محملیں ہیں، نہ عماریاں ہیں، آگے پیچھے چلے آتے ہیں۔ اُن پر کچھ صاحب عزت بیبیاں اس طرح سوار ہیں کہ نہ سروں پر چادریں ہیں، نہ چہروں پر نقابیں ہیں۔ بالوں میں منہ چھپائے ہوئے، شرم سے گردنیں جھکائے ہوئے، بدنوں پر پھٹے پرانے کپڑے گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہیں۔ روروکر فریاد کرتی ہیں:

"یارسولؐ اللہ! آپ کہاں ہیں؟ دیکھئے آپ کی بہو بیٹیاں کس ذلت وخواری سے بازار کوفہ میں پھرائی جارہی ہیں۔ اہل شہر گھروں سے نکل نکل کر تماشے کو جمع ہوئے ہیں۔ ہر محلہ میں ہماری تباہی وبربادی کی عید ہو رہی ہے"۔

یہ کہتی ہیں اور بیقرار ہو کر روتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے ماؤں، پھوپھیوں کے سینوں سے لپٹے لوگوں کی کثرت سے سہمے ہوئے چپکے چپکے بلک بلک کر رو رہے ہیں۔

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ اہل بیتؑ کی یہ مصیبت دیکھ کر میرا دل اور بھی پھٹ گیا، کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ اُسی حال میں ایک ہاتف کی آواز سنی کہ یہ کہہ رہا ہے:

رَاسُ ابْنُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَوَصِیِّہٖ

یَا لِلرِّجَالِ عَلٰی قَنَاۃٍ یُرْفَعُ

ہائے ظالموں نے کیا ستم کیا، اپنے نبیؐ کے نواسے کا سر کاٹ کر فخریہ نیزہ پر چڑھا کر شہروں میں، محلوں میں، کوچوں میں اور بازاروں میں لئے پھرتے ہیں۔

وَالْمُسْلِمُوْنَ بِمَنْظَرٍ وَبِمَشْهَدٍ

لَاجَازِعٌ مِنْهُمْ وَلَامُتَرَجِّعٌ

کیسے مسلمان ہیں کہ فرزندِ رسولؐ کے سر بریدہ کا تماشا دیکھنے کو جمع ہوئے ہیں اور باوجود اسلام کے دعوے کے کوئی ان میں ایسا رحم دل نہیں کہ خاندانِ رسالت کی تباہی پر اُس کا دل دُکھے۔ ہر شخص خوشی میں مصروف ہے۔

مَنَعُوْا زُلَالَ الْمَآءِ آلَ مُحَمَّدٍ

وَغَدَتْ ذِئَابُ الْبَرِّ فِیْهِ تَكْرَعُ

اللہ اللہ! جس پانی سے صحرا کے جانور تک جس قدر چاہیں پئیں، کبھی ممانعت نہ ہوئی، وہی پانی تین دن تک اہل بیتِ رسولؐ پر بند کیا جائے۔

عَیْنٌ عَلَاهَا الْكُحْلُ فِیْهِ تَفَقَّئَتْ

وَیَدٌ تُصَافِحُ فِی الْبَرِیَّةِ تُقْطَعُ

آہ آہ! وہ آنکھیں جو ہمیشہ سرمہ آلود رہتی تھیں، سر کے زخم کے لہو سے بھر گئیں، خاک صحرا سے غبار آلودہ ہو گئیں۔ وہ ہاتھ جن کا ملائکہ مصافحہ کرتے تھے، جبرئیلؑ ومیکائیلؑ چومتے تھے، زمانہ کے ہاتھ سے قطع کئے گئے۔

زین بن ارقم کہتے ہیں کہ ہاتف کے یہ اشعار سن کر میں روتے روتے بیہوش ہو کر گر گیا۔

اسیریٔ دخترِ حاتم، اہلِ بیتؑ کا کوفہ میں پہنچنا، جنابِ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ کا خطبہ

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَعْرِفَةُ آلِ مُحَمَّدٍ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَحُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ اَمَانٌ مِنَ الْعَذَابِ".

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ آلِ محمدؐ کے حق کا پہچاننا دوزخ سے نجات کا باعث ہے اور آلِ محمدؐ کی دوستی عذابِ آخرت سے امان ہے۔

"وَمَنْ مَاتَ عَلٰى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيْدًا"

اور جو شخص محبتِ اہلِ بیتؑ میں مرجاتا ہے، وہ شہید مرتا ہے۔

یعنی اُس کا مرتبہ شہید کا ہوتا ہے، اگر چہ وہ اپنے فرشِ خواب پر مرے۔

کتاب مقصد الاقصیٰ میں مسطور ہے کہ حنین کی فتح کے بعد جنابِ حیدرِ کرار ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ قبیلہ بنی طی کی طرف بت خانہ فلس کو تباہ کرنے کے واسطے تشریف لے گئے۔ بت شکنی کے بعد مالِ کثیر اہلِ اسلام کے ہاتھ آیا اور چند کفار اسیر ہوئے۔ عدی، پسر حاتم لشکرِ اسلام کے خوف سے چھپ گیا مگر دختر حاتم قید ہوگئی۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے حاتم کی نام آوری کے سبب سے، کہ اپنی قوم کا رئیس اور سخاوت میں مشہور تھا، حکم دیا کہ دختر حاتم کو قیدیوں کے ساتھ نہ رکھو۔ اگر چہ دختر کافر ہے اور خود بھی مسلمان نہیں ہوئی ہے، لیکن اس کا باپ اہلِ عزت سے تھا، اس کو ذلیل نہ کیا جانا چاہئے۔

یہ فرما کر کوئی دقیقہ اُس کی پاسداری و دلجوئی میں فروگزاشت نہ کیا اور اُسی عزت و حرمت سے اپنے ساتھ لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ جب آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو جو ماجرا گزرا تھا، بیان کیا اور احوالِ دختر حاتم بھی عرض کیا۔

جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا کہ اسے باعزاز و احترام رُخصت کرو تا کہ اپنے وطن میں جا کر بھائی سے ملے۔

جنابِ امیر علیہ السلام اُسے دولت سرا میں لائے اور جنابِ فاطمہؑ سے کہا کہ یہ حاتم کی دختر ہے۔ جنابِ سیدہؑ نے اُسے لباسِ فاخرہ عنایت فرمایا اور بہت عزت و توقیر کی اور باعزت و حرمت حاتم کی دختر کو اُس کے وطن رخصت کیا۔

راوی کہتا ہے کہ جب حاتم کی بیٹی جنابِ سیدہؑ سے رخصت ہو چکی تو دخترانِ جنابِ امیر علیہ السلام سے وداع ہونے لگی، یہاں تک کہ جنابِ زینبؑ کے پاس رخصت ہونے کو آئی۔ اُس وقت جنابِ امیرؑ بے اختیار رونے لگے۔

"فَقَالَتْ فَاطِمَةُ مَا يُبْكِيْكَ يَا اَبَا الْحَسَنِ".

جنابِ فاطمہؑ نے متحیر ہو کر کہا: "اے ابوالحسنؑ! آپؑ کے رونے کا سبب کیا ہے؟"

جنابِ امیر المومنینؑ نے فرمایا: "اے فاطمہؑ! ایک دن تو یہ ہے کہ حاتم کی دختر لشکرِ اسلام میں قید ہو کر آئی اور جنابِ رسالت مآبؐ نے فقط ناموریٔ حاتم کے سبب سے باعزت و حرمت اس کو رخصت کیا، حالانکہ اس کے سب رشتہ دار بت پرست ہیں"۔

وَهٰذِهِ زَيْنَبُ اِبْنَتِيْ يَوْمًا تَسِيْرُ مَعَ اَخِيْهَا الْحُسَيْنِ

ایک دن وہ ہوگا کہ میری یہی پارۂ جگر زینبؑ اپنے بھائی حسینؑ کے ساتھ غریب الوطن وارد صحرائے کربلا ہوگی۔

"وَيُذْبَحُ الْحُسَيْنُ عِنْدَهَا عَطْشَانًا كَمَا يُذْبَحُ الْكَبْشُ".

اور اس کا بھائی حسینؑ اس کے سامنے پیاسا ذبح کیا جائے گا اور میری نورِ دیدہ زینبؑ قید ہو کر بے کجاوہ اور بغیر عماری کے اونٹ پر سوار کی جائے گی اور کوچہ و بازار میں پھرائی جائے گی۔

یہ سنتے ہی جناب سیدہؑ اس شدت سے روئیں کہ بیہوش ہو گئیں جب ہوش میں آئیں تو فرمایا: ''اے ابوالحسنؑ! کیا میرا حسینؑ میرے جیتے جی ذبح ہوگا اور میری بیٹیاں میرے سامنے قید ہو جائیں گی؟''

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: ''ہائے غریبی و تنہائی اُس کی کہ ہم میں سے کوئی نہ ہوگا''۔

راوی کہتا ہے کہ یہ حال سن کر جناب امام حسنؑ نے اپنے بھائی حسینؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''خدا وہ دن نہ دکھائے اے بھائی! کہ آپ نہ ہوں اور میں جیتا رہوں''۔

جناب امیرؑ نے فرمایا: ''اے فرزند! تجھ کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی زہر دغا پلا کر شہید کر دیں گے''۔

''فَبَكَى الْحُسَيْنُ وَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ شَقَّ عَلَيَّ مَا جَرٰى عَلٰى اُخْتِيْ زَيْنَبَ''.

اُس وقت جناب امام حسینؑ نے رو کر عرض کی: ''اے پدر بزرگوار! اگر میری بہن زینبؑ کو اسیر ہونا ہے تو یہ بہتر ہے کہ میرا سر اس سے پہلے جدا کر دیا جائے''۔

جب یہ تمام ماجرا جناب زینبؑ نے سنا تو روتی ہوئی اپنے پدر بزرگوار کے پاس آئیں۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''اے نور دیدہ! جس وقت تجھ پر اور تیرے بھائی پر یہ ظلم و ستم ہوں گے تو کیا کرے گی؟''

آپ نے رو کر عرض کی: ''باباجانؑ! کیا کروں گی؟ صبر کے سوا کونسا چارہ ہے؟''

مومنین! جب وہ زمانہ آیا جس کی خبر جناب امیرؑ نے دی تھی یعنی اہل بیتِ اطہار کربلا میں لٹ کر، اپنے وارثوں سے علیحدہ ہو کر سر برہنہ، رسن بستہ، شترانِ بے کجاوہ پر اُس کوفہ میں داخل ہوئے جہاں جناب امیرؑ ایک دن بادشاہ تھے اور اُنؑ کی بیٹیاں شہزادیاں کہلاتی تھیں، تو وہ لٹا ہوا قافلہ جس طرف سے گزرتا تھا، کوٹھوں پر جو عورتیں تماشے کو بیٹھی

ہوئی تھیں، بے اختیار رونے لگتی تھیں اور بچے جو بھوک سے بیتاب ہوتے تھے، اہل کوفہ اُن پر رحم کھا کر کچھ خرمے اور روٹیاں تصدق کر کے پھینکتے تھے۔

جناب اُم کلثومؑ نے پکار کر فرمایا:

''يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ اِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرَامٌ''.

اے اہل کوفہ! کیا غضب کرتے ہو، ہم آلِ نبیؐ ہیں، ہم پر صدقہ حرام ہے۔

وہ بچے مارے بھوک کے منہ میں جو خرمے رکھ لیتے تھے، جناب اُم کلثومؑ ہاتھوں سے چھین کر اور منہ سے نکال کر زمین پر پھینک دیتی تھیں۔

سید ابن طاؤس کہتے ہیں کہ جناب اُم کلثومؑ نے اس وقت باوجودیکہ گریہ گلوگیر تھا، فرمایا: ''اے اہل کوفہ! عجب بے حیا ہو، خدا تمہارا برا کرے۔ کس واسطے تم نے میرے بھائی کو بلایا اور اُنؑ کی نصرت نہ کی اور بے جرم و خطا شہید کر دیا؟ اُنؑ کا مال غارت اور اُنؑ کی اہل بیتؑ کو اسیر کیا اور اُنؑ کو بے غسل و کفن جلتی ریت پر چھوڑ دیا۔ وائے ہو تم پر، آیا جانتے ہو کہ کس امر عظیم کے مرتکب ہوئے ہو اور کس کا خون کیا ہے؟''

قَتَلْتُمْ اَخِيْ صَبْرًا فَوَيْلٌ لِاُمِّكُمْ
سَتُجْزَوْنَ نَارًا حَرُّهَا يَتَوَقَّدُ

وائے ہو تم پر اے اہل کوفہ کہ تم نے میرے برادر بزرگوار کو شہید کیا اور اُس مظلومؑ نے صبر سے کام لیا۔ پس تم بہت جلد اس گناہِ عظیم کی سزا پاؤ گے اور آتش جہنم سے جلائے جاؤ گے۔

وَاِنِّيْ لَاَبْكِيْ فِيْ حَيَاتِيْ عَلٰى اَخِيْ
عَلٰى خَيْرِ مَنْ بَعْدَ النَّبِيِّ سَيُوْلَدُ

اور ہم کو تو تمام عمر رونا ہے۔ ہماری آنکھیں کبھی خشک نہ ہوں گی اُس بھائی کے غم میں جو اپنے جد و پدرؑ کے بعد بہترین مخلوقات عالم میں سے تھا۔

راوی کہتا ہے کہ جناب اُمِ کلثومؑ کے کلام سے خلق میں ایسا شور برپا ہوا کہ ویسا شور کبھی سنائی نہ دیا تھا۔ کوئی روتا تھا، کوئی فریاد کرتا تھا، کوئی منہ پر طمانچے مارتا تھا۔ تمام عورتوں نے بال بکھیر دیئے تھے اور خاک سر پر ڈالنے لگی تھیں۔ ہر طرف شور ہونے لگا۔

جذلم بن شریک کہتا ہے کہ جناب زینبؑ نے اُس وقت اشارہ فرمایا: ''اے اہل کوفہ! چپ ہو جاؤ''۔

پس سب خاموش ہو گئے اور اُنؑ مخدومہ نے اس فصاحت و بلاغت سے خطبہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے کسی خاتون کو ایسا فصیح و بلیغ نہ سنا تھا۔ ایسے لب ولہجہ سے تکلم فرماتی تھیں کہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ جناب امیر علیہ السلام کلام فرما رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

'اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَمَّا بَعْدُ'

''اے اہل کوفہ! آیا تم لوگ روتے ہو؟ حالانکہ اب تک تمہارے جور و ستم سے ہماری آنکھوں کے آنسو بند نہیں ہوئے ہیں۔ افسوس ہے کہ تم نے اپنے آپ کو جہنم کا حقدار بنالیا ہے۔

اے اہل کوفہ! کیوں روتے ہو؟ خدا کی قسم! چاہئے کہ بہت روؤ اور کم ہنسو۔

''وَاَنّٰی تُرْخِصُوْنَ قَتْلَ سَلِیْلِ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ وَسَیِّدِ شَبَابِ اَهْلِ لْجَنَّةِ''.

کیونکر تلافی کرو گے اپنے جرموں کی اور کیونکر دور کرو گے اپنے اوپر سے اُن گناہوں کو جو تم نے جگر گوشۂ خاتم الانبیاء اور سیدِ جوانانِ بہشت کے قتل سے اپنے سروں پر بار کئے ہیں۔

''اَتَدْرُوْنَ اَیَّ کَبِدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَرَیْتُمْ وَاَیَّ کَرِیْمَةٍ لَهٗ اَبْرَزْتُمْ''.

آیا جانتے ہو کہ تم نے جناب رسولِ خدا کے کس پارۂ جگر کو شہید کیا، اُنؐ کی کن

پردہ دارانِ عصمت کو بے پردہ کیا، آپؐ کے کن فرزندانِ برگزیدہ کا خون بہایا اور رسولِ خدا کی کیسی حرمت ضائع کی؟''

یہ فرما کر جناب زینبؑ نے منہ پھیر لیا۔ راوی کہتا ہے کہ اُس وقت میں نے ایک مرد ضعیف کو دیکھا کہ میرے پہلو میں کھڑا زار زار رو رہا تھا۔ جب جناب زینبؑ ساکت ہوئیں، اُن سے کہا:

''بِاَبِیْ اَنْتُمْ وَاُمِّیْ''.

''اے خاتونِ معظمہ! میرے ماں باپ فدا ہوں۔ آپؑ کے پیرو جوان تمام عالم کے پیرو جوان سے اور آپؑ کی اولاد تمام عالم کی زنان و اولاد سے بہترین ہیں اور آپؑ اُس خاندانِ عز و شرف سے ہیں کہ کبھی ذلیل ہو ہی نہیں سکتیں اور کوئی آپؑ کی بزرگی کو سلب نہیں کر سکتا''۔

اُس وقت جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ''اے پھوپھی! بس اس قدر کافی ہے''۔

مسلم گچکار کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ پشت شتر بے کجاوہ و عماری پر جناب زین العابدینؑ سوار ہیں اور گلوئے مبارک میں ایک آہنی طوق ایسا پڑا ہوا ہے کہ گردن کی رگوں سے خون جاری ہے اور دونوں ہاتھ زنجیروں سے جکڑے ہیں۔ وہ حضرتؑ اُس وقت رو رہے ہیں اور یہ فرماتے ہیں:

یَا اُمَّةَ السُّوْءِ لَاسَقْیًا لِرَبْعِکُمْ
یَا اُمَّةً لَمْ تُرَاعِیْ جَدَّنَا فِیْنَا
لَوْ اَنَّنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ یَجْمَعُنَا
یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَا

اے اُمتِ بدکردار! خداوند قہار تمہاری اس جمعیت کو پریشان و خوار کرے کہ تم

نے اپنے نبی کی اولاد کو قتل کیا اور اُنؐ کے اہل حرم کو مقید کیا اور اپنے رسولؐ کی حرمت کا مطلق پاس ولحاظ نہ کیا۔

اے اُمتِ جفاشعار! جب روزِ قیامت ہم اپنے نانا کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور تمہارے اس ظلم کی شکایت کریں گے اور وہ حضرتؐ تم سے اس عظیم ظلم کا سوال کریں گے کہ میری نبوت و رسالت کا یہی اجر و عوض تھا جو تم نے میرے بعد میری اولاد سے کیا تو اُس وقت تم کیا جواب دو گے؟"

تُسَيِّرُوْنَ عَلَى الْاَقْتَابِ عَارِيَةً
كَاَنَّنَا لَمْ نُشَيِّدْ فِيْكُمْ دِيْنًا

کیا غضب ہے کہ تم نے دختران رسولؐ خدا کو برہنہ سر اونٹوں پر بٹھایا ہے اور کنیزوں کی طرح قید کر کے ذلت وخواری کے ساتھ شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار کوچہ و بازار میں تشہیر کرتے پھرتے ہو، گویا ہم دین اسلام کے بانی نہیں ہیں۔

تُصَفِّقُوْنَ عَلَيْنَا كَفَّكُمْ فَرَحًا
وَاَنْتُمْ فِيْ فِجَاجِ الْاَرْضِ تَسْبُوْنَا

اُن جور و ستم کے علاوہ یہ عظیم ظلم ہے کہ ہماری ذلت و رسوائی پر خوش و مسرور ہوتے ہو اور خوشی سے تالیاں بجاتے ہو اور ہمیں پست و بلند زمین یعنی آبادی و صحرا میں قیدی بنا کر کھینچے پھرتے ہو۔

اَلَيْسَ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيْلَكُمْ
اَهْدَى الْبَرِيَّةَ مِنْ سُبُلِ الْمُضِلِّيْنَا

حالانکہ ہمارے جدامجد جناب رسولؐ خدا ہیں جنہوںؐ نے تمام خلق کو راہ ضلالت و گمراہی سے پھیر کر راہ راست کی طرف ہدایت فرمائی۔

اس کے بعد اُن ملاعین نے اہل بیتؑ رسولؐ کو دربار ابن زیاد میں داخل کر دیا۔

فضائلِ شیعہ، روایتِ رباح حبشی، اہلِ بیتؑ کا دربارِ ابنِ زیاد میں داخلہ اور سرِ امامؑ کا تنور میں رکھا جانا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ اِنَّ شِيْعَتَكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

شفیع روزِ جزاء جناب رسولؐ خدا نے اپنے جانشین حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: یا علیؑ! تمہارے شیعہ روزِ قیامت کو رستگار ہیں۔

"فَمَنْ اَهَانَ وَاحِدًا مِنْهُمْ فَقَدْ اَهَانَكَ وَمَنْ اَهَانَكَ فَقَدْ اَهَانَنِيْ وَمَنْ اَهَانَنِيْ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ".

جس شخص نے تمہارے شیعوں میں سے ایک شیعہ کی اہانت کی، اُس نے تمہاری اہانت کی اور جس نے تمہاری اہانت کی، اُس نے مجھے ذلیل جانا اور جس نے مجھے ذلیل جانا، اُسے خداوند عالم آتش جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ جلا کرے گا اور اُس کی کیا بُری بازگشت ہے۔

"يَا عَلِيُّ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا بِوِلَايَتِنَا".

یا علیؑ! وہ ملائکہ جو عرشؑ کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے گرد ہیں، وہ سب خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور مغفرت طلب کرتے ہیں اُن لوگوں کیلئے جو لوگ ہم اہل بیتؑ کی

ولایت ومحبت پر ایمان لائے ہیں۔

جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن جنابِ رسولؐ خدا چند اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ناگاہ ایک حبشی مردہ کو چار حبشی اُٹھائے ہوئے ایک چادر میں لپیٹے قبر کی طرف لے جا رہے تھے۔ جنابِ رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ اس حبشی کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے اُس کی لاش سامنے لا کر رکھ دی۔ آپؐ نے اُس کا منہ کھولا:

"ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ هٰذَا رَبَاحُ غُلَامُ اَيْسَانِ النَّجَّارِ".

جنابِ امیر علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے علیؑ! یہ تو رباح غلام ایسان نجار ہے۔ جنابِ امیرؑ نے عرض کی: یا حضرتؐ! یہ غلام مجھے نہایت دوست رکھتا تھا اور جب مجھے دیکھتا تھا تو حالتِ قید میں بھی بیڑیاں پہنے تعظیم کو اُٹھ کھڑا ہوتا تھا اور کہتا تھا: یا علیؑ! میں آپؑ کو دل سے دوست رکھتا ہوں۔

جب پیغمبرؐ خدا نے سنا کہ یہ علیؑ کو دوست رکھتا تھا۔

"فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِغُسْلِهٖ وَكَفَّنَهٗ فِيْ ثَوْبٍ مِنْ ثِيَابِهٖ".

حکم دیا کہ اسے غسل دو اور اپنے ملبوسِ خاص سے کفن دیا اور خود آنحضرتؐ نے نمازِ جنازہ پڑھی اور مع اصحاب جنازہ کے ساتھ قبر کی طرف چلے۔

مومنین! مقامِ افسوس ہے کہ ایک غلام کا تو جنابِ امیر علیہ السلام کی دوستی کی وجہ سے جنابِ رسولؐ خدا یہ پاس کریں اور اُنہی کی اُمت اُنہی کے فرزندوں کو اس طرح بے گور و کفن چھوڑ دے کہ سایہ آسماں اور فرشِ گرم زمین، اُنؑ کا غسل اُن کے بدن کے خون سے اور اُن کا کفن صحرا کی ریت سے ہو اور لاش پر رونے والا بھی سوائے وحوش و طیور کے اور کوئی نہ ہو۔

غرض راوی کہتا ہے کہ اثنائے راہ میں لوگ سنتے تھے کہ آسمان کی طرف سے پروں کی آواز آتی ہے۔ آنحضرتؐ نے لوگوں کو اُس آواز سے حیران دیکھ کر فرمایا کہ بہ تحقیق یہ فرشتوں کے پروں کی آواز ہے کہ ستر ہزار گروہ ملائکہ اس کے جنازہ کی مشایعت کو آئے ہیں اور ہر گروہ میں ستر ہزار فرشتے ہیں۔

"وَاللّٰهِ مَانَالَ ذٰلِكَ اِلَّا بِحُبِّكَ يَا عَلِيُّ".

پھر جنابِ امیر علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: یا علیؑ! خدا کی قسم یہ حبشی فقط تمہاری محبت کی وجہ سے اس مرتبہ کو پہنچا ہے۔

آنحضرتؐ کی غلام پروری دیکھئے، امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر خود جنابِ رسولؐ خدا قبر میں اُترے اور لاش کو خاک پر لٹا کر اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اینٹیں چننے لگے۔ جب دفن سے فارغ ہوئے تو اصحاب نے منہ پھیر لینے کا سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"اِنَّ وَلِيَّ اللّٰهِ خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا عَطْشَانًا".

یہ خدا کا دوست جب دنیا سے گیا تو پیاسا تھا۔ اس وقت حوریں اس کی ازواج سے آبِ جنت لے کر آئی ہیں۔ چونکہ رباح حبشی نہایت غیرت دار تھا، مجھے منظور نہ تھا کہ میں اس کی حوروں کی طرف نظر کروں۔

پس مومنین! مقامِ گریہ وزاری ہے کہ جس بزرگوار کو ایک غلام کا اس قدر خیال و پاس ہو، ہزار افسوس کہ اُنہی کی اُمت اُنہی کی نواسیوں کو برہنہ سر و پا کنیزوں کی مانند غلاموں کے بلوائے عام میں پھرائے اور دربار میں داخل کرے۔

راوی کہتا ہے کہ جب اہل بیتِ رسولؐ دربارِ ابن زیاد میں داخل ہوئے تو پہلے اُس لعین نے جنابِ امام حسینؑ کا سر طلب کیا اور اپنے سامنے طشتِ طلا میں رکھوایا۔ وہ شقی اُس سرِ بریدہ کو دیکھتا تھا اور ہنستا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے دندانِ شریف پر

لگاتا تھا اور کہتا تھا:

"لَقَدْ اَسْرَعَ اِلَیْکَ الشَّیْبُ یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ".

"یا ابا عبداللہ! آپ جلد ضعیف ہو گئے"۔

اُس شقی کی یہ بے ادبی دیکھ کر زید بن ارقم بولے: "اے ابن زیاد! کیا غضب کرتا ہے، چھڑی ہٹالے۔ واللہ! میں نے خود دیکھا ہے کہ جناب رسولؐ خدا ان دانتوں کو شہد کی مانند چوستے تھے۔

یہ کہہ کر باآواز بلند رونے لگے۔ وہ لعین بولا:

"اے زید! تو روتا ہے؟ خدا تیری آنکھوں کو رُلائے۔ اگر تو ضعیف نہ ہوتا اور تیری عقل زائل نہ ہوتی تو میں تجھے قتل کرتا"۔

"ثُمَّ اُدْخِلَتْ زَیْنَبُ بِنْتُ عَلِیٍّ وَعَلَیْهَا اَرْذَلُ اَثْوَابِهَا".

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد جناب زینبؑ لباسِ بوسیدہ پہنے، شانوں میں رسیاں بندھے، سر کھلے، گردن جھکائے دربار میں داخل ہوئیں۔ اُس شقی کی شان و شوکت، رؤسائے شہر اور حاضرین مجلس کی کثرت دیکھ کر شرم سے عرق عرق ہو گئیں۔ کیا کرتیں؟ کہاں چھپتیں؟ ایک طرف خاک پر بیٹھ گئیں اور کنیزیں حلقہ باندھ کر پردہ داری کو کھڑی ہو گئیں۔ وہ شقی کہنے لگا کہ یہ عورت جو حکم کے بغیر بیٹھ گئی، کون ہے؟

کسی نے جواب نہ دیا۔ جب کئی مرتبہ پوچھا تو ایک کنیز نے کہا:

"کیا پوچھتا ہے؟ یہ وہ بی بی ہیں جن کی ماں کا جنازہ رات کو اُٹھا تھا اور ایک دن اسی شہر میں شہزادی کہلاتی تھیں۔ فرشتوں کی بھی مجال نہ تھی کہ بغیر اجازت گھر میں داخل ہوں۔ آج بے وطن ہو کر کوچہ کوچہ پھر کر اس ذلت و خواری سے تیرے سامنے آئی ہیں۔

ارے خدا سے شرم نہیں کرتا، آنکھیں بند کر لے، یہ زینبؑ دختر علیؑ و فاطمہؑ ہیں"۔

دربان ابن زیاد کہتا ہے کہ جب حاکم کوفہ قیدیوں کے جائزہ سے فارغ ہوا تو حکم کیا کہ ان عورتوں کو یونہی رسن بستہ اور اس بیمار کو اسی طرح طوق و زنجیر میں گرفتار زندانِ تیرہ تار میں قید کر دو۔

غرض جب وہ بے وارث بیبیاں اور یہ یتیم بچے قید خانہ کی طرف چلے تو میں بھی ساتھ ساتھ تھا۔ دیکھا کہ جدھر سے جاتے تھے، اُدھر بازاروں اور مکانوں میں کوٹھوں پر تماشائیوں کی کثرت تھی اور اُن مظلوموں کا یہ حال دیکھ کر مرد، عورتیں اور بچے بے اختیار رو دیتے تھے۔

جناب زینبؑ فرماتی ہیں:

"لَا یَدْخُلَنَّ عَلَیْنَا عَرَبِیَّةٌ اِلَّا اُمُّ وَلَدٍ اَوْ مَمْلُوکٌ".

ہم لوگ جب تک زندانِ کوفہ میں قید رہے، زنانِ اشراف سے کوئی عورت بھی پرسش حال کو نہ آئی مگر اہل شہر کی کنیزیں تماشا دیکھنے آتی تھیں اور ہمارا حال ایسا ابتر تھا کہ وہ بھی دیکھ کر افسوس کرتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ ہم لوگ بھی انہی کی طرح کنیزیں ہیں۔

مؤمنین! اہل بیتؑ کو تو ابن زیاد نے زندان میں بھیجا اور مظلومؑ کربلا کا سرِ بریدہ خولی ملعون کو دے کر تاکید کی کہ حفاظت سے رکھنا۔ وہ شقی ایک رومال میں لپیٹ کر اپنے گھر لایا۔ اُس کی زوجہ مؤمنہ تھی۔ دیکھ کر کہنے لگی کہ اس میں کیا ہے جس کے نور سے تمام گھر روشن ہو گیا ہے؟

بولا: تین دن کے پیاسے نبیؐ کے نواسے حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے۔

یہ سنتے ہی بیقرار ہو گئی۔ اور تو کچھ نہ ہو سکا، لکڑی اُٹھا کر اس زور سے ماری کہ اُس شقی کا سر شق ہو گیا۔ وہ اُس سرِ اطہر کو لئے دوسری زوجہ ثعلبہ کے پاس آیا۔ جب اُس نے بھی اس رومال سے نور ساطع پایا، خود بخود دل بھر آیا۔ زار زار رونے لگی اور روتے روتے غش کر گئی۔ خولی نے اُس سرِ پُرنور کو تنور میں رکھا۔ رات ہو گئی تھی، خود جا کر فرشِ خواب پر سو

رہا۔ اُس عورت کو جوافاقہ ہوا، صدمہ سے پھر نیند نہ آئی، مرغِ بسمل کی طرح تڑپتی تھی۔ ناگاہ سنا کہ تنور میں نحیف آواز سے کوئی تلاوتِ قرآن کر رہا ہے اور آخر تلاوت میں یہ آیت:

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ".

یعنی "جن لوگوں نے ظلم کیا، عنقریب معلوم کریں گے کہ اُن کی بازگشت کہاں ہے اور انجامِ کار کیا ہوتا ہے؟"

وہ زنِ صالحہ کہتی ہے کہ یہ آواز سن کر میں اس قدر روئی کہ دوبارہ غش کر گئی۔ اُسی عالم میں مَیں نے سنا کہ جنابِ سیدہؑ رو رہی ہیں اور دیکھا کہ اپنے فرزند کا کٹا ہوا سر سینہ سے لگائے لب و دندان پر بوسے دیتی ہیں اور فرماتی ہیں:

وَاحُسَيْنَاهُ وَابْنَاهُ وَامَقْتُوْلَاهُ قَتَلُوْكَ وَمِنْ شُرْبِ الْمَاءِ مَنَعُوْكَ.

ہائے میرے حسینؑ، ہائے میرے فرزند! میرے بابا کی اُمت نے بے گناہ تجھ کو قتل کیا اور مرتے دم تک قطرہ پانی کا بھی نہ دیا۔

جب مجھے غش سے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ جنابِ سیدہؑ تو نہیں ہیں مگر اُن کے فرزند کا سرِ اطہر تنور میں رکھا ہے۔ غرض صبح کو خولی ملعون وہ فرقِ بریدہ تنور سے نکال کر لے گیا۔

امام حسینؑ سے محبتِ رسولِ خدا، روایتِ اُمِّ سلمہؓ اور دیوارِ جنابِ فاطمہؑ پر جانور کا آنا

"رُوِىَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ذَاتَ يَوْمٍ مَعِىَ فَبَيْنَمَا هُوَ رَاقِدٌ عَلَى الْفِرَاشِ جَاعِلٌ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَهُوَ عَلٰى قَفَاهُ".

بیاضِ فخری میں اُمِ سلمہؓ سے منقول ہے کہ ایک روز جنابِ رسولِ خدا میرے گھر میں تشریف فرما تھے اور فرش پر دائیں پاؤں کو بائیں پاؤں پر رکھے ہوئے لیٹے تھے۔

"وَاِذَا بِالْحُسَيْنِ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثِ سِنِيْنَ وَاَشْهُرٍ اَتٰى اِلَيْهِ".

ناگاہ چھوٹے شہزادے امام حسینؑ جو تین برس اور کچھ ماہ کے تھے، تشریف لائے،

"فَلَمَّا رَاٰهُ قَالَ لَهٗ مَرْحَبًا بِقُرَّةِ عَيْنِىْ مَرْحَبًا بِثَمَرَةِ فُؤَادِىْ".

جونہی جنابِ رسولِ خدا نے اپنے لختِ جگر کو آتے دیکھا تو فرمایا: مرحبا! اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک، مرحبا! اے میرے میوۂ دل۔

فَلَمْ يَزَلْ يَمْشِىْ حَتّٰى رَكِبَ عَلٰى صَدْرِهٖ فَاَبْطٰى.

نانا تو یہ فرماتے تھے اور نواسہ کھیلتا ہوا قریب چلا آتا تھا، یہاں تک کہ رسولِ خدا کے سینہ مبارک پر سوار ہو گیا۔

"فَخَشِيْتُ اَنَّ النَّبِىَّ تَعَبَ اَحْبَبْتُ اُنَحِّيَهٗ عَنْهُ".

میں نے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ صاحبزادے کے اس طرح بیٹھنے سے رسولؐ

خدا کو تکلیف ہو۔ چاہا کہ اُتار لوں۔ حیا مانع ہوئی مگر جرأت کر کے ہاتھ بڑھایا۔

"فَقَالَ دَعِيْهِ يَا اُمَّ سَلَمَةَ مَتٰى اَرَادَ الْاِنْحِدَارَ اِنْحَدَرَ اِعْلَمِيْ اَنَّ مَنْ اٰذٰى مِنْهُ شَعْرَةً فَقَدْ اٰذَانِيْ".

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے اُمِ سلمہؑ! میرے کلیجہ کو سینہ سے جدا نہ کر۔ اس کو چھوڑ دو، جب اس کا جی چاہے گا، اپنے آپ اُتر جائے گا۔

اے اُمِ سلمہؑ! جس نے میرے حسینؑ کے ایک بال کو اذیت دی، اُس نے مجھے اذیت دی۔

مؤمنین! مقامِ تامل ہے اور خاک اُڑانے کی جگہ ہے کہ جس حسینؑ کا جنابِ رسولِ خدا کو اپنے سینہ پر سے اُتارنا گوارا نہ ہو، افسوس! اُسی حسینؑ کے سینہ اقدس پر جلاد سوار ہو اور رحم نہ کھائے۔ اُس وقت روحِ رسولِ خدا کو کیا صدمہ ہوا ہوگا جب شمر لعین نے یہ بے ادبی کی ہوگی اور امامؑ غریب، تین دن کی پیاس میں زیرِ خنجر تڑپتے ہوں گے۔ کیا حال ہوا ہوگا اُس ناناؐ کا جب اشقیاء نے اُنؐ کے اُسی لاڈلے نواسے کی لاشِ پاش پاش پر گھوڑے دوڑانے کا ارادہ کیا ہوگا۔

غرض اُمِ سلمہ فرماتی ہیں کہ میں حسینؑ کو کھیلتا چھوڑ کر کسی کام کو گئی۔ جب میں واپس لوٹی تو رسولِ خدا دستِ مبارک میں کوئی چیز لئے ہیں اور اُسے دیکھ دیکھ کر زار زار رو رہے ہیں۔ مجھے نہایت تعجب ہوا۔ عرض کی:

"اے آقا! خدا ان آنکھوں کو کبھی نہ رُلائے، آپ کیوں روتے ہیں؟"

آنحضرتؐ نے ہاتھ بڑھا کر فرمایا: "دیکھتی ہو یہ کیا ہے؟"

میں نے جو نظر کی تو دیکھا کہ ایک مشتِ خاک ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسی مٹی ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

"ابھی جبرئیلؑ نے مجھے لا کر دی ہے اور کہا ہے کہ اُس صحرا کی خاک ہے، جس پر

آپؐ کے اسی پیارے نواسے کا خون بہایا جائے گا۔ اُس سرزمین کا نام کربلا ہے۔ آپ کا حسینؑ شہید ہو کر کئی دن کے بعد اس زمین میں دفن ہوگا۔

اے اُمِ سلمہؑ! اسے لے جا کر کسی شیشی میں حفاظت سے رکھ دو۔ جب اس خاک کو دیکھنا کہ خونِ تازہ ہو گئی ہے تو یقین کرنا کہ میرا فرزند حسینؑ قتل ہو گیا ہے"۔

یہ سن کر جنابِ اُمِ سلمہؑ رونے لگیں اور اُس مٹی کو شیشی میں رکھا، یہاں تک کہ جنابِ امام حسینؑ نے آخری سفر کوفہ کی طرف اختیار کیا۔

دوسری روایت جنابِ اُمِ سلمہؓ سے منقول ہے کہ امام حسینؑ اس سفر میں اپنے ساتھ سب کو لے گئے مگر ایک بیٹی فاطمہ صغریٰ کو بیماری کے سبب سے اکیلے گھر میں چھوڑ گئے۔ میں اکثر اُس کی خبر کو جاتی تھی، دلاسا و تشفی دیتی تھی اور ہر روز اُس شیشی کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ ایک دن دیکھا کہ اُس شیشی میں خونِ تازہ بھرا ہوا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ میرا پیارا حسینؑ شہید ہو گیا۔ میں رونے لگی اور صدمہ سے نہ کھایا نہ پیا۔

روتے روتے غنودگی آگئی، دیکھا کہ جنابِ رسولِ خدا کربلا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔

"وَعَلٰى رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ تُرَابٌ".

اور سرِ مقدس اور ریشِ انور پر خاک پڑی ہے۔

یہ دیکھ کر میں دوڑی اور خاک جھاڑنے لگی۔ میں نے رو کر عرض کیا: میری جان آپؐ پر قربان ہو، یہ کیا حال ہے؟ اے رسولِ خدا! یہ مٹی آپؐ کے مقدس سر پر کیسی پڑی ہے؟

"فَقَالَ هٰذِهِ السَّاعَةَ فَرَغْتُ مِنْ دَفْنِ وَلَدِيَ الْحُسَيْنِ".

آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے اُمِ سلمہؑ! میرے حسینؑ کو ظالموں نے بھوکا پیاسا شہید کیا۔ ابھی میں اُس کے دفن سے فراغت پا کر آیا ہوں"۔

جناب اُمِ سلمہ کہتی ہیں کہ میں غشی سے بیدار ہوئی اور چلّا کر رونے لگی۔ میری آواز گریہ سن کر زنانِ مدینہ جمع ہوئیں اور پوچھنے لگیں کہ کیا ماجرا ہے اور کیوں روتی ہو؟ میں نے سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر سب نے رونا شروع کیا۔ وہ دن گریہ و بکا سے اُس روز کی طرح ہوگیا تھا جس دن رسولِ خدا نے دنیا سے رحلت کی تھی اور ہم سب سر کھولے، فریادیوں کی صورت بنائے روتے پیٹتے روضۂ رسولِ خدا پر گئے تھے۔

"فَصِحْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قُتِلَ وَلَدُکَ الْحُسَيْنُ".

رو رو کر فریاد کی. اے حبیبِ خدا! آپ کا وہ پیارا نواسہ حسینؑ، جس کا سینہ سے اُٹھانا آپ گوارا نہ کرتے تھے، شہید ہوا۔

اُمِ سلمہ کہتی ہیں کہ قسم ہے اُس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں. ہم نے دیکھا کہ قبرِ مطہر اس طرح ہلنے لگی کہ وہاں کی زمین کو زلزلہ آگیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اُمِ سلمہ کہتی ہیں کہ میں خواب دیکھ کر روتی ہوئی فاطمہ صغریٰ کو دیکھنے گئی تو دیکھا کہ وہ بیمار دل فگار دیوانہ وار چاروں طرف گھر میں بیتاب ہو کر پھرتی ہے اور روتی ہے اور کہتی ہے:

"وَاأَبَتَاهُ بِفِرَاقِکَ نَحَلَ جِسْمِيْ وَتَنَغَّصَتْ عَيْشِيْ وَتَکَدَّرَ دَهْرِيْ".

ہائے بابا! آپ کی جدائی کے غم سے فاطمہ صغریٰ کا بدن گھل گیا اور آرام وچین جاتا رہا۔ میری آنکھوں میں دُنیا تاریک ہوگئی ہے، اب تو میرے بلانے کی کوئی تدبیر کیجئے۔

چونکہ اُمِ سلمہ بھی خوابِ وحشت ناک دیکھ کر گئی تھیں، فاطمہ صغریٰ کا یہ حال دیکھتے ہی ضبط نہ ہو سکا، بے ساختہ چلّا کر رونے لگیں، یہاں تک کہ ہمسائے کی عورتیں بھی جمع ہو گئیں اور ہر ایک دلاسہ و تشفی دینے لگی کہ "اے فاطمہؑ! نہ رو، خدا تیرے باپ اور بھائیوں کو تجھ سے ملادے گا"۔

مگر اُس بیقرار دلِ سوختہ کو قرار نہ آتا تھا اور بیتاب ہو کر روتی تھی۔ اسی اثناء میں ایک طائر جس کے پروں سے برابر خون ٹپکتا تھا، دیوار پر آکر بیٹھ گیا اور رو رو کر دردناک آواز سے بولا:

"يَابِنْتَ الْحُسَيْنِ قَتَلُوْا اَبَاکِ وَذَبَحُوْا اِخْوَانَکِ وَاَقْرِبَائَکِ".

اے دخترِ حسینؑ! آگاہ ہو کہ تیرے بابا کو ظالموں نے تین دن کا بھوکا پیاسا لبِ فرات ذبح کیا اور تیرے سب بھائیوں، بزرگوں اور عزیزوں کو قتل کرڈالا۔

یہ سن کر فاطمہ صغریٰ اس قدر روئیں کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑیں۔ سب عورتوں نے مل کر اُس اُجڑے مکان میں ایسا ماتم کیا کہ زمین اور دیواریں ہلنے لگیں۔

فضائلِ مجلس، جنابِ سیدہؑ کا مقتلِ شہداء میں تشریف لے جانا

"رُوِیَ اَنَّ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ تَجِئُ فِیْ مَجْلِسٍ يُذْكَرُ فِيْهَا مَصَائِبُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ".

روایت میں وارد ہوا ہے کہ جس گھر میں جنابِ امام حسینؑ کی مجلس عزا برپا ہوتی ہے اور اُس مظلومؑ کا ذکر مصائب ہوتا ہے، جنابِ فاطمہ زہراؑ وہاں تشریف لاتی ہیں:

"وَمَعَهَا مَرْيَمُ وَخُدَيْجَةُ وَآسِيَةُ".

اور اُنؑ کے ہمراہ جنابِ مریمؑ، مادرِ حضرت عیسیٰؑ اور جنابِ خدیجہؑ، آپ کی والدہ ماجدہ اور آسیہؑ، زنِ فرعون ہوتی ہیں۔

"وَفِیْ يَدِهَا خِرْقَةٌ تَمْسَحُ بِهَا دُمُوْعَ الْبَاكِيْنَ وَتَقُوْلُ".

اور اُن معصومہؑ کے ہاتھ میں ایک رومال ہوتا ہے جس سے رونے والوں کے آنسو پونچھ کر بکمالِ شفقت فرماتی ہیں:

"طُوْبٰى لَكُمْ يَا اَحِبَّائِیْ تَعْزُوْنَ وَتَبْكُوْنَ عَلٰى وَلَدِیَ الْغَرِيْبِ الَّذِیْ لَيْسَ لَهُ اَبَوَاهُ فِی الدُّنْيَا وَ اَنَا اَشْرَكُ مَعَكُمْ فِی الْعَزَآءِ وَاَشْفَعُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ".

اے حب دارو! تمہارا انجام بہترین ہے، تم میرے اُس غریب و بیکس فرزند کے حال پر روتے ہو جس کا دُنیا میں نہ باپ ہے نہ ماں ہے اور میں بھی تمہارے ساتھ شریکِ عزا

ہوتی ہوں اور روزِ قیامت تمہاری خداوندِ عالم سے شفاعت خواہ ہوں گی۔

لِلّٰهِ نَائِبَةٌ تَقَاصَرَ دُوْنَهَا
كُلُّ النَّوَائِبِ فِیْ جَمِيْعِ الْاَعْصُرِ

خدا کی قسم کہ امام حسینؑ کی مصیبت وہ مصیبت و عظیم حادثہ ہے کہ سب مصیبتیں اور سب حادثے جو اوّلِ خلقِ عالم سے اب تک گزرے ہیں، اس کے مقابلہ میں ہیچ ہو گئے۔

اَيَزِيْدُ يَرْفَلُ فِی الْحَرِيْرِ وَيَحْتَسِیْ
خَمْرًا وَيَعْلُوْ فَوْقَ ذِرْوَةِ مِنْبَرٍ

کیوں اے چرخِ سفلہ پرور! تجھ کو بھی پسند آیا کہ یزید پلید تو لباسِ حریر میں عیش و آرام کرے اور شراب پئے اور بالائے منبرِ رسولِ خدا مقام کرے؟

وَالسِّبْطُ يَحْفَظُ فِی الْهَجِيْرِ وَيَشْتَكِیْ
ظَمَأً وَيُسْقٰى كَاسَ مَوْتٍ اَحْمَرٍ

اور فرزندِ رسولؐ ایسی شدتِ گرما میں گھوڑے سے زمین پر گرے اور فریاد العطش العطش کرے اور ایک قطرہ پانی کے عوض شربتِ شہادت پئے۔

منقول ہے کہ روزِ عاشور جنابِ سیدہؑ جنت میں حوروں کے ساتھ تشریف رکھتی تھیں، دیکھا کہ بہشت کے سارے قصر سرخ ہو گئے۔ آپؑ نے حوروں سے پوچھا کہ اس سرخی کا کیا سبب ہے؟

انہوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اصل امر سے واقف ہے، ہم کیا جانیں؟ مگر اتنا جانتے ہیں کہ جب تک کوئی عظیم حادثہ واقع نہیں ہوتا، ایسے اُمور ظاہر نہیں ہوتے۔

جنابِ سیدہؑ قصرِ مریمؑ کی جانب چلیں کہ ان آثار کے ظہور کی وجہ دریافت کریں۔ اثنائے راہ میں دیکھا کہ جبرئیلؑ اس شکل سے چلے آتے ہیں کہ اُن کے پر کسی کے خون سے رنگین، سر پر خاک پڑی ہے اور یہ نوحہ کرتے ہیں:

"ہائے غریبِ کربلا، ہائے امامؑ مظلوم، میری روح تجھ پر فدا ہو"۔

یہ نوحہ سنتے ہی معصومہؑ کا دل بھر آیا اور زار زار رونے لگیں اور فرمایا:

"جلد بتاؤ، کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ سر برہنہ کیوں ہو؟ کس کا خون پروں پر لگا ہے؟"

جبرئیلؑ نے رو کر عرض کی: "اے خاتونِؑ جنت! ابھی میں جنت میں تھا۔ ناگاہ میں نے سنا کہ آپؑ کے فرزند حسینؑ زمین کربلا پر مع عزیز و انصار مثل گوسفند قربانی ذبح کر دیئے گئے ہیں اور اُنؑ کے اہل بیتؑ اسیر ہو گئے ہیں۔ اُنؑ کے فرزند علیل کو ضعف و نقاہت میں ایسے شدید طریقہ سے مقید کیا ہے کہ ایک ناقۂ لاغر پر بٹھا کر پاؤں میں زنجیروں سے جکڑ کر اونٹ کے پیٹ سے باندھ دیا ہے اور میرے پروں میں اُسی مظلوم حسینؑ کا خون ہے"۔

یہ سنتے ہی جنابِ سیدہؑ نے چادر سر سے پھینک دی، سر کے بال بکھرا دیئے، روتے پیٹتے جبرئیلؑ اور حوروں کو ساتھ لئے جنت چھوڑ کر اُس جگہ پہنچیں جہاں اُنؑ کے اٹھارہ لعل گوسفند کی طرح ذبح ہوئے پڑے تھے۔ پہلے دریا کے کنارے نظر پڑی، دیکھا کہ ایک جوان شانے کٹائے اپنے خون میں نہائے شیر کی طرح خاک پر پڑا ہے۔

پوچھا: "اے جبرئیلؑ! یہ کون ہے؟"

"فَقَالَ لَهَا هٰذَا سَقَّاءُ عِطَاشٍ"۔

کہا: "یہ تین دن کے پیاسوں کے سقا عباسؑ ابن علیؑ ہیں۔ ننھے ننھے بچوں کی پیاس دیکھ کر پانی لینے آئے تھے۔ ظالموں نے مشک خیمہ تک نہ جانے دی، تیروں سے پانی بہا دیا اور اس جوان کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے شہید کیا"۔

معصومہؑ سن کر دیر تک کھڑی لاش پر ماتم کرتی رہیں۔ آگے بڑھیں تو دیکھا کہ ایک بچہ جو ابھی جوان بھی نہ ہونے پایا تھا، خون کی مہندی لگائے گھوڑوں کی ٹاپوں سے بدن پاش پاش خاک پر سو رہا ہے۔ پوچھا کہ یہ کون ہے؟

"قَالَ هٰذَا وَلَدُكِ الْقَاسِمُ"

جبرئیلؑ نے کہا: "یہ آپؑ کا پوتا، حسینؑ کا داماد قاسمؑ ابن الحسنؑ ہے۔ موت نے انؑ کا حوصلہ پورا نہ ہونے دیا۔ فاطمہ کبریٰؑ ایک شب کی بیاہی آپؑ کی پوتی بیوہ ہو گئی"۔

یہ سنتے ہی لاش پر گر پڑیں اور گلے سے لگا کر خوب روئیں۔ پھر آگے بڑھیں، کیا دیکھتی ہیں کہ ایک جوان رعنا سترہ اٹھارہ برس کا، گیسوؤں والا زخموں سے چور پاؤں پھیلائے، ہاتھ سینہ پر رکھے زمین پر آرام کر رہا ہے۔ پوچھنے لگیں کہ یہ کون ہے جس کی صورت میرے باباؐ سے بہت ملتی ہے؟

روح الامین نے عرض کی: "یہ آپؑ کا پوتا ہمشکلِ پیغمبرؐ علی اکبرؑ ہے۔ انؑ کا تو بیاہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ موت کو پسند آ گیا۔ جوانی خاک میں مل گئی۔ دُنیا سے پُرارمان سدھار گئے"۔

جنابِ سیدہؑ نے سینہ کے زخم کے بوسے لئے اور بین کرتے ہوئے چند قدم چلی تھیں کہ دیکھا کہ چھ سات مہینے کا ایک بچہ گلے پر تیر کھائے ننھا سا منہ کھولے مٹھیاں بند کئے خاک و خون میں غلطاں پڑا ہے۔ پوچھا کہ یہ کون شیر خوار ہے؟

جبرئیلؑ نے کہا: "آپؑ کا چھوٹا پوتا علی اصغرؑ ہے۔ ابھی گھٹنوں کے بل بھی چلنے نہ پائے تھے کہ گہوارہ چھوڑ کر باپؑ کے ہاتھوں پر میدان میں آئے، یا ماں کی گود سے جدا نہ ہوتے تھے یا جنگل میں اکیلے پڑے ہیں"۔

جنابِ سیدہؑ نے بیتاب ہو کر گود میں اُٹھا کر سینہ سے لگا لیا اور گلے کو چوم کر کہنے لگیں: "ہائے! کس بے رحم نے تجھے تیر مارا"۔

پھر پوچھا: "اے جبرئیلؑ! میری گودیوں کا پالا حسینؑ کہاں ہے؟"۔

اُنہوں نے نشیب کی طرف اشارہ کیا۔ آپؑ نے دیکھا کہ ایک بے سر تن قبلہ رُو ہزاروں زخم تلواروں اور نیزوں کے کھائے، تیر پر تیر بدن میں پیوست، حلق بریدہ سے لہو جاری، خاک و خون میں غلطاں پڑا ہے۔ اپنے فرزند کے خون کی خوشبو پاتے ہی بے اختیار

ہو گئیں:

"وَاحُسَیْنَاهُ وَامَظْلُوْمَاهُ وَالَمرَةَ فُوَادَاهُ"

کہہ کر لاش پر غش کر گئیں، جب افاقہ ہوا تو سر و سینہ پیٹ کر کہنے لگیں:

"ہائے اُمت نے میری محنت کا خیال نہ کیا۔ چکی پیس پیس کر، راتوں کو جاگ جاگ کر، کن کن دُکھوں سے فاطمہؑ نے اپنے لعل حسینؑ کو پالا تھا۔

بیٹا! میں نے اسی واسطے پالا تھا کہ تم میری قبر چھوڑ کر جنگل بساؤ۔ ہائے تم نے میری بیٹیوں کو اس پردیس میں کس کے آسرے پر چھوڑ دیا"۔

غرض ماں کا بیٹے کی لاش پر بین کرنا کس سے بیان ہو۔

فضائلِ عزاداران و وصفِ بهشت، جنابِ امیرؑ کا یتیموں کو کھانا کھلانا، امامؑ کا اپنی دُختر سے پانی کا وعدہ کرنا، عیال کیلئے طعامِ بهشت لانا، ایک بی بی کا غرقِ فرات سے بچانا

"قَالَ الصَّادِقُ مَامِنْ عَبْدٍ یُحْشَرُ اِلَّا وَعَیْنَاهُ بَاکِیَةٌ اِلَّا الْبَاکِیْنَ عَلٰی جَدِّیَ الْحُسَیْنِ فَاِنَّهُ یُحْشَرُ وَ عَیْنَاهُ قَرِیْرَةٌ وَالسُّرُوْرُ عَلٰی وَجْهِهٖ".

فرزند مخبر صادق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر شخص روز قیامت ہولِ قیامت سے گریاں ہوگا مگر وہ شخص جو دارِ دنیا میں میرے جدِ مظلومؑ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر رویا ہوگا، وہ شخص باروئے خنداں و دیدۂ خنک محشور ہوگا۔

"وَالْخَلْقُ فِی الْفَزَعِ وَهُمْ آمِنُوْنَ وَهُمْ حُدَّاثُ الْحُسَیْنِ تَحْتَ الْعَرْشِ وَالنَّاسُ یُعْرَضُوْنَ".

اور آپؑ نے فرمایا کہ تمام اہلِ محشر ہولِ قیامت سے خائف و ترساں اور بید کی طرح لرزاں، سب معرضِ حساب میں مبتلا و گرفتار ہوں گے مگر عزادار و ماتمدارِ فرزندِ رسولؐ عرشِ خدا کے زیرِ سایہ، جگر گوشۂ فاطمہ زہراؑ کی خدمت میں سعادتِ حضوری سے بہرہ یاب اور افاداتِ حسنیہ سے مستفید و کامیاب ہوں گے۔

"فَیُقَالُ لَهُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ".

اور اُس حالتِ سرور میں ایک سمت سے رحمت کے ملائکہ ماتمدارانِ امام حسینؑ سے کہیں گے: اے عزادارانِ حسینؑ! تمہیں خوشخبری اور بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت

کی نعمتیں تمہارے لئے مہیا کی ہیں۔ اب چلو، جنت میں داخل ہو جاؤ۔

هَنِيئًا لَكُمْ رَوْحُ الْجِنَانِ وَطِيبُهَا
نَعِيمًا مُقِيمًا دَائِمًا يَتَجَدَّدُ

اے عزاداران و ماتمدارانِ جنابِ سید الشہداء! تمہیں جنت کے باغات کی سیر مبارک ہو۔ بہشت کی خوشبو اور عطریات لگاؤ اور تمہیں فردوس کی ایسی نعمتیں مبارک ہوں جن کو دوام اور قیام ہے اور یہ نعمتیں کبھی تم سے منقطع نہ ہوں گی اور ہمیشہ اس میں لذت تازہ اور بے انداز لطف پاؤ گے۔

وَأَشْجَارُهَا مَمْلُوَّةٌ مِنْ ثِمَارِهَا
وَأَطْيَارُهَا مِنْ فَوْقِهَا تَتَغَرَّدُ

اور اُن باغاتِ بہشت میں درخت پاؤ گے جو میوہ ہائے گوناگوں سے جھوم رہے ہیں اور اُن درختوں پر رنگارنگ خوش لحن پرندے نغمہ زن ہیں۔

دِيَارٌ مِنَ الْيَاقُوتِ وَالْأَرْضُ فِضَّةٌ
وَفِيهَا قُصُورٌ لُؤْلُؤٌ وَزَبَرْجَدُ

اے شیعانِ علیؑ و اے عزادارانِ حسینؑ! تمہیں شہرہائے جنت مبارک ہوں۔ ایسے شہر جن کی دیواریں ایک ڈال یاقوت سرخ کی ہیں اور ان شہروں کی زمین خالص چاندی کی ہے اور قصر ایک ڈال دُر بے بہا اور زمرد سبز کے ہیں۔

وَأَنْهَارُهَا خَمْرٌ وَمِسْكٌ تُرَابُهَا
وَخَيْمَاتُ مَرْجَانٍ وَفِيهَا مُحَمَّدُ

اور نہریں شرابِ طہور سے مملو، اُن قصروں میں جابجا خوش ترکیبی سے جاری ہیں اور اُن نہروں کی ریت مشکِ خالص سے ہے اور جابجا مرجانِ سرخ کے خیمے ایستادہ ہیں اور کبھی کبھی اُن خیموں کو جنابِ رسولِ خداؐ اپنے قدموں سے مزین فرمائیں گے اور تمہارا سر

افتخار عرشِ اعلیٰ پر پہنچائیں گے۔

"فَيَخْتَارُونَ مَجْلِسَهُ وَحَدِيثَهُ وَالْحُورُ تُرْسِلُ إِلَيْهِمْ نَحْنُ مُشْتَاقُونَ وَقَدِ اشْتَاقَكُمْ مَعَنَا الْوِلْدَانُ الْمُخَلَّدُونَ كَمَا يَرْفَعُونَ رُؤُسَهُمْ".

جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک سمت سے تو ملائکہ رحمت بہشت کی بشارت دیں گے اور ایک جانب سے حورانِ بہشت کے پیامبر اُن سب کو پیام دیں گے کہ حور اور غلمان فردوس میں بہت دیر سے تمہاری ملاقات کے مشتاق ہیں۔ انہیں اپنی ملاقات سے مسرور کرو۔ لیکن غلامانِ جنابِ امام حسینؑ اُس آقائے کونین کے ایسے محوِ زیارت ہوں گے اور اپنے آقا کی نعمت حضوری سے اس قدر لذت محسوس کریں گے کہ اُن ملائکہ رحمت کو جواب نہ دیں گے اور نہ اُن پیامبروں کی طرف دیکھیں گے بلکہ اپنا خدمت باسعادتِ امام حسینؑ میں حاضر رہنا نعمت ہائے بہشت سے بہتر و افضل سمجھیں گے، یہاں تک کہ اُن حضرتؑ کے ساتھ ہی بہشت میں داخل ہوں گے۔

مومنین! اللہ تعالیٰ ہم سب کو زمرۂ عزاداران و ماتمدارانِ سے محسوب کرے۔

ابن ابی الحدید نے حکایت کی ہے کہ ایک رات جنابِ علیؑ ابن ابی طالبؑ کہیں سے دولت خانہ کو تشریف لا رہے تھے۔ ناگاہ ایک گھر کی طرف سے گزرے تو دیکھا کہ ایک عورت چولہے پر ایک ظرف رکھے آگ روشن کرتی ہے اور کوئی بچے شدتِ گریہ سے زمین پر لوٹتے ہیں۔ جنابِ امیر علیہ السلام ٹھہر گئے اور پوچھا کہ یہ بچے کیوں روتے ہیں اور تو کیا کر رہی ہے؟ اُس نے کہا: اے شخص! میں ایک بیوہ و بے وارث ہوں اور یہ بچے میرے یتیم ہیں۔ آج مجھے کچھ میسر نہ ہوا کہ انہیں کھلاتی۔ اس وقت ان کا بھوک سے برا حال ہے اور روتے ہیں۔ ناچار بہلانے کو خالی دیگچی میں پانی چولہے پر چڑھا دیا ہے تاکہ یہ جانیں کہ کچھ کھانا پک رہا ہے اور اس اُمید پر سو جائیں۔

حضرتؑ اُس عورت کا احوال سن کر بہت غمگین وملول گھر میں تشریف لائے۔ جَو کا آٹا حضرتؑ کے گھر میں موجود تھا، سارے کا سارا لے گئے اور اُس سے فرمایا:

"اے عورت! جلد اِسے گوندھ کر خمیر کر"۔

آپؑ اُس آبِ گرم میں آنچ لگانے لگے۔ لیکن یہ بھی خیال تھا کہ ایسا نہ ہو کہ کھانا پکنے تک بچے رو رو کر سو جائیں۔ اس خیال سے کبھی دہنِ مقدس سے چولہا پھونکتے تھے اور کبھی بچوں کے ساتھ طفلانہ کھیلتے تھے۔ دونوں دستِ مبارک اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھ کر اُن کے ساتھ دوڑتے تھے اور ہنس ہنس کر اُنہیں بہلاتے تھے، یہاں تک کہ وہ بچے رونا بھول گئے۔

جب کھانا تیار ہوا تو حضرتؑ نے اُن یتیموں کو اُن کی ماں کے ساتھ خود بیٹھ کر کھلایا۔ بعد میں دستِ مبارک آسمان کی طرف بلند کر کے دعا کی:

"اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْھُمَا جَائِعًا اَبَدًا"۔

خداوندا! ان بچوں کو کبھی بھوکا نہ رکھنا کہ یہ یتیم ہیں۔

اُس عورت نے ہر چند نام ونسب پوچھا، حضرتؑ نے نہ بتایا اور رخصت ہو کر چلے آئے۔ آپؑ فاقہ سے ہی رہے۔ جب صبح ہوئی تو عورت نے حضرتؑ کی رحم دلی اور یتیم پروری ہمسائیوں سے بیان کی۔ اُنہوں نے شکل وصورت پوچھی۔ جب اُس نے بیان کی وہ تو بولیں: "آہ! وہ تو جنابِ امیر المؤمنینؑ، داماد رسولؐ خدا تھے۔ یہ یتیم پروری کی عادتیں اور کس نے پائی ہیں؟ اور جَو کا آٹا بھی مخصوص انؑ ہی کا ہے"۔

یہ سن کر وہ عورت رو کر کہنے لگی: "افسوس! میں نے اپنے آقا سے کام لیا؟"

مؤمنین! مقامِ تصور ہے کہ جنابِ امیرؑ کی یتیم پروری اور رحم دلی کا تو یہ حال ہو کہ خود فاقہ سے رہیں اور یتیموں اور بیواؤں کو آب وطعام سے سیر فرمائیں اور اُن کو تشفی ودلاسا دیں۔ ہزار حیف! روزِ عاشور انؑ کے یتیم نرغۂ اعداء میں گھرے پیاس سے جاں بلب ہوں

اور کوئی اُن کی امداد کو نہ پہنچے اور نہ ہی ایک قطرۂ آب سے انہیں سیراب کریں بلکہ تلواروں سے اُن کے مددگاروں کے پرزے پرزے اڑائیں۔

صاحبِ عین البکاء روایت کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کے سب انصار وعزیز جب درجۂ شہادت پر فائز ہو چکے اور آپؑ کا کوئی مددگار باقی نہ رہا، اُس وقت وہ مظلومؑ ناچار خود بنفسِ نفیس آمادۂ کارزار ہوئے اور وداعِ اہلِ حرم کیلئے خیمۂ محترم میں تشریف لائے۔ تمام مخدراتِ عظمیٰ سے دلجوئی فرما کر رخصت ہوتے تھے کہ ایک تین سالہ صاحبزادیؑ دامنِ اقدس سے لپٹ کر فریاد کرنے لگی:

"یَااَبَتَاہُ اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ"۔

بے اختیار اُس بچی کو دیکھ کر رو دیئے، اُٹھا کر گلے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر مصلحت کے طور پر فرمایا: "اے جانِ پدر! صبر کر، میں جاتا ہوں اور تیرے لئے پانی لاتا ہوں"۔

یہ فرما کر میدان کو روانہ ہوئے اور وہ صاحبزادیؑ حضرتؑ کے وعدہ کی اُمید پر انتظار کرتی رہی کہ اب میرے بابا جان پانی لاتے ہوں گے۔

راوی کہتا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام جہاد فرماتے تھے اور لشکرِ کفار امامؑ کے حملہ سے دُور بھاگ جاتا تھا تو حضرتؑ اس خیال سے کہ فوجِ جفاکار خیمہ اہلِ بیتؑ اطہار کی طرف نہ جائے، خود عنانِ عزیمت خیمہ گاہ کی طرف پھیرتے تھے اور ہر مرتبہ اہلِ حرم کو وداع کر کے میدان کو تشریف لے جاتے تھے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ مہلت پا کر خیمہ میں تشریف لائے، جونہی اُس صاحبزادیؑ کی نگاہ حضرتؑ پر پڑی، بے اختیار استقبالِ پدر کو دوڑی اور حضرتؑ کے دامن کو تھام کر حضرتؑ کا پانی لانے کا وعدہ یاد دلایا اور عرض کی:

"یَااَبَتَاہُ لَعَلَّکَ اَتَیْتَنِیْ بِالْمَاءِ فَاِنَّ کَبِدِیْ نَشَفَتْ مِنْ شِدَّۃِ الظَّمَاءِ"۔

اے باباجان! میں گمان کرتی ہوں کہ شاید آپؑ میری تشنہ لبی اور بیتابی کو خیال فرما کر پانی لائے ہیں کیونکہ آپؑ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوا اور اب میرا کلیجہ شدتِ تشنگی سے خشک ہو گیا ہے۔

مؤمنین! مقامِ تصور ہے کہ اُس گھڑی امام حسین علیہ السلام پر کیا صدمہ گزرا ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرتؑ اُس بچی کا یہ کلامِ حسرت آمیز سن کر بآوازِ بلند رونے لگے اور گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر آنسو دستِ مبارک سے صاف کرتے تھے اور فرماتے تھے:

''اے نورِ دیدہ! تیرے بابا پر بہت دشوار ہے کہ تجھے ایسی مصیبت میں دیکھے''۔

یہ فرما کر حضرتؑ نے انگشتِ دستِ حق پرست اُس بچی کے منہ میں دی اور کلماتِ تشفی اور تسلی سے بہلانے لگے۔

''اے نورِ نظر! اس مرتبہ پھر میدان میں جاتا ہوں اور تیری تشنگی کو دور کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ فکر کرتا ہوں''۔

مؤمنین! حضرتؑ کے اس حتمی وعدہ کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے خیال فرمایا ہو کہ جب تک میں زندہ ہوں، یہ قومِ جفاکار میری ذریت کو ایک قطرۂ آب بھی نہ دے گی۔ مگر میری شہادت کے بعد شاید ان بے وارثوں کو عمر سعد کچھ آب و غذا دے۔ اس سبب سے اقرار فرمایا: ''اے سکینہؑ! میں جا کر تمہارے لئے فکرِ آب کرتا ہوں یعنی اب میں شہید ہوں گا اور میری شہادت کے بعد تمہیں آب و غذا میسر ہوگی''۔

الغرض ایک ایک کو باری باری بطورِ رخصتِ آخر وداع فرما کر مقتل کی طرف متوجہ ہوئے، یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور وہ اشقیاء غارتِ خیامِ اہلِ بیتؑ سے فارغ ہوئے۔ پس وہ ملاعین اکل و شرب میں مشغول ہوئے اور ایک بوسیدہ خیمہ میں تمام اہلِ حرم کو بے آب و طعام نظر بند رکھا۔

صاحبِ سرور المؤمنین لکھتے ہیں کہ جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں کہ میں نے گیارہ محرم

کی شب کو دیکھا کہ دُور سے ایک سیاہی نمودار ہوئی، جب وہ سیاہی نزدیک پہنچی تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرے بھائی حسینؑ کچھ ہاتھ میں لئے چلے آتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی میں دوڑ کر لپٹ گئی اور کہنے لگی:

''اے بھائی! آپ کو تو شمر نے میرے سامنے مثل گوسفندِ قربانی ذبح کر ڈالا تھا اور آپؑ کے سرِ اطہر کو نوکِ نیزہ پر چڑھا کر ابن سعد بن نہاد کے پاس لے گئے اور آپؑ کا تنِ اقدس ریگِ صحرا پر پڑا ہے۔ پھر آپؑ کہاں سے صحیح و سالم تشریف لا رہے ہیں؟''

جنابِ امام حسینؑ نے فرمایا: ''اے بہنؑ! میں اس وقت اپنے جدِ بزرگوار کے ہمراہ نعمت ہائے بہشت سے سیر ہو رہا تھا کہ یکایک جدِ بزرگوار کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: نانا جان! اس وقت آپؐ کے اضطراب کا کیا سبب ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اے فرزند! تم تو اس وقت نعمت ہائے بہشت سے سیر ہو رہے ہو اور تمہاری بچی تین دن کی بھوکی پیاسی تڑپ رہی ہے۔ یہ سنتے ہی میں بیتاب ہو گیا اور یہ نعمت ہائے بہشت لے کر تمہیں دینے کو آیا ہوں''۔

یہ کہہ کر وہ نعمتیں مجھے دے کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ ایک اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ تاراجی خیام کے وقت اہلِ بیتِ رسولؐ ہر طرف بھاگتے پھرتے تھے۔ چنانچہ ایک بی بی بیتابانہ نہرِ فرات کی جانب بھاگی۔ ناگاہ ایک نقاب پوش سوار عقب سے نمودار ہوا۔ اُس بی بی نے جو اُس سوار کو آتے دیکھا تو اپنے آپ کو مارے خوف و ہراس کے نہرِ فرات میں گرا دیا۔ اُس سوار نے ہاتھ تھام کر باہر نکال لیا۔ اُس مخدومہ کا یہ حال ہوا کہ قریب تھا کہ طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔

سوار نے فرمایا: ''کیوں ڈرتی ہو اور کیوں گھبراتی ہو؟ میں حسینؑ ہوں''۔

آپؑ نے اُن کو لا کر اہلِ بیتؑ تک پہنچایا اور نظروں سے غائب ہو گئے۔

روایتِ سرِ جنابِ قاسمؑ شہرِ رَے میں دفن ہونا

یَا عَیْنُ اِبْکِیْ لِلْحُسَیْنِ وَاَھْلِہٖ
بِدَمٍ اِذَا مَاقَلَّ مِنْکَ الْمَدْمَعُ

اے چشم! تجھے لازم ہے کہ حسینؑ اور اُن کے عیال واطفال کی مصیبت وغربت پر گریاں ہو اور تجھے اس قدر رونا چاہئے کہ اگر اشک کمی کرے تو بجائے اشک تجھ سے خون جاری ہو جائے۔

اِبْکِیْ لَہٗ مُلْقٰی بِلَاغُسْلٍ وَّلَاکَفَنٍ
وَلَانَعْشٍ ھُنَاکَ یُشَیَّعُ

اے آنکھ! ایسے شہیدِ راہِ خدا اور ایسے بیکس ومظلوم غریب پر رو جو تشنہ لب شہید ہوا اور اُس بے سر لاش بے غسل وکفن اور بے حنوط ریگستانِ گرم پر کئی روز تک پڑی رہی اور کوئی شخص تجہیز وتکفین کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

اِبْکِیْ لِنِسْوَانِ الْحُسَیْنِ حَوَاسِرًا
فِی الْبِیْدِ مَافِیْھِنَّ مَنْ یَتَقَنَّعُ

اے چشم! اہل بیتِ حسینؑ کی غربت پر گریہ کر کہ وہ پردہ دارانِ عصمت وطہارت بے مقنعہ وچادر عریاں سر پریشان حال صحراؤں میں اور پہاڑوں میں پھرائی گئیں۔

اِبْکِیْ عَلَی السَّجَّادِ وَھُوَ مُقَیَّدٌ
بِالْقَیْدِ مَکْتُوْفُ الْبَدَنِ مُکَنَّعُ

اے آنکھ! جناب سید الساجدینؑ، رئیس الصابرینؑ کے حال پر گریہ وزاری کر کہ وہ حضرتؑ اس طرح مقید ہو کر کہ دونوں ہاتھ زنجیر سے بندھے تھے، شدتِ تپ اور غلبہ مرض

میں پاپیادہ اہل حرم کے ہمراہ جابجا پھرائے گئے۔

صاحب اسرار الشہادتین لکھتے ہیں کہ جب اُسرائے اہل بیتؑ رسولؐ خدا سرہائے شہداء کے ساتھ دارالامارہ کوفہ میں پہنچے تو ابن زیاد جفار کار نے ہر کوچہ وبازار میں یہ منادی کروادی کہ جن لوگوں کو اُسرائے اہل بیتؑ وسرہائے شہداء کا تماشا دیکھنا منظور ہو، اس دارالامارہ مقہورہ میں حاضر ہوں اور ہر شخص کو لازم ہے کہ مثل روز عید یزید پلید کی فتح پر خوشی کرے۔ اُس نے اپنے دشمن پر فتح پائی اور خلافت بے خوف وخطر ہاتھ آئی۔

یہ خبر سنتے ہی یزیدیوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ مکانات، شہر آراستہ ہوئے اور دکانوں میں فرش ہائے مکلف بچھائے گئے۔ تماشا دیکھنے لوگ جمع ہوئے۔

الغرض بعض شیعوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ کسی طرح ابن زیاد بدنہاد کو قتل کریں اور اہل بیتؑ کو اس ظلم وستم سے چھڑوائیں۔ جب اُس شقی نے سنا تو ایک لشکرِ جرار اہل بیتؑ کے ساتھ کر کے شام روانہ کیا۔ جب دو دن کی راہ اُس لشکر نے طے کی تو حصین بن نمیر کندی جو سردارِ لشکرِ عجم تھا، عمر سعد کے پاس آ کر کہنے لگا:

"اے امیر! چھ مہینے گزرے کہ میں نے ترکِ وطن کیا ہے، اجازت دے کہ وطن جا کر حسینؑ کے قتل کی خبر یزید کے دوستوں کو سناؤں تا کہ وہ خوش ہوں اور اولادِ بوتراب کے سروں میں سے ایک سر مجھے دے تا کہ اُسے دیکھ کر آلِ ابوسفیان خوشیاں کریں"۔

عمر سعد لعین نے شہزادہؑ قاسم کا سر اُس لعین کے حوالے کیا۔ وہ شقی اُس سر کو شہر بہ شہر، دیار بہ دیار پھراتا ہوا اپنے وطن کو روانہ ہوا۔ جہاں پہنچتا تھا، یزید کے دوست اُس سر کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور اپنے گھروں کو آراستہ کر کے محفل سرور برپا کرتے تھے، یہاں تک کہ حصین شوم رَے میں داخل ہوا۔ وہاں کے لوگ خاندانِ رسولؐ خدا کی تباہی پر بہت خوش ہوئے اور ایک گروہِ اشقیاء اُس سر کو لے کر صبح سے شام تک ایک کے بعد دوسرا میدان میں اُچھالتا پھرتا تھا۔

منقول ہے کہ ایک عورت جاریہ خاتون نامی مضافاتِ شمرانات کی رہنے والی جو جابر بن عبداللہ انصاری کی نسل سے تھی اور واقعہ کربلا کی اُس کو مطلق خبر نہ تھی، یہ اعداء ہر روز مغرب کے وقت جب کھیلنے سے فرصت پاتے تھے، اُس سر کو اُسی عورت کے گھر رکھ دیتے تھے۔ مدت کے بعد ایک شب جمعہ کو اُس حجرے میں، جہاں شہزادہ قاسمؑ کا سر رکھا تھا، وہ عورت گئی تو سارا مکان نور سے معمور پایا۔ دیکھا کہ اُس سرِ انور سے نور پھوٹ رہا ہے۔ حیران ہوئی اور سمجھی کہ یہ سرِ مطہر کسی ولی خدا کا ہے۔

مشک و گلاب سے دھو کر عطر لگا کر ایک جائے صاف و پاک میں رکھا اور اُس کے گرد شمع ہائے کافوری جلا کر زار زار رونے لگی اور درگاہِ پروردگار میں دعا کرنے لگی:

''اے کاشفِ اسرار! بحق محمدؐ و آلِ اطہار اس سر کے مخفی راز کو مجھ پر ظاہر فرما''۔

روتے روتے نصف شب کے بعد آنکھ لگ گئی۔ دیکھا کہ چھ بیبیاں نورانی صورت میں ظاہر ہوئیں اور وہ سرِ بریدہ تعظیم کے واسطے ایک گز زمین سے بلند ہوا اور ایک خاتونِ معظمہؑ کی طرف، جو سب بیبیوں میں سردار تھیں، مخاطب ہو کر سلام کیا۔

''فَقَالَ یَا اُمَّاہُ یَازَہْرَآءُ وَاللّٰہِ قَتَلَ بَنُوْ اُمَیَّۃَ رِجَالَنَا وَذَبَحُوْا اَطْفَالَنَا وَسَبَوْا نِسَائَنَا''۔

''اور عرض کی: اے جدۂ عالی مقدار! خدا کی قسم بنی اُمیہ نے ہمارے مردوں کو مار ڈالا، بچوں کو ذبح کیا، عورتوں کو اسیر کر کے در بدر، شہر بہ شہر پھرایا۔ ہمارے بدن کو بے گور و کفن زمین پر چھوڑ دیا۔ سر کو کاٹ کر کہاں کہاں لئے پھرے''۔

اُس خاتون نے ایک چیخ ماری اور زار زار رونے لگی اور اُن پانچوں بیبیوں نے بھی گریہ و زاری میں اُس بی بی کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد وہ معظمہ اُن پانچوں بیبیوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمانے لگیں:

''اے فاطمہ بنتِ اسد، اے اماں خدیجہ، اے آمنہ، اے مریم مادرِ عیسیٰ اور اے

آسیہ! دیکھتی ہو بابا کی اُمتِ جفاکار نے ہم اہل بیتِ اطہار کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

یہ فرما کر اُن فخرِ مریمؑ نے جنابِ قاسمؑ کا سر ہاتھ میں لیا اور ماتھا چوم کو سینہ سے لگایا۔ اُن بیبیوں نے بھی اُس بی بی کی متابعت کی۔ اس کے بعد اُس سر کے گرد حلقہ باندھ کر ایسا ماتم کیا کہ تمام گھر میں کہرام بپا ہو گیا۔

پھر جنابِ سیدہؑ شہزادہ قاسمؑ کے سر سے فرمانے لگیں:

''یَاوَلَدِیْ یَاقَاسِمُ صَبْرًا صَبْرًا''۔

اے فرزند! صبر کر، انشاء اللہ تعالیٰ جب قیامت قائم ہوگی،

اَضَعُ عَلٰی رَاسِیْ عَمَامَۃَ جَدِّکَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مُتَلَطِّخَۃً بِدِمَائِہٖ۔

اُس وقت تیرے جد علیؑ ابن ابی طالبؑ کا خون آلود عمامہ تیرے سر پر رکھوں گی اور دائیں کاندھے پر تیرے بابا حسن مجتبیٰؑ کا زہر آلودہ کرتہ ہوگا اور بائیں کاندھے پر تیرے چچا حسینؑ کا خون آلود جامہ رکھوں گی اور ذوالجناحِ حسینؑ پر سوار ہو کر قائمہ عرش کو ہلاؤں گی اور تم لوگوں کو اور تمہارے دوستوں کو بہشت میں اُس وقت تک لے کر نہ جاؤں گی جب تک خدا سے اپنی داد رسی نہ پاؤں گی۔

غرض یہ حال دیکھ کر اُس مؤمنہ کے ہوش اُڑ گئے اور خدمتِ جنابِ سیدہؑ میں عرض کرنے لگی: ''اے دخترِ رسولؐ! میری خطا معاف ہو۔ میں اس سرِ مطہر کی کیفیت سے مطلق واقف نہ تھی''۔

آپ نے فرمایا: ''کچھ خوف نہ کر، میں تیری ناواقفیت سے خوب آگاہ ہوں اور تو میری محبت ہے''۔

''وَاِنِّیْ لَااَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا وَاَنْتِ مَعَنَا''۔

''اور ہم تجھ کو اپنے ساتھ بہشت میں لے جائیں گے''۔

راوی کہتا ہے کہ اس بشارت کے سننے کے باوجود اس مؤمنہ کے دل سے خوف زائل نہ ہوا۔ جب جناب سیدہؑ نے اُس عورت کا یہ حال دیکھا تو ازراہِ فورِ عنایت ایک پرچہ برأت آتش دوزخ اپنے دستِ حق پرست سے تحریر فرما کر عنایت فرمایا اور اُس کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئیں۔

صبح کو اُس نے اپنے فرزند عبداللہ کو شب کی کیفیت سے آگاہ کیا اور کہا:

''اے فرزند! جب کفار قاسمؑ کا سر لینے آئیں تو نبیؑ زادہ پر تو اپنا سر فدا کر''۔

وہ بولا: ''ایک سر تو کیا، اگر ہزار ہوں تو اولادِ حیدرؑ کرار پر نثار کردوں''۔

الغرض جب وہ غدار اُس مؤمنہ سے سر کے طلبگار ہوئے تو اُس ضعیفہ نے اپنے جوان بیٹے کا سر کاٹ کر اُن ظالموں کو دے دیا۔ اہل شقاوت حسب عادت اُس سر کو شہزادہ قاسمؑ کا سر سمجھ کر مثل گیند کے لکڑیوں سے کھیلنے لگے۔ دفعتاً اُن موذیوں کی ضربِ دست سے وہ سر پاش پاش ہو گیا۔

مؤمنین! قاسمؑ مظلوم کے سر کا یہ معجزہ تھا کہ ضربِ چوگان سے شکستہ نہ ہوتا تھا۔ بہرکیف وہ اشقیاء سمجھے کہ اُس مؤمنہ نے کچھ حیلہ کیا اور سر بدل لیا۔ یہ سوچ کر اُس ضعیفہ کے گھر کی طرف دوڑے۔ اُس مؤمنہ کے چھوٹے بیٹے نے جس کا نام اسماعیل تھا، اپنی ماں کو اس حال سے خبردار کیا۔ وہ درگاہِ پروردگار میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگی:

''خداوندا! مجھے جلد موت دے تا کہ فرزندِ رسول کا سر یہ ملاعین میرے سامنے نہ لے جا سکیں''۔

فوراً دعا قبول ہوئی اور راہیِ جنت ہو گئی۔ ایک شخص جو خاندانِ عمار بن یاسر سے تھا، یہ حال سن کر اپنی جماعت کے ساتھ اُن ملاعین پر آ پہنچا اور سرِ انور جناب قاسمؑ کو اُن سے چھین کر مع لاشِ ضعیفہ اور اُس کے فرزند عبداللہ کے دربند علیا میں لے جا کر دفن کر دیا۔

فضائلِ جنابِ امیرؑ، وصفِ کوثر، ابن حمدون کا قتل ہونا، کنیزِ مصریہ کی روایت

نُزُوْعِیْ اِلٰی اَرْضٍ بِهَاحَلَّ اَنْزَعُ
بَطِیْنٌ خَمِیْصُ الْبَطْنِ اَرْوَعُ اَوْرَعُ
اَعِدْ ذِکْرَ کَرَّارٍ لَنَا اِنَّ ذِکْرَهٗ
هُوَالْمِسْکُ مَاکَرَّرْتَهٗ یَتَضَوَّعُ

اُس مقدس زمین کی زیارت کا اشتیاق رکھتا ہوں جس پاک زمین میں وہ بزرگوار ساکن و رونق افروز ہیں جو جنابؑ اکثر فاقوں میں بسر کرتے تھے۔ مگر اس فاقہ پر سطوت و جلالت وہ تھی کہ جو شخص آپؑ کا نورِ جمال دیکھتا تھا، رعب میں آ جاتا تھا۔ آپؑ کا لقب مقدس انزع البطین امیر المؤمنینؑ ہے۔

مؤمنین کو چاہئے کہ فضائل و مناقب جنابِ حیدرؑ کرار کو بہ تکرار یاد کریں کہ اس ذکرِ پاک کا خاصہ مثل مشک کے ہے کہ جس قدر اُس کو حل کرتے ہیں، خوشبو زیادہ ہوتی ہے۔

قِیْلَ لِیْ قُلْ لِعَلِیٍّ مَدْحًا
ذِکْرُهٗ یُخْمِدُ نَارًا مُوْصَدَهْ
قُلْتُ لَا اُقْدِمُ فِیْ مَدْحِ امْرِءٍ
جِبْرَئِیْلُ وَرَسُوْلٌ حَمِدَهْ

مولانا طبرسیؒ شاعرانہ انداز میں فرماتے ہیں: مجھ سے لوگوں نے کہا کہ تم بھی کچھ مدحِ علی ابن ابی طالبؑ میں اشعار نظم کرو کہ حضرتؑ کا ذکر آتشِ جہنم کو خاموش کرتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں کیا مدح کرسکتا ہوں اُنؑ بزرگوار کی جس کے مداح جبرئیلؑ امین اور

جنابِ سیدُ المرسلین ہوں۔

اَلنَّبِیُّ الْمُصْطَفٰی قَالَ لَنَا
لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ لَمَّا صَعِدَہٗ
وَضَعَ اللّٰہُ عَلٰی کَتْفِیْ یَدًا
فَاَحَسَّ الْقَلْبُ اَنْ قَدْ بَرَدَہٗ

چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میں شبِ معراج مقامِ قاب قوسین میں پہنچا تو میرے قلب پر جلالت و ہیبتِ جنابِ احدیت سے ایک حرارت محسوس ہوئی۔ اُس وقت جنابِ اقدسِ الٰہی نے اپنا دستِ قدرت و رحمت میری پشت پر رکھا کہ اُس کی ٹھنڈک میرے قلب کو معلوم ہوئی۔

وَعَلِیٌّ وَاضِعٌ اَقْدَامَہٗ
فِیْ مَحَلٍّ وَضَعَ اللّٰہُ یَدَہٗ

مؤمنین! اب مراتبِ سید الوصیینؑ کو ملاحظہ فرمائیں کہ خانۂ کعبہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ نے بت شکنی کے واسطے اپنے قدمِ مبارک اُسی مقامِ نورانی پر رکھے جہاں جنابِ اقدسِ الٰہی نے اپنا دستِ قدرت رکھا تھا۔

جنابِ امیر علیہ السلام کے فضائل میں یہ دو شعر شافعی کے بھی مشہور ہیں:

عَلِیٌّ حُبُّہٗ جُنَّۃٌ
قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّۃِ
وَصِیُّ الْمُصْطَفٰی حَقًّا
اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجِنَّۃِ

یعنی روزِ قیامت حضرت علی علیہ السلام کی دوستی عذابِ الٰہی کی سپر ہے۔ وہ جنابؑ بے شک نبی مطلق کے وصی برحق ہیں اور جن و انس عالم کے امام و مقتداء ہیں۔ روزِ

دارو گیر مثل رسولِ مختار سب کے مالک و مختار ہوں گے۔ دشمنوں کو واصلِ جہنم اور دوستوں کو بہشت میں داخل کریں گے۔

یُنْصَبُ فِیْہِ عَلَمٌ لِلْھُدٰی
وَالْحَوْضُ مِنْ مَاءٍ لَہٗ مُتْرَعٌ
یَفِیْضُ مِنْ رَحْمَتِہٖ کَوْثَرٌ
اَبْیَضُ کَالْفِضَّۃِ اَوْ اَنْصَعُ

منجملہ تفضل ایزدی و مراحم سرمدی کے یہ ہے کہ اُس روز ایک علَمِ ہدایت جنابِ شاہِ ولایت کیلئے نصب ہوگا اور ایک حوض آبِ شیریں سے بھرا ہوا نہایت وسیع جس کا نام کوثر ہے، اُس کے آپؑ مالک ہوں گے اور وہ حوض غایت لطافت اور انتہائے نظافت سے لہریں مارتا ہوگا اور اُس کے آبِ خوشگوار کی صفائی کا عالم کیا بیان کہ نقرۂ خام سے بھی سفید و شفاف تر ہوگا۔

حَصَاہُ یَاقُوْتٌ وَمَرْجَانَۃٌ
وَلُؤْلُؤٌ لَمْ تَجْنِہٖ اِصْبَعُ

اُس چشمۂ رحمت کے سنگریزے یاقوت و مرجان و مروارید ایسے نایاب اور عدیم المثال ہوں گے کہ مخلوقاتِ عالم سے کبھی کسی کے ہاتھ نہ آئے ہوں گے۔

بَطْحَاءُہٗ مِسْکٌ وَحَافَاتُہٗ
یَھْتَزُّ مِنْھَا مُوْنِقٌ مَرْبَعُ
اَخْضَرُ مَا دُوْنَ الْوَرٰی نَاضِرٌ
وَفَاقِعٌ اَصْفَرُ اَوْ اَنْصَعُ

اُس حوض سے جو نہریں جابجا جاری ہیں، وہ مشکِ خالص سے ہوں گی اور اُن کا پانی ایسا صاف و شفاف ہوگا کہ اگر کوئی لبِ نہر کھڑا ہو تو تہِ آب کی زمین دیکھ لے اور اُس کی

سبزی ایسی ہوگی کہ دنیا کی کوئی سبز چیز اُس کے مقابل نہ ہوگی اور چمک ایسی ہوگی کہ پکھراج کی چمک اُس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

فِیْهِ اَبَارِیْقٌ وَقِدْحَانَهٗ
یَذُبُّ عَنْهَا الرَّجُلُ الْاَصْلَعُ
یَذُبُّ عَنْهَا ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ
کَمَا یَذُبُّ الْاِبِلُ الشُّرَّعُ

اُس حوض پر نور کے بے شمار کوزے اور کاسے رکھے ہوں گے اور جیسے کوئی تشنہ شدتِ تشنگی میں پانی کی طرف دوڑے اور کوئی پینے سے باز رکھے، اُسی طرح وصیِ پیغمبرؐ ساقیِ کوثرؑ اپنے دشمنوں اور منافقوں کو اُس حوض سے ہٹائیں گے اور دشمنی اور نفاق کے عوض جہنم کی طرف بھیجیں گے بلکہ روزِ قیامت پر کیا موقوف ہے، اس دارِ دنیا میں بھی ہر چند ہر جگہ انتقام اور جزا کی نہیں، اپنے بعض دشمنوں کو جن کی شقاوت و عداوت کا درجہ حد سے زیادہ گزرا، اظہارِ حق و عبرتِ مخالفین کیلئے آپؑ نے سزا دی ہے اور واصلِ جہنم کیا ہے۔

چنانچہ صاحبِ زہر الربیع کتاب ارشاد دیلمی سے نقل فرماتے ہیں کہ شہر موصل میں ایک شخص احمد بن حمدون نامی رہا کرتا تھا اور ہمیشہ اُس کے سینہ میں وصیِ پیغمبرؐ، ساقیِ کوثر کی عداوت کی آگ مشتعل رہتی تھی۔ اتفاقاً روسائے شہر سے ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا اور رخصت کے واسطے احمد بن حمدون کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے حج کا ارادہ کیا ہے، اگر تمہاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو، میں اُس کو بجالاؤں گا۔

وہ ملعون کہنے لگا کہ میری ایک بڑی حاجت ہے اور تجھ سے سہولت کے ساتھ انجام پائے گی۔ وہ یہ ہے کہ جب تو مدینہ میں پہنچنا اور پیغمبرِ خدا کی زیارت سے مشرف ہونا تو میری طرف سے کہنا:

"یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا اَعْجَبَکَ مِنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ

طَالِبٍ حَتّٰی زَوَّجْتَهُ ابْنَتَکَ اَعْظَمُ بَطْنِهٖ اَوْ دِقَّةُ سَاقَیْهِ اَوْ صَلْعَةُ رَاْسِهٖ".

یا رسولؐ اللہ! آپ کو علیؑ ابن ابی طالبؑ کی کونسی چیز پسند آئی کہ اپنی صاحبزادی فاطمہ زہراؑ کو علیؑ سے منسلک کیا، درازیٔ شکم یا سر میں بالوں کا کم ہونا؟

یہ کہہ کر اُس کو قسم دی کہ ضرور یہ پیغام رسولؐ انام تک پہنچانا۔ غرض وہ شخص وہاں سے روانہ ہوا اور مناسکِ حج وغیرہ سے فراغت پائی مگر اُس بدانجام کا پیام بھول گیا۔

پس اُس نے جنابِ امیر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضرتؑ فرماتے ہیں کہ تو نے احمد بن حمدون کی پیغامبری میں کیوں غفلت کی؟

یہ دیکھ کر وہ مردِ دیندار بیدار ہوا اور روضہ جنابِ رسولؐ خدا میں جا کر پیغام ادا کیا۔ اس کے بعد جب بستر پر گیا تو عالم خواب میں دیکھا کہ جنابِ امیر علیہ السلام تشریف لائے اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اُس دشمنِ خدا کے گھر لے گئے۔ اُس وقت آپؑ کے دستِ حق پرست میں ایک چھری تھی جس سے آپؑ نے احمد بن حمدون کو ذبح کر دیا۔ اس کے بعد خون آلود چھری اُس کے لحافِ نجس سے پاک کی اور سقف جو دروازے کے سامنے تھی، اُس میں اُٹھا کر وہ چھری حضرتؑ نے رکھ دی۔

یہ خواب دیکھتے ہی وہ مردِ دیندار خائف و ترساں بیدار ہوا اور خواب کی کیفیت اور وقوع کی تاریخ اُس کے ساتھیوں نے جو موصل سے ہمراہ آئے تھے، بطور یادداشت لکھ کر رکھ لی۔

اب یہاں کا حال پڑھیئے کہ جب قتل کی خبر منتشر ہوئی تو سلطان موصل نے اُسی شب اُن لوگوں کو، جو اُس کے ہمسایہ میں رہتے تھے، با احتمال کہ شاید انہی میں سے کسی نے قتل کیا ہو، مقید کیا۔ لوگوں کو اس کے قتل ہونے سے نہایت تعجب تھا کہ نہ کہیں آثار نقب پائے جاتے تھے، نہ دروازہ کھلا تھا، یہاں تک کہ بادشاہ بھی متحیر تھا کہ اُس کے بارے میں کیا

حکم کرے۔

غرض جب وہ حاجی قاصد روضہ پیغمبرؐ سے اپنے گھر آیا تو جو لوگ مقید تھے، اُن کی خبر پوچھی، استفسار حال کیا کہ کہاں ہیں، کس طرح ہیں؟ لوگوں نے تمام کیفیت بیان کی۔ اُس حاجی نے اللہ اکبر کہا اور وہ کاغذ جس میں تاریخ اور خواب کی کیفیت مرقوم تھی، باہر نکالا۔ اُس ملعون کی شب قتل وہی تھی جس رات کو اُس حاجی نے عالم خواب میں دیکھا تھا۔

پس وہ دیندار اپنے اصحاب کو لئے اُس مقتول کے گھر آیا اور اُس کے لحاف میں خون کا اثر بھی معلوم ہوا۔ چھت کو جب لوگوں نے توڑا تو چھری اُسی مقام پر رکھی تھی۔

غرض صداقت خواب تمام لوگوں پر ظاہر ہوئی اور اس معجزہ کی برکت سے بہت سے مخالفین ایمان لا کر کامل شیعہ ہوئے اور ناامید محبوسین نے بھی قید سے نجات پائی۔

مؤمنین! مقامِ حیرت ہے کہ جنابِ امیرؑ نے اپنے دشمن کو ایک کلمہ عداوت کی تو یہ سزا دی مگر وہ حضرتؑ روزِ عاشور کہاں تھے کہ اُنؑ کے اہل بیتِ اطہار کے دلوں کو ظالم کن کن کلماتِ طعن و تشنیع سے مجروح و فگار کرتے تھے اور زبان کے زخموں کے علاوہ حضرتؑ کے نورِ عین امام حسینؑ کے بدنِ اطہر پر تین دن کی بھوک پیاس میں ایک ہزار نو سو اکاون زخم تیر و شمشیر کے لگائے، یہاں تک کہ وہ مظلومؑ تشنہ کام شہید ہو گئے۔

شاعر کہتا ہے:

وَمَا كُنْتُ اَنْسٰى حِيْنَ عَادَ جَوَادُهٗ
اِلٰى بَابِ فُسْطَاطِ النِّسَاءِ يُحَمْحِمُ
فَشَاهَدْنَهٗ وَالسَّرْجُ عَارٍ وَظَهْرُهٗ
جَرِيْحٌ سِهَامٍ مِنْهُ يَنْسَكِبُ الدَّمُ

وہ وقت مجھے نہیں بھولتا کہ جنابِ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ذوالجناح اپنی پیشانی خونِ حضرتؑ سے رنگین کر کے درِ خیمہ پر اہل حرم کو خبر دینے آیا۔ جب بیبیوں نے

گھوڑے کی آواز سنی تو سمجھیں کہ حضرتؑ مقتل سے تشریف لائے ہیں۔ سب کی سب روتے ہوئے دروازے پر آئیں تو دیکھا کہ گھوڑے کی زین سوار سے خالی ہے، باگیں کٹی ہوئی ہیں، پشتِ فرس پر تیر پیوست ہیں اور زخموں سے خون جاری ہے۔

وَحِيْنَ خِيَامُ الْفَاطِمِيَّاتِ اُحْرِقَتْ
وَفِيْهَا اللِّئَامُ الْغَاشِمُوْنَ تَقَحَّمُوْا

اور وہ وقت نہیں بھولتا جب خیمہ ہائے عصمت جلنے لگے اور جہنمی بے دین اُس گھر میں جہاں فرشتوں کے پر جلتے تھے، بیباکانہ داخل ہو گئے۔

وَاُخْرِجَتْ النِّسْوَانُ عَنْهَا حَوَاسِرًا
فَشَاهَدْنَ فِي الرَّمْضَاءِ مَاهُوَ يَعْلَمُ

اُس وقت وہ پردہ دار عفت و طہارت کیا کرتیں، کہاں جاتیں؟ گھبرا کر خوفِ اعداء سے باہر نکل آئیں۔ کون پرسانِ حال تھا جو خبر گیری کرتا۔ کوئی مخدومہ کسی طرف، کوئی معظمہ کسی جانب منتشر ہو گئیں۔ کیا حال ہوا ہوگا اُن بیبیوں کا جو مقتل کی طرف گئی ہوں گی اور گرم ریت پر عزیز و اقرباء کی لاشوں کو دیکھا ہوگا، خصوصاً جب اپنے سردار و وارثؑ کو بے سر قبلہ رُو دیکھ کر پہچانا ہوگا۔

حُسَيْنٌ جَرِيْحٌ بِالدِّمَآءِ مُضَرَّجٌ
وَمَا لِجِرَاحَاتٍ اَصَابَتْهُ مَرْهَمٌ
حُسَيْنٌ ذَبِيْحٌ بِالْعَرَآءِ مُرَمَّلٌ
مُحَنَّطَةٌ تُرْبٌ غَاسِلُهُ الدَّمُ

کہ یہی حسینؑ، فرزندِ رسول الثقلین ہیں جو ہزاروں کاری زخم کھا کر اپنے خون میں غلطاں زمین پر پڑے ہیں اور اُن زخموں کا مرہم اور چارۂ کار قیامت تک ممکن نہیں ہے۔ ہمارے آقا یہی ہیں جو غبار آلود اس بیکسی سے بستر خواب پر آرام کر رہے ہیں جن کی لاشِ

اطہر کو حنوط ماسوا ریگ کربلا اور غسل سوائے خونِ بدن کے دوسری چیز سے ممکن نہ ہوا۔

آہ! اُن ظالموں کی عداوتیں کس زبان سے بیان ہوں، اُن ظلموں پر بھی اکتفا نہ کی، لاش ہائے شہداء پر گھوڑے دوڑائے۔ حرمِ محترم کو مقید و رسن بستہ کر کے سر برہنہ شترانِ بے عماری پر قریہ بہ قریہ پھرایا اور جس شہر میں وارد ہوتے تھے، وہاں قتل حسینؑ کی خوشیاں مناتے تھے بلکہ دوسروں کو حکم اور ترغیب دیتے تھے کہ عیش و عشرت میں سرگرم ہوں۔

چنانچہ مقاتل عبداللہ حائری میں منقول ہے کہ جب اہل بیتِ رسولؐ زندانِ کوفہ میں مقید ہوئے تو ابن زیاد بدنہاد نے اہل شہر کو حکم دیا کہ ہر شخص جنگ کی فتح کی خوشی میں بقدر حوصلہ سامانِ جشن مہیا کرے۔ زن و مرد لباس ہائے رنگین سے مزین ہو کر آپس میں معانقہ و مصافحہ کریں اور مبارکباد دیں۔

غرض ہر شخص اپنی وسعت سے زیادہ ابن زیاد کے حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوا، خصوصاً اُس کے محل میں ہر کنیز و خادمہ باانواع زیب و زینت آراستہ و پیراستہ ہوئی۔ دوسرے دن جب وہ بدعمل اپنے محل میں داخل ہوا تو ہر خواص کو زینتِ خاص سے مزین پایا مگر ایک مصری کنیز کو دیکھا کہ مسرت و لباس کی تبدیلی کی بجائے نالاں و گریبان چاک ہے۔

اُس نے غضبناک ہو کر پوچھا: ''کیا وجہ ہے کہ تو نے میرا امتثال امر نہ کیا بلکہ بجائے مبارکباد تو فریاد کرتی ہے؟''

اُس کنیز نے ضبط گریہ کر کے جواب دیا: ''میری کیا تاب کہ امیر کے حکم سے سرتابی کروں لیکن آج میں نے عجیب خواب پریشان دیکھا ہے کہ دل اختیار میں نہیں۔ وہ یہ ہے کہ آج کی شب جنابِ سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا خواب میں نظر آئی ہیں، حالانکہ جب سے اُس معصومہؑ نے دنیا سے رحلت فرمائی تھی، کبھی میں خواب میں زیارت سے مشرف نہ ہوئی تھی مگر آج خوبیِ تقدیر سے دیکھا ہے تو کس کیفیت میں کہ وہ سر مبارک کے بال پریشان کئے چہرہ پر خاک، ماتمی لباس پہنے ہوئے نوحہ و فریاد میں مصروف ہیں۔ جب خاتونِ جنتؑ اس

حالت میں ہوں تو ہم کنیزوں کو کب زیبا ہے کہ جشن مسرت اور زیب و زینت کریں؟ انواع خیالات دل میں گزرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولادِ رسولؐ اور ذریتِ علیؑ و بتولؑ کی خیر کرے''۔

یہ کہہ کر منہ پر طمانچہ مار کر بے اختیار باآوازِ بلند رونے لگی۔ ابن زیاد یہ ماجرا سن کر کہنے لگا: ''اگر تجھ کو اس خواب کی تعبیر منظور ہو تو زندانِ کوفہ میں جا، حقیقت ظاہر ہو جائے گی''

غرض وہ مومنہ مصریہ زندان کی جانب روانہ ہوئی۔ آہ! یہاں آتے ہی پہلی مصیبت اُس کو نظر آئی کہ ایک بیمار طوق و زنجیر میں گرفتار فرشِ سنگ پر پڑا ہے مگر اُس کے نورِ جمال سے بادشاہوں کی شان و شوکت نمایاں ہے۔ یہ ضعیفہ وہیں بیٹھ گئی اور حسب و نسب، نام و نشان اور مکان و خاندان پوچھنے لگی۔ اُس بیمارؑ نے باآوازِ نحیف فرمایا:

''میں ضعف اور طوقِ گلوگیر کی تکلیف سے کلام نہیں کر سکتا، تم قید خانہ کے اندر جاؤ، وہاں سردارِ قافلہ کو پہچان کر حقیقتِ حال دریافت کر لینا''۔

جب وہ کنیز زندان میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ چند بیبیاں بے چادر سر، چہروں کو اپنے بالوں میں چھپائے، گردنوں کو جھکائے بستر خاک پر عجب ذلت و خواری سے بیٹھی ہیں۔ اس حالت کے باوجود رعب و ہیبت، شان و شوکت ایسی ہے کہ اُس مصریہ کے قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔ ششدر ہو کر کھڑی ہو گئی اور چاروں طرف متعجب ہو کر دیکھنے لگی۔ ناگاہ اُس کی نظر جنابِ فضہؑ پر پڑی، قریب جا کر کہنے لگی:

''اے بہن! صورتِ حال سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان مخدراتِ عظمیٰ کی تم خادمہ ہو، پاسِ ادب مانع ہے کہ میں ان بیبیوں سے کچھ کلام کروں۔ تم سے پوچھتی ہوں کہ اتنا بتا دو کہ یہ لوگ کس خاندانِ عالیشان سے ہیں؟ ان کے نام و نسب اور مسکن و وطن کہاں ہیں؟ کس جگہ اور کس وجہ سے تباہ ہو کر یہاں قید میں آئے ہیں؟''

جنابِ فضہؑ نے کہا: ''یہ لٹا ہوا قافلہ مدینہ کا ہے، ان کے سردار کربلا میں بے جرم و خطا شہید ہوئے۔ یہ بیبیاں لٹ کر اپنے وارثوں سے چھوٹ کر رسن بستہ، شکستہ حال اس

مکانِ ناپرسان میں مقید ہیں۔ تو کون ہے؟ جو اِن بیکسوں کا حال اس درد و شفقت سے پوچھتی ہے، حالانکہ جب سے ہم لوگ تباہ و برباد ہو کر یہاں آئے ہیں، آج تک سوائے تیرے کوئی پرسانِ حال نہ ہوا؟ میں تجھ کو نہایت مضطر و بیقرار پاتی ہوں۔ تیرے اس اضطراب کا کیا سبب ہے؟ مجھے تجھ سے بوئے محبت آتی ہے"۔

مصریہ نے کہا: "اے بہن! میں نے شب کو اپنی بی بی جنابِ فاطمہ زہراؑ کو عجیب حال پریشان سے خواب میں دیکھا ہے کہ دل قابو میں نہیں ہے۔ ذرا ان بیبیوں کی خدمت میں میری طرف سے عرض کرو کہ اپنے چہرہ ہائے نورانی سے بالوں کو سرکائیں کہ میں نورِ جمال کی زیارت سے مشرف ہوں، اس لئے کہ جب سے میں نے خوابِ پریشان دیکھا ہے، عجب عجب خیالِ فاسد دل میں گزرتے ہیں۔ خدا کرے کہ غلط ہو مگر میرے کان تمہاری آواز سے اور آنکھیں تمہاری صورت سے آشنا معلوم ہوتی ہیں"۔

منقول ہے کہ یہ باتیں سن کر جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے زنِ مصریہ کو پہچان لیا، بے اختیار ہو کر چاہا کہ بآوازِ بلند روئیں مگر ضبطِ گریہ کر کے فرمایا: "اے ضعیفہ! ادھر آ، جو کچھ تجھ کو پوچھنا ہے، مجھ سے پوچھ"۔

مصریہ مؤدب ہو کر قریب آ کر بکمالِ ادب تسلیم کر کے عرض کرنے لگی: "اے خاتونِ معظم! اتنا تو معلوم ہوا کہ آپؑ اہلِ مدینہ سے ہیں۔ اب یہ ارشاد ہو کہ عالم کی شہزادیاں جنابِ زینبؑ اُمِ کلثومؑ کس حال سے یثرب میں رونق افروز ہیں؟ کچھ اُن کی خیر و عافیت بیان کیجئے"۔

آپؑ نے جواب دیا: "اُن کی خبر تو تجھ کو معلوم ہو جائے گی مگر یہ تو بتا کہ تجھ کو دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ سے کس طرح تعارف ہے؟"

مصریہ نے عرض کی: "میں جنابِ زینبؑ کی خواہرِ رضاعی ہوں"۔

یہ سن کر جنابِ زینبؑ کو تابِ ضبط باقی نہ رہی، دوڑ کر گلے سے لگا لیا اور رو کر

فرمانے لگیں: "اے بہن! گردشِ زمانہ سے ہمارا یہ حال متغیر ہو گیا ہے کہ تو نے ہم کو بھی نہ پہچانا؟"

"اَنَازَیْنَبُ بِنْتُ عَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ".

وہ زینبؑ ستم رسیدہ، آفت دیدہ جس کو تو پوچھتی ہے، میرا ہی نام ہے اور وہ بیکس و مغموم اُمِ کلثومؑ جس کی تجھ کو تلاش ہے، اس گوشہ میں سر جھکائے، بالوں میں منہ چھپائے، بسترِ خاک پر بیٹھی اپنے بھائی کو رو رہی ہیں۔

"اَلاَ قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلاَ اَلاَ ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلاَ".

اے بہن! میرے بھائی حسینؑ کو ظالموں نے تین دن کا بھوکا پیاسا دشتِ نینوا میں مثلِ گوسفندِ قربانی ذبح کیا اور ہم کو اس ذلت و خواری سے بے مقنعہ و چادر، برہنہ سر در بدر پھرا کر اس خرابہ میں محبوس کیا ہے۔

یہ فرما کر ادھر جنابِ زینبؑ رو رو کر فریاد کرنے لگیں، ادھر جنابِ اُمِ کلثومؑ منہ پیٹنے لگیں، ایک جانب جنابِ فضہؓ کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ ایک طرف زنِ مصریہ خاک پر لوٹنے لگی۔

غرض تمام اہل بیتؑ میں ایسا شور و ماتم برپا ہوا کہ ہر در و دیوارِ زندان سے آوازِ نوحہ و بکاء آتی تھی۔

روایتِ زُہری، سرِ امام حسینؑ دَیرِ نصرانی میں

"عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ شِيْعَتَنَا لَقَدْ شَارَكُوْنَا فِي الْمُصِيْبَةِ بِطُوْلِ الْحُزْنِ وَالْحَسْرَةِ عَلٰى جَدِّيَ الْحُسَيْنِ".

"جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا ہمارے شیعوں پر رحم کرے کہ اُنہوں نے ہمارے جدِ مظلوم امام حسین علیہ السلام کی مصیبت میں اندوہ وغم کو طول دے کر ہمارا ساتھ دیا"۔

یعنی جس طرح ہم اُن کو یاد کر کے روتے ہیں، اُسی طرح ہمارے شیعہ بھی اُنہیں یاد کر کے روتے ہیں۔

زہری سے منقول ہے کہ جناب امام حسینؑ کی شہادت کے ایک سال بعد میری بیٹی کی شادی در پیش ہوئی۔ پس میں بیمارِ کربلا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا

"یا مولاؑ! آج میرے یہاں غلام زادی کی شادی ہے۔ اگر آپ بنظرِ غلام نوازی قدم رنجہ فرمائیں تو میری سعادت اور موجبِ ایمن و برکت ہے"۔

حضرتؑ نے رو کر فرمایا: "اے بھائی! وہ مصیبت زدہ کہیں شادی میں کیا جائے جس کی آنکھوں کے سامنے سترہ عزیز تین دن کے بھوکے پیاسے ذبح کئے جائیں۔

اے بھائی! جیسے ہی میرے پدرِ مظلومؑ شہید ہوئے، ہمارے گھر سے خوشی جاتی رہی۔ اس قسم کی محفلوں میں جانا میں نے موقوف کر دیا۔ ہاں! اگر تو میرے پدرِ مظلومؑ کی مجلس برپا کرے تو البتہ شریک ہو سکتا ہوں"۔

پس زہری نے حسب الارشاد سید سجاد علیہ السلام امام حسینؑ کی مجلس و ماتم برپا

کی۔ چنانچہ اُسی روز سے یہ رسم عرب میں جاری ہے کہ مؤمنین شبِ عروسی پہلے مجلس حسینؑ کر لیتے ہیں، تب شادی کی رسم بجالاتے ہیں۔

الغرض بیمارِ کربلا حسبِ وعدہ زہری کے مکان پر تشریف لے جا کر مجلس میں شریک ہوئے اور ذاکر بالائے منبر جا کر مصائب سیدالشہداء بیان کرنے لگا۔

صاحبِ مصائب الشہداء لکھتے ہیں کہ جب وہ ذاکر اس بیان تک پہنچا کہ امامِ مظلوم یکہ و تنہا، بے یار و مددگار تیس ہزار خونخواروں کے درمیان، تین دن کے بھوکے پیاسے، دوپہر کی دھوپ میں کھڑے تھے اور شدتِ تشنگی میں ہر چند استغاثہ و فریاد کرتے تھے، آیا کوئی ایسا ہے کہ فرزندِ رسولؐ خدا کو پانی پلائے؟ مگر اشقیائے نابکار پانی کے عوض تیر برسا رہے تھے۔

یہ حال سن کر مجلس کے حاضرین کو تابِ سماعت نہ رہی، سینہ و سر پیٹتے بیتابانہ کھڑے ہو گئے اور دیر تک ایک ہنگامۂ گریہ و بکا رہا۔ جب کچھ رقت کم ہوئی تو صاحبِ مجلس سب کو بٹھانے لگا۔ اس کے بعد زہری نے چاروں طرف نظر کی، عابدِ بیمار کو نہ پایا۔ جب خیال کیا تو دیکھا کہ حضرتؑ نیچے فرش پر جوتوں کے پاس بیٹھے ہیں اور اہلِ مجلس کے جوتے جھاڑ جھاڑ کر قرینہ سے رکھتے ہیں۔

یہ دیکھتے ہی زہری دوڑا اور ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا: "یا مولاؑ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ہم سب آپ کے غلام ہیں اور آپ امام ابن امام اور فرزندِ رسولؐ ہیں۔ یہ خدمت تو مجھ سے متعلق ہے"۔

حضرتؑ نے فرمایا: "اے بھائی! تو نہیں دیکھ سکتا کہ اس مجلس میں انبیائے مرسلین ملائکہ مقربین، جنابِ خاتم النبیینؐ، حضرت امیر المؤمنینؑ، جنابِ سیدہؑ، میرے عم بزرگوار جنابِ حسنِ مجتبیٰؑ اور خود میرے پدرِ عالی مقام حسینِ مظلومؑ رونق افروز ہیں اور اہلِ مجلس کی خدمت میں مصروف ہیں اور رونے والوں کے آنسو پونچھ کر بکمال شفقت فرماتے ہیں کہ ہم

تمہارے ضامن ہیں کہ روزِ حشر تم کو بہشت میں داخل کریں گے۔ رونے والوں کے سر اپنے سینے سے لگا کر خود بھی روتے ہیں۔ میں کیونکر اہلِ مجلس کے جوتے نہ جھاڑوں کہ یہ میرے پدرِ مظلومؑ پر گریہ کرتے ہیں؟ خدا ان کو جزائے خیر دے"۔

مؤمنین! آپ خوش قسمت ہیں کہ اُس مظلوم شہیدؑ پر روتے ہیں جس کے بے سر تن کو لعینوں نے دفن نہ کیا اور شہداء کے سروں کو نیزوں پر رکھ کر ایک ایک بی بی کو دکھاتے تھے اور اُن کو رلاتے تھے۔ جب وہ بیبیاں روتی تھیں تو نیزے دکھا کر اُن کو رونے سے منع کرتے تھے۔ اسی طرح صحراؤں میں، بیابانوں میں لئے پھرتے تھے۔

ابو سعید دمشقی کہتا ہے کہ راہِ شام میں مَیں نے خبر سنی کہ مسیّب نے لشکر جمع کیا ہے کہ شب خون کر کے سرہائے اقدس کو مع اہلِ بیتؑ چھین کر لے جائے۔ فوج کو نہایت تردّد ہوا۔ ناگاہ ایک نصرانی کے گرجا پر پہنچے۔ سب اس بات پر متفق ہوئے کہ اس گرجا کو جائے پناہ قرار دیں۔ اگر مسیّب شب خون کا قصد کرے تو فتح یاب نہ ہو۔

پس شمر ملعون نے دروازے پر جا کر پکارا۔ ایک بوڑھا نصرانی باہر آیا اور اُس لشکرِ عظیم کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کہاں جاتے ہو؟

شمر بولا "ایک شخص نے عراق میں یزید پر خروج کیا تھا، ہم نے اُسے قتل کیا اور اُس کا سر اور اُس کے عزیز و انصار کے سر نیزوں پر چڑھائے۔ اُس کے ناموس کو گرفتار کیا۔ شام میں یزید کے پاس لئے جارہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آج کی شب تیرے گرجا گھر میں مقام کریں۔

دیرانی نے سروں کو دیکھ کر کہا کہ ان کا سردار کونسا سر ہے؟ شمر نے سرِ اقدسِ امامؑ مظلوم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولا کہ میرا گرجا اس قدر وسعت نہیں رکھتا مگر سروں کو اور قیدیوں کو میرے گرجا میں رکھ دو اور تم اردگرد ٹھہرو۔

شمر نے اُس کی رائے پسند کی۔ غرض ایک صندوق میں تو سرِ اقدسِ امامؑ اور

دوسرے صندوق میں باقی شہداء کے سر رکھے اور اُس گرجا میں لا کر ایک حجرہ میں رکھ دیا۔ اہلِ بیتؑ کو ایک اور مکان میں ٹھہرایا اور وہ عیسائی بوڑھا اُس حجرہ کے گرد پھرتا رہا تاکہ سرِ اقدس کو قریب سے دیکھے۔ شگاف در سے کیا دیکھتا ہے کہ اُس صندوق سے جس میں سرِ انور تھا، ایک نور ساطع ہے اور بہت سی شمعیں اُس حجرہ میں روشن ہیں۔ یہ دیکھ کر نہایت متعجب ہوا۔ ناگاہ اُس حجرہ کی چھت شگافتہ ہوئی اور ایک نور کی عماری آسمان سے نازل ہوئی۔ اُس سے ایک بی بی نورانی صورت باہر آئیں اور اُنؑ کے گرد کنیزانِ خوبصورت تھیں۔

اُن میں سے ایک کنیز کہتی تھی: راستہ دو، راستہ دو، جنابِ حوّاؑ آرہی ہیں۔ پھر ایک اور عماری اُتری، اُس میں سے ہاجرہؑ و سارہؑ باہر آئیں اور راحیلؑ، مادرِ یوسفؑ، صفورا بنتِ شعیب اور کلثوم اُختِ موسیٰؑ، آسیہ، زنِ فرعون اور مریمؑ مادرِ عیسیٰؑ اُتریں۔

پھر ایک عماری نازل ہوئی اور اُس سے جنابِ خدیجہؑ، مادرِ جنابِ فاطمہ زہراؑ نکلیں۔ پھر غل اور شور رونے پیٹنے کا بلند ہوا اور ایک نور کی عماری ظاہر ہوئی۔ اُس کے اردگرد بہت سی حورانِ بہشت تھیں۔ اُن میں سے ایک بولی:

"اے نصرانی! آنکھیں بند کر لے کہ فاطمہ زہراؑ اپنے بیٹے کے سرِ بریدہ کی زیارت کو آئی ہیں"۔

پس نصرانی غش کھا کر زمین پر گرا مگر رونے کی آواز سنتا تھا کہ معصومہؑ کے آنے سے ایک قیامت برپا ہوئی۔ وہ مخدومہؑ رو رو کر کہتی تھیں:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا الْمَظْلُوْمُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا الشَّهِیْدُ الْمَعْصُوْمُ"۔

"سلام ہو تجھ پر اے میرے مظلومؑ، سلام ہو تجھ پر اے میرے شہیدؑ و معصوم، سلام ہو تجھ پر اے میرے غریب"۔

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا قُرَّةَ عَیْنِ الرَّسُوْلِ وَثَمَرَةَ

فُؤَادِیْ"۔

سلام ہو تجھ پر اے رسولِ خدا کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اے میوۂ دل۔

"یَا بُنَیَّ لَا تَحْزَنْ فَإِنَّ اللّٰهَ سَیَنْتَقِمُ مِنْ قَاتِلِیْکَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ"۔

بیٹا! تو نے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائیں۔ غم نہ کر، خدا تیرے قاتلوں سے روزِ قیامت انتقام لے گا۔

"فَبَکَتْ وَبَکَتِ النِّسَاءُ کُلُّهُنَّ"۔

یہ فرما کر خوب روئیں اور سب عورتیں اُنؑ کے ساتھ رونے لگیں۔ جب نصرانی ہوش میں آیا تو کسی کو نہ دیکھا۔ بیتاب ہو کر اُس حجرہ میں گیا اور صندوق کا قفل توڑ کر سرِ اقدس کو باہر نکالا اور مشک و گلاب سے دھو کر ایک سجادہ پر رکھا اور سجدۂ تعظیمی میں جا کر رونے لگا۔ پھر شمع جلا کر رکھی اور سر کے سامنے بیٹھ کر دیکھتا رہا اور روتا رہا۔ کہتا تھا:

"اے سرِ اقدس! یہ تو مجھے معلوم ہوا کہ تو اُن لوگوں میں سے ہے جن کی تعریف جنابِ موسیٰؑ نے توریت میں اور جنابِ عیسیٰؑ نے انجیل میں کی ہے۔

اے سرِ پُرنور! تجھ کو قسم ہے اُس خدا کی جس نے تجھے یہ مرتبہ دیا، مجھے بتا کہ تو کون ہیں اور تیرا نام کیا ہے؟"

ناگاہ قدرتِ خدا سے اُس سر نے آواز دی:

"یَا اَیُّهَا الشَّیْخُ اَنَا الْمَقْتُوْلُ ظُلْمًا وَعُدْوَانًا اَنَا الْمَغْمُوْمُ الَّذِیْ مَاتَ عَطْشَانًا اَنَا الَّذِیْ فَارَقَ الْاَحِبَّةَ وَبَعُدَ عَنِ الْاَوْطَانِ"۔

"اے شیخ! میں وہ مظلومؑ ہوں جس پر دریا کے کنارے تین دن پانی بند رہا۔ مرتے دم تک سوکھے ہونٹ تر نہ ہوئے۔ پیاسا ہی دُنیا سے گیا۔ میں وہ غریبؑ ہوں جس کو

ظالموں نے بے وطن کر کے، مہمان بلا کر، عزیزوں سے، ماں کی قبر سے، نانا کی لحد سے جدا کر کے جنگل میں شہید کیا"۔

راہب نے عرض کی: "مجھے مفصل معلوم نہیں ہوا، کچھ اور بیان کیجئے"۔

وہ سوکھے ہونٹ پھر حرکت میں آئے اور آواز آئی:

"اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَابْنُ عَلِیِّ نِ الْمُرْتَضٰی وَسُرُوْرُ قَلْبِ الزَّهْرَآءِ"۔

اے بھائی! کیا پوچھتا ہے؟ میں اُسی اُمت کے نبی کا پیارا، محمد مصطفیٰؐ کا نواسہ، علیؑ کا بیٹا، فاطمہؑ کا فرزند حسینؑ غریب ہوں۔

نصرانی خوب رویا اور اپنی قوم کو جمع کر کے سب ماجرا بیان کیا۔ وہ لوگ ستر آدمی تھے۔ سب نے گریبان پھاڑ ڈالے اور سر و سینہ پیٹتے ہوئے بیمار کربلا کی خدمت میں آئے۔ سب کے سب مسلمان ہوئے اور عرض کی:

"اے مولاؑ! اجازت ہو تو کافروں سے جہاد کریں؟"

حضرتؑ نے فرمایا: "صبر کرو، خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ وہی ان سے انتقام لے گا اور وہ ہماری نصرت کو کافی ہے"۔

جائے تامل ہے کہ کافر تو یہ قدر شناسی کریں اور مسلمان ہو جائیں اور جو مسلمان کہلاتے ہوں، وہ عترتِ رسولِ خدا پر رحم نہ کھائیں اور کافر ہو جائیں۔

جنابِ امیرؑ کا جلندی بن کوکری سے جنگ کرنا، راہِ شام و سہل کی روایتِ نصرانی

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ ذَكَرَ فَضِيْلَةً مِنْ فَضَائِلِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِب مُقِرًّا بِهَا غَفَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ".

شفیع روزِ جزاء جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندۂ مؤمن اعتقاد کے ساتھ علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل میں سے ایک فضیلت کا ذکر کرے، اللہ تعالیٰ اُس مؤمن کے گناہانِ گزشتہ وآئندہ بخش دیتا ہے۔

صاحب سرور المؤمنین بحار سے نقل کرتے ہیں کہ فخر الانبیاء محمد مصطفیٰؐ نے علی ابن ابی طالبؑ کو جلندی بن کوکری سے جنگ کیلئے مدینہ عمان میں بھیجا۔ جنابِ امیرؑ نے وقتِ جہاد اُس بدنہاد کو انتہائی عاجز وتنگ کیا۔ اُس نابکار نے مجبور وناچار ہوکر اپنے غلام کو جس کا نام کندیش تھا، آواز دی اور کہا:

"یہ سوار جو سیاہ عمامہ زیب سر کئے کھڑا ہے، اگر زندہ گرفتار کرلے یا قتل کرکے اس کا سر مجھے لادے تو میں اپنی دختر مہ لقا، جو باوجود خواستگاری میں نے بادشاہوں کو بھی نہ دیا تھا، تجھے دوں گا"۔

وہ غلام حبشی یہ سنتے ہی ایک سفید گھوڑے پر سوار ہوا اور تیس ہاتھی اپنے جلو میں لے کر شاہِ دُلدل سوار سے مقابل ہوا۔ اُس وقت صاحبِ ذوالفقار جنابِ حیدرِ کرار رہوار سے اُتر کر زمین پر تشریف لائے اور عمامہ سرِ مطہر سے اُتار لیا۔ عمامہ اُتارتے ہی چہرۂ انور سے تمام صحرا رشکِ وادیٔ ایمن ہوگیا۔ حضرتؑ نے اُن ہاتھیوں کے قریب آکر کچھ کلمات

آہستہ آواز میں ایسے فرمائے کہ سب ہاتھی اپنے لشکر کی طرف پھر گئے اور مخالفانہ حملہ کرکے تمام فوجِ مخالف کو راہی اَسْفَلَ السّٰافِلِيْن کیا۔

اس کے بعد پھر آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر فصیح زبان میں عرض کرنے لگے کہ اے مولاؑ! ہم سب نے خدا کی وحدانیت اور خاتم الانبیاءؐ کی نبوت اور آپؑ کی ولایت کا اقرار کیا مگر وہ سفید گھوڑا جس پر غلام حبشی سوار ہے، ایمان نہیں لاتا۔

حضرتؑ نے بڑھ کر ذوالفقار کا ایک وار اُس پر ایسا کیا کہ اُس کا سر قلم ہوکر گر پڑا۔ پھر قصد کیا کہ اُس غلام حبشی کو بھی ہاتھی سمیت ایک ہاتھ سے ختم کردیں۔ ناگاہ جبرئیلؑ امین بحکم رب العالمین جنابِ سید المرسلینؐ کے پاس حاضر ہوکر کہنے لگے:

"یارسول اللہ! یہ غلام حبشی جس کو اس وقت علیؑ نے مارنے کا قصد کیا ہے، یہ آپؐ کی آلؑ کا محب اور دوستدار ہوگا۔ آپؐ مولا علیؑ کو حکم کریں کہ اس کو مارنے سے باز رہیں"۔

فوراً جنابِ رسولِ مقبولؐ بالائے قلعہ تشریف لائے اور فرمایا:

"يَاعَلِيُّ لَاتَضْرِبْ هٰذَا الْعَبْدَ الْحَبَشِيَّ".

"یا علیؑ! اس حبشی غلام کو نہ مارنا کہ یہ ایمان لائے گا"۔

یہ صدا از راہِ اعجاز جب جنابِ امیرؑ کے گوش زد ہوئی تو آپؑ نے فوراً دستِ اقدس روک لیا اور اُسے رہا فرمایا۔ یہ دیکھ کر غلام حبشی نہایت متحیر ہوا اور عرض کرنے لگا:

"یا علیؑ! اس وقت آپؑ نے مجھے اپنے قابو میں پاکر تامل کیوں کیا؟"

حضرتؑ نے دو اُنگلیاں اُٹھا کر ارشاد فرمایا: "یہ دیکھ!"

پس اُس نے دیکھا کہ جنابِ رسولِ خدا بالائے قلعہ رونق افزا ہیں اور میرے قتل کو منع فرمارہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُس نے عرض کی:

"یا مولاؑ! یہاں سے مدینہ کتنی دور ہے؟"

ارشاد فرمایا: "چالیس روز کا راستہ ہے"۔

وہ غلام یہ اعجاز دیکھ کر بصدقِ دل ایمان لایا اور حضرت علی علیہ السلام نے بحکم جنابِ رسولِ خدا جنگ فتح کرنے کے بعد اُس کے آقا کی دختر کے ساتھ اُس کا عقد کر دیا۔

وہ غلام مع اپنی زوجہ کے جنابِ امیر علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ میں حاضر ہوا۔

مؤمنین! مقامِ گریہ وزاری ہے کہ جس بزرگوار کو ایک غلام حبشی کا قتل ہونا نورِ ایمان کے سبب سے گوارا نہ ہوا، افسوس ہزار افسوس اُنہی جناب کا وہ فرزند جو نورِ خدا ہو، تین دن کا بھوکا پیاسا مثل گوسفندِ قربانی ذبح کیا جائے اور وہ اہلِ بیتِ نبوت جن کے در دولت تک بغیر اجازت فرشتوں کی بھی رسائی نہ ہو، وہی خاصانِ کبریا دیار بہ دیار، شہر بہ شہر، کوچہ بہ کوچہ بے کجاوہ اونٹوں پر پھرائے جائیں اور ہر جگہ قتلِ حسینؑ کی عید کی طرح خوشیاں ہوں۔

ابومخنف کہتا ہے کہ جب اہلِ بیتِ رسولؐ منزلِ تکریت میں پہنچے تو وہاں کے باشندے نہایت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ تمام شہر میں آئینہ بندی ہو اور سب مرد وعورت زینت کریں اور علموں کے پھریرے کھولے جائیں۔

چنانچہ تمام شہر آراستہ ومزین ہوا اور بکمالِ زینت وسرور اُن اشقیاء سے ملاقات کے واسطے شہر سے باہر نکلے۔ اُس لٹے ہوئے قافلہ کو دیکھ کر کمال مسرور ہوئے۔

راوی کہتا ہے کہ اُس کے قریب نصرانیوں کا ایک گرجا تھا۔ جب قومِ نصاریٰ نے اس قدر فرحت اور سرور اُس مجمع کفار سے مشاہدہ کیا تو نہایت متعجب ہوئے اور اُن سے پوچھا کہ آج اتنی خوشی کا کیا سبب ہے؟

"فَقَالُوْا لَهُمْ قَدْ خَرَجَ خَارِجِيٌّ عَلٰى يَزِيْدَ فَقَتَلْنَاهُ"

اُس فرقہ اشرار نے جواب دیا کہ ایک شخص نے یزید پر خروج کیا تھا، ہم سب نے اُس کو مع اقربا وانصار کے قتل کیا اور اُن کے عیال واطفال کو قید کر کے شام کے شہر میں لئے جا رہے ہیں۔

نصاریٰ نے پوچھا کہ اُس کا نام کیا تھا؟

"قَالُوْا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ".

اُن ملاعین نے کہا کہ اُس کا نام حسینؑ ابن علیؑ تھا۔

"قَالُوْا اَمَا اسْمُ اُمِّهٖ".

پھر اُن سب نے پوچھا کہ اُنؑ کی ماں کا نام کیا تھا؟

اُن بے حیاؤں نے بیان کیا کہ اُنؑ کی ماں فاطمہ زہراؑ دخترِ رسولِ خدا ہیں۔

"قَالُوْا اَهَلْ هِيَ بِنْتُ نَبِيِّكُمْ".

نصرانیوں نے پوچھا: آیا وہ حسینؑ جو تمہارے نبی کا نواسہ ہے؟

اُن کافروں نے کہا کہ ہاں، وہی حسینؑ۔

یہ سن کر اُن سب نصرانیوں نے کہا: خدا کی لعنت ہو تم پر اور تمہارے فعل پر۔ تم کیسے مسلمان ہو کہ تم نے اپنے ہی نبیؐ کے فرزند کو قتل کیا اور دخترانِ رسولِ خدا کو قید کیا اور سرہائے شہداء کو مع اہلِ بیتؑ اس ذلت وخواری سے لئے پھرتے ہو اور اس پر فخر ومباہات کرتے ہو؟

یہ کہہ کر وہ سب اپنے گرجا میں گئے اور دروازہ بند کر دیا اور مظلومِ کربلا کی مصیبت پر روتے رہے۔ جب وہ اشقیاء منزلِ تکریت سے کوچ کر کے راہِ وادی النمل پر پہنچے، اُس صحرا سے سب نے جنات کے گریہ وبکا کی آواز سنی کہ وہ یوں نوحہ کرتے ہیں:

مَسَحَ النَّبِيُّ جَبِيْنَهٗ
فَلَهٗ بَرِيْقٌ فِي الْخُدُوْدِ

اَبَوَاهُ مِنْ عُلْيَا قُرَيْشٍ
جَدُّهٗ خَيْرُ الْجُدُوْدِ

افسوس! ظالموں نے ایسے برگزیدۂ باری کو قتل کیا جس کے چہرۂ انور سے مثلِ آفتاب نور تاباں ہے اور رسولِ خدا اُس کی پیشانی کو چومتے تھے۔ آہ آہ! ایسے عالی خاندان

قریشی نسب کو قتل کیا جس کے جد و پدر تمام عالم کے آباء واجداد سے اشرف و بزرگ تھے۔

سہل بن سعد سہروردی کہتا ہے کہ جن ایام میں امام حسینؑ شہید ہوئے تھے، انہی دنوں میں مصارف راہ کے واسطے ہزار دینار لے کر حج کے قصد سے شہر سے چلا۔ اثنائے راہ میں دیکھا کہ ایک لشکر گران اس طرح شام کو جاتا ہے کہ اُن کے محاصرہ میں کچھ بچوں کے، کچھ جوانوں کے سر نیزوں کی نوکوں پر بلند ہیں۔ اُن کے بیچ میں کچھ بچیاں، کچھ خواتین کھلے سر، پھٹے کپڑے پہنے ہاتھوں میں رسیاں بندھے، بے کجاوہ اونٹوں پر سوار ہیں۔

میں نے ایک لشکری سے پوچھا کہ یہ فوج کیسی ہے؟ یہ عورتیں، اطفال کیسے ہیں؟ یہ سرہائے بریدہ کس کے ہیں؟

اُس نے کہا: اے شخص! تو واقف نہیں، ہم سب یزید کے ملازم ہیں۔ نیزوں پر حسینؑ اور اُنؑ کے اقرباء وانصار کے سر، اونٹوں پر اُنؑ کے ناموس مقید ہیں۔

فَقُلْتُ لَهُ مِنَ الْحُسَيْنُ قَالَ ابْنُ عَلِيٍّ قُلْتُ مَا اسْمُ
اُمِّهٖ قَالَ اُمُّهُ فَاطِمَةُ الزَّهْرَآءِ بِنْتُ نَبِيِّنَا مُحَمَّدِ نِ
الْمُصْطَفٰى.

میں نے کہا کہ وہ کون تھا جس کا قتل تمہیں کافی نہ ہوا، اُس کا سر شہر بہ شہر لئے پھرتے ہو۔ اُس کی ذریت نے کیا خطا کی تھی جو اِن بے وارثوں کو اس حالِ خراب سے پہاڑوں میں، صحراؤں میں، قریوں میں، شہروں میں پھرائے لئے جاتے ہو۔

وہ بولا کہ ہمارے نبیؐ کا نواسہ، علیؑ و فاطمہؑ کا بیٹا تھا۔

سہل کہتا ہے کہ یہ سن کر میں بہت رویا اور ناقہ ہائے اہل بیتؑ کے قریب گیا۔ دیکھا کہ جنابِ اُمِ کلثومؑ اس کرب وقلق سے روتی ہیں کہ سننے والوں کے دل شق ہوتے ہیں۔ وہ یہ اشعار پڑھتی ہیں:

مَاتَتْ رِجَالِیْ وَاَفْنَی الدَّهْرُ سَادَاتِی
وَزَادَنِی الْحَسَرَاتُ فَوْقَ الْحَسَرَاتِ

یعنی افسوس صد افسوس کہ ہم بیکسوں کے وارث مر گئے اور فلکِ کج رفتار اور زمانہ غدار نے ہمارے وارثوں کا سایہ سر پر نہ رہنے دیا۔ ہم کو مصیبتوں اور آفتوں میں مبتلا کیا۔

صَالُوْا اللِّئَامَ عَلَيْنَا بَعْدَمَا عَلِمُوْا
اَنَّ الرَّسُوْلَ رَسُوْلٌ بِالْهِدَايَاتِ

کیا قیامت ہے کہ اشقیائے اُمت نے ہم بے وارثوں پر وہ ظلم وستم کئے کہ کوئی بے رحم یہود ونصاریٰ سے کسی گناہگار پر بھی ایسا ظلم وستم نہیں کرتا، حالانکہ یہ سب اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور ہمیں خوب جانتے ہیں کہ ہم اُنہی کے نبیؐ کی عترت ہیں جن کو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ہدایت کے واسطے مبعوث کیا ہے۔

يَعُزُّ عَلَيْکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاصَنَعُوْا
بِاَهْلِ بَيْتِکَ يَاسَيِّدِیْ نُوْرَالْبَرِيَّاتِ
يُسَيِّرُوْنَنَا عَلَی الْاَقْتَابِ عَارِيَةً
كَاَنَّنَا بَيْنَهُمْ بَعْضُ الْغَنِيْمَاتِ

یارسولؐ اللہ! کیا بیان کریں کہ آپؐ کے ہم سب اہل بیتؑ برہنہ سر، پشتِ شترانِ بے کجاوہ وعماری پر شہر بہ شہر، دیار وکوچہ وبازار میں مثل غلامانِ ترک ودیلم کے بکمالِ ذلت وخواری پھرائے جا رہے ہیں۔

سہل کہتے ہیں کہ میں نے یہ جگر خراش بین اُس مخدومہؑ سے سنے تو اپنا منہ پیٹ لیا اور اس قدر رویا کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ وہ لشکر مع شہداء کے سروں کے اہل بیتؑ کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

امام حسینؑ کے ساتھ محبتِ رسولِؐ خدا
زریر خزاعی کی روایت

"رُوِیَ اَنَّہُ قَدْ خَرَجَ النَّبِیُّ مِنْ بَیْتِ عَائِشَةَ فَمَرَّ عَلٰی بَابِ اِبْنَتِہٖ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ".

منقول ہے کہ ایک مرتبہ جنابِ رسولِؐ خدا بی بی عائشہؓ کے گھر سے باہر تشریف لائے اور دروازۂ فاطمہ زہراؑ سے ہو کر گزرے۔

"فَسَمِعَ الْحُسَيْنَ يَبْكِیْ".

ناگاہ امام حسینؑ کے رونے کی آواز سنی۔

فَدَخَلَ فِیْ بَیْتِهَا وَقَالَ یَافَاطِمَةُ سَكِّتِيْهِ اَلَمْ تَعْلَمِیْ اَنَّ بُكَآءَ الْحُسَيْنِ يُؤْذِيْنِیْ".

نواسے کی آوازِ گریہ سنتے ہی بے چین ہو گئے اور جنابِ سیدہؑ کے پاس جا کر فرمایا: اے فاطمہؑ! اسے جلد چپ کرواؤ، تم نہیں جانتیں کہ حسینؑ کا رونا مجھے رُلاتا ہے اور اس کے دل دُکھنے سے میری روح کو صدمہ پہنچتا ہے۔

"فَاَخَذَہُ فِیْ حِجْرِهٖ وَمَسَحَ دُمُوْعَهٗ وَقَبَّلَهٗ".

یہ فرما کر دوڑ کر اپنے فرزند کو گود میں اُٹھالیا اور کلیجہ کی طرح سینہ سے لگا کر آنسو پونچھنے لگے اور جھک کر اُن ڈبڈبائی آنکھوں کو چومنے لگے۔

"رُوِیَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ خَرَجَ مَعَ اَصْحَابِهٖ فَاِذَا الْحُسَيْنُ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَاسْتَقْبَلَ النَّبِیُّ اَمَامَ الْقَوْمِ ثُمَّ بَسَطَ يَدَيْهِ".

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک روز جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم مع اصحاب تشریف لئے جا رہے تھے، دیکھا کہ امام حسینؑ کمسنی میں بچوں میں کھیلتے پھرتے ہیں۔ آنحضرتؐ اپنے فرزند کو دیکھ کر آگے بڑھے اور دونوں ہاتھ پھیلا کر چاہا کہ گود میں اُٹھالیں۔

"فَطَفِرَ الصَّبِیُّ هٰهُنَا مَرَّةً وَهٰهُنَا مَرَّةً وَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُضَاحِكُهٗ حَتّٰى اَخَذَهٗ".

جب آنحضرتؐ نے گود میں اُٹھانے کا ارادہ کیا تو وہ شہزادہؑ دوڑ کر آگے بڑھ گیا۔
غرض رسولِؐ خدا بچوں کی طرح نواسے کے ساتھ دوڑتے پھرتے تھے اور اُن کو ہنساتے جاتے تھے۔ آخر کار آنحضرتؐ نے اُس معصوم کو پکڑ لیا۔

راوی کہتا ہے کہ جنابِ رسولِؐ خدا نے عجب پیار سے اپنا ایک ہاتھ کمر کے پیچھے اور دوسرا گردن کے نیچے رکھ کر اپنا منہ اُس صاحبزادے کے لب و دندان پر رکھ دیا اور خوب پیار کیا۔

"ثُمَّ قَالَ حُسَيْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا".

پھر فرمایا کہ میرا حسینؑ مجھ سے ہے یعنی حسینؑ کا گوشت پوست میرا گوشت پوست ہے اور حسینؑ کی روح میری روح ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ جو میرے حسینؑ کو دوست رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے دوست رکھتا ہے۔

مؤمنین! اب مقامِ گریہ و ماتم ہے کہ جس شہزادے کا رونا باعثِ رنج و ایذائے حبیبِؐ خدا ہو اور جس کا سرِ اطہر رسولِؐ خدا اپنے سینہ سے لگائیں، افسوس صد افسوس کہ اُسی پارۂ جگرِ رسولؐ کو اشقیائے اُمت پیاسا ذبح کریں، اُنؑ کا سرِ اقدس تن سے جدا کر کے نیزہ پر چڑھائیں، اُس سرِ مطہر کو یزید کے پاس ہدیہ کے طور پر لے جائیں، اُنؑ کے اہلِ بیتؑ کو

شترانِ بے کجاوہ پر بٹھا کر اُنؑ کے سر بریدہ کے ساتھ دیار بہ دیار، شہر بہ شہر پھرائیں اور ہر شہر میں لوگ اس کی خوشیاں منائیں۔

چنانچہ منتخب میں منقول ہے کہ جب لشکرِ ابن زیاد مع سرہائے شہداء اور اہلِ بیتؑ اطہار عسقلان شہر کے قریب پہنچا، وہاں کا حاکم یعقوب عسقلانی جو امام حسینؑ کے قتل کے واسطے اُس لشکرِ شقاوت اثر کے ہمراہ کربلا گیا تھا، شہر کے باہر اُترا اور حکم بھیجا کہ شہر کو سجایا جائے، ہر زن و مرد زیور ولباس سے آراستہ ہو، اس عظیم فتح کے شکریہ میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے اور بغل گیر ہو۔ ہر کوچہ و بازار میں نوبت ونقارہ کی صدا بلند ہو اور جابجا ہر شخص شطرنج بازی وشراب خوری میں مشغول ہو کہ آج کی طرح کوئی دن عید اور خوشی کا نہیں۔

جب شہر آراستہ ہوا، اُس وقت وہ شقی مع لشکر بکمالِ کروفر شہر میں داخل ہوا۔ اتفاقاً اُس وقت ایک مرد تاجر جس کا نام زریر خزاعی تھا، تجارت کے قصد سے بازارِ عسقلان میں پہنچا اور دیکھا کہ تمام بازار تماشائیوں کی کثرت سے بھرا ہوا ہے اور ہر طرف سے دف ونقارہ کی صدا بلند ہے اور ہر شخص انواع واقسام کی زینت سے آراستہ ہے۔ ہر زن و مرد ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے بے بغل گیر ہوتے ہیں۔

"وَالرُّؤُسُ عَلَى الرِّمَاحِ وَالسَّبَايَا عَلَى الْجِمَالِ".

اور کچھ سرہائے بریدہ نیزوں کی نوکوں پر اس طرح بلند ہیں کہ کسی کی زلفیں چوبِ سناں سے بندھی ہیں، کسی کی بھولی بھالی صورت پر جنگلوں کی، صحراؤں کی خاک پڑی ہے، کسی کے نورانی چہرہ پر جابجا خون لگا ہے، کسی کی ریش مقدس ہوا سے ہل رہی ہے اور کچھ بیبیاں شترانِ بے کجاوہ پر اس طرح سوار ہیں کہ کسی کے شانوں میں، کسی کی کلائیوں میں رسیاں بندھی ہیں۔ کسی کے لباس جابجا سے پھٹے ہوئے ہیں، کسی کے کان سے لہو بہتا ہے۔

زُریر نے کسی سے پوچھا کہ یہ لٹا ہوا قافلہ کس کا ہے اور یہ اہلِ شہر کیوں خوشیاں منا رہے ہیں؟ اُس نے کہا کہ شاید تو مسافر ہے؟ کیا نہیں جانتا کہ ایک جماعت نے یزید پر

خروج کیا تھا، شاہی حکم سے وہ سب قتل ہوئے اور یہ سر اور ناموس اُنہی خارجیوں کے ہیں۔ ہم لوگ اسی فتح کی خوشی منا رہے ہیں۔

زریر نے پوچھا کہ یہ لوگ اہل اسلام سے تھے یا کافر تھے؟ ان کے سردار کا نام و نشان کیا تھا؟ وہ بولا کہ مسلمان کیوں نہیں، انہی کے گھر سے دین کا رواج ہوا، ان کا امیر نبیؐ کا نواسہ، علیؑ و فاطمہؑ کا بیٹا، حسن مجتبیٰؑ کا بھائی حسینؑ تھا۔

زریر نے جب یہ اسمائے مقدسہ سنے تو اُسے یقین ہو گیا کہ حسینؑ مارے گئے، پنجتنؑ کا خاتمہ ہو گیا۔ اپنا منہ پیٹنے لگا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

وَقَالَ وَيْلٌ لَّكُمْ اِنَّ هٰذَا الْفَرَحَ وَالسُّرُوْرَ لِقَتْلِ ابْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

اور کہا: وائے ہو تم اور تمہارے اسلام پر کہ اپنے رسولؐ کے فرزند کو ناحق قتل کیا اور اُنؑ کی ذریت کو ترک و دیلم کی کنیزوں کی طرح مقید کیا؟ اُس پر یہ قیامت ہے کہ ماتم کے بدلے ہر گھر سے صدائے مبارکباد بلند ہے؟

غرض زریر روتا ہوا خدمتِ جناب سید الساجدین علیہ السلام میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضرتؑ نے جواب دیا اور فرمایا: "عجب ہے کہ اس شہر کے تمام مرد و زن ہمارے حالِ زار پر خوش ہوتے ہیں اور تو ہماری مصیبت پر روتا ہے؟"

زریر نے عرض کی: "اے امامِ کونین! میں مسافر تاجر ہوں، ابھی آپؑ کے حال سے مطلع ہوا ہوں۔ افسوس کہ میں اس شہر میں یکہ و تنہا ہوں ورنہ اپنی جان آپؑ پر نثار کرتا۔ مولاؑ! اگر کوئی خدمت غلام کے لائق ہو تو ارشاد فرمائیے"۔

حضرتؑ نے فرمایا: "اگر ممکن ہو تو یہ شخص جو میرے پدرِ مظلوم کا سر نیزہ پر لئے ہے، اس کو کسی طرح راضی کر کے خواتین کے مقابل سے آگے بڑھ جائے تاکہ یہ تماشائی لوگ سرِ اطہر کے دیکھنے میں مشغول ہوں اور دخترانِ رسولؐ نگاہِ نامحرم سے محفوظ رہیں"۔

زریر اُس نیزہ دار کے پاس آیا اور پچاس مثقال سونا دے کر اُس کو بیبیوں کے سامنے سے دُور ہٹا دیا۔ پھر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اب کیا ارشاد ہے؟

"قَالَ یَازُرَیْرُ اِنْ کَانَ فِیْ رَحْلِکَ ثِیَابٌ زَائِدَۃٌ فَاْتِنِیْ بِھَا لِلنِّسَآءِ".

آپؑ نے فرمایا: اگر تیرے اسباب میں کچھ چادریں زائد ہوں تو لے آ کہ میں علیؑ کی بیٹیوں کو، فاطمہؑ کی بہوؤں کو سر چھپانے کیلئے دوں۔

اُس سعادت مند نے فوراً بہت سی چادریں اور ایک عمامہ اور پیرہن لا کر حاضر کیا۔ زریر کہتا ہے کہ اسی اثناء میں مَیں نے دیکھا کہ شمر ملعون گھوڑے پر سوار چلا آتا ہے۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، لگام تھام لی اور کہا: "اے ملعون! تجھ پر خدا کی لعنت، کیا ستم ہے کہ فرزندِ رسول کا سرِ اقدس نیزے پر نصب ہے اور دخترانِ فاطمہ زہراؑ کنیزوں کی طرح پریشان حال، برہنہ سر مقید ہیں اور سرِ بازار مجمعِ کفار میں بکمالِ ذلت و خواری پھرائی جا رہی ہیں اور تجھے اسلام کے دعویٰ کے باوجود یہ سب منظور ہے؟"

شمر ملعون نے اہلِ فوج کو آواز دی کہ جلد اسے قتل کرو۔ یہ سنتے ہی سب نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس قدر نیزے مارے، تلواریں ماریں کہ وہ دیندار غش کھا کر زمین پر گر پڑا اور وہ اشقیاء چلے گئے۔ نصف شب کے بعد زریر کو افاقہ ہوا، گرتے پڑتے ایک مسجد کے قریب جس کا نام مشہد سلیمان تھا، پہنچا۔ دیکھا کہ کچھ لوگ گریبان پھاڑ کر، سروں پر خاک ڈالے رو پیٹ رہے ہیں۔ پوچھا کہ نہایت تعجب ہے کہ آج ہر گھر میں جشن اور عید برپا ہے اور تم لوگ نوحہ و ماتم کرتے ہو؟

اُن لوگوں نے جواب دیا: "اے شخص! اگر تو بھی شیعانِ علیؑ سے ہے تو اُن کے فرزند کی مصیبت میں ہمارا شریک ہو، ہم سب قومِ جن سے ہیں اور اُس امامِ غریب پر روتے ہیں جس کو اشقیائے اُمت نے بھوکا پیاسا مثل گوسفندِ قربانی ذبح کیا ہے"۔

فضائلِ اہلِ بیتؑ، اہلِ حماۃ کا جنگ کرنا، جنابِ سکینہؑ کا پشتِ شُتر سے گرنا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْاَنْبِیَآءَ مِنْ اَشْجَارٍ شَتّٰی وَخَلَقَنِیْ وَعَلِیًّا مِنْ شَجَرَۃٍ وَّاحِدَۃٍ".

شفیعِ روزِ جزاء جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہ تحقیق اللہ نے پیغمبروں کو مختلف درختوں سے پیدا کیا اور مجھ کو اور علیؑ کو ایک درخت سے خلق فرمایا۔

"فَاَنَا اَصْلُھَا وَعَلِیٌّ فَرْعُھَا وَفَاطِمَۃُ لِقَاحُھَا وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ ثِمَارُھَا وَاَشْیَاعُنَا اَوْرَاقُھَا".

میں اُس درخت کی جڑ ہوں، علیؑ شاخ، فاطمہؑ شگوفہ، حسنینؑ میوے اور شیعہ ہمارے پتے ہیں۔

"مَنْ تَعَلَّقَ بِغُصْنٍ مِنْھَا نَجٰی وَمَنْ زَاغَ عَنْھَا غَوٰی وَھَوٰی".

جو شخص اُس درخت کی ایک شاخ سے تعلق رکھے، وہ نجات پائے گا اور جو روگردانی کرے، وہ گمراہ ہوگا اور واصلِ جہنم ہوگا۔

"وَلَوْ اَنَّ عَبْدًا عَبَدَ اللّٰہَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ اَلْفَ عَامٍ ثُمَّ اَلْفَ عَامٍ حَتّٰی صَارَ کَالشَّنِّ الْبَالِیْ ثُمَّ لَمْ یَلْقَ اللّٰہَ بِمَحَبَّتِنَا اَکَبَّہُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْخَرَیْہِ بِالنَّارِ".

اور حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ صفا و مروہ کے درمیان ہزار سال، پھر ہزار سال خدا کی عبادت کرے، یہاں تک کہ مثل مشکِ بوسیدہ ہو جائے لیکن ہماری محبت کے

بغیر مرجائے تو پروردگارِ عالم اُسے منہ کے بل جہنم میں داخل کرے گا۔

مؤمنین! خدا لعنت کرے اُن اشقیاء پر جنہوں نے باوجود اس تاکید محبت کے عترتِ رسولؐ خدا سے کیسی عداوت کی!

معصومؑ فرماتے ہیں کہ اگر وہ حضرتؐ ہماری دشمنی کیلئے بھی وصیت کرتے تو بھی اس سے زیادہ یہ ملاعین مجھ کو ایذا نہ دیتے جیسے کربلا تا شام اُن لوگوں نے ہماری توہین کی اور ایذا دی۔

مؤمنین! اُن اشقیاء کی شقاوت اس درجہ تک پہنچی کہ ذریتِ رسولؐ خدا کو روتے پیٹتے خراب حال سے دیکھ کر خود بھی خوش ہوتے تھے اور جس شہر میں اہل بیتؑ اطہار پہنچتے، وہاں کے رہنے والوں کو بھی خوشی کی ترغیب دیتے تھے۔

چنانچہ منقول ہے کہ جب فوج یزید مع سرہائے شہداء و اسیرانِ اہل بیتؑ مقامِ حماۃ میں پہنچی تو وہاں کے رہنے والوں کو کہلا بھیجا کہ ہم لوگ شاہی ملازمان سے ہیں، کچھ خوارج کے سرہائے بریدہ اور چند عورتیں رسن بستہ ہمارے ساتھ ہیں، تم لوگ سلطانی رعایا ہو، تمہیں چاہئے کہ جنگ کی فتح کی خوشی کرو اور قلعہ خالی کردو کہ آج کی شب بحفاظت اُس میں بسر کرسکیں۔

باشندگانِ قریہ نے پوچھا کہ خارجیوں کے نام کیا تھے؟ کسی نے جواب دیا:

"اَمَّا رَئِیْسُهُمْ فَاِسْمُهُ الْحُسَیْنُ".

ان کے سردار کا نام حسینؑ تھا۔

اُن دینداروں نے کہا کہ کون حسینؑ؟ اُن کی مادر اور جد کون تھے؟

"قَالُوْا جَدُّهُ مُحَمَّدُنِ الْمُصْطَفٰی وَاُمُّهُ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءِ".

وہ بے دین فخریہ بولے: وہی حسینؑ جن کے جدِ بزرگوار خاتم الانبیاء محمد مصطفیؐ اور

مادرِ گرامی اشرف النساء جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

وہاں کے رہنے والوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ہم لوگ اپنے ہاتھوں میں تلواریں رکھتے ہیں اور مرد کہلاتے ہیں۔ افسوس! یہ بزدل ہمارے پیغمبرؐ کی عترت کو اس ذلت سے گرفتار کرکے ہمارے شہر کی طرف سے لئے جارہے ہیں۔ بہتر ہے کہ ان بے دینوں سے چل کر جنگ کریں اور سرہائے شہداء اور اہل بیتؑ رسولؐ خدا کو رہا کروا کر مدینہ منورہ تک پہنچادیں۔

غرض اس ارادہ پر آمادہ و مسلح ہوکر اپنے گھروں سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اُن کی بچیوں کے ہاتھوں میں پانی سے لبریز صراحیاں ہیں اور عورتیں مشکیزۂ آب دوش پر رکھے اور ایک چوب ہاتھ میں لئے پیچھے پیچھے چلی آتی ہیں۔ اُن دینداروں نے پوچھا کہ یہ کیا سامان ہے اور تم لوگوں کے کیا ارادے ہیں؟

عورتوں نے جواب دیا کہ ہم نے سنا ہے کہ ہماری شہزادیاں کربلا سے یہاں تک بھی سیر نہ ہوئیں۔ جی بھر کے پانی نہ پیا۔ ہم اُن کے واسطے پانی لئے جارہے ہیں۔ اگر کوئی مانع ہوگا تو انہی چوبوں سے، جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں، لڑیں گے۔ بچیوں نے کہا کہ ہم نے بھی سنا ہے کہ ننھی ننھی امام زادیاں پیاسی ہیں، ہم اُن کو پانی پلانے جارہے ہیں۔

اُن جوانوں نے کہا کہ تم لوگوں پر جہاد اور جنگ جائز نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ معاملہ برعکس ہوا تو یہ ملاعین جب اپنے رسولؐ کی عترت کے ساتھ یہ سلوک کرسکتے ہیں تو تم لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آئیں گے؟

حاصل کلام جب فوج شام ان لوگوں کے ارادے سے مطلع ہوئی تو نصف لشکر کو مع سرہائے شہداء اور اسیرانِ اہل بیتؑ شام روانہ کیا اور یہ کہا کہ تم لوگ راہِ غیر مشہور سے جلد جلد قدم بڑھائے چلے جاؤ۔ ہم نصف گروہ سے ان کا مقابلہ کریں گے اور آگے نہ بڑھنے دیں گے۔

غرض جب یہ جوانانِ دیندار اُس قومِ اشرار تک پہنچے تو سرہائے شہداء اور اہل بیتؑ اطہار کو نہ پایا مگر حمیت کے تقاضے پر ایسا لڑے کہ اُن سب بزدلوں کو پسپا کر دیا۔ تھوڑی دور تک تعاقب بھی کیا، چونکہ وہ لوگ بے راہ جا رہے تھے، کچھ پتا نہ چلا۔ مجبور ہو کر محزون و ملول اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔

راوی کہتا ہے کہ وہ فوجِ نابکار اُن دیندار جوانوں کے خوف سے ایسی تیز و تند راستہ قطع کرتی چلی جاتی تھی کہ وہ چالیس دن کا راستہ دس دنوں میں طے کر کے شام میں داخل ہوئی۔ اُن کی تعجیل و تیز روی کا یہ حال تھا کہ اطفالِ حرم اکثر راہ میں اونٹوں سے گر پڑتے تھے۔ جب وہ ملاعین دیکھتے تو ان بچوں کے ہاتھ پکڑ کر چڑھا دیتے تھے۔

چنانچہ خولی ملعون جس کے نیزے پر سرِ اطہر امام حسینؑ تھا، وہی شقی جنابِ سکینہؑ کی مہارِ شتر تھامے سب سے زیادہ جلدی کرتا چلا جاتا تھا اور اُس صاحبزادیؑ کا تمام بدن اونٹ پر سے گرتے گرتے مجروح ہو گیا۔

لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ یتیم اپنے مرکب سے گری تو خولی نے زور سے ہاتھ پکڑ کر اونٹ پر بٹھایا، ابھی سنبھل کر نہ بیٹھی تھی کہ اُس بے رحم نے جلدی کے سبب ناقہ دوڑایا تو وہ صاحبزادیؑ اُسی مقام پر گر کر بیہوش ہو گئی۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد وہ نیزہ جس پر سرِ اطہر امام حسینؑ بلند تھا، خولی کے ہاتھ سے جدا ہو کر زمین میں گڑ گیا۔

وہ فرقِ مبارک اعجاز سے صحرا کی طرف پھر کر بہ نگاہِ حسرت دیکھنے لگا جیسے کوئی کسی کا منتظر ہوتا ہے۔ ہر چند بہت زور آوروں نے چاہا کہ وہ نیزہ زمین سے اکھاڑ لیں مگر اُس سر نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی۔ آخر مجبور ہو کر شمرِ بے رحم تازیانہ بکف بیمارِ کربلا کے پاس آ کر کہنے لگا:

"اگر خیریت چاہتے ہو تو اس اسرار کو ظاہر کرو"۔

حضرتؑ نے فرمایا: "معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں میں سے کوئی بچہ بچھڑ کر راستہ میں

رہ گیا ہے۔ پدرِ بزرگوار اُسی کے انتظار میں ہیں"۔

اس وقت خولی نے جو خیال کیا تو پشتِ شتر پر سکینہؑ کو نہ پایا۔ کہنے لگا کہ حسینؑ کی یتیم اونٹ پر نہیں ہے۔ وہی بچی کہیں گر گئی ہے۔

یہ سنتے ہی جنابِ زینبؑ نے ایک آہ بھری اور اونٹ سے اپنے آپ کو گرا دیا اور روتی ہوئی اُسی جانب چلیں۔

آہ! آگے بڑھ کر کیا دیکھتی ہیں کہ ایک بی بی سیاہ پوش خاک پر بیٹھی سکینہؑ کو اپنی آغوش میں لئے تسلی دے رہی ہیں اور کہتی ہیں:

"افسوس! تو یتیم ہو گئی، تیرا باپؑ اس غربت میں تجھ سے بچھڑ گیا۔ اے نورِ دیدہ! میں تیرے ساتھ ہوں"۔

یہ سن کر جنابِ زینبؑ نے پہچانا کہ یہ آواز میری ماں جنابِ فاطمہ زہراؑ کی ہے۔ بیتاب ہو کر رونے لگیں اور عرض کرنے لگیں: "اے اماں! آپؑ کہاں تھیں؟ اب تک خبر نہ لی؟ دیکھتی ہیں کہ آپؑ کے بعد اس اُمتِ جفاکار نے ہم لوگوں پر کیا کیا ظلم کئے؟ بھائی کو شہید کیا، خیموں میں آگ لگائی، ہماری چادریں تک چھین لیں، برہنہ سر اس حال سے شہر بہ شہر پھراتے ہیں"۔

جنابِ سیدہؑ نے فرمایا: "اے زینبؑ آفت رسیدہ! صبر کر، دُنیا دارالانتقام نہیں، کل روزِ قیامت خداوندِ عادل سے اس خون کی دادخواہ ہوں گی اور اس قدر مضطر و بیقرار نہ ہو۔ میں بھی اپنے مرقد سے نکل کر تم لوگوں کے ساتھ ساتھ ہوں"۔

غرض جنابِ زینبؑ سکینہؑ کو آغوش میں لے کر قافلہ میں داخل ہوئیں۔ اُس وقت نیزۂ خولی نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور لشکرِ شقاوت اثر آگے روانہ ہوا۔

مجلسِ عزائے امامؑ میں آئمہ ہدیٰ شریک ہوتے ہیں، روایتِ سہل بن سعد سہروردی

"لَوْتَيَقَّنَ الْمُسْتَمِعُوْنَ بِاَنَّ الْاَئِمَّةَ لَهُمْ مُخَالِطُوْنَ وَالْمَلَائِكَةَ بِهِمْ حَافُّوْنَ وَلِبُكَائِهِمْ سَامِعُوْنَ لَتَمَنَّوْا هٰذِهِ الْحَالَ حَتَّى الْمَالِ".

اگر اس مجمع حاضرین کو معلوم ہو کہ ہمارے ساتھ آئمہ طاہرین بھی مجلس میں شریک ہیں اور فرشتہ ہائے مقربین بھی اس مجلس کے گرد ماتم میں کھڑے ہیں اور ذکر مصائب جنابِ سیدالشہداء سن کر روتے ہیں تو یقین ہے کہ مؤمنین بکمالِ اشتیاق آرزومند ہوں گے کہ ہر وقت مجلس میں شریک رہیں اور گریہ وبکا کو اپنا وظیفہ گردانیں اور اپنی تمام عمر اسی نیک شغل میں بسر کریں۔

مؤمنین! اس مجلس و ماتم میں آئمہ معصومینؑ کا شریک ہونا اور آپ کی گریہ وزاری کا ملاحظہ کرنا محلِ استعجاب نہیں۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اَيُّهَا النَّاسُ اعْلَمُوْا وَتَيَقَّنُوْا اَنَّ لَنَا مَعَ كُلِّ وَلِيٍّ لَنَا اَعْيُنًا نَاظِرَةً لَا يُشْبِهُ اَعْيُنَ النَّاظِرِيْنَ وَفِيْهَا نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَحِكْمَةٌ مِنْ حِكَمِ اللّٰهِ لَيْسَ لِلشَّيْطَانِ فِيْهَا نَصِيْبٌ وَكُلُّ بَعِيْدٍ مِنْهَا قَرِيْبٌ".

اے لوگو! یقین جانو کہ ہمیں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے دوستوں کے دیکھنے کے واسطے ایسی چشم بینا عطا کی ہے کہ ہرگز چشم ہائے انسانیہ کو اُن سے کچھ مشابہت نہیں۔ ہماری آنکھیں نورِ الٰہی سے منور ہیں اور حکمتِ الٰہی سے مملو ہیں۔ جو چیز تمہاری نظروں سے بعید ہے،

ہمارے پیشِ نظر ہے۔

آپ ہی مزید فرماتے ہیں: ہم پر کوئی چیز تمہارے اعمال وافعال سے مخفی نہیں۔ سب کی ہمیں اطلاع ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ".

یعنی تمہارے اعمال کو پروردگارِ عالم اور اُس کا رسولؐ اور مؤمنین جانتے ہیں اور اس آیت میں مؤمنین سے مراد ہم آئمہ ہدیٰ ہیں۔

پس مؤمنین! اُن مظلوموں پر روئیے جن کی مصیبت آج تک سب کو رُلاتی ہے، خصوصاً اُن بیبیوں اور بچوں کے مصائب پر جن کو ظالموں نے وارثوں کی لاشوں پر رونے بھی نہ دیا۔ شانوں میں، گردنوں میں رسیاں باندھ کر برہنہ سر شترانِ بے کجاوہ پر جنگلوں میں اور شہروں میں پھراتے ہوئے کربلا سے شام تک لے گئے۔

سہل بن سعد سہروردی کہتے ہیں کہ جب میں شام میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ بازاروں، گلیوں میں اس قدر لوگوں کا ہجوم ہے کہ کہیں جگہ نہیں ملتی۔ ہر شخص لباس ہائے پرتکلف پہنے ایک دُوسرے سے گلے مل کر مبارکباد دے رہا ہے۔ میں نے سلیمان نامی ایک مردِ جلیل القدر سے پوچھا کہ کیا آج کوئی عید ہے؟ اہلِ شہر کیوں خوشیاں کر رہے ہیں؟

اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور ایک گوشہ میں لے جا کر کہنے لگا: "شاید تو مسافر ہے، آج عید کا دن تو نہیں مگر یہ لوگ حسینؑ کے قتل کی خوشی میں آج کے دن کو عید سے بڑھ کر منا رہے ہیں"۔

"قُلْتُ مَنِ الْحُسَيْنُ قَالَ حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ قُلْتُ لَهُ مَا اسْمُ اُمِّهٖ قَالَ حُسَيْنُ بْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ بِنْتِ نَبِيِّنَا".

میں نے پوچھا: کون حسینؑ مارا گیا؟ اُس کے ماں باپ کون تھے؟

وہ بولا: حسینؑ، جس کا نام ونشان دنیا میں سب کے نام ونسب سے روشن تر تھا۔

خدا کا لاڈلا، نبی کا نواسہ، علیؑ وفاطمہؑ کا بیٹا شہید ہوا ہے۔

یہ سنتے ہی مجھ میں ضبط کی طاقت باقی نہ رہی۔ بیتاب ہو کر منہ پیٹنے لگا اور چیخ مار کر رونے لگا۔ وہ مردِ سعید بھی اتنا رویا کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو میں نے کہا کہ اس واقعہ کو مفصل بیان کر۔ اُس نے کہا کہ مجھ سے بیان نہیں ہو سکتا۔

اِذَا ذَكَرْتُ نَفْسِيْ مُصِيْبَةَ كَرْبَلَا
وَاَشْلَاءَ سَادَاتٍ بِهَا قَدْ تَفَرَّتِ

جب میں اولادِ رسولؐ خدا کا قتل ہونا تصور کرتا ہوں کہ کس مظلومی سے گوسفند قربانی کی طرح زمین کربلا پر ذبح کیے گئے اور اُنؑ کے اعضائے نورانی پارہ پارہ ریگستان پر متفرق بغیر غسل وکفن کے پڑے رہے۔

اَضَاقَتْ فُؤَادِیْ وَاسْتَطَارَتْ مَشَاعِرِیْ
وَعَظُمَ كَرْبِیْ ثُمَّ عَيْشِیْ اَمَرَّتِ

اس تصور کے ساتھ ہی میرے ہوش وحواس باختہ ہو جاتے ہیں اور کثرتِ رنج و الم سے ایسا دل تنگ ہو جاتا ہوں کہ اپنی زندگی تلخ و ناگوار معلوم ہوتی ہے۔

ابھی اُس نیک انجام کا کلام تمام نہ ہوا تھا:

"وَاِذَا بِرَاْسِ الْحُسَيْنِ وَالنُّوْرُ يَسْطَعُ مِنْ فِيْهِ كَنُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

ناگاہ امام حسین علیہ السلام کا سر بریدہ نوکِ نیزہ پر دکھائی دیا اور اُس سے ایک نور مثل نورِ رسولؐ خدا ساطع تھا۔ دیکھتے ہی میں تڑپ گیا اور بیتاب ہو کر رونے لگا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ کچھ اونٹ جن پر محمل ہے نہ پردہ ہے، نہ عماری ہے، نہ کجاوہ ہے، چلے آرہے

ہیں۔ اُن پر کچھ بچے، کچھ بیبیاں سوار ہیں جن کے سروں پر نہ چادر ہے نہ برقع ہے، نہ مقنعہ ہے، نہ پشتِ شتر پر کوئی فرش ہے کہ آرام سے بیٹھ سکیں۔ نہ دھوپ میں کوئی سایہ ہے کہ آفتاب کی تمازت سے محفوظ رہیں۔ کسی کے شانوں سے، کسی کی کلائیوں سے، کسی کے کانوں سے لہو بہتا ہے۔

بدنوں پر بوسیدہ لباس ہیں۔ کوئی دامن سے، کوئی گریبان سے، کوئی آستین سے پھٹا ہوا ہے۔ سر سے پاؤں تک راہوں کی، منزلوں کی، صحراؤں کی گرد میں اَٹے ہوئے ہیں۔ بیبیاں بالوں سے، بچیاں چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے منہ چھپائے ہیں۔ کوئی چلا چلا کر، کوئی چپکے چپکے روتی ہے۔ اُن میں ایک مخدومہ بھائیوں سے، بھتیجوں سے، کبھی جوانوں کا اور کبھی لڑکوں کا نام لے کر پکارتی ہے اور اس بیتابی سے بین کرتی ہے کہ سننے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ رو رو کر کہتی ہے:

يَا قَاسِمُ يَا جَعْفَرُ يَا عَوْنُ
يَا عَبَّاسُ بْنَ اَبِیْ عَلِیٍّ وَاحِبَّتِیْ

آہ! اے عونؑ و جعفرؑ! ہائے ایک رات کے بیاہے قاسم ابن الحسنؑ، آہ پیمبرؐ کی صورت، میرے پُر ارمان علی اکبرؑ، ہائے بابا کی نشانی جعفرِ ثانی عباسؑ بن علیؑ، تم سب کے سب ہمیں پردیس میں چھوڑ کر کہاں چل بسے!!

يَا طِفْلِیَ الْمَفْطُوْمَ قَبْلَ فِطَامِهٖ
مِنْ نَصْلِ سَهْمٍ ثَابِتٍ فِیْ لُبَّةٍ

ہائے ہائے چھ مہینے کی جان علی اصغرؑ! ابھی تو ماں کا دودھ بھی نہ پوری طرح پیا تھا کہ موت کو پسند آ گئے۔ حرملہ نے آپ تیر سے تیرا دودھ بڑھایا۔

نَفْسِیْ فِدَاكَ يَا حُسَيْنُ وَلَيْتَنِیْ
جُرِّعْتُ دُوْنَكَ مِنْ كُئُوْسِ مَنِيَّتِیْ

بہن آپ پر قربان ہو، کیوں بھائی! آپ تو چلے گئے، ہمیں آفتوں اور مصیبتوں میں رونے کو چھوڑ گئے۔ کاش آپ زندہ رہتے اور مجھے موت آجاتی۔

لَهفِیْ عَلَی الْمَجْزُوْزِ رَاسًامِنَ الْقَفَا
عَطْشَانَ یَشْرَبُ غُصَّۃً فِیْ غُصَّۃِ

یہ سخت جان بہن فدا ہوا یسے مظلوم بھائی پر جس کا سرِ اطہر پس گردن سے جدا کیا گیا اور سوائے غم وغصہ کے شدتِ تشنگی میں ایک قطرہ پانی کا اُسے میسر نہ آیا۔

لَهفِیْ عَلَی الْمَرْفُوْعِ رَاسًا عَلَی الْقِنَا
کَالْبَدْرِفِیْ تَمِّ یَلُوْحُ بِظُلْمَۃِ

یہ ستم رسیدہ بہن ایسے غریب بھائی پر صدقے ہو جس کا سرِ انور نوکِ نیزہ پر چودہویں کے چاند کی مانند تاباں اور درخشاں ہے اور بدن سے جدا کر کے پہاڑوں میں، بیابانوں میں پھرایا جا رہا ہے۔

سہل کہتے ہیں کہ میں اُس اونٹ کے قریب گیا اور کہا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَااَهْلَ الْبَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعْدَنَ الرِّسَالَۃِ".

سلام ہو تم پر اے اہل بیتؑ رسولؐ خدا۔

معلوم ہوا کہ وہ معظمہ جنابِ اُم کلثومؑ ہیں۔

"فَقَالَ مَنْ اَنْتَ اَیُّهَاالرَّجُلُ لَمْ یُسَلِّمْ عَلَیْنَااَحَدٌ غَیْرُکَ مُنْذُقُتِلَ سَیِّدِی الْحُسَیْنُ".

آپ نے فرمایا: تو کون ہے جو اس خراب حال میں ہم مصیبت زدوں پر سلام کرتا ہے، حالانکہ جب سے میرے بھائی حسینؑ شہید ہوئے ہیں، سلام تو کیسا، کوئی ظلم کے سوا رحم بھی نہیں کرتا؟

عرض کی: میں آپ کے نانا رسولؐ خدا کے اصحاب سے سہل بن سعد ہوں۔

مومنین! قاعدہ ہے کہ جب مصیبت میں کوئی اپنے واقف کار کو پاتا ہے تو جو ایذائیں اور تکالیف اُٹھائی ہیں، بیان کرتا ہے۔ جنابِ اُم کلثومؑ سہل کا نام سنتے ہی زیادہ رونے لگیں اور فرمایا: "اے ناناؐ کے صحابی! دیکھتے ہو اس اُمت نے ہماری کیا قدر شناسی کی؟ بھائی حسینؑ کو عزیز و انصار سمیت تین دن کا بھوکا پیاسا دریا کے کنارے ذبح کر دیا اور ہمیں بے وارث جان کر کنیزوں اور غلاموں کی طرح قید کر لیا۔ سروں سے چادریں چھین لیں، ہاتھوں اور گردنوں میں رسیاں باندھ کر شترانِ بے کجاوہ پر جنگلوں میں، شہروں میں جہاں جہاں جی چاہتا ہے، لئے پھرتے ہیں۔ سب سے زیادہ سخت مصیبت یہ ہے کہ جہاں ہم جاتے ہیں، وہاں کے لوگ ہمارا تماشا دیکھنے کو جمع ہوتے ہیں۔

اگر تجھ سے ممکن ہو تو جو نیزہ بردار شہداء کے سر لئے ہوئے ہیں، اُن نیزہ برداروں کو ہمارے سامنے سے دُور کر دے کہ یہ اہل شہر اُن سروں کو دیکھنے میں معروف ہوں اور نامحرموں کی نظروں سے ہم محفوظ رہیں۔

یہ سن کر میں بہت رویا اور دو سو دینار اُن ملاعین کو دے کر آگے بڑھا دیا۔ پھر عرض کی: اے دخترِ رسولؐ! ہمارے ناناؐ کے روضہ پر پہنچنا تو سلام کے بعد خبر کر دینا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں کہ آپؐ کی نواسیاں ننگے سر، بغیر کجاوہ اونٹوں پر مجمع عام میں پھرائی جا رہی ہیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ اگر تیرے پاس کچھ چادریں ضرورت سے زیادہ ہوں تو لا دے کہ فاطمہؑ کی بیٹیاں اپنے چہروں کو چھپا سکیں۔

راوی کہتا ہے کہ جب سہل چادریں لائے تو ہر بی بی ہاتھ بڑھا کر چاہتی تھی کہ پہلے میں لے کر اپنا منہ چھپا لوں۔

جنابِ زینبؑ کے اشعار اور نوحہ کرنا، فاطمہ کبریٰ کا راہِ شام میں گم ہونا

یَاعَیۡنُ اِبۡکِیۡ لِلۡحُسَیۡنِ وَمَاجَرٰی
عَلَیۡہِ وَمَا اَجۡرَتۡ عَلَیۡہِ الۡخَدَائِعُ

اے چشم! امام حسینؑ کی مصیبت پر گریاں ہو اور اُن مصیبتوں کو یاد کر جو آپ پر دشمنوں کے ہاتھ سے واقع ہوئیں۔

لِاَیِّ مُصَابٍ اَمۡ لِاَیِّ رَزِیَّۃٍ
تُصَابُ بِھَادُوۡنَ الۡحُسَیۡنِ مَدَامِعُ

"اے آنکھ! اگر تو اس غم میں نہ روئے گی تو پھر کس ماتم میں تیرے آنسو جاری ہوں گے"۔

فَکُلُّ مُصَابٍ دُوۡنَ رُزۡءِ ابۡنِ فَاطِمٍ
حَقِیۡرٌ وَرُزۡءُ السِّبۡطِ وَاللّٰہِ فَارِعٌ

ہر چند خاصانِ خدا نے بڑی بڑی اذیتیں اُٹھائیں مگر فرزندِ زہراؑ کی مصیبت کے آگے اُن سب کی مصیبتوں کی کچھ حقیقت نہ رہی۔

"فَابۡکِیۡ عَلٰی مُصَابِ سِبۡطِ الرَّسُوۡلِ وَبَنَاتِ فَاطِمَۃَ الۡبَتُوۡلِ".

"پس اے آنکھ! لہو کے آنسوؤں سے رو، اُس مظلومؑ کی مصیبت پر جس کا خون بے گناہ زمین کربلا پر بہایا گیا اور اُن یتیموں اور بیواؤں کے مصائب پر کہ جن کو لاوارث ہو کر ایک جگہ چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔

افسوس صد افسوس! وہ عصمت وطہارت والی بیبیاں جن کے دروازے پر فرشتہ ہائے مقرب طالب اذن ہوتے تھے اور اجازت کے بغیر کسی کو اتنی جرأت نہ تھی کہ اُن بیت الشرف میں داخل ہو سکے۔

ایک دن وہ تھا کہ وہ سب مخدرات برہنہ سر در بدر پھرائی جا رہی تھیں۔ کبھی اشقیائے اُمتِ جفا کار مثل ترک و روم کی کنیزوں کے صحرا کی طرف کشاں کشاں لئے پھرتے تھے اور کبھی بستی و شہر میں تماشائیوں کے نظارے کے واسطے بازاروں میں تشہیر کرتے تھے۔ یہ ذلت وخواری بھی ظالموں کو کافی نہ ہوتی تھی کہ اُن بیکسوں کو وارثوں کے سرنوکِ نیزہ پر دکھا دکھا کر دل دُکھاتے تھے۔

منقول ہے کہ سب شہیدوں کے سروں کے آگے جنابِ امام حسینؑ کا فرقِ مطہر لئے ہوئے تھے۔ ہوا سے اُنؑ کی ریشِ مقدس کبھی دائیں، کبھی بائیں طرف اُڑتی تھی۔
شیعوں کی جان فدا ہو، جونہی جنابِ زینبؑ کی نظر اپنے بھائی کے سر پر پڑی، بے اختیار اپنا سر چوبِ محمل پر دے مارا اور پیشانی سے خون جاری ہو گیا۔ عجب درد سے آپؑ نے نوحہ پڑھا کہ سننے والوں کے جگر شق ہونے لگے۔ فرماتی تھیں:

اَخِیۡ یَا اَخِیۡ اَیَّ الۡمَصَائِبَ اَشۡتَکِیۡ
فِرَاقَکَ اَمۡ ھَتۡکِیۡ وَذُلِّیۡ وَغُرۡبَتِیۡ

اے بھائی! کون کونسی مصیبتوں کی شکایت کروں؟ آپؑ کی جدائی کا صدمہ بیان کروں یا اپنی ہتک حرمت وذلت وغربت کا اظہار کروں؟

اَمِ الثَّوۡبَ مَسۡلُوۡبًا اَمِ الۡجِسۡمَ عَارِیًا
اَمِ النَّحۡرَ مَنۡحُوۡرًا بِسَیۡفٍ صَقِیۡلَۃٍ

آیا آپؑ کی پوشاک لٹنے کا خیال کروں یا آپؑ کا وہ جسم اطہر جو جنابِ فاطمہؑ کی گود میں پلا تھا، اُس کے خاک وخون میں غلطاں ہو کر بے کفن ہونے کو تصور کروں یا آپؑ کا

وہ سوکھا ہوا گلا جسے نانا رسولِ خدا چومتے تھے، تین دن کی پیاس میں خنجر بے آب سے اُس کے کٹنے کو یاد کروں؟

اَمِ الظَّهرَ مَرضُوضًا اَمِ الشَّيبَ دَامِيًا

اَمِ الرَّاسَ مَرفُوعًا كَبَدرِ الدَّجِيَّهِ

اے بھائی! آپؑ کی اُس پشتِ مبارک کو یاد کروں جو طاعتِ خالق میں ہمیشہ خمیدہ رہتی تھی۔ اب گھوڑوں کی ٹاپوں سے ریزہ ریزہ ہے یا آپؑ کے اُس سرِ مبارک کو یاد کروں جو سجدۂ خالق میں ہمیشہ رہا کرتا تھا اور اب نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا چودھویں کا چاند درخشاں ہے یا اُس محاسن شریف کو یاد کروں جو روزِ عاشور صبح کے وقت حنا سے رنگین تھی، زوال کے بعد عزیزوں کے داغ اُٹھاتے اُٹھاتے سفید ہوگئی، عصر کے وقت پھر آپؑ کے خون سے خضاب ہوئی؟

اَمِ الرَّجُلَ مَنهُوبًا اَمِ المُهرَ نَاعِيًا

اَمِ الوَجهَ مَكبُوبًا بِحَرِّ الضَّمِيرَةِ

یا شکایت کروں اُس اسباب کی جو لوٹ گیا یا ذوالجناح کا حال بیان کروں، جس وقت وہ آپؑ کی خبر لے کر آیا یا اُس نیزہ کا شکوہ کروں جس نے آپؑ کو منہ کے بل زمین پر گرادیا یا شکایت کروں اُس ظلم کا کہ آپؑ کے قتل کے بعد جب اشقیاء لوٹنے کو آئے تو اہلِ حرم کو نیزے مار مار کر گرادیا۔

اَمِ الضَّائِعَاتِ الفَاقِدَاتِ حَوَاسِرًا

كَمِثلِ الاِمَا يُشهَرنَ فِي كُلِّ بَلدَةٍ

اے بھائی! آپ جن بہنوں کی حرمت و توقیر کرتے تھے، اب آپؑ سے جدا ہو کر انہی کا یہ حال ہوگیا ہے کہ نامحرموں میں برہنہ سر ترک و روم کی کنیزوں کی طرح شہروں میں، قریوں میں کہاں کہاں پھرائی جا رہی ہیں۔

اَخِي لَيتَ هٰذَا النَّهرَ كَانَ بِمَنحَرِي

وَمَا لَيتَ هٰذَا السَّهمَ كَانَ بِمُهجَتِي

ہائے اے بھائی! کاش آپؑ کے عوض میں زینبؑ ذبح کی جاتی یا وہ تیر جس نے آپؑ کو جگر پر لگ کر آپؑ کو گھوڑے سے گرایا، میرے دل پر لگتا تو بجا تھا۔ افسوس! آپؑ شہید ہوگئے اور یہ آپؑ کی مظلومہ بہن آپؑ کے بعد زندہ رہی۔

صاحب سرور المؤمنین ایک شامی عورت سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ جب عترتِ رسولؐ کو ہم لوگ دمشق کی طرف لے جارہے تھے تو عسقلان کے قریب ایسی ہوائے گرم چلی کہ اُس کی حدت سے ہم لوگوں کی نوبت ہلاکت تک پہنچ گئی۔ پیاس کی یہ شدت تھی کہ تمام اہلِ لشکر بیتاب ہو کر العطش العطش کہتے تھے اور برابر پانی پیے جاتے تھے۔ اپنے گھوڑوں کو بھی سیراب کرتے تھے، اُن بدنوں پر بھی چھڑکتے تھے اور جو کچھ اُن کے مصرف سے بچ جاتا تھا، زمین پر بہادیتے تھے مگر فرزندانِ ساقیِ کوثر کو پلانا تو درکنار قریب تک نہ آنے دیتے تھے۔

الغرض اس تلاطم میں تمازتِ آفتاب کے سبب امام حسینؑ کی ایک دختر جن کا نام فاطمہ کبریٰؑ تھا، بیتاب ہو کر ایک جھاڑی میں جا کر، درختِ مغیلان کے سائے میں بیٹھ کر رونے لگیں۔

عرب کا یہ دستور ہے کہ وقتِ ظہر منزل سے کوچ کرتے ہیں۔ اُس روز گرمی و حدت کے باعث بے وقت وہاں سے روانہ ہوئے اور عجلت کے سبب وہ صاحبزادی وہیں رہ گئیں۔ تھوڑی دور جا کر جنابِ زینبؑ نے جنابِ فاطمہ کبریٰؑ کو جو اُن کے اونٹ پر نہ دیکھا تو بے اختیار رو رو کر فریاد کرنے لگیں اور اُن بے رحموں سے ارشاد کرنے لگیں:

"اے سنگ دلو! تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتی ہوں کہ ذرا صبر کرو اور یہاں سے آگے نہ بڑھو کہ میری نورِ چشم فاطمہ کبریٰؑ، میرے مظلوم بھائی کی دختر گم ہوگئی ہے۔

یہ سن کر زجر بن قیس ملعون نے کہا کہ میں جاتا ہوں اور اُس کو ابھی ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ قسی القلب چلا۔ راوی کہتا ہے کہ میں بھی اُس کے ساتھ تھا، یہاں تک کہ اُس منزل پر پہنچا، دیکھا کہ ایک خاردار درخت کے سایہ میں وہ صاحبزادی بیٹھی بلک بلک کر رو رہی ہے اور ہائے بابا حسینؑ اور ہائے پھوپھی زینبؑ وکلثومؑ کہہ کر نوحہ کر رہی ہے۔ تمازتِ آفتاب سے اُس کا چہرہ تمتما گیا ہے اور اپنا تھوڑا سا کپڑا اپھاڑ کر اپنے کفِ پا میں باندھ رکھا ہے۔

مؤمنین! جب کوئی قافلہ سے بچھڑ کر اکیلا ہو جاتا ہے تو لوگ اُس کو تسکین وتشفی دے کر قافلہ میں پہنچا دیتے ہیں مگر آہ! زجر بے رحم نے تسلی کے بدلے زجر و توبیخ کی، خفا ہو کر طمانچہ مارنے لگا، ہائے آگے کیسے کہوں کہ اُس یتیم کے رُخسار نیلے ہو گئے اور کہنے لگا:

"اُٹھ، میرا گھوڑا تیری تلاش میں ہلاک ہوا"۔

اُس صاحبزادی نے ناتوانی کے باعث جو اُٹھنے میں توقف کیا تو اُس سنگ دل نے تازیانہ بلند کیا اور وہ بے ادبی کی کہ پشتِ نازک فگار ہو گئی اور وہ صاحبزادی مرغِ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر مضمحل ہو گئی۔ میں نے جو قریب جا کر دیکھا تو اُس میں چلنے پھرنے کی طاقت باقی نہ تھی۔ پس زجر ملعون نے اُس دختر کو اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور قافلے میں پہنچ کر اس بے رحمی سے زمین پر ڈال دیا کہ بیبیوں میں شور و ماتم بلند ہو گیا۔

سیدِ سجادؑ سے ابراہیم ادھم کی ملاقات، روایتِ سہل، شہادتِ نصرانی، ضعیفہ کا سرِ امامِ مظلوم پر پتھر مارنا

"فِی الْبِحَارِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَدْهَمَ قَالَ کُنْتُ اَسِیْحُ فِی الْبَادِیَةِ مَعَ الْقَافِلَةِ".

کتاب بحار میں ابراہیم ادہم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حاجیوں کے ساتھ مجھے اتفاقِ سفر ہوا۔ ایک سبب کے باعث میں قافلہ سے علیحدہ ہو گیا۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک بچہ جس کا سن سات یا آٹھ برس ہوگا، اُس صحرائے پُر بلا میں چلا آ رہا ہے۔ بہت تعجب کیا کہ سنسان جنگل میں یہ کمسن بچہ کیونکر سفر کا متحمل ہوگا۔ میں قریب گیا اور سلام کیا۔ اُس نے جوابِ سلام دیا۔ میں نے پوچھا کہ تمہارا قصد کہاں کا ہے؟

"قَالَ اُرِیْدُ بَیْتَ رَبِّیْ".

اُس نے کہا کہ خانہ خدا کی طرف۔

میں نے کہا: اے حبیب! تم اتنے کمسن ہو کہ تم پر حج واجب نہیں ہے۔ پھر کس لئے قصد کیا؟

'فَقَالَ یَاشَیْخُ مَارَاَیْتَ مَنْ هُوَ اَصْغَرُ سِنًّا وَقَدْمَاتَ'

اُس نے کہا: اے شیخ! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بہت سے ایسے تھے جو مجھ سے بھی کمسن تھے اور انہیں موت آ گئی۔

"فَقُلْتُ اَیْنَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ فَقَالَ زَادِیْ تَقْوَایَ وَرَاحِلَتِیْ رِجْلَایَ وَقَصْدِیْ مَوْلَایَ".

میں نے کہا آیا تمہارے پاس زادِراہ اور سواری بھی ہے؟

فرمایا: میرا زادِراہ تقویٰ ہے اور میری سواری میرے دونوں پاؤں ہیں اور میرا مقصود خالق کی طرف جانا ہے۔

میں نے کہا: کھانے کی کوئی چیز تمہارے پاس نظر نہیں آتی؟

فرمایا: اے شیخ! آیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص تیری دعوت کرے اور تو کھانا اپنے گھر سے ساتھ لے جائے؟

میں نے عرض کی: ہرگز یہ بات مجھ کو پسند نہیں۔

فرمایا: جس نے مجھے اپنے گھر بلایا ہے، وہی مجھے کھانا اور پانی عطا کرے گا۔

میں نے کہا: جلد چلو تاکہ قافلہ سے مل جائیں اور راہ نہ بھول جائیں۔

فَقَالَ عَلَيْهِ الْبَلَاغُ اَمَا سَمِعْتَ قَوْلَهُ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ"۔

جواب دیا: میرا منزلِ مقصود تک پہنچانا اُسی پر ہے۔ آیا تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا کہ قرآن مجید میں فرمایا کہ وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں، ہم اُن کو اپنی راہ بتا دیتے ہیں۔ بہ تحقیق کہ حق تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

مجھ میں اور اُس میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، ناگاہ ایک جوان خوبصورت نورانی چہرہ لباسِ سفید پہنے اُس طفل کے سامنے آیا اور سلام کیا اور اُس سے معانقہ کیا اور رخصت ہو گیا۔ میں اُس جوان کے قریب گیا اور کہا

میں تم سے اُسی خدائے پاک کے واسطے سوال کرتا ہوں جس نے تمہیں ایسی نورانی صورت عطا کی ہے۔ یہ بچہ جس پر تم نے سلام کیا ہے، کون ہے؟

"فَقَالَ اَمَا تَعْرِفُهُ هٰذَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ"۔

اُس جوان نے کہا: تو نہیں جانتا؟ یہ علی ابن الحسینؑ زین العابدینؑ ہیں۔

پس میں اُس جوان کو چھوڑ کو جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

"آپ کو قسم ہے اپنے آبائے طاہرینؑ کی، ارشاد ہو کہ یہ جوان کون تھے؟"۔

حضرتؑ نے فرمایا: "یہ بھائی خضرؑ ہیں۔ معمول ہے کہ ہر روز میرے پاس تشریف لاتے ہیں اور سلام کرتے ہیں"۔

مؤمنین! مقامِ تصور اور خاک اُڑانے کی جگہ ہے کہ جس بزرگوار کا یہ مرتبہ تھا، ایک دن ظالموں نے اُنؑ کی یہ قدر کی کہ ہاتھوں کو پس گردن باندھ دیا تھا، پاؤں میں زنجیریں ڈال دی تھیں، شترِ بے کجاوہ پر ماں بہنوں کے ساتھ قریوں میں، شہروں میں کہاں کہاں لئے پھرے اور جہاں وارد ہوتے تھے، وہاں لوگ تماشا دیکھنے آتے تھے اور عید سمجھ کر آپس میں خوشیاں مناتے تھے۔

سہل بن سعد سہروردی کہتے ہیں کہ جب میں دمشق میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں کے تمام زن و مرد انواع و اقسام کی زینت سے آراستہ ہیں اور ہر طرف دف و نقارے بج رہے ہیں۔ جب میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جنابِ امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے اور اُنؑ کے اہلِ بیتؑ اسیر ہو کر آئے ہیں۔ یہ سب خوشی و شادی امام حسینؑ کے قتل کی ہے۔ پس میں جنابِ اُم کلثومؑ کے کجاوہ کے قریب گیا اور سرنگوں ہو کر بکمالِ تعظیم سلام کیا۔

اُن معظمہؑ نے جوابِ سلام دے کر فرمایا: "اے شیخ! تو کون ہے کہ ہم بیکسوں پر سلام کرتا ہے۔ خدا تجھ پر رحم کرے۔ اے سعادت مند! جس روز سے میرے سردار اور بھائی حسینؑ کو اہلِ کوفہ و شام نے شہید کیا ہے اور ہمیں مقید کر کے کربلا سے یہاں تک لائے ہیں، اُس روز سے آج تک سوائے تیرے کسی مسلمان نے ہم کو سلام نہ کیا؟"

سہل کہتے ہیں کہ اُس روز ایک نصرانی بھی زیارت کے قصد سے بیت المقدس

میرے ہمراہ تھا۔ جب اُس سعادت مند کی نظر سرِ اقدسِ امام حسینؑ پر پڑی اور دیکھا کہ وہ حضرتؑ تلاوتِ قرآن فرما رہے ہیں، اس اعجاز کے دیکھتے ہی ظلمتِ کفر قلبِ نصرانی سے مبدل بہ نور ہوئی۔ اُس نے سرِ انور کے قریب آ کر تعظیم سے سلام کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ اپنے تلوار جو زیرِ دامن مخفی تھی، نیام سے کھینچ کر اُس قومِ نابکار پر حملہ کیا اور بہت سے پیادے اور سوار قتل کر دیئے۔

جب بہت سے کفار اُس دیندار کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوئے اور ہر طرف سے شور و غوغا بلند ہوا تو اُن اشقیاء نے اُس یکہ و تنہا کو گھیر کر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

سہل کہتے ہیں کہ جنابِ اُم کلثومؑ نے مجھ سے پوچھا کہ شور کیسا ہے؟ میں نے اُس نصرانی کی حکایت مفصل عرض کی۔ جنابِ اُم کلثومؑ بہت روئیں اور فرمایا:

"نہایت عجب ہے کہ نصرانی تو ہم اہل بیتؑ کی محبت میں قتل ہوا اور اُمتِ رسولؐ اُن کی اولاد کو قتل کر رہی ہے اور اُن کی بیٹیوں کو در بدر بے مقنعہ و چادر پھرا رہی ہے"۔

ایک اور روایت میں منقول ہے کہ ایک نصرانی تاجر راہِ شام میں جب دولتِ اسلام سے ممتاز ہوا، جس قدر چادریں اُس کے اسبابِ تجارت میں تھیں، لے کر اہل بیتِ اطہار کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہر بی بی کو دے دیں تو امام زین العابدینؑ نے فرمایا: "اے بندۂ خدا! اگر کوئی پرانی چادر تیرے اسباب میں بچ رہی ہو تو مجھے بھی لا کر دے"۔

اُس نے عرض کی: "یا حضرتؑ! میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں، آپؑ چادر کیا کریں گے؟"

فرمایا: "اے بھائی! تمازتِ آفتاب میں یہ طوقِ گراں گرم ہو کر مجھے زحمت و تکلیف دیتا ہے۔ چاہتا ہوں کہ زیرِ طوق کچھ کپڑا رکھ لوں تا کہ اُس تکلیف و زحمت سے نجات پاؤں"۔

الغرض سہل کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں جنابِ اُم کلثومؑ سے رخصت ہو کر سید

الساجدین علیہ السلام کی خدمتِ باسعادت میں حاضر ہوا اور تسلیم عرض کی۔ اُنہوںؑ نے جوابِ سلام دیا اور فرمایا: "اے سہل! اللہ تعالیٰ تجھے ہمارے ساتھ محشور فرمائے۔ تو نے دیکھا کہ اس اُمتِ جفا کار نے ہم اہل بیتِ رسولؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

أُقَادُ ذَلِيلاً فِي دِمَشْقَ كَأَنَّنِي
مِنَ الزَّنْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيرُهُ

آج مجھے اہل شام اس ذلت و خواری سے اس شہر میں مقید کر کے لائے ہیں جس طرح کوئی شخص کسی غلام حبشی کو قید کر کے لاتا ہے اور غلام بھی وہ جس کا آقا مر گیا ہو اور اُس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہو۔

وَجَدِّي رَسُولُ اللهِ فِي كُلِّ مَشْهَدٍ
وَشَيْخِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُهُ

حالانکہ تمام عالم خوب جانتا ہے کہ میرے نانا محمد مصطفیؐ، سید المرسلین اور میرے جد بزرگوار جنابِ حیدرِ کرار، سید الوصیین ہیں۔

فَيَا لَيْتَ لَمْ أَنْظُرْ دِمَشْقَ وَلَمْ أَكُنْ
يَرَانِي يَزِيدٌ فِي الْبِلَادِ أَسِيرُهُ

کاش میں بھی اپنے پدرِ عالی مقدار کے ہمراہ شہید ہو جاتا کہ آج اس شہر کو نہ دیکھتا اور اس ذلت و خواری سے مقید ہو کر یزید پلید کے روبرو نہ جاتا۔

سہل کہتے ہیں کہ جنابِ سید الساجدین علیہ السلام مجھ سے اس طرح کے کلماتِ حسرت و یاس فرما رہے تھے، ناگاہ میری نظر ایک بالاخانہ کی طرف پڑی، دیکھا کہ اُس پر پانچ عورتیں تماشائی بیٹھی ہیں مگر اُن سب میں ایک عورت کبیر السن بھی بیٹھی ہے۔ جب جنابِ امام حسینؑ کا سرِ اطہر اُس بالاخانہ کے برابر پہنچا تو اُس کو دیکھتے ہی اُس ملعونہ کی رگِ خباثت اور کفر حرکت میں آئی، ہر چند کبرِ سنی کے سبب وہ ملعونہ نشست و برخاست میں عاجز

تھی لیکن کسی طرح ایک پتھر اُٹھایا اور اس زور سے پھینک کر مارا کہ امام حسینؑ کا چہرۂ نورانی زخمی ہو گیا اور اعجاز سے خون بہنے لگا۔

اِس ظلم کے دیکھتے ہی میں بیتاب ہو گیا اور ہاتھ اُٹھا کر درگاہِ خدا میں رو رو کر عرض کی: "خداوندا! ان عورتوں کو اس کی ابھی سزا دے"۔

ابھی میری دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ بالا خانہ گر پڑا اور وہ پانچوں عورتیں مع اُن لوگوں کے جو تماشے کے واسطے کوٹھے کے نیچے کھڑے تھے، دب کر واصلِ جہنم ہو گئے۔

قبورِ آئمہؑ کے متفرق ہونے کا بیان اور شیریں کی روایت

اَسَفًا عَلٰی بَیْتِ الرِّسَالَةِ قَدْخَلَا
مِنْ ذِکْرِهِمْ وَمِنَ الصَّلٰوةِ الْمَسْجِدُ

مؤمنین! مقامِ تاسف ہے کہ خاندانِ رسالتؐ ایسا برباد ہوا کہ کوئی گھر عالم میں ایسا تباہ نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ وہ گھر جہاں برابر فرشتے آتے تھے اور ہر وقت جس گھر میں صدائے تکبیر و تہلیل بلند ہوتی تھی، افسوس کہ اُسی گھر سے ذکرِ خدا معدوم ہو گیا اور وہ مسجد جس میں ہر آن صدائے تلاوتِ قرآن آتی تھی، اب اُس سے نماز و اذان کی بھی کسی کے کان میں آواز نہیں آتی۔

اَسَفًا عَلٰی آلِ الرَّسُوْلِ فَاِنَّهُمْ
قُتِلُوْا وَبَعْضٌ بِالسُّمُوْمِ اسْتُشْهِدُوْا

افسوس ہزار افسوس کہ اُس گھر کے مالک یعنی اہل بیتِ رسولؐ جب تک زندہ رہے، کیا کیا مصیبتیں اُٹھاتے رہے، آخرکار کوئی اُن میں سے زہر دغا سے اور کوئی تیغ جفا سے شہید ہو گیا۔

وَقُبُوْرُهُمْ شَتّٰی بِكُلِّ مَحَلَّةٍ
وَبُيُوْتُهُمْ لِلْبُوْمِ فِيْهَا مَرْقَدٌ

فَبِاَرْضِ سَامِرَّهْ وَبَغْدَادِ ثَوٰی
بَعْضٌ وَبَعْضٌ بِالْغَرِيِّ مُلَحَّدٌ

آہ آہ! اس زمانہ تفرقہ پرداز کو یہ بھی منظور نہ ہوا کہ اُن خاصانِ خدا کی قبریں ایک

جگہ ہوں۔ امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام سامرہ میں آرام کر رہے ہیں اور امام موسیٰ کاظم اور امام محمد تقی علیہما السلام کاظمین میں تشریف رکھتے ہیں۔ جناب امیرؑ خدا کے گھر میں ابن ملجم کی تلوار سے شہید ہو کر ارضِ غریٰ یعنے نجف کی زمین میں دفن ہوئے۔

قُبُوْرٌ بِطُوْسٍ وَالْبَقِيْعِ وَطَيْبَةِ
وَبِكَرْبَلَا بَعْضُ الَّذِيْنَ اسْتُشْهِدُوْا

امامِ غریب الغرباء جناب رضا علیہ السلام بے وطن ہو کر گھر سے مہینوں کی راہ پر شہر طوس میں اور چار معصوم یعنی امام حسنؑ، امام زین العابدینؑ اپنے نانا کی قبر سے جدا جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ خامس آلِ عباء جناب سید الشہداء ماں کی، بھائی کی تربت سے جدا ہو کر کربلا کے جنگل میں اکہتر عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ نیزوں سے، تلواروں سے زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ کئی دن تک قبر بھی میسر نہ ہوئی۔ لاشِ بے سر دھوپ میں جلتی ریت پر پڑی رہی۔ آخر قومِ بنی سعد نے رحم کھا کر دفن کر دیا۔

مؤمنین! کیونکر ویران و برباد نہ ہو وہ گھر جس سے سترہ چاند ایک ساعت میں خاک کے نیچے پنہاں ہو گئے۔ پس نوحہ و بکاء کیجئے اُس امامؑ مظلوم و بیکس پر جس نے انواع و اقسام کے رنج و الم اعوان و انصار کے اُٹھا کر دنیا سے رحلت فرمائی اور روئیے اُس امامؑ غریب پر جس شہید کا سر یزید پلید کیلئے ہدیہ گیا اور گریہ و زاری کیجئے اُن اہل بیتِ رسولؐ کی مصیبت پر جو مخدرات ہر شہر و دیار اور ہر کوچہ و بازار میں شترانِ بے فرش پر پھرائی گئیں۔

منقول ہے کہ جب جناب شہر بانو، یزدجرد سلطانِ عجم کی دختر مدینہ منورہ میں تشریف لائیں تو سو کنیزیں بی بی کے ساتھ تھیں اور جب خدمتِ جناب سید الشہداء میں پہنچیں تو پچاس کنیزیں اُسی شب کو آزاد کیں۔ جب امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے تو جناب شہر بانو نے چالیس کنیزیں مزید آزاد کیں۔ دس کنیزیں اپنی خدمت کیلئے رکھی تھیں، اُن دس میں شیریں بہت حسینہ و جمیلہ تھی۔

"فَنَظَرَ الْحُسَيْنُ يَوْمًا اِلَيْهَا".

ایک روز جناب امام حسینؑ بی بی شہر بانو کے پاس تشریف رکھتے تھے اور شیریں بھی وہاں حاضر تھی، حضرتؑ کی نظر شیریں پر پڑی، از راہِ مطایبہ فرمایا:

"اے شہر بانو! تمہاری یہ کنیز بہت نیک خاتون ہے"۔

آپ کو گمان ہوا کہ شاید امامؑ کی منظورِ نظر ہو، عرض کی: "یا ابن رسولؐ اللہ! میں اس کو آپؑ کی نذر کرتی ہوں"۔

حضرتؑ نے خیال فرمایا کہ شہر بانو کو کچھ گمان ہوا ہے۔ ارشاد کیا کہ میں نے اس کو راہِ خدا میں آزاد کیا۔

جناب شہر بانو اُٹھ کھڑی ہوئیں اور ایک خلعتِ فاخرہ اور کچھ زیور لا کر شیریں کو عطا کئے۔ امام حسینؑ نے شہر بانو سے فرمایا: "تم نے بہت سی کنیزیں آزاد کیں مگر کسی کو ایسا لباسِ فاخرہ نہیں دیا؟"

عرض کی: "وہ کنیزیں اس کنیز کی آزاد کردہ تھیں اور شیریں آزاد کردۂ فرزندِ رسولؐ ہے۔ ان میں اور اس میں فرق ہونا چاہئے"۔

بہرکیف شیریں آزادی کے بعد بھی بی بی شہر بانو کی خدمت میں رہی۔

"فَلَمَّا اسْتُشْهِدَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ سُبِيَتْ نِسَآءُهُ وَبَنَاتُهُ وَاَخَوَاتُهُ وَاَطْفَالُهُ وَحَمَلُوْهُنَّ عَلٰى اَقْتَابِ الْجِمَالِ بِغَيْرِ وِطَاءٍ".

یہاں تک کہ جب روزِ عاشور جناب امام حسینؑ شہید ہوئے اور عترتِ رسولؐ اسیر ہوئے اور اعدائے دین شترانِ بے کجاوہ پر اُن کو بٹھا کر شہر بہ شہر، دیار بہ دیار پھراتے ہوئے شام کی طرف چلے، یہاں تک کہ حوالیٔ حلب میں پہنچے تو وہاں پہاڑ پر ایک آبادی تھی اور اُسی پہاڑ پر ایک قلعہ بہت مستحکم بنا ہوا تھا۔ اُس مقام کو معمورہ بھی کہتے تھے۔ وہاں کے

باشندے سب یہودی اور حریر باف تھے۔ شمر ملعون اور اہل لشکر نے چاہا کہ اُس آبادی میں جا کر شب باش ہوں۔

رئیس اور اہل شہر راضی نہ ہوئے، ناچار وہ اشقیاء زیر کوہ اُترے۔ جب ایک تہائی رات گزری تو شیریں جنابِ شہر بانو کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور عظمت و شوکت سابق یاد کر کے بہت روئی اور عرض کی:

''اگر آپ اجازت دیں تو اس قریہ میں جا کر جو کچھ زیور میرے پاس لوٹ سے بچ رہے ہیں، اُس کے عوض آپ کیلئے کچھ لباس مول لے آؤں؟''

آپ نے فرمایا: ''تو آزاد ہے، کوئی تجھے روک نہیں سکتا''۔

شیریں اُس قریہ کو روانہ ہوئی۔ جب قلعہ پر پہنچی تو دروازہ بند پایا۔ دق الباب کیا، عزیر، سردارِ قلعہ نے دروازے کے پیچھے سے آواز دی: کیا شیریں ہے؟ اور فوراً دروازہ کھول دیا۔ شیریں نے پوچھا کہ تجھ کو میرا نام کیونکر معلوم ہوا؟

عزیر نے کہا: میں نے ابھی خواب میں دیکھا کہ جناب موسیٰ و ہارونؑ برہنہ سر و پا پوشاکِ ماتمی پہنے، آنکھوں سے آنسو جاری، چہرے غبار آلود، تشریف لائے ہیں۔ میں نے عرض کی: آپؑ لوگوں نے یہ کیا صورت بنائی ہے؟ فرمایا: تجھے خبر نہیں کہ خاتم الانبیاء کے نواسے حسینؑ ابن علیؑ اپنے نانا کی اُمت کے ہاتھوں بھوکے پیاسے فرات کے کنارے کربلا کے جنگل میں شہید ہو گئے۔ اشقیاء اُنؑ کا سرِ بریدہ نیزہ پر چڑھائے، اُنؑ کی ناموس کو اسیر کئے شام میں یزید کے پاس لئے جا رہے ہیں۔ آج کی رات تیرے ہی قلعہ کے نیچے پہاڑ کے دامن میں اُترے ہیں۔

کیا بے خبر سوتا ہے، قلعہ کے دروازے پر جا، ایک حسینؑ کی ایک آزاد کردہ کنیز جس کا نام شیریں ہے، وہ تیری زوجہ ہوگی، چلی آتی ہے۔ تجھے اُس کی متابعت کرنی چاہئے اور جب تو اہل بیتؑ کی خدمت میں پہنچنا تو مظلومِ کربلا کے فرقِ بریدہ سے ہمارا سلام کہہ

دینا۔ وہ کٹا ہوا سر اعجاز سے تجھے جواب دے گا۔

شیریں نے آ کر تمام ماجرا بی بی شہر بانو سے بیان کیا۔ صبح کو عزیر بھی حاضر ہوا اور ہزار درہم دے کر اشقیاء سے اتنی اجازت چاہی کہ میں جو اہل حرم کی خدمت گزاری کروں، اُس میں معترض نہ ہونا۔

اس کے بعد ہر بی بی کیلئے ایک ایک عمدہ لباس لایا اور ہزار دینار جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو نذر دے کر دولتِ اسلام سے مشرف ہوا۔ اُس نیزہ کے نیچے آیا جس کی نوک پر امامؑ مظلوم کا سرِ مطہر نصب تھا۔ پہلے خود سلام کیا، پیغمبروں کا سلام پہنچایا۔

''فَقَالَ رَاسُ الْحُسَیْنِ عَلَیْکَ السَّلَامُ وَعَلٰی مُوْسٰی وَھَارُوْنَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ''۔

سرِ انور گویا ہوا: اے عزیر! تجھ پر بھی سلام ہو۔ جناب موسیٰ و ہارونؑ پر بھی مجھ غریب کا سلام پہنچے۔

اے عزیر! میں تیری خدمت گزاری اور اسلام قبول کرنے سے بہت راضی ہوا۔ اب چاہئے کہ تو شیریں کو اپنی زوجیت میں قبول کرے۔

غرض عزیر نے اُسی وقت امامؑ کے ارشاد کی تعمیل کی اور اُس قلعہ کے سب یہودی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد فوج نے کوچ کا ارادہ کیا۔ اُس وقت شیریں اہل بیتؑ سے اس طرح رخصت ہوئی کہ کبھی بی بی شہر بانو کے قدموں پر گرتی تھی، کبھی بیمارِ کربلا کے زخمی پاؤں سے لپٹ لپٹ کر روتی تھی، کبھی ایک رات کی بیاہی عروس کی بلائیں لیتی تھی، کبھی شہزادی زینبؑ و امِ کلثومؑ کے گرد پھر پھر کر تصدق ہوتی تھی، کبھی سکینہؑ کو گود میں اُٹھا کر زخمی کانوں کو اور رسی بندھی ہوئی کلائیوں کو چومتی تھی۔ غرض ایک ایک بی بی سے اُس کا رخصت ہونا، اس کے بعد وہ نیزہ جس پر اُس کے آقا کا سرِ بریدہ نصب تھا، اُس کے نیچے آ کر خاک پر تڑپنا، پچھاڑیں کھانا، بیتاب ہو کر رونا، سر پیٹ پیٹ کر بین کرنا ذکر سے بیان نہیں ہوسکتا۔ سینہ

شق ہوتا ہے، کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

بہر کیف شیریں تو ادھر فریاد کرتی رہی، اُدھر لشکرِ شقاوت اثر نے بیبیوں اور بچوں کو شترانِ بے کجاوہ پر بٹھا کر بڑھا دیا اور سرہائے شہداء کے گڑھے ہوئے نیزوں کو زمین سے اُکھاڑ کر ہاتھوں میں لے لیا۔ نقارے بجاتے ہوئے، خوشیاں کرتے ہوئے شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

امام زین العابدینؑ کا زائرہ کو زندہ کرنا، دمشق میں شامی کا توبہ کرنا

"عَنِ الصَّادِقِ اَنَّهُ قَالَ مَنْ ذُكِرْنَا عِنْدَهُ فَخَرَجَ مِنْ عَيْنَيْهِ دَمْعٌ وَلَوْ مِثْلَ جَنَاحِ الْبَعُوْضَةِ".

امام مصحفِ ناطق جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کے سامنے ہمارا ذکرِ مصائب ہوا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو نکلیں، اگرچہ مچھر کے پر کے برابر ہوں،
"غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوْبَهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ".
خداوندِ غفار اُس کے تمام گناہوں کو بخشتا ہے، اگرچہ اُس کے گناہ کفِ دریا کے برابر ہوں۔

حدیث میں وارد ہے کہ ایک مردِ مؤمن بلخی ہمیشہ حج اور زیارتِ جنابِ رسولِ خداؐ کو آتا تھا۔ اس کے بعد مولائے کونین جنابِ علیؑ ابن الحسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور اپنے شہر کے کچھ تحفہ جات نذر دیتا تھا۔

ایک بار اُس کی زوجہ نے کہا: "ہمیشہ میں دیکھتی ہوں کہ تو تحفہ اور سوغات کسی کے واسطے لے کر جاتا ہے مگر وہ شخص تجھ سے اس کا عوض کچھ نہیں کرتا"۔

وہ بولا: "اپنی زبان بند کر، اُنؑ کی خدمت گزاری کس سے ممکن ہے؟ ارے وہ دین و دنیا کے بادشاہ، نبیؐ کے نواسے، امام حسینؑ کے بیٹے جنابِ زین العابدینؑ ہیں"۔

یہ سنتے ہی وہ نادم ہو کر چپ ہوگئی۔ جب دوسرے سال امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت آپؑ کھانا نوش فرما رہے تھے۔ اس کو بھی شریک کیا۔ بعد فراغِ طعام، خادم طشت و آفتابہ لایا، یہ شخص اُٹھا اور آفتابہ لے کر دستِ مبارک دھلانے پر مستعد ہوا۔

حضرتؑ نے ارشاد کیا: "اے شیخ! تو ہمارا مہمان ہے۔ چاہئے کہ ہم مہمانداری کا حق ادا کریں نہ کہ تو ہمارا ہاتھ دھلوائے"۔

اُس نے عرض کی: "میرا بھی جی چاہتا ہے کہ حضرتؑ کے ہاتھ دھلواؤں"۔

آپؑ نے فرمایا: "اگر تو محبت سے یہ خدمت کرتا ہے تو خدا کی قسم! میں بھی تجھے وہ چیز دکھاتا ہوں جسے دیکھ کر تو راضی ہو اور تیری آنکھیں ٹھنڈی اور روشن ہوں"۔

یہ فرما کر ہاتھ دھونے لگے، یہاں تک کہ ایک تہائی طشت پانی سے بھرا۔ فرمایا:

"اے شیخ! طشت میں کیا ہے؟"

اُس نے عرض کی: "پانی ہے"۔

"فَقَالَ بَلْ هُوَ يَاقُوتٌ اَحْمَرُ".

"ارشاد کیا، پانی نہیں بلکہ یاقوت سرخ ہے"۔

اس کے بعد اُس نے جو دیکھا تو ثلث طشت میں یاقوتِ سرخ بھرا پایا۔ پھر ہاتھ دھونے لگا، یہاں تک کہ ایک ثلث اور بھرا۔ فرمایا: اب کیا ہے؟ عرض کی۔ پانی ہے۔

"فَقَالَ بَلْ هُوَ زَمُرَّدٌ اَخْضَرُ".

"حضرتؑ نے فرمایا: پانی نہیں بلکہ زمرد سبز ہے"۔

اُس نے جو نظر کی تو وہ پانی زمرد سبز تھا۔ پھر پانی ڈالنے لگا۔ جب تمام طشت پانی سے بھر گیا تو فرمایا: اب کیا ہے؟ عرض کی: پانی ہے۔

"فَقَالَ بَلْ هُوَ دُرٌّ اَبْيَضُ".

"ارشاد فرمایا: پانی نہیں، دیکھ یہ سفید موتی ہیں"۔

جب اُس نے نگاہ کی تو پانی کے وہ قطرے سفید گوہر تھے۔ وہ متعجب ہو کر پاؤں پر گر پڑا اور بوسے دینے لگا۔ حضرتؑ نے فرمایا: "اے شیخ! ہمارے پاس مالِ دُنیا سے کچھ نہ تھا کہ ہم تجھے دیتے۔ لے یہ جواہرات تیرے اُن ہدیوں کا عوض ہیں جو تو ہمارے لئے لایا کرتا

تھا اور اے شیخ! ہماری طرف سے اپنی زوجہ سے عذر کرنا کہ اُس نے ہم پر بار عتاب کیا تھا"۔

اُس مردِ مؤمن نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا اور عرض کی: "کس نے آپؑ کو میری زوجہ کے کلام سے آگاہ کیا؟ بے شک آپؑ اہل بیتِ نبوت ہیں"۔

غرض وہ جواہرات لے کر حضرتؑ سے رخصت ہوا اور اپنی زوجہ سے جا کر تمام ماجرا بیان کیا۔ اُس نے اپنے شوہر کو قسم دی کہ اس دفعہ جب حج کو جانا تو مجھے بھی لے چلنا۔

دُوسرے سال جب اُس نے حج کا سفر کیا تو اپنی زوجہ کو بھی ساتھ لیا۔ قضائے کار راہ میں وہ عورت بیمار ہوئی اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مرگئی۔ وہ شخص روتا ہوا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی زوجہ کی کیفیت عرض کی۔ حضرتؑ اُٹھے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی اور فرمایا: "اے شخص! جا کہ خدا نے تیری زوجہ کو زندہ کیا"۔

اُس نے اپنے خیمہ میں جا کر دیکھا کہ زوجہ صحیح وسالم بیٹھی ہے۔ اُس نے پوچھا کہ تو کیونکر زندہ ہوئی؟ اُس نے کہا کہ جب ملک الموت نے میری روح قبض کی اور چاہا کہ پرواز کریں، ناگاہ ایک بزرگوار اس شکل وشمائل کے تشریف لائے۔ اُس نے حضرتؑ کے اوصاف بیان کئے۔ اُس کے شوہر نے کہا: سچ کہتی ہے، واللہ! میرے مولا علیؑ ابن الحسینؑ کی یہی صورت ہے۔ پھر اُس عورت نے کہا کہ جب ملک الموت نے حضرتؑ کو تشریف لاتے دیکھا تو اُنؑ کے پاؤں پر گر کر بوسے دینے لگا اور عرض کی:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا زَيْنَ الْعَابِدِيْنَ".

حضرتؑ نے جواب دیا اور فرمایا: "اے ملک الموت! ہماری خاطر سے اس مؤمنہ کی روح کو اس کے بدن کی طرف پھیر دے، اس واسطے کہ اس نے میری زیارت کا قصد کیا تھا اور زائر کا حق مجھ پر واجب ہے۔ میں نے خدا سے سوال کیا ہے کہ اسے تیس برس زندہ رکھے تا کہ وہ جانے کہ جس کی زیارت کو گئی تھی، اُس کا پیش خدا یہ رُتبہ ہے"۔

اُس فرشتے نے میری روح جسم میں داخل کی اور میں نے دیکھا کہ اُنہی بزرگ کے دستِ مبارک پر بوسہ دے کر جانبِ آسمان پرواز کر گیا۔

یہ سن کر وہ مؤمن اُس کا ہاتھ پکڑ کر امامؑ کی مجلس میں لایا۔ اُس عورت نے حضرتؑ کو دیکھا، دوڑ کر قدمِ اقدس پر گر پڑی اور پائے مبارک چوم کر کہنے لگی:

"ھٰذا واللّٰہِ سَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ ھٰذَا الَّذِیْ اَحْیَانِی اللّٰہُ بِبَرَکَۃِ دُعَائِہٖ".

واللہ! یہی میرے سیدؑ و مولاؑ ہیں، انؑ کی دعا کی برکت سے خدا نے مجھے زندہ کیا۔

اس کے بعد جب تک وہ دونوں زندہ رہے، سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت سے جدا نہ ہوئے۔

مؤمنین! جس کے ہاتھ اور پاؤں ملک الموت چومے، ہزار حیف کہ اُنہی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور اُنہی پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جائیں۔ جن بزرگواروں کی فرشتے اطاعت کریں، اُنہی کی اُمت انؑ سے یوں پھر جائے کہ باپ بھائیوں کو بھوکا پیاسا قتل کرے۔ ماں بہنوں کو ترک و روم کی کنیزوں کی طرح قید کر کے شہروں میں، بازاروں میں پھرائے۔

سید ابن طاؤس نے روایت کی ہے کہ جب وہ لٹا ہوا قافلہ شام کے شہر میں پہنچا تو ایک مردِ ضعیف اہلِ شام سے ناواقف قیدیوں کا تماشا دیکھنے آیا اور کہنے لگا:

"الحمد للہ! خدا نے تمہیں قتل و ہلاک کیا اور تمہارے تباہ ہونے سے مسلمانوں کو فتنہ و فساد سے نجات حاصل ہوئی"۔

اسی طرح اہلِ بیتؑ کو برا بھلا کہنے میں اُس نے کوئی کوتاہی نہ کی۔ جب ساکت ہوا تو جنابِ سید الساجدینؑ نے فرمایا: "اے شیخ! تو نے قرآن پڑھا ہے یا نہیں؟"

"قَالَ نَعَمْ".

وہ بولا کہ ہاں پڑھا ہے۔

فرمایا: "کیا یہ آیت پڑھی ہے؟

"قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہو اے رسولؐ اپنی اُمت سے کہ میں سوال نہیں کرتا تم سے تبلیغِ رسالت پر کسی مزدوری اور اجر کا مگر اپنے اہلِ بیتؑ سے محبت کا"۔

"قَالَ بَلٰی".

وہ بولا کہ ہاں، یہ آیت بھی میں نے قرآن میں پڑھی ہے۔

"قَالَ فَنَحْنُ اُوْلٰئِکَ".

جنابِ امام زین العابدینؑ نے رو کر فرمایا: "اے شیخ! ہم وہی ذریتِ رسولؐ اور اہلِ بیتِ رسولؐ ہیں جو آج شترانِ بے کجاوہ پر سوار، رسیوں میں، زنجیروں میں، ترک و دیلم کے غلاموں اور کنیزوں کی طرح گرفتار ہیں۔ ہماری ہی محبت خدا نے اُمت پر واجب کی ہے"۔

پھر فرمایا: "کیا یہ آیت بھی تو نے پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ قَالَ بَلٰی".

یعنی اے رسولؐ! اقرباء کو اُن کا حق دو۔

وہ بولا کہ ہاں پڑھی ہے۔

"قَالَ فَنَحْنُ ھُمْ".

حضرتؑ نے فرمایا: "اے شیخ! وہ اقربائے رسولؐ ہم ہی ہیں کہ ہماری اُمت نے رعایت نہ کی اور حق کو چھین لیا۔ پیغمبرِ خدا کی قبر کے قریب بھی نہ رہنے دیا۔ بے وطن کر کے ذلت و خواری سے قریوں میں، شہروں میں جا بجا لئے پھرتے ہیں"۔

پھر حضرتؑ نے فرمایا: "اے شیخ! آیا تو نے یہ آیت بھی قرآن میں پڑھی ہے؟"

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ قَالَ بَلٰى.

یعنی اے محمدؐ! خدا چاہتا ہے کہ دُور کرے تم سے رجس کو اور پاک و طاہر کرے تمہیں ہر برائی سے، وہ بولا کہ ہاں یہ بھی آیت میں نے قرآن میں پڑھی ہے"۔

"قَالَ فَنَحْنُ هُمْ".

حضرتؑ نے رو کر فرمایا: اے شیخ! وہ اہل بیتِ رسولؐ اور وہ مالک چادرِ تطہیر ہم ہی ہیں کہ آج نہ ہمارے سر پر چادر ہے، نہ دوش پر ردا ہے اور یہ اُسی رسولؐ کی نواسیاں ہیں کہ آج جن کے شانوں میں، گردنوں میں رسیاں بندھی ہیں اور بے مقنہ و چادر سر برہنہ شتران بے کجاوہ پر بلوائے عام میں، نامحرموں کے اژدہام میں، ہر شہر و دیار و کوچہ و بازار میں پھرائی جارہی ہیں"۔

اُس شخص نے سنتے ہی رو کر اپنا عمامہ زمین پر پھینک دیا اور سر آسمان کی طرف اُٹھا کر تین بار کہا: خداوندا! میں تیری درگاہ میں توبہ کرتا ہوں، خداوندا! میں دشمنانِ آلِ رسولؐ سے اور جنہوں نے اہل بیتِ رسولؐ کو قتل کیا، سے بیزاری کرتا ہوں۔

پھر عرض کرنے لگا: "اے مولاؑ! یہ آیتیں میں نے پڑھی ہیں مگر آج تک نہ سمجھا تھا کہ آپؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

اے مولاؑ! اس غلام سے گناہِ عظیم سرزد ہوا ہے، اب میری توبہ بھی قبول ہوگی؟"

وہ جنابؑ مثل دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آئے اور فرمایا: "اے شیخ! اگر توبہ کرے گا تو قبول ہوگی"۔

"وَاَنْتَ مَعَنَا".

اور اب تو ہمارا دوست ہوا، قیامت کے دن بہشت میں ہمارے ساتھ ہوگا۔

جب یہ خبر یزید پلید نے سنی تو حکم دیا کہ اُسے جلد قتل کرو۔ پس وہ دیندار بھی شہیدوں میں شامل ہوا۔

اشعارِ مصائب، روایتِ زوجہ اہیت شامی

لِلّٰهِ نَائِبَةٌ تَقَاصَرَ دُوْنَهَا
كُلُّ النَّوَائِبِ فِيْ جَمِيْعِ الْاَعْصُرِ

خدا کی قسم! جنابِ امام حسینؑ پر وہ مصائب پڑے کہ اوّلِ خلق عالم سے آج تک جتنے بھی مصائب گزرے ہیں اور قیامت تک جن پر جو مصیبتیں پڑیں گی، وہ سب اُس کے سامنے پست و حقیر ہیں۔

اَسَفَالَهُ عِنْدَ الشَّرِيْعَةِ يَشْتَكِيْ
ظَمَئًا وَوَالِدُهُ وَلِيُّ الْكَوْثَرِ

واحسرتاہ کہ کنارۂ فرات پر پیاس کی شکایت وہ شخص کرے جس بزرگوار کے پدرِ عالی مقدار، شہنشاہِ بحر و بر، مالکِ حوضِ کوثر ہوں۔

اَيَزِيْدُ يَرْفَلُ فِي الْحَرِيْرِ وَيَحْتَسِيْ
خَمْرًا وَيَعْلُوْ فَوْقَ ذِرْوَةِ مِنْبَرِ

کیوں اے چرخ سفلہ پرور! تجھ کو یہی پسند آیا کہ یزید پلید تو لباسِ حریر میں عیش و آرام کرے اور شراب پئے اور رسولؐ خدا کے منبر پر بیٹھے۔

وَالسِّبْطُ يَحْفَظُ فِي الْهَجِيْرِ وَيَشْتَكِيْ
ظَمَئًا وَيَسْتَقِيْ كَاسَ مَوْتٍ اَحْمَرِ

اور فرزندِ رسولؐ خدا شدتِ گرما میں گھوڑے سے زمین سے گرے اور فریادِ العطش العطش کی کرے اور ایک جرعۂ آب کے عوض شربتِ شہادت نوش کرے۔

عَجَبًا لَهُ مِنْ لَاهِفٍ كَيْفَ اشْتَكٰى
عَطَشًا وَفِيْ يُمْنَاهُ خَمْسَةُ اَبْحُرٍ

مقامِ تعجب ہے کہ تشنہ لبی کے سبب بار بار شکایت کرے اور زبان چبائے، وہ شخص جس کی پانچوں اُنگلیوں میں پانچ دریائے رحمتِ الٰہی ہوں۔

وَبَنَاتُ اٰکِلَةِ الْکُبُوْدِ مُصَانَةٌ
فَوْقَ الْاَرَائِکِ فِی الْمَقَامِ الْعَبْقَرِیْ

کیوں اے چرخِ کج رفتار! تجھ کو یہی سزاوار تھا کہ ہندہ جگر خوارہ کی بیٹیاں تو مسندہائے غرور پر ناز کے ساتھ پردہ میں بیٹھیں،

وَبَنَاتُ فَاطِمَةِ الْبَتُوْلِ تُسَاقُ فِیْ
قُطُبِ النِّیَاقِ بِکُلِّ وَادٍ مُقْفِرٖ

اور دخترانِ جنابِ فاطمہ زہراؑ اونٹوں پر سر برہنہ، پریشان حال، گریاں و نالاں دربدر پھرائی جائیں اور صحراؤں میں، بیابانوں میں دوڑائی جائیں۔

کتاب اقبال وزاد العاقبہ میں منقول ہے کہ جب اہلِ بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ دمشق کے قریب پہنچا تو یزید نے حکم دیا کہ میری رعایا حسینؑ کے قتل کی خوشی میں سامانِ جشن ترتیب دے۔ اُس خیر خواہوں میں اہیت شامی ایک ملعون تھا جس کی زوجہ دستِ حق پرست جناب امیر علیہ السلام پر ایمان لائی تھی اور امام حسینؑ کو اُس نے گود میں کھلایا تھا۔ اُس کے شوہر نے کہا کہ یزید نے اپنے دشمن پر فتح پائی ہے اور ہم لوگوں کو جشن کا حکم دیا ہے، تو بھی جشن کی تیاری کر۔

اُس مؤمنہ نے پوچھا کہ وہ دشمن زمرۂ کفار سے تھا یا اہلِ اسلام سے اور کہاں کا رہنے والا تھا؟

شامی نے کہا کہ مسلمان اور غریب تھا۔ اُس نے پوچھا کہ اُس کا نام کیا تھا؟

چونکہ اہیت ملعون خوب جانتا تھا کہ اُس کی زوجہ دوستدارانِ اہلِ بیتؑ سے ہے، اس لئے نام بتانے میں ٹال مٹول کی۔ جب اُس نے اصرار کیا تو اُس نے کہا کہ تو اتنی مُصر

کیوں ہے؟ وہ بولی کہ اور تو کچھ غرض نہیں مگر سنتی ہوں کہ یزید دشمنِ خاندانِ رسالتؐ ہے اور عرب میں سوائے اہلِ بیتؑ اطہار کے خاندان کے اولوالعزم نہیں۔ اب جنابِ رسولِؐ خدا کی ذریت میں سے سوائے امام حسینؑ کے اور کوئی باقی نہیں۔ صرف ایک دم حسینؑ کا باقی ہے۔ خدا اُن کا سایہ مؤمنین کے سر پر سلامت رکھے۔

وہ ملعون سن کر اُٹھ چلا۔ زوجہ نے دامن پکڑ لیا اور کہا کہ تو نے مفصل نہ بتایا، تیری اس مشکوک تقریر سے میرا کلیجہ دھڑکتا ہے اور طرح طرح کے خیالاتِ فاسد دل میں گزرتے ہیں۔ دامن نہ چھوڑوں گی جب تک مفصل نہ بتائے گا۔

اہیت ملعون نے کہا کہ کلماتِ بیہودہ منہ سے نہ نکال۔ تجھے ہر طرح ہماری خوشی چاہئے، اگر وہ حسینؑ ہوگا تو کیا کرے گی؟

مؤمنہ نے کہا: جو کچھ کروں گی، دیکھ لینا۔

وہ ملعون غیظ و غضب میں آیا اور کہا: ہاں! وہی حسین مقتول ہوا ہے۔

یہ سن کر دونوں ہاتھ اُس نے اپنے سر پر مارے اور کہا: ہائے! جنابِ رسولِؐ خدا کے نواسے کو قتل کیا؟ ہمارے آقا جنابِ علی مرتضیٰؑ کے فرزند کو شہید کیا؟ او ملعون! کیا غضب ہے کہ جنابِ فاطمہ تو بال کھول کر بیٹے کے غم میں بہشت سے نکلیں اور میں گھر میں سامانِ جشن کروں؟ خدا کی لعنت تجھ پر اور تیرے جشن پر۔

یہ کہہ کر اُٹھی اور دروازے سے باہر چلی، اور کہا: تیرے گھر میں مجھے بیٹھنا حرام ہے۔ اُس ملعون نے دوڑ کر اُس کے بال پکڑ لئے اور کھینچتا ہوا یزید کے پاس لے گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ اسے باہر لے جا کر قتل کرو۔

اہیت شامی نے اُسے بیرونِ شہر لے جا کر خاک پر بٹھایا اور تلوار کھینچ کر بولا: اگر اب بھی تو حسینؑ کی محبت سے باز آئے تو چھوڑ دوں۔

ضعیفہ نے کہا: کیونکر اُن کی محبت ترک کروں جو خدا کے پیارے نبی کا لاڈلا ہو اور

اکثر جسے رسولِؐ خدا اپنے کاندھے پر بٹھاتے ہوں اور جبرئیلؑ جھولا جھلاتے ہوں۔

غرض اُس ملعون نے اُس کے فرق پر تلوار بلند کی، اُس وقت اُس مؤمنہ نے سر جھکا کر کہا: اے مولا حسینؑ! گواہ رہنا کہ میں آپؑ کی محبت میں قتل ہوئی ہوں۔

چاہتا تھا کہ وار کرے کہ اُس شقی کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ بے حیا نے دوسرے ہاتھ میں تلوار لی، وہ بھی خشک ہو گیا۔ آخر اُس مردود نے منہ میں تلوار لے کر چاہا کہ اُس کی گردن پر مارے، ناگاہ گوشۂ دہن سے اُس شامی کے آگ کا شعلہ اُٹھا جس سے سر سے پاؤں تک جل کر زمین پر گر پڑا۔

اُس وقت وہاں مجمع کثیر تھا، شور اُٹھا کہ اعجازِ حسینؑ سے اہیت شامی جل گیا۔

جب یہ حال یزید پلید نے سنا تو خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ راز شہر میں افشا ہو جائے اور خلق مجھ سے منحرف ہو جائے۔ چنانچہ حکم دیا کہ اسے پابہ زنجیر کر کے قید خانہ میں داخل کر دو۔ جب یہ مقید ہوئی تو وہ قید خانہ سرِ راہ تھا۔ اکثر یہ روتی تھی اور دربان سے پوچھتی تھی کہ جو سردار اہل عرب سے قتل ہوا ہے، سنتی ہوں کہ اُس کے ناموس قید ہو کر ادھر آئے ہیں۔ وہ کب تک آئیں گے۔

ناگاہ عترتِ رسولِؐ خدا کا قافلہ شام میں پہنچا اور شہر میں تماشائیوں کا شور و غوغا ہونے لگا۔ وہ مؤمنہ خلقت کا ہنگامہ سن کر نگہبانوں سے پوچھنے لگی: آج یہ شور و غل کیسا ہے؟

سب نے کہا: اے عورت! جن کو تو پوچھتی تھی، وہ قیدی اس وقت آئے ہیں۔

جس وقت اُس نے یہ سنا، سب کے سامنے ہاتھ باندھ کر کہنے لگی: میں پابہ زنجیر ہوں، کہیں بھاگ نہیں سکتی، اگر اجازت دو تو زندان کے در پر کھڑی ہو کر دیکھ لوں کہ وہ لوگ کیسے ہیں؟ سب کو اُس کی منت پر رحم آیا اور کہا کہ دیکھ لے۔ وہ مؤمنہ درِ زندان پر آ کر کھڑی ہوئی۔ غرض جب اسرائے اہل بیتؑ اور سرہائے شہداء مقابل مجلس پہنچے، وہ نیزہ جس پر امامِ مظلوم کا سر تھا، خولی کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ ہر چند اُس نے چاہا کہ اُٹھائے

مگر جنبش نہ ہوئی۔ شقی نے چاہا کہ سر نوکِ نیزہ سے اُتار لے۔ وہ بھی نہ اُترا۔ مجبور ہو کر قصد کیا کہ نیزہ کو قلم کرے۔

ناگاہ آواز مہیب آئی: کیا کرتا ہے؟ حسینؑ غریب اپنے عاشق کو دیکھ رہا ہے۔

وہ ڈرا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ شمر دیکھ کر گھبرایا۔ سوچ کر آگے بڑھا اور امام زین العابدین علیہ السلام کی زنجیر تھام کر کھینچتا ہوا نیزہ کے قریب لایا اور کہنے لگا: "اپنے باپؑ کا سر اُتارو"۔

آپؑ نے فرمایا: "تم لوگ کیوں نہیں اُتارتے؟"

اُس شقی کو غصہ آیا اور تازیانہ اُٹھا کر کہنے لگا: "میرے حکم میں تم کو کیا دخل ہے؟"

بیمارِ کربلا کیا کرتے؟ نیزہ کے نیچے آ کر جنابِ امام حسینؑ کے سر کی طرف حسرت سے دیکھا اور رو کر کہنے لگے: "بابا! ساری پشت زخمی ہو چکی ہے۔ اب ہم سے تازیانے نہیں کھائے جاتے۔ آپؑ کو کیا منظور ہے؟"

شمر سے فرمایا: "ایک مؤمنہ یہاں مشتاقِ زیارت ہے، تماشائیوں کے ہجوم سے راہ نہیں پاتی، جب تک وہ نیزہ کے قریب نہ آئے گی، سرِ مبارک آگے نہ بڑھے گا"۔

شمر نے سامنے سے سب کو ہٹا دیا۔ دیکھا کہ ایک ضعیفہ پابہ زنجیر درِ زندان پر کھڑی ہے اور امام حسینؑ کا سر اُس کی طرف غور سے دیکھ رہا ہے۔ بیمارِ کربلا نے قریب بلایا۔ وہ آ کر ہر طرف دیکھنے لگی۔ آپؑ نے پوچھا کہ کیا دیکھتی ہے؟ اُس نے کہا لڑکپن میں حسینؑ کو گودیوں میں کھلایا تھا، مدت ہوئی اب ریش مبارک سفید ہو گئی ہوگی۔ اتنے سروں میں کیونکر پہچانوں کہ میرے شہزادے کا سر کونسا ہے؟

آپؑ نے نیزہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جن کو تو ڈھونڈتی ہے، دیکھ! اسی نیزہ پر سے تجھے دیکھ رہے ہیں۔

اُس مؤمنہ نے جو دیکھا تو اپنا سر پیٹ لیا اور گوشۂ چادر پھیلا کر کہنے لگی: "اے

شہزادے! تمہاری محبت میں مَیں نے بیڑیاں پہنیں، قید کی مصیبت اُٹھائی، کب سے میری گود سے جدا ہو، اس گھڑی آؤ تو کلیجہ سے لگاؤں"۔

راوی کہتا ہے کہ فوراً وہ سرِ بریدہ نیزہ سے بلند ہو کر ضعیفہ کی گود میں آ گیا۔ اُس نے سینہ سے لگالیا اور سوکھے ہونٹوں پر اپنا منہ رکھ کر بین کرنے لگی۔ ہائے میرے گود کے پالے! تیرا یہ حال کس نے کیا؟ ایک دن رسولؐ خدا کاندھوں پر بٹھایا کرتے تھے، فاطمہؑ کی آغوش سے جدا نہ ہوتے تھے، آج تیرا سر تو نیزہ پر چڑھا ہوا ہے اور لاش بے سر کیا جانے کس جنگل میں پڑی ہے؟ بچپنے میں بہشت کی حلہ پہنتے تھے، مرنے پر کفن بھی ملا یا نہ ملا۔

ہائے! کس نے دفن کیا ہوگا؟ مردوں میں تو کوئی نہ بچا، عورتیں اور بچے قید ہو کر شام میں آئے ہیں۔

شمر نے دیکھا کہ کافی دیر ہوئی اور ضعیفہ سر کو نہیں چھوڑتی، تازیانہ لے کر آگے بڑھا اور اس زور سے مارا کہ اُس مؤمنہ کی پشت فگار ہوگئی۔ اُس نے نجف کی طرف منہ کیا اور کہا:

اے مشکل کشا! آپ دیکھتے ہیں کہ اعداء بے قصور مجھے مارتے ہیں، مدد کیجئے۔

ناگاہ آواز آئی، تجھے ایک تازیانہ کھانے پر تحمل نہ ہوا، زینبؑ کو دیکھ، کربلا سے یہاں تک برابر تازیانے کھاتی آئی ہے۔

بہرکیف جنابِ امام زین العابدینؑ نے اُس ضعیفہ کا ہاتھ تھام کر فرمایا کہ آنکھیں بند کر لے۔ لوگوں نے دیکھا کہ بیڑیاں وہیں رہ گئیں اور وہ عورت غائب ہوگئی۔ جنابِ زینبؑ نے جو دیکھا تو رو کر کہنے لگیں: "بابا! نجف سے آ کر ضعیفہ کی تو مدد کی، ہم لوگوں کی خبر نہیں لیتے کہ کن کن مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ ہمارے سر برہنہ ہو گئے۔ زین العابدینؑ کے پاؤں زنجیر کی تکلیف سے چھل گئے، سکینہؑ کو غش آتے ہیں۔

غرض ظالموں نے سرِ امامؑ کو نیزہ پر چڑھایا، بیمارِ کربلا کو جنابِ زینبؑ کے اونٹ کی مہار دی اور دربارِ یزید کی طرف روانہ ہوئے۔

روایتِ فرزدق، جنابِ زینبؑ کا شمر سے کلام کرنا، سرِ مسلمؑ کے نزدیک نیزۂ سرِ امامؑ کا کھڑا ہوجانا

اُحِبُّ عَلِیًّا لَا اُبَالِیْ وَاِنْ فَشَا
وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَا

خوشا ما خوشا دین و دنیائے ما
کہ ہم چون علیؑ ہست مولائے ما

کتاب خرائج میں منقول ہے کہ جنابِ سید الساجدین امام زین العابدینؑ ایک سال حج کو تشریف لائے تو اُس سال ہشام بن عبدالملک بن مروان بھی حج کو آیا ہوا تھا۔ ہشام جب حجرِ اسود کا ارادہ کرتا تھا تو ہجوم کی وجہ سے جگہ نہ پاتا تھا اور جب حضرتؑ قصد فرماتے تھے تو سب جدا ہو جاتے تھے اور آپؑ بخوبی حجرِ اسود کا بوسہ لیتے تھے۔ رفقائے ہشام نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں جن کی لوگ یہ پاسداری کرتے ہیں؟ ہشام بولا کہ میں انہیں نہیں پہچانتا۔

مؤمنین! یہ جملہ اس لئے اُس نے کہا تا کہ لوگ حضرتؑ کی طرف رغبت نہ کریں، فرزدق شاعر جو ہشام کے رفیق تھے، اُن سے ایسے ضبط نہ ہو سکا، بے ساختہ کہا: میں تو انہیں پہچانتا ہوں اور قصیدہ انشاء کر کے پڑھنا شروع کیا۔

ھٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْاَتَہٗ
وَالْبَیْتُ یَعْرِفُہٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یعنی یہ وہ برگزیدہ خدا ہیں جن سے بطحا و تہامہ اور خانۂ کعبہ خوب شناسا ہیں، اہلِ حرم انؑ کی قدر و منزلت کے۔

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ
هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

یہ فرزند ہیں ایسے افضل واشرف خلق کے جو بہترین تمام عالم میں تھے، صاحب تقویٰ اور تمام برائیوں سے پاک وپاکیزہ ہیں اور نشانِ ہدایت ہیں۔

هٰذَا عَلِيٌّ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالِدُهُ
اَمْسَتْ بِنُوْرِ هُدَاهُ تَهْتَدِي الْاُمَمُ

ان عالی جنابؑ کا اسم مبارک علیؑ ابن الحسینؑ ہے اور یہ رسولؐ خدا کے فرزند ہیں جن کی ہدایت سے تمام اُمتیں راہِ راست پر آئیں۔

هٰذَا ابْنُ سَيِّدَةِ النِّسْوَانِ فَاطِمَةٍ
وَابْنُ الْوَصِيِّ الَّذِيْ فِيْ سَيْفِهِ نَقَمُ

یہ سردارِ زنانِ عالم فخر مریم جناب فاطمہ زہراؑ کے فرزند ہیں اور جناب حیدرِ کرار، وصیِ رسولؐ مختار کے دل بند ہیں جن کی ذوالفقار خداوند جبار کا قہر تھی۔

يُغْضِيْ حَيَاءً وَيُغْضٰى مِنْ مَهَابَتِهٖ
وَلَا يُكَلَّمُ اِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

حیا کے سبب اپنی چشم ہائے مبارک بند رکھتے ہیں اور لوگوں کی آنکھیں ان کی ہیبت سے بند رہتی ہیں۔ اگر یہ کلام بھی کسی سے کرتے ہیں تو بکمالِ نرمی اور مسکرا کر مگر ان میں رعب ایسا ہے کہ انؑ کی ہیبت سے لوگ چشم دوچار نہیں کرتے۔

يَنْجَابُ نُوْرُ الدُّجٰى مِنْ نُوْرِ غُرَّتِهٖ
كَالشَّمْسِ يَنْجَابُ عَنْ اِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ

انؑ کے نورِ پیشانی سے اور نورانی جبین سے اس طرح کفر کی تاریکی دُور ہوتی ہے جس طرح نورِ آفتاب سے شب کی تاریکی زائل ہوتی ہے۔

اسی طرح قصیدہ آخر تک پڑھا۔ ہشام نے مدحِ امامؑ کے سبب سے فرزدق پر عتاب کیا اور اُن کا نام اپنے دفتر سے محو کر کے قید کیا اور کہا:

"کیوں اے فرزدق! کبھی تو نے ہمارے لئے ایسا قصیدہ نہ کہا؟"

فرزدق نے کہا: "اے ہشام! تو بھی انؑ کے جد و پدر کی مثل لا تو تیرے لئے بھی ایسا ہی قصیدہ کہوں گا"۔

غرض دو برس تک ہشام نے مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مکان میں جس کا نام عفان ہے، قید رکھا۔ جب یہ خبر امام زین العابدین علیہ السلام کو پہنچی تو بارہ ہزار درہم فرزدق کیلئے آپؑ نے بھیجے اور عذر خواہی بہت فرمائی کہ ہمارا ہاتھ بہت تنگ ہے، اس لئے اس مقدار پر اقتصار کیا گیا ورنہ اس سے زیادہ بھیجتے۔

اُس نے وہ درہم واپس دیئے اور عرض کی: "میں نے اپنی عمر کے سالہائے دراز معصیتِ خدا میں بسر کئے اور خوشامد سے رضائے خلائق کیلئے جھوٹی باتیں کہتا رہا۔ میں اپنے اعمالِ ناشائستہ کی وجہ سے رحمتِ خدا سے نااُمید تھا مگر جس روز یہ قصیدہ میں نے نظم کیا محض رضائے الٰہی کیلئے خالصتاً لوجہ اللہ کہا۔ مال وزر کی کچھ طمع نہ تھی۔ اتنا اُمیدوار ہوں کہ یہ قصیدہ میرے گناہانِ گزشتہ کا کفارہ ہو جائے"۔

حضرتؑ نے دوبارہ وہ درہم پھر بھیجے اور فرمایا: "ہم اہل بیتؑ ابرِ کرم کا خاصہ رکھتے ہیں، اپنے عطیہ کو پھر نہیں لیتے اور تیرے خلوصِ نیت میں کوئی فرق نہیں۔ تجھے قسم ہے میرے حق کی کہ اب کی بار اس کو قبول کر لینا اور رد نہ کرنا"۔

فرزدق نے وہ درہم لے لئے۔ جب قید کو طول ہوا تو ہشام نے کہا کہ میں اسے قتل کروں گا۔ اُس وقت فرزدق نے کہلا بھیجا: "یا حضرتؑ! دُعا کیجئے"۔

آپؑ نے دُعا کی، پروردگار نے اُسے قید سے نجات دی۔ پس فرزدق حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "یا ابن رسولؐ اللہ! ہشام نے مجھے برطرف کر دیا"۔

ارشاد فرمایا: ''وہ کس قدر دیتا تھا؟''

اُس نے مقدار عرض کی۔ حضرتؑ نے اُسی حساب سے چالیس برس کا خرچ عطا فرمایا اور ارشاد کیا کہ اگر میں جانتا کہ اس سے زیادہ کی تجھے حاجت ہے تو اور بھی دیتا۔

راوی کہتا ہے کہ جب چالیس برس تمام ہوئے تو فرزدق انتقال کر گئے۔

مؤمنین! مقامِ گریہ و ماتم ہے کہ وہ ہاتھ جو سخاوت کے وقت مثل ابر کرم گہربار ہوتے تھے، ایک روز وہی دستِ مبارک رسیوں سے باندھ کر گردن میں ڈال دیئے گئے اور گلوئے نازنین میں طوقِ خاردار پہنایا گیا اور پائے مبارک کو بعض مقام میں، جہاں آبادی نہ ہوتی تھی، ریسمانِ ظلم سے باندھ کر اونٹ کی پیٹھ سے کس دیتے تھے اور جس جگہ آبادی ملتی تھی یا ہجومِ خلائق ہوتا تھا، وہاں اونٹ سے اُتار کر بیڑیاں پہنا کر جنابِ زینبؑ کی مہارِ شتر امام سجادؑ کے دستِ مبارک میں دیتے تھے اور تیز دوڑاتے تھے۔

لکھا ہے کہ لشکرِ یزید جب اہل بیتؑ کو قید کر کے شام کی طرف روانہ ہوا تو ہر شقی کے دل میں یہ تھا کہ کسی طرح جلد پہنچ کر یزید سے انعام و جاگیر لے لے اور اس قدر تعجیل تھی کہ کسی منزل پر زیادہ توقف بھی نہ کرتے تھے۔ راتوں کو، دنوں کو برابر چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ اہل بیتؑ کا وہ لٹا ہوا قافلہ متصل دیرِ عقول کے پہنچا کہ وہاں سے شام کا شہر بارہ کوس تھا۔ شمر ملعون نے یزید پلید کو لکھا کہ تیرے اقبال سے یہاں تک پہنچ گئے، اب جس وقت حکم ہو، ذریتِ رسولِ خدا کو لے کر مع سرہائے شہداء شام کے شہر میں داخل ہوں۔

رات کو یہ خط لکھا اور صبح کو وہاں سے کوچ کیا۔ چار کوس شام کا شہر باقی ہوگا کہ شتر سوار جواب لے کر آیا، لکھا تھا کہ جس جگہ تجھے فرمان پہنچے، وہیں مقام کرنا۔ علی الصبح سب کو لئے شہر میں داخل ہونا۔

شمر ملعون نے حکم دیا کہ ہمارے لشکر سے کوئی آگے نہ بڑھے اور فوج کے خیمے یہیں ایستادہ ہوں۔ اُن ملعون کے حکم کے مطابق جابجا سردارانِ فوج کے خیمے کھڑے

ہو گئے اور وہ ملاعین آپس میں گلے ملتے تھے اور کہتے تھے کہ شکر ہے خدا کا ہم لوگ حسینؑ پر فتحیاب ہوئے اور یہاں تک زندہ پہنچے۔ کل اپنے اپنے عزیزوں سے ملیں گے اور اہل بیتؑ رسولؐ ایک جگہ اُسی طرح رسیوں سے بندھے سر برہنہ زیر آسمان فرشِ خاک پر بیٹھے وارثوں کو رو رہے تھے۔

جب جنابِ زینبؑ نے یہ حال دیکھا کہ اہل شام خوش ہو ہو کر پوشاکیں بدلتے ہیں اور آپس میں معانقہ کرتے ہیں تو فرمایا: ''اے فضہؑ! کیا آج کوئی عید ہے؟''

بی بی فضہؑ نے عرض کی: ''اے شہزادیؑ! عید تو نہیں مگر یہ دن ان لوگوں کیلئے روزِ عید سے بھی بہتر ہے، اس واسطے کہ سب صبح کو اپنے عزیزوں سے ملیں گے''۔

بی بی نے فرمایا: ''تو جانتی ہے کہ جب سے شمر کو حسینؑ کے سینہ پر سوار دیکھا ہے، میں اُس کی جانب نہیں دیکھتی۔ اگر سامنے آتا ہے تو آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔ مگر اس وقت کیا کروں، مجبور ہوں، تو جا کر بلالا''۔

بی بی فضہ شمر کے خیمہ کے قریب آئیں، دیکھا کہ وہ ملعون کرسی پر تکلف پر بیٹھا ہے اور اردگرد سردارانِ فوج بیٹھے اُس کی ثناخوانی کر رہے ہیں۔ یہ سامنے گئیں، اُس ملعون نے اپنا منہ دائیں طرف پھیر لیا۔ جب یہ دائیں طرف آئیں، اُس نے بائیں سمت رُخ کر لیا۔ جب وہ اُدھر آئیں، اُس شقی نے اپنا سر جھکا لیا۔

ایک سردار نے شمر سے کہا: خدا سے ڈر، پہچانتا نہیں کہ یہ کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس نے رسولِ مختارؐ کی دعوت کی اور پروردگار نے اس کے واسطے طعام بہشت بھیجا۔ یہ وہ عورت ہے کہ جبرئیل امین اس سے پوچھ کر خانہ جنابِ سیدہؑ میں آتے تھے۔ حیف ہے کہ وہ تیرے پاس آئی اور تو اُس سے منہ پھیر لے۔ حسینؑ سے تجھے عناد تھا، اُنؑ کا خاتمہ ہوا، اب عورتوں سے تجھے کیا دشمنی ہے؟ خدا کے واسطے! پوچھ تو لے کہ یہ کیوں آئی ہے؟

شمر نے جواب دیا: میری آنکھ اس سے چار نہیں ہوتی، اس لئے کہ جس وقت میں

حسینؑ کے گلے پر خنجر پھیرتا تھا تو یہ وَامُحَمّدَاہُ وَاعَلِیّاہُ وَافَاطِمَاہُ کہہ کر میرے پس پشت چلاتی تھی اور منتیں کرتی تھی کہ میرے آقا، میرے سردار کو خدا کے واسطے ذبح نہ کر۔

اُس سردار نے کہا: جو کچھ گزرنا تھا، گزرا۔ اب تجھے قیدیوں پر، بیکسوں پر رحم لازم ہے۔ یہ سن کر ملعون نے فضہ کو قریب بلایا اور کہا: کیا کہتی ہو؟

بی بی فضہؓ نے کہا: اے شمر! ہماری شہزادی جناب زینبؑ تجھے بلاتی ہیں۔

اُس نے کہا: کیا کام ہے؟

بی بی فضہؓ نے کہا: کچھ تو ایسی ضرورت ہوگی جو تجھ کو بلایا ہے۔

غرض وہ ملعون سب کے کہنے سے بی بی فضہؓ کے ساتھ جناب زینبؑ کے قریب آیا۔ آپ نے اپنا منہ چھپالیا اور فرمایا: ''اے شمر! سنتی ہوں کہ کل ہم بیکسوں کا شہر شام میں داخلہ ہوگا۔ یہ پوچھتی ہوں کہ کس دروازے سے لے جاؤ گے؟

اُس ملعون نے جواب دیا: دروازۂ ساعات سے۔

جناب زینبؑ نے فرمایا: اگر تو مانے تو میں کچھ کہوں؟ ملعون نے کہا: کہو۔

جناب زینبؑ نے فرمایا: اوّل تو یہ ہے کہ دروازۂ ساعات سے ہمیں نہ لے جانا۔

اُس ملعون نے پوچھا: کیا وجہ ہے؟

ارشاد فرمایا: سنتی ہوں کہ ہجوم و خلائق اُدھر بہت ہے۔ جس وقت وہ لوگ ہمیں اس حالِ تباہ سے دیکھیں گے اور ہاتھ سے اشارہ کر کے بتائیں گے کہ یہ علیؑ ابن ابی طالب کی بیٹیاں ہیں جو آج سر برہنہ جارہی ہیں، تو اُن کے یہ الفاظ نیزہ و تیر، سنگ و شمشیر سے زیادہ ہمارے دلوں کو مجروح کریں گے اور دوسرے یہ کہ سنا ہے کہ بھائی مسلمؑ کا سر جو کوفہ سے ابن زیاد نے بھیجا ہے، وہ یزید پلید کے حکم سے اُسی دروازے میں لٹکایا گیا ہے۔ جس وقت ہمارے بھائی حسینؑ کا سر مبارک مسلمؑ کے سر کے پاس جائے گا تو حضرتؑ کی روح پر عظیم صدمہ ہوگا۔

یہ سن کر اُس نے جواب دیا: حاکم کا حکم یہ ہے کہ اُسی دروازے سے اسیروں کو لاؤ، اس کے خلاف ہم نہیں کر سکتے۔ مزید بیان کرو اگر کچھ کہنا ہے۔

جناب زینبؑ نے فرمایا: اگر اُدھر سے لے جانے کا ارادہ ہے تو ایک ایک چادر ہم اسیروں کو دے کہ ہم اپنے سروں پر ڈال لیں۔

اُس شقی نے کہا: حکم یہ ہے کہ بلوائے عام میں سر برہنہ اہل بیت حسینؑ کو لاؤ۔

جناب زینبؑ نے سر جھکا کر فرمایا: خیر! ہم تمہارے نزدیک ایسے ہی گناہگار ہیں، جس طرح چاہو، لے چلو۔

شمر نے کہا: اور جو مطلب ہو، بیان کرو۔

آپؑ نے فرمایا: تو کچھ مانتا ہی نہیں، میں کیا کہوں؟

جب اُس لعین نے مکرر کہا؟ آپؑ نے فرمایا: اُدھر سے ہمیں لے چلتے ہو اور چادر بھی نہیں دیتے تو ہم بیکسوں کے شانوں سے رسیاں کھول دے کہ ہم اپنے ہاتھوں سے ہی اپنے منہ چھپالیں گے۔

یہ سن کر ملعون نے کچھ جواب نہ دیا اور اپنے خیمہ کی طرف چلا گیا۔ غرض جب صبح ہوئی تو فوج نے اس طرح کوچ کیا کہ ہزاروں سوار نیزے اُٹھائے، تلواریں کھینچے اردگرد تھے اور بیچ میں کچھ بچوں کے، کچھ جوانوں کے، کچھ بوڑھوں کے سرہائے بریدہ نیزوں کی نوکوں پر بلند تھے۔ شتران بے کجاوہ پر نبیؐ کی نواسیاں، علیؑ کی بیٹیاں، سر کھلے، بال بکھرائے، بدن پر صحراؤں کی، جنگلوں کی گرد پڑی ہوئی، روتی پیٹتی چلی جاتی تھیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام فاقہ کشی، سورج کی حدت، عزیزوں کے صدمے اور راہ کی صعوبت، بیماری کی شدت، پاؤں کے آبلوں سے ایک قدم چل نہ سکتے تھے۔ مگر شمر تازیانہ لئے برابر ساتھ ساتھ تھا۔ آپؑ کیا کرتے؟ اُسی حالت میں طوق و زنجیر میں جکڑے ماں بہنوں کو ساتھ لئے، پھوپھی کے اونٹ کی مہار تھامے لڑکھڑاتے ہوئے آہستہ آہستہ چلے

جاتے تھے۔ اس پر ظلم یہ تھا کہ اشقیاء زنجیر پکڑ کے آگے کھینچتے تھے اور کہتے تھے کہ جلد چلو۔

آخر کار دروازۂ ساعات پر پہنچے۔ لشکر کی کثرت کیا کم تھی، اس کے علاوہ بازاروں میں، دکانوں میں، کوٹھوں پر، دور دور تماشائیوں کا یہ ہجوم تھا کہ قریب تھا کہ مکانات گر پڑیں۔ کیا بے حیائی تھی کہ اولادِ رسولؐ کو اس ذلت سے دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور خرمہ اور روٹی تصدق کر کے کوٹھوں سے اُن قیدیوں کے بچوں کی طرف پھینکتے تھے۔

جنابِ زینبؑ رو کر فرماتی تھیں: اے اہلِ شام! ہر چند انقلابِ زمانہ سے ہماری یہ نوبت پہنچی مگر پھر بھی آلِ نبیؐ ہیں، ہم پر صدقہ حرام ہے۔

صاحبِ سرور المؤمنین لکھتے ہیں کہ اُس دروازۂ ساعات پر مسلمؑ بن عقیلؑ کا سر لٹکا ہوا تھا۔ وہ نیزہ جس پر امامؑ مظلوم کا سر بریدہ نصب تھا، زمین میں گڑ گیا اور امام حسینؑ آنکھیں کھول کر اپنے سفیر کے سر بریدہ کی طرف اس طرح دیکھنے لگے جیسے مدت کے بچھڑے ہوئے مل کر آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ شہداء تو زندہ رہتے ہیں۔ جب ان شہیدوں کے سروں کی آپس میں ملاقات ہوئی ہوگی تو ایک نے دوسرے سے کیا کہا ہوگا۔ اُنہوں نے کہا ہوگا: یا مولاؑ! کوفیوں نے دغا کی، مجھے کوٹھے سے گرا کر ہلاک کیا۔ تین دن پاؤں میں رسی باندھ کر لاش بازاروں میں کھینچتے پھرے۔

آپؑ نے فرمایا ہوگا: اے بھائی! لبِ دریا تین دن میرا پانی بند رہا۔ دوست، عزیز کچھ آنکھوں کے سامنے مارے گئے، کچھ گود میں دم توڑ گئے۔ آج تک میری لاش جلتی ریت پر پڑی ہے اور میرا سر نیزے پر یتیم بچوں، بے وارث عورتوں کو ساتھ لئے پہاڑوں میں، جنگلوں میں پھرتا یہاں تک آیا ہے۔

اُنہوں نے کہا ہوگا: میرے سر کو کاٹ کر دروازے پر لٹکایا گیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا ہوگا، میرے سر کو کاٹ کر کبھی نیزہ پر چڑھایا، کبھی تنور میں رکھا، کبھی

صندوق میں بند کیا، کبھی شاخِ درخت پر لٹکایا، اب دربارِ یزید میں جاتا ہوں۔ دیکھو وہ شقی کیا ظلم کرتا ہے!

غرض خولی نے اُس نیزہ کو زمین سے اُکھاڑ لیا اور فوجِ اشقیاء اہلِ بیتؑ کو اُسی خراب حالت میں دربار کی طرف لے چلے۔

اعرابی و مقدار کے ساتھ جنابِ امیرؑ کی سخاوت، جنابِ سیدہؑ کا میدانِ حشر میں تشریف لانا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لِاَخِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَضَائِلَ لَا یُحْصٰی عَدَدُهَا".

شفیع روزِ جزاء جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہ تحقیق کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے میرے بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو اس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی اُن کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

"رُوِیَ عَنْ عِمْرَانَ بْنَ عَقْلَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ دَ الْعَصْرَ فَوَجَدْتُهٗ جَالِسًا بَیْنَ یَدَیْهِ طَبَقَةٌ فِیْهَا لَبَنٌ حَامِضٌ اَجِدُ رِیْحَهٗ مِنْ شِدَّةِ حُمُوْضَتِهٖ".

عمران بن عقلہ سے منقول ہے کہ ایک دن میں خدمتِ باسعادت جنابِ امیر علیہ السلام میں عصر کے وقت حاضر ہوا، دیکھا کہ اُنؑ کے روبرو ایک طبق ہے اور اُس میں ایسا ترش مشروب رکھا ہے کہ اُس کی ترشی محسوس ہوتی ہے۔

"وَفِیْ یَدِهٖ رَغِیْفٌ اَرٰی قُشَارَ الشَّعِیْرِ فِیْ وَجْهِهٖ وَ هُوَ یَکْسِرُ بِیَدِهٖ اُحْیَانًا فَاِذَا غَلَبَهٗ کَسَرَهٗ بِرُکْبَتِهٖ وَ طَرَحَهٗ فِیْهِ".

اور اُن حضرتؑ کے ہاتھ میں جو کی ایک روٹی ہے، جس پر جا بجا بھوسی نظر آتی ہے

اور اُس کو آپؑ دونوں ہاتھوں سے توڑتے ہیں اور جب وہ نانِ جو نہیں ٹوٹتی تو حضرتؑ اُس کو زانوئے اقدس سے دبا کر توڑتے ہیں اور اسی ترش مشروب میں ڈالتے ہیں۔

بی بی فضہ قریب کھڑی تھیں۔ میں نے کہا: اے فضہ! تمہیں خوفِ خدا نہیں کہ حضرتؑ کے کھانے کی روٹی کو بھوسی سے صاف کرو۔

اُنہوں نے کہا: میں کیا کروں، حضرتؑ کا حکم یہی ہے۔

جنابِ امیر المومنین علیہ السلام یہ گفتگو سن کر باآوازِ بلند رونے لگے اور فرمایا:

"میرے ماں باپ اُس رسولؐ پر فدا ہوں جس کے کھانے کا آٹا کبھی چھانا نہ جاتا تھا اور تین دن برابر کبھی نانِ گندم سیر ہو کر نہ کھائی، یہاں تک کہ دُنیا سے انتقال فرمایا۔ میں نے جنابِ رسولؐ خدا کو دیکھا ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ نانِ خشک تناول فرماتے تھے اور میرے لباس سے زیادہ حضرتؐ کا لباس پرانا و بوسیدہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اگر میں اُن کی پیروی نہ کروں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں آنحضرتؐ کے پاس نہ پہنچ سکوں"۔

منقول ہے کہ ایک روز سلطانِ ھَلْ اَتٰی حضرت علی مرتضیٰؑ کہیں سے تشریف لا رہے تھے، آپؑ نے سنا کہ کوئی سائل یہ سوال کرتا ہے کہ آیا کوئی ایسا بندۂ خدا ہے جو اس وقت مجھے راہِ خدا میں چار ہزار درہم دے؟

حضرتؑ نے اُس سائل کو اپنے قریب بلا کر ارشاد فرمایا: "اگر تو ہمارے مکان پر آئے گا تو میں تیری حاجت روا کروں گا"۔

حسب الارشاد وہ سائل دولت سرائے حضرتؑ پر حاضر ہوا۔ قنبرؓ نے عرض کی کہ مولا! وہ اعرابی جسے آپؑ نے چار ہزار درہم دینے کا وعدہ فرمایا تھا، در دولت پر حاضر ہوا ہے۔

فرمایا: "کچھ نقد رقم ہمارے بیت المال میں ہے؟"

قنبرؓ نے عرض کی: "اے مولائے دوجہاں! بیت المال میں رقم کہاں؟"

آپؑ نے فرمایا: "خیر وہ باغ جو جنابِ رسولؐ خدا نے فاطمہؑ کے جہیز میں مرحمت

فرمایا ہے، جلد بیچ کرو''۔

قنبرؓ نے وہ باغ بارہ ہزار درہم پر بیچ کر کے قیمت حاضر کی۔ حضرتؑ نے وعدہ کے مطابق چار ہزار درہم اُس اعرابی کو مرحمت فرمائے اور چالیس درہم زادِ راہ دے کر رخصت فرمایا۔ باقی درہموں کو اُسی وقت راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔

جب آپؑ دولت سرا میں رونق افروز ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ حسنینؑ بھوک کے مارے بے چین ہو رہے ہیں۔ معصومہؑ نے جنابِ امیرؑ سے کہا: ''یا ابوالحسنؑ! میں نے سنا ہے کہ آپؑ نے میرے پدرِ بزرگوار کا عطا کردہ باغ فروخت کر دیا ہے؟''

فرمایا: ''ہاں''۔

جنابِ سیدہؑ نے عرض کی: ''اُس کی قیمت کیا ہوئی؟''

فرمایا: ''سب راہِ خدا میں تقسیم کر دی''۔

یہ سن کر جنابِ معصومہؑ اُٹھیں اور حضرتؑ کا دامن تھام کر کہنے لگیں: ''یا علیؑ! آج میرے بچوں پر دوسرا فاقہ ہے اور آپؑ اُن کیلئے کچھ بچا کر نہ لائے؟''

جنابِ امیر علیہ السلام نے مارے حجاب کے سرِ اطہر جھکا لیا اور سوائے سکوت کچھ جواب نہ دیا۔ ناگاہ سامنے سے رسولِ خداؐ خانۂ فاطمہ زہراؑ میں رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''اے فاطمہؑ! علیؑ کا دامن چھوڑ دو کہ میرا وصی شرمندہ ہوتا ہے اور علیؑ سے عذر کرو۔

اے فاطمہؑ! اس وقت جبرئیلؑ میرے پاس یہ پیغامِ خدا لائے کہ علیؑ نے تمہارا باغ فروخت کر کے اُس کی ساری قیمت ہماری راہ میں دے ڈالی ہے اور فاطمہؑ دامن تھامے شکایت کر رہی ہے۔ میرا ولی فاطمہؑ سے شرمندہ ہو رہا ہے، ابھی جاؤ اور فاطمہؑ کو سمجھاؤ''۔

یہ سنتے ہی جنابِ سیدہؑ نے دامن چھوڑ دیا اور عذر کرنے لگیں اور رسولِ خداؐ سے عرض کی: ''بابا جانؐ! آج دو روز سے میرے بچے فاقہ سے ہیں''۔

آنحضرتؐ نے کچھ درہم عنایت فرمائے۔ جنابِ فاطمہؑ نے وہ درہم حیدرِ کرارؑ کو

دیئے کہ بازار سے کچھ طعام خرید لائیں۔ جنابِ امیرؑ نے حسنِ مجتبیٰؑ کے ہاتھوں میں وہ درہم دے کر اپنے ہمراہ لیا اور بازار تشریف لے چلے۔ راستے میں ملاحظہ فرمایا کہ مقدادؓ مضطر چلے آ رہے ہیں۔ آپؑ نے اُن کا اضطرار دیکھ کر پوچھا کہ خیر تو ہے؟ اس وقت کیوں پریشان ہو؟

مقدادؓ نے عرض کی: ''بچوں کیلئے روزی کی فکر میں نکلا ہوں۔ بچوں کے فاقے نہیں دیکھے جاتے''۔

یہ سن کر حضرتؑ کو کمال ملال ہوا اور حسنِ مجتبیٰؑ کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا: حسنؑ بیٹا! اس دیندار مرد کے بچوں کی فکر اپنی بھوک سے بہتر ہے۔ اگر تم کو بھی منظور ہو تو وہ درہم اسے دے دو۔

اُس سخی ابن سخی نے فوراً وہ درہم مقداد کو دے دیئے۔ اُس وقت جنابِ امیرؑ نے حسنِ مجتبیٰؑ سے فرمایا: اب تم گھر جاؤ۔

آپؑ حجاب کے سبب گھر تشریف نہ لے گئے۔ جب وہاں سے آگے بڑھے تو دیکھا کہ اعرابی ایک ناقہ بیچ رہا ہے۔ آپؑ نے پسند فرما کر قیمت پوچھی۔ اُس نے عرض کی کہ ستر درہم۔ ارشاد فرمایا کہ اگر وعدہ پر دے تو لے لوں۔

غرض حضرتؑ نے اُس شتر کو وعدہ پر خریدا اور ہمراہ لے کر اپنے گھر تشریف لے چلے۔ اثنائے راہ میں ایک اعرابی اور ملا۔ اُس نے کہا: یا علیؑ! ناقہ بیچتے ہو؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے ستر درہم میں ابھی لیا ہے، اگر تو سو درہم دے گا تو بے شک تجھے دے دوں گا۔ اُس نے اُسی وقت سو درہم دے کر وہ شتر لے لیا اور ایک جانب چلا گیا۔

جنابِ امیرؑ درہم لے کر اعرابی کو تلاش کرنے لگے کہ جنابِ رسولِ خداؐ سامنے سے جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: ''اے علیؑ! کسے ڈھونڈتے ہو؟''

عرض کی: ''ناقہ کے مالک کو ڈھونڈتا ہوں''۔

حضرتؐ نے فرمایا: ''جانتے ہو کہ وہ دونوں اعرابی اوّل و ثانی کون تھے؟ اعرابی

اوّل میکائیلؑ بائع (بیچنے والے) تھے اور اعرابی ثانی مشتری (خریدار) جبرئیلؑ امین تھے اور یہ درہم خزانۂ غیب عالم الغیب کے ہیں۔ تم نے جو درہم مقداد کو دیے، اُس کے عوض میں تم کو مرحمت ہوئے ہیں۔ شکر باری بجالاؤ اور بچوں کیلئے کچھ طعام لے جاؤ"۔

مؤمنین! ایک اور روایت کے مطابق اُسی ناقہ پر جو جناب امیرؑ نے ایک سے خرید فرما کر دوسرے کے ہاتھ بیچ کیا، قیامت کے دن خاتونِ جنت میدانِ حشر میں تشریف لائیں گی اور منادی ندا کرے گا:

"یَااَهْلَ هٰذَاالْمَوْقِفِ غُضُّوْااَبْصَارَكُمْ حَتّٰی تَجُوْزَ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

اے اہل محشر! اپنی آنکھیں بند کرلو کہ جناب فاطمہؑ بنتِ رسولؐ اللہ تشریف لاتی ہیں۔ راوی نے معصومؑ سے پوچھا: عورتیں تو آپس میں محرم ہوتی ہیں، اُن کی آنکھیں بند کرنے کا کیا سبب ہوگا؟

آپؑ نے فرمایا: "وہ معصومہؑ اس شکل سے تشریف لائیں گی کہ کسی کو دیکھنے کی تاب نہ ہوگی۔ ہاتھ پر جنابِ رسولِؐ خدا کے دندانِ شکستہ، سر مطہر پر جنابِ علی مرتضیٰؑ کا خون آلود عمامہ، دائیں دوش پر جنابِ حسنِ مجتبیٰؑ کا زہر آلود پیرہن، بائیں دوش پر جنابِ غریبؑ کربلا کا جامۂ چاک چاک ہوگا اور آغوشِ مجروح میں محسن معصوم کی لاش ہوگی۔

جب جنابِ سیدہؑ اس شکل سے زیرِ عرش تشریف لے جائیں گی تو اس طرح داد خواہ ہوں گی: اے عادل، اے حکیم! حکم کر مجھ میں اور میرے فرزندوں کے قاتلوں میں۔

فریاد ازاں زمان کہ زبیداو کوفیان
ہنگام داد خواہی خیر النساء شود

حکم الٰہی ہوگا: اے فاطمہؑ! جنت میں داخل ہو۔

آپؑ عرض کریں گی: بارالٰہا! میں جنت میں داخل نہ ہوں گی جب تک دیکھ نہ لوں

گی کہ میرے حسینؑ سے دشمنوں نے کیا سلوک کیا؟

پس حکم ہوگا: اے فاطمہؑ! میدانِ حشر کی طرف نظر کرو:

"فَتَنْظُرُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا".

وہ معصومہؑ دائیں بائیں دیکھیں گی۔

"فَتَرَى الْحُسَيْنَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ رَاسٌ".

ناگاہ اُن معصومہؑ کو جنابِ امام حسینؑ بے سر نظر آئیں گے کہ تمام بدن تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہے سینہ تیروں سے چھلنی ہے اور خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

فریاد ازاں زمان کہ جوانانِ اہل بیتؑ
گلگوں کفن بعرصۂ محشر قدم زنند

پس امام حسینؑ کا یہ حال دیکھ کر جنابِ فاطمہؑ ایک چیخ ماریں گی۔ تمام ملائکہ بھی ایک چیخ مار کر رو اُٹھیں گے اور جنابِ سیدہؑ فرمائیں گی:

"وَاوَلَدَاهُ وَاثَمَرَةَ فُؤَادَاهُ".

"ہائے اے فرزند، ہائے میرے میوۂ دل"۔

الغرض جنابِ سیدہؑ اپنے سب دوستداران، عزادارانِ امام حسینؑ، گریہ کنندگان اور زائروں کو اُن کے ہمراہ لے کر جنت میں داخل ہوں گی۔

فضائلِ شیعہ، سلمان کی شیر سے نجات، اہلِ بیتؑ کا شام میں داخلہ، اُمِ حجام کا پتھر مارنا

"فِی الْکَافِیْ عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ اَنَّهٗ قَالَ اَتَیْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ بَعْدَاَنْ کَبُرَتْ سِنِّیْ وَدَقَّ عَظْمِیْ وَقَرُبَ اَجَلِیْ مَعَ اَنِّیْ اَقُوْلُ لَسْتُ اَرٰی مَا اَصِیْرُ عَلَیْهِ فِیْ آخِرَتِیْ".

کتاب کافی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ ایک روز میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت باسعادت میں حاضر ہوا۔ میں ایسا کبیر السن تھا کہ میرے گوشت و استخوان گھل گئے تھے اور قریب المرگ تھا۔ میں نے حالت یاس میں کہا کہ دیکھئے میرا انجام روز قیامت کیا ہوگا؟

"فَقَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُکْرِمُ الشَّبَابَ مِنْکُمْ وَیَسْتَحْیِیْ مِنَ الْکُهُوْلِ".

حضرتؑ نے فرمایا: اے ابوبصیر! عجب ہے، تو ایسا کلمہ یاس کہتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے جوانوں پر اکرام کرے گا اور ضعیفوں سے حیاوشرم کرے گا۔

میں نے عرض کی: اے فرزند رسولؐ! آپ پر قربان ہوں، کیونکر اللہ تعالیٰ ہمارے جوانوں پر اکرام کرے گا اور ہمارے شیوخ سے حیا کرے گا؟

"یُکْرِمُ الشَّبَابَ مِنْکُمْ اَنْ یُعَذِّبَهُمْ وَیَسْتَحْیِیْ مِنَ الْکُهُوْلِ اَنْ یُحَاسِبَهُمْ".

فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات سے بزرگ ہے کہ جوانوں کو عذاب کرے اور حیا کرتا

ہے کہ بوڑھوں سے حساب لے۔

"فَقَالَ هَلْ سَرَرْتُ بِذٰلِکَ قُلْتُ لَهٗ بِاَبِیْ وَاُمِّیْ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ زِدْنِیْ".

پس ارشاد فرمایا: اے ابوبصیر! تو خوش ہو۔ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کچھ اور بھی فرمایئے۔

"فَقَالَ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَ مَلَائِکَتَهٗ یُسْقِطُوْنَ الذُّنُوْبَ عَنْ ظُهُوْرِ شِیْعَتِنَا کَمَا تُسْقِطُ الرِّیْحُ الْاَوْرَاقَ مِنْ شَجَرَةٍ اَوَانَ سُقُوْطِهَا".

فرمایا: اے ابومحمد! اللہ تعالیٰ اور فرشتے ہمارے شیعوں کے گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح بادِ خزاں درختوں کے پتوں کو گرا دیتی ہے اور کلامِ خدا بھی اس قول پر شاہد ہے۔

"وَالْمَلَائِکَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ فَاِسْتِغْفَارُکُمْ وَاللّٰهِ لَکُمْ دُوْنَ هٰذَا الْعَالَمِ".

یعنی فرشتے پروردگار عالم کی تسبیح کیا کرتے ہیں اور اہل زمین کے واسطے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اے ابوبصیر! خدا کی قسم اہل زمین سے اور کوئی مراد نہیں، وہی لوگ مقصود ہیں جو ہمارے شیعہ ہیں۔

کتاب فوحات القدس میں منقول ہے کہ ایک روز جناب امیرؑ عہد طفولیت میں ایک قصر لطیف کے شہ نشین پر تشریف رکھتے تھے اور دانہ ہائے خرما نوش فرماتے تھے۔ اتفاقاً اُسی قصر کے نیچے بیٹھے اپنے کپڑے سلمان فارسی سی رہے تھے۔ امیر عربؑ نے ایک دریچہ

سے ایک دانہ رطب اوپر پھینکا۔ جناب سلمان نے کہا: یا علیؑ! آپ طفل صغیر اور میں مرد پیر ہوں، مناسب نہیں کہ مجھ سے مزاح کریں۔

'فَقَالَ عَلِيٌّ اَتَزْعَمُ اَنَّکَ کَبِیْرُ السِّنِّ وَاَنَاصَبِیٌّ
اَنَسِیْتَ وَادِیَ الْاَرْزَنِ وَنَسِیْتَ مَنْ اَعَانَکَ بِهَا'

حضرتؑ نے فرمایا: اے سلمان! تم کو اپنی کبیر السنی کا گمان ہے اور مجھ کو طفل سمجھتے ہو؟ کیا تم واقعہ دشتِ ارزن کو بھول گئے اور یاد نہیں رکھتے کہ کس نے اُس صحرائے ہولناک میں تمہاری مدد کی تھی اور شیر سے بچایا تھا؟

یہ سن کر جناب سلمان متعجب ہوئے اور دست بستہ عرض کرنے لگے: وہ حال بیان فرمائیں کہ مجھ کو اطمینان ہو۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا: اے سلمان! اُس بیابان بے پایاں میں ایک نہر کے کنارے تم غسل کے واسطے گئے تھے، ناگاہ ایک شیر نر مقابل ہوا اور تمہیں مارنے کا قصد کیا۔ اُس وقت تم نے مضطر ہو کر درگاہِ پروردگار میں دعا کی۔ فوراً ایک زرہ پوش سوار شمشیر بدوش ظاہر ہوا اور اُس نے شیر کو مارا اور تم کو شیر سے بچایا۔

سلمان نے عرض کی: اس کے سوا کچھ اور بھی آپ بتا سکتے ہیں؟

حضرتؑ نے فوراً ایک گلدستہ نرگس تر و تازہ آستین مبارک سے نکال کر دکھایا اور فرمایا: اے سلمان!

"هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ مِنْکَ اِلٰی ذٰلِکَ الْفَارِسِ".

یہ گلدستہ تم نے بطور ہدیہ اُس سوار کو دیا تھا۔

وہ گلدستہ دیکھ کر جناب سلمان نہایت متحیر ہوئے۔ اتنے میں ہاتف نے ندا دی:

اے سلمانؓ! جلد خدمتِ رسولؐ میں جا کر اپنا سارا قصہ بیان کرو۔

پس سلمان خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہو کر اس طرح اپنا قصہ ظاہر کرنے لگے:

"اے رسولِ خدا! اس ماجرے کو تین سو تیس برس گزرے کہ میں نے کسی سے بیان نہیں کیا۔ لیکن کمال تعجب ہے کہ آپؐ کے بھائی نے وہ حال ابتداء سے انتہا تک کہہ کر بیان فرمایا؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اے سلمانؓ! حالاتِ علیؑ سے تعجب نہ کرو بلکہ اُنؑ اُمور سے تعجب کرو جو میرے بھائی سے ظہور میں نہ آئیں۔ میں نے وہ عجائبات علیؑ سے دیکھے ہیں جن کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا یعنی جب میں شبِ معراج اُس مقام پر پہنچا جہاں جانے سے جبرئیلؑ قاصر رہے، میں اپنے خالق سے کلام کرتا تھا اور اُس کا جواب پاتا تھا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص دُور کھڑا ہے۔ جب بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے برادر علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ مگر نہ علیؑ نے مجھ سے کلام کیا اور نہ میں اُنؑ سے کچھ بولا۔ جب میں زمین پر آیا تو وضو کر کے مشغولِ نماز ہوا۔ جب نماز سے فارغ ہوا، ناگاہ علیؑ نے آ کر سلام کے بعد مبارکباد دی اور معراج کا سارا قصہ، جو کچھ میرے اور خدا کے درمیان گزرا تھا، مشروحاً بیان کیا۔

اے سلمانؓ! کوئی نبی اور وصی اور ولی آدمؑ سے آج تک نہیں گزرا جس کی علیؑ نے بلا اور مصیبت میں مدد نہ کی ہو"۔

آہ آہ مومنین! جس ولیِ خدا نے کل انبیائے ماسلف کی مدد کی ہو اور سلمان کو دشتِ ارزن میں بچایا ہو، کیا مصلحت تھی کہ روزِ عاشورا اُنہی کے فرزند تین دن کے بھوکے پیاسے مع عزیز و انصار مثل گوسفندِ قربانی ذبح کیے گئے اور آپؑ نے امداد نہ کی۔

نَسْلُ النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰی وَحَرِیْمُهٗ
تُسْبٰی کَمَا تُسْبٰی بَنَاتُ الْاَصْفَرِ

افسوس ہزار افسوس کہ جناب امام حسینؑ کے قتل پر بھی کافروں نے اکتفا نہ کی اور ذریتِ رسولِ خدا کو اور آپؐ کی نواسیوں کو زنانِ ترک و دیلم کی طرح قید کیا۔

وَيُشْهَرُوْنَ وَيُسْلَبُوْنَ مَدَارِعًا
وَمَقَانِعًامِنْ بَعْدِسَلْبِ الْمِعْجَرِ

حیف صد حیف کہ اہل بیتؑ رسولؐ ایسے لوٹے گئے کہ برقع ومقنعہ تک کافروں نے سروں سے چھین لیا، یہاں تک کہ ایک رومال بیبیوں کے پاس منہ چھپانے کو باقی رہ گیا تھا، ظالموں نے اُسے بھی نہ رہنے دیا۔

شُعْثًا مَشَاكِيْلًا عِطَاشًا جُوَّعًا
اَسْرىٰ كَاَنَّهُمْ لَاُسْرَةُ قَيْصَرِ

وہ ملاعین ایسے بے رحم تھے کہ اُن بیکسوں کو عریاں سر، پریشان حال کشاں کشاں ذلت وخواری کے ساتھ لئے پھرتے تھے اور ذلیل کرتے تھے۔ کوئی ان بیچاروں کا بھوک اور پیاس میں پوچھنے والا نہ تھا اور اُن شہزادیوںؑ کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اکثر اہل شام آرزومند تھے کہ کاش ان قیدیوں کو اپنی کنیزیں بنائیں۔

يُسَيَّرُوْنَ عَلَى الْمَطَايَا كَالْاِمَاءِ
بَيْنَ الْمَلَاءِ بِكُلِّ وَادٍمُقْفِرِ

یہاں تک کہ اہل بیتِ رسولؐ خدا کو سر برہنہ، رسن بستہ شترانِ بے محمل پر مثل کنیزانِ ترک وروم کے شہر بہ شہر، صحرا بہ صحرا پھراتے ہوئے شام کے شہر میں بلوائے عام میں لے گئے۔

جنابِ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار سے راہِ شام کا حال پوچھا:

"فَقَالَ يَابُنَيَّ حَمَلَنِيْ عَلٰى بَعِيْرٍ وِطَاءٍ وَرَاْسُ الْحُسَيْنِ عَلٰى عَلَمٍ وَنِسْوَتُنَا خَلْفِيْ وَحَوْلَنَا الرِّمَاحُ".

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا: اے فرزندؑ! کیا بیان کروں، مجھے تو ظالموں نے ایک شتر برہنہ پر سوار کیا تھا اور میرے پدر بزرگوار کا سر مقدس ایک نیزے پر تھا اور میری ماں بہنیں شترانِ برہنہ پر پیچھے پیچھے آتی تھیں اور ہزاروں اشقیاء ہمارے گرد نیزے تانے چلے جاتے تھے۔

"وَاِنْ دَمَعَتْ مِنْ اَحَدِنَا عَيْنٌ قُرِعَ رَاْسُهُ بِالرُّمْحِ حَتّٰى دَخَلْنَا دِمَشْقَ".

اور اُس پر قیامت یہ تھی کہ ہم کو رونے بھی نہ دیتے تھے۔ اگر کسی کی آنکھ سے آنسو نکل آتا تھا تو اُس سر پر نیزوں کی نوکیں چبھوتے تھے۔

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب وہ جنابؑ دمشق کے قریب پہنچے تو ایک برہنہ شتر پر سوار تھے اور گلوئے مبارک میں ایسا بھاری طوق پڑا تھا کہ گردن کی رگوں سے خون بہتا تھا اور وہ ہاتھ جن میں بیماری کے سبب رعشہ تھا، اُن میں رسیاں باندھ کر گلے میں ڈال دیا تھا۔ سوجے ہوئے زخمی پاؤں میں دُہری زنجیریں پڑی تھیں اور وہ جنابؑ رو رو کر اپنی مصیبت میں یہ شعر پڑھتے تھے:

اُقَادُذَلِيْلًا فِيْ دِمَشْقَ كَاَنَّنِيْ
مِنَ الزَّنْجِ عَبْدٌغَابَ عَنْهُ نَصِيْرُهُ

آہ! مجھے اس ذلت سے دمشق کے شہر میں لائے ہیں جیسے غلام حبش وزنگبار کو لاتے ہیں اور غلام بھی وہ غلام جس کا آقا مر گیا ہو اور کوئی اُس کا مددگار نہ ہو۔

وَجَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْ كُلِّ مَشْهَدٍ
وَشَيْخِيْ اَمِيْرُالْمُؤْمِنِيْنَ اَمِيْرُهُ

حالانکہ یہ کلمہ گو خوب جانتے ہیں کہ میرے نانا رسولؐ خدا اور دادا علی مرتضیٰؑ ہیں۔

فَيَـا لَيْـتَ لَمْ اَبْلُغْ دِمَشْقَ وَلَمْ اَكُنْ

يَـرَانِـيْ يَـزِيْدُ فِيْ بَذِيْهِ اَسِيْرُهٗ

کاش مجھے موت آتی کہ میں اس شکل سے دمشق میں داخل نہ ہوتا اور مجھے یزید اس خرابی سے اپنے سامنے قید میں نہ دیکھتا۔

غرض اُسی شکل سے اُن کو لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ شہر میں داخل ہوئے۔

اُس وقت وہ اشقیاء خوشیاں مناتے، تکبیریں کہتے جاتے تھے، ناگاہ ہاتف کی آواز آئی:

جاؤُا بِـرَاسِـکَ يَابْنَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ

مُتَـرَمِّلاً بِـدِمَـائِـهٖ تَـرْمِيْلاً

افسوس اے فرزند رسولؐ خدا کہ آپؑ کے سر کو یہ ظالم اس ذلت و خواری سے لائے ہیں کہ تمام چہرۂ نورانی خاک و خون میں آلودہ ہے۔

وَيُـكَبِّـرُوْنَ اِذَا قُتِلْـتَ وَاِنَّـمَـا

قَتَـلُـوْا بِکَ التَّـكْبِيْـرَ وَالتَّهْـلِيْلاَ

اور اُس پر یہ بے دین خوش ہو ہو کر تکبیریں کہتے ہیں، حالانکہ آپؑ کے قتل ہو جانے سے گویا تکبیر و تہلیل قتل ہوگئی۔

بہر کیف ایک کوٹھے کے نیچے پہنچے۔ اُس پر ایک ملعونہ سن رسیدہ اُم حجام مع اپنی کنیزوں کے بیٹھی تھی۔ سرہائے شہداء کو دیکھ کر کہنے لگی: یہ سر کس کے ہیں؟ کسی نے کہا کہ وہ فرق بریدہ حسینؑ ابن علیؑ کا ہے۔ پیاس کی شدت سے جس کے ہونٹ سوکھے، آنکھوں میں حلقے پڑے ہیں، محاسن پر خون کا خضاب ہے، سب سے آگے نیزہ طویل پر ہوا کے جھونکوں سے زلفیں غبار آلودہ ہلتی ہیں اور اُنؑ کے باقی اصحاب کے سر ہیں۔

وہ ملعونہ بہت خوش ہوئی اور ایک کنیز سے کہنے لگی کہ حسینؑ کے باپؑ نے میرے باپ اور شوہر کو قتل کیا ہے۔ ایک پتھر اُٹھادے تو اسی وقت اپنے دل کا بغض نکالوں۔ اُس نے

اُٹھادیا۔ غرض جونہی وہ نیزہ جس پر امامؑ کا سر تھا، کوٹھے کے مقابل آیا، ملعونہ نے وہ پتھر اس زور سے پھینکا کہ آپؑ کے روئے مبارک پر جو زخم لگے ہوئے تھے، اُن سے خون نکل کر رُخساروں تک اور رخساروں سے ریش مقدس تک بہہ آیا۔

اہل بیتؑ نے جب مظلومؑ کربلا کے چہرۂ انور سے خون بہتے دیکھا تو اپنا منہ پیٹنے لگے۔ جناب زینبؑ کہنے لگیں: "اے لوگو! میرے بھائی پر یہ ظلم کس نے کیا؟"

کسی نے کہا کہ اُم حجام ملعونہ نے اپنے باپ اور شوہر کے خون کا عوض لیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ مظلومہؑ تڑپ گئیں اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی کہ خداوندا! جلد اس کافرہ کو واصل جہنم کر اور دوزخ کی آگ سے قبل آتش دُنیا سے جلا۔

ابھی آپؑ کا کلام ختم نہ ہوا تھا کہ وہ مکان اُس پر گرا اور قدرت خدا سے اُس میں آگ لگ گئی۔ وہ عورت اور جو اُس کے گرد و پیش تھے، سب جل کر مر گئے اور واصل جہنم ہو گئے۔ پھر جناب زینبؑ نے جو اپنے بھائی کے روئے مبارک کی طرف خیال کیا اور اُنؑ کی مصیبتوں کو جو یاد کیا تو بہت شدت سے روئیں۔

تفسیرِ اَنَامِنَ الْحُسَیْنؑ روایتِ ضعیفہ و طفلہ اُسی ضعیفہ کا شام میں جنابِ زینبؑ کو رِدا اُوڑھانا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَامِنَ الْحُسَیْنِ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا".

جنابِ خیرالمرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ جو حسینؑ کو دوست رکھے، خدا اُسے دوست رکھتا ہے۔

مؤمنین! جنابِ رسولؐ خدا نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے، اس کے معنی تو ظاہر ہیں مگر یہ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد کہ میں حسینؑ سے ہوں، اس معنی کی توجیہات بہت سی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب جنابِ اسمٰعیلؑ کے ذبح ہونے کا واقعہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ".

یعنی میں نے ذبحِ اسمٰعیلؑ کو ذبحِ عظیم کے ساتھ بدل دیا۔ ذبحِ عظیم سے مراد شہادتِ امام حسینؑ ہے۔ پس یہ شہادت وقتِ ذبحِ اسمٰعیلؑ، ظہورِ ختم المرسلینؐ سے صدہا برس قبل مشیتِ ایزدی میں وارد ہوئی اور یہ بھی رضائے الٰہی میں تھا کہ وجودِ ذی وجود جنابِ رسولؐ خدا جنابِ اسمٰعیلؑ سے ہو۔

پس حبیبؐ خدا اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ میں حسینؑ سے ہوں، اس وجہ سے کہ اگر شہادتِ حسینؑ سے ذبحِ اسمٰعیلؑ کا فدیہ نہ ہوتا تو میرے جدِ امجد جنابِ اسمٰعیلؑ ذبح ہو جاتے اور میرا وجود عالمِ ایجاد میں نہ ہوتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرتؐ نے جو فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں، اس کے معنی یہ

ہیں کہ میری خلقت اور ولادت حسینؑ کی نسل سے ہے بلکہ اس معنی کے اعتبار سے کہ میری نسل وامامت کی بقا ذاتِ حسینؑ سے ہے۔

مؤمنین! ذاتِ بابرکات جنابِ امام حسین علیہ السلام میں شجاعت و عدالت و مروت وسخاوت بلکہ تمام اوصافِ محمدی و عاداتِ احمدی کا اجتماع تھا۔ چنانچہ مقتل احمد بن عصفور میں مذکور ہے کہ ایک ضعیفہ مع اپنے طفل کے مدینہ میں وارد ہوئی اور لوگوں سے استفسار کیا کہ اس شہر میں بندگانِ خدا سے سخی تر کون ہے؟

"قَالُوْا اَجْمَعِهِمْ حُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ".

سب نے بالاتفاق کہا: اے عورت! تیرا ایسے وقت میں آنا ہوا کہ یہ زمانہ جنابِ محمد مصطفیٰؐ اور علی مرتضیٰؑ سے خالی ہے۔ اب سوائے حسینؑ ابن علیؑ کے عالم میں کوئی کریم تر نہیں ہے۔

'فَلَمَّاسَمِعَتْ ذٰلِکَ جَاءَتْ اِلَی الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَقَالَتْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ'

وہ عورت امام کونین ابا عبداللہ الحسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ فَرَدَّعَلَیْهَا السَّلَامُ وَقَالَ مَنْ اَنْتِ وَمَا تُرِیْدِیْنَ".

حضرتؑ نے جوابِ سلام دے اور استفسار کیا کہ تو کون ہے اور کیوں آئی ہے؟

عرض کی: "یابن رسولؐ اللہ! جس روز سے میرے شوہر نے انتقال کیا، زمانہ کج رفتار نے مجھ نادار کو ایسا ستایا ہے کہ شب و روز فاقہ کشی میں بسر ہوتے ہیں۔ مگر اس پر بھی زمانہ اپنے ظلم و ایذا سے باز نہیں آتا۔ اب قرض خواہوں کی شدتِ تقاضا سے تاب ضبط و قناعت باقی نہ رہی۔ تنگ آکر با اُمیدِ حاجت روائی خدمتِ بابرکت میں اس یتیم فاقہ کش کو لے کر حاضر ہوئی ہوں"۔

یہ سن کر حضرتؑ چشم پُر آب ہوئے اور قنبر سے فرمایا: ''فضہ کو جلد بلاؤ''۔

جب بی بی فضہؓ حاضر ہوئیں تو ارشاد فرمایا: ''اس ضعیفہ کو اپنے ساتھ حرم سرا میں لے جاؤ اور دختران علیؑ و فاطمہؑ سے اس کی غربت و ناداری کا حال بیان کرو۔ فضہ کہتی ہیں کہ جب میں اُس عورت کو بیت الشرف میں لائی:

''فَاَوَّلُ مَنْ قَامَتْ مِنْهُنَّ فَهِيَ زَيْنَبُ بِنْتُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ''.

سب سے پہلے جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے دستِ مبارک سے اُس ضعیفہ کو چادر اُڑھائی۔

مؤمنین! اس امر کو یاد رکھئے کہ پہلے جس نے چادر عنایت فرمائی، وہ جنابِ زینبؑ تھیں۔ اس کے بعد اُم کلثومؑ و شہر بانو و ربابؑ نے اس قدر زیور و اسباب عنایت فرمایا کہ اُس کی اُمید کا دامن مالا مال ہو گیا اور وہ عورت دولت سرا میں گئی۔

اب اُس طفل یتیم کی کیفیت سنئے کہ جنابِ امام حسینؑ نے فرمایا:

''كَيْفَ اَصْبَحْتَ''.

اے طفل بے پدر! تیرا کیا حال ہے؟

اُس نے عرض کی: حضرتؑ بہتر جانتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا جس قدر ممکن ہو، کنکر و پتھر دامن میں بھر لا۔ چونکہ وہ لڑکا تھا، مقصودِ حضرتؑ کو نہ سمجھا بلکہ یہ خیال کیا کہ شاید وہ حضرتؑ میرا امتحان چاہتے ہیں کہ کس قدر بار اُٹھا سکتا ہوں۔ ارشاد کی تعمیل میں تاخیر کی۔

وہ لڑکا کہتا ہے کہ ایک صحابی بیٹھے تھے، مجھ سے کہنے لگے. اے طفل! امامؑ کا فعل عبث نہیں ہوتا، جلدی کر، تیری قسمت نے یاوری کی اور تیرے نصیب کا ستارہ چمکا۔

یہ سن کر میں فوراً اُٹھا اور جس قدر سنگ و سفال میرے دامن میں آ سکے، بھر لایا اور عرض کی کہ یہ کنکر و پتھر حاضر ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا:

''بَلْ يَوَاقِيتُ وَدُرَرٌ''.

بلکہ یہ یاقوت سرخ و مروارید سفید ہیں۔

اب جو میں نے بغور دیکھا تو وہ سب سنگریزے یاقوت سرخ اور مروارید سفید ہو گئے تھے اور اُن میں وہ چمک و ضیا تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔

مؤمنین! افسوس صد افسوس کہ جو ایسا رحیم و کریم ہو، اُس کے ناموس اور یتیموں کے ساتھ اس زمانہ ناہنجار نے کیسا سلوک کیا۔ بعض کے کانوں سے دُر کھینچے گئے، بعض طوق و سلاسل میں اس طرح جکڑے گئے کہ ضعفِ بیماری اور داغِ بے پدری کے علاوہ پائے مبارک سے اس قدر خون جاری تھا کہ دیکھنے والے گمان کرتے تھے کہ پاؤں میں سرخ موزے ہیں۔

وہ اہل بیتِ اطہار جو پردہ پوشِ عالم تھے، اُنؑ کے سروں سے چادریں اُتر گئیں اور صاحبانِ تطہیر بے مقنعہ و ردا، شترانِ بے کجاوہ و عماری پر شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار مجمع عام میں پھرائے گئے بلکہ مثل کنیزانِ ترک و دیلم سب کے ہاتھ بھی رسن بستہ تھے۔

چنانچہ صاحب الامر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

''اَيْدِيهِمْ مَغْلُولَةٌ اِلَى الْاَعْنَاقِ''.

یعنی اُن بیکسوں کے ہاتھ گردنوں سے بندھے تھے۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ چہرہ ہائے نورانی تابشِ آفتاب سے ایسے متغیر ہو گئے تھے کہ پہچانے نہ جاتے تھے۔

الحاصل وہ ضعیفہ اہل حرم سے اور یہ لڑکا امام حسینؑ سے رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں خیال کیا کہ اگر ہم اپنے وطن جائیں گے تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ کل تک یہ حال تھا کہ فاقہ کشی میں بسر ہوتی تھی، آج اس قدر مال خطیر اور زر کثیر کہاں سے لائے؟

یہ سوچ کر اپنے وطن کا رُخ نہ کیا۔ شام کے شہر میں جا کر سر راہ ایک عالیشان

مکان تعمیر کر کے سکونت اختیار کی اور کارخانہ تجارت جاری کیا۔

وہ لڑکا کہتا ہے کہ ایک مدت کے بعد ایک روز میں بنظر تفریح بازار میں پھر رہا تھا کہ دیکھا کہ تمام شہر روز عید کی طرح آراستہ و مزین ہے۔ سب لوگ ہاتھوں میں مہندی لگائے، آنکھوں میں سرمہ ڈالے، لباسِ فاخرہ پہنے باہم معانقہ و مصافحہ کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہیں۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ آج اس خوشی کا کیا باعث ہے؟ کیا اہل اسلام میں کوئی عید ہے؟

ایک شخص نے جواب دیا: معلوم ہوتا ہے کہ تو مرد مسافر ہے کہ اس کیفیت سے ناواقف ہے۔ آگاہ ہو کہ اس شہر کے حاکم پر ایک بادشاہ نے خروج کیا تھا، اُس کو فوج شام نے قتل کیا اور اُس کی ذریت و اولاد کو قید کر کے اس شہر میں لائے ہیں۔ اسی فتح کی خوشی میں یہ جشن ہے۔ میں وہیں سے مڑا اور گھر میں آکر اپنی ماں سے یہ کیفیت بیان کی۔ وہ مشتاق ہو کر بنظر تماشا برآمدہ پر آئی اور ایک کرسی زرنگار پر بیٹھی۔ ایک خادمہ خدمت کرتی تھی اور ایک کنیز پردہ ایک جانب سے اُٹھائے ہوئے تھی۔

"فَرَأَتِ الْاَعْلَامَ".

ناگاہ دیکھا کہ بہت سے سیاہ عَلَم چلے آرہے ہیں۔ سواروں اور پیادوں کی کثرت سے تمام بازار بھرا ہوا ہے اور چند نیزوں پر کچھ بچوں کے، جوانوں کے اور بوڑھوں کے سر بریدہ اس طرح جلوہ گر ہیں کہ کسی کی زلفیں چوب سناں سے بندھی ہیں، کسی کی ریش مقدس ہوا سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف ہلتی ہے، کسی کی پیشانی پتھر سے مجروح ہے، کسی کے گوشہ چشم میں پیکانِ تیر کا نشان ہے اور ایک نیزہ طویل پر ایک سر بریدہ اس طرح دکھائی دیا کہ ہونٹ سوکھے ہیں، آنکھوں میں حلقے پڑے ہیں، محاسن نورانی خون سے خضاب ہیں۔

وہ عورت دیکھتے ہی تڑپ گئی مگر نہ پہچان سکی کہ یہ سر امام حسینؑ کا ہے۔ جب وہ سب نیزہ دار آگے بڑھ گئے تو دیکھا کہ ایک بیمار جوانؑ ناقہ پر سوار ہے۔ دونوں ہاتھ گردن

شتر سے بندھے ہیں۔ جب وہ ناقہ سوار برآمدہ کے قریب آیا، اُس مؤمنہ نے ایک کنیز سے کہا کہ اس بیمار سے پوچھ کہ اس کا نام کیا ہے؟ چونکہ ساربان جلدی میں تھا، اس لئے ناقہ آگے بڑھ گیا۔

مؤمنین! خیال کرنا چاہئے کہ اس عورت کو امام حسینؑ کی بدولت وہ مرتبہ و وقار حاصل ہوا کہ خود استفسار حال کو اپنے خلاف شان سمجھ کر کنیز سے پوچھنے کو کہا۔ اس کے بعد اُس عورت نے دیکھا کہ چند ناقے جن پر نہ کجاوے ہیں، نہ عماریاں ہیں، چلے آرہے ہیں۔ اُن پر کچھ بیبیاں، کچھ بچیاں اس طرح سوار ہیں کہ نہ اُن سروں پر چادریں ہیں، نہ منہ پر نقابیں ہیں۔ بالوں سے چہرے چھپائے، سر جھکائے اپنے اپنے وارث کو کوئی چلا چلا کر، کوئی آہستہ آہستہ رو رہی ہے۔ سب سے آگے ایک ناقہ پر ایک بی بی جس کے ماتھے سے لہو جاری ہے، چھوٹی سی بچی کو گود میں لئے سب سے زیادہ بیتاب ہے۔

ضعیفہ نے کنیز سے کہا کہ اُس بی بی سے پوچھ کہ یہ لوگ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ جب کنیز نے پوچھا تو اُس معظمہؑ نے فرمایا کہ ہم غریب الوطنوں کا وطن مدینہ ہے۔

مدینہ کا نام سنتے ہی ضعیفہ بیتاب ہوگئی۔ پردہ اُلٹ دیا اور خود پوچھا کہ کس محلّہ میں رہتی ہو؟

فرمایا: محلّہ بنی ہاشم میں۔

عرض کی: آپ میری شہزادی جنابِ زینبؑ سے بھی واقف ہیں اور آقائے کونین جناب امام حسینؑ کس طرح سے ہیں؟

یہ سنتے ہی آپؑ کو تاب ضبط نہ رہی۔ تڑپ کر فرمایا:

"اَنَا زَیْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ".

اے مؤمنہ! زینبؑ میرا ہی نام ہے۔ انقلاب زمانہ سے اب ہم ایسے بیکس و مظلوم ہوگئے کہ کوئی پرسان حال نہیں۔ ہمارے بھائی کو اعدائے دین نے تین دن کا بھوکا

پیاسا ذبح کیا اور سرِ مطہر کو تن سے جدا کر کے نیزہ پر شہر بہ شہر پھراتے ہیں اور ہم کو زنگ و فرنگ کے قیدیوں کی طرح اسیر و مقید کر کے سر برہنہ اس شہر میں لائے ہیں۔

اے ضعیفہ! ایک دن وہ تھا کہ میں نے تجھ کو چادر اُڑھائی تھی۔ آج ہم لوگ خود محتاج ردا ہیں۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو ہماری پردہ پوشی کی کوئی تدبیر کر۔

یہ سن کر وہ ضعیفہ حجرہ میں گئی اور فوراً چند چادریں لائی۔ ایک ردا اُن میں سے لے کر پہلے سر مبارک جنابِ زینبؑ پر ڈالی اور عرض کی: یہ چادریں آپؑ اپنے دستِ حق پرست سے اہلِ بیتؑ میں تقسیم کر دیں۔

مؤمنین! اس روایت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ وہ اشقیاء ناموسِ رسولؐ خدا کو ہر ہر مقام پر ٹھہرا کر لئے جاتے تھے۔ ظاہراً اس توقف سے غرض یہ تھی کہ اہل شہر و ساکنانِ بازار عترتِ رسولؐ خدا کو اس ذلت و خواری سے اچھی طرح دیکھ لیں اور با اطمینان اُن کے گریہ و ماتم اور حالِ پُرغم کا تماشا دیکھیں۔

تمنائے زیارتِ جنابِ زینبؑ، روایتِ کنیزِ مصریہ، دربارِ یزید میں اہلِ بیتؑ کا داخلہ، دَف وغیرہ کی آواز کا بند ہونا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ اِنَّ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ سَيِّدَةُ نِسَآءِ جَمِيْعِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ"

خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہ تحقیق کہ فاطمہ زہراؑ تمام زنانِ گزشتہ و آئندہ کی سردار ہیں۔

"وَهِيَ بَضْعَةٌ مِنِّيْ".

اور وہ میری نورِ نظر پارۂ جگر ہے۔

صواعق محرقہ میں ابوایوب سے منقول ہے کہ جنابِ رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ روزِ قیامت ایک منادی ندا کرے گا:

يَا اَهْلَ الْجَمْعِ نَكِّسُوْا رُؤُسَكُمْ وَغُضُّوا اَبْصَارَكُمْ حَتّٰى تَمُرَّ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى عَلَى الصِّرَاطِ مَعَ سَبْعِيْنَ اَلْفَ جَارِيَةٍ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ كَمَرِّ الْبَرْقِ.

اے اہلِ محشر! سرنگوں ہو جاؤ اور آنکھیں بند کر لو کہ فاطمہؑ بنت محمدؐ صراط سے گزر جائیں۔ پس جنابِ سیدہؑ ستر ہزار حوروں کے حلقہ میں صراط سے مثل برق گزر جائیں گی۔

سبحان اللہ مؤمنین! کیا مرتبہ ہے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کا! منقول ہے کہ جب وہ معصومہؑ خدمتِ باسعادتِ جنابِ رسالتؐ میں حاضر ہوتی تھیں تو رسولِ خداؐ تعظیم

فرماتے تھے اور پیشانی اطہر پر بوسے دیتے تھے۔

ایک روز بعض ازواج نے عرض کی: یا رسولؐ اللہ! باپ کیلئے مناسب نہیں کہ اپنی اولاد کی تعظیم کرے اور حد سے زیادہ اعزاز و محبت سے پیش آئے۔

حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: کیونکر تعظیم و اُلفت نہ کروں۔ مجھے اس بیٹی سے بوئے بہشت آتی ہے۔

عبدالعزیز دہلوی نے جو علمائے اہل سنت سے ہیں، اپنی بعض تالیفات میں لکھا ہے کہ معصومہؑ نشست و برخاست، لب و لہجہ اور رفتار و گفتار میں اپنے پدر بزرگوار جناب رسولؐ مختار سے اس قدر مشابہ تھیں کہ اگر پس پردہ باتیں کرتی تھیں تو کسی کو امتیاز نہ ہوتا تھا کہ جناب رسولؐ خدا کلام فرماتے ہیں یا جنابِ سیدہؑ گفتگو فرما رہی ہیں۔

چنانچہ راوی کہتا ہے کہ سرورِ کائنات کی وفات کے بعد جس عورت کو اشتیاقِ زیارتِ جنابِ رسالتؐ ہوتا تھا، وہ خدمتِ باسعادت جنابِ مریم کبریٰ فاطمہ زہراؑ میں حاضر ہو کر زیارت سے بہرہ یاب ہوتی تھی اور جس کو رسولؐ خدا کی آواز سننے کا شوق ہوتا تھا، وہ جنابِ سیدہؑ سے مشرف ہو کر کلام کرتی تھی۔

مؤمنین! جس طرح وہ معصومہؑ صورت و سیرت میں اپنے پدر عالی مقام کی شبیہ تھیں، اسی طرح جنابِ زینبؑ اپنی مادرِ عالی قدر سے مشابہ تھیں۔ چنانچہ راوی کہتا ہے کہ جنابِ امیرؑ نے مع ذریتِ طاہرہ شہر کوفہ میں استقامت فرمائی تو اُس وقت زنانِ صنادید بنی اُمیہ کو زیارتِ رسولؐ خدا اور فاطمہ زہراؑ کا اشتیاق ہوا۔ چونکہ وہ زمانہ ان دونوں حضراتؑ سے خالی تھا اور جنابِ زینبؑ اپنی مادرِ عالی وقار اور جنابِ سیدہؑ اپنے پدر بزرگوار سے مشابہ تھیں، گویا زیارتِ جنابِ زینبؑ سے اُن دونوں حضراتؑ کی زیارت حاصل تھی۔ اس لئے ہر عورت نے اپنے مردوں سے یہ بیان کیا کہ جب تم زیارتِ باسعادت شاہِ ولایت سے مشرف ہونا تو بعد بجا آوریٔ آداب خدمت میں عرض کرنا کہ ہماری عورتیں زیارتِ جناب

زینبؑ کی نہایت مشتاق ہیں۔

جب وہ لوگ زیارتِ جنابِ امیرؑ سے بہرہ یاب ہوئے تو ہر چند چاہا کہ اپنی عورتوں کا مطلب بیان کریں لیکن پاسِ ادب کی وجہ سے ممکن نہ ہوا اور اسی طرح ہر روز قصد و ارادہ اور روز وعدہ کر کے آتے تھے مگر اُس شیرِ ذوالجلال کا رعب و جلال ایسا غالب ہوتا تھا کہ اظہارِ مطلب کو خلافِ ادب سمجھتے تھے۔

جب کئی دن اسی طرح امروز و فردا میں گزر گئے تو اُن عورتوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ خود چل کر حضرتؑ کی خدمت میں عرض کریں۔ اُس وقت تمام زنانِ صنادید بنی اُمیہ آستانِ ملائکہ پاسبان پر حاضر ہوئیں۔

مؤمنین! فرشتہ ہائے مقربین کو یہ قدرت نہ تھی کہ بغیر اجازت دولت سرائے حضرتؑ میں داخل ہوں، ان عورتوں کی کیا مجال تھی کہ بغیر اذن داخل خانہ ہوتیں۔

الغرض سب نے دق الباب کیا۔ آواز سن کر حضرتؑ دولت سرا سے خود باہر تشریف لائے اور یمین و یسار حضرتؑ کے دونوں فرزند جنابِ امام حسنؑ اور امام حسینؑ بھی تھے۔ حضرتؑ نے اُن عورتوں سے پوچھا کہ کیا چاہتی ہو؟

سب نے بالاتفاق عرض کی: اے وصیِ رسولؐ خدا! ہم سب زیارتِ جنابِ زینبؑ خاتون کی مشتاق ہیں۔

یہ سن کر حضرتؑ نے کچھ جواب نہ دیا اور اپنے فرزند حسینؑ سے ارشاد فرمایا: اے نورِ نظر! اپنی خواہر زینبؑ کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ بیدار ہیں یا آرام کر رہی ہیں؟ اگر جاگتی ہوں تو ان عورتوں کی آرزو و تمنا بیان کرنا، اگر سوتی ہوں تو تکلیف نہ دینا۔

اللہ اللہ! کیا مرتبہ تھا جنابِ زینبؑ کا اور کس قدر جنابِ امیر علیہ السلام کو اپنی دخترِ نیک اختر کی دلجوئی اور خاطر داری منظور تھی۔ لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ حرم سرا میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ معظمہؑ خواب گاہ میں استراحت فرما رہی ہیں۔ دیر تک انتظار میں متوقف

رہے، جب اُن مخدومہؑ نے کروٹ لی اور بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ میرے بھائی حسینؑ تشریف رکھتے ہیں، فی الفور اُٹھ بیٹھیں اور پوچھا کہ کیوں آئے ہیں اور کیا فرماتے ہیں؟ اُس وقت حضرتؑ نے جنابِ امیرؑ کے ارشاد کے مطابق زنانِ کوفہ کی تمنا کو بیان کیا۔ جنابِ زینبؑ نے فرمایا: اے بھائی! آپؑ جاکر میری طرف سے کہیں کہ یہ وقتِ ملاقات نہیں ہے، اگر ایسا ہی اشتیاق ہے تو صبح کو آئیں۔

حضرتؑ نے ارشادِ جنابِ زینبؑ اُن عورتوں سے فرمایا۔ سب اپنے گھروں کو گئیں۔ راوی کہتا ہے کہ اُن عورتوں کی کیا کیفیت بیان کروں کہ اُس شب کو کس خوشی اور سرور سے فرطِ اشتیاق میں بیقرار و بے چین تھیں۔ تمام رات اختر شماری میں بسر کی اور کہتی تھیں کہ آج کی شب، شبِ قدر سے کم نہیں، اس واسطے کہ صبح کو زیارتِ جنابِ رسولؐ خدا و فاطمہ زہراؑ اور زینبؑ کبریٰ نصیب ہوگی۔

آخر کار صبح کو اُن عورتوں نے اپنے پاؤں میں موزے پہنے اور سروں پر ردائیں اور برقع ڈال کر جوق در جوق اور گروہ در گروہ بیت الشرف جنابِ امیرؑ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اُس وقت بی بی فضہؑ نے جنابِ امیرؑ سے عرض کی: میں چاہتی ہوں کہ بابِ جنابِ زینبؑ میں تھوڑا سا اختیار عنایت ہو تو میں اپنی شہزادیؑ کے سامانِ حشمت اور اسبابِ شوکت میں مصروف ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے فضہؑ! ہماری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔

پس بی بی فضہؑ نے وہ مسند بچھائی جو وقتِ عروسی جنابِ سیدہؑ آراستہ ہوئی تھیں اور وہ تاج سرِ مبارک پر رکھا جو وقتِ تزویج جنابِ سیدہؑ رسولؐ خدا نے اپنی پارۂ جگر کو عنایت کیا تھا۔

بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دو کرسیاں جواہر نگار بچھائی گئیں۔ ایک پر جنابِ زینبؑ اور دوسری پر جنابِ اُمِ کلثومؑ رونق افروز ہوئیں۔ بی بی فضہ اپنی شہزادیوں کے

نعلین بہ افتخار اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے تھیں اور اُمِ حبیبہ مروحہ جنبانی کرتی تھی۔ جب یہ سب اہتمام ہو چکے تو حکم کے مطابق زنانِ کوفہ دس دس، پانچ پانچ یکے بعد دیگرے بکمال ادب و ہیبت و رعب سے بدن کانپتے ہوئے دولت سرا میں داخل ہوئیں اور صف باندھ کر سامنے ایستادہ ہو جاتی تھیں۔ جب بیٹھنے کی اجازت پاتی تھیں، اُس وقت سرِ تسلیم خم کرکے باادب بیٹھ جاتی تھیں اور جنابِ زینبؑ اُن سب سے بتقاضائے خلقِ احمدیؐ کے تحت ہم کلام ہو کر رخصت فرماتی تھیں اور وہ عورتیں بعد شرفیابیٔ زیارت اپنے گھر کو جاتی تھیں۔

اُن عورتوں پر جو زیارتِ جنابِ زینبؑ سے مشرف نہ ہوئی تھیں، فخر و مباہات کرتی تھیں۔ یہ زمانہ کج رفتار ایک جیسا نہیں رہتا۔ ایک دن شہر کوفہ میں جنابِ زینبؑ واُمِ کلثومؑ کا یہ جاہ و جلال اور اعزاز و اقبال تھا اور ایک دن وہ تھا:

شامیاں بستند بازوِ زینبؑ و کلثومؑ را
اے فلک آن ابتداء این انتہای اہل بیتؑ

وہی جنابِ زینبؑ واُمِ کلثومؑ اُسی شہر کوفہ میں مثلِ کنیزانِ ترک و روم کے مقید ہو کر اس حالت سے وارد ہوئی تھیں کہ گروہ در گروہ مردان و زنانِ کوفہ و شام اپنے اپنے گھروں سے نکل کر بنظرِ تماشا نگران تھیں۔ ایک دن وہ تھا کہ لوگ شوقِ زیارت میں خوشیاں مناتے تھے اور ایک دن وہ تھا کہ اُن مخدراتِ عظمیٰ کے قید ہونے کا تماشا دیکھنے کے اشتیاق میں طرح طرح کی مسرت و شادمانی کرتے تھے۔ حاکمِ شہر کی تاکید تھی کہ ہر شخص سامانِ جشن برپا کرے۔

چنانچہ منقول ہے کہ شہادتِ امام حسینؑ کے بعد جب اہلِ بیتِ رسولؐ اسیر ہو کر شام کے شہر میں داخل ہوئے تو یزید نے حکم دیا کہ اہلِ شہر اپنے گھروں کو آراستہ کریں اور روزِ عید کی طرح لباس ہائے فاخرہ پہن کر عیش و عشرت میں مصروف ہوں۔ اس کے بعد اُس بد عمل نے اپنے محل میں بھی جاکر تاکید کی کہ ہر کنیز و خواص زیور و لباس سے مزین ہو۔

لہٰذا ہر شخص نے اُس کے حکم کی تعمیل کی اور باہم لوگ معانقہ و مصافحہ کرتے تھے۔

دوسرے روز اُس شقی نے حکم دیا کہ اہل بیتؑ خیر الانام کو دربار عام میں لایا جائے۔ یہ کہہ کر اپنے محل میں گیا اور دیکھا کہ ہر خادمہ و جاریہ لباس ہائے فاخرہ و زیور ہائے نوع بنوع سے آراستہ ہے مگر ایک زنِ مصریہ پریشان حال بیٹھی روتی ہے۔ اُس نے پوچھا کہ تجھے عدول حکم کا کیا باعث ہے اور کیوں پوشاک تبدیل نہ کی بلکہ روتی ہے؟

اُس نے کہا: اے امیر! میرا حال کیا پوچھتا ہے؟ ابھی میں سوگئی تھی کہ عالم خواب میں دیکھا کہ مخدومہ کونین، مادرِ حسینؑ بال بکھرائے، چہرہ پر خاک لگائے، میرے بالین پر کھڑی ہیں اور رو رو کر فرماتی ہیں: اے مصریہ! کیا خوابِ غفلت میں پڑی ہے، تجھ کو معلوم نہیں کہ میرا فرزند حسینؑ تین دن کا بھوکا پیاسا شہید ہوگیا ہے اور اُس کے ناموس اسیر ہو کر آئے ہیں؟

اے یزید! جب سے میں نے یہ خواب پریشان دیکھا ہے، ہر وقت جنابِ سیدہؑ کی تصویر میری نظروں کے سامنے پھرتی ہے، گویا کہ دیکھتی ہوں کہ آسمان سے خون برستا ہے اور ہر در و دیوار سے صدائے نوحہ و ماتم بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرزندِ رسولِ خدا کی خیر کرے۔

یزید پلید نے کہا: اگر تو لباس تبدیل نہیں کرتی تو اپنی پریشانی دُور کرنے کے واسطے درِ محل پر جا کر اسیروں کا تماشا دیکھ کہ اس وقت اُن سب کا دربار میں داخلہ ہو رہا ہے۔

غرض وہ زنِ مصریہ دوسری کنیزوں کے ساتھ درِ محل پر آ کر کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے دیکھا کہ کچھ فوجی تلواریں کھینچے چلے آتے ہیں اور اُن کے ساتھ کتنے سرہائے نورانی نیزوں پر بلند ہیں۔ اس کے بعد دیکھا کہ چند مخدراتِ عظمیٰ شترانِ بے کجاوہ پر بے پردہ، ننگے سر، چہروں پر پریشانی، گریاں و نالاں چلی آ رہی ہیں۔ اُن کے آگے ایک بیمار طوق و زنجیر میں گرفتار ایک لاغر اونٹ پر سوار آ رہا ہے مگر اُس کے چہرۂ نورانی سے بادشاہوں جیسی شان و شوکت نمایاں ہے۔

مصریہ نے قصد کیا کہ اُس علیل سے کچھ سوال کرے لیکن وہ ناقہ آگے بڑھ گیا۔

اس کے بعد ایک شتر سامنے آیا جس پر ایک معظمہؑ سوار تھیں۔ مصریہ اُنؑ خاتون باحترام کو دیکھ کر بیتاب ہوگئی اور دوڑ کر پوچھا: اے بی بی! آپؑ کا وطن کہاں ہے اور کس جگہ اسیر ہوئیں؟ اُس بی بی نے فرمایا: ہم لوگ مدینہ کے رہنے والے ہیں اور کربلا میں وارثوں سے جدا ہو کر مقید ہوئے ہیں۔

اُس نے پوچھا: مدینہ کے کس محلہ میں آپؑ کا مکان ہے؟

فرمایا: محلہ بنی ہاشم میں۔

اُس نے عرض کی: آپؑ کو میری شہزادی جنابِ زینبؑ کی بھی کچھ خبر ہے؟

آپؑ نے مصریہ کو پہچانا مگر ضبط کر کے فرمایا: تجھے زینبؑ سے کیونکر تعارف ہے؟

اُس نے کہا: وہ خاتونِ معظمہؑ میری رضاعی بہن ہیں۔

اُس وقت جنابِ زینبؑ نے آہِ سرد کھینچ کر فرمایا: اے مصریہ! تو نے مجھ کو نہ پہچانا؟ وہ زینبؑ آفت رسیدہ میں ہی ہوں۔ میرے بھائی حسینؑ کو لشکرِ یزید نے شہید کیا اور ہم اہل بیتؑ کو اسیر کیا۔

یہ سن کر مصریہ اس قدر روئی اور پیٹی کہ غش کر گئی اور اہل بیتؑ اطہار کا قافلہ دربار کی طرف روانہ ہوگیا۔

مؤمنین! ایک روایت میں وارد ہے کہ یزید پلید نے شمر کو حکم کیا کہ اسیرانِ حرمِ محترم ترتیب سے میرے دربار میں آئیں کہ پہلے رسولِ خدا کی نواسیاں اور علیؑ و زہراؑ کی بیٹیاں داخل ہوں۔ اس کے بعد غلاموں اور کنیزوں کو حاضر کیا جائے۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک ملعون آ کر ہم اہل بیتؑ کو اس طرح رسن بستہ کر کے دربار میں لے چلا جس طرح قصاب گوسفند کو باندھ کر قربان گاہ میں لے جاتے ہیں اور ہم مصیبت زدہ باہم اس طرح بندھے تھے کہ اگر اُن میں سے کوئی فرط

نقاہت سے گر پڑتا تھا تو سب کو اُس کی متابعت ضرور ہوتی تھی اور جب ان میں سے ایک کھڑا ہوتا تھا تو سب کو کھڑا ہونا لازم ہوتا تھا، یہاں تک کہ اسی حالِ خراب سے دربار میں داخل کیا گیا۔

مؤمنین! جب ناموسِ عصمت وطہارت کو اس ذلت وخواری سے دربارِ یزید میں لائے تو اُس شقی نے غیظ میں آکر شمر سے پوچھا کہ تو نے میرے خلاف حکم پہلے کنیزوں کو حاضر کیا؟ دخترانِ علیؑ وفاطمہؑ کہاں ہیں؟

یہ سن کر شمر نے جواب دیا: اے امیر! ان بے وارثوں کے لباس کی بوسیدگی وحال کی خرابی سے تو نے نہ پہچانا۔

"هٰؤُلَآءِ بَنَاتُ عَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ".

یہ کنیزیں نہیں بلکہ یہ سب کی سب دخترانِ علیؑ وفاطمہؑ ہیں۔

"هٰذِهٖ زَيْنَبُ وَهٰذِهٖ اُمُّ كُلْثُوْمٍ وَهٰذِهٖ رُقَيَّةُ وَهٰذِهٖ سُكَيْنَةُ".

یہ زینبؑ واُمِ کلثومؑ، خواہرانِ حسینؑ مظلوم اور یہ رقیہؑ وسکینہؑ، دخترانِ شاہِ مدینہ ہیں۔

جب وہ شقی جائزۂ اسرائے اہلِ بیتؑ سے فارغ ہوا، اُس وقت قومِ یہود ونصاریٰ سے جو لوگ حاضر تھے، انہوں نے چاہا کہ اپنے آلاتِ غنا کو چھیڑیں۔ دف کو بجا کر فتح کی مبارکبادیں دیں۔

راوی کہتا ہے کہ ہر چند اُن سب نے سعی وکوشش کی مگر کسی سازِ طرب سے صدا نہ پیدا ہوئی باوجودیکہ وہ اپنے فن میں کامل تھے۔ متحیر ہو کر یزید سے کہنے لگے:

ہمارے طنبور اور رباب نے کبھی خطا نہ کی، آج کیا باعث ہے کہ یہ آواز نہیں دیتے۔ ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے کہ صدائے نغمہ کبھی بند نہ ہوگی مگر اُس مجلس میں

جہاں خاتم المرسلینؐ ہوں گے۔ تعجب ہے کہ اُنؐ کی وفات کو پچاس برس کے قریب ہو چکے، اس وقت تیرے دربار میں پیغمبر آخر الزمانؐ کہاں ہیں جو ہمارے آلاتِ سرور بالکل بیکار ہو گئے ہیں؟

اُس وقت جنابِ زین العابدین علیہ السلام کو تابِ ضبط باقی نہ رہی اور رو کر فرمایا:

"اے قومِ یہود ونصاریٰ! تم نہیں جانتے کہ رسولِ خداؐ کا نواسہ شہید ہو گیا ہے اور اُس کے سرِ انور کو تنِ اطہر سے جدا کر کے بطورِ ہدیہ یزید کے سامنے پیش کر کے زیرِ تخت رکھا ہے اور ذریتِ رسولِ خداؐ کو مقید اور گرفتار کر کے اس دربارِ عام میں لائے ہیں اور جنابِ رسولِ خداؐ پریشان حال اپنے نواسے کے سرِ بریدہ کے قریب نالاں وگریاں ہیں"۔

فضائلِ شیعہ،معجزہ ماھی امام زین العابدینؑ، دربارِ یزید میں اہلِ بیتؑ کا داخلہ، جنابِ زینبؑ کا سرِ امامؑ دیکھ کر رونا

عَنْ عُمَرَبْنِ يَزِيْدَاَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ جُعِلْتُ فِدَاكَ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يُرْوُوْنَ عَنْكَ اَنَّكَ تَقُوْلُ كُلُّ شِيْعَتِنَافِي الْجَنَّةِ عَلٰى مَاكَانَ فِيْهِمْ.

عمر بن یزید سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: ''میری جان فدا ہو، یابن رسولؐ اللہ! اکثر اشخاص روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا ہے کہ ہمارے تمام شیعہ بہشت میں داخل ہوں گے۔ ہر چند اُن سے اعمالِ ناشائستہ سرزد ہوئے ہوں۔

''قَالَ نَعَمْ وَاللّٰهِ كُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ فَقُلْتُ لَهٗ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَكْثَرُهُمْ يَرْتَكِبُوْنَ الْكَبَائِرَ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَّافِي الْقِيَامَةِ فَكُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ''.

حضرتؑ نے فرمایا: البتہ یہ روایت صحیح ہے، خدا کی قسم! ہمارے سب شیعہ بہشت میں داخل ہوں گے۔

عرض کی: یابن رسولؐ اللہ! اگر شیعوں سے گناہِ کبیرہ سرزد ہوئے ہوں؟

فرمایا، باوصف اس کے روزِ قیامت سب کے سب بہشت میں داخل ہوں گے۔

کتاب خرائج میں روایت ہے:

''اِنَّ رَجُلاً دَخَلَ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَشَكٰى اِلَيْهِ الْفَقْرَ''.

ایک دن ایک شخص امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میں نہایت محتاج ہو گیا ہوں۔

حضرتؑ اپنے غلام کی مصیبت سن کر رونے لگے۔ جب مجلس برخاست ہوئی اور لوگ باہر آئے تو اُن میں کوئی مخالفِ حضرتؑ بھی تھا، بنظر استہزاء کہنے لگا: تم لوگ گمان کرتے ہو کہ تمہارے امامؑ مستجاب الدعوات ہیں، حالانکہ عاجز ہو کر رونے لگے اور کچھ نہ کر سکے۔ وہ مؤمن وہیں سے پھرا اور دوبارہ حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

''يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ كَلَامُ الْمُخَالِفِ اَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ فَقْرِيْ''.

''یابن رسولؐ اللہ! مجھے اپنے فقر سے زیادہ اس دشمن کی شماتت کا صدمہ ہوا''۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تیری مشکل آسان کی''۔

پھر کنیز کو آواز دی اور کہا کہ میرا کھانا لا۔

خادمہ جَو کی ایسی دو روٹیاں لائی کہ اُن پر جا بجا بھوسی تھی۔ وہ مؤمن کہتا ہے کہ حضرتؑ نے دونوں روٹیاں مجھے دیں۔ میں لے کر باہر آیا۔ ہر طرف بازار میں دیکھتا چلا مگر کوئی چیز نظر نہ آتی تھی کہ اُن روٹیوں کے عوض میں لوں، یہاں تک کہ اپنے محلہ میں پہنچا۔ وہاں دو دکانیں تھیں جن کے دروازے پر دو شخص سایہ میں بیٹھے کچھ بیچ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک مچھلی رکھی ہے جس میں بو آ گئی ہے۔ اُس سے کہا کہ اس روٹی سے مچھلی بدل دے۔ وہ بولا کہ روٹی رکھ دے، مچھلی لے لے۔ پھر دوسرے سے وہ دوسری روٹی بھی دے کر نمک مول لیا اور اپنے گھر آیا۔

دروازہ بند کر کے مچھلی صاف کرنے لگا۔ مچھلی کے پیٹ سے ایک گوہر آبدار

بڑا لگا کہ کبھی نہ دیکھا تھا۔ ناگاہ کسی نے دروازے کی زنجیر ہلائی۔ جب میں نے کھولا تو دیکھا کہ وہی دونوں شخص وہی دونوں روٹیاں لئے ہوئے آئے ہیں۔ وہ بولے کہ بھائی! تو ایسا محتاج ہے کہ ایسی روٹیاں کھاتا ہے جو کسی سے نہیں کھائی جاتیں۔ ہم انہیں لے کر کیا کریں گے۔ ہم نے تجھ ہی کو یہ روٹیاں بھی اپنی طرف سے دیں۔

افسوس مؤمنین! وہ نہ جانتے تھے کہ وہ روٹیاں اُسی شخص کے کھانے کی ہیں۔ یہ نہ جانتے تھے کہ یہ امامِ زمانؑ، مالکِ زمین وآسمان کے کھانے کی ہیں۔ غرض وہ روٹیاں دے کر چلے گئے۔ اس کے بعد جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کے خادم نے دروازہ کی زنجیر ہلائی اور کہا کہ حضرتؑ نے فرمایا ہے کہ خدا نے تیری مشکل کو آسان کیا، اب خدا کا شکر ادا کر اور وہ روٹیاں ہمیں واپس کردے کہ وہ روٹیاں سوائے آلِ رسولؐ کے کوئی نہیں کھا سکتا۔

مؤمنین! سر پیٹنے اور خاک اُڑانے کا مقام ہے کہ ایسے زاہد اور معجز نما کو دشمنوں نے کیسے کیسے رنج وآزار دیئے۔ مرض کی شدت میں برہنہ شتر پر حضرتؑ کو سوار کیا۔ آپؑ کے ہاتھوں کو رسی سے باندھ کر گردن مبارک میں ڈال دیا۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں، شہروں اور بازاروں میں پھراتے ہوئے شام تک لے گئے۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہمیں طوق وزنجیر میں گرفتار دار الامارہ یزید کے دروازے پر پہنچایا گیا تو دخترانِ فاطمہؑ کے پاؤں دربار کی طرف نہ اُٹھتے تھے کہ وہاں اور لوگوں کے علاوہ سات سو کرسی نشین بیٹھے تھے۔

"اَقْبَلُوْنَا بِحِبَالٍ فَارْبَقُوْنَا مِثْلَ الْاَغْنَامِ".

اُس وقت وہ اشقیاء رسیاں لائے اور ہم اہلِ بیتؑ کو بھیڑ بکریوں کی طرح ایک جگہ باندھ دیا۔

"وَكَانَتِ الْحَبْلُ بِعُنُقِيْ وَبِكَتِفِ عَمَّتِيْ وَفِيْ زَنْدِ
اُمِّ كُلْثُوْمٍ وَعُنُقِ سُكَيْنَةَ وَكَتِفِ رُقَيَّةَ".

اس طرح سے کہ رسی کا ایک سرا تو میرے گلوئے مجروح طوق دار میں بندھا تھا اور میری پھوپھیوں کے بازو اور ہاتھ جکڑے ہوئے تھے اور میری بہن سکینہؑ اور رقیہؑ کا گلا بندھا ہوا تھا اور باقی سب بیبیاں اور بچے اُس میں بندھے تھے۔ جو چلنے میں قصور کرتا تھا، وہ شقی سروں پر نیزہ مارتے تھے، یہاں تک کہ تختِ یزید کے سامنے دربارِ عام میں گناہگاروں کی طرح کھڑا کیا گیا۔

میں نے کہا: اے یزید! تجھے کیا گمان ہے؟ اگر جنابِ رسولِؐ خدا ہمیں تیرے سامنے اس حال میں دیکھتے تو کیا کہتے؟

یہ سن کر اُس شقی نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کی رسیاں کھول دو۔ آہ! راوی کہتا ہے کہ ظالموں نے وہ رسیاں اس طرح کس کے باندھی تھیں کہ ہر چند چاہا مگر کھل نہ سکیں۔ آخر وہ ریسمانِ ظلم اُن بیکسوں کے گلوں اور بازوؤں سے کاٹ دی گئیں۔

پھر امام حسین علیہ السلام کا سر بریدہ تخت کے نیچے سے سامنے ایک طشت میں رکھا گیا۔ جنابِ زینبؑ نے جونہی اپنے بھائی کا فرقِ مطہر خاک وخون میں آلودہ اس ذلت سے طشت میں رکھا ہوا دیکھا تو بیتاب ہو کر سر وسینہ پیٹنے لگیں اور اس طرح بین کرنے لگیں:

"ہائے میرے بھائی! کل کی بات ہے کہ تمہارا یہ سر کبھی نانا رسولِؐ خدا کی آغوش میں، کبھی بابا علی مرتضیٰؑ کی گود میں، کبھی اماں فاطمہ زہراؑ کے سینہ پر رہتا تھا۔ اُسی کو ظالموں نے کبھی نیزہ پر چڑھایا، کبھی گھوڑے کے شکار بند میں باندھا، کبھی شاخِ درخت سے لٹکایا، کبھی صندوق میں مقفل کیا اور آج اس ذلت سے یزید کے سامنے رکھا ہے"۔

یہ کہہ کر تابِ ضبط باقی نہ رہی، طشت سے سر اُٹھا لیا اور سینہ سے لگا کر بار بار سوکھے ہونٹوں کے بوسے لینے لگیں اور کہنے لگیں:

بِنَفْسِيْ شِفَاهٌ ذَابِلَاتٌ مِنَ الظَّمَا
وَلَمْ تَحْظَ مِنْ مَاءِ الْفُرَاتِ بِقَطْرَةٍ

یہ بہن ستم دیدہ ان لب ہائے نازنین پر فدا ہو جو شدتِ تشنگی سے مثل برگِ گل خشک اور پژمردہ ہیں۔ فدا ہو یہ بہن اُن لبوں پر جن تک تین روز ایک قطرہ پانی کا نہ پہنچا۔

بِنَفْسِیْ عُیُوْنَ غَائِرَاتٌ شَوَاهِدٌ
اِلَی الْمَآءِ مِنْهَانَظْرَةٌ بَعْدَ نَظْرَةٍ

زینبؑ کی جان فدا ہو ان چشم ہائے انور پر جن میں شدتِ تشنگی کے سبب اور پانی کی نایابی کے باعث حلقے پڑ گئے ہیں اور قربان ہو اُن آنکھوں پر جو پیاس کی شدت میں بار بار حسرت سے فرات کی طرف دیکھتی رہیں اور مرتے دم تک ایک قطرہ پانی کا میسر نہ ہوا۔

روایتِ عزادارِ بحرین، دربارِ یزید میں اہلِ بیتؑ کا داخلہ، یزید سے جنابِ سکینہؑ کا مصائب بیان کرنا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ بَكٰى عَلٰى مُصَابِ الْحُسَيْنِ اَوْتَذَكَّرَاَوْجَلَسَ فِیْ مَجْلِسٍ اَوْخَدَمَ اَهْلَ الْعَزَآءِ كَاَنَّهٗ زَارَنِیْ عَلَی الْعَرْشِ اَرْبَعِیْنَ مَرَّةً مَعَ عَلِیٍّ".

رحمۃ للعالمین جنابِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مؤمن میرے نورِ عین مظلوم حسینؑ کے مصائب سن کر روئے یا ذکرِ مصائب کرے یا مجلس عزائے حسینؑ میں بیٹھے یا اہل عزاء کی خدمت کرے، گویا اُس نے عرشِ خدا پر چالیس مرتبہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ میری زیارت کی یعنی چالیس معراج کا ثواب اُس کو حاصل ہوگا۔

صاحبِ اسرار الشہادۃ لکھتے ہیں کہ شہر بحرین کے ایک عزاخانہ میں بہت سی عورتوں نے مشاہدہ کیا کہ کچھ بیبیاں نورانی صورت، جن کے چہروں سے شان و شوکت نمودار ہے، تشریف لائی ہیں، اس کیفیت میں کہ سب کے سب ماتمی لباس پہنے، سر کے بال بکھرائے، روتی پیٹتی ہیں اور اُسی حالت میں سامانِ مجلس سیدالشہداء ابھی کرتی جاتی ہیں۔

کوئی بی بی تنور روشن کرتی ہے، کوئی کھانا پکاتی ہے، کوئی فرش بچھا رہی ہے، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں سب سامان مہیا کر دیا۔

راوی کہتا ہے کہ زنانِ بحرین نے یہ کیفیت دیکھ کر اس قدر نوحہ و ماتم کیا کہ غش کر گئیں۔ بہت دیر کے بعد ہوش میں آئیں اور بعض کو اُس وقت افاقہ ہوا جب وہ مخدراتِ عظمٰی اُن کاموں سے فارغ ہو کر تشریف لے جا رہی تھیں۔ اُنہوں نے پوچھا کہ آپ لوگوں

کے اسمائے مبارک کیا ہیں؟

ایک بی بی نے فرمایا: میں اُمِ کلثومؑ دخترِ امیرالمؤمنینؑ ہوں اور یہ میری بہن زینبؑ ہیں اور وہ خدیجہ کبریٰؑ، جدۂ ماجدہ ہیں اور وہ بی بی ماتم زدہ جن کے چہرے سے نور ہویدا ہے، وہ جنابِ فاطمہ زہراؑ، حسینِ مظلومؑ کی والدہ ہیں۔ اس تنگ وقت میں تم سے سامان مہیا ہونا دُشوار تھا، ہم لوگ تمہارے دو کاموں کی اعانت کے واسطے آئے تھے، ایک اُس مظلومؑ کے سامانِ عزاداری کیلئے جو تین دن کا بھوکا پیاسا سالبِ دریا مثل گوسفندِ قربانی ذبح کیا گیا اور دوسرے اہلِ مجلس کی ضیافت کا سامان درست کرنے کیلئے تاکہ تم لوگوں کو اپنے مردوں سے اور اُن عورتوں سے جو اس مجلس میں آئی ہیں، ندامت نہ ہو۔

یہ فرما کر نظروں سے غائب ہوگئیں۔

مؤمنین! آپ نے جنابِ خاتونِ محشرؑ کی غلام نوازی و کنیز پروری کو ملاحظہ کیا۔ اُن کی کیا شفقت آپ لوگوں کے حال پر ہے اور کس ماتمی انداز میں وہ معصومہؑ مجلس میں شریک ہوتی ہیں اور کس کرب و قلق سے آپ لوگوں کے ساتھ روتی اور پیٹتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب وہ معصومہؑ مجلس میں تشریف لاتی ہیں تو مؤمنین میں جوشِ گریہ حد سے زیادہ ہوتا ہے اور وہ معصومہؑ کیونکر نہ روئیں کہ اُنؑ کے سترہ فرزند جو روئے زمین پر اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، روزِ عاشور تین دن کے بھوکے پیاسے تیغِ ظلم سے شہید ہوگئے اور اُنؑ کی صاحبزادیاں کنیزانِ زنگبار کی طرح ہر شہر و دیار میں تشہیر ہو کر یزید کے دربار میں داخل ہوئیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پدرِ بزرگوار امام زین العابدینؑ سے پوچھا کہ آپ کو یزید کے دربار میں کس طرح لے گئے تھے؟ آپ نے فرمایا:

"حَمَلَنِیْ عَلٰی بَعِیْرٍ بِغَیْرِ وِطَاءٍ وَرَاسُ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلٰی عَلَمٍ وَنِسْوَتُنَا خَلْفِیْ عَلٰی بِغَالٍ

وَحَوْلَنَا الرِّمَاحُ".

"اے فرزند! مجھے ایسے اونٹ پر سوار کیا گیا تھا جس پر نہ کجاوہ تھا، نہ محمل تھی۔ میرے پدرِ مظلومؑ کا سرِ بریدہ نیزے کی نوک پر آگے آگے اور ماں بہنیں بے مقنعہ و چادر سر برہنہ شترانِ بے عماری پر پیچھے پیچھے سوار آتی تھیں۔ ہزاروں خونخوار، سینکڑوں نیزہ دار اپنے حلقہ میں ہم اسیروں کو لئے ہوئے تھے اور یہ ممانعت تھی کہ کوئی بی بی اپنے وارث کو، کوئی یتیم اپنے باپ کو نہ روئے۔

ان مصیبتوں میں کیونکر ضبط ہو سکتا ہے؟ بے اختیار آنسو نکل پڑتے تھے۔ اُس کی سزا یہ ہوتی تھی کہ اشقیاء نیزوں کی نوکیں چبھو چبھو کر منع کرتے تھے۔ غرض کشاں کشاں اُس دربارِ عام میں لے گئے جسے یزید نے جنگ کی فتح کی خوشی میں اس طرح آراستہ کیا تھا کہ خود تختِ سلطنت پر کبر و نخوت سے بیٹھا شراب پی رہا تھا اور سات سو کرسی نشین دو رویہ اُس مجلس میں حاضر تھے۔ اس کے علاوہ ارکان و خدام کی یہ کثرت تھی کہ سب رواق و ایوان آدمیوں سے معمور تھا۔ اسی ہجومِ عام میں ہم بارہ قیدیوں کو اس ذلت و خواری سے گناہگاروں کی طرح کھڑا کیا گیا کہ ایک رسی میں سب کے سب، کسی کی گردن، کسی کا شانہ، کسی کے بازو بندھے ہوئے تھے اور بیٹھنے کا بھی حکم نہ تھا"۔

راوی کہتا ہے کہ اُس وقت بیمارِ کربلا نے یزید سے کہا کہ اگر تو اجازت دے تو میں کچھ کہوں؟ وہ ملعون بولا کہو مگر کوئی خلافِ شان کلمہ نہ کہنا۔ کس بیکسی سے آپ نے فرمایا:

"اے یزید! میں تیرے سامنے اس ذلت و خواری سے مقید کھڑا ہوں، کب زیبا ہے کہ کوئی نامناسب کلمہ کہہ سکوں؟ مگر اتنا پوچھتا ہوں کہ تیرا گمان کیا ہے؟ اگر جنابِ رسولِ خداؐ اپنی نواسیوں، بہوؤں کو تیرے سامنے اس حالت میں دیکھیں تو تیرے حق میں کیا فرمائیں گے؟"

یہ سن کر اُس شقی نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کی رسیاں کھول دو۔

مگر مؤمنین! وہ رسیاں ایسی زور سے بندھی ہوئی تھیں کہ کھولنے سے نہ کھلیں، آخر کاٹ دی گئیں۔ اس کے بعد یزید نے ایک ایک بی بی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا:

"مَنْ هٰذِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ".

یہ ستم دیدہ کون ہے؟ وہ آفت رسیدہ کون ہے؟

وہ ملاعین بتاتے تھے:

"هٰذِهٖ زَيْنَبُ وَهٰذِهٖ اُمُّ كُلْثُوْمٍ".

یہ زینبؑ وام کلثومؑ ہیں۔

صاحب انوار نعمانیہ لکھتے ہیں کہ یزید نے پھر پوچھا کہ یہ بچی کون ہے جو چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے منہ ڈھانپے کھڑی ہے؟

کسی نے کہا کہ یہ حسینؑ کی دختر ہے۔ وہ متوجہ ہو کر کہنے لگا: کیا تیرا نام سکینہؑ ہی ہے؟ حسینؑ ابن علیؑ تجھ کو بہت چاہتے تھے۔

وہ صاحبزادی رونے لگیں۔ یزید نے پوچھا کہ کیوں روتی ہے؟

اُس بچی نے اس طرح جواب دیا: "کیونکر نہ روئے وہ یتیم جس کے سر سے تین برس کے سن میں باپ کا سایہ اُٹھ جائے۔ پردیس میں بے پدر جان کر کوئی طمانچے مارے، کوئی ڈانٹے اور مجمع میں اس طرح کھڑی رہے۔ نہ کوئی چادر ہو، نہ کوئی اوڑھنے کی چیز ہو، نہ کوئی رومال ہو کہ تجھ سے اور تیرے اہل دربار سے منہ چھپائے"۔

یزید نے کہا: "اے سکینہؑ! اپنا کچھ حال جو اس قید میں تجھ پر گزری ہے، بیان کر"۔

جناب سکینہؑ نے فرمایا: "جو جو مصیبتیں میں نے کربلا سے یہاں تک اُٹھائی ہیں، کہاں تک بیان کروں۔ ایک یہی کہ جب تک بابا زندہ تھے، میں اُنؑ کے سینہ پر سوتی تھی۔ اب بابا سے بچھڑ کر آج تک سونا نصیب نہیں ہوا۔ کیونکر سوتی کہ تیری فوج نے میری یتیمی کے بعد جب ہم سب کو قید کر لیا تو مجھے ایک ایسے شتر لاغر و ناتواں پر بٹھایا کہ بار بار ٹھوکر

کھا کر گر پڑتا تھا۔ جب میں گرنے کے خوف سے پیدل چلتی تھی تو کہاں تک چلتی؟ تھک کر خود گر پڑتی تھی۔ اُس وقت یہ بے رحم زجر بن قیس جو تیرے سامنے کھڑا ہے، مجھے تازیانہ مارتا تھا۔ کون بچاتا؟ سب وارث تو مارے جا چکے تھے۔ ایک بھائی زین العابدینؑ جو باقی بچ گئے تھے، وہ خود ایسی مصیبت میں مبتلا تھے کہ کچھ بس نہ چلتا تھا۔ دشمنوں نے ہاتھوں اور پاؤں کو زنجیروں اور رسیوں سے جکڑ دیا تھا۔ گلے میں ایسا بھاری طوق تھا جس کی گرانی سے گردن سیدھی نہ ہو سکتی تھی۔ بیماری کی شدت، قید کی صعوبت سے پشت شتر پر اچھی طرح بیٹھ نہ سکتے تھے۔ غش کھا کھا کر زمین پر گر پڑتے تھے۔ راہ کی پستی و بلندی، اونٹ کی تکان سے، زنجیروں کی رگڑوں سے ساق پا زخمی ہو گئے تھے، مسلسل خون جاری تھا، کیا کرتے؟ ہم اُنؑ کو اور وہ ہم کو دیکھ کر روتے تھے۔ کسی سے کچھ نہ ہو سکتا تھا، یہاں تک کہ اسی مظلومیت کے ساتھ گرتے پڑتے، روتے پیٹتے مہینوں کی راہیں دنوں میں طے کرتے تیرے دربار تک آئے ہیں"۔

راوی کہتا ہے کہ جناب سکینہؑ کے اس بیان پر حاضرین مجلس میں ایک کہرام مچ گیا اور یزید باوجود سنگدلی کے بہت رویا اور کہنے لگا:

"خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر کہ اُس نے آلؑ رسولؐ پر بالکل ہی رحم نہ کیا"۔

دیگر آلِ عبا سے غمِ امام حسینؑ میں زیادتی کا سبب، دربارِ یزید میں اہلِ بیتؑ کا داخلہ اور زندان میں قید ہونا

فِیْ عُیُوْنِ اَخْبَارِ الرِّضَاعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ فَضْلٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْعَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ کَیْفَ صَارَیَوْمُ عَاشُوْرَاءَ یَوْمَ مُصِیْبَةٍ وَغَمٍّ.

کتاب عیون اخبار رضاؑ میں عبداللہ بن فضل سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: یابن رسولؐ اللہ! اس کا کیا سبب ہے کہ روزِ عاشور سب دنوں سے زیادہ مصیبت وغم کا دن ہوا، حالانکہ جناب سیدِ کائنات وحضرت امیرؑ و جناب سیدہؑ وامام حسنؑ کی وفات کے ایام عزاداری کیلئے سزاوار تر تھے؟

"فَقَالَ اِنَّ یَوْمَ قَتْلِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَعْظَمُ مُصِیْبَةً مِنْ سَائِرِ هٰذِهِ الْاَیَّامِ وَذٰلِکَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکِسَآءِ الَّذِیْنَ کَانُوْا اَکْرَمَ الْخَلْقِ عَلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ کَانُوْا خَمْسَةً".

حضرتؑ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا: تو نہیں جانتا کہ روزِ عاشورہ مصیبت میں سب دنوں سے بڑھ کر ہے، اُس دن پنجتنؑ کا خاتمہ ہوا۔ جب تک میرے جدامجد جناب سید الشہداءؑ زندہ تھے، چار بزرگواروں کا نشان باقی تھا۔

اے بھائی! محرم کی دسویں تاریخ سے زیادہ کون سا دن غم کا ہوگا؟ اُس دن نبیؐ کی قبر کا چراغ گل ہوگیا، فاطمہؑ کی لحد، حسنؑ کی قبر کا مجاور دُنیا سے اُٹھ گیا۔ علیؑ کا یادگار خلق میں کوئی

باقی نہ رہا۔

مؤمنین! خاصانِ خدا نے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائی ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کسی نبی و وصی کے عزیز وانصار وخویش تین دن کے بھوکے پیاسے آنکھوں کے سامنے مثل گوسفندانِ قربانی کے ذبح کیے گئے اور کسی نبی کی عترت مثل کنیزانِ ترک وروم کے شترانِ بے کجاوہ پر بغیر چادر ومقنعہ ہر شہر و دیار و کوچہ وبازار میں پھرائی گئیں؟ کس وصی کی ذریت رسن بستہ مجمع عام میں تشہیر ہو کر دربار حاکم نابکار میں مثل گنہگاروں کے کھڑی کی گئی؟

مؤمنین! یہ سب مصیبتیں فقط جنابِ سید الشہداءؑ اور اُنؑ کے اہل بیتؑ پر پڑیں۔

جنابِ صاحب الامر علیہ السلام زیارت میں فرماتے ہیں:

"یَاجَدَّاهُ یَااَبَاعَبْدِاللّٰهِ".

ظالموں نے آپؑ کے اہل حرم کو کنیزوں اور غلاموں کی طرح قید کیا۔

"وَصُفِّدُوْفِی الْحَدِیْدِ فَوْقَ اَقْتَابِ الْمَطِیَّاتِ".

آہ! اُن بے وارثوں کو طوق اور زنجیروں میں جکڑ کر ایسے اونٹوں پر بٹھایا جن پر نہ عماریاں تھیں، نہ محملیں تھیں۔

"تَلْفَحُ وُجُوْهُهُمْ حَرُّ الْهَاجِرَاتِ یُسَاقُوْنَ فِی الْبَرَارِیْ وَالْفَلَوَاتِ".

دھوپ کی شدت، آفتاب کی حرارت سے اُن کے پھولوں جیسے چہرے کملا گئے تھے۔ کبھی جنگلوں میں، کبھی صحراؤں میں، راہوں کی صعوبتیں، منزلوں کی مصیبتیں اُٹھاتے پھرتے تھے۔

"اَیْدِیْهِمْ مَغْلُوْلَةٌ اِلَی الْاَعْنَاقِ وَیُطَافُ بِهِمْ فِی الْاَسْوَاقِ".

اعداء نے اُن بیکسوں کے ہاتھ باندھ کر گردنوں میں ڈال دیئے تھے اور کشاں

کاں کو فہ و دمشق کے گلی کوچوں میں اور بازاروں میں لئے پھرتے تھے۔

"قَالَ الرَّاوِیُ کُنْتُ ذَاتَ یَوْمٍ فِیْ مَجْلِسِ یَزِیْدِ بْنَ مُعَاوِیَةَ اِذْسَمِعْتُ صَیْحَاتٍ وَزَعْقَاتٍ".

راوی کہتا ہے کہ میں ایک روز یزید کی محفل میں بیٹھا تھا، ناگاہ ایسی آواز نوحہ و شیون میرے کان میں آئی کہ دل گھبرانے لگا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

"فَرَاَیْتُ عِشْرِیْنَ نِسْوَةً کَسَبَایَاالرُّوْمِ وَالتُّرْکِ قَدْغَیَّرَتْ وُجُوْهُهُنَّ مِنْ اَثَرِالشَّمْسِ وَالْحَرِّ".

میں نے دیکھا کہ تقریباً بیس عورتوں کے قریب اُس مجلس میں اس خراب حالت میں آئیں جیسے ترک و روم کی کنیزیں ہوتی ہیں۔ دھوپ کی گرمی سے چہروں کے رنگ بدلے، رخساروں پر طمانچوں کے نشان، حلقے پڑی ہوئی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور قومِ جفا کار ایک ایک کو سامنے لاتے تھے اور یزید پلید پوچھتا تھا:

"مَنْ هٰذِهٖ وَمَنْ تَکُوْنُ".

یہ کون بی بی ہے اور وہ کون خاتون ہے؟

وہ لعین کہتے تھے:

"هٰذِهٖ زَیْنَبُ وَهٰذِهٖ اُمُّ کُلْثُوْمُ وَهٰذِهٖ سُکَیْنَةُ".

اے امیر! یہ زینبؑ، وہ اُمِ کلثومؑ دختران علیؑ ہیں اور یہ سکینہؑ دختر حسینؑ ہے۔

صاحبِ خلاصۃ المصائب لکھتے ہیں کہ اُس وقت اشعث ملعون نے یزید سے کہا: اے امیر! ان قیدیوں کو ایسے مکان کہنہ و خراب میں، جہاں سانپ اور بچھو رہتے ہوں، مقید کر کہ یہ خوف سے مر جائیں۔

یزید بولا کہ میں تو بادشاہِ وقت تھا، جو چاہا کیا، تجھے کیا ہے جو ان کے بارے میں یہ کہتا ہے؟

وہ بولا کہ محض تیری خوشی کیلئے کہتا ہوں۔

اُس شقی نے کہا کہ میں نے تجھے اختیار دیا۔

اللہ اکبر! کیا عداوت تھی اہلِ بیتؑ سے! وہ شقی تلاش کرنے لگا، شہر پناہ کے قریب ایک مکان پایا۔ سات سو برس سے خالی پڑا تھا اور حشرات الارض سے بھرا ہوا تھا۔ اُس میں ان مصیبت زدوں کو قید کیا۔

منقول ہے کہ وہ سب سانپ اور بچھو جمع ہو کر خدمتِ باسعادت جنابِ سید الساجدین علیہ السلام میں آئے اور پاؤں پر گر کر بوسے دینے لگے، آنکھیں ملتے تھے اور بے اختیار روتے تھے۔

جنابِ زینبؑ واُمِ کلثومؑ نے فرمایا: اے میرے فرزندؑ! ان کا کام کاٹنا اور ڈنک مارنا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب تمہارے پاؤں پر پڑے روتے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: اے پھوپھی زینبؑ! آپؑ انہی سے پوچھیے۔

جنابِ زینبؑ نے اُن سانپوں اور بچھوؤں سے رونے کا سبب پوچھا تو وہ سب قدرتِ خدا سے گویا ہوئے:

اے دخترِ رسولؐ! ہم سات سو برس سے یہاں مقیم ہیں اور جنابِ عیسیٰؑ نے ہمیں پیامِ پروردگار پہنچایا تھا کہ اے سانپو اور بچھوؤ! ایک وقت ایسا آئے گا کہ پیغمبر آخرالزمانؐ کے اہلِ بیتؑ طوق و زنجیر پہنے اس مکان میں مقید ہوں گے۔ تم سب چاروں طرف پھرنا اور اہلِ بیتؑ کی حرمت نگاہ میں رکھنا اور جو ملعون حرم سرا کی بے ادبی کرے، تم سب جمع ہو کر اُس کو کاٹنا کہ تمہاری ہیبت سے اپنے ارادہ سے باز رہے۔

جنابِ زینبؑ نے فرمایا کہ خوشا حال تمہارا اے سانپ اور بچھوؤ کہ تم مصیبتِ اہلِ بیتِ رسالتؐ میں شریک ہوئے۔

پس جب تک اہلِ بیتؑ اُس مکان میں مقید رہے، وہ سب ہر طرف سے محافظت

کرتے تھے اور جو ملعون آنے کا قصد کرتا تھا، وہ تمام جمع ہو جاتے تھے اور وہ اشقیاء بھاگ جاتے تھے۔ جا کر یزید کو خبر دیتے تھے۔ وہ شقی کہتا تھا، الحمدللہ! میرے دشمن سزا کو پہنچے۔

مؤمنین! حیوانات غیر جنس جو کہ مکلف نہیں ہیں، حضرت عیسیٰ کے کہنے سے تو پاسداری کریں لیکن وہ لوگ کیسے انسان تھے کہ جس نبی کا کلمہ پڑھتے تھے، اُنہی کی ذریت کو باوجودیکہ پیغمبرؐ نے اُن کی اطاعت کی تاکید بھی کی تھی، تکلیفوں پر تکلیفیں اور ایذاؤں پر ایذائیں دیتے تھے۔

پیغمبرِ خداؐ کا جنابِ سیدہؑ کو شہادتِ امامؑ کی خبر دینا، اہلِ بیتؑ کا دربارِ یزید میں داخلہ سرِ امامؑ کا جنابِ سکینہؑ و امام سجادؑ سے کلام

رُوِیَ اَنَّہُ لَمَّا اَخْبَرَ النَّبِیُّ اِبْنَتَہُ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَاءِ بِقَتْلِ وَلَدِھَا الْحُسَیْنِ وَمَا یَجْرِیْ عَلَیْہِ مِنَ الْمِحَنِ

منقول ہے کہ ایک روز شفیعِ روزِ جزاء جنابِ رسولِ خداؐ نے اپنی صاحبزادی جنابِ سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو اپنے نورِ عین امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دی اور جو جو مصائب اُس مظلومؑ پر اس اُمتِ جفاکار اور قومِ اشرار کے ہاتھ سے گزرنے والے تھے، بیان فرمائے۔

"بَکَتْ فَاطِمَۃُ بُکَاءً شَدِیْدًا وَقَالَتْ".

یہ سن کر جنابِ سیدہؑ شدت سے روئیں اور فرمایا: "بابا! یہ سانحہ میرے حسینؑ پر کس زمانہ میں ہوگا؟"

فرمایا: "اے فاطمہؑ! جب حسینؑ ان بلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوگا، اُس وقت نہ میں ہوں گا، نہ تم ہوگی، نہ علیؑ ہوں گے"۔ معصومہؑ نے پوچھا:

"یَا اَبَتِ فَمَنْ یَبْکِیْ عَلٰی وَلَدِیْ وَمَنْ یَلْتَزِمُ بِاِقَامَۃِ الْعَزَآءِ".

"اے پدرِ بزرگوار! جب ہم میں سے کوئی نہ ہوگا تو کون میرے مظلومؑ پر روئے گا اور کون اُس غریب کی مجلس و ماتم برپا کرے گا؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے فاطمہؑ، اے پارۂ جگر! اس کا غم نہ کر۔

"اِنَّ نِسَاءَ اُمَّتِی یَبْکِیْنَ عَلٰی نِسَاءِ اَهْلِ بَیْتِی وَ
رِجَالَهُنَّ یَبْکُوْنَ عَلٰی رِجَالِ اَهْلِبَیْتِی".

بہ تحقیق میری اُمت کی عورتیں زنانِ اہل بیتؑ کی مصیبتوں پر روئیں گی اور اُن کے مرد اہل بیتؑ کے مردوں کے حال پر روئیں گے اور ہر سال میرے حسینؑ سامانِ ماتم و مجلس عزاء کو برپا کریں گے۔ جب روزِ قیامت ہوگا تو تم اُن کی عورتوں کی شفاعت کرنا، میں اُن کے مردوں کی شفاعت کروں گا۔ جو مومن میرے حسینؑ غریب کے حال پر روئے گا، اُس کا ہاتھ پکڑ کر بہشت میں داخل کروں گا۔

"یَافَاطِمَةُ کُلُّ عَیْنٍ بَاکِیَةٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا عَیْنٌ
بَکَتْ عَلَی الْحُسَیْنِ".

اے فاطمہؑ! روزِ قیامت عجب ہولناک دن ہوگا کہ تمام خلائق کی آنکھیں اُس روز گریاں ہوں گی مگر وہ چشم جو میرے نورِ چشم حسینؑ غریب کی مصیبت پر روئی ہوگی، اُس چشم کا مالک اُس روز خوش وخرم محشور ہوگا اور اُس کو نعمت ہائے بہشت کی بشارت دی جائے گی۔

شیخ محمد کاظم کاظمینی بیان کرتے ہیں کہ کسی ملک میں ایک زنِ یہودیہ مگر باطن میں مسلمان، مظلومِ کربلا پر فدا تھی اور بخوفِ شوہر تقیہ میں بسر کرتی تھی۔ مگر جہاں عزائے سبطِ رسول الثقلین کی خبر سنتی تھی، اپنے شوہر سے پوشیدہ جا کر گریہ وزاری کیا کرتی تھی۔ ایک سال اُسے ایسا موقع ومحل ہاتھ نہ آیا کہ شریکِ غمِ عزا ہو۔ اس وجہ سے اُسے بے انتہا ملال رہتا تھا۔ حسبِ اتفاق اُس کے محلہ میں ایک مومن کے یہاں مجلس و ماتم برپا تھا۔ یہ مومنہ زنِ یہودیہ باوجود اس کے کہ اس کے شوہر نے اُس روز چالیس یہودیوں کی دعوت کی تھی اور سامانِ دعوت اُس نے کچھ نہ کیا تھا، خبر سنتے ہی بیتاب ہو کر حاضر ہوئی اور خوب گریہ وزاری کی اور ایسی محوِ بکاء و ماتم ہوئی کہ اپنے گھر کے کاروبار کا خیال بالکل نہ رہا اور شام تک عزائے امام میں مصروف رہی۔

جب مجلس تمام ہوئی اور لوگ اپنے اپنے گھر گئے تو اس مومنہ کو خیال آیا کہ آج میرے گھر مہمان آئیں گے اور کچھ سامانِ دعوت میں نے نہیں کیا بلکہ فرش تک نہیں بچھایا۔

پس بیوی اپنے شوہر کے خوف سے لرزاں وترساں مکان پر آئی۔ دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی دماغ بوئے مشک وعنبر سے معطر ہوگیا، روح تازہ ہوگئی۔ حیران ہو کر ہر طرف دیکھنے لگی کہ یہ خوشبو کہاں سے آتی ہے۔ وہ اس حیرت میں مکان کے اندر جا کر کیا دیکھتی ہے کہ سارا مکان آراستہ ہے۔ فرش تکلف سے لگا ہوا ہے۔ جابجا شمعِ کافوری وفانوسِ بلوری عجب قرینے سے رکھے ہیں اور چند بیبیاں نورانی صورت کاروبارِ خانہ وانتظامِ طعام میں مصروف ہیں۔

ایک معظمہ جو نہایت نورانی صورت رکھتی ہیں، بیٹھی تنور روشن کر رہی ہیں۔ ایک بی بی برتن دھوتی ہیں، کوئی مخدومہ کھانا پکاتی ہیں اور ایک بچی سرخ پوش جس کے کان زخمی ہیں، جاروب کشی میں مصروف ہے۔ جب کوئی بی بی اُس سے جھاڑو مانگتی ہے تو وہ نہیں دیتی۔ اپنے یہاں کا یہ حال دیکھ کر اُن بیبیوں کو مشغولِ کاروبار پا کر شدید حیران ہوئی کہ ان بیبیوں کو نہ میں نے کبھی اپنے محلہ میں، نہ کسی اور مہمانداری میں دیکھا، نہ مجھ سے شناسائی ہے، پھر کیونکر یہ میرے بدلے خدمت کر رہی ہیں؟

الغرض اُن معظمہ کے قریب جو لبِ تنور رونق افروز تھیں، جا کر مودبانہ سلام کیا اور دست بستہ عرض کرنے لگی: "اے خاتونِ معظمہ! آپ کون بیبیاں ہیں کہ مجھ ناچیز کے غریب خانہ کو سرفراز فرمایا ہے؟"

اُن معظمہ نے آبدیدہ ہو کر ارشاد فرمایا: "اے نیک بخت! تو کہاں گئی تھی؟"

اُس نے عرض کی: "حسینؑ غریب کی مجلس عزا میں شریک تھی"۔

اُن بی بی نے فرمایا: "آہ! میں آفت زدہ اُسی تشنہ لب حسینؑ مظلوم کی ماں فاطمہ زہراؑ ہوں۔ تو میرے غریب فرزند کی مجلس میں گئی تھی اور یہاں تیرے گھر مہمان آنے والے

تھے، مجھے کب گوارا تھا کہ تو مجلس عزا سے آ کر اپنے شوہر کی خفگی اُٹھاتی اور مہمانوں سے شرمندہ ہوتی۔ پس ہم لوگ تیرے سامانِ دعوت میں مصروف ہوئے۔ وہ زینبؑ اور یہ اُمِ کلثومؑ خواہرانِ حسینؑ ہیں اور وہ بچی اُسی مظلومؑ کی دختر میری پوتی سکینہؑ ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے کھانا پکایا ہے اور اُن بیبیوں نے فرش بچھایا ہے"۔

یہ فرما کر وہ تمام مخدراتِ عصمت وطہارت نظروں سے غائب ہو گئیں۔ اسی اثناء میں اُس کا یہودی شوہر چالیس مہمانوں کے ساتھ داخل ہوا۔ نکہتِ مشک وعنبر سے سب کے مشام معطر ہو گئے۔ اُس کے شوہر نے پوچھا: "یہ خوشبو کیسی ہے؟"

اُس نے تمام حال مفصل بیان کیا۔ لیکن اُس کو اعتبار نہ آیا۔ مگر جب وہ سب مہمان اور میزبان دسترخوان پر بیٹھے اور چاہا کہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائیں، ناگاہ غیب سے ایک آواز آئی: "خبردار! اسلام کے بغیر ہرگز کھانے کو ہاتھ نہ لگانا کیونکہ یہ کھانا خاص بنتِ پیغمبرؐ کے دستِ اطہر کا پکایا ہوا ہے"۔

یہ آواز سن کر وہ سب یہودی متحیر ہوئے اور اُس مؤمنہ زنِ یہودیہ سے دوبارہ حال پوچھا۔ اُس نے پھر یہ تفصیل بیان کی۔ اُس وقت وہ تمام چالیس یہودی اور صاحبِ خانہ صدقِ دل سے ایمان لائے اور اُس روز سے عزاداریٔ جنابِ امام حسینؑ میں دل وجان سے مشغول ہو گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب وہ چالیس مہمان مع میزبان درِ خانہ سے گھر میں جانے لگے تو ایک مردِ بزرگ جلیل القدر نے ظاہر ہو کر ارشاد فرمایا: "خبردار! نبوتِ خاتم الانبیاءؐ کے اقرار کے بغیر اندر قدم نہ رکھنا کہ یہ مکان خاتونِ جنتؑ نے آراستہ کیا ہے"۔

چنانچہ وہ سب یہودی خلوصِ دل سے ایمان لائے اور گھر میں آئے اور اُس مؤمنہ سے حال من وعن دریافت کیا۔

مؤمنین! آپ نے امام حسین علیہ السلام کی مجلس کے فضائل اور جنابِ سیدہؑ کی

شفقت کو ملاحظہ کیا۔ خیال کیجئے کہ جب دُنیا میں اُن معصومہؑ کو اپنے فرزند کے ماتمداروں کا اتنا پاس ولحاظ ہے تو روزِ قیامت وہ کب گوارا فرمائیں گی کہ آپ جہنم میں داخل ہوں۔ ایک ایک ماتمدار اور رونے والے شیعہ کا ہاتھ تھامیں گی اور اپنے ہمراہ بہشت میں لے جائیں گی۔ شرطِ غلامی یہی ہے کہ تاعمر غلامانِ اہل بیتؑ اُس مظلومؑ کی مصیبت پر روئیں اور پیٹیں جو تین دن بھوکا پیاسا کربلا کی زمین پر شہید ہو گیا اور جس کے اہل بیتؑ رسن بستہ مثل کنیزانِ حبش وزنگبار یزید کے دربار میں داخل کئے گئے۔

قَالَ الرَّاوِیُ کُنْتُ ذَاتَ یَوْمٍ فِیْ مَجْلِسِ یَزِیْدَ اِذْ سَمِعْتُ صَیْحَاتٍ وَزَعْقَاتٍ.

راوی کہتا ہے کہ میں یزید کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا، ناگاہ ایسی آوازِ نوحہ وشیون میرے کان میں آئی کہ میرا دل گھبرانے لگا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ناگاہ میں عورتوں کو ترک و روم کی کنیزوں کی طرح دیکھا کہ اُس محفل میں چلی آ رہی ہیں۔ دھوپ کی تیزی برداشت کرتے کرتے چہروں کے رنگ بدل گئے ہیں۔ منہ پر طمانچوں سے رخساروں پر نیل پڑ گئے ہیں۔ روتے روتے کسی میں حالت باقی نہیں ہے۔

منقول ہے کہ وہ بے وارث خواتین اور یتیم بچے راہوں کی منزلوں کی گرد میں اَٹے، بدنوں کے کرتے پھٹے ہوئے، عجب حالِ خراب سے یزید کے تخت کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے۔ اُس لعین نے نہ پہچانا۔ اہلِ فوج سے کہنے لگا کہ پہلے ان کنیزوں کو کیوں لائے ہو؟ عترتِ رسولِ خداؐ کہاں ہیں؟

وہ اشقیاء بولے: اے امیر! یہ کنیزیں نہیں، مہینوں کی مسافت، راہ کی صعوبت، آفتاب کی حرارت، بھوک و پیاس کی شدت، اونٹ کی تکان کی اذیت سے ان کی صورتیں بدل گئی ہیں۔ یہی عالم کی شہزادیاں، نبیؐ کی نواسیاں، فاطمہؑ کی بیٹیاں ہیں۔

"هٰذِهٖ زَیْنَبُ وَهٰذِهٖ اُمُّ کُلْثُوْمٍ وَهٰذِهٖ فَاطِمَةُ وَهٰذِهٖ

رُقَیَّۃُ"۔

یہ زینبؑ، وہ اُمِ کلثومؑ ہیں۔ یہ فاطمہ کبریٰؑ، وہ رقیہؑ ہیں۔

صاحب مصائب الشہید لکھتے ہیں کہ جب اہل بیتؑ طاہرین دربار میں داخل ہوئے تو یزید نے دیکھا کہ ایک صاحبزادیؑ نہایت صغیر تین چار برس کی اُن قیدیوں میں شرمائے ہاتھوں سے منہ چھپائے کھڑی ہے۔ وہ ملعون پوچھنے لگا کہ یہ بچی کون ہے؟ کسی نے کہا کہ سکینہؑ بنتِ حسینؑ ہے۔ اُس بے حیا کو اُس بچی کی صغر سنی اور اُس حجاب سے کمال استعجاب ہوا، کہنے لگا:

"تو ابھی طفل قلیل العمر ہے، نامحرموں سے حجاب کیا ضروری ہے؟"

جنابِ سکینہؑ نے عجب طرح کا جواب دیا: "ہم اہل بیتِ رسولؐ ہر چند عمر میں کم و زیادہ ہیں مگر قرآن کی چھوٹی بڑی سورتوں کی طرح مرتبہ میں یکساں ہیں"۔

اس کے بعد وہ لعین پوچھنے لگا: "تو وہی سکینہؑ ہے جس کو حسینؑ ابن علیؑ بہت پیار کرتے تھے؟"

اُس بچی نے کہا: "ہاں، میں وہی لاڈلی ہوں جس کو بابا اپنے سینہ پر سلاتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے میوے کھلاتے تھے۔ آج تیرے سامنے اس ذلت سے کھڑی ہوں"۔

اُس نے پوچھا: "کون سے میوے کھلاتے تھے؟"

فرمایا: "اَلرُّطَبَ اَلرُّطَبَ"۔

اُس بے رحم کو منظور ہوا کہ اُس یتیم کا دل اور دُکھائے۔ تخت کے نیچے اشارہ کر کے بولا: "دیکھ! اس طشتِ طلا میں کیا عمدہ رطب میں نے تیرے واسطے رکھے ہیں؟"

جنابِ سکینہؑ نے جو سرپوش اُٹھایا تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک سر خون میں تر، خشک لب، آنکھیں کھلی، اُس طشت میں رکھا ہے۔ دیکھتے ہی پہچانا کہ یہ تو میرے بابا حسینؑ کا سر ہے۔ جھک کر اُٹھالیا اور سینے سے لگا کر زار زار رونے لگیں اور کہنے لگیں: "بابا جان! آپ

کے بعد ہم پر کیا کیا ظلم و ستم ہوئے۔ شمر نے طمانچے مارے، کان سے دُر چھین لئے۔ آپؑ کی لاش پر جی بھر کے رونے بھی نہ دیا"۔

اُس سرِ مطہر نے اعجاز سے آواز دی:

"فِدَاکِ رُوْحِیْ وَقَلْبِیْ"۔

"تیری اس غربت و یتیمی پر باپؑ نثار ہو۔ اے سکینہؑ! نہ رو کہ تیرے رونے سے میری روح کو صدمہ پہنچتا ہے"۔

اتنے میں ایک ملعون تازیانہ بکف آیا اور جھڑک کر کہنے لگا کہ تو نے سر کیوں اُٹھا لیا؟ وہ بچی دیکھتے ہی سہم گئی اور چپکے چپکے رونے لگی۔ ناگاہ اُس شقی کے بالائے سر ایک ہاتھ غیب سے ظاہر ہوا اور آواز آئی: "اے بے رحم! یہ تو کیا کرتا ہے؟ دُور ہو جا ورنہ ابھی واصل جہنم ہوگا"۔

یہ سنتے ہی وہ لعین مع تازیانہ زمین پر گر پڑا۔ اُسی کتاب میں منقول ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام کی یزید ملعون سے سرِ دربار گفتگو ہوئی اور اُس مردود نے حضرتؑ کے قتل کا حکم دیا، اُس وقت سب بیبیاں دوڑ کر بیمارِ کربلا سے لپٹ گئیں اور فریاد کرنے لگیں، خصوصاً جنابِ اُمِ کلثومؑ مدینہ کی طرف رُخ کر کے یوں استغاثہ کرنے لگیں:

اُنَادِیْکَ یَا جَدَّاہُ یَا خَیْرَ مُرْسَلٍ
حُسَیْنُکَ مَقْتُوْلٌ وَنَسْلُکَ ضَائِعٌ

اے ناناؐ! آپ کی اُمت نے تو ہمارے سب وارثوں کو قتل کیا۔ ایک فرزندِ علیل بچ گیا ہے، اُس کو بھی چاہتے ہیں کہ شہید کریں اور دُنیا میں آپ کی نسل قطع ہو جائے۔

جنابِ زینبؑ کو تابِ ضبط نہ رہی، چاہا کہ آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر اُن ظالموں پر نفرین کریں۔ قربان صبر جنابِ رئیس الصابرین پر! ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے: "اے پھوپھی! کیا غضب کرتی ہیں؟ میرے پدرِ بزرگوار کی تمام ریاضت برباد ہو جائے گی۔ صبر کیجئے، کس

کی طاقت ہے جو مجھے قتل کرے۔ اس وقت جدِ نامدار علی مرتضیٰؑ اور پدرِ مظلومؑ میری امداد کو تشریف لائے ہیں"۔

یہ کہہ کر وہ جناب سرِ مطہر امام حسینؑ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: "بابا جان! آپؑ میرا صبر و تحمل اور اُن بے رحموں کی شقاوت ملاحظہ فرماتے ہیں؟"

ابھی یہ کلام تمام نہ ہوا تھا کہ سرِ بریدۂ امامؑ سے آواز آئی: "اے یزید! تو نے ہمارا سارا گھر قتل کر دیا۔ مدینہ رسولؐ ویران و برباد ہو گیا۔ جو ظلم تو کر چکا، کیا کم ہیں جواب اس باقی خاندانِ رسالتؐ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے؟ خبردار! ایسا نہ کرنا ورنہ ابھی تختِ سلطنت اُلٹ کر خاک ہو جائے گا"۔

یزید لعین یہ سن کر ڈر گیا اور اس ظلم سے باز رہا۔ جنابِ سکینہؑ نے پدرِ بزرگوار کی جو یہ شفقت اپنے برادرِ علیل پر دیکھی تو اپنے پھٹے ہوئے کرتے کا دامن پھیلا کر کہنے لگیں: "بابا جان! اس وقت آپؑ نے میرے بھائی کو قتل سے بچا لیا، مجھ کو کیوں بھول گئے؟ دیکھتے ہیں کہ میں کس ذلت و خواری سے یزید کے سامنے کھڑی ہوں؟ میں وہی لاڈلی بیٹی ہوں جسے آپؑ اپنے سینہ سے جدا نہ کرتے تھے۔ اس وقت میری گود میں آیئے، میں آپؑ کو سینہ سے لگا لوں"۔

اللہ اللہ! باپؑ کو بیٹی سے کیا محبت تھی! فوراً سرِ اطہر طشت طلا سے بلند ہوا اور آغوش میں چلا آیا۔ جنابِ سکینہؑ نے کس پیار سے اُس سرِ اطہر کو سینہ سے لپٹا لیا اور منہ پر منہ رکھ کر لب ہائے خشک کے بوسے لینے لگیں۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب وہ بچی اپنے باپؑ کے بوسے لیتی تھی تو لب ہائے حسینؑ بھی ہلتے تھے۔ گویا آپؑ بھی اپنی بیٹی کے بوسے لیتے تھے۔

آہ مومنین! ابھی وہ صاحبزادیؑ اچھی طرح پیار نہ کرنے پائی تھی کہ ایک بیدرد نے دوڑ کر سرِ اطہر امام حسینؑ کو چھین لیا اور اُس بچی کا کچھ بس نہ چلا۔ وہ روتی پیٹتی رہ گئی۔

پانی پلانے کا ثواب، نامِ امامؑ پر ایک مومنہ کا پانی پلانا، دربارِ یزید میں جنابِ سکینہؑ کا بے چین ہونا

"عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ مَنْ اَطْعَمَ مُؤْمِنًا مِنْ جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ".

جناب سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کسی بھوکے کو کھانا کھلائے تو پروردگارِ عالم اُس دیندار کو بہشت کے میوے کھلائے گا۔

"وَمَنْ سَقٰى مُؤْمِنًا مِنْ ظَمَاٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ".

اور جو کوئی برادر مومن کو پیاس کی شدت میں پانی پلائے، اللہ تعالیٰ اُس کو روزِ محشر جامِ کوثر اور آبِ سلسبیل سے سیراب کرے گا۔

وَمَنْ كَسٰى مُؤْمِنًا كَسَاهُ اللّٰهُ مِنَ الثِّيَابِ الْخُضْرِ.

اور جو صاحبِ توفیق کسی بے لباس مومن کو لباس پہنائے گا تو خالق اکبر اُس کو بہشت کے حلہ ہائے سبز رنگ سے مزین فرمائے گا۔

"وَعَنِ الْبَاقِرِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اِبْرَادَ الْكَبِدِ الْحَرَّاءِ وَمَنْ سَقٰى كَبِدًا حَرَّآءَ مِنْ بَهِيْمَةٍ اَوْ غَيْرِهَا اَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمًا لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ".

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی پیاسے کی سوزشِ قلب کو بجھائے تو اللہ تعالیٰ اُس کو دوست رکھتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی انسان یا حیوان کے کلیجے کو

پیاس کی شدت میں ٹھنڈا کرے تو جس روز آفتاب کی تمازت میں سوائے رحمتِ خدا کے کوئی سایہ نہ ہوگا، اُس دن وہ شخص رحمتِ خداوندی کے سایہ میں رہے گا۔

منقول ہے کہ کسی شہر میں ایک زنِ نادار اہلِ بیتؑ کی محب تھی۔ اُس کو جو کچھ حاصل ہوتا تھا، اُس کو خامس آلِ عبا کی مجلس عزاء برپا کر کے صرف کرتی اور جب کچھ میسر نہ آتا تو دوسری مجالس میں بیٹھ کر روتی پیٹتی تھی۔ اگر کہیں مجلس نہ ملتی تو امامِ تشنہ کام کے نام پر پانی کی سبیل لگا کر پیاسوں کو سیراب کرتی تھی۔

غرضیکہ اُس کو ہمیشہ ایسا ہی مشغلہ تھا جس میں مظلومؑ کربلا کی یاد رہے۔ ایک روز چند زنانِ محلہ کے ساتھ قبرستان کی طرف گئی۔ سب عورتیں اپنے اقارب کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے لگیں مگر یہ مؤمنہ مشکیزۂ آب کاندھے پر رکھ کر ہر طرف پھرنے لگی اور کہتی تھی کہ یہ امامؑ تشنہ لب کی نذر ہے، جو پیاسا ہو، پانی پی لے۔

اگر کسی نے کہا کہ اس جگہ تو کس لئے آئی ہے؟ اپنے عزیزوں کی زیارت نہیں کرتی؟ وہ کہتی تھی کہ میرا کوئی دوسرا سوائے امام حسینؑ کے نہیں۔ آقا یا عزیز جو کچھ ہیں، یہی ہیں۔ آہ! جب میرے آقا شہید ہوئے تو کوئی اُنؑ کی لاش پر رونے والا اور فاتحہ خوان نہ تھا۔ میں سوائے انؑ کے کس کی فاتحہ خوانی کروں؟

اسی طرح وہ مؤمنہ ایک ایک کو پانی پلاتی تھی۔ ناگاہ اُس مقبرے کی طرف جہاں اُس کے اقرباء کی قبریں تھیں، گزر ہوا۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک مخدومہؑ اجنبی، نورانی صورت قبروں پر فاتحہ پڑھتی ہیں۔ متحیر ہو کر کہنے لگی: ''اے بی بی! تم تو میری قوم وقبیلہ کی نہیں معلوم ہوتیں، کون ہو؟ کیا سبب ہے جو میرے عزیزوں پر فاتحہ پڑھتی ہو؟ تمہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے جو یہاں فاتحہ پڑھتی ہو''۔

اُنہوں نے فرمایا ''تو کس کے نام پر پانی پلاتی ہے اور روتی ہے؟''

وہ مؤمنہ بولی ''میں تو اپنے آقا امام حسینؑ کی خدمت گزاری میں مشغول ہوں''۔

یہ سنتے ہی اُن مخدومہؑ نے ایک آہِ سرد کھینچ کر کہا: ''میں اُسی مظلومؑ تشنہ کام کی ماں فاطمہ زہراؑ ہوں۔ تو اپنے عزیزوں کی فاتحہ خوانی چھوڑ کر میرے فرزند کی خدمت میں معروف ہے، میں تیرے عزیزوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھتی ہوں''۔

اُس مؤمنہ نے چاہا کہ جھک کر قدمِ مبارک کے بوسے لے مگر وہ خاتونِ معظمہ نظروں سے غائب ہو گئیں اور یہ روتی پیٹتی رہ گئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جنابِ سیدہؑ نے چلتے وقت ایک نوشتہ اُس مؤمنہ کو دے کر فرمایا: ''یہ تیرے لئے نجاتِ دوزخ کی سند ہے''۔

وہ مؤمنہ کاغذ لئے ہوئے اپنے گھر چلی۔ اثنائے راہ میں ایک نقاب پوش سوار نمودار ہوا اور اُس ضعیفہ کے قریب آ کر کہنے لگا: ''مادرِ حسینؑ نے جو تحریر تجھ کو دی ہے، کہاں ہے؟ مجھے دے کہ میں بھی اُس پر اپنی گواہی کر دوں''۔

وہ متحیر ہو کر بولی: ''آپ کون ہیں جو بی بی کی تحریر پر اپنی دینا کرنا چاہتے ہیں؟''

اُس سوار نے کہا: ''میں جنت و نار کا تقسیم کرنے والا مظلومؑ حسینؑ کا باپؑ ہوں۔ میں بھی تیرے خلوص اور خدمت گزاری کا گواہ ہوں''۔

یہ فرما کر آپؑ نے بھی اُس کاغذ پر اپنے دستِ مبارک سے گواہی لکھ دی۔

مؤمنین! جنابِ سیدہؑ اور جنابِ امیرالمؤمنینؑ کی شفقت کو آپ نے ملاحظہ کیا جو وہ عاشقانِ حسینؑ کے ساتھ رکھتے ہیں۔ پس خوشا حال اُن لوگوں کا جو برابر مجالسِ عزاء میں شریک ہوتے ہیں اور اُس مظلومؑ کی مصیبت پر روتے ہیں جو اعداء کے ظلم سے رُلا رُلا کر شہید کیا گیا، جس کے خیمے جلائے گئے اور جس کے اہلِ بیتؑ لوٹے گئے، یہاں تک کہ اُنؑ کے فرزندِ علیل پر بھی کسی نے رحم نہ کھایا۔

چنانچہ منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب اعدائے دین خیمہ عصمت میں داخل ہو گئے اور اہلِ حرم کی غارتِ اسباب میں مشغول ہوئے، اُس وقت

امام زین العابدینؑ شدتِ بیماری سے ایسے ضعیف وناتواں تھے کہ ہلنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ ایک گوسفند کی کھال پر غش میں پڑے تھے۔ ایک لعین تلوار کھینچے سرہانے آیا، پس اُس ملعون نے وہ کھال بھی کھینچ لی اور حضرتؑ منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد تاراجی کی۔ اہل بیتؑ کو زنجیر ہائے آہنی میں جکڑا گیا اور اُن کے ہاتھوں کو گردنوں میں باندھ کر شترانِ بے کجاوہ وعماری پر بٹھایا اور اس طرح لے چلے جیسے کنیزوں اور غلاموں کو لے جاتے ہیں۔

"قَالَ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ لَمَّا اَمَرَ یَزِیْدُ بِاِدْخَالِنَا عَلَیْهِ اَقْبَلُوْنَا بِحِبَالٍ".

جنابِ علی ابن الحسین علیہما السلام فرماتے ہیں کہ جس وقت یزید لعین نے ہم اہل بیتؑ کو اپنے سامنے طلب کیا، اُس وقت وہ لعین رسیاں لے کر آئے۔

"فَارْبَقُوْنَا مِثْلَ الْاَغْنَامِ".

اور ہم کو اس طرح باندھ لیا جیسے قصاب بکریوں کو باندھتے ہیں۔

"وَکَانَتِ الْحَبْلُ بِعُنُقِیْ وَبِکَتِفِ عَمَّتِیْ زَیْنَبُ وَفِیْ زَنْدِ اُمِّ کُلْثُوْمِ وَعُنُقِ سُکَیْنَةَ وَکَتِفِ رُقَیَّةَ وَکَذٰلِکَ بَاقِی الْاَرَامِلِ وَالْاَطْفَالِ".

حضرتؑ فرماتے ہیں کہ اُس ایک رسی میں میرا گلا، پھوپھی زینبؑ کا بازو، اُمِ کلثومؑ کی کلائی، سکینہؑ کی گردن، رقیہؑ کا شانہ اور اسی طرح باقی سب اہل بیتؑ کو باندھا گیا تھا۔ ہم میں سے جو کوئی چل نہ سکتا تھا، وہ لعین اُس کے سر پر نیزے سے مارتے۔ اُس وقت سکینہؑ رو کر کہتی تھی: اے پھوپھی! اس وقت چچا عباسؑ کہاں ہیں کہ مجھے بچائیں؟ بھائی علی اکبرؑ کہاں ہیں کہ اس آفت سے چھڑوائیں؟

غرض ہم کو کشاں کشاں لے جا کر یزید کے سامنے دربار عام میں گناہگاروں کی طرح کھڑا کیا گیا۔

منقول ہے کہ جب دربار یزید لعین میں اہل بیتؑ طاہرین داخل ہوئے تو حکم تھا کہ سب کے سب سامنے کھڑے رہیں۔ اُس وقت یزید ملعون نے اُن قیدیوں میں ایک چار سالہ دختر کو دیکھا کہ ایک ہاتھ سے اپنا منہ چھپائے اور ایک ہاتھ اپنے گلے پر رکھے اس طرح کھڑی ہے کہ کبھی اپنا دایاں پاؤں اُٹھا کر بائیں پاؤں پر کھڑی ہوتی ہے اور کبھی بایاں پاؤں اُٹھا کر دائیں پاؤں کے زور پر کھڑی ہوتی ہے۔ ہر مرتبہ پاؤں بدلنے سے اُس کے چہرے کا رنگ بھی بدلتا ہے۔

پوچھنے لگا کہ یہ بچی جو اس حالت میں کھڑی ہے، کون ہے؟

"قَالَ اَحَدٌ هٰذِهٖ سَکِیْنَةُ بِنْتُ الْحُسَیْنِ".

کسی نے کہا کہ یہ بچی حسینؑ کی بیٹی سکینہؑ ہے۔

یزید اُس صاحبزادی کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: "تو نے اپنا ایک ہاتھ منہ پر کیوں رکھا ہوا ہے؟"

جنابِ سکینہؑ نے فرمایا: "میری صغر سنی کا خیال نہ کر، ہم اہل بیتِ رسولؐ ہیں، ہمارے چھوٹے بڑے سب یکساں ہیں۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس دربار عام میں کھلے منہ نامحرموں کے سامنے کھڑی رہوں؟

اے بے حیا! میری چادر بھی تیری فوج نے چھین لی۔ ماں پھوپھیاں تو سر کے بالوں سے اپنے منہ چھپائے ہوئے ہیں، میرے بال چھوٹے ہیں، چہرے تک نہیں آ سکتے۔ ہاتھ سے چاہتی ہوں کہ اپنی صورت چھپاؤں"۔

مومنین! یہ کلمات سن کر اُس وقت بھی اُس سنگدل کے دل میں نہ آیا کہ اہل بیتِ اطہار کو چادریں دلوا دے۔ بات کو ٹال کر پوچھنے لگا: "ایک ہاتھ گلے پر کیوں رکھتی ہے؟"

جنابِ سکینہؑ نے فرمایا: "شمر بے حیا نے اس زور سے رسی باندھی ہے کہ گلا گھٹا جاتا ہے۔ درد کی تکلیف سے ہاتھ رکھتی ہوں"۔

یزید کو باوجود بے رحمی کے رحم آ گیا۔ کسی کو حکم دیا کہ اس بچی کی گردن کو کھول دے۔ جنابِ سکینہؑ نے رو کر کہا: "مجھے مر جانا قبول ہے لیکن ایسا کبھی نہ ہوگا کہ کوئی نامحرم میری گردن کھولے۔ اگر تجھ کو منظور ہو تو پہلے میرے بھائی زین العابدینؑ کے گلے سے رسی کھلوا دے۔ وہ آ کر میری گردن کھول لیں گے"۔

یزید نے قبول کیا۔ راوی کہتا ہے کہ جنابِ سکینہؑ کی گردن میں اس زور سے گرہ لگی ہوئی تھی کہ ہر چند بیمارِ کربلا نے چاہا مگر کھل نہ سکی۔ آخر مجبور ہو کر وہ رسی کاٹ ڈالی۔ گردن کے کھلتے ہی جنابِ سکینہؑ دوڑ کر اپنے بھائی کے قدمِ مبارک پر گر کر زار زار رونے لگیں اور اُس پائے مجروح و ورم دار پر بوسے دینے لگیں۔

اُس وقت بیمارِ کربلا کو بھی یارائے ضبط نہ رہا۔ اپنی بہن کو آغوشِ مبارک میں اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور بآوازِ بلند رونے لگے۔ اس کے بعد یزید ملعون نے جنابِ سکینہؑ سے بار بار پاؤں بدلنے کی وجہ پوچھی۔ کس طرح بیان کیا جائے کہ حسینؑ کی یتیم بچی نے کیا جواب دیا؟ کہنے لگیں:

"جب ہم لوگ شترانِ بے کجاوہ پر بابِ ساعات کے قریب پہنچے تو اہلِ لشکر نے تیری خوشنودی کیلئے ہم لوگوں کو اونٹوں سے نیچے اُتارا۔ بابِ ساعات سے تیرے دربار تک تین فرسخ کشاں کشاں لائے ہیں۔ ہم لوگ راستہ چلنا کیا جانیں، تلووں میں آبلے پڑ گئے، پاؤں متورّم ہو گئے اور ابھی تک بیٹھنے کیلئے تیرا حکم نہیں ہے۔ کھڑے کھڑے جس پاؤں میں زیادہ درد ہوتا ہے، اُٹھا لیتی ہوں"۔

وہ شقی بولا: "اب تجھے اجازت ہے کہ بیٹھ جا"۔

جنابِ سکینہؑ نے کہا: "ہم لوگ کسی حال میں اپنے بزرگوں کا ادب ترک نہیں کرتے۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میری ماں، پھوپھیاں اور بڑے بھائی امام زین العابدینؑ کھڑے رہیں اور میں بیٹھ جاؤں"۔

اُس بے حیا نے سب کو بیٹھنے کیلئے کہا۔ اُس وقت بیمارِ کربلا نے فرمایا: "کیونکر ہو سکتا ہے کہ میرے پدرِ بزرگوار کا سرِ مطہر طشتِ طلا میں تیرے تخت کے نیچے اِس ذلت و خواری سے رکھا ہوا اور میں بیٹھوں؟ اے ظالم! میرے جدِ امجد جنابِ رسولِ خدا اپنے نواسے کے سرِ بریدہ کے پاس کھڑے رو رہے ہیں۔ کیونکر بیٹھ جاؤں؟"

مؤمنین! کتاب مخزن البکاء میں مرقوم ہے، راوی کہتا ہے کہ میں نے یزید کو ایک شب خواب میں دیکھا۔ اُس سے پوچھا کہ تیرے دربار میں جب اہلِ بیتؑ اطہار قید و گرفتار ہو کر آئے تھے تو کس نابکار نے تیرے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے:

اِمْلَأْ رِكَابِي فِضَّةً وَذَهَبًا

قَتَلْتُ رَجُلاً مَلِکَ مُحَجَّبَا

اے بادشاہ! اسپ و شتر کو میرے نقرہ وطلا سے بھر دے کہ اُس شقی نے ایسے شخص کو مارا اور ذبح کیا ہے جس کے دروازے کے دربان فرشتے تھے۔

اُس ملعون نے جواب دیا کہ اس شعر کا پڑھنے والا سنان بن انس تھا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا: اے یزید! یہ واقعہ جاں گزا جو مشہور ہے کہ جنابِ سکینہؑ نے تیرے دربار میں نامحرموں کی شرم سے اپنا ایک دستِ حق پرست اپنے چہرۂ مبارک پر رکھا تھا اور اپنا ایک ہاتھ رسی کی تکلیف سے اپنے گلوئے نازنین پر رکھے تیرے سامنے گناہگاروں کی طرح کھڑی تھیں، یہ دلخراش حکایت درست ہے یا نہیں؟ وہ ملعون اُس عالمِ خواب میں بہت رویا اور کہنے لگا: اے شخص! سکینہ کا کچھ حال نہ پوچھ کہ اُس کی مصیبت عظیم ترین مصائب ہے جس کے خیال سے میرا دل جل رہا ہے۔

یہ کہہ کر وہ ملعون بہت شدت سے رونے لگا اور میں بھی اُسی قدر رویا کہ روتے روتے چونک پڑا۔

دعبل کا مجلسِ امام رضاؑ میں آکر مرثیہ پڑھنا
رملہ، دُخترِ یزید کا زندانِ شام میں آنا

"عَنِ الصَّادِقِ لِكُلِّ شَيْءٍ ثَوَابٌ اِلَّا الدَّمْعَةُ فِيْنَا".

فرزند مخبر صادق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر شے کیلئے پروردگار نے ثواب معین کیا ہے مگر ہم اہل بیتؑ کی مصیبت پر رونے کے ثواب کی کچھ حد مقرر نہیں ہے۔

بعض کتبِ معتبرہ میں دعبل خزاعی سے منقول ہے کہ میں جنابِ امام رضاؑ کی خدمت بابرکت میں اُن دنوں حاضر ہوا کہ ایامِ عشرۂ محرم تھے۔ دیکھا کہ حضرتؑ نہایت ملول اور محزون بیٹھے ہیں۔ جب مجھے آتے دیکھا تو فرمایا: "مرحبا اے دعبل! تم ہم اہل بیتؑ کا مرثیہ گو ہے اور خوشا حال اُس کا جو ہم اہل بیتؑ کا دوست ہو اور ہماری ثناء کرے یا ہاتھ یا زبان سے نصرت کرے۔ پھر حضرتؑ نے مجھ کو اپنے پاس مجلس میں جگہ دی۔

"ثُمَّ قَالَ لِيْ اُحِبُّ اَنْ تُنْشِدَ فِي الْحُسَيْنِؑ شِعْرًا"

پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے دعبل! چاہتا ہوں کہ تو میرے جدِ مظلومؑ امام حسینؑ کا مرثیہ پڑھے۔

"فَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ الْحُزْنِ كَانَتْ عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ".

اے دعبل! یہ وہ ایام ہیں کہ اہل بیتِ رسولؐ و فرزندانِ بتولؑ ان دنوں انتہائی مصیبت میں تھے۔

"وَاَيَّامُ سُرُوْرٍ كَانَتْ عَلٰى اَعْدَائِنَا خُصُوْصًا بَنِيْ

اُمَيَّةَ".

اور اے دعبل! ہمارے دشمنوں کیلئے یہ دن سرور و شادی کے ہیں، خصوصاً بنی اُمیہ کیلئے کیونکہ وہ ان دنوں نہایت شاد و مسرور رہتے۔

دعبل کہتے ہیں کہ میں رونے لگا اور مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔

مؤمنین! ذرا غور کیجئے کہ یہ وہ مرثیہ ہے جو امامؑ کی محفل میں پڑھا گیا ہے اور جناب امام علی رضا علیہ السلام اُس پر روئے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اَفَاطِمُ لَوْ خِلْتِ الْحُسَيْنَ مُجَدَّلًا
وَقَدْ مَاتَ عَطْشَانًا بِشَطِّ فُرَاتِ

یعنی اے فاطمہؑ! اگر آپؑ زندہ ہوتیں تو اپنے حسینؑ کو دیکھتیں کہ کس مظلومی سے کربلا کے صحرا میں فرات کے کنارے پیاسے ذبح کیے گئے۔ اُنؑ کی لاش بے سر دن کی دھوپ میں، رات کی اوس میں زمین پر بے گور و کفن پڑی رہی۔

مؤمنین! ایک دن تو جناب سیدہؑ کو امام حسینؑ کا ہوائے گرم میں گھر سے باہر نکلنا بھی گوارا نہ تھا، وہی حسینؑ عاشور کے دن صحرائے کربلا کی جلتی ریت پر خاک میں بھرے ہوئے لہو میں نہائے ہوئے سر کٹائے پڑے تھے۔

افسوس! جس کی جگہ نبیؐ کا دوش، فاطمہؑ کی آغوش ہو، اُسی کو محرم کی دسویں تاریخ سے کئی دن تک کنارِ لحد میں سونا نصیب نہ ہوا۔

منقول ہے کہ جناب رسولِ خداؐ اور علی مرتضیٰؑ کہیں جہاد کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ ایک دن امام حسینؑ کھیلتے ہوئے باہر چلے گئے اور عصر کے وقت تک گھر میں نہ آئے۔ جناب سیدہؑ کا عجب حال ہوا۔ کبھی روتی ہوئی گھر سے مسجد کو جاتی تھیں، کبھی مسجد سے دولت سرا میں آتی تھیں، یہاں تک کہ ستر بار گئیں اور آئیں۔

آہ! وہی حسینؑ آپؑ کی قبر سے ایسے جدا ہوئے کہ پھر آنا نصیب نہ ہوا اور اُنؑ کے

وہی فرزند روزِ عاشور بھائیوں، بھتیجوں اور بیٹوں کی لاشیں اُٹھانے کیلئے، بیبیوں اور بیواؤں کے یتیموں کو دلاسا دینے کیلئے صبح سے دوپہر تک خیمہ سے مقتل میں جاتے تھے اور مقتل سے خیمہ میں آتے تھے۔

اَفَاطِمُ قُوْمِیْ یَابْنَۃَ الْخَیْرِ وَانْدُبِیْ
نُجُوْمُ سَمٰوٰاتٍ بِاَرْضِ فَلَاۃٍ

اے پیغمبرؐ کی بیٹی، اے فاطمہؑ! بقیع میں کیا سوتی ہو، مرقد سے اُٹھو اور اپنی آنکھوں کے تاروں کو عرش کے ستاروں کو دیکھو، رو رو کر خدا سے فریاد کرو کہ اُن کو قبریں بھی نہیں ملتیں، نینوا کی زمین پر جابجا پڑے ہیں۔

وَیَاعَیْنُ اِبْکِیْھِمْ وَجُوْدِیْ بِعَبْرَۃٍ
فَقَدْ آنَ لِلتِّسْکَابِ وَالْھَمَلَاتِ
دِیَارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَصْبَحْنَ بَلْقَعًا
وَآلُ زِیَادٍ تَسْکُنُ الْحُجُرَاتِ

اے آنکھ! رونے میں کوشش کر، خوب رو، زمانہ کی گردش سے قیامت ہوگئی۔ رسولؐ خدا کا بھرا ہوا گھر دوپہر میں خالی و ویران ہوگیا اور آلِ زیاد عماراتِ عالیہ میں بیٹھے چین سے بسر کرتے ہیں۔

وَآلُ یَزِیْدَ فِیْ حُصُوْنٍ مَنِیْعَۃٍ
وَآلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِی الْفَلَوَاتِ
وَآلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ تُسْبٰی حَرِیْمُھُمْ
وَآلُ زِیَادٍ آمَنُوْا السَّرَبَاتِ

افسوس! یزید کی عورتوں کو مستحکم قلعوں میں، بلند مکانوں میں رہنے کی جگہ ملے، نبیؐ کی نواسیاں، علیؑ کی بیٹیاں ٹوٹے ہوئے گھروں میں، درختوں کے سایہ میں بھی نہ بیٹھنے پائیں

جنگلوں میں، صحراؤں میں، سر کھلے دربدر پھرائی جائیں۔ وہ شہزادیاں ترک و روم کی کنیزوں کی طرح قید کی جائیں اور بنی اُمیہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف رہیں۔

احمد بن عصفور کہتا ہے کہ جب اعداء دخترانِ خیرالانام کو مع سرہائے شہداء دمشق کے شہر میں لائے تو یزید نے اُن کو ایک خرابہ میں متصل مسجد کے جگہ دی اور ہندہ بنت عامر زنِ یزید کا مکان اُس خرابہ کے قریب تھا۔ جب ہندہ نے سنا کہ میرے قصر کے قریب کچھ بیبیاں قید ہو کر آئی ہیں، اُن بیکسوں کا حال دریافت کرنے کے واسطے اپنی بیٹی رملہ کو ساتھ لے خرابہ کی طرف روانہ ہوئی۔ جب وہاں پہنچی تو رملہ نے سب بیبیوں کو بغور دیکھا۔ سوائے جنابِ سکینہؑ کے کسی کو اپنا ہم سن نہ پایا۔ اُنہی کے قریب آ بیٹھی اور پوچھنے لگی:

"اے بہن! تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟"

جنابِ سکینہؑ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا: "ہم یثرب سے آئی ہیں۔ اے بہن! تو جو ہمارے نام و نشان کی طالب ہے، پہلے یہ بتا:

"هَلْ تَعْرِفِیْنَ مُحَمَّدًا".

آیا تو جنابِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانتی ہے؟"

رملہ نے کہا: "کیونکر نہیں پہچانتی، وہ ہمارے پیغمبر آخر الزماںؐ ہیں"۔

فرمایا: "جنابِ فاطمہؑ سے بھی واقف ہے؟"

رملہ نے کہا: "کیونکر نہیں جانتی؟ وہ ہمارے پیغمبرؐ کی صاحبزادی ہیں"۔

فرمایا: "کیا تو جنابِ علیؑ ابن ابی طالبؑ کو بھی جانتی ہے؟"

کہا: "کیونکر نہیں جانتی کہ وہ برادرِ رسولؐ اور زوجِ بتولؑ ہیں"۔

"قَالَتْ اَتَعْرِفِیْنَ حُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ".

پھر پوچھا: "کیا تو حسینؑ ابن علیؑ سے بھی مطلع ہے؟"

رملہ نے کہا: "کیونکر نہیں جانتی کہ وہ جناب فرزندِ رسولؐ و دل بندِ بتولؑ ہیں"۔

فرمایا: "فاطمہؑ اور سکینہؑ، دختران حسینؑ سے بھی واقف ہے؟"

اُس نے کہا: "اُن کے نام میں نے سنے ہیں اور یہ بھی مشہور ہے کہ امام حسینؑ سکینہؑ سے بہت مانوس ہیں اور بہت پیار کرتے ہیں"۔

یہ سن کر جناب سکینہؑ رونے لگیں۔

"وَقَالَتْ يَا اُخْتِی اَنَا سُكَيْنَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ"۔

اور فرمایا: اے بہن! وہ لاڈلی بیٹی اپنے بابا کے سینے پر سونے والی سکینہؑ میرا ہی نام ہے۔ آہ! تیرے باپ کے ملازموں نے میرے پدرِ غریب کو قتل کیا اور ہمیں قید کر کے شتران بے کجاوہ پر کربلا سے شام میں بلوائے عام میں اس طرح لائے ہیں کہ نہ کسی بی بی کے سر پر چادر رہی، نہ کسی بچی کے پاس اوڑھنی ہے۔

رملہ یہ سنتے ہی بیقرار ہوگئی اور رو کر کہنے لگی: "اے بہن! تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو، کہو کہ حاضر کروں؟"

جناب سکینہؑ نے فرمایا: "اے بہن! میری کوئی حاجت نہیں، سوائے اس کے کہ اپنے بابا کے سرِ اقدس کی زیارت کی مشتاق ہوں۔ چاہتی ہوں کہ بابا کی خوشبو سونگھوں۔ اُن کے کٹے ہوئے سر کو سینہ سے لگاؤں"۔

اُس نے کہا: "میں ابھی لاتی ہوں"۔

رملہ خولی کے پاس گئی اور امامؑ کا سر اُس سے مانگا۔ اُس نے انکار کیا اور کہا کہ صندوق میں مقفل ہے اور تیرے باپ نے منع کیا ہے کہ اُس کی غیر موجودگی میں نہ کھولوں۔

رملہ نے یزید کے سر کی قسم کھائی کہ اگر نہ دے گا تو تیری شکایت اپنے باپ سے کروں گی۔ وہ ملعون قسم سے خائف ہوا کیونکہ جانتا تھا کہ رملہ اپنے باپ کے سر کی قسم نہیں کھاتی اور یزید اُسے بہت دوست رکھتا ہے۔ ناچار وہ شقی اُٹھا اور صندوق کھول کر پتوں میں

لپٹا ہوا ایک سر نکال کر رملہ کے حوالہ کیا۔

رملہ وہ سر لے کر آئی اور جناب سکینہؑ کو دیا۔ وہ صاحبزادی جناب زینبؑ کی خدمت میں وہ سر لائیں اور عرض کی: "آپؑ دیکھیں میرے پدرِ مظلوم کا سر یہی ہے؟"

جب جناب زینبؑ نے کھولا تو پہچان کر فرمایا: "اے بیٹی! یہ سر تیرے بابا کا نہیں بلکہ یہ ہمارے ناصر و محبِ صادق حبیبؑ ابن مظاہر کا سر ہے"۔

پھر اُس سر کو زمین پر رکھ دیا اور کمالِ بیقراری سے رونا شروع کیا اور سب بیبیاں حلقہ باندھ کر باآواز بلند رونے لگیں۔ جب رونے سے افاقہ ہوا تو جناب سکینہؑ نے حبیبؑ ابن مظاہر کا سر رملہ کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ یہ سر میرے بابا کا نہیں ہے۔

رملہ خولی کے پاس آئی اور کہا: "اے دشمنِ خدا! تو نے مجھ سے مکاری کی اور امام حسینؑ کے سر کے بدلے حبیب کا سر دے دیا؟ اب اگر حسینؑ کا سر نہ دے گا تو ضرور میں تیری شکایت کروں گی"۔

رملہ نے اپنے اس قول پر قسم کھائی۔ خولی نے دوسرا سر پتوں سے لپٹا ہوا دیا اور قسم کھائی کہ یہ حسینؑ کا سر ہے۔ جب جناب سکینہؑ نے جناب زینبؑ کو دکھایا تو معلوم ہوا یہ سر قاسمؑ کا ہے۔ اُس پر بھی بیبیوں نے خوب گریہ و ماتم کیا۔ پھر رملہ خولی کے پاس غضبناک آئی اور کہا: "او مکار! تو نے دوبارہ دھوکہ دیا؟"

وہ شقی کہنے لگا: "اے میری سردار زادی! حسینؑ کا سر یزید کے دیکھے بغیر نہیں کھول سکتا۔ مجھے اُس سے انعام لینا ہے"۔

رملہ بہت ناخوش ہوئی اور کہا: "اے لعین! میں ابھی جاتی ہوں اور تیرے ظلم و مکر کی شکایت کرتی ہوں"۔

رملہ کے اس کلام سے خولی ڈرا اور ایک سر صندوق سے نکال کر دیا اور بہت قسمیں کھائیں کہ یہ حسینؑ کا سر ہے۔ جناب زینبؑ نے پہچانا کہ سر جناب عباسؑ کا ہے۔ جناب

سکینہؑ نے عباسؑ کا نام سنتے ہی سر کو سینے سے لگا لیا اور بہت روئیں۔ بیبیوں نے بھی بہت ماتم کیا۔ پھر اسی طرح سرِ مبارک جناب علی اکبر علیہ السلام آیا، تب تو رملہ کو جناب سکینہؑ سے بہت ندامت ہوئی اور بکمالِ طیش خولی سے کہا: ''اب مجھے تجھ سے کچھ حاجت نہیں ہے۔ اپنے باپ سے امامؑ کا سر لوں گی اور تیرے قتل کی خواہش کروں گی''۔

یہ کہہ کر اُس کے قریب سے چلی۔ تب تو خولی بہت ڈرا اور رملہ کے پاؤں پر گر کر قسم کھائی کہ اب خلاف نہ کروں گا۔ پس اُس صندوق سے ایک سرِ منور نکال کر دیا۔ رملہ جناب سکینہؑ کے پاس لائی اور کہا کہ بلاشبہ یہی امامؑ کا سر ہے۔ دیکھو! جبین مبارک سے نور ساطع ہے اور مشک و کافور سے بہتر خوشبو آ رہی ہے۔

جب جناب زینبؑ نے پہچانا کہ یہ سر امام حسینؑ کا ہے تو اپنا منہ پیٹ ڈالا اور پیٹتے پیٹتے بیہوش ہو گئیں۔ جب افاقہ ہوا تو فرمایا: ''ہاں! تیرے مظلومؑ بابا کا سر یہی ہے''۔

جناب سکینہؑ ہائے بابا، ہائے بابا کہہ کر دوڑیں اور اُس سر کو اپنے سینے سے لگا کر سوکھے ہوئے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔ پھر کھڑی ہو کر چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے سر و سینہ پیٹنے لگیں اور سب بیبیاں بھی حلقہ باندھ کر اُس سرِ انور کو بیچ میں رکھ کر خوب روئیں، خصوصاً جناب زینبؑ ایسی سینہ زنی کرتی تھیں کہ غش پر غش آنے لگے۔

فضائلِ حسنینؑ، ولادتِ امام حسینؑ، نُعیا کا آنا ملاعین کا قتلِ امامؑ پر فخر کرنا، یزید سے امامؑ کی شجاعت بیان کرنا

''رُوِیَ اَنَّ الْعَبَّاسَ جَاءَ یَعُوْدُ النَّبِیَّ فِیْ مَرَضِهٖ وَ اَجْلَسَهُ فِیْ مَجْلِسِهٖ عَلٰی سَرِیْرِهٖ''۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ مالکِ ہر دو سرا رسولؐ خدا علیل ہوئے اور حضرتؐ کے چچا جناب عباسؓ عیادت کو حاضر ہوئے۔ آپؐ نے آگے بلایا اور اپنے پاس تخت پر بٹھایا۔ اُنہوں نے عرض کی کہ جناب امیرؑ دردولت پر اذن کے منتظر کھڑے ہیں۔

''فَقَالَ اُدْخُلْ فَدَخَلَ وَمَعَهُ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ''۔

حضرتؐ نے پکارا: یا علیؑ! چلے آؤ۔ جب وہ جنابؑ تشریف لائے تو حسنینؑ بھی ساتھ تھے۔

''فَقَالَ الْعَبَّاسُ هٰؤُلَآءِ وُلْدُکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هُمْ وُلْدُکَ یَاعَمّ''۔

عباسؓ نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! یہ آپؐ کے فرزند ہیں؟ فرمایا: چچا! تمہارے بھی تو جگر بند ہیں؟

''فَقَالَ اُحِبُّهُمَا قَالَ اَحَبَّکَ اللّٰهُ کَمَا تُحِبُّهُمَا''

عرض کی: میں آپؐ کے ان دونوں نواسوں کو دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا: تم ان دونوں کو دوست رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ امام حسینؑ جناب سیدہؑ

سے پیدا ہوں اور جناب فاطمہؑ کو دردِ زہ شروع ہوا:

"اَوْحَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی حَوْرَآءَ مِنْ حُوْرِ الْجَنَّۃِ اَنِ اھْبِطِیْ اِلٰی دَارِ الدُّنْیَا اِلٰی بِنْتِ حَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ فَاْنِسِیْ لَھَا".

اُس وقت بہشت کی حوروں میں سے ایک حور جس کا نام لعیا تھا، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ زمین پر فاطمہؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایسے وقت میں اُن کی مونس ہو۔

"وَلَھَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ وَصِیْفَۃٍ وَسَبْعُوْنَ اَلْفَ قَصْرٍ وَ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَقْصُوْرَۃٍ".

مومنین! جنت میں لعیا کا یہ مرتبہ ہے کہ اُس کی خدمت کو ستر ہزار خادمائیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ستر ہزار مکان ایسے عنایت کئے ہیں جن میں ستر ہزار حجرے ہیں، ہر حجرے میں ستر ہزار دریچے ہیں، ہر دریچہ انواع جواہرات سے مرصع ہے۔ اُس حور کا مکان اس قدر بلند ہے کہ جب اپنے پر بیٹھتی ہے تو تمام بہشت نظر آتی ہے۔ لعیا کی پیشانی اور چہرے کے نور سے بہشت روشن ہو جاتی ہے۔

بہر کیف لعیا جناب سیدہؑ کے پاس آئی اور سلام کر کے کہا: "مرحبا اے حبیبِ خدا کی بیٹی! کیا حال ہے؟"

بی بی نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے، اچھی ہوں"۔

لعیا نے عرض کی: "میں حورانِ بہشت سے ایک حور ہوں۔ خدا نے آپ کی خدمت کو بھیجا ہے"۔

معصومہؑ کو شرم آئی کہ گھر میں تو کوئی فرش بھی نہیں، لعیا کو کہاں بٹھاؤں!

روایاتِ صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ کے یہاں پوستِ گوسفند کے علاوہ کوئی فرش نہ تھا جس پر دن کو اونٹ دانہ کھاتا تھا اور شب کو جناب شیرِ خدا اور جناب

فاطمہ زہراؑ بچھا کر سوتے تھے۔

الغرض وہ معصومہؑ اسی فکر میں تھیں، ناگاہ کچھ حوریں سندس وحریر کا فرش لائیں اور وہ فرش خانۂ زہراؑ میں بچھایا۔ جناب سیدہؑ نے خدا کا شکر ادا کیا اور لعیا کو اُس پر بٹھایا۔

جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو جو کام دائیوں کا ہوتا ہے، اُسے لعیا بجالائی۔ منقول ہے کہ وہ حور تمام حورانِ جنت پر فخر کرتی تھی اور کہتی تھی کہ مثل میرے کون ہے کہ میں حسینؑ ابن علیؑ کی دایہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے رضوان کو حکم کیا کہ اس مولود کی عظمت کیلئے بہشت آراستہ کرو جو آج دُنیا میں پیدا ہوا ہے اور ارشادِ الٰہی ہوا کہ ملائکہ آسمان پر صف باندھ کر تقدیس و تہلیل میں مشغول ہوں اور حوریں اپنے آپ کو مزین کر کے آپس میں معانقہ اور ملاقات کریں کہ آج ہماری کنیز خاص کے یہاں ہمارا دوست حسینؑ پیدا ہوا ہے۔

جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کو خطاب ہوا کہ زمین پر گروہ ملائکہ لے کر نازل ہوں۔ غرض عجب طرح کی خوشی تھی اور سب فرشتے خدا کی طرف سے رسولِ خدا کو مبارکباد دیتے تھے۔

یُفَرِّحُ خَاطِرِیْ بَدْءُ الْحُسَیْنِ

وَآخِرُ اَمْرِہٖ مُبْکٍ لِعَیْنِ

مومنین! دُنیا میں امام حسین علیہ السلام کے آنے کا حال سن کر کیا دل خوش ہوتا ہے مگر دُنیا سے آپؑ کے جانے کی کیفیت یاد کر کے آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ ایک دن تو بہشت کی حوریں آپؑ کی ولادت کے وقت خدمت کرنے کا افتخار کرتی تھیں، ایک دن اعداء شہادت کے وقت ظلم کرنے پر فخر کرتے تھے۔ یزید کے سامنے کوئی شقی کہتا تھا:

"طَعَنْتُہٗ بِالرُّمْحِ حَتَّی انْقَلَبَا".

میں نے حسینؑ کے سینہ پر وہ نیزہ مارا کہ پشت سے پار ہو گیا اور وہ منہ کے بل گھوڑے سے زمین پر گرے۔

کوئی ملعون کہتا تھا:

"وَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ كَانَتْ عَجَبًا".

میں نے فرزندِ فاطمہؑ کو وہ تلوار ماری کہ ساری فوج دیکھ کر متعجب ہوگئی۔

کوئی نابکار کہتا تھا:

"قَتَلْتُ خَيْرَ الْخَلْقِ اُمًّا وَ اَبًا".

میں نے ایسے شخص کو قتل کر کے نام ونشان مٹا دیا جس کے ماں باپ تمام عالم سے افضل تھے۔

مومنین! ایک روز تو فرشتے رسولؐ خدا کو نواسے کے پیدا ہونے پر تہنیت دیتے تھے اور ایک روز اُسی نبیؐ کے اُسی حسینؑ کو شہید کر کے اشقیاء یزید کو فتح کی مبارکباد دیتے تھے۔ آہ! یزید تو اپنے تخت پر نخوت وغرور سے بیٹھا تھا اور اہل بیتِ رسولؐ ذلت وخواری سے گناہگاروں کی طرح سامنے کھڑے تھے۔

منقول ہے کہ اُس وقت اُس شقی نے اہل فوج سے پوچھا کہ تم نے حسینؑ سے کیونکر جنگ کی اور وہ تم سے کیونکر لڑے؟

اُنہوں نے کہا: اے امیر! کیا بیان کریں کہ ہم لوگوں سے کیا سرزد ہوا؟ سلاطین گزشتہ کی فوجوں نے اس طرح اپنی جانیں لڑ کر، ایمان گنوا کر، محض دنیا کے واسطے قیامت تک کی ذلت وخواری کس لئے اُٹھائی ہوگی؟ حسینؑ کے ساتھ سو آدمیوں کے قریب تھے۔ ہم نے بیعت طلب کی۔ اُنہوں نے انکار کیا۔ کئی دن اسی میں گزرے، یہاں تک کہ اُنؑ پر اور اُنؑ کے رفیقوں پر محرم کی ساتویں تاریخ سے پانی بھی بند ہوگیا۔ دسویں کو جنگ ٹھہری۔ صبح سے موت کا بازار گرم ہوا۔ ہر چند ہماری طرف لاکھوں کی جمعیت تھی، اُدھر گنتی کے آدمی تھے مگر اُس فوجِ قلیل کے ایک ایک جری کی نظر میں یہ انبوہِ کثیر کچھ نہ سماتا تھا۔

تین دن کی بھوک اور پیاس میں کس بشاشت سے تلواریں ہاتھوں میں لئے، گھوڑوں پر سوار اپنے امامؑ کے گرد اس طرح پھرتے تھے جیسے پروانے شمع کے گرد پھرتے

ہیں۔ ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ پہلے میں قدموں پر نثار ہو جاؤں۔ جب باری باری اُدھر کا ایک بہادر میدان میں آتا تھا تو ادھر کے ہزاروں پہلوانانِ نامی اور دلاورانِ کار آزمودہ کو اس طرح مار لیتا تھا جیسے کوئی چیونٹی کو پاؤں سے مسل دیتا ہے۔ وقت کے بڑے بڑے رستم اور اسفندیارِ زمانہ مورچے چھوڑ کر یوں بھاگے جاتے تھے جس طرح شیر کے خوف سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ آخر جب ہم لوگ ہر طرف سے گھیر کر نیزوں کے وار، تیروں کی بوچھاڑ کرتے تھے تو وہ زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے زمین پر گرتا تھا اور خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر جان دیتا تھا، یہاں تک کہ حسینؑ کے ستر آدمی مارے گئے۔ انصار میں کوئی باقی نہ رہا۔ اٹھارہ عزیز جو بنی فاطمہ کے تھے، اُن کی نوبت آئی۔ اُن کی دلیری و بہادری کیا بیان کروں، اب تک نام لینے سے دل سینوں میں کانپتے ہیں۔ ایک ایک جری نے سو سو دو دو سو سے زیادہ مردانِ جرار آزمودہ کار اور ہمارے لشکر کے پہلوانانِ نامی کو قتل کر دیا۔ بعدازاں ہم نے وہ سترہ اشخاص مار لئے۔

بعدازاں اٹھارہویں شخص یعنی علی اکبرؑ ہمشکل پیغمبرؐ فرزندِ حسینؑ کی نوبت آئی۔

اے امیر! حسینؑ کا استقلال اور صبر کیا بیان کروں! کیسے کیسے آغوش کے پالے، گودیوں کے کھلائے، جابجا خاک پر آنکھوں کے سامنے پڑے تھے۔ اس کے باوجود صبر و تحمل میں کچھ فرق نہ تھا۔ مگر جب اٹھارہ برس کا جوان بیٹا پیغمبرؐ خدا کی صورت، ضعیفی کا سہارا، سینہ پر برچھی کھا کر گھوڑے سے زمین پر گرا اور پکارا:

"يَا اَبَتَاهُ اَدْرِكْنِىْ".

اُس وقت دیکھا کہ چہرے کا رنگ فق ہوگیا، حواس جاتے رہے، آنکھوں کی بصارت، ہاتھ پاؤں کی طاقت نے جواب دے دیا۔ چاہتے تھے کہ آگے بڑھیں، تیورا کر زمین پر گر پڑے۔ بیٹے کی لاش سامنے تھی مگر دکھائی نہ دیتی تھی۔ ہر طرف مقتل میں گرتے پڑتے ڈھونڈتے پھرتے تھے اور علی اکبرؑ بار بار باپ کو پکارتے تھے۔

آخر حسینؑ اپنے فرزند کی آواز پر کسی طرح قریب پہنچے۔

"وَانْكَبَّ عَلٰى نَعْشِهٖ".

اور بے اختیار ہو کر اکبرؑ کی نعش پر گر پڑے اور اتنا روئے کہ غش کر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں تو آئے مگر دریائے اشک آنکھوں سے جاری تھا۔ جب جوان بیٹا ضعیف باپ کی آغوش میں دم توڑ کر مر گیا تو اُس وقت حسینؑ ایسی صدائے دردناک سے روتے تھے کہ سننے والوں کے دل شق ہوتے تھے۔

پھر وہ امام مظلومؑ لاشِ فرزند سے اُٹھ کر چاروں طرف یہ صدا دیتے تھے:

"یَاقَوْمُ اَنَاسِبْطُ الْمُصْطَفٰیؐ وَعَطْشَانٌ".

اے قوم! میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں اور تین دن کا پیاسا ہوں۔

"یَاقَوْمُ اَنَاابْنُ الْمُرْتَضٰی وَعَطْشَانٌ".

اے قوم! میں ساقیِ کوثر کا بیٹا ہوں اور دریا کے قریب مجھے پانی نہیں ملتا۔

"یَاقَوْمُ اَنَاابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ وَعَطْشَانٌ".

اے قوم! میں فاطمہ زہراؑ کا پارۂ جگر ہوں اور پیاس کی شدت سے میرا کلیجہ سوکھ گیا ہے۔

غرض وہ اسی طرح ایک ایک سے پانی مانگتے رہے مگر کسی نے نہ دیا۔ پانی کے بدلے ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

اے امیر! ہر چند حسینؑ پانی کی نایابی، پیاس کی شدت، فاقوں کی حرارت، آفتاب کی تمازت سے نڈھال ہو گئے تھے۔ دوستوں کا صدمہ، بھائیوں کا غم، بھتیجوں کا غم، بیٹوں کے داغ نے اور بھی مضمحل کر دیا تھا۔ مگر اُس بیکس و مجبور نے تنگ آ کر میان سے تلوار نکالی اور وہ جنگ کی کہ قیامت تک یادگار رہے گی۔ لاشوں کے کشتوں کے پشتے، سروں کے ڈھیر لگ گئے۔ پیادوں پر سوار، سواروں پر گھوڑے، گھوڑوں پر حسینؑ کی تلوار بجلی کی طرح

گر رہی تھی۔ ذوالفقار کے منہ پر کون چڑھتا! شیرِ الٰہی کے فرزند سے کون لڑتا۔ تھوڑی دیر میں صفوں کی صفیں، رسالوں کے رسالے، فوج کی فوج صاف ہو گئی۔ میدان چھوڑ چھوڑ کر سارا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ جب سب بھاگ گئے تو وہ صحرا خالی ہو گیا اور جوان بیٹے کو برچھی کھائے، پاؤں پھیلائے، خاک پر سوتے دیکھا۔ صبر دشوار ہو گیا۔ گھوڑے پر ڈگمگانے لگے۔ دل کو تھام کر نیچے اُترے اور دوڑ کر اپنے فرزند کی لاش سے لپٹ کر رونے لگے۔

اُس وقت فوج نے موقع پا کر چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تیر پر تیر، نیزوں پر نیزے لگنے لگے۔ تلواروں پر تلواریں پڑیں۔ حسینؑ کو سنبھل کر اُٹھنے کی مہلت نہ ملی۔ زخموں سے چور ہو کر بیٹے کے قریب غش کھا کر خاک پر گر پڑے۔ مگر اُس حال میں بھی یہ ہیبت تھی کہ کسی کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ آگے بڑھ کر بدن سے سر اُتار لے۔

جب وہ مظلومؑ نماز میں مشغول ہوئے تو شمر نے سجدہ کی حالت میں پسِ گردن سے گوسفند کی طرح ذبح کر ڈالا۔

یہ سن کر یزید دیر تک سر جھکائے رہا اور گردن نہ اُٹھائی۔

اترجوامه کا دَیر میں اشعار پانا، روایتِ عبداللہ بن مبارک، دربارِ یزید میں جاثلیق اور جانور کی روایت

"فِی الْبِحَارِ عَنْ اَبِیْ شُعَیْبٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ یَمَانٍ عَنْ جَمَاعَةٍ لِبَنِیْ سَلِیْمٍ عَنْ اَشْیَاخٍ لَهُمْ قَالُوْا غَزَوْنَا بِلَادَ الرُّوْمِ فَدَخَلْنَا كَنِيْسَةً مِنْ كَنَائِسِهِمْ".

ابوشعیب سے، اُس نے یحیٰی بن یمان سے، اُس نے ایک جماعت بنی سلیم سے اور اُن سب نے اپنے آباء واجداد سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ لشکرِ اسلام نے ملک روم کو سر کیا اور فتح کے بعد ایک نصرانی کے دَیر میں داخل ہوئے اور اُس کی دیوار پر جلی خط میں یہ دو شعر لکھے دیکھے:

اَتَرْجُوْا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا
شَفَاعَةَ جَدِّهٖ يَوْمَ الْحِسَابِ

یعنی کیا قیامت کے دن وہ اُمت بھی شفاعت کی اُمید رکھتی ہے جس نے اپنے نبیؐ کے نواسے حسینؑ کو بے گناہ قتل کیا؟

فَلَا وَاللّٰهِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيْعٌ
وَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِى الْعَذَابِ

خدا کی قسم! کوئی اُن کی شفاعت کرنے والا نہیں بلکہ اس ظلم کے بدلہ وہ سب اشقیاء بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

مسلمانوں نے یہ عجیب امر دیکھ کر اُن نصرانیوں سے پوچھا کہ یہ اشعار تمہارے

گرجا میں کب سے لکھے ہیں؟

اُنہوں نے کہا کہ تمہارے نبیؐ کے مبعوث ہونے سے تین سو برس پہلے سے مرقوم ہیں۔

صاحب لسان الواعظین لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کہتا ہے کہ ایک سال میں حج کے ارادہ سے پانچ سو اشرفیاں لے کر ایک جانور خریدنے کے واسطے بازار گیا۔ اتفاقاً اُس روز حسب خواہش نہ مل سکا۔ میں اپنے گھر واپس لوٹ رہا تھا، اثنائے راہ میں ایک خرابہ کی جانب سے ہو کر جو گزرا تو دیکھا کہ ایک عورت پوشیدہ مزبلہ پر ایک مرغ مردہ کا پر نوچ رہی ہے اور اُسے صاف کر رہی ہے۔

میں نے پوچھا: اے ضعیفہ! اس مرغ کو تو کیوں صاف کرتی ہیں؟

وہ بولی: تجھے اس سے کیا کام؟ تو اپنی راہ لے۔

جب میں بہت مصر ہوا تو اُس نے جواب دیا: ایک سیّدہ علویہ بیوہ ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آج تیسرا روز ہے کہ بچوں کو کچھ کھانا نہیں ملا۔ اس وقت اضطرار میں یہ مرغ مردہ ہم پر حلال ہے۔

عبداللہ کہتا ہے کہ یہ سن کر میں کانپ گیا اور دل میں سوچا کہ کونسا حج اس سے بہتر ہوگا اور وہ سارا مال میں نے اُس علویہ کے حوالے کیا۔ اُس نے میرے حق میں دعائے خیر کی اور میں اُس سال حج پر نہ گیا۔

الغرض جب میرے شہر کے حاجیوں نے مراجعت کی تو میں استقبال کیلئے گیا۔ سب سے پہلے میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے پانچ ہزار دینار مجھے دیئے اور کہا کہ اے بھائی! تو عرفات میں یہ امانت مجھ کو دے کر جو غائب ہوا تو پھر تجھے میں نے نہیں دیکھا۔ اب یہ امانت لے۔

میں اُس کی یہ بات سن کر دم بخود ہو کر رہ گیا۔ ناگاہ میرے کان میں آواز آئی:

اے عبداللہ! یہ اُن پانچ سو دینار کا عوض ہے جو تو نے اُس علویہ کو دیئے تھے اور عقبیٰ کا ثواب علیحدہ ہے۔ اس کے بعد جو حاجی آتا تھا، کوئی کہتا تھا: میں نے تجھے مکہ میں دیکھا، اسی طرح کوئی عرفات میں، کوئی مشعر الحرام میں، کوئی منیٰ میں بتاتا تھا۔

یہ باتیں سن کر میری حیرت اور زیادہ ہوئی، یہاں تک کہ میں رات کو جو سویا تو عالم خواب میں جنابِ رسولِؐ خدا کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ تو نے خوشحال ایک ضعیفہ کو خوشحال کیا، پس پروردگار نے ایک فرشتہ تیری شکل کا پیدا کیا ہے کہ قیامت تک ہر سال تیری جانب سے حج کرے اور اُس کا ثواب تیرے نامہ اعمال میں ثبت کرے۔ آئندہ تجھے اختیار ہے کہ حج کر یا نہ کر۔

میں فرطِ خوشی سے چونک پڑا اور خدا کا شکر بجالایا۔

مؤمنین! پسر مبارک نے ایک سیدہ علویہ اور اُس کے بچوں پر رحم کھا کر کچھ مال دُنیا سے اُسے دے دیا، اس کا مرتبہ یہ ہوا۔ کیا حال ہو گا اُن لوگوں کا جنھوں نے ایسے سید السادات کو جو خدا کا پیارا، نبی کا لاڈلا، اُس کو مہمان بلا کر رحم کے بدلے ظلم پر ظلم کیے۔ تین دن پانی بند کیا۔ مع عزیز و انصار مثل گوسفند قربانی ذبح کر ڈالا اور وہ سیدانیاں جو عالم کی خوزادیاں، جبرئیلؑ کی شہزادیاں تھیں، طمعِ دُنیا کے واسطے اُن کے سب مال و اسباب لوٹ لئے۔ ماؤں کی گودیاں بچوں سے خالی کر دیں۔ رسولؐ خدا کی مسند جلا دی۔ بزرگوں کے تبرکات لوٹ لئے۔ سروں سے چادریں تک چھین لیں۔ سر برہنہ شانوں اور گردنوں میں رسیاں باندھ کر پہاڑوں میں، صحراؤں میں پھراتے اُن لاوارثوں کے بچوں کے سر نیزوں پر دکھاتے کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام تک لے گئے۔ دنوں کو، راتوں کو، راہوں میں، منزلوں پر دل دکھاتے، تازیانے لگاتے، شہروں سے، بازاروں میں، درباروں میں اس ذلت و خواری سے لئے پھرے کہ کوئی اُن کو کنیزانِ ترک و دیلم سے جانتا تھا، کوئی لونڈیوں اور کنیزوں میں سے سمجھتا تھا۔

چنانچہ راوی کہتا ہے کہ اہلِ بیتِ حسینؑ مظلوم ایسے خراب حال سے یزید کے سامنے کھڑے کیے گئے کہ اُس ملعون نے گمان کیا کہ ابھی میرے سامنے کنیزیں آئی ہیں۔

"قَالَ هٰذِهِ الْإِمَاءُ قَدْ أَتَيْتُمْ فَأَيْنَ بَنَاتُ عَلِيٍّ وَ فَاطِمَةَ".

کہنے لگا: تم کنیزوں کو تو لائے ہو، دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ کہاں ہیں؟ انہیں میرے سامنے کیوں نہیں لائے؟

آہ! وہ ملاعین بولے: اے امیر! یہ کنیزیں نہیں بلکہ یہ سب دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ ہیں۔ مسافتِ راہ سے ان کا یہ حال ہو گیا ہے۔

مؤمنین! اہلِ بیتِ رسولؐ اس حال سے دربار میں داخل ہوئے تھے کہ غبار سے اُن کے تمام کپڑے اَٹے تھے۔ جنابِ سکینہؑ کے کانوں سے، اہلِ بیتؑ کے شانوں اور کلائیوں سے، جنابِ سید الساجدینؑ کی گردن سے سوج کر خون جاری تھا۔ بیواؤں اور یتیموں کے لباس دامن و آستین سے جابجا پھٹے ہوئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ جس دیار میں وہ لٹا ہوا قافلہ پہنچتا تھا، وہاں کے باشندے ملازمانِ یزید سے پوچھتے تھے کہ ان بیبیوں اور بچوں کے نام کیا ہیں؟ وہ ملاعین کنکر اور پتھر جو چیز بھی پاتے تھے، پھینک پھینک کر بتاتے تھے:

هٰذِهِ زَيْنَبُ وَهٰذِهِ أُمُّ كُلْثُومٍ وَهٰذِهِ سُكَيْنَةُ وَ هٰذِهِ رُقَيَّةُ.

یزید ملعون نے امام حسینؑ کے قتل کی خوشی میں حکم دیا تھا کہ دربار میں تمام سامانِ جشن مہیا ہو اور سب مکان آراستہ ہوں۔ پس تمام دربار میں کرسی ہائے طلا و نقرہ ہر جانب رکھی گئیں اور سامانِ شراب کوری بھی مہیا ہوا۔ انواع و اقسام کی چیزیں حاضر تھیں۔

چنانچہ منقول ہے کہ ایک جانور کو ملاعین نے سکھایا تھا جسے روزِ جشن تخت کے سامنے حاضر کرتے تھے اور ایک طشت میں گلاب اور ایک میں مشک و عنبر رکھتے تھے۔ جب

یزید آواز دیتا تھا تو وہ جانور اپنے مقام سے اُڑ کر گلاب میں غوطہ مار کر مشک و عنبر میں لوٹتا تھا۔ پھر آواز دیتا تھا تو وہ جانور یزید کے سر پر آ کر مشک و گلاب چھڑکتا تھا تو وہ لعین کہتا تھا کہ دیکھو! میں ایسا امام ہوں کہ جانور تک میری اطاعت کرتے ہیں۔

پس معمول سے اُس جانور کو بھی اُس مجلس میں لائے جو سرِ امام حسینؑ کے آنے کی خوشی میں آراستہ ہوئی تھی۔ یزید لعین نے امام حسین علیہ السلام کے سرِ اقدس کو طشتِ طلا میں رکھ کر تخت کے نیچے رکھوا دیا اور اُس شقی کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اُس سے لب و دندانِ مظلومؑ کو کھولتا تھا اور بے ادبی کے کلمات بک رہا تھا۔

راوی کہتا ہے کہ اُس وقت علمائے نصاریٰ سے ایک پیر جاثلیق نامی حاضر تھا، یہ بے ادبی دیکھ کر متعجب ہوا اور یزید سے کہنے لگا: یہ کس کا سر ہے؟ مُردوں سے تو کوئی قصاص نہیں لیتا۔ اس نے کیا گناہ کیا کہ تو اب تک اس کے سرِ بریدہ کو چھڑی لگا کر بدلہ لیتا ہے۔ تیرے دین پر تھا یا غیر ملت تھا؟

"قَالَ هٰذَا الرَّاسُ حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

اُس نے کہا: نبیؐ کی بیٹی، فاطمہؑ کے بیٹے حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے۔

وہ بولا:

آن لب کہ بوسہ داد برو بارہا رسولؐ
سویش بچوب کردن اشارت کجا رواست

یزید! اس سر کو اپنے سامنے سے اُٹھوا دے، ایسا نہ ہو کہ خدا تجھے ہلاک کر دے۔

ابھی میں اپنے معبد میں سوتا تھا کہ عالمِ خواب میں ایک صدائے عظیم سنی۔ آسمان کی طرف جو میں نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ ایک مردِ نورانی صورت، گیسوؤں پر خاک پڑی، چہرے پر خون ملے بہت سے لوگوں کو ساتھ لئے زمین پر نازل ہوئے۔ کسی سے میں نے

پوچھا کہ یہ حضرت کون ہیں؟ اُس نے کہا کہ یہ محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ اپنے فرزند حسینؑ کا لہو اپنے چہرے پر مل کر آئے ہیں اور یہ ملائکہ اُنؐ کے ساتھ تعزیت کو جا رہے ہیں۔

یزید نے غضبناک ہو کر کہا: وائے ہو تجھ پر، خواب شیطانی کو حق سمجھتا ہے؟

پھر حکم دیا کہ اسے تازیانے لگاؤ۔ لوگوں نے جاثلیق کو زمین پر گرا دیا اور کشاں کشاں تخت کے قریب لا کر بہت کوڑے لگائے۔ اُس نصرانی نے مظلومِ کربلا کے سرِ بریدہ کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا:

"یا ابا عبداللہ! آپؑ گواہ رہیں کہ میں صدقِ دل سے مسلمان ہوتا ہوں"۔

یہ کہہ کر زبان پر کلمہ جاری کیا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ".

پھر یزید سے مخاطب ہو کر بولا: جس قدر چاہے، آزار دے۔ خاتم الانبیاءؐ میرے سامنے کھڑے ہیں، ایک تاجِ مرصع اور ایک پیرہن نورانی ہاتھ میں لئے ارشاد فرماتے ہیں:

"اے جاثلیق! جلد آ کہ یہ نعمت تیرے لئے موجود ہے۔ حسینؑ کی محبت کی وجہ سے اب تو فردوسِ اعلیٰ میں میرا رفیق ہوگا"۔

اس کے بعد اپنی شان و شوکت حاضرینِ مجلس کو دکھانے کیلئے یزید نے اُس جانور کو آواز دی۔ وہ جانور اُڑا اور گلاب میں غوطہ مار کر مشک و عنبر میں لوٹا۔ یزید نے پھر آواز دی مگر وہ جانور اپنے مقام سے نہ ہلا۔ دوسری آواز دی، پھر بھی وہ جانور اُس کی طرف نہ آیا۔ جب تیسری بار آواز دی تو وہ جانور اُڑا مگر اُس لعین کی طرف نہ گیا بلکہ سرِ اقدسِ امام حسینؑ کی طرف آیا اور اُس سرِ بریدہ، خون آلودہ کے گرد پھرنے لگا اور رونے لگا۔ گلاب و مشک اُس پر چھڑکتا تھا۔ آخر بیتاب ہو کر وہ جانور سرِ اقدس پر گر پڑا اور پھر اُڑ کر دیوار پر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد روتا ہوا اور نوحہ و شیون کرتا ہوا صحرا کی طرف چلا گیا۔ حضرتؑ کی یہ

کرامت دیکھ کر تمام حاضرین مجلس حیران تھے اور کہتے تھے کہ یہ شخص کیا بزرگ ہے کہ جانور پر بھی اس کی بزرگی ثابت ہے۔

یزید بے حیا بولا: اے لوگو! تم نے بنی ہاشم کا سحر دیکھا کہ جانور تک اُن کے سحر میں مبتلا ہیں۔

اُس وقت جناب زینبؑ کو تاب نہ رہی۔ بیتاب ہو کر بولیں: ''اے یزید! یہ سحر نہیں بلکہ فرزندِ رسولؐ خدا کی حقیقت ہے کہ جانور بے زبان تک اُس کی مصیبت میں روتے ہیں اور یہ کیا مصیبت میں روتے ہیں بلکہ اُس کی مصیبت میں زمین و آسمان اور دریا تک روتے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر یزید لعین نے مارے عداوت کے حکم دیا کہ اس سر کو مسجد دمشق کے دروازے پر لٹکا دو۔ پس وہ سر اقدس مسجدِ دمشق کے دروازے پر، جہاں پانچوں وقت کی نماز اور اذان ہوتی تھی، لٹکا دیا گیا۔

مؤمنین! وہ بے حیا کس منہ سے کلمہ پڑھتے ہوں گے، حالانکہ اُسی رسولؐ کے نواسے کا سر اُسی مسجد کے دروازے پر لٹکا ہوا تھا!!

اشعارِ شافعی، امام زین العابدینؑ سے منہال کی ملاقات

قَالَ الشَّافِعِیُّ نَزَلْزَلَتِ الدُّنْيَالِاٰلِ مُحَمَّدٍ
فَكَادَتْ لَهُمْ صُمُّ الْجِبَالِ تَذُوْبُ

آلِ رسولؐ خدا کی مصیبتوں سے ساری دُنیا تہ و بالا ہو گئی اور قریب تھا کہ پہاڑ اُس غم میں پانی ہو کر بہہ جاتے۔

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہاڑوں میں سماعت کی قوت ہوتی تو یہ وہ مصیبتیں ہیں کہ سن کر پانی ہو جاتے۔ انسان کا دل کیونکر نہ روئے!

وَغَارَتْ نُجُوْمٌ وَاقْشَعَرَّتْ كَوَاكِبٌ
وَهَتَكَ اَسْتَارٌ وَشُقَّ جُيُوْبٌ

آہ! کیسے کیسے دین کے ستارے غروب ہو گئے اور کیسے کیسے شرع کے پردے پارہ پارہ ہوئے! کس کس کے گریبان چاک نہ ہوئے جن کے ماتم میں آفتاب، مہتاب اور آسمان کے ستارے کانپنے لگے۔

منقول ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اہل بیتِ رسولؐ خدا کی یہ نوبت ہوئی کہ وہ پردہ دارانِ عصمت جن کے دروازے پر فرشتے اجازت لے کر حاضر ہوتے تھے، وہ سب مخدرات سر برہنہ، پھٹے ہوئے لباس میں دربدر پھرائی جاتی تھیں۔ کبھی اشقیاء ترک و روم کی کنیزوں کی طرح صحراؤں، جنگلوں میں کشاں کشاں لئے پھرتے تھے، کبھی تماشائیوں کو دکھانے کیلئے قریوں اور شہروں میں لئے پھرتے تھے۔ ظالموں کو اُن بیکسوں کی یہ ذلت و خواری بھی کافی نہ ہوئی۔ دمشق میں ایسے مکان میں بند کر دیا کہ

اُس سے زیادہ پرانا اور خراب کوئی اُس شہر میں نہ تھا۔

حدیث میں ہے کہ دن کی دھوپ سے اُن مصیبت زدوں کو یہ اذیت پہنچی تھی کہ چہروں کے پوست اُڑ گئے تھے۔

انوارِ نعمانیہ میں منہال سے منقول ہے کہ ایک دن دمشق میں ایک قید خانہ کے قریب میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ وہ حضرتؑ نحیف و نزار، چہرہ کا رنگ زرد، ناتوانی سے بدن میں رعشہ، عصا پر تکیہ کئے کھڑے تھے۔ جب میری نگاہ حضرتؑ کے قدموں پر پڑی تو دیکھا کہ پائے مبارک چوبِ خشک کی طرح سوکھ گئے ہیں اور برابر لہو بہتا ہے۔

تابِ ضبط باقی نہ رہی۔ دیکھتے ہی میں اس شدت سے رویا کہ گریہ گلوگیر ہو گیا۔

عرض کی: "یا ابن رسول اللہ! آپؑ کا کیا حال ہے؟"

حضرتؑ بہت روئے اور آہستہ سے نحیف آواز میں فرمایا: "اُس شخص کا کیا حال پوچھتا ہے جو بے وطن ہو کر پردیس میں باپ، بھائیوں سے چھٹ کر، ماں بہنوں کو ساتھ لئے سر برہنہ، چادروں کے بغیر بازاروں اور درباروں میں پھر کر ایک خرابہ میں قید ہو۔ محرم کی ساتویں سے لے کر آج تک اُس کو اتنا پانی نہ ملا ہو کہ بے وارث عورتیں اور یتیم بچے سیر ہوتے۔ رات دن گریہ وزاری میں بسر ہوتا ہے۔

اے منہال! عجم پر عرب اور تمام عرب پر قریش افتخار کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا ہم سے ہیں اور یہ اُمتِ جفاکار فخر کرتی ہے کہ ہم نے پیغمبرؐ کا گھر برباد کر دیا۔ اپنے نبیؐ کی اولاد سے مردوں کو قتل کیا، عورتوں کو ترک و روم کے قیدیوں کی طرح اسیر کر کے در بدر پھرایا۔

اے منہال! یزید کی عداوت اور دشمنی اس درجہ ہے کہ جب وہ ہمیں اپنے دربار میں بلاتا ہے تو یقین ہوتا ہے کہ بلا کر قتل ہی کرے گا"۔

منہال کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: "یا ابن رسول اللہ! اس وقت کہاں تشریف

لے جانے کا قصد ہے؟"

حضرتؑ نے کس بیکسی سے فرمایا: "اس قید خانہ کے سوا اور کہاں جا سکتا ہوں؟

اے منہال! اس خرابہ میں کوئی سایہ بھی نہیں اور ایسی تنگ جگہ ہے کہ ہوا بھی کسی طرف سے نہیں آتی۔ اس بیماری میں دھوپ کی شدت، گرمی کی اذیت سے جب دم گھٹنے لگتا ہے تو بیتاب ہو کر باہر نکل آتا ہوں مگر پھر خیال آتا ہے کہ میرے وہاں رہنے سے عورتوں اور بچوں کو فی الجملہ تسکین تھی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بی بی یا بچہ گھبرا کر مر جائے۔ لہٰذا پھر اُنہی لوگوں کے پاس چلا جاتا ہوں"۔

"قَالَ مِنْهَالُ فَبَيْنَا كَذٰلِكَ قَدْسَمِعْتُ صَوْتَ كَرِيْمَةٌ تُنَادِيْ يَاقُرَّةَ عَيْنِيْ يَاثَمَرَةَ فُؤَادِيْ يَاعَلِيُّ اَيْنَ اَنْتَ فَتَرَكْتَنِيْ وَرَجَعَ اِلَى الْمَجْلِسِ بَاكِيًا".

منہال کہتے ہیں کہ ابھی حضرتؑ مجھ سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک بی بی کی آواز آئی: اے بھائی کی نشانی، اے بے وارثوں کے وارث، اے زین العابدینؑ! کہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ مجھے تمہاری اتنی جدائی بھی گوارا نہیں۔ بیٹا! جلد آؤ، اگر دیر ہوئی تو پھر پھوپھی کو نہ پاؤ گے۔

یہ سنتے ہی حضرتؑ بیتاب ہو گئے۔ مجھے چھوڑ روتے ہوئے واپس قید خانہ میں چلے گئے۔

"فَعَرَفْتُ اَنَّهَا كَانَتْ زَيْنَبُ بِنْتِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ".

میں حیران تھا کہ کس بی بی نے پکارا جس کی آواز سنتے ہی حضرتؑ بے چین ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ آپؑ کی پھوپھی، بھتیجے کی شیدا، نبیؐ کی نواسی، زینبؑ خاتون ہیں۔

مذمتِ دُنیا؛ زندانِ شام کا روزن بند ہونا

اَلَا اِنَّمَا الدُّنْیَا دُوَیْرُ الْمَذَلَّۃِ
وَقَدْ ذَمَّھَا اَجْدَادُنَا اَھْلُ عِصْمَۃِ
تُسِیْئُ اِلٰی اَھْلِ الْعُلُوْمِ اُوْلِی النُّھٰی
وَتَرْعٰی لِذِیْ جَھْلٍ فَغُلٍّ وَشِقْوَۃِ

اے طالبانِ دُنیا! آگاہ ہو کہ یہ دارِ عبرت و مقامِ ذلت ہے جس کی توہین و مذمت میں اکثر احادیث آئمہ معصومینؑ سے وارد ہیں۔ اس کا یہ حال ہے کہ صاحبانِ علم و ادراک کے ساتھ بدسلوکی اور برائی سے پیش آتے ہو اور مردانِ بدعت و شقاوت اور اہلِ ذلت و جہالت کے ساتھ نہایت توجہ و رعایت کرتے ہو!

اَلَا حُلْوُھَا مُرٌّ کَصَبْرٍ وَاِنَّھَا
لَعِزَّتُ ذَوِیْ مَالٍ بِجَاہٍ وَحَشْمَۃِ
اَلَا طَالِبُوْھَا کَالْکِلَابِ وَاِنَّھَا
کَمَا قَالَ خَیْرُ الْاَنْبِیَاءِ کَجِیْفَۃِ

اس کی شیرینی فی الحقیقت حنظل سے بھی تلخ اور ناگوار ہے مگر صاحبانِ دولت کو اس نے اپنے فریب میں لا کر جاہ و حشمت و مال کی ہوس میں مغرور و مبہوت کر دیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جنابِ رسالت مآبؐ کے ارشاد کے مطابق اس دنیا کی مثال مردار کی سی ہے اور اہلِ دُنیا مردار کھانے والے کتوں کی طرح ہیں۔

تَنَعَّمَ فِیْھِ آلُ مَرْوَانَ فَرْحَۃً
وَآلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَمْ یَتَنَعَّمُوْا

اس دنیا کی کج رفتاری مقامِ عبرت ہے کہ آلِ مروان کیلئے سامانِ عیش و فرحت باہم کیا اور اولادِ رسولؐ و فرزندانِ بتولؑ کیلئے اسبابِ ذلت و خواری فراہم کیا۔

لِاٰلِ اَبِیْ سُفْیَانَ دُوْرٌ مَسَرَّۃٍ
وَفِیْ بَیْتِ اَھْلِ الْبَیْتِ قَدْ قَامَ مَاتَمٌ

آلِ ابوسفیان کس راحت و سرور سے اپنے حجروں میں بسر کرتے ہیں اور اہلِ بیتِ رسولِ خدا اور مالکانِ ارض و سما کے گھروں میں ماتم برپا ہے۔

وَسِبْطُ نَبِیِّ اللّٰہِ یُنْکَتُ ثَغْرُہٗ
وَاَوْلَادُ حَرْبٍ ثَغْرُھُمْ یَتَبَسَّمُ

فرزندِ رسولُ الثقلین جنابِ امام حسینؑ کے دندان مبارک چوبِ بید کے صدمے اُٹھاتے ہیں اور فرطِ مسرت سے بنی اُمیہ کے لب متبسم ہیں۔

لَقَدْ قَامَ فِیْ آلِ النَّبِیِّ قِیَامَۃٌ
وَعِنْدَ اَھَالِی الشَّامِ عِیْدٌ وَمَوْسَمٌ

اہلِ بیتِ خیرالانامؐ اور ذریتِ امامِ تشنہ کامؑ کے واسطے تو قید خانہ میں سامانِ قیامت برپا ہے اور ساکنانِ شام اور تابعین یزید بدانجام کے واسطے عید کے دنوں سے بھی بڑھ کر ایامِ فرحت و سرور ہیں۔

اللہ اللہ! کہاں عترتِ رسولِ مختار اور کہاں مجلسِ تیرہ و تار۔ کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ اُس شدید قید میں کسی طرح کی تشفی دیتا۔ کیا حال ہوا ہوگا اُن حضراتؑ کا جب اپنے وارثوں کو یاد کرتے ہوں گے اور روضۂ رسولؐ و مزارِ بتولؑ سے جدا ہونے کا جب خیال آتا ہوگا تو اُس مقامِ ناپرساں میں کیا کرتے ہوں گے!

کتاب زاد العاقبت میں مرقوم ہے کہ شہادتِ مظلومِ کربلا کے بعد یزید لعین نے جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کو مع اہلِ بیتِ طاہرین ایسے تنگ و تاریک زندان میں مقید

کیا جہاں روشنی اور ہوا کا گزر دشوار تھا۔ مگر ایک روشن دان اُس مکان میں یثرب کی جانب واقع تھا، بیمارِ کربلا اکثر اُس کے قریب بیٹھ کر اپنی مصیبتوں کو یاد کر کے رویا کرتے تھے۔ ایک دن یزید نے حضرتؑ کی صدائے گریہ سنی۔ خادموں سے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے؟

کسی نے کہا کہ اُس زندان میں جہاں اہل بیتؑ رسولؐ مقید ہیں، ایک سوراخ مدینہ کی جانب واقع ہے، علیؑ ابن الحسینؑ اکثر اُس جگہ بیٹھ کر اپنے جدِ بزرگوار سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کرتے ہیں اور روتے ہیں۔

یہ سنتے ہی وہ شقی برہم ہوا اور حکم دیا کہ ابھی اُس روشن دان کو بند کیا جائے۔

مؤمنین! اس حکم کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ حضرتؑ جو اُس سوراخ کے قریب بیٹھ کر روتے تھے، بنظرِ ایذا رسانی یہ بھی اُس شقی کو منظور نہ ہوا اور دوسرے عجب نہیں کہ یزید سمجھا ہو کہ حضرتؑ کی آوازِ گریہ اُس سوراخ سے گزر کر اہل شام کے کانوں میں پہنچے گی تو لوگ اُس کے مخالف ہو جائیں گے۔

بہر حال جب زندان کا وہ سوراخ بند کر دیا گیا تو گرمی کی شدت اور ہوا کے نہ آنے سے قریب تھا کہ بیبیاں گھٹ گھٹ کر مر جائیں۔ سب بیتاب ہو کر امام زین العابدینؑ کے پاس آتے تھے اور فریاد کرتے تھے۔

حضرتؑ سے اُس حال میں کیا چارہ ہو سکتا تھا! سوائے اس کے کہ سب کے ساتھ آپؑ بھی بیقرار ہو کر رونے لگتے تھے۔ منقول ہے کہ اُس سوراخ کے بند ہونے سے قبل کسی دن ایک عرب کو دیکھا، پوچھا کہ تو کون ہے؟ کیا ارادہ ہے؟

اُس نے عرض کی کہ میں یثرب کا رہنے والا ہوں اور وہیں جا رہا ہوں مگر راہ گم کر بیٹھا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے قریب آ۔ جب وہ نزدیک آیا تو آپؑ نے پوچھا کہ مدینہ میں محلہ بنی ہاشم سے بھی آگاہ ہے؟ ان دنوں وہاں کا کیا حال ہے؟

اُس نے کہا: چند روز گزرے ہیں کہ جنابِ امام حسینؑ اہل کوفہ کے بلانے پر وطن

سے عراق کو تشریف لے گئے ہیں اور سب اہل بیتؑ بھی حضرتؑ کے ساتھ ہیں مگر ایک بیمار دختر جس کا نام فاطمہ صغریٰ ہے، اُس کو آپؑ اکیلا گھر میں چھوڑ گئے ہیں۔ وہ اپنے باپؑ، ماں اور بہنوں کی مفارقت میں رات دن روتی رہتی ہے۔

بیمارِ کربلا نے پوچھا: آیا باغ فدک تک بھی تیرا گزر ہوا تھا؟

اُس نے عرض کی: جب میں اُس مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ بنی ہاشم میں عجب قیامت برپا تھی کہ اُن کے رونے سے میرا کلیجہ شق ہونے لگا۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ تفصیل سے بیان کر، اُن میں شور و ماتم کیوں برپا تھا؟

عرض کی: جنابِ رسالت مآبؐ نے خرمہ کے چودہ درخت اپنے دستِ مبارک سے لگائے تھے اور تا حیات صبح و شام اُس مقام پر تشریف لے جاتے تھے اور اُن کے سایہ میں بیٹھ کر رویا کرتے تھے۔ لیکن گریہ کا سبب کسی پر ظاہر نہ تھا۔ اس مرتبہ جو میں نے شام کا سفر کیا تو ایک روز بطورِ سیر اُس باغ میں گیا لیکن وہ طراوت و شادابی جو عہدِ پیغمبرؐ میں دیکھی تھی، نہ پائی بلکہ اُس زمین سے اب آثارِ ویرانی ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھنے سے میرا دل خود بخود بھر آیا اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ پانچ درخت میں نے جڑ سے اُکھڑے ہوئے پائے اور اُنہی درختوں میں سے ایک درخت کو دیکھا کہ اُس کی ہر شاخ اور جڑ سے خون کے قطرات ٹپک رہے ہیں۔

میں نے مزید سنا ہے کہ شب کو ایک گروہ آسمان سے اُترتا ہے اور ساری رات گریہ وزاری کرتا ہے کہ اُن کے رونے سے تمام اہل مدینہ اور بنی ہاشم میں ایک قیامت برپا ہوتی ہے۔ ''وَاحُسَیْنَاہُ، وَامَظْلُوْمَاہُ'' کی صدا ہر جانب سے بلند ہوتی ہے اور فاطمہ صغریٰ، حسینؑ کی دختر اُس درخت کی شاخ پر سر رکھ کر ''ہائے بابا جان'' کہہ کر روتی ہیں اور خون کے قطرات لے کر اپنے رخساروں پر ملتی ہیں۔

میں نے چھٹے درخت کو دیکھا کہ اُس کی جڑ قائم ہے مگر ہر وقت اُس کے برگ

پژمردہ رہتے ہیں اور خونیں اشک ٹپکتے ہیں۔ فقط نماز پنجگانہ کے وقت تروتازہ ہو جاتے ہیں۔ ہر چند چاہا کہ یہ حقیقت ہم پر ظاہر ہو اور استفسارِ حال بھی کیا مگر کوئی بھی جوابِ شافی نہ دے سکا۔

یہ سنتے ہی بیمارِ کربلا نے ایک آہِ سرد کھینچ کر ارشاد فرمایا: "اے عرب! آگاہ ہو کہ چودہ درخت جو تو نے دیکھے تھے، اُن سے مراد چودہ معصومؑ ہیں۔ ان میں سے اوّل ذاتِ پاک، جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھی اور اُن میں سے چودھویں قائم آلِ محمدؑ ہیں۔ جب حبیبِ خدا نے رحلت فرمائی تو ایک درخت، جنابِ سیدہؑ کے انتقال کے بعد دوسرا درخت اور جنابِ امیرؑ کی شہادت کے بعد تیسرا درخت گر پڑا۔ پانچویں درخت کے گرنے کا کیا سبب بیان کروں؟

افسوس ہزار افسوس! جس حسینؑ کا تو نے ذکر کیا، اہلِ کوفہ نے اُنہیں مہمان بلا کر مع عزیز و انصار تین دن کا بھوکا پیاسا صحرائے کربلا میں مثلِ گوسفندِ قربانی ذبح کیا۔

چھٹے درخت کو جو تو نے پژمردہ و خشک پایا، اُس سے مراد علیؑ ابن الحسینؑ ہیں کہ اب اُن کا لقب بیمارِ کربلا اور اسیرِ کربلا ہے۔ اُنؑ کی بہنوں کے سامنے بھائی اور عزیز اور باپؑ کو قتل کیا گیا اور اہلِ بیتِ نبوّت کو مع اُس بیمار کے شترانِ بے کجاوہ پر بٹھا کر ہر شہر و دیار، کوچہ اور بازار میں پھرایا گیا اور زندانِ تیرہ و تاریک میں قید کیا گیا"۔

یہ سنتے ہی اُس عرب نے اپنا سر زمین پر دے مارا اور اس قدر رویا کہ غش کر گیا۔
جب افاقہ ہوا تو عرض کی: "اے اسیرِ بلا! مجھ کو یہ بتایئے کہ آپ کون ہیں اور کس جرم میں آپ کو قید کیا گیا ہے اور یہ حال بنا دیا ہے کہ تمام رخسارۂ مبارک مجروح و نیلگوں ہو گیا ہے۔ دست و پا سے آپ کے خون جاری ہے، حالانکہ آپ کے چہرے سے آثارِ جلالت و ریاست پائے جاتے ہیں"۔

حضرتؑ نے رو کر فرمایا: "اے بھائی! میں ہی علیؑ ابن الحسینؑ ہوں۔ مجھ پر یہ

سب آفتیں گزر گئیں کہ باپؑ کو، بھائیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے دیکھا۔ ماں بہنوں کے ساتھ گرفتار ہو کر اس طرح شہروں میں پھرایا گیا کہ کسی بی بی کے سر پر چادر تک نہ تھی۔ سب کو اشقیاء نے شترانِ بے کجاوہ پر سوار کیا تھا اور اونٹوں کی مہار میرے ہاتھ میں دی تھی کہ میں بیماری کی شدت میں طوق و زنجیر میں جکڑا کربلا سے یہاں تک پاپیادہ آیا ہوں۔ جب میں راستے میں کانٹوں پر، کنکروں پر چل نہ سکتا تھا تو اشقیاء نوکِ نیزہ میری پشت پر چبھاتے تھے۔

اِن سب مظالم پر مجھے رونے بھی نہ دیتے تھے۔ جب میں فریاد کرتا تھا تو ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر وہ ایذا دیتے تھے جس سے میرے رخساروں پر نیل پڑ گئے ہیں اور اِن سب جفاؤں کے بعد اب تو دیکھتا ہے کہ کس طرح تنگ و تاریک جگہ پر اپنی ماں بہنوں کے ساتھ قید ہوں۔ کیا چارہ ہو سکتا ہے، سوائے اس کے کہ رات دن عزیزوں کو یاد کر کے رویا کرتا ہوں۔
ابھی یہ باتیں اُس عرب اور حضرتؑ کے درمیان ہو رہی تھیں کہ نگہبانِ زندان نے آ کر ہر چار طرف سے اُس عرب کو گھیر لیا اور یزید کے غضب سے تہدید کرنے لگے۔ مگر وہ راسخ العقیدہ وہاں سے جدا نہ ہوتا تھا۔

اُس وقت جنابِ سید الساجدینؑ نے فرمایا: "اے عرب! اپنی آنکھیں بند کر لے کہ فوراً تو مدینہ میں پہنچ جائے گا لیکن جب وہاں پہنچا تو ہماری کیفیت جدۂ ماجدہ جنابِ اُمِ سلمہؓ سے اور بہن فاطمہ صغریٰؑ سے بیان کرنا اور سلام کے بعد کہنا کہ علیؑ ابن الحسینؑ سب مردانِ اہل بیتؑ کو کربلا میں کھو کر چند مستورات کو لے کر مدینہ میں داخل ہوا چاہتے ہیں"۔
جونہی یہ کلمہ جنابِ زینبؑ نے در کے پیچھے سے سنا تو فرمایا: "اے فرزند! یہ پیام فاطمہ صغریٰؑ کو کس کی زبانی دیتے ہو؟ کیا کوئی شخص مدینہ جا رہا ہے؟"
حضرتؑ نے کہا: "ایک عرب جا رہا ہے"۔
جنابِ زینبؑ نے فرمایا: "میری طرف سے بھی صغریٰؑ کو دعا کے بعد یہ کہہ دینا

کہ بیٹی! آج تک مجھ پر کیا کیا مصیبتیں پڑیں، کیا کیا حادثے گزر گئے مگر کسی حال میں بھی تمہاری یاد میرے دل سے نہ بھولی۔ تمہارے صدمۂ جدائی نے مجھے مار ڈالا"۔

اُس عرب نے عرض کی: "اے مولاؑ! یہ خاتونِ معظمہ کون ہیں؟"

ارشاد کیا: "یہ علیؑ کی دختر، ہماری پھوپھی جنابِ زینبؑ ہیں۔ اے بھائی! ہم بیکسوں کا حال تفصیل سے ہماری بیمار بہن سے بیان کرنا"۔

الغرض اُس عرب نے حسبِ ارشادِ حضرتؑ آنکھیں بند کر لیں اور چشم زدن میں آنکھیں جو کھولیں تو اپنے آپ کو مدینہ میں پایا۔ غسل زیارت کر کے اوّل زیارت روضۂ منورہ جنابِ رسولِ خداؐ سے مشرف ہوا۔ بعد ازاں جنابِ امام حسینؑ کے در بیت الشرف پر حاضر ہو کر آواز دی:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعْدَنِ الرِّسَالَۃِ"۔

جنابِ فاطمہ صغریٰؑ نے فرمایا: "اے بندۂ خدا! تجھ پر بھی سلام پہنچے۔ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

عرض کی: "میں غریبانِ اہل بیتؑ اور اسیرانِ شام کا کچھ پیام لایا ہوں"۔

یہ سنتے ہی جنابِ فاطمہ صغریٰؑ اشتیاق میں بیتاب ہو کر درِ خانہ تک دوڑیں اور کہنے لگیں: "جلد بیان کر، کیا خبر لایا ہے؟"

جب قاصد نے چاہا کہ کچھ بیان کرے، اُسے ایسا صدمہ ہوا کہ تابِ ضبط نہ رہی اور غش کھا کر گر پڑا اور جان بحق تسلیم ہو گیا۔

مؤمنین! چونکہ اکثر اُس صاحبزادیؑ نے خوابِ پریشان دیکھے تھے، قاصد کا یہ حال دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ حسینیؑ قافلہ تباہ اور خاندانِ رسالتؐ برباد ہو گیا ہے۔ بیقرار ہو کر زار زار رونے لگیں اور فریاد بلند کرنے لگیں۔ قریب تھا کہ روح جسم سے پرواز کر

جائے، بنی ہاشم کی چند عورتوں نے جمع ہو کر کلماتِ تشفی و تسکین کہے۔ کسی طرح وہ صاحبزادیؑ خاموش نہیں ہوتی تھیں اور زیادہ بیقرار ہو کر روتی تھیں۔

پس جنابِ فاطمہ صغریٰؑ کے رونے سے عورتوں میں ایک شور بلند ہوا، گویا قیامتِ کبریٰ خانۂ صغریٰؑ میں برپا تھی۔

امام حسینؑ سے محبتِ رسولؐ خدا، ناظر مجلس کا جائزہ لینا، جنابِ سکینہؑ کی وصیت

"رُوِیَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ خَرَجَ مَعَ اَصْحَابِہٖ فَاِذَا الْحُسَیْنُ یَلْعَبُ مَعَ الصِّبْیَانِ فَاسْتَقْبَلَ النَّبِیُّ اَمَامَ الْقَوْمِ ثُمَّ بَسَطَ یَدَیْہِ".

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک روز جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع جماعت اصحاب تشریف لئے جاتے تھے، دیکھا کہ امام حسینؑ صغرسنی میں بچوں میں کھیلتے پھر رہے ہیں۔ حضرتؐ اپنے فرزند کو دیکھ کر سب اصحاب سے آگے بڑھے اور دونوں ہاتھ پھیلا کر چاہا کہ گود میں اُٹھالیں۔

"فَطَفِرَ الصَّبِیُّ ھُنَا مَرَّۃً وَھٰھُنَا مَرَّۃً وَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یُضَاحِکُہٗ حَتّٰی اَخَذَہٗ".

جب حضرتؐ نے گود میں اُٹھانے کا قصد کیا، امام حسینؑ دوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ پھر آپؐ اس شہزادے کے قریب پہنچے، امام حسینؑ اور آگے بڑھ گئے۔ غرض جنابِ رسالت مآب بچوں کی طرح اپنے نواسے کے ساتھ دوڑتے تھے اور امام حسینؑ کو ہنساتے جاتے تھے۔ آخر اُس معصومؑ کو پکڑلیا۔

راوی کہتا ہے کہ عجب پیار سے رسولؐ خدا نے ایک ہاتھ اُس شہزادے کی ٹھوڑی کے نیچے اور دوسرا ہاتھ گردن کے نیچے رکھ کر اپنا منہ لب و دندانِ حسینؑ پر رکھ دیا اور خوب پیار کیا اور فرمایا:

"حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ

اَحَبَّ حُسَیْنًا".

حسینؑ مجھ سے ہے یعنی حسینؑ کا گوشت و پوست اور استخوان میرا گوشت و پوست ہے اور حسینؑ میری روح ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص کو دوست رکھے جو میرے فرزند حسینؑ کو دوست رکھتا ہے۔

مومنین! اب مقام سر پیٹنے کا اور خاک اُڑانے کی جگہ ہے کہ جس شہزادے کا سرِ اطہر جنابِ رسولؐ خدا اپنے سینہ سے لگائیں، افسوس صد افسوس کہ اُس سرِ اقدس کو اشقیائے اُمت تن سے جدا کر کے کبھی نیزہ پر چڑھائیں اور کبھی درخت پر لٹکائیں اور کبھی دروازے پر لٹکائیں۔

وَسِبْطُ رَسُوْلِ اللّٰہِ یُنْکَتُ ثَغْرُہٗ
وَاَوْلَادُ حَرْبٍ ثَغْرُھُمْ یَتَبَسَّمُ

افسوس! حسینؑ کے وہ سوکھے ہونٹ جن پر رسولؐ خدا اپنے لبوں سے بوسہ دیتے تھے، وہ چوب بید سے کھولے جائیں اور بنی اُمیہ کے لب فرطِ خوشی سے متبسم ہوں۔

رَیَاحِیْنُ بُسْتَانِ الرِّسَالَۃِ ضُیِّعَتْ
وَبَذْرُ خَبِیْثٍ زَارَعُوْہُ لَہٗ نُمُوٌّ

افسوس کہ چمن رسالتؐ کے پھول پژمردہ اور ضائع ہوں اور تخم نجس اور خبیث کیلئے روز بروز نشو ونما ہو۔

لَقَدْ قَامَ فِیْ آلِ النَّبِیِّ قِیَامَۃٌ
وَعِنْدَ اَھْلِ الشَّامِ عِیْدٌ وَمَوْسَمٌ

کیا قیامت ہے کہ اولادِ رسولؐ میں تو قیامت برپا ہو اور اہل شام عید کے دن کی طرح جشن میں مصروف ہوں۔ آہ! نبیؐ کی نواسیاں، علیؑ کی بیٹیاں ایسے جائے ناپرساں میں قید تھیں کہ کوئی بات تک نہ پوچھتا تھا اور رونے پیٹنے میں سوائے جنابِ سیدہؑ کے کوئی ساتھ نہ

دیتا تھا۔

چنانچہ صاحبِ نظم الاحزان بروایات مختلف لکھتے ہیں کہ ایک رات ناظر مجلس جو اسیرانِ اہلِ بیتؑ کا نگہبان تھا، کیا سنتا ہے کہ ایک بی بی قید خانہ کے باہر اُس ماں کی طرح، جس کا بیٹا مر گیا ہو، بین کر کے رو رہی ہے۔ صبح کو وہ نگہبان بدگمان ہو کر زندان میں داخل ہوا، ہر ایک قیدی کا فہرست کے مطابق جائزہ لیا۔ سب کو پورا پایا بلکہ مکرر شمار کیا اور کوئی کمی نہ پائی۔ دل میں کہنے لگا کہ میں نے خوب سنا ہے کہ ایک بی بی زندان کے باہر بین کر رہی ہے۔ ناچار ہو کر اُن بیکسوں سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی بی بی باہر گئی ہے؟

جنابِ زینبؑ نے ارشاد فرمایا: ''اے زندان بان! ہم لوگ وہ نہیں ہیں کہ آپس میں کسی کو ایسی مصیبت و آفت میں گرفتار چھوڑ کر چلے جائیں اور ابھی تو ہم اسیروں کے وارثوں کے سر یہاں ضبط ہیں۔ اس کے علاوہ ایک وارث جو قتل سے بچا ہوا ہے، وہ بھی بیماری سے نڈھال ہو چکا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کو گرفتار بلا چھوڑ کر چلے جائیں؟''

مگر وہ شقی برابر اصرار کرتا تھا کہ ضرور کوئی بی بی زندان سے باہر چلی گئی تھی۔ جنابِ زینبؑ فرماتی تھیں کہ ہم میں سے کبھی کوئی نہیں گیا، تو اپنی فہرست سے ملا لے۔ وہ کہتا تھا کہ فہرست کے مطابق تو سب کچھ ٹھیک ہے مگر میرے دل کو یقین ہے کہ کوئی بی بی باہر ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: ''اے زندان بان! ہم لوگ دروغ گو نہیں۔ اگر یونہی ہم غریبوں کو ستانے کو تیرا جی چاہے تو جو ظلم و ستم منظور ہو، کر لے کہ تیرے بس میں ہیں مگر تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ کوئی بی بی باہر تھی؟''

اُس نے کہا: ''آج میں نے باہر ایک بی بی کی آواز سنی ہے کہ تمام رات زندان کے چاروں طرف بیقرار پھرتی تھی اور اس بیکسی و درد سے بین کرتی تھی کہ سننے والوں کے دل بے چین ہوئے جاتے تھے۔ میرا بھی اُس کی آواز سے جگر پاش پاش ہو گیا اور شب بھر

نیند حرام ہو گئی۔ اس طرح بین کرتی تھی جیسے کوئی عورت اپنے پیارے فرزند کی لاش پر نوحہ کرتی ہے۔ ''وَاحُسَیْنَاہُ، وَامَظْلُوْمَاہُ، وَاقُرَّۃَ عَیْنَاہُ'' کہہ کر روتی تھی اور اُس کی آواز تمہاری آواز سے بہت مشابہ تھی۔ کیا عجب تم میں سے کوئی بی بی زندان کے باہر جا کر چلی آئی ہو؟''

یہ سن کر جنابِ زینبؑ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا: ''اے زندان بان! وہ فریادی بی بی ہم اسیروں میں سے نہیں بلکہ وہ جنابِ فاطمہ زہراؑ، میری والدۂ ماجدہ ہیں۔ کبھی تو صحرائے کربلا میں جا کر اپنے فرزند کی لاشِ پاش پاش پر روتی ہیں اور کبھی یہاں زندانِ بلا میں آ کر ہم اسیروں کے ساتھ گریہ کرتی ہیں اور کبھی خزانہ یزید میں جا کر اپنے لختِ جگر کا سرِ بریدہ کلیجہ سے لگا کر ماتم کرتی ہیں''۔

یہ سن کر وہ شقی باوجود قساوتِ قلبی کے رونے لگا اور باہر نکل آیا اور وہاں حرمِ محترم میں ہنگامہ برپا ہوا۔

ایک روایت کے مطابق اسی اثناء میں جنابِ سکینہؑ درِ زندان پر اپنے پدرِ مظلومؑ کے تصور میں رونے لگیں۔ یہاں جو جنابِ زینبؑ نے خیال فرمایا تو اس بچی کو اسیروں میں نہ پایا۔ بیتابانہ درِ زندان پر آئیں تو کیا ملاحظہ فرماتی ہیں کہ وہ نازپروردۂ حسینؑ درِ زندان پر سر جھکائے بیٹھی بلک بلک کر رو رہی ہے۔ حضرت زینبؑ اُس شہزادیؑ کے قریب گئیں اور اُس بچی کا سر اپنے سینہ سے لگا کر بکمالِ شفقت یوں دلاسا دینے لگیں:

''اے یادگارِ برادرؑ! تو یہاں تنہا کیوں رو رہی ہے؟ ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمنِ خاندانِ رسولؐ دیکھ لے اور تجھ کو آزار پہنچائے تو اس وقت کون بچائے گا؟''

اُس یتیم بچی نے عرض کی: ''اے پھوپھی! ہمارے ایامِ مصیبت گزر گئے۔ سختی و صعوبت کے دن بسر ہو گئے۔ اب آسائش کا وقت قریب پہنچ گیا ہے''۔

حضرتؑ نے فرمایا: ''اے بیٹی! تجھے کیونکر معلوم ہوا؟''

اُس یتیم نے عرض کی: ''ابھی میں نے اپنی جدۂ ماجدہ جناب فاطمہ زہراؑ کو عالم خواب میں دیکھا کہ وہ حضرتؑ میرے چھوٹے بھائی علی اصغرؑ کو اپنی آغوشِ مطہر میں لئے ہوئے تشریف لائی ہیں اور ارشاد فرماتی ہیں: اے سوگوار پدر، اے سکینہؑ! غم نہ کر، ایامِ مصیبت کٹ گئے۔ آج کی شب تو میرے پاس ہوگی۔

اب اے پھوپھی اماں! آپ سے دو وصیتیں ہیں، اوّل یہ کہ میں اس دارِ فانی سے گزر جاؤں اور شاید یزید ملعون مرگ کی خبر پا کر کوئی کفن بھیجے تو ہرگز ذرا سا بھی احسان اُس ملعون کا نہ لیجئے گا اور اسی پھٹے ہوئے کرتے میں مجھے دفن کر دیجئے گا۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ آپ جانتی ہیں کہ سات محرم سے آج تک اتنا پانی میسر نہ ہوا کہ میں کبھی سیر ہو کر پیتی، حرارتِ تشنگی سے ایسی آگ لگی ہے کہ میرے بدن کی ہڈیاں تک سلگ رہی ہیں۔ شاید یہ صدمۂ عطش موت کے بعد بھی قبر میں چین سے سونے نہ دے۔ اگر ممکن ہو تو ٹھنڈی جگہ پر میری لاش دفن کیجئے گا کہ زمین کی طراوت اور خنکی سے مرنے کے بعد تو کچھ تسکین پاؤں''۔

غرض اُسی رات وہ صاحبزادیؑ دُنیا سے گزر گئیں، اہل بیتؑ کیونکر یزید سے کفن مانگتے اور اپنے پاس سروں پر چادریں بھی نہ تھیں۔ جناب زینبؑ کیا کرتیں؟ کہاں سے کفن لاتیں؟ وصیت کے مطابق اُس بچی کے ملبوس میں ہی کفن دے کر ایک ٹھنڈی جگہ پر دفن کر دیا اور بیبیوں نے اُس چھوٹی سی تربت کے گرد حلقہ باندھ کر اس زور سے ماتم کیا کہ زمین ہلنے لگی۔

حدیث "اناقتیل العبرۃ"، روایتِ طاہر بن حارث اور وفاتِ جنابِ سکینہؑ

"فِی الْبِحَارِ عَنْ اِبْنِ خَارِجَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَهٗ فَذَكَرْنَا الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ".

کتاب بحارالانوار میں ابن خارجہ سے منقول ہے کہ میں کئی اشخاص کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ جنابِ امام حسینؑ کا کچھ ذکر ہوا۔

فَبَكٰی اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ وَبَكَیْنَا قَالَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَقَالَ

ہم سب بھی اور حضرتؑ بھی بے اختیار رونے لگے۔ پھر آپؑ نے سر اُٹھا کر فرمایا:

"قَالَ حُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ اَنَا قَتِیْلُ الْعَبْرَةِ لَایَذْكُرُنِیْ مُؤْمِنٌ اِلَّا بَكٰی".

یعنی میرے جدِ بزرگوار مظلومِ کربلا نے فرمایا کہ میں وہ کشتۂ گریہ ہوں کہ کوئی مؤمن میرا ذکر نہ کرے گا مگر یہ کہ روئے گا۔

علامہ محمد باقر مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ "قَتِیْلُ الْعَبْرَةِ" کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ میں "مَنْسُوْبٌ اِلَی الْعِبْرَةِ" اور سبب گریہ ہوں یعنی جو بھی میرا حال سنے گا، رونے لگے گا۔ دوسرے یہ کہ میں گریہ و بکا کے ساتھ قتل ہوا یعنی صبح سے دوپہر تک ظالموں نے مجھے رُلا رُلا کر قتل کیا۔ کبھی دوستوں اور عزیزوں کی لاشوں پر اور کبھی بہنوں سے، بیٹیوں سے رخصت کے وقت رُلایا۔

صاحبِ مجالس علویہ نے تین توجیہات اور بھی کی ہیں۔ ایک یہ کہ میں ایسا مقتول ہوں کہ میرے قتل ہونے سے پہلے انبیائے گزشتہ خصوصاً میرے نانا رسولؐ خدا اور پدرِ

بزرگوار علی مرتضیٰ مجھ پر اس طرح روئے ہیں گویا میں اُن کے سامنے شہید ہو چکا تھا۔ پھر جو مؤمن شہادت کے بعد میرا حال سنے گا، وہ کیونکر نہ روئے گا۔ دوسرے یہ کہ میں وہ مَقْتُولٌ مَعَ الْعَبْرَةِ ہوں کہ قاتل بھی مجھ پر رویا یعنی مجھے قتل بھی کرتے جاتے تھے اور میری مظلومی پر روتے بھی جاتے تھے، اس لئے کہ میرے مراتب کو جانتے تھے کہ میں کون ہوں۔ مجھے کوئی نادانستہ قتل نہیں کیا۔

پس جب دشمن تک میرے حال پر روتے تھے تو مؤمنین کیونکر نہ روئیں گے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ میں قتیل عبرۃ ہوں یعنی مجھے بار بار کے رونے نے قتل کر ڈالا تھا۔ تلواروں کی، نیزوں کی، تیروں کی کچھ احتیاج نہ تھی، ایسے ایسے میرے آغوش کے پالے، گودیوں کے کھلائے آنکھوں کے سامنے دم توڑ توڑ کر مر گئے کہ اُن کے غم نے مجھے مار ڈالا اور اہل بیتؑ کے بار بار رونے نے مجھے قتل کیا۔ جو مؤمن میرے مصائب سنے گا، وہ بے اختیار روئے گا کیونکہ بھائیوں کا، بیٹوں کا قتل ہونا اور بیواؤں کا، یتیموں کا رونا مجھے اپنے قتل سے زیادہ مشکل تھا۔

فی الحقیقت کونسا مؤمن ہوگا جو جنابِ سیدؑ الشہداء کے مصائب سنے گا اور نہ روئے گا، اس لئے کہ اُس مظلومؑ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں کہ آدمؑ کی ابتداء سے نہ کسی پر گزری ہیں اور نہ گزریں گی۔ وہ مصیبتیں اُنؑ پر پڑی ہیں کہ جنابِ سید الساجدینؑ جب تک زندہ رہے، روتے ہی رہے اور ایک صاحبزادیؑ خورد سال تو اپنے پدرِ مظلوم کی بیکسی پر اس قدر روئی کہ روتے روتے زندانِ شام میں قضا کر گئی۔

بعض نے اس صاحبزادیؑ کا نام رقیہؑ لکھا ہے، بعض نے سکینہؑ۔ چنانچہ منقول ہے کہ اُس صاحبزادیؑ نے اپنی شبِ وفات عالمِ خواب میں اپنے پدرِ مظلوم کو دیکھا جو فرماتے ہیں: اے سکینہؑ! نہ گھبرا، وقت قریب ہے کہ تو میرے پاس پہنچے۔

یہ خواب دیکھ کر روتی ہوئی چونک پڑیں اور رو کر کہنے لگیں:

"اَیْنَ اَبِیْ اَیْنَ اَبِیْ".

بابا جان! ابھی تو آپؑ مجھے دلاسا دیتے تھے، کہاں چلے گئے؟

شہیدِ ثالث مجالس المتقین میں لکھتے ہیں کہ طاہر بن حارث کہتا ہے کہ اُس وقت یزید سو رہا تھا، میں وہاں موجود تھا، اُس شقی کا سر تو میری گود میں اور فرزندِ رسول کا سر بریدہ طشتِ طلا میں تخت کے نیچے رکھا تھا۔ ناگاہ اہل حرم کے نالہ و فریاد کی آواز زندان سے ایسی بلند ہوئی کہ اُس سے میرا دل بے چین ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سر بریدہ طشتِ طلا سے کانپ کر ایک قدِ آدم کے بلند ہوا اور معلق ہو کر زار زار رونے لگا اور آوازِ حزیں سے فریاد کرنے لگا:

'اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَوْلَادُنَا وَاَکْبَادُنَا وَھٰٓؤُلَآءِ اَصْحَابُنَا'

خداوندا! تو جانتا ہے کہ بچے اور اہل بیتؑ کس آفت میں گرفتار ہیں کہ میرے سر کی زیارت کو ترستے ہیں۔

طاہر کہتا ہے کہ یہ حال دیکھ کر میں ایسا خائف ہوا کہ گر پڑا اور بے اختیار رونے لگا۔ زندانِ اہل بیتؑ قریب تھا۔ میں نے پکار کر پوچھا: اے قیدیو! کیا مصیبت گزری ہے کہ اس وقت بیقرار ہو کر روتے ہو؟

ایک بی بی نے رو کر کہا: سکینہؑ خواب میں دیکھ کر چونکی ہے، بچپنے کے سبب سے اپنے باپ کو قید خانہ میں ڈھونڈ رہی ہے۔

غرض اس شور و غل سے یزید بھی چونک پڑا۔ امامؑ کے سر نے، جو اُس وقت تک اسی طرح معلق تھا، آواز دی: اے یزید! میں نے کیا گناہ کیے تھے جو تو نے یہ ظلم و ستم کیے اور ابھی تک باز نہیں آتا؟ اہل بیتؑ میرے سر کی زیارت کو ترستے ہیں اور تو رحم نہیں کرتا؟

پس آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: بارالٰہا! تو خوب دیکھتا ہے کہ یہ شقی کیا کیا ظلم کرتا ہے، میرا اور اس کا انصاف تیرے ہاتھ میں ہے۔

یزید نے ڈر کر حکم دیا کہ جلد اس سر کو قید خانہ میں لے جاؤ کہ اسیروں کو دیکھ کر تسکین ہو۔

راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے اس سرِ اطہر کو ایک خوان میں رکھا اور رومال دیا سے چھپا کر زندان میں لے گئے۔ سکینہؑ نے سمجھا کہ شاید ترس کھا کر یزید نے کچھ کھانا بھیجا ہے۔ مدت سے جو اُس بچی کو آب و طعام جی بھر کے نہ ملا تھا، خوش ہو کر پوچھنے لگی کہ اس میں کیا ہے؟

جلدی سے رومال خوان سے اُٹھایا تو دیکھا کہ سر بریدہ رکھا ہے۔ پوچھا کہ یہ سر کس کا ہے؟

"فَقَالُوْا رَاسُ اَبِیْکِ".

اُن لوگوں نے کہا کہ یہ تیرے باپ کا سر ہے۔

اُس بچی نے دوڑ کر اس سرِ انور کو اُٹھا لیا اور اپنے سینہ سے لگا کر رو رو کر کہنے لگی:

"یَااَبَتَاهُ مَنْ ذَالَّذِیْ خَضَبَکَ بِدِمَائِکَ".

ہائے بابا! کس ستمگر نے آپؑ کی ریش مبارک خون سے خضاب کی؟

"یَااَبَتَاهُ مَنْ ذَالَّذِیْ قَطَعَ رَاسَکَ وَوَرِیْدَکَ".

ہائے بابا! کس نے آپؑ کا سرِ اطہر بدن سے جدا کیا اور کس نے آپؑ کی گردن کی رگیں کاٹیں؟

"یَااَبَتَاهُ مَنْ ذَالَّذِیْ اَیْتَمَنِیْ عَلٰی صِغْرِ سِنِّیْ".

ہائے بابا! کس بے رحم نے مجھے چھوٹی سی عمر میں یتیم کیا؟

ہائے بابا! ان زنانِ بیوہ و بے سر و پا کا خاطر کرنے والا کون ہے؟ کاش میں نابینا ہو جاتی کہ آپؑ کا سر اس طرح نہ دیکھتی۔ کاش میں پیوندِ زمین ہوتی اور آپؑ کی ریش مبارک خون سے خضاب نہ دیکھتی۔

پھر اپنا منہ آپؑ کے دہن مبارک پر رکھ کر اس بیتابی سے روئی کہ آخر بیہوش ہو گئی۔ جب دیر ہوئی، بیبیوں نے چاہا کہ سکینہؑ کو باپؑ کے سر سے جدا کریں، جب اہل حرم نے اُسے حرکت دی تو دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے ہیں۔ سمجھیں کہ جنت میں اپنے باپؑ کے پاس سدھار گئیں۔

یہ دیکھ کر اہل بیتؑ میں ایسا کہرام برپا ہوا اور اس درد سے روئے کہ اہل شہر اُن کے بین سن کر اپنے گھروں میں رونے لگے۔ جب یزید لعین نے اُس یتیم کی وفات کی خبر سنی تو ایک چادر کہنہ کفن کیلئے بھیج دی۔

پس بروایت زاد العاقبہ اہل حرم محترم نے جنابِ سکینہؑ کی وصیت کے مطابق وہ چادر واپس کی اور کہلا بھیجا کہ ہمارے اسباب غارت شدہ سے ایک چادر جنابِ فاطمہؑ زہرا کی بھیج دے کہ پوتی کو دادی کے تبرک سے خلعتِ آخری دیں۔

مگر اُس شقی نے وہ چادر نہ بھیجی۔ اب بتایئے کہ اُس وقت اہل بیتؑ رسولؐ کیا کرتے، کہاں سے کفن لاتے اور سامان مہیا کرتے؟ اگر اپنا شہر ہوتا تو عمدہ کفن دیتے، چھوٹا سا تابوت بنواتے۔ پردیس میں ایسے لٹے تھے کہ کسی بی بی کے پاس چادر و مقنعہ تک نہ بچا تھا جو اُس وقت کام آتا۔ ناچار اُس بچی کو اُسی کے پھٹے ہوئے کرتے سے کفن دے کر دفن کر دیا۔

مقتل احمد بن عصفور میں منقول ہے کہ لشکرِ یزید نے یہ معمول کیا تھا کہ اُسرائے اہل بیتؑ کو تیسرے روز پانی دیتے تھے اور یہی دستور اُن ملاعین کا زندانِ شام میں بھی جاری رہا۔ جب جنابِ سکینہؑ نے انتقال کیا تو امام زین العابدینؑ نے کہلا بھیجا کہ اے یزید! اپنی بہن کی تجہیز و تکفین میں تجھ سے کوئی اعانت نہیں چاہتا مگر اس قدر کہ تین روز کا پانی بھجوا دے تاکہ اپنی بہن کو اُس سے غسل دے سکوں اور نو روز تک پانی پھر تجھ سے طلب نہ کریں گے۔

ایک اور روایت میں منقول ہے کہ جب اُس صاحبزادیؑ کو غسل دینے لگے تو

غسالہ نے آ کر کہا: آہ! اس بچی کو کیا عارضہ تھا کہ سارے بدن میں نیل پڑ گئے ہیں؟

اہل حرم میں ایک بار پھر کہرام برپا ہوا۔ کسی نے کہا کہ ان داغوں کو کیا پوچھتی ہے؟ یہ عارضہ نہیں ہے، یہ نشان تازیانوں کے ہیں۔ یہ پردیس، اس سن و سال کی یتیمی، پہلے باپؑ سے چھٹنا، اس پر سختی تھی کہ کسی کے غم میں نہ روئے۔ جب روتی تھی تو شمر کبھی تازیانہ مارتا تھا، کبھی طمانچے لگاتا تھا۔

ملا محمد باقر داماد اپنی بعض تالیفات میں لکھتے ہیں کہ سکینہؑ کی پشت پر اس طرح دُرّے پڑے کہ جب غسالہ نے وفات کے بعد چاہا کہ پھٹا ہوا کرتہ اُس صاحبزادیؑ کے بدن سے اُتارے تو دیکھا کہ پیٹھ میں جس جس جگہ تازیانہ پڑا ہے، وہاں کا گوشت جدا ہو گیا ہے اور کرتہ خون سے رنگین ہو کر زخم کے منہ پر اس طرح خشک ہو گیا ہے کہ کسی طرح بدن سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اگر اُتارا جائے تو بدن کا گوشت بھی ساتھ ہی اُتر آئے گا۔

مجبور ہو کر چھوڑ دیا اور اُسی پھٹے ہوئے کرتے میں غسل دے کر دفن کر دیا۔

مؤمنین! جنابِ سکینہؑ نے اس تین چار برس کے سن میں کیا کیا مصیبتیں اُٹھائیں! جنگل میں عزیزوں سے، باپؑ سے جدا ہوئیں، کان سے گوہر، سر سے اوڑھنی چھن گئی۔ شمر کے طمانچے کھائے، کانٹوں میں، پہاڑوں میں، بازاروں اور درباروں میں رسن بستہ گئیں۔ ننھی سی گردن میں رسی بندھی، قید ہوئیں۔ یہاں تک کہ اس عمر میں مصیبتیں اُٹھاتے اُٹھاتے زندان ہی میں دُنیا سے گزر گئیں۔ پھر مدینہ جانا نصیب نہ ہوا۔

بہرکیف جب اہل بیتؑ نے اُس امانتِ حسینؑ کو سپردِ خاک کر دیا تو خیال کرنا چاہئے کہ اُس وقت اُن بیبیوں نے اُس ننھی سی تربت پر بال بکھیر کر کیسا ماتم کیا ہوگا اور کیسے بین کئے ہوں گے! سکینہؑ کی ماں کیا کہہ کر روتی ہوں گی!

اے باپؑ کی پیاری، چچا کی لاڈلی، تم کو باپؑ کے ساتھ ایسی محبت تھی کہ پالنے والی کو دل سے بھلا دیا، اس پردیس میں چھوڑ کر کہاں سدھاریں؟ ماں کی کوکھ جلی گود سنسان

کر گئیں؟ بیٹی! تم نے اس چھوٹی سی عمر میں میرے ساتھ بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائیں۔ اپنے باپؑ کے پاس جا کر میرا گلہ نہ کرنا۔ رخساروں پر طمانچوں کے نشان اور پشت پر تازیانوں کے زخم دکھانا تو یہ کہہ دینا کہ ماں کیا کرتی؟ کچھ بس نہ چل سکتا تھا، کیونکر بچاتی؟

غرض بیان غم اہل بیتؑ آسان نیست
حکایتیست کہ آنرا بشرح پایان نیست

جنابِ سیدہؑ کی امام حسینؑ سے محبت، درِ ساعات پر امامؑ کا آنکھ بند کرنا، دربارِ یزید میں وکیل روم کی روایت

"رُوِیَ اَنَّہٗ جاءَتْ فَاطِمَۃُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ یَوْمًا بَاکِیَۃً".

منقول ہے کہ ایک روز مریم کبریٰ جنابِ فاطمہ زہراؑ سلطان الانبیاء جنابِ رسولؐ خدا کی خدمت میں روتی ہوئی آئیں۔

"قَالَ مَا یُبْکِیْکِ یَا فَاطِمَۃُ قَالَتْ اَلْاٰنَ فُقِدَ الْحُسَیْنُ بِالْمَھْدِ".

آپؐ نے فرمایا: اے پارۂ جگر! کیوں روتی ہو؟ عرض کی: بابا جانؐ! کیونکر نہ روؤں کہ حسینؑ میرے جھولے سے گم ہو گیا ہے۔

"فَاسْتَعْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ".

یہ سن کر حضرتؐ بھی مضطرب ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ ناگاہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی: یارسولؐ اللہ! آپ غمگین نہ ہوں، جب سے یہ شہزادہ پیدا ہوا تھا، حاملانِ عرش مشتاقِ زیارت تھے۔ آخر سب نے درگاہِ خدا میں اپنی تمنا بیان کی اور اُن کی عرض قبول ہوئی۔ میں حسینؑ کو عرش پر لے گیا تھا۔ آپؐ جنابِ سیدہؑ سے کہیں کہ اُنؑ کا فرزند اپنے گہوارہ میں موجود ہے۔

مؤمنین! مقامِ غور ہے کہ جس حسینؑ کا دم بھر آنکھوں سے پوشیدہ ہونا جنابِ سیدہؑ نے گوارا نہ کیا، کیا حال ہوا ہوگا اُنؑ کا جب دیکھا ہوگا کہ اُس پیارے فرزند کو ظالموں نے

تین دن کا بھوکا پیاسا مع عزیز و انصار مثل گوسفند ذبح کیا اور اُس کی لاش کو خاک و خون میں غلطاں بے گور و کفن جلتی زمین پر چھوڑ دیا۔ سر کو بدن سے کاٹ کر نیزہ پر بلند کیا۔ بیبیوں اور بچوں کو رسیوں میں جکڑ کر شترانِ بے کجاوہ پر بٹھا کر قریہ بہ قریہ، شہر بہ شہر پھراتے شام کی طرف لے گئے۔

منقول ہے کہ شہادت کے وقت سے ورودِ دمشق تک جنابِ امام حسینؑ کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن جس وقت اُس سر انور کو درِ ساعات پر لٹکایا گیا اور تین ساعت اہل بیتؑ رسالت کو اشقیائے اُمت نے بلوائے عام میں اُس در پر ٹھہرایا، اُس وقت اُس مظلومؑ سے ہجوم میں اپنی عترت کا، خاص طور پر جنابِ زینبؑ و اُم کلثومؑ کا کھلا سر دیکھا نہ گیا۔ اعجاز سے چشم ہائے مبارک بند کر لیں اور اُس حلقے پڑی ہوئی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔

غرض اشقیاء کشاں کشاں اہل بیتؑ رسولؐ خدا کو یزید کے دربار میں لائے۔

صاحبِ بحار الانوار جنابِ سید الساجدینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جب مظلومؑ کربلا کا سر طشتِ طلا میں یزید کے سامنے تخت کے نیچے رکھا گیا، اُس سلطانِ روم کا ایک وکیل جو اپنے قبیلہ میں صاحبِ عزت تھا، اُس مجلس میں آیا اور یزید کو مسرور پا کر پوچھنے لگا کہ یہ کس کا سر ہے جسے دیکھ کر تو اتنا خوش ہے؟

وہ بولا کہ تجھے کیا کام ہے؟ وکیل نے کہا: جب میں اپنے شہر کو جاتا ہوں تو بادشاہ شہروں کے حالات پوچھتا ہے۔ چاہتا ہوں کہ اس سر کی کیفیت سے مطلع ہو جاؤں تاکہ میں اور میرا بادشاہ بھی تیری خوشی میں شریک ہوں۔

اُس نے کہا: رسولؐ خدا کے نواسے، فاطمہؑ و علیؑ کے فرزند، حسینؑ کا سر ہے۔

نصرانی بولا: تجھ پر اور تیرے دین پر تف ہے۔ ایسے دین سے تو میرا ہی دین بہتر ہے۔ خیال کر کہ مجھ میں اور حضرت داؤدؑ میں بہت پشتوں کا فاصلہ ہے مگر چونکہ میں اُن کی نسل سے ہوں، سب نصاریٰ میری تعظیم کرتے ہیں اور میری قدم کی خاک تبرک سمجھ کر لے

جاتے ہیں۔ وائے ہو تجھ پر کہ اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کیا، حالانکہ اس میں اور اس کے ناناؐ میں ایک ماں کے سوا دوسری پشت کا فاصلہ بھی نہیں۔

اے یزید! اگر تو متوجہ ہو کے سنے تو کنیسہ حافر کی حکایت بیان کروں؟

ملک روم میں دو شہروں کے درمیان میں واقع ہے۔ جس کا طول بقدر ایک سالہ راہ کے ہے۔ اُس میں ایک شہر ایسا ہے کہ اُس کی مسافت ہشتاد در ہشتاد فرسخ ہے۔ عود و کافور و یاقوت وہیں سے آتا ہے۔ نصاریٰ کے سوا دوسری قوم کا قبضہ اُس پر کبھی نہ ہوا۔ نصرانیوں کی پرستش کی جگہ وہاں بہت ہے۔ اُن عبادت گاہوں میں سب سے بزرگ کنیسہ حافر ہے۔ ایک حقہ طلا انواع جواہرات سے مرصع پارچہ ہائے بیش قیمت میں لپٹا محراب میں لٹکتا ہے۔ اس میں ایک سم ہے جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ سم جناب عیسیٰؑ کے خچر کا ہے۔ ہر سال خلقت کثیر قوم نصاریٰ سے وہاں جمع ہوتی ہے اور اُس کے گرد لوگ طواف کرتے ہیں، بوسہ دیتے ہیں اور اُس سم کے وسیلہ سے اپنی حاجتیں خدا سے چاہتے ہیں۔

یہ پاس و ادب اُن کا فقط اس گمان سے ہے کہ یہ سم اُس خچر کا ہے جس پر حضرت عیسیٰؑ سوار ہوتے تھے۔

"وَاَنْتُمْ تَقْتُلُوْنَ اِبْنَ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ"۔

اور تم لوگ کیسی اُمت ہو کہ اپنے نبیؐ کے اُس لاڈلے نواسے کے قتل کے در پے ہوئے جس کو خوب جانتے تھے کہ اپنے ناناؐ کے کاندھے پر بارہا سوار ہوتا تھا؟

یزید نے حکم دے کہ اس وکیل کو قتل کرو، ایسا نہ ہو کہ اپنے شہر میں جا کر مجھے رُسوا کرے۔ نصرانی نے اپنے قتل کا حکم سن کر کہا رات میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ خاتم الانبیاءؐ مجھے فرماتے ہیں: "تو اہل جنت سے ہے"۔

جب میں بیدار ہوا تو حیرت تھی کہ میرے جنتی ہونے کا کیا سبب؟ اب ثابت ہوا کہ میرا خواب سچ تھا۔ وہ پیغمبرؐ اور ان کا دین بے شک برحق ہے۔

اے حاضرین مجلس! تم گواہ رہو کہ میں صدقِ دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔

پھر کلمہ طیبہ زبان پر جاری کیا۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ وَثَبَ اِلٰی رَاْسِ الْحُسَیْنِ"۔

پھر دوڑ کر امامؑ کے سرِ بریدہ کو اُٹھا لیا اور سینہ سے لگا کر کبھی سوکھے ہونٹوں کے، کبھی زخمی پیشانی کے بوسے لینے لگا، یہاں تک کہ اعداء نے اُس کا بھی سر کاٹ کر امامؑ کے فرقِ بریدہ کے ساتھ رکھ دیا۔

مؤمنین! غیر مذہب کے لوگ تو یہ پاسداری کریں کہ اپنی جان تک نثار کر دیں اور اُمت کلمہ گو اپنے نبیؐ کے نواسے کی جان و مال اور عزت کے دشمن ہوں۔ مردوں کو قتل کریں، عورتوں کو اس طرح لوٹیں کہ منہ چھپانے کو چادر بھی باقی نہ رہے۔ ترک و روم کی کنیزوں کی طرح قید کر کے کوچوں میں، بازاروں میں پھرا کر درباروں میں لے جائیں۔

روایتِ نجاتِ دعبل، امام حسینؑ کا سرِ مبارک مدینہ منورہ میں آنا

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَعْرِفَۃُ اٰلِ مُحَمَّدٍ بَرَاءَۃٌ مِنَ النَّارِ وَحُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ اَمَانٌ مِنَ الْعَذَابِ".

مالکو نار و جنت، خاتم رسالتؐ نے فرمایا: آلِ محمدؐ کے حق کا پہچاننا نجاتِ دوزخ کا باعث ہے اور اہل بیتؑ نبوت کی دوستی عذابِ آخرت کی سپر ہے۔

"وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَہِیْدًا".

اور جو شخص محبت اہل بیتؑ میں مر جاتا ہے، وہ شہید مرتا ہے۔

عیونِ اخبارِ رضاؑ میں جنابِ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ دعبل خزاعی کا بیٹا کہتا ہے کہ جب میرے باپ نے دُنیا سے رحلت کی، اُس کی زبان بند ہوگئی اور منہ سیاہ ہوگیا۔ میں نے شرم سے کسی کو مطلع نہ کیا۔ تنہائی میں غسل دے کر دفن کر دیا۔ نہایت متفکر تھا کہ وہ اہل بیتؑ کا مداح تھا اور اُس کا انجامِ کار ایسا ہوا۔ جب رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ میرا باپ نورانی صورت، سفید پوشاک پہنے چلا آتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ مرنے کے وقت چہرہ کی سیاہی اور اس وقت رنگ کی سفیدی کا کیا سبب ہے؟

اُس نے کہا کہ میں دُنیا میں شراب خور تھا، اس وجہ سے میرا رنگ سیاہ ہوگیا۔

جب قبر میں رکھ کر تو گھر چلا آیا تو دیکھا کہ جنابِ رسولِ خداؐ تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا:

"اَنْتَ دِعْبَلُ رَاثِیْ شُہَدَآءِ اَہْلِ بَیْتِیْ قُلْتُ نَعَمْ".

تو ہی میرے اہل بیتؑ کا مرثیہ گو دعبل ہے؟ میں نے عرض کی: فدا ہوں آپؐ پر، دعبل میرا ہی نام ہے۔ ارشاد فرمایا: کچھ مرثیہ پڑھ۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔

لَا اَضْحَکَ اللّٰہُ سِنَّ الدَّہْرِ اِنْ ضَحِکَتْ
وَآلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَظْلُوْمُوْنَ قَدْ قُہِرُوْا

جب زمانہ ہنسنے کا قصد کرے تو خدا اُس کو نہ ہنسائے، اس حال میں کہ رسولؐ خدا کی اولاد اس طرح غم دیدہ و آفت رسیدہ ہو کہ ایک لحہ بھی زمانہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے چین نہ پائیں۔

مُشَرَّدُوْنَ نُفُوْا عَنْ عُقْرِ دَارِہِمِ
کَاَنَّہُمْ جَنَوْا مَالَیْسَ یُغْتَفَرُ

آہ! اعداء نے اپنی نبیؐ کی عترت سے کیا سلوک کیا، مردوں کو قید کیا، بے قصور عورتوں اور بچوں کو گناہگاروں کی طرح قید کیا۔ گناہگار بھی وہ جو کسی طرح عفو تقصیر کے قابل نہیں ہوتے۔

بہر کیف میں اسی طرح مرثیہ پڑھتا تھا اور حضرتؐ بے اختیار روتے تھے، یہاں تک کہ میں پڑھ چکا۔ آپؐ نے اپنی عبائے مبارک سے، جو اُس وقت اوڑھے ہوئے تھے، اُتار کر مجھے عنایت فرمائی اور ہاتھ اُٹھا کر دعا کی: خداوندا! دعبل میرے اہل بیتؑ کا مداح اور مرثیہ گو ہے، تو اس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کے منہ کو سفید کر دے۔

ابھی حضرتؐ کی دُعا ختم نہ ہوئی تھی کہ میرا چہرہ نورانی ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے بہشت میں مجھے جگہ دی۔

مؤمنین! خدا لعنت کرے اُن اشقیاء پر جنھوں نے ایسے خاصانِ خدا کو، جن کے فضائل و مصائب پڑھنے میں ذاکروں کے یہ مراتب ہوں کہ جنابِ رسالت مآبؐ ان کی نجات کیلئے خود قبر میں تشریف لائیں اور اپنے ملبوسِ خاص سے مخلع فرمائیں، اس ظلم و ستم سے ذبح کیا کہ کوئی قصاب بھی جانور کو اس بے رحمی سے ذبح نہیں کرتا۔

اُن ظالموں نے مظلومِ کربلا کی شہادت پر بھی اکتفانہ کی اور اُنؑ کے سرِ مطہر کو مع

اہل بیتؑ اطہار دیار بہ دیار، کوچہ وبازار میں پھرایا۔ اُس لبِ اطہر کو جسے جناب رسولؐ خدا مثل شکر کے چوستے تھے، چوبِ بید سے کھولا اور انواع واقسام کی ایذا رسانی کی۔ اس کے بعد رسولؐ خدا کی روح کو صدمہ دینے کے واسطے اور مظلومؑ کربلا کی بقیہ ذریت کے دل دُکھانے کیلئے سرِ مقدس کو مدینہ منورہ میں بھیجا۔

منقول ہے کہ فرزندِ رسولؐ خدا کی شہادت کی خبر چوبیس دن کے بعد اہل یثرب کو معلوم ہوئی۔ راوی کہتا ہے کہ میں مدینہ میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا، ناگاہ ایک ایسا شور بلند ہوا اور نوحہ کی آواز ہر طرف سے آنے لگی کہ اس طرح کا نوحہ میں نے کبھی نہ سنا تھا۔ میں گھر سے روتا ہوا باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک سوار جناب امام حسینؑ کا سرِ بریدہ نیزہ پر رکھے چلا آرہا ہے۔ میں اُس کے ہمراہ ہوا کہ دیکھوں کہ یہ سر کہاں لئے جاتا ہے؟ سوار نے اُس حسینؑ کے سرِ مطہر کو، جو دوشِ رسولؐ خدا پر اور آغوشِ فاطمہ زہراؑ میں کس ناز ونعمت سے پلا تھا، تمام بازارِ مدینہ میں، ہر محلہ میں، ہر کوچہ میں تشہیر کرنا شروع کردیا اور ان کلمات سے ندا کرتا تھا۔

"اَلاَ قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلاَءَ وَھٰذَا رَاسُہٗ".

اے اہل مدینہ! آگاہ ہو کہ حسینؑ ابن علیؑ مع اپنے انصار وعزیز کے تین دن کے بھوکے پیاسے صحرائے کربلا میں روزِ عاشور قتل کردیئے گئے اور یہ سر اُنہی کا ہے یہ یزید نے عبرت کے واسطے یہاں بھیجا ہے۔

"وَھٰذَا جَزَاءُ مَنْ خَرَجَ عَلٰی اَمِیْرِہٖ".

اور اس شخص کی یہی سزا ہے جو وقت کے حاکم پر خروج کرے۔

راوی کہتا ہے کہ جب اُس سر کا ورود محلّہ بنی ہاشم میں ہوا تو میں نے دیکھا کہ دو بیبیاں روتی ہوئی، سروپا برہنہ، سر کے بال کھولے ہوئے منہ پر طمانچے مارتی ہوئی اپنے گھروں سے نکلیں اور اس طرح کے جگرخراش بین کرتی تھیں:

"یَابُنَیَّ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ قَتَلَکَ".

افسوس اے فرزندِ زہراؑ! تو شہید ہوا، خدا لعنت کرے اُس شخص پر جس نے تجھے قتل کیا۔

ان بیبیوں کے ساتھ ایک بچی ضعیف وناتواں جس کا چہرۂ نورانی زرد ہوگیا تھا، دھاڑیں مار مار کر روتی تھی اور اس مضمون کے بین کرتی تھی:

"اے بابا جانؑ! آپؑ کا یہاں سے جاکر یہ کیا حال ہوا؟ اپنی یہ کیسی صورت آپؑ نے بنائی؟ یہ کس کا خون اپنی ریش مبارک پر خضاب کی جگہ ملا ہے؟ یہ نورانی پیشانی کیونکر زخمی ہوئی؟ آپؑ کا سر کس ظالم نے بدن سے جدا کیا؟

اسی اثناء میں مستورات بنی ہاشم جمع ہوئیں اور نوحہ وشیون کرنے لگیں۔

"فَمِنْھُنَّ مَنْ تَقُوْلُ وَابْنَاہُ وَامَقْتُوْلاَہُ".

اُن میں سے کوئی بی بی کہتی تھی: ہائے میرے فرزند، ہائے شہید جفا!

"وَمِنْھُنَّ مَنْ تَقُوْلُ وَقُرَّۃَ عَیْنَاہُ وَالثَمَرَۃَ فُؤَادَاہُ قَتَلُوْکَ وَمِنَ الْمَاءِ مَنَعُوْکَ".

اور کوئی بی بی فریاد کرتی تھی: ہائے نورِ چشم، ہائے میوۂ دل! تجھے ظالموں نے شہید کیا اور تا دمِ مرگ ایک قطرہ پانی کا نہ دیا۔ کوئی بی بی رو کر یہ بین کرتی: اے حسینؑ! میری جان فدا ہو، خدا کی قسم! مجھ پر بہت ناگوار ہے کہ میں تمہاری شہادت کی خبر سننے کو زندہ رہی۔ اے کاش! مجھ کو اس سے پہلے ہی موت آئی ہوتی کہ میں تمہاری شہادت کی خبر سنتی۔

راوی کہتا ہے کہ اسی طرح وہ سب بیبیاں روتی پیٹتی تھیں اور میں بھی روتا تھا، یہاں تک کہ وہ سوار اور ہم سب مع اُن مخدرات کے روضۂ رسولؐ خدا پر پہنچے۔ وہ سوار گھوڑے سے اُترا اور روضۂ اقدس میں داخل ہوا اور نواسے کے سرِ بریدہ کو اُنؐ کے نانا کی قبر مطہر پر اس بے ادبی سے رکھ دیا کہ ذکر سے بیان ممکن نہیں۔ اس کے بعد اپنی نجس زبان سے گستاخانہ یہ کلمہ کہا:

"یارسولؐ اللہ! یہ اُس کا عوض ہے جو آپؐ نے جنگِ بدر و حنین میں شیوخ بنی اُمیہ کو قتل کیا تھا"۔

راوی کہتا ہے کہ اُس وقت میں نے دیکھا کہ روضۂ رسولؐ کے در و دیوار سے رونے اور ماتم کی آواز بلند ہوئی اور قبرِ مطہر اس طرح تھرتھرانے لگی کہ ہم لوگوں نے گمان کیا کہ عظیم زلزلہ مدینہ میں آ گیا ہے۔ زنانِ بنی ہاشم نے اس طرح کا نوحہ و ماتم اور سینہ زنی کی کہ ایسا کہرام مدینہ میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

روایتِ ناقہ عضباء
ابنِ زیاد کا مدینہ میں خط آنا

اِنْ رُمْتَ يَا رِيْحَ الصَّبَا يَوْمًا اِلٰى اَرْضِ الْحَرَمِ
بَلِّغْ سَلَامِيْ رَوْضَةً فِيْهَا النَّبِيُّ الْمُحْتَرَمُ

اے بادِ صبا! اگر مدینہ منورہ میں تیرا گزر ہو تو اس روضۂ اقدس پر میرا سلام پہنچانا جہاں کی خاک کے نیچے نورِ خدا، خاتم الانبیاءؐ آرام کر رہے ہیں۔

منقول ہے کہ جب جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُنیا سے رحلت فرمائی، اُس وقت سے حضرتؐ کے ناقہ نے، جس کا نام عضبا تھا، آب و دانہ ترک کر دیا۔ جب جنابِ سیدہؑ کو معلوم ہوا تو خود شب کی تاریکی میں تشریف لے گئیں اور اُس کے سامنے آب و دانہ رکھ کر بہت چاہا کہ کچھ کھائے لیکن اُس نے کسی طرح رغبت نہ کی اور قدرتِ خدا سے گویا ہوا۔ سلام کے بعد عرض کی:

"اے دخترِ رسولؐ! جب سے آپؐ کے پدرِ عالی مقدار نے انتقال فرمایا ہے، میری نظروں میں تمام عالم سیاہ ہو گیا ہے۔ حلق سے دانہ پانی کچھ نہیں اُترتا۔ اب میرا اجل نزدیک ہے۔ چاہتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں، آپؐ مجھ کو اس امر میں معاف فرمائیں۔

اے رسولؐ زادی! اگر آپؐ کو اپنے پدرِ بزرگوار کے پاس کوئی پیام بھیجنا ہو تو ارشاد ہو کہ میں اپنے آقا سے عرض کر دوں"۔

'فَبَكَتْ فَاطِمَةُ وَاعْتَنَقَتْ بِرَاْسِهَا وَوَضَعَتِ النَّاقَةُ وَجْهَهَا اِلٰى حِجْرِهَا'.

یہ سن کر معصومہؑ نے اپنے ہاتھ اُس کے گلے میں ڈال دیئے۔ اُس نے اپنا منہ

حضرتؑ کی آغوش میں رکھ دیا۔ ادھر وہ مخدومہؑ روتی تھیں، ادھر وہ ناقہ بھی روتا تھا، یہاں تک کہ روتے روتے اُس ناقہ کا حال متغیر ہوا۔

لوگوں نے عرض کی کہ اگر آپؑ اجازت دیں تو اس ناقہ کو نحر کریں۔ آپؑ نے فرمایا کہ مجھے ہرگز گوارا نہیں کہ جس ناقہ کو میرے پدرِ بزرگوار دوست رکھیں میں اُسے نحر کروں۔

راوی کہتا ہے کہ جب عضباء نے قضا کی تو جنابِ سیدہؑ نے ایک سفید پارچہ میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔

مؤمنین! جنابِ سیدہؑ کو رسولؐ خدا کے ایک ناقہ کا نحر کرنا، باوجودیکہ فعل مباح تھا، گوارا نہ ہوا بلکہ بے دفن رہنا بھی مکروہ معلوم ہوا۔ خدا لعنت کرے اُس قوم پر جنہوں نے رسولؐ خدا کی اولاد سے کسی کو اونٹوں کی طرح نیزوں اور تیروں سے نحر کیا، کسی کو گوسفند کی طرح تلواروں اور خنجروں سے ذبح کیا۔ اس پر بھی اکتفا نہ کی، کفن کے بدلے جو پھٹے ہوئے کپڑے خاک و خون میں آلودہ بدنوں پر تھے، انہیں بھی اُتار کر لے گئے۔ دفن کے عوض اُن بے کفن لاشوں پر نعل بندیاں کر کے گھوڑے دوڑائے اور اُن پھول سے بدنوں کو جلتی ریت پر دھوپ میں چھوڑ دیا۔ سروں کو کاٹ کر نیزوں پر چڑھایا۔ رونے کی جگہ ہنستے تھے بلکہ حضرتؑ کے جو دوست و عزیز اور شہروں میں تھے، وہاں بھی آپؑ کی شہادت کی خبر بھیج کر اُن کو رُلاتے تھے۔

چنانچہ ابن زیاد نے بقیہ اہل بیتؑ کے رُلانے کو اور دل دُکھانے کو مدینہ میں امامؑ کے قتل ہونے کی خبر بھیجی۔ شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں کہ جس روز امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی، اُس شب کو ایک منادی کو سنا کہ وہ یہ کہتا ہے:

أَيُّهَا الْقَاتِلُوْنَ جَهْلاً حُسَيْنًا
اَبْشِرُوْا بِالْعَذَابِ وَالتَّنْكِيْلِ

وہ لوگ جنہوں نے رسولؐ کے نواسے کو نادان بن کر قتل کیا، آگاہ ہوں کہ اُن کو

عذابِ خدا کی بشارت دی جاتی ہے۔

كُلُّ اَهْلِ السَّمَاءِ يَدْعُوْ عَلَيْكُمْ
مِنْ نَبِيٍّ وَمُرْسَلٍ وَقَبِيْلٍ

اے جاہلو! سب ملائکہ و انبیاء اور رسول اس ظلم کے سبب سے تم پر نفرین کرتے ہیں۔

صاحبِ بحار الانوار کہتے ہیں کہ مدینہ میں زمین و آسمان کے مابین منادی ان اشعار سے ندا کرتا تھا۔

يَا مَنْ يَقُوْلُ بِفَضْلِ آلِ مُحَمَّدٍ
بَلِّغْ رِسَالَتَنَا بِغَيْرِ تَوَانِيْ
قُتِلَتْ شِرَارُ بَنِيْ اُمَيَّةَ سَيِّدًا
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ مَاجِدًا ذَا شَانِ

جو اشخاص آلِ محمدؐ کے فضائل اور بزرگی کے قائل ہیں، وہ برادرانِ ایمانی کو پیام پہنچائیں کہ رسولؐ خدا کی اُمتِ جفاکار نے اُنہی کے نواسے کو، جو بہترین خلائق تھا، بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالا۔

اِبْنَ الْمُفَضَّلِ السَّمَاءِ وَاَرْضِهَا
سِبْطَ النَّبِيِّ وَهَادِمِ الْاَوْثَانِ
بَكَتِ الْمَشَارِقُ وَالْمَغَارِبُ بَعْدَمَا
بَكَتِ الْاَنَامُ لَهُ بِكُلِّ لِسَانِ

افسوس! اُس شخص کے نورِ نظر کو شہید کیا جو اہلِ آسمان سے افضل تھا اور اُس شخص کو قتل کیا جو نبیؐ کا فرزند، امیر بت شکن کا دل بند تھا۔ یہ وہ مصیبت ہے جس میں مشرق و مغرب کے رہنے والوں نے، آدمیوں نے، حیوانوں نے اپنی اپنی زبان میں نوحہ و ماتم کیا ہے۔

صاحب حزن المؤمنین لکھتے ہیں کہ شہادت امام حسینؑ کی خبر کئی طرح سے مدینہ میں پہنچی۔ وہ خاک جو اُم سلمہؓ کے پاس تھی، خون ہوگئی۔ جناب اُم سلمہؓ وابن عباسؓ نے خواب میں رسولؐ خدا کو دیکھا کہ حضرتؐ فرماتے ہیں کہ میرا نور عین حسینؑ کربلا میں شہید ہو گیا۔ مرغ خون آلود کربلا سے آیا اور دیوار خانہ جناب فاطمہ صغریٰؑ پر بیٹھ کر اور روضۂ رسولؐ خدا پر جا کر فریادی کی مگر ان سب واقعات کو منافقین نے سحر پر محمول کیا، یہاں تک کہ ابن زیاد بدنہاد کا خط والیٔ مدینہ کو پہنچا اور اُس نے حکم دیا کہ اہل یثرب جامع مسجد میں جمع ہوں اور جو معاملہ یزید اور حسینؑ کے مابین گزرا ہے، سنیں۔

راوی کہتا ہے کہ اس خبر کے سنتے ہی بنی ہاشم میں تہلکہ مچ گیا، خصوصاً خانۂ جناب رسولؐ خدا میں عجب کہرام برپا ہوا۔ ایک صاحبزادیؑ فاطمہ صغریٰؑ جس کو امام حسینؑ جنابِ اُم سلمہؓ کے پاس چھوڑ گئے تھے، اُس نے جو یہ ہنگامہ سنا تو نانی سے کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ مسجد میں لے چلئے تا کہ دیکھ سکوں کہ اہل مدینہ پر کیا گزری جو ایسا شور وغل ہو رہا ہے۔

آپ نے اُس صاحبزادیؑ کا جانا مصلحت نہ سمجھا اور فرمایا کہ وہاں لوگوں کا ہجوم ہے، تم اس بیماری میں کیسے جاؤ گی؟ میں اُم لقمان کو بھیجتی ہوں، وہ ابھی خبر لے آتی ہیں۔

پس اُم لقمان کو بلا کر کہا: اے بہن! مسجدِ رسولؐ میں جلد جاؤ اور سنو کہ خطیب کس کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔ اس کے بعد چپکے سے کہا کہ اگر خدانخواستہ کوئی بُری خبر ہو تو فاطمہ صغریٰؑ سے نہ کہنا کہ وہ بہت ناتواں ہے۔ خدشہ ہے کہ کہیں وہ مر نہ جائے۔

اُم لقمان نے چادر اوڑھی اور مسجدِ رسولؐ میں آ کر اُن عورتوں کے درمیان، جن کے شوہر جنابِ امام حسینؑ کے ہمراہ گئے تھے، بیٹھ گئیں۔ سب کی آنکھیں خطیب کی جانب تھیں۔

روایت است کہ چون خواند اوّل نامہ
فتادہ لرزہ بدست خطیب چون خامہ

خطیب نے احوال کو یہاں تک پہنچایا کہ لشکر یزید نے دشت کربلا میں حسینؑ کو گھیر کر پہلے اُنؑ کے سب انصار قتل کیے گئے، پھر نوبت عزیزوں تک پہنچی اور بھائی بھتیجے سب کام آئے، یہاں تک کہ عباسؑ کے شانے کاٹے گئے اور عباسؑ کے قتل سے لشکر حسینؑ کی رونق وطاقت جاتی رہی۔ کمر تھام کے اور رو کے رہ گئے۔ اس کے بعد علی اکبرؑ نے سینہ پر برچھی کھائی۔ جوان بیٹے کے ماتم میں ضعیف باپؑ کے دل کی قوت اور آنکھوں کی بصارت زائل ہوگئی۔ آخر چھ مہینے کی جان علی اصغرؑ تک ننھی سی گردن پر حرملہ کا تیر کھا کر باپؑ کی گود میں شہید ہوگیا۔

عزیزوں اور جاں نثاروں کی شہادت کے بعد دسویں محرم کو جمعہ کے دن عصر کے وقت امام حسینؑ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد خیمے جلائے گئے اور اہل حرم اسیر ہو کر شام کی طرف روانہ کیے گئے۔ فقط زین العابدینؑ باقی رہ گئے ہیں کہ اُن کو اہل بیتؑ کے اونٹوں کی ساربانی کا عہدہ ملا ہے۔

اس خبر کے سنتے ہی مسجد میں رونے پیٹنے کا ایک شور ایسا بلند ہوا کہ ہر در و دیوار سے رونے کی آواز آتی تھی، خصوصاً اُم لقمان کا اپنے بھائی مسلمؑ کی شہادت کی خبر سن کر عجب حال ہوا مگر فاطمہ صغریٰؑ کے خیال سے گریہ کو ضبط کر کے بیت الشرف میں آئیں۔

فاطمہ صغریٰؑ نے، جو دروازہ پر منتظر کھڑی تھیں، دامن تھام لیا اور پوچھا: ''اے پھوپھی! آپ میرے بابا کی کیا خبر لائی ہیں اور چچا، بھائی، ماں اور بہنیں کس حال میں ہیں؟ جلد کہئے کہ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں آپ کے چہرہ پر غم کے آثار دیکھ رہی ہوں''۔

اسی اثناء میں زنانِ مدینہ کا خانۂ فاطمہ زہراؑ میں ہجوم ہوا اور جو عورت آتی تھی، وہ اُس شہزادیؑ کو پیار کرتی تھی اور چہرہ سے گردِ یتیمی جھاڑتی تھی اور زار زار روتی تھی۔ ناگاہ اُم البنین، جنابِ عباسؑ کی والدہ تشریف لائیں اور پوچھا: ''اے اُم لقمان! مسجدِ رسولؐ خدا میں تم گئی تھیں، کہو ہمارے بچوں کی کیا خبر لائیں؟''

اُمِ لقمان کو یارائے ضبط نہ رہا۔ بولیں: ''اے اُمِ البنین! تمہارے فرزند عبداللہ و عونؑ و جعفرؑ شہید ہوگئے''۔

اُمِ البنین نے پوچھا: ''عباسؑ کی کیا خبر ہے؟''

کہا: ''اُنؑ کے ہاتھ کاٹے گئے اور گرزِ ستم سر پر کھا کر جنت کو سدھارے''۔

فرمایا: ''ایسے ہزار بیٹوں کی جانیں علی اکبرؑ پر فدا ہوں، کہو کہ اُس شہزادے کی کیا خبر ہے؟''

کہا: ''وہ بھی نیزۂ ستم سینہ پر کھا کر اپنے باپؑ پر نثار ہوئے''۔

یہ سنتے ہی گھبرا گئیں اور کہا کہ جلد کہو کہ فرزندِ زہرؑا کی کیا خبر ہے؟

اُمِ لقمان نے کہا: ''وہ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے صحرائے کربلا میں مثل گوسفندِ قربانی ذبح کر دیئے گئے''۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سنتے ہی ادھر فاطمہ صغریٰؑ کو غش آ گیا اور اُدھر اُمِ البنین بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑیں۔ ایک طرف اُمِ لقمان پچھاڑیں کھانے لگیں، دوسری طرف جنابِ اُمِ سلمہؑ سر و سینہ پیٹنے لگیں۔

غرض امامؑ کے اُس خانہ ویران میں ایسا شور و گریہ و ماتم برپا ہوا کہ زمین ہلنے لگی اور آسمان کانپنے لگا۔

ہند کا خواب دیکھنا، اہلِ بیتؑ کا دمشق میں مجلسِ عزا برپا کرنا، سرہانے شہدا کا آنا

قُتِلَ الْحُسَيْنُ فَيَا سَمَاءُ تَفَطَّرِي

حُزْنًا وَيَا شَمْسَ النَّهَارِ تَكَوَّرِي

عجب ہے تجھ پر اے آسمان کہ حسینؑ، فرزندِ رسولؐ، ہمارے آقا پیاسے ذبح ہوئے اور تو پھٹ نہ گیا اور اے آفتاب! حسینؑ سا مظلوم رُلا رُلا کر قتل کیا گیا اور تو اُن کے غم میں بے نور و سیاہ نہ ہوگیا۔

نَسْلُ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى وَحَرِيمُهُ

تُسْبَى كَمَا تُسْبَى بَنَاتُ الْأَصْفَرِ

افسوس ہزار افسوس کہ امام حسینؑ کے قتل پر بھی کافروں نے اکتفا نہ کی، رسولِ خدا کی ذریت کو، پیغمبرِ خدا کی نواسیوں کو زنانِ ترک و روم کی طرح قید کر لیا۔

وَيُشَهَّرُونَ وَيُسْلَبُونَ مَدَارِعًا

وَمَقَانِعًا مِنْ بَعْدِ سَلْبِ الْمِعْجَرِ

آہ! اہلِ بیتِ رسولؐ ایسے لوٹے گئے کہ چادر و مقنعہ تک ظالموں نے اُن کے سروں سے چھین لئے، یہاں تک کہ ایک ایک رومال بیبیوں کے پاس منہ چھپانے کو باقی رہ گیا تھا، اُسے بھی نہ رہنے دیا۔

يُسَيَّرُونَ عَلَى الْمَطَايَا كَالْإِمَاءِ

بَيْنَ الْمَلَاءِ بِكُلِّ وَادٍ مُقْفِرٍ

اہلِ بیتِ رسولِ خدا کو سر برہنہ، رسن بستہ شترانِ بے محمل پر مثل کنیزانِ ترک و روم

کے شہر بہ شہر، صحرا بہ صحرا پھراتے ہوئے شام تک بلوائے عام میں لے گئے اور ایک تنگ و تاریک اور بوسیدہ مکان میں قید کر دیا۔

صاحب خلاصۃ المصائب روایت کرتے ہیں کہ ہند، زوجۂ یزید کہتی ہے کہ میں ایک دن انہی ایام میں، جب حسینؑ کے اہل بیتؑ شام میں قید تھے، سو رہی تھی۔ خواب میں دیکھا کہ درہائے آسمان کھل گئے ہیں اور فوج ملائکہ امام حسینؑ کے سرِ اقدس کے قریب آتی ہے اور رو کر کہتی ہے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ".

اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ پر سلام ہو۔

پھر دیکھا کہ آسمان سے ایک ابر سفید نازل ہوا اور اُس سے کئی اشخاص باہر آئے اور اُن میں ایک بزرگوار ہیں جن کا چہرۂ منور مثل چودھویں کے چاند ہے۔ امامؑ کا سر بریدہ دیکھتے ہی انہوں نے اپنے آپ کو گرا دیا اور یزید نے جن لب و دندان پر چھڑی ماری تھی، اُن کے بوسے لینے لگے اور رو کر کہنے لگے:

يَا وَلَدِيْ يَا قُرَّةَ عَيْنِيْ قَتَلُوْكَ وَمَا عَرَفُوْكَ وَ مِنْ شُرْبِ الْمَاءِ مَنَعُوْكَ.

اے فرزند، اے نورِ چشم! افسوس کسی نے تیرا مرتبہ نہ پہچانا۔ مرتے دم تک ایک قطرہ پانی نہ دیا۔ تین دن کے پیاسے ہی گلے پر خنجر پھیرا۔

"يَا وَلَدِيْ اَنَا جَدُّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَهٰذَا اَبُوْكَ عَلِيُّ نِ الْمُرْتَضٰى".

اے حسینؑ! میں تمہارا نانا رسولؐ خدا ہوں، یہ تمہارے بابا علی مرتضیٰؑ ہیں۔ وہ تمہاری ماں فاطمہ زہراؑ ہیں۔

اسی طرح ایک ایک عزیز کا نام لیتے تھے۔ ناگاہ خوف سے میری آنکھ کھل گئی اور کسی کو نہ پایا مگر مظلومِ کربلا کے سر کو دیکھا کہ ماہِ کامل کی طرح ایک نور اُس سے ساطع ہے۔

بہر کیف میں یزید سے اس خواب کو بیان کرنے کو چلی۔ دیکھا کہ وہ شقی خانۂ تاریک میں دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھا رو رہا ہے اور کہتا ہے:

"کیوں میں نے حسینؑ ابن علیؑ کو ناحق قتل کیا؟"

میں نے اُس سے خواب بیان کیا۔ وہ سر جھکائے رہا۔ صبح کو دربار میں اہل بیتؑ کو بلا کر کہنے لگا: "جو کچھ ہونے والا تھا، ہو گیا۔ اب میں نے تمہیں اختیار دیا، چاہو تو اس شہر میں رہو، چاہو تو عزت و حرمت سے اپنے وطن کو جاؤ"۔

جناب اُمِ کلثومؑ نے کہا: "اے یزید! جب سے بھائی مارے گئے، تیری فوج نے ہمیں رونے بھی نہ دیا۔ ابھی ہم سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتے کہ ایک مکان خالی کروا دے اور اتنی اجازت دے کہ ہم اپنے غریب و بیکس، تین دن کے بھوکے پیاسے بھائی کو جی بھر کر رو لیں"۔

یزید نے کہا کہ تمہیں اختیار ہے اور مکان خالی کروا دیا۔

راوی کہتا ہے کہ کوئی عورت ہاشمی و قریشی ایسی باقی نہ تھی کہ اپنے گھر میں رہی ہو۔ سب جمع ہو کر امام حسینؑ کے پرسہ کو آئیں۔ دخترانِ علیؑ و فاطمہؑ کی طرح سب نے ماتمی لباس پہنے اور فرزندِ زہراؑ کی ماتمداری اور گریہ و زاری میں مشغول ہوئیں۔

صاحب بحر المصائب لکھتے ہیں کہ جب مجلس عزا میں شہر کی سب ہاشمی و قریشی عورتیں آ چکیں تو دخترانِ زہراؑ نے یزید سے کہلا بھیجا کہ اگر تو نے عزاداری کی اجازت دی ہے تو اس وقت مظلوم بھائی کا سر بھی ہمارے پاس بھیج دے کہ آخری دیدار کر کے رخصت ہو لیں۔ پھر نہ جانے کب اس سر کی زیارت نصیب ہو گی۔

اُس شقی نے مظلومِ کربلا کا فرقِ بریدہ سرہائے شہداء کے ساتھ بھیج دیا۔ جب اُن

بیبیوں نے اپنے وارثوں کے سر بریدہ آتے دیکھے تو منہ پر طمانچے مارے، گریبان چاک کئے اور روتی پیٹتی استقبال کو دوڑیں۔

اُم لیلیٰ نے علی اکبرؑ، اُم فروہ نے قاسمؑ کا سر اپنی گود میں اُٹھالیا۔ جناب زینبؑ نے اپنے مظلومؑ بھائی حسینؑ اور اُم کلثومؑ نے عباسؑ کا سر آغوش میں لے لیا اور حسرت و یاس سے اُن کی صورتوں کو دیکھ دیکھ کر روتی تھیں کہ اُن کے رونے سے تمام جن وانس روتے تھے۔

مؤمنین! سب ماؤں نے تو اپنے فرزندوں کے سر اُٹھا کر سینے سے لگالئے مگر امام حسینؑ اور جناب عباسؑ کے سروں کو اُنؑ کی دونوں بہنوں نے کیوں اُٹھایا؟

ظاہر ہے کہ سیدالشہداء کے سر کو گود میں لینے والی جناب فاطمہ زہراؑ تو جنت البقیع میں آرام فرماتی تھیں اور عباسؑ کے سر کو سینہ سے لگانے والی اُم البنین مدینہ میں تشریف رکھتی تھیں۔ سب جانتے ہیں ان دونوں بہنوں کو جو اپنے بھائیوں سے محبت تھی، کسی ماں کو بھی اپنے بیٹے سے یہ اُلفت نہیں ہوتی ہوگی۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ ان کے سوا امام حسینؑ اور عباسؑ کے سر کو کون اپنی گود میں لیتا؟ بہرکیف راوی کہتا ہے کہ ہر چند اُس وقت اُن سب مخدرات میں ایک قیامت برپا تھی لیکن مجھے جناب زینبؑ کا اُس وقت کا تڑپنا نہیں بھولتا جس وقت آپؑ نے اپنے بھائی کا سر دیکھا۔ ایک آہ کھینچی اور ہائے حسینؑ کہہ کر غش کھا کر زمین پر گر پڑیں۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو سرِ انور کو اپنے سینہ سے لگالیا۔

تَنُوحُ وَدَمْعُ الْعَيْنِ يَسْبِقُ نُطْقَهَا

وَفِيْ قَلْبِهَا نَارُ الْمَصَائِبِ صُبَّتِ

اس بیتابی سے روتی تھیں کہ دشمنوں کا بھی دل شق ہوتا تھا۔ ہر چند قصد کرتی تھیں کہ کچھ کہوں لیکن کثرتِ گریہ و بکا سے بات نہ کی جاتی تھی۔ چاہتی تھیں کہ ضبط کریں لیکن ایسی آتشِ غم سینہ میں جل اُٹھی تھی کہ تحمل نہ ہو سکتا تھا۔

رو رو کر بھائی کے سر سے کہتی تھیں:

اَخِيْ يَا هِلَالًا غَابَ قَبْلَ كَمَالِهِ

فَمِنْ فَقْدِهِ اَضْحٰى نَهَارِيْ كَلَيْلَةٍ

اے عرش کے تارے، اے فاطمہؑ کے چاند! افسوس کہ ابھی تم ماہِ کامل اور خوب روشن بھی نہ ہوئے تھے کہ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے اور ایسے غائب ہوئے کہ ہمارے روزِ اُمید کو مثل شبِ تار کے سیاہ کر گئے۔

اَخِيْ يَا اَخِيْ اَيَّ الْمَصَائِبِ اَشْتَكِيْ

فِرَاقَكَ اَمْ هَتْكِيْ وَذُلِّيْ وَغُرْبَتِيْ

اَخِيْ بَعْدَ ذَاكَ الصَّوْنِ وَالسِّتْرِ وَالْحَيَا

يُلَاحِظُنَا الْاَرْذَالُ فِيْ دَارِ غُرْبَةٍ

بھائی، اے بھائی! یہ بہن ستم رسیدہ اپنی کس کس مصیبت کا شکوہ کرے! آیا یہ بیان کروں کہ تم سا وارث اس غربت میں مجھے اکیلا چھوڑ کر شہید ہو گیا یا یہ بیان کروں کہ آپؑ کے بعد میری ہتکِ عزت و آبروریزی ہوئی۔ میں آپؑ کے بعد ذلیل و خوار، سربرہنہ جابجا پھرائی گئی، حالانکہ ہماری یہ عزت و آبرو تھی کہ فرشتہ ہائے مقرب بھی ہمارے گھر میں بغیر اجازت کے قدم نہ رکھتے تھے اور ہماری کنیزوں کیلئے بھی گھر سے باہر نکلنا ننگ و عار تھا۔ اب ہماری یہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ترک و زنگبار کی کنیزوں کی طرح در بدر پھرائی جا رہی ہیں اور نامحرموں نے مجمعِ عام میں ہمیں سربرہنہ دیکھا۔

منقول ہے کہ سات شبانہ روز مجلس و ماتم جناب سیدالشہداء دمشق میں برپا رہی اور تمام شہر میں ایک قیامتِ عظیم برپا تھی۔

اشعارِ مصائب، اہلِ بیتؑ کا دمشق میں مجلسِ عزا برپا کرنا، روایتِ رنگریزِ شام

فِدَاکَ رُوْحِیْ یَاحُسَیْنُ وَعِتْرَتِیْ
وَاَنْتَ عَفِیْرٌ فِی التُّرَابِ جَدِیْلٌ
وَجِسْمُکَ عُرْیَانٌ طَرِیْحٌ عَلَی الثَّرٰی
عَلَیْکَ خُیُوْلُ الظَّالِمِیْنَ تَجُوْلُ

یا حسینؑ! ہم، ہماری اولاد اور ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ ایسی بیکسی و مظلومی سے دُنیا سے سدھارے کہ کوئی لاش کا اُٹھانے والا بھی نہ رہا۔ آپ کا جسدِ بے سر کئی دن کربلا کی خاک میں غلطاں زمین پر پڑا رہا اور یہ قیامت گزری کہ اعداء نے آپ کے جسم نازنین کو، جو جنابِ فاطمہؑ کی گود میں، رسولؐ خدا کی آغوش میں پلا تھا، گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا۔

بَنَاتُکَ تُسْبٰی کَالْاِمَاءِ حَوَاسِرًا
وَابْنُکَ مَابَیْنَ الْعِدَاةِ عَلِیْلٌ

ان مظالم پر بھی ظالموں نے اکتفا نہ کی، آپ کی عترت کو اسیر کر کے ترک و روم کی کنیزوں کی طرح در بدر پھرایا اور آپ کے فرزندِ علیل بیماری کی شدت میں طوق و زنجیر میں گرفتار کربلا سے شام تک سنگریزوں اور کانٹوں پر پاپیادہ گئے۔

مؤمنین! منقول ہے کہ جب اہل بیتؑ طاہرین کو زندانِ شام میں مدت گزری اور یزید کو اُس کی زوجہ ہند اور بعض اہل شام نے ملامت کی، اُس وقت اُس شقی نے اپنے ظلم پر نادم و پشیمان ہو کر جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کو مع اہل بیتؑ طاہرین دربار میں بلایا اور کہنے لگا: "اے علی ابن الحسینؑ! میں آپ کے پدرِ بزرگوار کو قتل کر کے نہایت رُسوا و بدنام

ہوا۔ خدا لعنت کرے ابن زیاد بدنہاد پر کہ اُس ملعون نے آپ کے بابا کو ناحق قتل کیا۔

خدائے عزوجل کی قسم! اگر میں اُن مظلومؑ کے قریب ہوتا تو جو کچھ وہ مجھ سے طلب کرتے، میں وہی حاضر کرتا اور کسی طرح حضرتؑ کو قتل نہ ہونے دیتا۔ اگرچہ میری اولاد سے بھی کوئی مارا جاتا۔ لیکن جو امر مقدر تھا، وہ ہوا۔ اب سوائے حسرت و افسوس کے کیا ہوسکتا ہے؟ اب میں آپ کو رہا کرتا ہوں اور اختیار دیتا ہوں کہ جی میں آئے تو یہیں سکونت فرمایئے ورنہ ارشاد ہو تو آپ کو عزت و احترام کے ساتھ مع اہل بیتؑ رسولؐ انام مدینہ منورہ پہنچا دوں"۔

اُس وقت جنابِ اُم کلثومؑ نے اُس مکار سے فرمایا: "اے یزید! تجھ کو اگر ہم ستم رسیدوں پر رحم آتا ہے اور ہماری رہائی کا ارادہ ہے تو سرِدست میں ایک حاجت رکھتی ہوں، اگر اُس کو پورا کرے؟"

وہ ملعون بولا کہ فرمایئے۔ ارشاد فرمایا: "اے یزید! جب سے تیری فوج نے میرے بھائی مظلومؑ کو شہید کیا ہے، لاش پر تو کیا، راہ میں بھی ہم بیکسوں کو رونے نہ دیا۔ اپنے وارثوں کے ماتم میں رونے کو ترس گئے ہیں۔ فی الحال تو ایک مکان خالی کروا کے سامانِ عزاداری مہیا کر دے کہ ہم لوگ اپنے سردار کو دل کھول کر رو لیں"۔

یزید نے ایک مکان خالی کروا کر تمام سامانِ ماتم اُس میں مہیا کر دیا۔ اہل بیتؑ طاہرین مع امام زین العابدینؑ اُس بیت الحزن میں تشریف لائے۔

مؤمنین! اُس وقت تک کوئی زنِ قریش اُن اسیرانِ ستم کو مثل کنیزانِ ترک و روم سمجھ کر پرسہ دینے نہ آئی تھی مگر جب یزید لعین نے اہل بیتؑ طاہرین کو اجازتِ ماتمداری دی اور وہ اُس بیت الحزن میں تشریف لائے تو تمام زنانِ قریش سیاہ لباس پہنے پرسے کو آئیں۔ اُس وقت جنابِ زینبؑ نے امام زین العابدین علیہ السلام سے فرمایا:

"اے فرزند! تم بھی ہم لوگوں کے کپڑوں کو سیاہ رنگ کروا دو"۔

پس امام زین العابدینؑ نے ایک رنگساز کو طلب فرما کر پوشاکِ اہلِ بیتؑ دی کہ سیاہ رنگ کر دے۔ وہ مردِ مؤمن وہ کپڑے لے کر اپنے گھر گیا اور رنگنے میں مشغول ہو گیا مگر اُن ستم رسیدوں کی بیکسی و مظلومی پر زار زار روتا تھا۔ اسی اثناء میں اُس کی زوجہ، جو کہ مؤمنہ کامل اور زیارتِ امامؑ کی مشتاق تھی، اپنے شوہر کو گریاں دیکھ کر کہنے لگی کہ تو اس وقت بلاوجہ کیوں رو رہا ہے؟ اُس نے کہا: ''اے نیک بخت! یہ جن کے کپڑے رنگنے کو لایا ہوں، اُن کی بیکسی و مظلومی پر میرا دل خود بخود روتا ہے''۔

اُس مؤمنہ نے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

اُس نے کہا کہ اہلِ مدینہ ہیں۔ وہ بولی: ''یقین ہے کہ خاندانِ رسالتؐ میں اُن کی رسائی ہوگی۔ تو نے کچھ احوال ہمارے آقا امام حسینؑ اور جنابِ زینبؑ کا بھی دریافت کیا کہ وہ کس حال میں ہیں؟''

یہ سنتے ہی وہ مردِ مؤمن چیخ مار کر رونے لگا اور بولا: ''کیا پوچھتی ہے؟ یہ لوگ خود اہلِ بیتؑ طاہرین ہیں۔ تجھے جس آقا کی زیارت کا اشتیاق تھا، چل اب اُس کے سرِ بریدہ کی زیارت کر۔ وہی حسینؑ تین دن کے بھوکے پیاسے مثلِ گوسفندِ قربانی ذبح کیے گئے اور وہی زینبؑ خاتون چادر و مقنعہ کے بغیر در بدر پھرا کر بلوائے عام میں کوفہ و شام میں پھرا کر قید کی گئی ہیں۔ یہ بیبیاں اپنے وارثوں کی لاشوں پر رونے بھی نہ پائی تھیں۔ آج یزید نے رحم کھا کر ماتمداری کی اجازت دی ہے۔ انہی بیکسوں کے لباسِ ماتمی رنگنے لایا ہوں''۔

غرض وہ مؤمنہ اُن کپڑوں کو لے کر گریاں و نالاں گریباں چاک خود اہلِ بیتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جنابِ زینبؑ نے وہ پوشاک لے کر ایک ایک بی بی کو پہنائی اور کفن کی شکل میں سب کے گریبان چاک کر دیئے۔

راوی کہتا ہے کہ اہلِ بیتؑ رسولؐ میں سات شبانہ روز ایسا گریہ و ماتم رہا کہ دمشق میں کبھی ایسا کہرام برپا نہ ہوا تھا۔ ہر در و دیوار سے آہ و زاری کی آواز بلند ہوتی تھی۔

روایتِ عزادارِ بصرہ، رہائیِ اہلِ بیتؑ، سرِ امام حسینؑ کا جنابِ سجادؑ سے تکلم کرنا

اَتَنْسٰی حُسَیْنًا لِلسِّہَامِ رَمِیَّۃً
وَخَیْلُ الْعِدٰی بَغْیًا عَلَیْہِ تَجُوْلُ
کَفَاہُ عُلُوًّا فِی الْبَرِیَّۃِ اَنَّہٗ
لِاَحْمَدَ وَالطُّھْرِ الْبَتُوْلِ سَلِیْلٌ

اے دوستدارانِ اہلِ بیتؑ! جنابِ امام حسینؑ کی مصیبت ایسی نہیں جسے کوئی بھول جائے۔ اُن حضرتؑ کے بعض مصائب ایسے ہیں کہ تمام جسمِ اقدس تیروں سے چھلنی ہو گیا تھا اور شہادت کے بعد لاشِ بے سر پر گھوڑے دوڑائے گئے، حالانکہ خوب جانتے تھے کہ اُنؑ کے جدِ بزرگوار رسولؐ خدا اور مادرِ عالی وقار فاطمہ زہراؑ ہیں۔

بِنَفْسِیْ وَاَھْلِیْ عَافِرَ الْخَدِّ حَوْلَہٗ
لَدَی الطَّفِّ مِنْ آلِ الرَّسُوْلِ قَتِیْلٌ
کَاَنَّ حُسَیْنًا فِیْھِمْ بَدْرُ ھَالَۃٍ
کَوَاکِبُھَا حَوْلَ السَّمَآءِ حُلُوْلٌ

میری اور میرے عیال کی جانیں اُس شہید پر فدا ہوں جو خاک و خون میں غلطاں گرم زمین پر پڑا تھا اور اُس کے گرد اولادِ رسولؐ سر کٹائے، خون میں نہائے جابجا پڑے تھے۔ گویا معلوم ہوتا تھا کہ بیچ میں چاند اور اُس کے اردگرد ستارے ہیں۔

مجموعہ سید صادق میں منقول ہے کہ شہرِ بصرہ میں ایک غریب و نادار عزادارِ جنابِ امام حسینؑ تمام سال مزدوری میں بسر کرتا تھا۔ جو کچھ روزانہ سے بچتا، اُس کو سال بھر کے بعد

عشرۂ عزا میں مجالس میں صرف کرتا تھا۔ ایک سال محرم کے قریب ایسا علیل ہوا کہ کچھ سامانِ عزاداری مہیا نہ ہو سکا، یہاں تک کہ ہلالِ ماتم نمودار ہوا۔ اُس کی زوجہ نے کہا کہ ہر سال میں داخلِ حسنات ہوتی تھی مگر افسوس کہ اس بار تیری بیماری نے عزاداری اور مؤمنوں کی خدمت گزاری سے باز رکھا۔ کل لوگ آئیں گے اور محروم لوٹ جائیں گے۔ اگر قوت ساتھ دے تو گھر سے باہر جا کر بقدرِ امکان مجلس کا سامان مہیا کر۔

یہ سن کر اُس کا شوہر باہر گیا اور وہ مؤمنہ در خانہ پر بیٹھی اپنے شوہر کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ اسی اثناء میں اُس کے مکان کے قریب کہیں مجلس عزاء برپا ہوئی۔ اُس عورت کو معلوم ہوا تو دروازہ بند کر کے وہاں گئی اور شریکِ حسنات ہوئی۔ مجلس کے بعد دُعا کی:

''اے آقا! آپ خوب جانتے ہیں کہ ہماری ناداری اور شوہر کی بیماری اس سال مؤمنوں کی خدمت گزاری اور آپ کی عزاداری کے مانع ہے۔ اس وقت سوائے حضرتؑ کے کس سے عرض کروں؟ رحم کیجئے اور اپنی مجلس کا سامان مہیا کر دیجئے''۔

یہ دُعا مانگ کر اپنے گھر آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ دروازہ کھلا ہے۔ سمجھی کہ شاید شوہر آیا ہے۔ جب صحن میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ چار بیبیاں نورانی صورت، لباسِ سیاہ پہنے مجلس کا سامان کر رہی ہیں۔ کوئی جاروب کشی، کوئی آب پاشی میں مصروف ہے۔ کوئی آٹا خمیر کرتی ہے، کوئی تنور روشن کرنے میں سرگرم ہے۔

متحیر ہو کر اُن مخدراتِ عظمٰی کے پاس گئی اور مؤدبانہ سلام کر کے عرض کرنے لگی:

''آپ لوگ کون بیبیاں ہیں اور اس کنیز کے سرفراز کرنے کا کیا سبب ہے؟''

اُن میں سے ایک بی بی نے کہا: ''میں مریم مادرِ عیسیٰؑ ہوں، وہ حوّاؑ زوجۂ آدمؑ، وہ ہاجرہؑ مادرِ اسماعیلؑ اور وہ خدیجہؑ زوجۂ خاتم الانبیاء ہیں۔ ہم لوگ تیرے بدلے مجلس حسینؑ کا سامان کرنے آئے ہیں''۔

ناگاہ اُس مؤمنہ کی نظر اُس جانب گئی جہاں ضریحِ اقدس تھی۔ دیکھا کہ ایک

مخدومہ سر برہنہ، بال بکھرائے، منہ پر خاک ملے، ایک تابوت کلیجہ سے لگائے ہیں اور زار زار رو رہی ہیں۔ یہ دیکھتے ہی وہ مؤمنہ بھی رونے لگی اور کہنے لگی:

''اے بی بی! آپ کون ہیں جو اس بیقراری سے روتی ہیں؟''

اُن معظمہؑ نے فرمایا: ''اے کنیزِ خدا! میں اُس مظلومؑ کی ماں ہوں جس کی لاش پر رونے والا سوائے صحرا کے جانوروں کے کوئی نہ تھا اور اُس کا بے سر جسم کئی روز بے غسل و کفن کربلا کی زمین پر پڑا رہا۔ اب جو شیعہ میرے فرزندِ غریب کی مجلس عزا برپا کرتے ہیں، میں آ کر سامانِ مجلس مہیا کر دیتی ہوں اور اُن کے ساتھ رونے پیٹنے میں شریک ہوتی ہوں''۔

وہ عورت یہ سنتے ہی قدمِ مبارک پر گر پڑی۔ جنابِ سیدہؑ نے اُس کا سر اپنی آغوش میں لے کر فرمایا:

''خوشا حال تیرا کہ تو میرے بیکس فرزند کی عزاداری کرتی ہے۔ کل قیامت کے دن میں تیری شفاعت کروں گی اور تجھے ساتھ لے کر بہشت میں داخل ہوں گی''۔

یہ بشارت سنتے ہی وہ مؤمنہ فرطِ مسرت سے غش کر گئی۔ جب ہوش میں آئی تو سوائے سامانِ عزا کے اور کسی کو نہ پایا۔ اسی اثناء میں اُس کا شوہر آیا۔ اُس زنِ نیک انجام نے تمام حال ابتداء سے انتہا تک کہہ سنایا۔

مؤمنین! آپ نے ملاحظہ کیا کہ جنابِ سیدہؑ اپنے غریب فرزندؑ کے ماتم میں اب تک روتی ہیں۔ آہ! کیونکر نہ روئے وہ ماں جس کا فرزند تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کیا گیا ہو اور جس کی صاحبزادیاں اسیر ہو کر شترانِ برہنہ پر بے مقنعہ و چادر بلوائے عام میں کربلا سے شام تک گئی ہوں اور وہ خاصانِ خدا ایسے قیدِ شدید سے مدتِ دراز تک شام کے زندان میں مقید رہے ہوں کہ دھوپ کی شدت، آفتاب کی حرارت سے رنگ متغیر ہو گئے ہوں اور چہروں کے پوست اُتر گئے ہوں۔

منقول ہے کہ جب اولادِ رسولؐ خدا کو یزید خوب آزار پہنچا چکا تو ظاہراً زخم کھا کر

پس بروایت لسان الواعظین آپؑ نے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ میرے پدر بزرگوار کا سر مجھے دے کہ کربلا میں لے جا کر بے سر جسم کے ساتھ دفن کر دوں''۔

اُس نے منظور نہ کیا۔ حضرتؑ نے عجب کلمہ فرمایا: ''اگر تو یہ قبول نہیں کرتا تو بابا کا سر مجھے ایک نظر دکھا دے کہ وہ مجھے اور میں اُن کو دیکھ کر وداع ہولوں، نہ جانے پھر کب زیارت نصیب ہوگی؟''

وہ شقی بولا: ''اے علیؑ! اپنے بابا کا سر تو خواب میں بھی دیکھنے کی اُمید نہ رکھو''۔

حضرتؑ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: ''اے یزید! کیا تو جانتا ہے کہ مجھ میں اور میرے پدر بزرگوار میں جدائی ہے؟''

یہ فرما کر آپؑ نے اُس حجرہ کی طرف رُخ کیا جس میں امامؑ کا سر طشت طلا میں رومال دیبا سے چھپا رکھا تھا اور عرض کی: ''اُس سر بریدہ پر میرا اسلام ہو جو اپنے بدن سے جدا ہے اور اُس شہید پر سلام ہو جو اپنے بدن کے خون میں نہایا ہے۔

اے بابا! یہ بیمار و علیل مدینہ جاتا ہے۔ آپؑ سے رُخصت ہوتا ہے۔ جو ارشاد ہو، بجالاؤں''۔

راوی کہتا ہے کہ وہ فرقِ بریدہ اپنے بیٹے کی آواز سن کر ایسا تڑپا کہ رومال دیبا سے جدا ہو گیا اور گردش کھا کر اپنے فرزند کی طرف پھر گیا۔ سوکھے ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور زبانِ حال سے گویا ہوا:

''اے زین العابدینؑ، اے اسیر رنج و بلا! حسینؑ کا بھی سلام تجھ پر پہنچے۔ بیٹا! جب مدینہ پہنچنا تو نانا سے کہنا کہ آپ کا نواسہ تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کیا گیا۔ اُس کا جسم کربلا کے صحرا میں جلتی ریت پر پڑا ہے۔ اُس کا سر کبھی نیزے پر چڑھایا گیا، کبھی تنور میں رکھا گیا، کبھی صندوق میں مقفل ہوا، کبھی دمشق کے دروازے پر لٹکایا گیا۔

یا جداہ! وہ سر جو کبھی آپؐ کے سینہ پر، کبھی آپؐ کے دوش پر رہتا تھا، اب وہی سر

اور مکاری سے اپنی ندامت و پشیمانی کو ظاہر کر کے انہیں رہا کیا۔ بہت سے اونٹوں پر مال و اسباب لدوا کر حاضر کیا اور چند ناقے جن پر کجاوے اور پردے زرنگار تھے، منگوا کر جناب اُم کلثومؑ سے کہنے لگا کہ یہ سب حسینؑ کا خون بہا ہے۔ چاہتا ہوں کہ قبول کر لیجئے اور مجھے اپنے بھائی کے خون سے بری کیجئے۔

آپؑ نے اُس شقی کی بے حیائی دیکھ کر فرمایا: ''تو نے فاطمہؑ کی بیٹیوں کو ننگے سر در بدر پھرایا، رسولؐ کے نواسے کو بھوکا پیاسا قتل کیا، اب دُنیا کے اس مالِ قلیل کو ایسے امرِ عظیم کا عوض سمجھتا ہے؟ خدا کی قسم! اگر تمام دُنیا نقرہ و طلا ہو جائے تو بھی حسینؑ کے ایک بال کا خون بہا نہیں ہو سکتا۔

اے غافل! خدا سے ڈر، اپنے انجام کو سوچ۔ جب قیامت ہوگی اور رسولِ خداؐ کی بیٹی، حسینؑ کی والدہ سر سے چادر اُتار کر عرش کے نیچے فریاد کریں گی۔

تَقُوْلُ اَیَاعَدْلُ اَحْکُمْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَنْ
تَعَدّٰی عَلٰی ابْنِیْ بَعْدَقَهْرٍ وَقَسْرَةٍ

کہیں گی کہ اے مظلوموں کے دادرس، اے احکم الحاکمین! تو میرے اور اُن کے درمیان انصاف کر جنہوں نے میری اولاد کے ساتھ بدسلوکیاں کیں۔

اَجَالُوْا عَلَیْهِ بِالصَّوَارِمِ وَالْقَنَا
وَکَمْ جَالَ فِیْهِمْ مِنْ سِنَانٍ وَشَفْرَةٍ

حسینؑ کو چاروں طرف سے گھیر کر کوئی تلواریں، کوئی نیزے مارتا تھا اور کوئی گرز لگاتا تھا۔ اُس وقت پروردگار عادل تجھ سے اس خونِ ناحق کا سوال کرے گا۔

اے یزید! اُس روز کے جواب پر آمادہ رہ۔

منقول ہے کہ وہ شقی سر جھکا کر دیر تک روتا رہا۔ اس کے بعد امام زین العابدینؑ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: ''یا علیؑ! جو کوئی حاجت آپؑ کو در پیش ہو، اُسے بیان کیجئے''۔

کبھی دربار میں، کبھی یزید کے خزانہ میں، طشت طلا میں رکھا جاتا ہے۔ وہ ہونٹ جن کو کبھی آپؐ چومتے تھے، کبھی شکر کی طرح چوستے تھے، اُن کی یہ نوبت پہنچی ہے کہ کبھی ابن زیاد نے کبھی یزید نے چھڑی سے کھولا ہے"۔

منقول ہے کہ جونہی جناب زینب سلام اللہ علیہا کی نظر اپنے بھائی کے سر اطہر پر پڑی، بے اختیار رو کر اپنی مصیبتوں کی شکایت کرنے لگیں۔ مگر امامؑ صابر کے سر سے پھر کچھ آواز نہ آئی۔

فضائلِ گریہ، رہائیِ اہلِ بیتؑ، کربلا میں پہنچنا اور جابر کا پیشوائی کو جانا

اَلاٰمَنْ قَالَ شِعْرًا فِی الْحُسَیْنِؑ
وَلَمْ یَنْطِقْ بِهُجْرٍ اَوْ یَمِیْنٍ
فَاَبْکٰی اَوْبَکٰی دَخَلَ الْجِنَانَا
وَنَالَ بِبَیْعِهٖ فِیْهَا مَکَانًا

مؤمنین! جس نے امام حسینؑ کی مصیبت میں ایک شعر درست مضمون کا نظم کیا اور خود رویا یا کسی کو رُلایا، روزِ قیامت وہ شخص بہشت عنبر سرشت میں اپنے آقا کی حضوری سے سرفراز ہوگا۔

"قَالَ الصَّادِقُ مَنْ بَکٰی اَوْبَکٰی ثَلٰثِیْنَ فَلَهُ الْجَنَّةُ"

گریہ کے فضائل میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے مصائب کو یاد کر کے روئے یا تیس آدمیوں کو رُلائے، اللہ تعالیٰ اُس پر بہشت واجب کر دیتا ہے۔

"وَمَنْ بَکٰی اَوْبَکٰی عَشْرَةً فَلَهُ الْجَنَّةُ".

اور جو روئے یا دس آدمیوں کو رُلائے، اللہ اُس پر بھی جنت کو واجب کرتا ہے۔

"وَمَنْ بَکٰی اَوْبَکٰی وَاحِدًا فَلَهُ الْجَنَّةُ".

اور جو روئے یا ایک شخص کو بھی رُلائے، خدا اُس پر بھی بہشت واجب کرتا ہے۔

"وَمَنْ تَبَاکٰی فَلَهُ الْجَنَّةُ".

اور جسے رونا نہ آئے اور وہ صورت رونے والوں کی بنائے تو خدا اُس پر بھی

بہشت واجب کرتا ہے۔

"فَاِنَّ مَنْ لَمْ یَحْزَنْ عَلٰی مُصَابِنَا فَلَیْسَ مِنَّا".

جو شخص ہماری مصیبت سنے اور اُس کا دل بھی محزون نہ ہو تو وہ شخص ہمارے شیعوں میں سے نہیں۔

منقول ہے کہ جب اہل بیتِ رسولؐ خدا کو زندانِ دمشق میں ایک مدت گزر گئی اور اہل شہر نے یزید کو طعنے دیئے تو اُس شقی نے نادم ہو کر اُن مصیبت زدوں کی رہائی کا حکم دیا۔

بشیر بن نعمان سیاہ پوش عماریوں کو لے کر حاضر ہوا، بیبیاں بچے سوار ہونے لگے۔

آہ! جنابِ زینبؑ کی باری آئی، اپنے ناقہ کے قریب آئیں اور کچھ یاد کر کے بے ساختہ رونے لگیں۔ پھر کربلا کی طرف منہ کر کے یوں فریاد کرنے لگیں:

"بھائی عباسؑ! کہاں چلے گئے؟ تم تو میری پردہ داری کا اہتمام کرتے تھے؟ اس وقت بہن سوار ہوتی ہے اور خبر بھی نہیں لیتے؟ بیٹا علی اکبرؑ! کس جنگل میں سو رہے ہو؟ پالنے والی کو کیا بھول گئے؟ مدینہ سے جب میں چلی تھی تم نے ہاتھ پکڑ کر سوار کیا تھا، اب پھوپھی پھر مدینہ جاتی ہے اور تم پوچھتے بھی نہیں ہو؟"

غرض بیمارؑ کربلا آگے آگے گھوڑے پر سوار اور پیچھے پیچھے بیواؤں کا قافلہ، سب کے سب روتے پیٹتے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ کربلا کے قریب پہنچے۔

صاحبِ مصائب الشہداء لکھتے ہیں کہ اُسی روز جابر انصاری جو سیدالشہداءؑ کے زائرِ اول ہیں، وہاں داخل ہوئے تھے۔ ناگاہ قبرِ مطہر سے آواز آئی:

"اے جابر! خواہرِ غم دیدہ، ستم رسیدہ میرے عیال و اطفال کو لئے زندانِ شام سے میری زیارت کو آتی ہے، افسوس اگر آج کے روز میں زندہ ہوتا تو اُس کے استقبال کو جاتا اور بڑے احترام سے لاتا۔ تو میری جگہ جا کر پیشوائی کر کے گورِ غریباں تک اپنے ساتھ لا"۔

یہ سنتے ہی جابر مقتل سے آگے بڑھے۔ آہ! کیا دیکھتے ہیں کہ آگے آگے جناب

سیدالساجدین علیہ السلام اپنے ناقہ سے اُتر کر پاپیادہ چلے آ رہے ہیں، اس طرح کہ گریبان چاک، گیسوؤں پر خاک، ہاتھوں پر اپنے پدرِ بزرگوار کا سرِ مطہر لئے ہوئے ہیں اور پیچھے سب بیبیاں گریاں و نالاں فریاد کرتی ہوئی ساتھ ساتھ ہیں۔

مؤمنین! ایک روز یہی اہل بیتؑ اسی زمین پر کس شان و سامان سے آئے تھے۔ مردوں پر وارثوں کا سایہ، گودیاں بچوں سے آباد، ایک طرف علی اکبرؑ، ہمشکلِ پیغمبرؐ، ایک جانب عباسؑ دلاور، کسی طرف عونؑ و محمدؑ، کسی سمت قاسمؑ ابن الحسنؑ پردہ داری کے اہتمام میں مصروف تھے۔ آج وہ لوگ تو زیرِ خاک آرام کرتے ہیں، یہ بیبیاں اُن کی قبروں پر رونے پیٹنے کو جاتی ہیں۔

کیا حال ہوا ہوگا اُن بیبیوں کا جب وہ پہلا سماں یاد کیا ہوگا کہ ایک روز اسی صحرا میں یہاں بارگاہِ امام حسینؑ تھی، اس طرف خیمہ علی اکبرؑ، اُدھر خیمہ عباسؑ دلاور تھا۔ اس جانب ہم لوگوں کے خیمے تھے۔ اس جگہ امامؑ کا لشکر گاہ تھا۔ آج وہ سب مقام ویران ہیں۔ اب اُس جگہ سوائے قبروں کے:

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرۃ الناسے
نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑے نہ عباسؑ

غرض جابر نے دوڑ کر اپنے آپ کو جنابِ سیدالساجدینؑ کے قدموں پر گرا دیا۔

حضرتؑ نے اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور فرمایا: "اے بھائی جابر!

سر امامؑ بڑی منتوں سے لایا ہوں
پھر اپنے باپؑ کو میں دفن کرنے آیا ہوں

جابر نے عرض کی: "اے مولاؑ! ابھی تو آپؑ کے پدرِ مظلوم کی تربت بہت دُور ہے۔ یہیں سے کیوں پیدل ہوئے؟ سوار ہو جایئے"۔

فرمایا: "جو میں دیکھتا ہوں، وہ تو نہیں دیکھتا۔ میرے پدرِ مظلومؑ قبرِ مطہر سے

پیشوائی کو تشریف لائے ہیں"۔

پھر جابر کی آنکھوں پر اپنے دستِ اقدس کو پھیرا، اُس وقت اُس نے عجب سماں دیکھا کہ جنابِ امام حسینؑ سر بریدہ کے ساتھ زخموں سے چور، ہر زخم سے خون جاری تشریف لا رہے ہیں اور اُن کے پیچھے سب شہداء سروں کو کٹائے، خون میں نہائے ساتھ ہیں اور سب کے حلقِ بریدہ سے یہ آواز آتی ہے: "اگر خداوند عالم ہم کو ہزار مرتبہ مار ڈالے اور زندہ کرے، تو بھی اولادِ رسولؐ کی نصرت و امداد میں جاں نثاری کو حاضر ہیں"۔

الغرض جب حرمِ محترم مقتلِ شہداء کے قریب پہنچے تو ہر ایک بی بی نے اپنے آپ کو اپنے اپنے وارث کی قبروں پر گرا دیا اور قبروں کو سینہ سے لگا کر جگر خراش بین کرنے لگیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے پدرِ عالی مقدار کی قبر سے لپٹ کر ایسا روئے کہ بیہوش ہو گئے۔

بروز اسیر سوار جمازہا بودیم
غریب دار بشب در خرابہا بودیم

اے بابا! آپؑ کے بعد زمانہ ہم سے پھر گیا۔

بہر دیار کہ وارد شدیم غوغا بود
مخدرات ترا علق در تماشا بود

اے بابا! ہم آپؑ کی زیارت کو حاضر ہوئے ہیں، سلام کرتے ہیں، آپؑ جواب بھی نہیں دیتے؟

بروایت ابو مخنف ناگاہ قبر مبارک سے حضرتؑ کی یہ آواز آئی: تم پر بھی حسینؑ کا سلام پہنچے۔ جب مدینہ پہنچنا تو میری والدۂ ماجدہ فاطمہ زہراؑ کو ہمارا سلام پہنچانا اور کہنا کہ اماں! اپنے فرزند مظلومؑ کو دیکھنے کو تشریف لایئے۔ یہ صدا سن کر تمام اہلِ بیتؑ میں ایک کہرام اور ہنگامہ برپا ہوا کہ سب بیبیاں روتے روتے بیہوش ہو گئیں۔

مصیبتِ امامؑ پر ہر شے کا رونا، اہلِ بیتؑ کا کربلا میں پہنچنا، جنابِ زینبؑ کا قبرِ امامؑ پر گرنا اور زمینِ کربلا سے خطاب کرنا

عَنْ زُرَارَةَ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ لِیْ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ یَازُرَارَةُ اِنَّ السَّمَاءَ بَكَتْ عَلَى الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا بِالدَّمِ۔

منقول ہے کہ جنابِ صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: بہ تحقیق کہ میرے جدِ بزرگوار جنابِ امام حسینؑ کی مصیبت پر چالیس روز آسمان لہو کے آنسوؤں سے رویا۔

"اِنَّ الْاَرْضَ بَكَتْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا بِالسَّوَادِ"۔

زمین چالیس دن اس طرح روئی کہ دُنیا تیرہ و تار ہو گئی۔

"وَاِنَّ الشَّمْسَ بَكَتْ عَلَيْهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا بِالْكُسُوْفِ وَالْحُمْرَةِ"۔

اور آفتاب اس غریبؑ پر اس طرح رویا کہ خونی رنگ ہو گیا اور چالیس دن تک گہن لگا رہا۔

"وَاِنَّ الْجِبَالَ تَقَطَّعَتْ وَاِنَّ الْبِحَارَ تَفَجَّرَتْ وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ بَكَوْا اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا عَلَى الْحُسَيْنِؑ"۔

اور پہاڑ اس غم میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ دریا جوش و خروش میں آئے۔ فرشتے چالیس دن برابر روتے رہے۔

اے زرارہ! جب میرے جدِ بزرگوار شہید ہوئے تو مستوراتِ ہاشمی سے کسی نے

ہاتھ پاؤں میں مہندی نہ لگائی، سروں میں تیل نہ ڈالا، بالوں میں کنگھی نہ کی، جب تک عبداللہ ابن زیاد کا سر کاٹ کر ہمارے پاس نہ آیا۔

اے زرارہ! ہم سب امام حسینؑ کے غم میں ہمیشہ رویا کرتے ہیں۔

منقول ہے کہ جب یزید لعین اپنے کردارِ بد سے نادم و پشیمان ہوا، اُس وقت اہل حرم کو اپنے سامنے طلب کیا اور عرض کی: ''میں اُمیدوار ہوں کہ میرا قصور معاف ہو اور آپؑ دمشق میں میرے پاس تشریف رکھیں کہ میں ہمیشہ خدمت گزار رہوں گا اور آپؑ کو سوائے راحت کے کسی طرح کی تکلیف نہ ہوگی''۔

اہل بیتؑ نے فرمایا: ''اے یزید! ہمیں ہرگز یہاں رہنا منظور نہیں۔ ہمیں مدینہ پہنچا دے''۔

یزید نے بشیر بن نعمان کو حکم دیا کہ جو اسباب اور سامانِ سفر اہل بیتؑ کے واسطے ضروری ہو، مہیا کر اور کچھ سوار ہمراہ لے کر ذریتِ رسولؐ خدا کو حفاظت سے یثرب میں پہنچا دے۔

غرض بشیر اہل بیتؑ کو ساتھ لے کر روانہ ہوا اور بہت ادب و احتیاط سے اُن حضرات کو پہلے کربلا پہنچایا۔ روایتِ مشہور کے مطابق وہ تاریخ ماہِ صفر کی بیسویں تھی جب امام زین العابدین علیہ السلام مع اہل حرم کے صحرائے کربلا میں پہنچے اور جابر بن عبداللہ انصاری نے خبر سنی، جو بنی ہاشم کی ایک جماعت کے ساتھ جنابِ امام حسینؑ کی زیارت کو مدینہ سے آئے تھے، اُس وقت سب کے سب خدمتِ باسعادتِ حضرتؑ میں حاضر ہوئے اور اہل بیتِ اطہار کے ہمراہ روتے پیٹتے مقتل شہداء پر پہنچے۔

راوی کہتا ہے کہ اُس وقت اہل بیتؑ کے ماتم سے اور زائرین کے رونے سے اُس جنگل میں ایک محشر برپا تھا۔ ہر طرف سے ہائے حسینؑ، وائے حسینؑ کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔

''لَمَّا رَاَتْ قَبْرَ اَخِيْهَا الْحُسَيْنِ اِنْكَبَّتْ عَلَيْهِ وَ بَكَتْ حَتّٰى غُشِيَ عَلَيْهَا''۔

عجب قیامت کا وہ وقت تھا جس وقت جنابِ زینبؑ نے اپنے بھائی کی قبرِ مطہر کو دیکھا۔ پس دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر قبر سے لپٹ گئیں اور اس قدر روئیں کہ بیہوش ہو گئیں۔ قریب تھا کہ روح بدن سے مفارقت کر جائے۔

بہرکیف جب نوحہ و ماتم کا شور بنی اسد اور اہل غاضریہ نے سنا تو عورتیں اپنے گھروں سے سر کھولے روتی پیٹتی دوڑیں اور مقتل میں پہنچ کر بیبیوں کے ساتھ گریہ و بکا میں شریک ہوئیں۔

صاحبِ خلاصۃ المصائب کی زبانی میں نے سنا ہے کہ جس وقت ذریتِ رسولؐ، عترتِ علیؑ و بتولؑ زندانِ دمشق سے رہا ہو کر صحرائے کربلا میں پہنچے تو سب بیبیاں غم امام حسینؑ میں نوحہ و فریاد کرنے لگیں۔ ناگاہ اُس وقت ایک عرب نیزہ بکف نمودار ہوا اور پوچھنے لگا:

''اَيْنَ اَمِيْرُكُم''۔

تم لوگوں کا امیر کون ہے اور کہاں ہے؟

امام زین العابدینؑ نے رو کر فرمایا:

''اَيُّهَا الْاَعْرَابِیُّ نَحْنُ فَقَدْنَا اَمِيْرَنَا فِیْ هٰذَا الْوَادِیْ وَهٰذَا قَبْرُ اَمِيْرِنَا''۔

اے اعرابی! ہم لوگوں نے اپنے سردار کو اسی صحرا میں کھو دیا اور یہ قبر اُسی بزرگوار کی ہے۔ اس کو یزید کی فوج نے بے گناہ قتل کیا۔

اُس نے کہا: میری ایک حکایت عجیب ہے۔ اُس کا کشفِ راز چاہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: بیان کر۔

وہ بولا: ''میرے پاس کچھ گوسفند ہیں جن کو میں ہمیشہ خود چراتا ہوں اور فرات سے پانی پلاتا ہوں۔ سال گزشتہ دسویں محرم کو دوپہر کے وقت میں جونہی اُنہیں پانی پلانے کے واسطے فرات پر لایا تو کسی حیوان نے دریا کی طرف رُخ نہ کیا اور پانی کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ آخر میں نے ناچار ہو کر ایک دو گوسفند کو اُٹھا کر پانی میں پھینک دیا مگر اُنہوں نے اپنے لبوں کو بند کر لیا اور پیاسے باہر نکل آئے اور مڑ مڑ کر اس جانب حسرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں جاری تھیں۔ ہر چند چاہا مگر اُس دن دنبوں نے پانی نہ پیا۔ عجب حیرت ہوئی۔ میں یہ سمجھا کہ کوئی ایسا حادثۂ عظیم رونما ہوا ہے جس کا حیوانوں کو بھی ملال ہے۔ اسی اندیشہ میں ناگاہ میرا گزر اس صحرائے ہولناک میں ہوا، ایک سوار جرار کو دیکھا۔ فوج اشرار اُسے گھیرے ہوئے ہے اور وہ مظلومؑ استغاثہ کرتا ہے مگر کوئی اُس کی مدد کو نہیں پہنچتا بلکہ چاروں طرف سے نیزہ و شمشیر و تیر مارتے ہیں۔

فوج کے ہجوم سے اُس مظلومؑ تک کسی طرح نہ جا سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے سنا کہ ایک منادی آسمان و زمین کے درمیان یہ ندا کرتا ہے:

''قَدْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ قَدْ ذُبِحَ الْحُسَيْنُ''۔

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس مظلوم شہید کے خیموں میں اُن ظالموں نے آگ لگا دی اور ایک بیمار کو زنجیر و طوق میں گرفتار و اسیر کیا اور اس کے ناموس کو شتران بے کجاوہ پر بٹھا کر اُس لشکر نے یہاں سے کوچ کیا۔ پھر جو میں اس صحرائے ہولناک میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سو کے قریب لاشوں کے بے سر تن خون میں تر خاک پر پڑے ہیں اور ان لاشوں سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی ہے اور ایک نور ایسا ساطع ہے کہ تجلی سے اُس کے اطراف صحرا درخشاں ہے۔

میں سمجھا کہ انہی بزرگواروں میں سے کوئی ایسا ہی برگزیدہ مارا گیا ہے جس کا غم جانوروں نے بھی کیا ہے۔ اُس روز سے میں اس جاں سوز واقعہ کی تحقیق کیلئے حیران و

سرگرداں اس صحرا میں پھرتا ہوں۔ کئی روز ہوئے لوگوں سے سنا تھا کہ اُن مقتولوں کے وارث آ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ ہی اُن کے وارث ہیں۔

خدا کے واسطے! اصل حقیقت سے مطلع کیجئے''۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ''اے اعرابی! جس بیمار کو تو نے طوق و زنجیر میں گرفتار دیکھا تھا، وہ میں ہی بیکس ہوں۔ وہ سوار یکہ و تنہا جو زغۂ اعداء میں گھرے ہوئے تھے، میرے پدر بزرگوار حسینؑ ابن علیؑ تھے۔ تیرے جانور کس طرح پانی پیتے کہ اُن کا امامؑ تین دن کا بھوکا پیاسا تشنہ کام فوج شام کے ظلم سے شہید ہو رہا تھا''۔

یہ سنتے ہی وہ اعرابی زور زور سے رونے لگا اور اہل بیتؑ میں بھی ایک کہرام برپا ہوا۔ ناگاہ اُس ہنگامہ میں بی بی فضہؓ نے جو بیبیوں کی طرف نگاہ کی تو جناب زینبؑ کو نہ پایا۔ پریشان ہو کر روتی پیٹتی خیمہ سے باہر آئیں۔ آہ! کیا دیکھتی ہیں کہ ایک سیاہ چادر امامؑ کی قبر پر پڑی ہے۔ غور سے جو دیکھا تو جناب زینبؑ اپنے بھائی کی قبر مطہر سے لپٹی رو رہی ہیں۔

مؤمنین! وہ مخدومہؑ اپنے بھائی اور عزیزوں کے غم والم میں ایسی پوست و استخوان ہو گئی تھیں کہ بی بی فضہ کو خالی چادر کا گمان ہوا۔

الغرض بی بی فضہؓ نے عرض کی: اے بی بیؑ! خیمہ میں تشریف لے چلئے۔ کچھ خواتین پرسہ کو آئی ہیں اور مردانِ بنی اسد کا ہجوم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی آپؑ کو یہاں دیکھ لے۔

جناب زینبؑ نے آہ سرد کھینچ کر فرمایا: اے فضہؓ! اس وقت تو میرے پردہ کا خیال کرتی ہے۔ کیا نہیں جانتی کہ اسی مقام سے ہم کو اشقیائے کوفہ و شام قید کر کے شتران بے کجاوہ پر سوار کر کے بلوائے عام میں شام تک لے گئے۔ ہمارے پردے والے تو اس صحرا میں آرام کر رہے ہیں۔ اب اُن لوگوں کے بعد ہمارا پردہ کہاں رہا؟

بروایت صاحب بحر المصائب جب کئی روز اہل بیتؑ کو اس صحرا میں گزر گئے،

اُس وقت بشیر بن جذلم نے، جو اُن حضرتؑ کے ساتھ تھا، جنابِ سید الساجدینؑ کی خدمت میں عرض کی:

"یابن رسول اللہ! الحمد للہ کئی روز آپؑ کو اس جنگل میں خیریت سے گزرے لیکن یہ جگہ خوف کی ہے اور مجھے اعداء کے شر سے ہرگز اطمینان نہیں، اگر حضرتؑ ارشاد فرمائیں تو یہاں سے کوچ ہو؟"

بیمارِ کربلا نے بشیر کی التماس قبول کی اور قبور شہداء سے بکمالِ حسرت و یاس رخصت ہوئے۔ اسی طرح سب بیبیاں اپنے اپنے وارثوں کی قبروں سے مل کر چلنے پر آمادہ ہوئیں۔ لیکن جنابِ زینبؑ کا یہ حال تھا کہ کسی طرح اپنے بھائی کی قبر سے جدا نہ ہوتی تھیں۔ تربت سے لپٹی برابر روتی جاتی تھیں۔ جب کوئی سمجھاتا تھا تو اور بیقرار ہو جاتی تھیں۔ غرض جب سید الساجدین علیہ السلام نے بہت سمجھایا تو ناچار چلنے پر راضی ہوئیں۔ رخصت کے وقت امام حسینؑ کی قبر سے لپٹ کر بین کرنے لگیں۔

رَحَلْنَا یَا اَخِیْ بِالرَّغْمِ مِنَّا
اَلَا فَانْظُرْ اِلٰی مَا حَلَّ فِیْنَا

بھائی! میں چاہتی تھی کہ تمام عمر آپؑ کی تربت کی مجاور رہوں مگر زمانہ کو یہ بھی منظور نہ ہوا۔ مجبوری سے آپؑ کو اس جنگل میں اکیلا چھوڑ کر مدینہ جاتی ہوں۔

اَلَا یَا کَرْبَلَا اَوْدَعْتُ جِسْمًا
بِلَا غُسْلٍ وَّلَا کَفَنٍ دَفِیْنَا

پھر کربلا کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: میں تجھے یہ جسمِ مبارک سپرد کر کے جاتی ہوں جس کو مرنے کے بعد کئی دن تک کفن نہ ملا، نہ گور میسر ہوئی۔

اَلَا یَا کَرْبَلَا اَوْدَعْتُ نُوْرًا
وَذُخْرَ الْقَاصِدِیْنَ الزَّائِرِیْنَا

وَدَعْنَا اِلَیْکَ فِلْذًا مِنْ عَلِیٍّ
وَمِنْ زَهْرَآءَ سِتِّ الْعَالَمِیْنَا

اے کربلا! علیؑ کے ناز کے پالے، فاطمہؑ کے چاند، خدا کے نور کو حوالے کر کے جاتی ہوں۔ نبی کا گھر تو برباد ہو گیا، تیرا سنسان جنگل قیامت تک آباد رہے گا اور ہمیشہ زوار زیارت کو آ کر شرف حاصل کیا کریں گے۔

اس کے بعد پھر قبرِ مطہر سے لپٹ کر بہت روئیں اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔

خانۂ رسولؐ میں ویرانی، مدینہ میں اہلِ بیتؑ کا داخلہ، امام زین العابدینؑ کی محمد حنفیہ سے ملاقات

'قَالَ الصَّادِقُ مَنْ بَكٰى عَلَى الْحُسَيْنِؑ اَوْاَبْكٰى اَوْ تَبَاكٰى وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ'.

مصحفِ ناطق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو مؤمن امام حسین علیہ السلام کی مصیبتوں پر خود روئے یا کسی کو رُلائے یا رونے والوں جیسی صورت بنائے، بہشت اُن سب پر واجب ہے۔

"كُلُّ عَيْنٍ بَاكِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا عَيْنٌ بَكَتْ عَلَى الْحُسَيْنِؑ فَاِنَّهَا ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ بِنَعِيْمِ الْجَنَّةِ"

حضرتؑ نے فرمایا: روزِ قیامت وہ روز ہولناک ہوگا جس کے خوف سے تمام عالم کی آنکھیں روئیں گی مگر وہ چشم جو دُنیا میں نورِ چشمِ رسولؐ خدا پر روئی ہوگی، اُس چشم کا مالک خنداں ہوگا اور نعمت ہائے بہشت سے بشارت دیا جائے گا۔

وَقَفْتُ عَلٰى دَارِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ
فَاَلْفَيْتُهَا قَدْ اَقْفَرَتْ عَرَصَاتُهَا
وَاَمْسَتْ خَلَاءً مِنْ تِلَاوَةِ قَارِئٍ
وَعُطِّلَ مِنْهَا صَوْمُهَا وَصَلٰوتُهَا

راوی کہتا ہے کہ میں ایک مرتبہ رسولؐ خدا کے درِ دولت پر گیا، دیکھا کہ جہاں جبرئیلؑ و میکائیلؑ خدمت کو آتے تھے، اُس گھر کی شام و صبح اس طرح ہوتی ہے کہ نہ کسی قاری

قرآن کی تلاوت کی آواز، نہ کسی مؤذن کی اذان کی صدا آتی ہے۔ ایسا ویران و سنسان پڑا ہے کہ صوم وصلوٰۃ بالکل معطل ہوگئی۔

مَعَالِمُهَا تَبْكِيْ عَلٰى عُلَمَائِهَا
وَزَائِرُهَا يَبْكِيْ لِفَقْدِ مَزُوْرِهَا

وہ حضرات جو اُس گھر کے مالک و وارث تھے، اُن کے نہ ہونے پر وہ ٹوٹی ہوئی دیواریں زبانِ حال سے نوحہ کرتی ہیں اور جو زائر زیارت کو آتا ہے، اُس مکان کی ویرانی و بربادی پر بے اختیار رو دیتا ہے۔

وَكَانَتْ مَلَاذَ الْاَنَامِ وَجُنَّةً
مِنَ الْخَطْبِ يَغْشٰى الْمُعْتَفِيْنَ صَلَاتُهَا
فَاَقْوَتْ مِنَ السَّادَاتِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
وَلَمْ يَجْتَمِعْ بَعْدَ الْحُسَيْنِ شَتَاتُهَا

افسوس! جو گھر تمام عالم کیلئے جائے پناہ اور ہر رنج و مصیبت کی سپر تھا اور صاحبانِ حاجت اُس در سے کامیاب ہوکر جاتے تھے، وہ گھر ساداتِ بنی ہاشم سے خالی پڑا ہے۔ ہر چند رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد روز بروز اُس گھر پر تباہی تھی لیکن جب تک خامس آلِ عبا زندہ تھے، پنجتنؑ کا نام اور اُس گھر کی رونق باقی تھی۔ اُنؑ کے بعد وہ گھر ایسا اُجڑا کہ پھر آباد ہونا ممکن نہ ہوا۔ واقعی وہ گھر کیونکر آباد ہو جس گھر سے حسینؑ جیسا سردار اور اُنؑ کے ساتھ چھوٹے بڑے اٹھارہ بنی ہاشم، جن کا دُنیا میں مثل و نظیر نہ تھا، دوپہر میں قتل ہوجائیں۔

مؤمنین! اُس شخص کو تو حضرتؑ کے بیت الشرف کی ویرانی دیکھ کر اس قدر صدمہ ہوا، بیمارِ کربلا کا کیا حال ہوا ہوگا جب اپنے گھر کو دیکھا ہوگا! یہ بابا کا حجرۂ عبادت ہے، یہ علی اصغرؑ کے جھولے کی جگہ ہے، یہ عباسؑ کا سلاح خانہ ہے اور وہ علی اکبرؑ کی خواب گاہ ہے۔ اب یہ مقام ویران و سنسان ہیں۔

کیسا کہرام برپا ہوا ہوگا جب آپؑ نے اہل مدینہ سے اپنی مصیبتیں بیان کی ہوں گی، خصوصاً محمد حنفیہؒ نے اپنے بھتیجے کو اکیلا دیکھ کر کیا حال بنایا ہوگا۔

کتاب مہیج الاحزان میں منقول ہے کہ جب محمد حنفیہ نے سنا کہ ذریت جناب رسولؐ خدا مدینہ طیبہ میں وارد ہوئی ہے تو دل میں کہنے لگے: کیا سبب ہے کہ بھائی امام حسینؑ میری ملاقات کو تشریف نہ لائے۔ اُسی عالم بیماری میں اپنے غلاموں کو ارشاد کیا کہ مجھ کو جلد بھائی حسینؑ کی خدمت میں لے چلو کہ میں رسولؐ خدا کی بقیہ نشانی کی زیارت سے شرف حاصل کروں۔

لہٰذا آپ کو غلاموں نے راہوار پر سوار کیا اور دو آدمی بغلوں میں ہاتھ دیئے آہستہ آہستہ ساتھ چلے۔ ناگاہ کچھ علَمِ سیاہ دکھائی دیئے، بے ساختہ ایک آہِ سرد کھینچ کر فرمایا:

ہمارے بھائی حسینؑ کا تو نشان سبز ہے، یہ کالے نشان کیسے ہیں؟

"وَاللّٰهِ قُتِلَ اَخِی الْحُسَيْنُ".

واللہ! میرے بھائی حسینؑ قتل ہوگئے! یہ فرما کر گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور غش کر گئے۔ لوگوں نے جناب امام زین العابدینؑ سے عرض کی کہ اپنے چچا کی خبر لیجیے کہ ہلاکت کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرتؑ خیمہ سے روتے ہوئے دوڑے اور اپنے عم بزرگوار کا سر آغوشِ مطہر میں لے کر زار و قطار رونے لگے۔ محمد حنفیہ ہوش میں آئے، جب بھتیجے کے چہرہ پر نظر پڑی تو بے ساختہ رو کر کہنے لگے:

"اَيْنَ اَخِی اَيْنَ اَخِی اَيْنَ قُرَّةُ عَيْنِی اَيْنَ ثَمَرَةُ فُؤَادِی اَيْنَ خَلِيفَةُ اَبِی اَيْنَ الْحُسَيْنُ اَخِی".

اے نورِ نظر، اے پارۂ جگر! میرے حسینؑ، برادرِ غمخوار، فرزندِ رسولِ مختار، جانشین حیدرؑ کرار کہاں ہیں؟

"قَالَ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَيْنِ يَا عَمَّاهُ اَتَيْتُکَ يَتِيمًا قُتِلَ

وَاللّٰهِ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ وَسُبِيَتْ حَرِيْمُهُ وَنُهِبَتْ خِيَامُهُ وَذُبِحَتْ اَطْفَالُهُ وَاُخِذَتْ اَمْوَالُهُ".

آپؑ نے فرمایا: اے عم نامدار! میرے پدر بزرگوار کا کیا احوال پوچھتے ہیں؟ مجھ کو اشقیاء نے یتیم کیا، میں اپنے بابا کو صحرائے کربلا میں کھو آیا۔

اے چچا جان! ظالموں نے ہمارے مردوں کو شہید کیا، مستورات کو اسیر کر کے دربدر بے مقنعہ و چادر پھرایا۔ ہمارے خیموں میں آگ لگا دی۔ ہمارا اسباب لوٹ لیا۔

محمد حنفیہؒ یہ سنتے ہی بیہوش ہوگئے اور اہل بیتؑ میں ماتم و فریاد کا شور بلند ہوا۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو کچھ زخموں کے نشان اپنے بھتیجے کی گردن پر مشاہدہ کیے۔ پوچھا کہ اے فرزند! یہ نشان کیسے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: اے چچا! یہ نشان اُس طوقِ خاردار کا ہے جو میری گردن میں پہنایا گیا تھا اور اُس کی سنگینی سے میرا گلا چھل گیا۔

محمد حنفیہ نے یہ حال سن کر اس قدر سر و سینہ پیٹا کہ اُن پر غشی طاری ہوگئی۔

بروایت سرور المؤمنین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب محمد حنفیہ نے چاہا کہ جناب سید الساجدین علیہ السلام کو گلے سے لگائیں، اُس وقت آپؑ نے فرمایا: چچا جان! آہستہ گلے لگانا کہ ابھی تک میرا گلا طوقِ خاردار سے مجروح ہے۔

مؤمنین! مقامِ تصور ہے کہ محمد حنفیہؒ فقط امام زین العابدینؑ کے گلے کا نشان دیکھ کر غش کر گئے، کیا حال ہوتا جب دیکھتے کہ اشقیاء اُنؑ کو بیماری کی شدت میں گلے میں طوق، پاؤں میں زنجیر پہنا کر پاپیادہ منزلوں اور کانٹوں پر دوڑائے جاتے ہیں اور کیا صدمہ گزرتا جب اپنے بھائی کے سر بریدہ کو طشتِ طلا میں زیرِ تخت اس طرح دیکھتے کہ یزید لعین خوش ہو ہو کر دندانِ مبارک پر چھڑی لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے حسینؑ! تمہارے دانت کس قدر خوبصورت ہیں، تم بہت جلد ضعیف ہوگئے۔

اہلِ بیتؑ کا مدینہ میں پہنچنا، جنابِ اُمِّ کلثومؑ کا نوحہ پڑھنا، اُمِّ سلمہؓ کا قبرِ رسولِ خدا پر امام حسینؑ کا سر رکھنا

"اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰی نُوْحًا عَنْ اَمْوَاجِ الْبِحَارِ الْمُتَلَاطِمَاتِ وَجَعَلَ فُلْكَهٗ سَفِیْنَةَ النَّجَاةِ بَعْدَاَنْ نَاحَ وَصَاحَ عَلٰی مَنْ سِیْقَ اَهْلُهٗ فِی الْبَرَارِیْ وَ الْفَلَوَاتِ اَیْدِیْهِمْ اِلَی الْاَعْنَاقِ مَغْلُوْلَاتٌ وَ اَعْنَاقُهُمْ بِالسِّلْسِلَةِ الْجَامِعَةِ مَكْبُوْلَاتٌ".

شکر اُس پروردگار کا جس نے نوحؑ کو دریائے متلاطم کی موجوں سے نجات بخشی اور اُنؑ کی کشتی کو سفینۂ نجات قرار دیا۔ اس کے بعد اُنہوں نے اُس بزرگوار پر نوحہ کیا جس کے اہل وعیال کو ظالموں نے قید کر کے بیابانوں میں، جنگلوں میں اس طرح پھرایا کہ اُن بیکسوں کے ہاتھ اُن کی گردنوں میں باندھ دیئے تھے اور گلوں میں دُہری زنجیریں ڈال دی تھیں۔ اُن خاصانِ خدا کو ایسی شدید قید سے مدتِ دراز تک زندانِ شام میں مقید رکھا کہ دھوپ کی شدت، آفتاب کی حرارت سے رنگ متغیر ہوگئے۔ پوست چہروں سے اُتر گئے۔

منقول ہے کہ جب اولادِ رسولِ خدا کو یزید خوب آزار پہنچا چکا تو ظاہر میں رحم کھا کر اور مکاری سے اپنی ندامت و پشیمانی ظاہر کر کے اُنہیں رہا کیا اور اسبابِ سفر مہیا کر کے اہل بیتِ طاہرین کو بشیر بن نعمان کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ امام حسین علیہ السلام کا سر بھی مع سرہائے شہداء جنابِ امام زین العابدینؑ کے حوالے کیا۔

جب بشیر بن نعمان اہل بیتؑ کو لئے یثرب میں داخل ہوا اور اس لٹے ہوئے

قافلے کے داخلہ کی خبر مدینہ میں عام ہوئی، اُس وقت سب عورتیں و مرد، چھوٹے بڑے زیارت کے اشتیاق میں استقبال کو دوڑے۔ امام زین العابدین علیہ السلام اور اہل بیتؑ طاہرین کو عجب حال سے دیکھ کر سینوں میں کلیجے شق ہونے لگے۔ بچوں کی، جوانوں کی صورتیں نظروں میں پھرنے لگیں۔ جنابِ زینبؑ کی سواری کی شان و شوکت یاد آگئی۔

لکھا ہے کہ اُس وقت جنابِ اُمِ کلثومؑ مدینہ سے مخاطب ہو کر وہ مرثیہ جس کے سننے سے پہاڑ ٹکڑے ہو جائیں، پڑھنے لگیں۔

مَدِیْنَةَ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا
فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنْكَ بِالْاَهْلِیْنَ جَمْعًا
رَجَعْنَا لَا رِجَالَ وَلَا بَنِیْنَا

اے ہمارے نانا کے شہر! اب ہم اس حسرت واندوہ سے تجھ میں آئے ہیں کہ اس قابل نہیں رہے کہ تجھ میں آئیں اور تو ہمیں قبول کرے۔ ہم کیونکر آئیں؟ جب تجھ سے رخصت ہو کر گئے تھے تو سب عزیز ہمارے ساتھ تھے اور اب اس بیکسی سے داخل ہوئے ہیں کہ سروں سے وارثوں کا سایہ اُٹھ گیا ہے، بچوں سے گودیاں خالی ہوگئی ہیں۔

وَمَوْلَانَا الْحُسَیْنُ لَنَا اَنِیْسٌ
رَجَعْنَا وَالْحُسَیْنُ بِهٖ رَهِیْنَا
اَلَا اَخْبِرْ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنَّا
بِاَنَّا قَدْ فُجِعْنَا فِیْ اَخِیْنَا

اے مدینہ! حسینؑ سا آقا جو ہم بے وارثوں کا وارث اور یتیم بچوں کا سرپرست تھا، وہ تو نہ آیا، اُس کے بغیر ہم کیونکر آئیں۔ اے مدینہ! تو ہماری طرف سے رسولِ خدا کو خبر کردے کہ ہم لوگ آپؐ کے نواسے کو کربلا کے صحرا میں کھو کر روتے پیٹتے یہاں آئے ہیں۔

ذَبَحُوا الْحُسَيْنَ وَلَمْ يُرَاعُوْا
جَنَابَکَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْنَا

وُرَهْطُکَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَضْحَوْا
عُرَايَا بِالطُّفُوْفِ مُسَلَّبِيْنَا

اے مدینہ! ہمارے نانا سے کہہ دے کہ آپ کی اُمت نے ہم پر بڑے ظلم کئے اور آپؐ کے حق کی کچھ رعایت ہمارے بارے میں نہ کی۔ حسینؑ کو بھوکا پیاسا گوسفندِ قربانی کی طرح ذبح کیا اور ہمارے سروں سے چادریں چھین کر بے مقنعہ و بے ردا در بدر پھرایا۔

فَلَوْنَظَرَتْ عُيُوْنُکَ لِلْاُسَارٰی
عَلٰی اُقْتَابِ الْجِمَالِ مُحَمَّلِيْنَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَالصَّوْنِ صَارَتْ
عُيُوْنُ النَّاسِ نَاظِرَةً اِلَيْنَا

یارسولؐ اللہ! کاش دیکھتے کہ آپ کی نواسیاں، فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں جن کے گھر سے پردہ داری کا رواج ہوا، قید ہو کر سر برہنہ اونٹوں پر سوار، ترک و حبش کی کنیزوں کی طرح کوچوں اور بازاروں میں، نامحرموں کے اژدہام میں، بلوائے عام میں پھرائی جاتی تھیں اور کوئی اُن کا پرسانِ حال نہ تھا۔

بہرکیف جنابِ اُمِ کلثومؑ کے نوحہ نے سب کا دل پانی پانی کر دیا۔ آنکھوں سے آنسو، لبوں سے نالے نکلنے لگے۔ یکا یک امام حسینؑ کا فرقِ بریدہ سب کو نظر آیا۔ پھر تو کسی میں تابِ ضبط نہ رہی اور سب لوگ سر و سینہ پیٹنے لگے۔ فریادیں کر کر کے پچھاڑیں کھانے لگے۔ خصوصاً جنابِ اُمِ سلمہؓ نے سیدؑ الشہداء کا سر جو دیکھا تو آغوش میں لے کر اس بیتابی سے نوحہ کیا کہ ذاکر کو بیان کی طاقت نہیں۔

غرض اسی طرح جنابِ اُمِ سلمہؓ ذریتِ رسولؐ، دخترانِ بتولؑ اور سرِ حسینؑ مظلوم کو لئے قبرِ مطہر پیغمبرؐ خدا پر تشریف لائیں اور اُس سرِ بریدہ کو لحد کے تعویذ پر رکھ کر فریاد کی:

یارسولؐ اللہ! یہ دُکھیاریاں، آفت کی ماریاں، حضرتؐ کی نواسیاں آپؐ کے پیارے حسینؑ کو، جس کو آپؐ اپنے سینۂ اقدس پر سلاتے تھے، کربلا کے صحرا میں تین روز کا بھوکا پیاسا کھو آئی ہیں اور تن بے سر کربلا کی زمین کو سونپ کر آپؐ کے لختِ جگر کا فقط سر لائی ہیں۔

مؤمنین! اُس وقت جنابِ فاطمہ صغریٰؑ کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنی ماں سے لپٹ کر علی اصغرؑ کے غم میں سر پیٹتی تھیں، کبھی اپنی پھوپھی زینبؑ سے علی اکبرؑ کا حال پوچھ کر بلک بلک کر روتی تھیں، کبھی پیغمبرؐ خدا کی قبر سے لپٹ کر اپنے باپؑ کی یاد میں روتے روتے بیہوش ہو جاتی تھیں۔

غرضیکہ فاطمہ صغریٰؑ کی بیتابی سے قیامتِ کبریٰ برپا تھی، آسمان ہلتے تھے، زمین کانپتی تھی اور جنابِ رسولؐ خدا کی قبر تھرتھراتی تھی۔

فہرست کتب نظامی پریس بکڈپو، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

عنوان کتب	روپیہ
قرآن مجید مترجم: فرمان علی (جلی قلم)	150
قرآن مجید، ترجمہ مولانا سید فرمان علی	150
قرآن مجید ترجمہ فرمان علی (رنگین)	200
قرآن مجید ترجمہ فرمان علی (رنگین جلی قلم)	200
حمائل شریف ترجمہ فرمان علی	100
قرآن مجید، ترجمہ مولانا مقبول احمد	250
قرآن مجید معریٰ (بغیر ترجمہ)	100
نہج البلاغہ: مفتی جعفر حسین	170
تحفۃ العوام اضافہ شدہ اڈیشن	100
تحفۃ العوام (قدیم اڈیشن)	60
تحفۃ العوام (ہندی)	100
تحفۃ العوام (انگریزی)	50
وظائف الابرار	55
وظائف الابرار	80
وظائف الابرار	42
صحیفہ کاملہ: مفتی جعفر حسین صاحب	150
مفاتیح الجنان: سید اختر عباس صاحب	120
شیعہ ہی اہلسنت ہیں: ڈاکٹر تیجانی سماوی	45
معجزات حضرت علیؑ: محمد وصی خاں صاحب	30
معجزات حضرت عباسؑ: محمد وصی خاں	30
چودہ ستارے: مولانا نجم الحسن صاحب	100
روحوں کا سفر: موت کے بعد کیا ہوگا	20
الارشاد: شیخ مفید علیہ الرحمہ	120
قضایائے امیر المومنین	40
معالی السبطین فی الاحوال الحسنؑ والحسینؑ	
جلد اول و دوم	300
اعجاز القرآن: سید صولت حسین	30
تہذیب الاسلام: علامہ مجلسی	120

عنوان کتب	روپیہ
تاریخ ائمہ: مولانا علی حیدر صاحب	120
الدمعۃ الساکبہ: آقای محمد باقر بہبانی	180
الدمعۃ الساکبہ: معصومہ عالمؑ، حضرت علیؑ	
اور امام حسنؑ کے تفصیلی حالات (جلد دوم)	200
قرآن اور اہلبیت: سید ریاض حسین نجفی	60
علل الشرائع: شیخ صدوقؒ	200
ریاض القدس: آقای صدر الدین (جلد اول)	175
ریاض القدس: (جلد دوم)	200
قرآن مجید معریٰ: (۳۰ پاروں کا سیٹ)	200
حرز المومنین: (مجموعہ وظائف)	120
مخزن عملیات ترجمہ الدعوات کبیر	120
اسرار مکنونہ: ترجمہ لئالی مخزونہ	30
کوکب دری: محمد صالح کشفی ترمذی	135
ینابیع المودت: شیخ سلیمان حسینی قسطنطنیہ	300
البلاغ المبین جسٹس آغا محمد سلطان مرزا	150
بحار الانوار: جلد ۱ تا ۱۲	1355
علی تو علی ہے: علی تقی	100
مشکلکشاء: صائم چشتی اول دوم	300
تاریخ اسلام: نجم الحسن کراروی	200
تاریخ اسلام: سید العلماء	140
اور پھر حضرت علیؑ آئے	30
بحور الغم: علامہ محمد علی لکھنوی	160
الشافی: ترجمہ اصول کافی جلد ۱ تا پنجم	900
من لا یحضرہ الفقیہ: شیخ صدوق جلد ۱ تا چہارم	875
بیاض بدر العزا: تاریخ خوار نوحوں کی کتاب	40
بدر العزا (ہندی)	45
نور العزا: پرانے تاریخ خوار نوحوں کی کتاب	50
انیس و دبیر کے بیس مرثیے	24

Published by :
Nizami Press Book Depot, Victoria Street, Lucknow
Phone : 2267964